رکعاتِ تراویح

ایک تحقیقی جائزہ

مؤلفہ

حافظ ظہور احمد الحسینی

حق پاسبان
pasbanehaq

مکتبہ امام محمد بن حسن شیبانیؒ

حضرو ضلع اٹک، پاکستان

0301-5486918, 0302-5481125

رکعاتِ تراویح

ایک تحقیقی جائزہ

—— مؤلفہ ——

ظہور احمد الحسینی

مکتبہ امام محمد بن حسن شیبانیؒ

حضرو ضلع اٹک، پاکستان

0301-5486918, 0302-5481125

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

کتاب: رکعاتِ تراویح ایک تحقیقی جائزہ

مطبع: پرو پرنٹ، لاہور

طباعت: طبع سوم

تاریخ اشاعت: فروری ۲۰۲۴ء، شعبان المعظم ۱۴۴۵ھ

تعداد: ایک ہزار

ناشر: مکتبہ امام محمد بن حسن شیبانیؒ

حضرو ضلع اٹک، پاکستان

0301-5486918, 0302-5481125

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

انتساب

احقر اپنی اس کاوش کو امام اہل سنت، پاسبان مسلکِ حق، شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ کے اسم گرامی سے انتساب کرتا ہے۔ جو اسلافِ امت کے جانشین اور اکابر اہل سنت والجماعت علمائے دیوبند کَثَّرَ اللّٰہُ سَوَادَھُمْ کے معتمد علیہ ہیں۔

جنہوں نے تعلیماتِ اکابر اہل سنّت و الجماعت رحمہم اللہ کی نشر و اشاعت اور مسلک حق کی پاسبانی کو اپنا مقصد حیات بنایا، اور جن کی تصانیف عالیہ سے اِن شاءَ اللہ ہمیشہ متلاشیانِ حق راہ حق پاتے رہیں گے اور باطل لرزہ براندام رہے گا۔

احقر

ظہور احمد الحسینی غفرلہ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

فہرست

دیباچہ طبع سوم ۱۵

کتاب ''رکعات تراویح ایک تحقیقی جائزہ'' اکابر علماء کی نظر میں

- رائے گرامی: امام المحدثین، بقیۃ السلف حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب ۱۷
- رائے گرامی: بقیۃ السلف، مصنف کتب کثیرہ حضرت مولانا محمد عبدالمعبود صاحب دامت برکاتہم ۱۹
- رائے گرامی: حضرت مولانا جسٹس (ر) مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم ۲۳
- رائے گرامی: حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۲۴
- رائے گرامی: حضرت مولانا منیر احمد منور صاحب دامت برکاتہم العالیہ ۲۶

کتاب ''رکعات تراویح ایک تحقیقی جائزہ'' موقر دینی جرائد کی نظر میں ۲۷

- ماہنامہ ''نصرۃ العلوم'' گوجرانوالہ ۲۷
- ماہنامہ ''الخیر'' ملتان ۲۷
- ماہنامہ ''وفاق المدارس'' ملتان ۲۸
- ماہنامہ ''حق چار یار'' لاہور ۲۹
- ماہنامہ ''بینات'' کراچی ۳۰

حرفِ اولین ۳۱

مقدمہ، بیس رکعات مسنون تراویح ۳۷

- لفظ تراویح ۳۹
- نماز تراویح کی وجہ تسمیہ ۴۰
- نماز تراویح کی ابتداء ۴۰
- نماز تراویح عہد نبوی میں ۴۱
- تراویح عہد خلفائے راشدین میں ۴۴
- خلفائے راشدین کے دور میں رکعات تراویح کی تعداد ۴۶

مشہور اور کبار محققین کی آراء ۴۷

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

- امام محمد بن ادریس شافعیؒ کی رائے ۴۷
- امام ابو عیسیٰ ترمذیؒ کی رائے ۴۷
- امام ابن عبد البر مالکیؒ کی رائے ۴۷
- امام علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ (م ۶۲۰ھ) کی رائے ۴۸
- علامہ حافظ ابن تیمیہؒ کی رائے ۴۸
- علامہ تقی الدین ابو بکر بن محمد حسینی حصنیؒ کی رائے ۴۹
- امام ولی الدین عراقیؒ (صاحبزادہ حافظ زین الدین عراقیؒ) کی رائے ۴۹
- شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدیؒ کی رائے ۴۹
- نواب صدیق حسن خان صاحبؒ کی رائے ۵۰

حضرات خلفائے راشدین کا جاری کردہ طریقہ بھی عین سنت ہے ۵۱

بیس تراویح کی سنت مؤکدہ ہیں ۵۲

بیس رکعات سے کم تراویح پڑھنا گناہ اور موجب وبال ہے ۵۴

تراویح تہجد کی نماز سے الگ اور ایک مستقل نماز ہے ۵۶

تراویح اور تہجد میں دس وجوہ فرق ۵۸

- آنحضرت ﷺ کا تراویح کے بعد تہجد پڑھنا ۶۵
- صحابی رسول ﷺ حضرت طلق بن علیؓ کا تراویح کے بعد تہجد پڑھنا ۶۷
- امام مالکؒ، امام ابو محمدؒ اور شیخ ابو الحسن زیاتؒ کا تراویح کے بعد تہجد پڑھنا ۶۹
- امام بخاریؒ کا تراویح کے بعد تہجد پڑھنا ۶۹
- امام ابو محمد اصفہانیؒ کا تراویح کے بعد تہجد پڑھنا ۷۰
- غیر مقلدین کے شیخ الکل کا تراویح کے بعد تہجد پڑھنا ۷۱
- حضرت عمرؓ کا تہجد کو تراویح سے مختلف نماز سمجھنا ۷۲
- ائمہ حدیث بھی تراویح اور تہجد میں مغایرت کے قائل ہیں ۷۷
- فقہائے عظام کی تراویح اور تہجد میں مغایرت پر تصریحات ۷۸

چند شبہات کا ازالہ ۸۳

- شبہ نمبر ۱ ۸۳
- جواب ۸۳

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

- شبہ نمبر ۲ ۸۴
- جواب اوّل ۸۵
- جواب ثانی ۸۷
- شبہ نمبر ۳ ۸۸
- جواب ۸۸
- شبہ نمبر ۴ ۹۳
- جواب ۹۳

رکعاتِ تراویح ایک تحقیقی جائزہ

—— حصہ اوّل —— ۹۵

بیس تراویح عہد نبوی میں ۹۷

- حدیث نمبر ۱، روایت ابن عباسؓ ۹۷
- حدیثِ ابن عباسؓ پر اعتراضات کے جوابات ۹۷
- اس حدیث کے راوی ابوشیبہ پر کی گئی جرحوں کا جائزہ ۱۱۳
- امام ابوداؤدؒ وغیرہ محدثین کی جرح ۱۱۳
- امام بخاریؒ اور امام ابوحاتمؒ کی جرح ۱۱۳
- امام احمدؒ کی جرح ۱۱۵
- امام شعبہؒ کا ابوشیبہؒ کو کذب سے موصوف کرنا ۱۱۶
- جنگِ صفین میں ستر بدری صحابہؓ کی شرکت ۱۱۹
- امام ابن عدیؒ کی جرح ۱۴۰
- جواب ثانی ۱۴۳
- حدیث نمبر ۲ ۱۴۹
- حدیث نمبر ۳ ۱۵۰

بیس تراویح عہد خلفائے راشدین میں ۱۵۵

- بیس تراویح عہد فاروقی میں ۱۵۵
- روایت نمبر ۱ ۱۵۵
- اس روایت پر ارسال کا اعتراض اور اس کا جواب ۱۵۶

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

- حجیت مُرسل کی بحث ۱۵۶
- روایت نمبر ۲ ۱۷۱
- اس روایت پر اعتراض کہ یہ مُرسل ہے ۱۷۲
- جواب اول ۱۷۲
- جواب ثانی ۱۷۳
- جواب ثالث ۱۷۳
- جواب رابع ۱۷۷
- اعتراض ثانی: یہ روایت امر عمرؓ سے خالی ہے ۱۸۱
- جواب ۱۸۱
- روایت نمبر ۳ ۱۸۵
- روایت نمبر ۴ ۱۸۸

”سنن ابی داؤد“ میں ”عشرین رکعۃ کا اثبات ۱۸۹

- روایت نمبر ۵ ۱۹۹
- روایت نمبر ۶ ۲۰۳
- ابوطاہر فقیہ کی توثیق ۲۰۵
- ابوعثمان بصری کی توثیق ۲۱۳
- غیر مقلدین کی حدیث دانی ۲۱۸
- اس روایت کے دیگر راویوں کی توثیق ۲۱۹
- کیا سنن سعید بن منصور والی حدیث اس حدیث پر راجح ہے ۲۲۰
- روایت نمبر ۷ ۲۲۲
- اس روایت کے راویوں کا تعارف ۲۲۳
- امام عبدالرزاق صنعانیؒ (م ۲۱۱ھ) ۲۲۳
- محمد بن فلیح اسلمیؒ (م ۱۹۷ھ) ۲۳۰
- حارث بن عبدالرحمٰن بن ابی ذبابؒ (م ۱۴۶ھ) ۲۳۱
- حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ (م ۹۱ھ) ۲۳۳

بیس تراویح عہد فاروقی و عہد عثمانی میں ۲۳۴

- روایت نمبر ۸ ۲۳۴

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

- روایت نمبر ۹ ۲۳۵
- اعتراض نمبر ۱: اس روایت کا راوی علی بن الجعدؒ تشیع کے ساتھ مجروح ہے ۲۴۹
- جواب ۲۵۰
- اعتراض ثانی: اس روایت کا راوی ابن خصیفہؒ حفظ وضبط میں کم تر ہے ۲۵۹
- جواب ۲۵۹
- اعتراض ثالث: گیارہ رکعات کا راوی محمد بن یوسفؒ ابن خصیفہؒ سے زیادہ ثقہ ہے ۲۶۳
- جواب ۲۶۳
- اعتراض رابع: ابن خصیفہؒ یہ روایت بیان کرنے میں تردد کا شکار ہیں ۲۷۲
- جواب: ۲۷۲

بیس تراویح عہد مرتضوی میں ۲۷۷

- روایت نمبر ۱۰ ۲۷۷
- اس روایت پر اعتراض اول: حماد بن شعیبؒ ضعیف ہے ۲۷۸
- جواب ۲۷۸
- اعتراض ثانی: عطاء بن السائبؒ مختلط ہے ۲۹۰
- جواب ۲۹۰
- روایت نمبر ۱۱ ۳۰۱
- اس روایت کے راوی ابوالحسناء پر مجہول ہونے کا اعتراض ۳۰۲
- جواب ۳۰۲
- ابوالحسناء مجہول نہیں مستور ہیں ۳۰۳
- خلاصہ کلام ۳۰۶
- مستور راوی کی روایت کا حکم ۳۰۶
- ابوالحسناء پر دوسرے اعتراض کا جواب ۳۱۱
- روایت نمبر ۱۲ ۳۱۴
- اس روایت کے راوی ابوسعد بقال پر ضعیف ہونے کا اعتراض ۳۱۵
- ابوسعد بقالؒ کی توثیق ۳۱۶

چند روایات بطور شاہد ۳۲۸

- پہلی روایت بطور شاہد ۳۲۹

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

• دوسری روایت ۳۲۹
• تیسری روایت ۳۳۲
• چوتھی روایت ۳۳۲
بیس تراویح عہد صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین وتبع تابعین میں ۳۳۷
• اثر نمبر ۱ ۳۴۰
• اثر نمبر ۲ ۳۴۸
• اثر نمبر ۳ ۳۵۳
• اثر نمبر ۴ ۳۵۵
• اثر نمبر ۵ ۳۶۴
• اثر نمبر ۶ ۳۶۵
• اثر نمبر ۷ ۳۶۷
• اثر نمبر ۸ ۳۶۸
• اثر نمبر ۹ ۳۶۹
• اثر نمبر ۱۰ ۳۷۱
• امام ترمذیؒ کی تصریح بابت رکعات تراویح ۳۷۳
بیس تراویح پر اجماع صحابہؓ ۳۷۹
• اجماع صحابہؓ حجت ہے ۳۷۹
بیس تراویح پر اُمت کا تواتر اور توارث ۳۸۶
• تعامل وتوارث کی اہمیت ۳۸۶
• مبارکپوری اور رحمانی صاحبان کے ذکر کردہ آثار کی حقیقت ۳۹۴
• علامہ عینیؒ کے ذکر کردہ آثار کی وضاحت ۴۰۵
• ابومجلزؒ سے منسوب قول کی وضاحت ۴۱۱
• علامہ ابن العربیؒ کا مسلک ۴۱۳
حافظ ابن تیمیہؒ کی تحقیق بابت رکعاتِ تراویح ۴۲۰
بیس تراویح پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ۴۲۶

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

- امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک ۴۲۶
- امام شافعیؒ کا مسلک ۴۲۸
- امام احمدؒ بن حنبلؒ کا مسلک ۴۲۹
- امام احمدؒ کے مذہب سے متعلق امام ترمذیؒ کے ذکر کردہ قول کی وضاحت ۴۳۶
- امام مالکؒ کا مسلک ۴۴۰
- علامہ عینیؒ کے امام مالکؒ سے ذکر کردہ گیارہ رکعات والے قول کی حقیقت ۴۵۰
- علامہ سیوطیؒ کے ذکر کردہ قول کی حقیقت ۴۵۲
- علامہ عبدالحق اشبیلیؒ کے ذکر کردہ قول کی حقیقت ۴۵۵
- عبدالحق اشبیلیؒ کے بلاسند ذکر کردہ قول کی حقیقت ۴۵۸
- مؤطا میں گیارہ رکعات والی روایت سے امام مالکؒ کا مذہب کشید کرنے کی حقیقت ۴۵۹
- ائمہ اربعہؒ کی اتباع سواد اعظم کی اتباع ہے ۴۶۳

بیس تراویح ائمہ اربعہؒ کے علاوہ دیگر علمائے امت کی نظر میں ۴۶۷

بیس تراویح کا ثبوت علمائے غیر مقلدین سے ۴۷۵

رکعات تراویح ایک تحقیقی جائزہ ۴۸۱

حصہ دوم

- غیر مقلدین کے تراویح اور رکعاتِ تراویح سے متعلق چند مختلف نظریات ۴۸۳
- آٹھ اور بیس تراویح کے دلائل میں موازنہ ۴۸۹
- تنبیہ ضروری ۴۸۹

آٹھ تراویح کے اثبات میں غیر مقلدین کے دلائل کا جائزہ ۴۹۳

- پہلی دلیل حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا ۴۹۳
- جواب اول ۴۹۳
- جواب ثانی ۴۹۷
- جواب ثالث ۵۰۱
- جواب رابع ۵۰۷
- جواب خامس ۵۱۶

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

- جواب سادس ۵۱۸
- جواب سابع ۵۲۴
- جواب ثامن ۵۲۶
- جواب تاسع ۵۳۲
- جواب عاشر ۵۳۵
- دلیل نمبر ۲ حدیث جابر انصاری رضی اللہ عنہ ۵۳۸
- جواب نمبر ۱ ۵۳۸
- جواب نمبر ۲ ۵۴۱
- عیسیٰ بن جاریہ کا تعارف ۵۴۲
- ابن جاریہ پر وارد جرح "منکر الحدیث" اور مولانا رحمانی کا عذر لنگ ۵۵۱
- کیا "منکر الحدیث" جرح مبہم ہے ۵۵۷
- حافظ ابن حجرؒ کی جرح پر مولانا رحمانی کے اعتراض کی حقیقت ۵۷۱
- سنابلی صاحب کی بددیانتی ۵۷۳
- عیسیٰ بن جاریہ کو ثقہ ثابت کرنے کی ایک کوشش اور اس کا جواب ۵۷۸
- امام ابو زرعہؒ کا ابن جاریہ کو "لا بأس بہ" کہنا اس کے لیے کچھ مفید نہیں ۵۷۹
- امام ابن حبانؒ کا کسی راوی کو ثقات میں ذکر کرنا غیر مقلدین کے نزدیک غیر معتبر ہے ۵۸۴
- تصحیح ابن خزیمہؒ کی حقیقت ۵۹۰
- علامہ ہیثمی کی تصحیح وتحسین بھی غیر مقلدین کے ہاں معتبر نہیں ۵۹۳
- علامہ بوصیریؒ کی تحسین بھی غیر مقلدین کے نزدیک کچھ وقعت نہیں رکھتی ۵۹۹
- حافظ منذریؒ غیر مقلدین کی نظر میں اہل فن رجال میں سے نہیں ہیں ۶۰۲
- حافظ ذہبیؒ کے نزدیک ابن جاریہ کی مذکورہ حدیث منکر ہے ۶۰۵
- کیا امام بخاریؒ کا کسی راوی کو "التاریخ الکبیر" میں ذکر کرنا اس کی توثیق ہے؟ ۶۰۸
- حافظ ابن حجرؒ کے سکوت کے ساتھ غیر مقلدین کا دوغلا پن ۶۱۱
- امام ابو حاتم کے سکوت کا حال غیر مقلدین کی نظر میں ۶۱۷
- ابن جاریہ ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ متفرد بھی ہے ۶۲۲
- ایک شبہ کا ازالہ ۶۲۴
- روایت جابرؓ کے دوسرے راوی یعقوب قُمی کا تعارف ۶۲۹
- یعقوب قمی کو ثقہ ثابت کرنے کی کوشش کا جواب ۶۳۶

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

- ابن مہدیؒ کا یعقوب قمی سے روایت لینا اس کو کچھ مفید نہیں ۶۳۷
- امام بخاریؒ کا ابن جاریہ سے معلق روایت لینا بھی اس کی توثیق نہیں ۶۳۹
- ذہبیؒ کا قمی کو صدوق کہنا غیر مقلدین کو مفید نہیں ۶۴۱
- امام نسائیؒ کا قمی کو "لیس بہ بأس" کہنا بھی اس کو مفید نہیں ۶۴۴
- امام طبرانی کی توثیق کا جواب ۶۴۵
- امام ابن معینؒ کی توثیق کا جواب ۶۴۶
- یعقوب قمی کا تفرد حجت نہیں ۶۴۷
- روایتِ جابرؓ کے تیسرے راوی محمد بن حمید رازی کا تعارف ۶۴۸
- روایتِ جابرؓ علمائے غیر مقلدین کی نظر میں ۶۵۰
- غیر مقلدین کی دلیل نمبر ۳ واقعہ ابی بن کعبؓ بروایت جابرؓ ۶۵۳
- جوابِ اول ۶۵۴
- جوابِ ثانی ۶۵۶
- جوابِ ثالث ۶۵۶
- جوابِ رابع ۶۵۹
- غیر مقلدین کی دلیل نمبر ۴ ۶۶۰
- جوابِ اول ۶۶۰
- جوابِ ثانی ۶۶۵
- جوابِ ثالث ۶۷۱
- جوابِ رابع ۶۷۲
- جوابِ خامس ۶۷۲
- جوابِ سادس ۶۷۳
- جوابِ سابع ۶۷۳
- جوابِ ثامن ۶۷۵
- جوابِ تاسع ۶۷۷
- جوابِ عاشر ۶۷۸
- غیر مقلدین کی دلیل نمبر ۵ ۶۷۸
- جواب ۶۷۸
- غیر مقلدین کی دلیل نمبر ۶ ۶۸۷

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

- جواب اول ۶۸۷
- جواب ثانی ۶۸۷
- جواب ثالث ۶۸۹
- جواب رابع ۶۹۰
- دراوردیؒ ائمہ رجال وحدیث کی نظر میں ۶۹۰
- عبدالعزیز دراوردی کو ثقہ ثابت کرنے کی ایک کوشش کا جواب ۷۰۰
- غیر مقلدین کی دلیل نمبر ۷ ۷۰۷
- جواب ۷۰۷
- غیر مقلدین کی دلیل نمبر ۸ ۷۰۸
- جواب ۷۰۸
- غیر مقلدین کی دلیل نمبر ۹ ۷۱۰
- جواب اول ۷۱۰
- جواب ثانی ۷۱۱
- جواب ثالث ۷۱۲
- مصنف عبدالرزاق کی روایت پر غیر مقلدین کے اعتراضات کی حقیقت ۷۱۸
- پہلا اعتراض اور اس کا جواب ۷۱۸
- دوسرا اعتراض اور اس کا جواب ۷۲۲
- تیسرا اعتراض اور اس کا جواب ۷۲۳

غیر مقلدین کے چند شبہات ۷۴۱

- شبہ اولیٰ ۷۴۱
- علامہ ابن الہمامؒ کے تفردات غیر مقلدین کی نظر میں ۷۴۲
- شبہ ثانیہ ۷۴۶
- شبہ ثالثہ ۷۴۷
- شبہ رابعہ ۷۵۰
- شبہ خامسہ ۷۵۱
- شبہ سادسہ ۷۵۲
- شبہ سابعہ ۷۵۳
- شبہ ثامنہ ۷۵۴
- علامہ کشمیریؒ کی تحقیق بابت رکعات التراویح ۷۵۴

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

گیارہ رکعات تراویح کے راوی عیسیٰ بن جاریہ رحمہ اللہ کا تعارف
اور زبیر علی زئی غیر مقلد کی قلابازیاں ۷۵۹
- عیسی بن جاریہ پر محدثین کے اقوالِ جرح ۷۶۳
- امام ابوداؤد رحمہ اللہ کی جرح پر زبیر علی زئی کے اعتراض کا جواب ۷۶۴
- امام نسائی رحمہ اللہ کی جرح پر زبیر علی زئی غیر مقلد کے اعتراض کا جواب ۷۷۰
- زبیر علی زئی کا شاذ حدیث کی تعریف سے غلط مطلب کشید کرنے کی کوشش ۷۷۳
- جواب ۷۷۴
- امام ساجیؒ کی جرح پر اعتراض اور اس کا جواب ۷۷۹
- حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی جرح پر زبیر علی زئی کی تاویل کا جواب ۷۸۳
- زبیر علی زئی کی طرف سے عیسیٰ بن جاریہ کی توثیق کا جواب ۷۸۷
- امام ابوزرعہ کی توثیق کا جواب ۷۸۸
- امام ابن حبانؒ کی توثیق کا جواب ۷۹۳
- امام ابن خزیمہؒ کی توثیق کا جواب ۷۹۵
- زبیر علی زئی کی پسپائی اور اپنے موقف میں تبدیلی ۷۹۶
- امام ہیثمیؒ کی توثیق کا جواب ۸۰۹
- حافظ ذہبی کی توثیق کا جواب ۸۱۲
- امام منذریؒ کی توثیق کا جواب ۸۱۴
- امام بوصیریؒ کی توثیق کا جواب ۸۱۶
- امام ابو یعلیٰ الخلیلیؒ کی توثیق کا جواب ۸۱۸
- زبیر علی زئی کا دھوکہ ۸۲۱
- زبیر علی زئی کے الزامی دلائل کی وضاحت ۸۲۴
- زبیر علی زئی کا نظریہ جمہور اور اس کی حقیقت ۸۲۷
- امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ ۸۳۳
- نعیم بن حماد ۸۳۴
- امام ابو یوسف رحمہ اللہ ۸۳۴
- عبیداللہ بن موسیٰ ۸۳۵

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

دیباچہ طبع سوم

بسم اللہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی۔ اما بعد:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے احقر کو کئی کتب تصنیف کرنے کا شرف عطا فرمایا، اور ان سب کتب کو بہت زیادہ قبولیت سے نوازا۔ خصوصاً "رکعاتِ تراویح ایک تحقیقی جائزہ" جو احقر کی پہلی باقاعدہ تصنیف ہے، کو عوام وخواص میں بے انتہا مقبولیت و شہرت ملی۔ وللہ الحمد۔ پاک و ہند کے کئی اکابر علماء (حضرت مولانا ظہور الحق دامانی ؒ، حضرت مولانا حبیب اللہ مہاجر مدنی ؒ، محقق اہل سنت، مصنف کتب نافعہ حضرت مولانا حبیب اللہ ڈیروی ؒ، حضرت مولانا محمد امین اورکزئی شہید ؒ صاحب نثر الازہار شرح شرح معانی الآثار، جانشین امام الزاہدین والعارفین حضرت مولانا قاضی محمد ارشد الحسینی دامت برکاتہم وغیرہ) نے اس کتاب کی بہت زیادہ تعریف کی، اور کئی اکابر علماء نے اس پر شاندار تقاریظ لکھ کر احقر کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ جزاهم الله عنى احسن الجزاء۔ نیز پاکستان کے کئی نامور جرائد میں اس کتاب پر بڑے عمدہ الفاظ میں تبصرے لکھے گئے ہیں۔ یہ سب محض اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور احقر کے والدین واساتذہ کی دعاؤں کا ثمر ہے، ورنہ "من آنم که من دانم"۔

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن جنوری ۲۰۰۷ھ میں شائع ہوا، پھر کچھ اضافہ جات کے بعد اس کا دوسرا ایڈیشن مئی ۲۰۱۲ھ میں شائع ہوا۔ دوسرا ایڈیشن بھی کافی عرصہ سے ہمارے پاس ختم ہو چکا تھا، اور قارئین اس کتاب کو دوبارہ شائع کرانے کا مسلسل

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

تقاضا کر رہے تھے،لیکن احقر اپنی دیگر تصنیفی وعلمی مصروفیات کی وجہ سے اس کو جلد شائع کرانے سے قاصر رہا۔اب کچھ فرصت ملی تو احقر اس کتاب کا تیسرا ایڈیشن تیار کر کے قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے،اور تاخیر پر اُن سے معذرت خواہ ہے۔

اس ایڈیشن میں بہت سے اضافات کیے گئے ہیں، اور انڈیا کے ایک غیر مقلد عالم مولانا کفایت اللہ سنابلی صاحب نے اس کتاب کے کچھ مباحث پر جو اعتراضات اٹھائے تھے،ان سب اعتراضات کے بحمد اللہ مسکت جوابات بھی ذکر کر دیے گئے ہیں۔ اسی طرح حافظ زبیر علی زئی نے اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن کے بعد اس کے خلاف اپنے ماہنامہ الحدیث میں جو ایک دو مضامین لکھے تھے،ان کا جواب بھی اس ایڈیشن میں آگیا ہے۔اللہ تعالیٰ ہماری اس حقیر کاوش کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے،اور اس کو احقر کی بخشش اور سعادتِ دارین کا ذریعہ بنائے۔آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

آخر میں احقر برادر مکرم حسن خاور صاحب کا خصوصی شکریہ ادا کرتا ہے۔جنہوں نے اس تیسرے ایڈیشن کی کمپوزنگ سے لے کر طباعت تک کی تمام ذمہ داریاں بخوبی نبھائیں،اللہ تعالیٰ ان کی اس خدمت کو قبول فرمائے،اور اس پر ان کو اپنے شایانِ شان جزاء عطا فرمائے۔آمین

احقر العباد ظہور احمد الحسینی

جمعرات ۱۵ جمادی الثانی ۱۴۴۵ھ، ۲۸ دسمبر ۲۰۲۳ء

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

رائے گرامی

امام المحدثین، بقیۃ السلف حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب ؒ

سابق رئیس وفاق المدارس العربیہ پاکستان و مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی

الحمد للہ رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین۔ اما بعد:

نمازِ تراویح، فاتحہ خلف الامام، رفع یدین، آمین وغیرہ ایسے مسائل ہیں جن پر صدیوں سے اتنا کچھ لکھا گیا ہے کہ ایک پورا کتب خانہ صرف ان مسائل کی تحقیقی محنت پر جمع ہوسکتا ہے۔ مسائل میں اختلاف تحقیق کے لیے ہوتا ہے، نہ کہ حق و باطل کی فتویٰ بازی کے لیے۔ غیر مقلدین نے فقہی اختلافات کو اپنی جارحیت، شدت پسندی سے حق و باطل کی فتویٰ بازی کا عنوان بنا دیا ہے۔ اس کی زد نہ صرف مسائل پر پڑتی ہے، مسائل کے مأخذات، قرآن و سنت اور اجتہاداتِ فقہاء بھی اس کی زد میں آتے ہیں۔ اس کا نتیجہ مسائل پر عمل کے بجائے نصوص اور ان کے معانی و مطالب کے انکار کی صورت میں نکل رہا ہے۔ اس لیے نہایت ضروری ہے کہ غیر مقلدین کی اس جارحیت کا جواب دلائل کے ساتھ سنجیدگی سے دیا جائے، تاکہ نصوص کی حفاظت بھی ہو، حق کا دفاع بھی ہو اور اختلاف کی خلیج بھی وسیع نہ رہے۔

حضرت مولانا ظہور احمد الحسینی مدظلہٗ کو اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی اسلوبِ تحقیق سے نوازا ہے، اور ماشاء اللہ موصوف اس میں خوب محنت کر رہے ہیں، اور کامیاب ہیں۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

"رکعاتِ تراویح ایک تحقیقی جائزہ" بھی اسی سلسلہ میں آں موصوف کی تراویح پر ایک جامع کتاب ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ یہ کتاب تراویح کی تعدادِ رکعات پر باقی تمام کتب سے مستغنی کر دیتی ہے۔ دل سے دعا ہے، اللہ تعالیٰ مولانا ظہور احمد الحسینی صاحب مدظلہ کی اس محنت کو قبول ومنظور فرمائے اور مزید دینی کاموں کی توفیق سے نوازے۔ آمین

سلیم اللہ خان

سلیم اللہ خان

۲۰، شعبان ۱۴۳۶ھ/ ۸، جون ۲۰۱۵ھ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

— رائے گرامی —

بقیۃ السلف، مصنف کتب کثیرہ حضرت مولانا محمد عبدالمعبود صاحب دامت برکاتھم

رکعاتِ تراویح

الحمد للہ وکفی والصلاۃ والسلام علی سید الانبیاء

"رکعات تراویح۔ ایک تحقیقی جائزہ" حضرت مولانا حافظ ظہور احمد الحسینی دامت فیوضھم کی شاہکار تخلیق باصرہ نواز ہوئی۔ رکعات تراویح پر اکابر اور اصاغر کی بڑی تعداد میں علمی و تحقیقی کتب مختصر اور مبسوط معرضِ وجود میں آتی رہتی ہیں۔ ہر ایک مصنف اور مؤلف کا اندازِ تحریر اور طرزِ استدلال جداگانہ اور نرالہ ہوتا ہے۔ ایک ہی بات کو یعنی تعدادِ رکعات کو واضح کرنے میں ہر صاحبِ علم و دانش کی سوچ اور طرزِ تحریر یگانہ و فرزانہ ہوتی ہے۔ گویا کہ وہ اس حقیقت کی مصداق ہوتی ہے۔

ہر گل را رنگ و بو دیگر است

اس موضوع پر خامہ فرسائی کرنے والے حضرات میں محترم جناب حافظ ظہور احمد الحسینی زید مجدہ نمایاں اور ممتاز حیثیت کے حامل ہیں، اور اس "چمنستانِ علم و حکمت" میں کتاب مستطاب "رکعاتِ تراویح"، "گل سرسبد" کی طرح جلوہ نما ہے۔

اس "البیلی" کتاب میں محترم حافظ صاحب نے "محدثانہ" شان اور آن و بان کے ساتھ دلائل و براہین پیش کئے ہیں۔ غیر مقلدین کی خود ساختہ "تعداد" پر صحیح احادیث

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

وآثار کے ایسے بم برسائے، اوران کی تلبیسات پر ایسے تابڑ توڑ علمی حملے کیئے ہیں کہ ان کے اوہام باطلہ کا محل چکنا چور ہو گیا ہے۔

حافظ صاحب موصوف نے راویانِ حدیث پر محدثین کے قائم کردہ اصولوں کے مطابق مکمل مدلل اور مؤثر جرح کر کے اُن کی علمی وعملی حیثیت کو اُجاگر کیا، اُن پر عائد کردہ اعتراضات کے شافی جواب پیش کیئے، اور غیر مقلدین کی مزعومہ تعداد (آٹھ رکعات) کا پوری دیانتداری کے ساتھ علمی محاسبہ کیا ہے، متعلقہ روایات کا حقیقی مصداق بڑی صراحت کے ساتھ واضح کر دیا ہے۔

حضرت اقدس نے نماز تراویح کی بیس رکعات مسنون ہونے پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک عمل بڑے وثوق سے پیش کیا، اور خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس پر اجماع اور تعامل احادیث وآثار کے ناقابل تردید شواہد سے آشکارا کر دیا ہے، لیکن تقریباً ایک ہزار سال سے صحابہ کرام سے تاہنوز جو متواتر اور متوارث عمل جاری وساری تھا، اس اجماعی اور متفق علیہ مسئلہ کو افتراق اور انشقاق میں تبدیل کرنے کی غرض سے غیر مقلدین نے ۱۲۸۶ھ مطابق ۱۸۶۸ء میں آٹھ تراویح کا "دانہ" ڈال دیا۔ جس سے افتراق امت کی ایسی خلیج پیدا ہو گئی جسے آج تک پاٹا نہیں جا سکا۔

"جادو وہ جو سر پر چڑھ کر بولے"

کتاب لاجواب "رکعات تراویح ایک تحقیقی جائزہ" کی ایک منفرد اور حیرت انگیز خصوصیت یہ بھی ہے کہ غیر مقلدین جو آٹھ تراویح ہی کے مسنون ہونے کے دعویدار ہیں مؤلف علام نے ان ہی کے دس ممتاز اور نامور علماء کرام جن میں نواب صدیق حسن خان اور علامہ وحید الزماں بھی شامل ہیں، سے بیس تراویح کا اثبات ڈنکے کی چوٹ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

پر ثابت کر دیا ہے۔جو احناف کی حقانیت کی روشن دلیل ہے، مگر ''غیر مقلد'' ہو اور پھر کسی کی بات مان لے۔

ایں خیال است و محال است و جنوں

حضرت اقدس دامت برکاتہم نے اس مغالطہ کو بھی طشت از بام کر دیا ہے، کہ نماز تراویح اور نماز تہجد ایک نماز کے دو نام ہیں۔چونکہ غیر مقلدین کا دامن آٹھ تراویح سے متعلق صحیح اور صریح حدیث سے خالی ہے۔اس لیے وہ نماز تہجد کی روایات کی نماز تراویح کے ساتھ پیوند کاری سے اپنا ''اُلو'' سیدھا کرنے کی ناکام کوشش کیا کرتے ہیں۔اس لیے مولانا ممدوح نے قرآن وحدیث کے محکم ومضبوط دلائل سے ثابت کیا ہے: تہجد اور تراویح اپنے اوقات کے اعتبار سے، نزول حکم کی رو سے، تعداد رکعات کی بنا پر اور ادائیگی کے انداز کے لحاظ سے بھی دو جداگانہ نمازیں ہیں، اور دونوں کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے علیحدہ علیحدہ اوقات اور متفرق تعداد میں ادا فرمایا ہے۔

لہٰذا یہ تاثر صراصر بے بنیاد اور صریح مغالطہ آرائی ہے کہ نماز تہجد اور نماز تراویح ایک ہی نماز ہے، اور یہ کہ تہجد ہی رمضان میں تراویح کا روپ دھار لیتی تھی۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

کتاب ''رکعات تراویح ایک تحقیقی جائزہ، تحقیق وتدقیق، جرح وتعدیل، نقد ونظر اور رجال ورُوات کی تنقیح کا علمی شاہکار اور گراں قدر، نادر الوجود خزانہ ہے، جو اپنی نوعیت میں یگانہ وفرزانہ، جامع، مکمل اور ہر اعتبار سے قابل قدر اور لائق صد

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

تحسین ہے۔

اللہ جل مجدہ مؤلف علام کی محنت کو شرف قبولیت سے نوازے، اسے مفید عام بنائے اور موصوف کی جملہ دینی خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے۔آمین

محمد عبد المعبود عفا اللہ عنہ

۱۵ محرم الحرام ۱۴۳۴ھ، ۳۰ نومبر ۲۰۱۲ء

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ـــــ رائے گرامی ـــــ

شارح صحیح مسلم

حضرت مولانا جسٹس (ر) مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم، رئیس وفاق المدارس العربیہ پاکستان، و دارالعلوم، کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکرم زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کی ارسال کردہ کتب مل گئیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کے علمی فیوض عام اور تام فرما کر قبول فرمائیں۔ آمین

اب حالت یہ ہے کہ کتابیں پڑھنے کو دل چاہتا ہے، لیکن مشاغل فرصت نہیں دیتے۔ تاہم رکعاتِ تراویح والی کتاب کی ورق گردانی کرکے آنکھیں ٹھنڈی کیں۔ اور اندازہ ہوا کہ ماشاء اللہ آپ نے بڑی تحقیق اور عرق ریزی سے کام لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی بہترین جزا عطا فرمائیں۔ آمین۔

والسلام

بندہ محمد تقی عثمانی

۴،۷،۱۴۳۱ھ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

رائے گرامی

بقیۃ السلف، استاذ العلماء شیخ الحدیث والتفسیر
حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ
شیخ الحدیث جامعہ دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک، پاکستان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

اَمّا بعد! محترم مولانا حافظ ظہور احمد الحسینی صاحب کی گرانقدر تالیف ''رکعاتِ تراویح ایک تحقیقی جائزہ'' کو علالت اور ضعفِ پیرانہ سالی کی وجہ سے بالاستیعاب دیکھنے سے قاصر ہوں، البتہ اس وقیع، زرین کتاب کی جستہ جستہ مقامات کے دیکھنے سے بے حد سرور و انبساط نصیب ہوا، پتہ چلا کہ مؤلف موقر نے اس اہم موضوع کا کماحقہ حق ادا کر دیا ہے۔ بیس رکعات تراویح کے اثبات میں علماء کرام نے متعدد کتابیں تالیف فرمائی ہیں۔

علامہ اسماعیل بن محمد الانصاری الباعث فی دارالافتاء بالمملکۃ العربیۃ السعودیہ کی کتاب ''تَصْحِيْحُ حَدِيْثِ صَلَاةِ التَّرَاوِيْحِ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً'' اسی طرح شیخ المسجد النبوی الشریف عطیہ محمد سالم القاضی فی المحاکم الشریعۃ بالمدینۃ المنورۃ کی کتاب ''اَلتَّرَاوِيْحُ أَكْثَرُ مِنْ أَلْفِ عَامٍ فِي الْمَسْجِدِ النَّبَوِيِّ عليه الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ''

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اسی طرح محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی کی کتاب ''رکعات تراویح''
اور محترم مولانا میاں غلام رسول رحمہ اللہ غیر مقلد نے بھی بیس رکعات تراویح کے
اثبات میں فارسی زبان میں بہت ہی عمدہ کتاب لکھی ہے، جس کا نام ''رسالہ تراویح'' ہے،
اور اسی فارسی کتاب کا حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ نے اردو
ترجمہ کے ساتھ دوبارہ شائع فرمادیا ہے۔ اسی طرح اور بھی کئی کتابیں بیس رکعات
تراویح کے اثبات میں لکھی گئی ہیں۔

ع مگر ہر گلے را رنگ وبوئے دیگر است

حضرت مولانا ظہور احمد الحسینی صاحب کی مبسوط کتاب اس موضوع پر ختامہٗ
مسک، ایک معدوم النظیر، لاجواب تالیف ہے۔

فجزاهُ اللهُ تعالى أحسَن مَا يُجازي عِبادَهُ الْمُحْسِنِين عَلى هٰذِهِ
الْمَسَاعِي الْجليلةِ و رَزقَهُ مزيدَ التَّوفِيْقِ وَالْإِخْلَاصِ ،وَصَلّى
اللهُ تَعَالىٰ عَلىٰ أَشْرفِ رُسُلِهٖ وَعَلىٰ آلِهٖ وأَصْحَابِهٖ أجمعين۔

شیر علی شاہ کان اللہ لہ
خادم اہل العلم، بجامعۃ دارالعلوم الحقانیہ اکوڑہ خٹک
۶۔۱۱۔۱۴۳۱ھ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

رائے گرامی

ترجمان مسلکِ اہلسنت والجماعت، استاذ العلماء

حضرت مولانا منیر احمد منور صاحب دامت برکاتہم العالیہ

استاذ حدیث جامعہ اسلامیہ باب العلوم، کہروڑ پکا

امیر "اتحاد اہلسنت والجماعت" پاکستان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بیس تراویح کے مسئلے پر اب تک متعدد کتابیں لکھی جا چکی ہیں، لیکن مولانا حافظ ظہور احمد الحسینی صاحب مدظلہم کی کتاب "رکعات تراویح ایک تحقیقی جائزہ" سب سے جامع، مدلل، محقق اور سہل کتاب ہے۔ پوری کتاب دیکھ کر اس محاورے کی تصدیق ہو جاتی ہے "كَمْ تَرَكَ الْاَوَّلُوْنَ لِلْآخرين"۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف کے علم، عمل اور عمر میں برکت عطا فرمائے، اور ان کی اس علمی کاوش کو دنیا میں ہدایت کا اور آخرت میں نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

منیر احمد

استاذ حدیث جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑ پکا

امیر اتحاد اہلسنت والجماعت پاکستان

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کتاب رکعات تراویح ایک تحقیقی جائزہ
مؤقر دینی جرائد کی نظر میں

ماہنامہ ''نصرۃ العلوم'' گوجرانوالہ

مولانا حافظ ظہور احمد الحسینی فاضل جامعہ اشرفیہ لاہور کی تالیف ہے، اس میں رکعاتِ تراویح کے مسئلہ کا تحقیقی جائزہ پیش کیا گیا ہے، اور غیر مقلدین کی جانب سے اس مسئلہ میں پیدا کردہ شکوک وشبہات کو رفع کیا گیا ہے۔ رکعات تراویح کے مسئلہ پر انتہائی جامع کتاب ہے، اس کتاب کا مطالعہ قارئین کو اس عنوان پر لکھی گئی دیگر بے شمار کتب سے بے نیاز کردے گا، مستند حوالہ جات سے مزین کتاب ہے۔

صاحبِ ذوق حضرات کے لیے خاصے کی چیز ہے، عام اردو خواں طبقہ بھی با آسانی استفادہ کرسکتا ہے۔[۱]

ماہنامہ ''الخیر'' ملتان

نمازِ تراویح ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں شروع ہوئی، اور خیر القرون سے تیرہویں صدی ہجری تک تمام اُمت بالاتفاق اس کی کم از کم بیس رکعات ادا کرتی چلی آئی ہے۔ برصغیر پر انگریزوں کے اقتدار میں غیر مقلدین نے پہلی مرتبہ ایک متفق علیہ مسئلہ کی مخالفت کرتے ہوئے آٹھ تراویح کا نعرہ بلند کیا۔ علماء کرام اس کی اصلاح کے

---

[۱] ماہنامہ ''نصرۃ العلوم'' گوجرانوالہ، جلد نمبر ۱۲ شمارہ نمبر ۱۲ھ/ دسمبر ۲۰۰۷ء ص ۵۳

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

لیے مختلف ادوار میں اختصار اور تفصیلات، مقالات اور تصانیف کے ذریعے مسلک حق کو واضح کرتے رہے ہیں۔ مذکورہ بالا تالیف اس موضوع سے بسط و تفصیل کے ساتھ لکھی گئی ہے جس کے مطالعہ سے تمام شکوک و شبہات رفع ہو جاتے ہیں۔ [۱]

ماہنامہ ''وفاق المدارس'' ملتان

غیر مقلدین نے جمہور فقہاء اور ائمہ اربعہ سے جن مسائل میں اختلاف و شذوذ کا راستہ اختیار کیا ہے، ان میں سے ایک مسئلہ ''رکعات تراویح'' کا بھی ہے، علماء نے اس مسئلے کے بارے میں بہت کچھ لکھا اور بحث و مکالمہ کا یہ سلسلہ برصغیر پاک و ہند میں تقریباً ایک صدی سے جاری ہے۔ زیر نظر کتاب بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے، جمہور کی طرف سے ''بیس رکعات تراویح'' کے دفاع میں ایک بہترین اور تحقیقی مجموعہ ہے۔ اس کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

حصہ اول میں بیس رکعات تراویح کا اثبات اور اس کے دلائل ذکر کئے گئے ہیں، جس میں مقدمہ کے علاوہ بڑے عنوانات یہ ہیں: بیس تراویح عہد نبوی میں، بیس تراویح عہد خلفائے راشدین میں، بیس تراویح عہد صحابہ و تابعین و تبع تابعین میں، بیس تراویح پر صحابہ کا اجماع، بیس تراویح پر ائمہ اربعہ کا اتفاق، یہ حصہ ۱۸۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

حصہ دوم میں رکعات تراویح کے متعلق غیر مقلدین کے مختلف نظریات اور آٹھ رکعات تراویح کے اثبات میں ذکر کردہ دلائل کا جائزہ لیا گیا ہے، اور مدلل انداز میں ان پر بحث کی گئی ہے۔

---

[۱] ماہنامہ ''الخیر'' ملتان، جلد نمبر ۲۵ شمارہ نمبر ۱۱، ۱۲ ذوالقعدہ/ذوالحجہ ۱۴۲۸/دسمبر ۲۰۰۷ء ص ۷۶

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اپنے موضوع پر یہ ایک جاندار اور مضبوط کتاب ہے، بہترین اور خوبصورت انداز میں مرتب کی گئی ہے، اور اس کی ترتیب میں بڑی محنت وعرق ریزی سے کام لیا گیا ہے، کتاب میں ہر بات کو بحوالہ پیش کیا گیا ہے، اور اکثر مقامات پر غیر مقلدین ہی کی کتابوں سے مسکت انداز میں دلائل وجوابات ذکر کئے گئے ہیں، حوالہ جات جدید اندازِ تحقیق کے مطابق حاشیہ میں دے دیئے گئے ہیں، حواشی میں مفید تعلیقات بھی ذکر کی گئی ہیں۔ [۱]

ماہنامہ "حق چار یار" لاہور

امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصَّلٰوۃُ وَالتَّسْلِیْم کو درپیش چیلنجز میں ایک نام نہاد اہل حدیث نامی گروہ بھی ہے، جنہوں نے اتباعِ حدیث کے عنوان سے امت کے متفقہ ومسلمہ فقہاء کرام کی قرآن وسنت کی روشنی میں فقہی تحقیقات کے خلاف ایک طوفان بپا کیا ہوا ہے۔ جس کی ایک واضح مثال بیس رکعات تراویح کا مسئلہ ہے۔ جس پر صدیوں سے عرب وعجم کے فقہاء کا اتفاق ہے، لیکن شومئی قسمت اس طبقہ نے آٹھ رکعت تراویح کا مؤقف اختیار کر کے امت میں تفرقہ ڈالتے ہوئے اسے رمضانِ مقدس میں کثرت عبادت سے روک دیا ہے۔ زیر نظر کتاب میں اس قضیہ (تراویح) پر مولانا حافظ ظہور احمد الحسینی نے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ کتاب کے پہلے حصہ میں بیس رکعت تراویح کے اثبات میں دلائل ذکر ہیں، اور ان دلائل پر وارد ہونے والے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔ جب کہ دوسرے باب میں آٹھ رکعت تراویح کے دلائل ذکر کر کے ان پر منصفانہ جرح کی گئی ہے۔ عوام وخواص

---

[۱] ماہنامہ "وفاق المدارس" ملتان جلد نمبر ۵ شمارہ نمبر ۲، صفر المظفر ۱۴۲۹ھ / مارچ ۲۰۰۸ء ص ۶۲، ۶۳

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کے لیے اس مستند ذخیرہ سے استفادہ بہت ضروری ہے۔[۱]

ماہنامہ "بینات"، کراچی

نمازِ تراویح کی بیس رکعات پر صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے، چنانچہ قرنِ اول سے لے کر آج تک اہل علم کا اس پر اجماع چلا آیا ہے۔ البتہ بہت ہی قلیل و معدود اصحابِ ظواہر کو اس سے اختلاف ہے، اور وہ آٹھ رکعت تراویح کو مسنون ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس لیے اس عنوان پر ہر دَور میں متعدد اہلِ قلم اور اصحابِ تحقیق نے دادِ تحقیق دی ہے اور اصحابِ ظواہر کی غلط فہمیوں کو دلائل و براہین سے خلاف قیاس ثابت کیا ہے، اور اس کی نشاندہی کی ہے کہ اصحابِ ظواہر کو کہاں سے غلط فہمی لگی ہے، مگر ناس ہو ہوا پرستی اور خود رائی کا، کہ میں نہ مانوں کی رَٹ نے ان کو حقائق کے ادراک سے محروم رکھا۔ پیش نظر کتاب میں مصنف نے نہایت خوبصورت انداز اور سلیقہ مندی سے اس مسئلہ کا تحقیقی جائزہ لیا ہے۔ امید ہے یہ کتاب اہل عقل و انصاف کے لیے راہ نما ثابت ہوگی، اور اس سلسلہ کی تمام غلط فہمیوں کے ازالہ کا ذریعہ ثابت ہوگی۔[۲]

[۱] ماہنامہ "حق چار یار" لاہور جلد نمبر شمارہ نمبر ۵ ا، ص ۴۷

[۲] ماہنامہ بینات کراچی ذوالحجہ ۱۴۲۸ھ، جنوری ۲۰۰۸ء

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

حرفِ اوّلیں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ وَعَلٰى مَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ۔

اَمَّا بَعْدُ:

دینِ اسلام میں نماز کی بہت بڑی اہمیت ہے، اس لیے حدیث میں اس کو "عِمَادُ الدِّيْنِ" (دین کا ستون) قرار دیا گیا ہے۔ اور پھر یہ ایسی مہتم بالشان عبادت ہے کہ روزِ قیامت بھی سب سے پہلا سوال نماز ہی کا ہوگا۔ ؎

روزِ محشر کہ جاں گداز بود
اوّلین پرسش نماز بود

نماز کی جملہ اقسام میں سے ایک نمازِ تراویح بھی ہے جو صرف رمضان المبارک میں ادا کی جاتی ہے، اور تراویح کی تعداد بیس رکعات مسنون ہے۔ اس پر خیر القرون سے لے کر تقریباً تیرھویں صدی کے آخر تک تمام عالم اسلام کا اتفاق رہا ہے۔ انگریز کے زمانہ میں نومولود جماعت غیر مقلدین جو بزعم خود اہلحدیث کہلاتے ہیں، انہوں نے اس سنّت کا انکار کیا۔ افسوس کہ جب سے اس برصغیر (پاک وہند) پر انگریز منحوس نے اپنے ناپاک قدم رکھے، اور بڑے بڑے فتنوں اور مسائل نے جنم لیا، وہاں اس فتنہ کی بھی خوب آب و تاب سے آبیاری کی گئی، اور یہ باور کرایا گیا کہ مسلمانوں کے اس اتفاقی عمل کی کوئی شرعی حیثیت نہیں، بیس تراویح پڑھنا قطعاً حدیث سے ثابت نہیں، تراویح تو صرف آٹھ رکعات

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

پڑھنا ہی مسنون ہیں، اور اس کے علاوہ تراویح کا کوئی عدد مسنون نہیں، بلکہ بدعت اور ناجائز ہے۔ گویا صدیوں سے مسلمانوں کے اس اتفاقی عمل کو بھی اختلافات کی بھینٹ چڑھادیا گیا۔ چنانچہ سب سے پہلے ۱۲۸۵ھ مطابق ۱۸۶۸ء میں ہندوستان کے مشہور شہر اکبر آباد میں ایک غیر مقلد مولوی امداد العلی[۱] نے یہ فتویٰ دیا کہ تراویح صرف آٹھ رکعات ہیں، تو اس فتویٰ کے خلاف ایک طوفان برپا ہوگیا، اور اسی سال مطبع لطافت آگرہ سے ایک رسالہ بنام ''استفتاء التراویح'' طبع ہوا، جس میں اس علاقہ کے اٹھارہ (۱۸) علمائے کرام کے پرزور فتوے طبع ہوئے اور عوام الناس کو اس فتنہ سے آگاہ کیا گیا۔

اسی طرح خطۂ پنجاب میں سب سے پہلے جس شخص نے تراویح کے آٹھ ہونے اور بیس تراویح کے رد میں فتویٰ جاری کیا وہ بھی ایک غیر مقلد عالم مفتی محمد حسین بٹالوی گورداسپوری (م ۱۹۲۰ء)[۲]

---

[۱] مولوی امداد العلی: انگریزی دورِ حکومت میں ضلع کانپور کے ڈپٹی کلکٹر و مجسٹریٹ تھے، اور انگریز نے اپنی وفاداری کے صلہ میں ان کو صاحب بہادر کے خطاب سے نوازا تھا، جیسا کہ تراویح سے متعلق ان کی دو کتب ''نور الھدیٰ'' اور ''امداد العوی'' کے ٹائٹل پر مذکور ہے۔

[۲] محمد حسین بٹالوی: موصوف بھی جماعت غیر مقلدین کے ایک سرکردہ عالم اور برٹش گورنمنٹ کے نہایت وفادار ساتھی تھے۔ انہوں نے انگریز کی وفاداری میں جہاد کی منسوخیت میں ایک مستقل رسالہ بنام ''اَلْاِقْتِصَادُ فِی مسائل الجہاد'' لکھا۔ اس رسالہ میں انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ موجودہ انگریز حکومت کے خلاف جہاد کرنا منسوخ ہے، اور پھر ان کو اس کے معاوضہ میں انگریز حکومت کی طرف سے جاگیر عطا کی گئی۔ مولانا مسعود عالم ندوی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: ''معتبر اور ثقہ راویوں کا بیان ہے: اس کے معاوضہ میں سرکار انگریزی سے انہیں جاگیر بھی ملی تھی''۔ ''ہندستان کی پہلی اسلامی تحریک'' (ص ۲۹)

مولانا بٹالوی کی کوششوں سے ہی انگریز حکومت نے فرقہ غیر مقلدین کو ''جماعت اہلحدیث'' کا نام الاٹ کیا۔ دیکھئے ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک (ص ۲۱۲)۔

نیز مولانا عبد المجید سوہدروی غیر مقلد ان کے تعارف میں لکھتے ہیں:

لاہور میں آٹھ تراویح کی ترویج آپ ہی سے ہوئی۔ اشاعۃ السنۃ کے ذریعے اہلحدیث کی بہت خدمت کی، لفظ وہابی آپ ہی کی کوشش سے سرکاری دفاتر اور کاغذات سے منسوخ ہوا، اور جماعت کو ''اہلحدیث'' کے نام سے موسوم کیا گیا.... حکومت (انگریز) کی خدمت بھی کی، اور انعام میں جاگیر پائی۔ سیرت ثنائی (ص ۳۷۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

تھے۔انہوں نے یہ فتویٰ ۱۲۹۰ھ مطابق ۱۸۷۳ء میں دیا۔اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ مفتی بٹالوی صاحب کے اس فتویٰ کا جواب بھی ان ہی کے ایک ہم مسلک عالم اور غیر مقلدین کے شیخ الکل مولانا نذیر حسین صاحب دہلویؒ (م ۱۳۲۰ھ) کے شاگرد خاص مولانا میاں غلام رسول صاحبؒ (م ۱۲۹۱ھ/ ۱۸۷۴ء) ساکن قلعہ میہاں سنگھ ضلع گوجرانوالہ[۱] کی طرف سے آیا۔میاں صاحبؒ موصوف نے بٹالوی صاحب کے فتویٰ کا جواب پرزور طریقہ سے ایک رسالہ بنام ''رسالہ تراویح'' کی صورت میں لکھا۔[۲] یہ رسالہ سب سے پہلے فارسی زبان میں ۱۲۹۱ھ مطابق ۱۸۷۴ء میں مطبع محمدی لاہور کی طرف سے شائع ہوا،اور پھر ۱۴۱۶ھ مطابق ۱۹۹۵ء میں حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب رحمہ اللہ (م ۱۴۳۰ھ) کے اردو ترجمہ کے ساتھ مکتبہ صفدریہ گوجرانوالہ سے دوبارہ شائع ہوا ہے۔[۳]

اس فتنہ کے آغاز سے لے کر آج سو سال سے زائد کا عرصہ بیت چکا ہے،لیکن یہ فتنہ اب تک موجود ہے،اور جب بھی رمضان المبارک کا مقدس مہینہ جہاں اپنی رحمتیں اور برکتیں لے کر نمودار ہوتا ہے،وہاں غیر مقلدین کا یہ غوغہ اور شور شرابا بھی سر اٹھا لیتا ہے کہ تراویح صرف آٹھ رکعات مسنون ہیں۔اس سے زیادہ پڑھنا بدعت اور

---

[۱] مولانا میاں غلام رسول صاحبؒ کے حالات کے لیے دیکھئے تاریخ اہلحدیث (ص ۵۰۰) از: مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی صاحبؒ، فقہائے ہند (۳: ۴۴۲۔ ۴۸۴) از: مولانا محمد اسحاق بھٹی۔

[۲] نامور غیر مقلد عالم ومؤرخ مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحبؒ نے میاں صاحبؒ کی تصانیف کے تعارف میں ان کے مذکورہ ''رسالہ تراویح'' کو بھی شمار کیا ہے،اور اس کے تعارف میں لکھا ہے:
۲۔رسالہ تراویح: یہ بھی فارسی میں ہے،اور نمازِ تراویح سے متعلق ہے۔(فقہائے ہند: ۳: ۴۷۹)
لہٰذا آج کل کے بعض غیر مقلدین کا اس رسالہ کا میاں صاحبؒ کی تصنیف ہونے سے انکار کرنا محض تجاہل عارفانہ اور تاریخی حقائق سے منہ چڑانا ہے۔

[۳] اس رسالہ کے اقتباسات ہم آگے کتاب میں ان شاء اللہ جابجا ذکر کریں گے۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ناجائز ہے، اور طرح طرح کے رسائل اور اشتہارات کی بھرمار شروع ہو جاتی ہے۔ عوام الناس چونکہ سطحی قسم کے ہوتے ہیں، اس لیے جب وہ غیر مقلدین کا یہ پروپیگنڈہ سنتے ہیں تو وہ یہ سوچنے لگتے ہیں کہ شاید ہمارے پاس بیس تراویح کے اثبات میں کوئی دلیل موجود نہیں۔ اس لیے علماء اہلسنت والجماعت نے غیر مقلدین کے اس پروپیگنڈہ کے جواب میں بیس تراویح کے ثبوت میں کئی کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (م ۱۳۲۳ھ) کی "اَلرَّائِی النَّجِیْح فی عددِ رکعات التراویح" مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ (م ۱۴۱۲ھ) کی "رکعات التراویح" اور مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری صاحبؒ (م) کی "التوضیح عَنْ رکعات التراویح" بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ لیکن پھر بھی ضرورت تھی کہ اس موضوع پر ایک جامع ترین کتاب لکھی جائے جس میں غیر مقلدین کے پیدا کردہ تمام شکوک وشبہات کو رفع کیا جائے۔ چنانچہ ہم نے اسی جذبہ کے تحت یہ کتاب "رکعات تراویح ایک تحقیقی جائزہ" ترتیب دی ہے، جو آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس کتاب کو ہم نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، حصہ اول میں بیس تراویح کے حق میں ٹھوس اور جامع انداز سے دلائل کو جمع کیا گیا ہے، اور ساتھ ساتھ غیر مقلدین کی طرف سے ان دلائل پر وارد شدہ اعتراضات واشکالات کے تحقیقی اور مثبت انداز سے جوابات بھی دیے گئے ہیں۔ اور حصہ دوم میں آٹھ تراویح کے اثبات میں ذکر کردہ دلائل کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ کتاب میں شروع سے لے کر آخر تک جوبات بھی کی جائے وہ مستند اور باحوالہ ہو، اور تمام دلائل کو فریق ثانی (غیر مقلدین) کے مسلمات کی روشنی میں ذکر کیا گیا ہے، اس لیے قارئین کو کتاب کے ہر عنوان کے ذیل میں فریق

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ثانی کے معتبر علماء کے حوالے ملیں گے۔

آخر میں اہلِ علم حضرات کی خدمت میں التماس ہے کہ مجھے اپنی علمی بے مایگی، کم فہمی اور نااہلی کا پورا پورا اعتراف ہے۔ اس کے باوجود میں نے اپنی بساط کے مطابق پوری کوشش کی ہے کہ کتاب کی ہر بحث مکمل اور واضح ہو اور اس کا کوئی پہلو تشنہ نہ رہنے پائے۔ حوالہ جات نقل کرنے میں بھی پوری احتیاط کی گئی ہے۔ پھر بھی کتاب میں غلطیوں کا پایا جانا بعید از امکان نہیں۔ اس لیے اہلِ علم حضرات کی خدمت میں درخواست ہے کہ دورانِ مطالعہ کتاب میں اگر کوئی سقم نظر آئے تو جائز طریقہ پر اس کی نشاندہی فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔ اِن شاءَ اللہ کسی غلطی کی آگاہی کے بعد اس کی اصلاح میں کوئی پس و پیش نہیں ہوگا۔ اگر کتاب میں کوئی تکرار نظر آئے تو اس کو کسی فائدے یا مجبوری پر محمول کیا جائے۔ آخر میں برادر محترم حضرت الاستاذ مولانا حافظ نثار احمد الحسینی ؒ [۱] کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنہوں

---

[۱] حضرت مولانا حافظ نثار احمد الحسینی رحمہ اللہ (۱۹۶۴ء۔۲۰۲۱ء)۔
محقق عالم، بلند پایہ شیخ طریقت، نامور مصنف و ادیب ۱۹۶۴ء میں حضرو ضلع اٹک میں پیدا ہوئے، ابتداء سے لے کر موقوف علیہ تک تعلیم اپنے علاقہ (چھچھ) میں جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا عبدالرؤف شاہڈھیروی ؒ سے حاصل کی۔ ۱۹۹۰ء میں دورہ حدیث جامعہ اشرفیہ لاہور میں پڑھا۔ اس سے قبل دورہ تفسیر مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں امام اہلسنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر ؒ سے پڑھا۔ امام الزاھدین حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی ؒ سے بیعت اور مجاز تھے۔
ساری زندگی تصنیف و تدریس اور خانقاہی خدمات کی انجام دہی میں گزاری۔ اس عاجز کے چچازاد بھائی، استاذ، اور مرشد و مربی غرض سب کچھ تھے۔ اس کتاب کی ترتیب و تالیف میں میرے مددگار رہے۔ اس سے پہلے دو ایڈیشن انہی کی نگرانی میں اور انہی کی کوششوں سے شائع ہوئے۔ جب کہ تیسرا ایڈیشن تیار ہونے سے پہلے ہی وہ رب رحیم و غفور کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی حسنات کو قبول اور ان کی بشری کوتاہیوں سے درگزر فرمائے، اور ان کو اپنے مقربین میں شامل فرمائے۔ آمین

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

نے اپنے ذاتی کتب خانہ سے کما حقہ استفادہ کا موقعہ عنایت فرمایا، اور دوران تالیفِ کتاب سرپرستی اور بہترین مشوروں سے نوازا۔ ان کے علاوہ ان تمام دوستوں کا ممنون ہوں جنہوں نے کتاب کی طباعت کے دوران جس قدر بھی تعاون کیا خصوصاً برادرم حافظ محمد اسمٰعیل اور حافظ محمد عباس کا جنہوں نے کمپوزنگ کی اور حضرت مولانا سید کفایت بخاری زید مجدہٗ کا جنہوں نے مسودہ کی تصحیح فرمائی۔

جزاهم الله احسن الجزاء

حق تعالیٰ شانہٗ اس حقیر کی کوشش کو قبول فرما کر عوام الناس کیلئے نافع اور راقم الحروف، اس کے والدین، اساتذہ اور مشائخ کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین۔

ع ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

وَ صَلَّی اللّٰهُ تَعالیٰ عَلٰی نَبِیِّهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِیْن بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔

ظہور احمد الحسینی

حضرو (اٹک) پاکستان،

حال مقیم جیلنگھم کینٹ برطانیہ

✿✿✿✿✿

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

— مقدمہ —

بیس رکعات مسنون تراویح

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بیس رکعات مسنون تراویح

مقدمہ[۱] میں تراویح سے متعلق چند ضروری مباحث پیش خدمت ہیں۔ اِنْ شَاءَ اللّٰہ ان کے ذہن نشین ہونے کے بعد کتاب ھٰذا کا سمجھنا آسان ہو جائے گا۔ وَاللّٰہُ الْمُوَفِّقُ لِلصَّوَابِ۔

① لفظ تراویح

شارح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) لفظ تراویح کی تحقیق میں لکھتے ہیں:

"وَالتَّرَاوِيْحُ جَمْعُ تَرْوِيْحَةٍ وَهِيَ الْمَرَّةُ الْوَاحِدَةُ مِنَ الرَّاحَةِ كَتَسْلِيْمَةٍ مِنَ السَّلَامِ" [۲]

"تراویح ترویحہ کی جمع ہے، اور ترویحہ ایک دفعہ آرام کرنے کو کہتے ہیں، جیسے تسلیمہ ایک دفعہ سلام پھیرنے کو کہتے ہیں۔"

شارح بخاری علامہ حافظ بدرالدین عینیؒ (م ۸۵۵ھ) ارقام فرماتے ہیں:

"وَالتَّرَاوِيْحُ جَمْعُ تَرْوِيْحَةٍ وَيُجْمَعُ اَيْضًا عَلٰى تَرْوِيْحَاتٍ" [۳]

"تراویح ترویحہ کی جمع ہے، اور ترویحہ کی جمع ترویحات بھی آتی ہے۔"

---

[۱] یہ مقدمہ چند اضافہ جات کے ساتھ علیحدہ بھی بنام "مسنون نماز تراویح" چھپ چکا ہے۔

[۲] فتح الباری شرح صحیح البخاری (۴: ۳۱۴) طبع قدیمی کتب خانہ کراچی

[۳] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری (۸: ۲۴۱) طبع دار الفکر بیروت، (۱۱: ۱۷۶) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

۲ نمازِ تراویح کی وجہ تسمیہ

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲) نمازِ تراویح کی وجہ تسمیہ یوں بیان کرتے ہیں:

”سُمِّيَتِ الصَّلٰوۃُ فِي الْجَمَاعَةِ فِيْ لَيَالِي رَمَضَانَ التَّرَاوِيْحُ لِأَنَّهُمْ أَوَّلَ مَا اجْتَمَعُوْا عَلَيْهَا كَانُوْا يَسْتَرِيْحُوْنَ بَيْنَ كُلِّ تَسْلِيْمَتَيْنِ“[۱]

”جو نماز رمضان کی راتوں میں باجماعت ادا کی جاتی ہے، اس کا نام تراویح رکھا گیا ہے۔ اس لیے کہ جب صحابہ کرامؓ پہلی مرتبہ اس نماز پر مجتمع ہوئے تو وہ ہر دو سلام (چار رکعتوں) کے بعد ترویحہ یعنی آرام کیا کرتے تھے۔“

بزرگ غیر مقلد عالم مولانا عبداللہ غازی پوریؒ (م ۱۳۳۷ھ) لفظِ تراویح کی تحقیق میں رقمطراز ہیں:

”نمازِ تراویح کی تعریف علماء نے یہ لکھی ہے کہ نمازِ تراویح وہ نماز ہے جو ماہِ رمضان کی راتوں میں عشاء کے بعد باجماعت پڑھی جائے، اور اس نماز کا نام تراویح اس لیے رکھا گیا ہے کہ لوگ اس میں ہر چار رکعت کے بعد استراحت کرنے لگے، کیونکہ تراویح ترویحہ کی جمع ہے، اور ترویحہ کے معنی ایک دفعہ آرام کرنے کے ہیں۔“ [۲]

۳ نمازِ تراویح کی ابتداء

تراویح کی نماز سب سے پہلے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں شروع ہوئی، اور خود نبی کریم ﷺ نے اس سنت کا آغاز فرمایا۔ اس کے بعد دوسرے خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو تراویح کی ایک جماعت پر جمع فرمایا۔ چنانچہ علامہ ابن

---

[۱] فتح الباری (۳۱۴/۴)

[۲] فتاویٰ علمائے حدیث (۲۴۱:۶) مطبوعہ مکتبہ اصحاب الحدیث لاہور، مجموعہ رسائل غازی پوری (ص ۳۷۰) مطبوعہ دار ابی الطیب گوجرانوالہ۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

قدامہ حنبلیؒ (م ۶۲۰ھ) لکھتے ہیں:

"وَاَوَّلُ مَنْ سَنَّهَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ...وَنُسِبَتِ التَّرَاوِيْحُ اِلٰى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ لِاَنَّهٗ جَمَعَ النَّاسَ عَلٰى اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ"[۱]

"سب سے پہلے نمازِ تراویح کی سنت رسول اللہ ﷺ نے شروع فرمائی، اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف اس کی نسبت اس لیے کی جاتی ہے کہ انہوں نے لوگوں کو حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت پر جمع فرمایا۔"

شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ (م ۱۲۰۶ھ) رقمطراز ہیں:

"وَصَلَاةُ التَّرَاوِيْحِ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ سَنَّهَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَتُنْسَبُ اِلٰى عُمَرَ رضی اللہ عنہ لِاَنَّهٗ جَمَعَ النَّاسَ عَلٰى اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رضی اللہ عنہ" [۲]

" تراویح سُنّتِ مؤکدہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو مسنون ٹھہرایا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف اس سنت کی نسبت اس لیے کی جاتی ہے کہ انہوں نے لوگوں کو حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت پر جمع فرمایا۔"

④ نمازِ تراویح عہدِ نبوی میں

آنحضرت ﷺ سے آپ کی پوری زندگی میں صرف تین رات باجماعت نماز تراویح پڑھنا ثابت ہے، اس کے بعد آپ ﷺ نے اس اندیشہ سے کہ کہیں یہ نماز اُمت پر فرض نہ ہو جائے، اس کو باجماعت ادا کرنا ترک کر دیا، اور صحابہ کرامؓ کو اپنے اپنے گھروں میں انفرادی طور پر یہ نماز پڑھنے کی تاکید فرمادی۔ نبی کریم ﷺ کی اس تین دن کی نماز کو متعدد صحابہ کرام، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت

[۱] المغنی (۲: ۶۰۱، ۶۰۳) طبع دار عالم الکتب بیروت

[۲] مجموع مؤلفات الشیخ محمد بن عبدالوہاب (۴: ۱۱۷) طبع دار القاسم ریاض

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اور حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ وغیرہ نے مختلف الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے۔[۱]

ان تین دنوں میں نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو تراویح کی کتنی رکعات پڑھائیں؟ اس بارہ میں کسی بھی صحیح السند روایت میں کچھ منقول نہیں، اور اس موضوع پر جتنی بھی روایات ذکر کی جاتی ہیں وہ یا تو سند کے اعتبار سے کمزور ہیں یا اُن روایات کا مسئلہ تراویح سے کوئی تعلق نہیں ہے۔[۲]

اور خود غیر مقلدین کے اکابر کو بھی یہ بات تسلیم ہے کہ کسی بھی صحیح روایت میں رسول اللہ ﷺ سے رکعاتِ تراویح کی تعداد مروی نہیں ہے، چنانچہ اس موضوع پر چند اکابر علمائے غیر مقلدین کی آراء ملاحظہ کریں۔

قاضی محمد شوکانی صاحبؒ (م ۱۲۵۰ھ) اس موضوع پر متعدد روایات ذکر کرنے کے بعد ارقام فرماتے ہیں:

"وَالْحَاصِلُ اَنَّ الَّذِیْ دَلَّتْ عَلَیْهِ اَحَادِیْثُ الْبَابِ وَمَا یُشَابِهُهَا

---

[۱] صحیح البخاری (رقم الحدیث: ۷۲۹، ۱۱۲۹، ۲۰۱۱، ۲۰۱۲)، صحیح مسلم (رقم الحدیث: ۱۷۳۳)، سنن النسائی (رقم الحدیث ۱۶۰۶۔۱۶۰۸)

[۲] ان تین راتوں میں جس طرح رسول اللہ ﷺ سے رکعاتِ تراویح کی تعداد کسی صحیح مرفوع روایت میں وارد نہیں۔ اسی طرح آپ ﷺ نے ان تین راتوں کے علاوہ جتنے دن اپنے گھر میں یہ نماز ادا فرمائی اس کی رکعات کی تعداد بھی کسی صحیح السند روایت میں منقول نہیں۔ البتہ ایک مشہور روایت جو کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے، میں وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر پڑھتے تھے۔ "مُصَنَّف ابنِ اَبِی شَیْبه" وغیرہ۔ لیکن اس روایت کا ایک راوی ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ متکلم فیہ ہے، مگر چونکہ اس روایت کی تائید میں خلفائے راشدین و دیگر صحابہؓ کے آثار موجود ہیں، اور امت کی تَلَقِّی بِالْقُبُوْل بھی اس روایت کو حاصل ہے۔ اس وجہ سے یہ روایت قابلِ عمل ہے۔ اس کی تفصیل ان شاء اللہ آگے کتاب میں آپ ملاحظہ کریں گے۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

هُوَ مَشْرُوْعِيَّةُ الْقِيَامِ فِيْ رَمَضَانَ وَالصَّلَاةُ فِيْهِ جَمَاعَةً وَّفُرَادٰى، فَقَصْرُ الصَّلَاةِ الْمُسَمَّاةِ بِالتَّرَاوِيْحِ عَلٰى عَدَدٍ مُّعَيَّنٍ وَّتَخْصِيْصُهَا بِقِرَاءَةٍ مَّخْصُوْصَةٍ لَمْ يَرِدْ بِهٖ سُنَّةٌ "[۱]

"حاصل یہ ہے کہ اس باب میں ذکر کردہ احادیث اور ان کی ہم مثل دوسری احادیث سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ صرف رمضان میں قیام اور اس کو اکیلے یا باجماعت ادا کرنے کی مشروعیت ہے، پس وہ نماز جس کا نام تراویح ہے، اس سے کوئی عدد معین کرلینا، یا اس کو کسی مخصوص قرأت کے ساتھ خاص کردینا سنت سے ثابت نہیں ہے۔"

علامہ وحید الزمان صاحبؒ (م ۱۳۳۸ھ) مترجم صحاح ستہ لکھتے ہیں:

"وَلَا يُتَعَيَّنُ لِصَلٰوةِ لَيَالِي رَمَضَانَ يَعْنِي التَّرَاوِيْحَ عَدَدٌ مُّعَيَّنٌ "[۲]

"رمضان المبارک کی راتوں کی نماز یعنی تراویح کے لیے (احادیث میں) کوئی عدد معین نہیں ہے۔"

غیر مقلدین کے مجدد اور سب سے بڑے محقق مولانا نواب صدیق حسن خان صاحبؒ (م ۱۳۰۷ھ) تحریر کرتے ہیں:

"وَلَمْ يَاْتِ تَعَيُّنُ الْعَدَدِ فِي الرِّوَايَاتِ الصَّحِيْحَةِ الْمَرْفُوْعَةِ "[۳]

"تراویح کا کوئی معین عدد (نبی علیہ السلام سے) کسی بھی صحیح مرفوع روایت میں وارد نہیں ہوا۔"

---

[۱] "نیل الاوطار" شرح منتقی الاخبار (۱: ۵۱۴) طبع دار المعرفۃ بیروت۔

[۲] نزل الابرار (۱: ۱۲۶) طبع مطبع سعید بنارس

[۳] الانتقاد الرجیح (ص ۱۸۵) طبع دار ابن حزم بیروت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

نواب صاحبؒ کے صاحبزادے اور مشہور غیر مقلد عالم نواب نور الحسن خان صاحبؒ (م ۱۳۳۶ھ) بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وبالجملة عددے معیّن در مرفوع نیامدہ" [۱]

"خلاصہ یہ ہے کہ کسی مرفوع روایت میں تراویح کا کوئی معین عدد مذکور نہیں۔"

تراویح عہد خلفائے راشدین میں:

گزشتہ سطور میں یہ وضاحت ہو چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی پوری زندگی میں صرف تین رات تراویح کو جماعت کے ساتھ ادا فرمایا، اور پھر اس کے بعد صحابہ کرامؓ کو تلقین فرما دی کہ وہ اس نماز کو اپنے اپنے گھروں میں پڑھیں، اور خود بھی اپنی وفات تک اس نماز کو گھر میں ہی پڑھتے رہے۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پورے زمانہ خلافت اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ابتدائی ایامِ خلافت میں یہی صورتِ حال رہی، کہ سب لوگ انفرادی طور پر بلا جماعت یا پھر چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں منقسم ہو کر تراویح ادا کرتے تھے۔ چونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلافت پر فائز ہوتے ہی مختلف قسم کے فتنوں کا مقابلہ کرنا پڑا، فتنہ منکرین زکوٰۃ، فتنہ مرتدینِ قبائل اور جھوٹے مُدّعیانِ نبوت (مسیلمہ کذاب وغیرہ) جیسے طرح طرح کے فتنے آپ کے دورِ خلافت میں نمودار ہوئے، اور پھر آپ کا عرصۂ خلافت بھی بہت قلیل تھا۔ اس لیے آپ کا یہ قلیل عرصۂ خلافت ان فتنوں کی سرکوبی اور بیخ کنی کی نظر ہو گیا، اور آپ کو کسی اور طرف متوجہ ہونے کا موقع ہی نہ مل سکا۔ لہٰذا تراویح کا معاملہ اسی طرح رہا۔ لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد جب خلافت کی باگ ڈور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھوں میں لی تو اس وقت حالات پر سکون ہو چکے تھے، اور فتنے بھی دب چکے تھے۔ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس پر سکون فضا میں دین کی اشاعت کا کام آسانی

---

[۱] عرف الجادی (ص ۸۶، ۸۷) طبع مطبع شاہجہانی بھوپال

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

سے کرنے کا موقع مل گیا۔ چنانچہ آپ نے جہاں دین کے اور بہت سے کام شروع کروائے وہاں آپ تراویح کے مسئلہ کی طرف بھی متوجہ ہوئے، اور اپنے زمانۂ خلافت کے دوسرے سال یعنی رمضان المبارک ۱۴ ہجری میں آپ نے پھر سے ایک امام کی اقتداء میں سب لوگوں کو تراویح کی جماعت پر اکٹھا کر دیا، اور مشہور صحابی حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کو اس جماعت کا امام مقرر فرمایا۔ اس طرح نبی کریم ﷺ کی اس سنت (تراویح مع جماعت) جس کو آپ ﷺ نے اس خوف سے ترک کر دیا تھا، کہ کہیں اس کے اہتمام کی وجہ سے یہ نماز ہی امت پر فرض نہ ہو جائے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بحیثیت خلیفہ راشد اس کو پھر سے جاری فرما دیا۔ [۱]

حدیث کی کتابوں میں اس واقعہ کی تفصیل مذکور ہے۔ چنانچہ حضرت عبد الرحمٰن بن عبد القاری رضی اللہ عنہ (م ۸۸ھ) سے روایت ہے، آپ نے فرمایا کہ:

میں (دورِ فاروقی میں) رمضان المبارک کی ایک رات حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مسجد (نبوی) کی طرف جا نکلا تو دیکھا کہ لوگ مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں، کوئی اکیلے نماز (تراویح) پڑھ رہا ہے، اور کوئی نماز پڑھا رہا ہے اور لوگ اس کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے ہیں، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرا خیال ہے کہ اگر ان سب لوگوں کو ایک قاری (امام) کی اقتداء میں جمع کر دیا جائے تو بخدا! یہ بہت اچھا ہو۔ پھر انہوں نے سب کو حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں جمع کر دیا۔

حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر میں جب کسی دوسری رات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ (مسجد کے پاس سے) گزرا تو دیکھا سب لوگ اپنے قاری (اُبی بن کعبؓ) کی اِقتداء میں نماز (تراویح) پڑھ رہے ہیں تو حضرت عمرؓ

---

[۱] دیکھئے الطبقات الکبری لابن سعدؒ (۳: ۲۱۳)، تاریخ الطبری (۲: ۷۴۲)، التمہید لابن عبد البر (۴: ۴۰۰) العرف الشذی (ص ۲/ ۲۰۹) وغیرہ۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

نے فرمایا: ”نِعْمَ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ“ یہ بدعت[۱] بہت اچھی ہے۔[۲]

خلفائے راشدین کے دور میں رکعات تراویح کی تعداد:

خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں جو جماعت تراویح کی قائم فرمائی تھی اس کی رکعات کی تعداد میں اختلاف ہے۔ چنانچہ نواب نورالحسن صاحب (م ۱۳۳۶ھ) لکھتے ہیں:

”ودر قدر صلوة أُبي اختلاف است كه از يازه تا بست وبست ويك وبست وسه“۔[۳]

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے) جو تراویح کی نماز پڑھائی تھی اس کی تعداد میں اختلاف ہے کہ گیارہ سے اکیس اور تئیس رکعات تک مروی ہے۔

ان اقوال میں سے راجح اور صحیح قول سند کے اعتبار سے کیا ہے؟ اس کی تحقیق تو ان شاء اللہ کتاب میں اپنے مقام پر آئے گی۔ ہم نے یہاں صرف یہ جائزہ لینا ہے کہ علمائے محققین جو روایات کو پرکھنے میں ماہر ہیں، ان کی تحقیق کیا ہے؟ اور خود اکابر علمائے غیر مقلدین کے نزدیک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قائم کردہ جماعت تراویح کی رکعتوں کی تعداد کیا تھی؟ تو آئیے اس سلسلے میں چند مشہور اور کبار محققین کی آراء ملاحظہ کریں۔

---

[۱] حضرت عمرؓ کے مذکورہ قول: ”بدعت“ سے شرعی بدعت مراد نہیں، بلکہ اس کا لغوی معنی یعنی ”نئی چیز“ مراد ہے، کیونکہ حضرت عمرؓ خلفاء راشدین میں سے ہیں، اور حدیث نبوی کو رُو سے اُن کا عمل بھی سنت میں داخل ہے۔ دیکھئے اختصار صحیح البخاری و بیان غریبہ (۸۱:۲) ارشاد الساری شرح صحیح البخاری (۱۲۰:۴)

[۲] صحیح البخاری (رقم الحدیث: ۲۰۱۰)، موطأ الامام مالک (رقم الحدیث: ۲۵۲) وغیرہ

[۳] عرف الجادی (ص ۸۶)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

مشہور اور کبار محققین کی آراء

عالمِ اسلام کے مایہ ناز سپوت اور عظیم مجتہد امام محمد بن ادریس شافعیؒ (م ۲۰۴ھ) ارقام فرماتے ہیں:

"فَأَمَّا قِيَامُ شَهْرِ رَمَضَانَ أَحَبُّ إِلَيَّ عِشْرُونَ لِأَنَّهُ رُوِيَ عَنْ عُمَرَ"۔[۱]

"رمضان المبارک میں قیام (تراویح) کی میرے نزدیک بیس رکعتیں پڑھنا پسندیدہ ہیں، کیونکہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں۔"

محدثِ کبیر امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ (م ۲۷۹ھ) فرماتے ہیں:

"وَأَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ عَلَى مَارُوِيَ عَنْ عَلِيٍّ وَعُمَرَ وَغَيْرِهِمَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ عِشْرِينَ رَكْعَةً"[۲]

"اکثر اہلِ علم بیس رکعات تراویح کے قائل ہیں، کیونکہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور نبی ﷺ کے دیگر صحابہ کرامؓ سے مروی ہیں۔"

عظیم محقق علامہ ابن عبدالبر مالکیؒ (م ۴۶۳ھ) بیس رکعات کے بارہ میں لکھتے ہیں:

"وَهُوَ صَحِيحٌ عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ مِنْ غَيْرِ خِلَافٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ"[۳]

"حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے بھی صحیح طور پر یہی ثابت ہے، اور کوئی صحابی

---

[۱] کتاب الام (۱:۱۴۲) طبع مکتبۃ الکلیات الازہریۃ قاہرہ

[۲] جامع الترمذی (۱:۱۵۹) طبع دار الغرب الاسلامی بیروت

[۳] الاستذکار شرح الموطأ (۲:۷۰) لابن عبدالبرؒ طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اس کا مخالف نہیں ہے۔"

نیز رکعاتِ تراویح سے متعلق روایات کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد لکھے ہیں:

وَهٰذَا كُلُّهٗ يَشْهَدُ بِاَنَّ الرِّوَايَةَ بِاِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً وَهْمٌ وَغَلَطٌ [۱]

"یہ سب کچھ اس بات کی شہادت ہے کہ (حضرت عمرؓ سے منقول) گیارہ رکعت کا قول صرف وہم اور محض غلط ہے۔"

فقہ حنبلی کے نامور و جلیل القدر امام علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ (م ۶۲۰ھ) لکھتے ہیں:

"اِنَّ عُمَرَ رضی اللہ عنہ لَمَّا جَمَعَ النَّاسَ عَلٰى اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رضی اللہ عنہ وَكَانَ يُصَلِّيْ لَهُمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً "[۲]

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب لوگوں کو حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ پر جمع کیا تو وہ ان کو بیس رکعتیں پڑھاتے تھے۔"

حضرات غیر مقلدین کے مسلم شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) بھی اپنے ایک فتوی میں اس حقیقت کا اقرار کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"وَلَمَّا جَمَعَ عُمَرُ عَلٰى اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رضی اللہ عنہ كَانَ يُصَلِّيْ بِهِمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً ثُمَّ يُوْتِرُ بِثَلَاثٍ "[۳]

"جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں جمع کیا تو وہ انہیں بیس رکعت تراویح اور پھر تین وتر پڑھاتے تھے۔"

---

[۱] ایضاً (۲:۶۹)

[۲] المغنی (۲:۶۰۴) طبع دار عالم الکتب ریاض

[۳] مجموعۃ الفتاوی (۱۱:۵۲۰) مطبوعہ ریاض۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

عظیم المرتبت شافعی عالم علامہ تقی الدین ابو بکر بن محمد حسینی حصنی (م ۸۲۹ھ) ارقام فرماتے ہیں:

"فَجَمَعَهُمْ عَلٰى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ ﷺ وَوَاظَبَ لَهُمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً، وَاَجْمَعَ الصَّحَابَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ مَعَهٗ عَلٰى ذَالِكَ"۔[۱]

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ پر جمع فرمایا، اور تراویح کی بیس رکعتیں ان کے لیے ہمیشہ کے لیے مقرر فرمائیں، اور سب صحابہؓ نے حضرت عمرؓ کے ساتھ اس بات پر اتفاق کرلیا۔"

حافظ العصر، استاذ المحدثین امام زین الدین عراقی (م ۸۰۴ھ) کے صاحبزادے حافظ ولی الدین ابوزرعہ عراقی (م ۸۲۶ھ) جو اپنے والد کی طرح عظیم محدث ہیں، لکھتے ہیں:

لٰكِنَّ عُمَرَ لَمَّا جَمَعَ النَّاسَ عَلٰى صَلَاةِ التَّرَاوِيْحِ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ مُقْتَدِيْنَ بِأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ صَلّٰى بِهِمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً غَيْرَ الْوِتْرِ وَهُوَ ثَلَاثُ رَكَعَاتٍ۔[۲]

"جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو رمضان المبارک کے مہینہ میں نمازِ تراویح کے لیے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں جمع کیا تو وہ لوگوں کو بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔"

غیر مقلدین کے مسلم شیخ الاسلام شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی (م ۱۲۰۶ھ) رقم طراز ہیں:

" اَنَّ عُمَرَ ﷺ جَمَعَ النَّاسَ عَلٰى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ ﷺ يُصَلِّيْ بِهِمْ

---

[۱] کفایۃ الأخیار (ص ۱۳۸) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

[۲] طرح التثریب فی شرح التقریب (۳:۸۸) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً "[۱]

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت پر جمع کیا تو وہ انہیں بیس رکعتیں پڑھاتے تھے۔"

غیر مقلد عالم و محقق نواب صدیق حسن خان صاحبؒ (م ۱۳۰۷ء) ارقام فرماتے ہیں:

"وبست رکعت زیادت عمر بن الخطاب است"[۲]

"بیس رکعات تراویح میں بارہ رکعات کا اضافہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے ہوا"

مولانا میاں غلام رسول صاحبؒ (م ۱۲۹۱ھ) جو غیر مقلدین کے شیخ الکل مولانا نذیر حسین دہلویؒ کے اجلہ تلامذہ میں سے ہیں، وہ بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قائم کردہ جماعتِ تراویح کی تعداد بیس تھی۔[۳]

ناظرین! اسلافِ امت اور علمائے کرام کی مذکورہ تصریحات سے ثابت ہوگیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قائم کردہ جماعت کی تعداد جو صحیح طور پر ثابت ہے، وہ صرف بیس رکعات ہے، کیونکہ ان حضرات نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیس رکعات منقول ہونے کا تذکرہ تو فرمایا ہے، لیکن انہوں نے بیس کے علاوہ کسی اور عدد کا بھولے سے بھی ذکر نہیں کیا۔ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیس رکعات کے علاوہ کوئی اور عدد ثابت ہوتا تو یہ حضرات اس کو بھی ضرور ذکر کرتے، ان حضرات کے علاوہ بھی آپ کو تیرہ سو سال میں ایک بھی کوئی ایسی قابل قدر ہستی نہیں نظر آئے گی جس نے یہ کہا ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس کے علاوہ کسی اور عدد کا حکم فرمایا تھا۔ لہٰذا یہ حقیقت تسلیم کرنی پڑے گی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کی جو جماعت تشکیل دی

---

[۱] مجموع مؤلفات الشیخ محمد بن عبد الوہاب (ص ۴: ۱۱۷)

[۲] ہدایۃ السائل (ص ۱۳۸) مطبوعہ مطبع شاہجہانی بھوپال

[۳] دیکھئے رسالہ تراویح مع ترجمہ "ینابیع" (ص ۱۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

تھی اس کی صحیح تعداد بیس رکعات تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ یکے بعد دیگرے اقتدارِ خلافت پر جلوہ افروز ہوئے، ان دونوں حضرات کے دورِ خلافت میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور کی طرح بیس تراویح کا ہی رواج رہا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بیس رکعات سے متعلق روایات اِن شاء اللہ آگے آرہی ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خلافتِ راشدہ کے اس مبارک دور میں تراویح بیس رکعات ہی پڑھی جاتی تھیں۔

حضرات خلفائے راشدین کا جاری کردہ طریقہ بھی عین سنت ہے:

رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کو جس طرح سنت کہا جاتا ہے، اسی طرح حضرات خلفائے راشدین کا جاری کردہ طریقہ بھی سنت کی تعریف میں داخل ہے۔ چنانچہ حافظ ابن رجب حنبلیؒ (م ۷۹۵ھ) سنت کی تعریف میں لکھتے ہیں:

”وَالسُّنَّةُ هِيَ الطَّرِيْقُ الْمَسْلُوْكُ فَيَشْتَمِلُ ذَالِكَ التَّمَسُّكَ بِمَا كَانَ عَلَيْهِ هُوَ وَخُلَفَاءُهُ الرَّاشِدُوْنَ مِنَ الْأِعْتِقَادَاتِ وَالْاَعْمَالِ وَالْاَقْوَالِ وَهٰذِهٖ هِيَ السُّنَّةُ الْكَامِلَةُ“[۱]

”سنت اس طریقہ کا نام ہے جس پر چلا جائے، لہٰذا سُنت (شرعی) اُس طریقے کے تمسک (تھامنے) کو کہا جائے گا کہ جس پر آنحضرت ﷺ اور آپ کے خلفائے راشدین عمل پیرا رہے، چاہے وہ اعتقادات ہوں یا اعمال یا اقوال، اور یہی سنتِ کاملہ ہے۔“

اور چونکہ بیس تراویح کی جماعت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قائم کی، جو خلفائے

---

[۱] جامع العلوم والحکم (ص ۵۹۱) طبع دار ابن کثیر بیروت۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

راشدین میں سے ہیں، اور ان کے بعد خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور خلیفہ رابع حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کی موافقت کی ہے۔ لہٰذا بیس تراویح کی جماعت بھی عین سنت ہے۔ چنانچہ حافظ ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) اسی نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فَلَمَّا كَانَ عُمَرُ رضی اللہ عنہ جَمَعَهُمْ عَلٰى إِمَامٍ وَّاحِدٍ، وَهُوَ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ رضی اللہ عنہ الَّذِيْ جَمَعَ النَّاسَ عَلَيْهِ بِأَمْرِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ، وَعُمَرُ رضی اللہ عنہ هُوَ مِنْ خُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ حَيْثُ يَقُوْلُ ﷺ: عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ مِنْ بَعْدِيْ، عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ يَعْنِيْ أَضْرَاسَ، لِأَنَّهَا أَعْظَمُ فِي الْقُوَّةِ، وَهٰذَا الَّذِيْ فَعَلَهُ هُوَ السُّنَّةُ"[۱]

"جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب لوگوں کو ایک امام پر جمع فرمادیا، اور وہ امام حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں کہ جن کی امامت پر لوگ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے حکم پر جمع ہوئے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلفائے راشدین میں سے ہیں، جن کی بابت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد تم پر میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت لازم ہے، اس کو ڈاڑھوں سے مضبوط پکڑو۔ الحدیث۔ نبی ﷺ نے ڈاڑھوں کا ذکر اس لیے کیا کہ یہ پکڑنے میں زیادہ مضبوط ہوتی ہیں۔ الغرض حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو کام سرانجام دیا وہ بالکل سنت ہے۔"

بیس تراویح سنتِ مؤکدہ ہیں:

جس سنت پر رسول اللہ ﷺ یا آپ کے خلفاء نے مواظبت (ہمیشگی) نہ کی ہو،

[۱] فتاویٰ ابن تیمیہ (۲۲: ۲۳۴) بحوالہ نماز پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم (ص ۲۵۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بلکہ اس کو انہوں نے کبھی کبھار سرانجام دیا ہو اس کو تو سنت غیر مؤکدہ کہا جاتا ہے، لیکن جس کام کو آپ ﷺ یا آپ کے خلفائے راشدین نے ہمیشہ کیا ہو اور اس پر مواظبت فرمائی ہو، اس کو سنت مؤکدہ کہتے ہیں۔ چونکہ بیس تراویح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پڑھی ہے، اور آپ کے بعد آپ کے خلفائے راشدینؓ بھی اسی پر کاربند رہے، اور اس پر مواظبت کرتے رہے، لہٰذا بیس تراویح کا پڑھنا بھی سنتِ مؤکدہ ہے۔ چنانچہ علمائے کرام نے بیس تراویح کے سنت مؤکدہ ہونے کی باقاعدہ تصریح کی ہے۔ ذیل میں اس بابت چند حوالے ہدیہ ناظرین ہیں۔

حجۃ الاسلام امام محمد غزالیؒ (م ۵۰۵ھ) ارقام فرماتے ہیں:

اَلتَّرَاوِيْحُ وَهِيَ عِشْرُوْنَ رَكْعَةً وَ كَيْفِيَّتُهَا مَشْهُوْرَةٌ وَهِيَ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ ۔[۱]

"تراویح بیس رکعات ہیں، اور ان کی کیفیت مشہور ہے، اور یہ سنت مؤکدہ ہیں۔"

مشہور محدث امام ابن قدامہ حنبلیؒ (م ۶۲۰ھ) لکھتے ہیں:

"وَقِيَامُ شَهْرِ رَمَضَانَ عِشْرُوْنَ رَكْعَةً يَعْنِيْ صَلٰوةَ التَّرَاوِيْحِ وَهِيَ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ"[۲]

"قیامِ رمضان یعنی نماز تراویح بیس رکعات ہیں، اور یہ سنتِ مؤکدہ ہیں۔"

عظیم محقق علامہ ابن عابدین شامیؒ (م ۱۲۵۲ھ) رقمطراز ہیں:

"اَلتَّرَاوِيْحُ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ لِمُوَاظَبَةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ اِجْمَاعًا بَعْدَ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ وَهِيَ عِشْرُوْنَ رَكْعَةً"[۳]

"نمازِ عشاء کے بعد پڑھی جانے والی نماز تراویح کا سنت مؤکدہ ہونا بالاتفاق

---

[۱] احیاء علوم الدین (۱: ۷۴۷، ۷۴۸) طبع دار المنہاج جدہ

[۲] المغنی (۱: ۶۰۱)

[۳] رد المحتار (۱: ۵۲۱) طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

خلفائے راشدین کی مواظبت سے ثابت ہے، اور وہ بیس رکعات ہیں۔"

علامہ عبدالحی صاحب لکھنوی (م ۱۳۰۴ھ) فرماتے ہیں:

"وَصَرَّحُوْا اَیْضًا بِاَنَّ عِشْرِیْنَ رَکْعَةً سُنَّةٌ مُّؤَکَّدَةٌ"[۱]

"علماءِ کرام نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ بیس تراویح سنت مؤکدہ ہیں۔"

علامہ ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی (م ۱۴۳۶ھ) ارقام فرماتے ہیں:

"صَلٰوةُ التَّرَاوِیْحِ اَوْقِیَامُ شَهْرِ رَمَضَانَ عِشْرُوْنَ رَكْعَةً وَهِيَ سُنَّةٌ مُّؤَكَّدَةٌ"[۲]

"نماز تراویح یا قیام رمضان بیس رکعات ہیں، اور یہ سنت مؤکدہ ہیں۔"

بیس رکعات سے کم تراویح پڑھنا گناہ اور موجب وبال ہے:

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ بیس تراویح سنتِ مؤکدہ ہیں، اور سنت مؤکدہ کا عمدًا ترک کرنا عصیان اور گناہ ہے۔ لہٰذا بیس تراویح سے کم پڑھنا گناہ اور سنتِ مؤکدہ کا ترک کرنا ہے۔ چنانچہ علامہ عبدالحی صاحب لکھنوی (متوفی ۱۳۰۴ھ جو غیر مقلدین کے ہاں بھی بڑی قابل قدر شخصیت ہیں[۳]) اس بات کو نہایت واضح طور پر

---

[۱] تحفۃ الاخیار ص (۴۰)

[۲] الفقہ الاسلامی وَ اَدِلَّتُہٗ (۲:۲۷) طبع دارالفکر دمشق

[۳] علامہ عبدالحی لکھنوی: مولانا ارشاد الحق اثری صاحب لکھتے ہیں: برصغیر پاک وہند میں جن حضرات کو تبحر علمی، جودت و ذہانت، فہم وفراست اور زہد وتقوی کے ساتھ ساتھ کثرتِ تصنیف کا شرف حاصل ہے، ان میں حضرت مولانا علامہ عبدالحی لکھنوی بھی ہیں۔
اثری صاحب مزید لکھتے ہیں: مولانا لکھنوی فقہی مکتبِ فکر کے اعتبار سے حنفی علماء میں شمار ہوتے ہیں، مگر ان کے ہاں وہ فقہی جمود نہیں جو عموماً برصغیر کے حنفی علماء میں پایا جاتا ہے۔ ہفت روزہ الاعتصام لاہور (۴ جون تا ۱۰ جون ۱۹۹۹ء ص ۲۰، ۲۱)۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بیان کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

اِنَّ مَجْمُوْعَ عِشْرِیْنَ رَکْعَةً فِي التَّرَاوِیْحِ سُنَّةٌ مُؤَکَّدَةٌ، لِاَنَّهٗ مِمَّا وَاظَبَ عَلَیْهِ الْخُلَفَاءُ، وَاِنْ لَّمْ یُوَاظِبْ عَلَیْهِ النَّبِيُّ ﷺ وَقَدْ سَبَقَ اَنَّ سُنَّةَ الْخُلَفَاءِ اَیْضًا لَازِمُ الْاِتِّبَاعِ وَتَارِکُهَا اٰثِمٌ وَاِنْ کَانَ اِثْمُهٗ دُوْنَ اِثْمِ تَارِكِ السُّنَّةِ النَّبَوِیَّةِ۔ فَمَنِ اکْتَفٰی عَلٰی ثَمَانِ رَکَعَاتٍ یَکُوْنُ مُسِیْئًا لِتَرْکِهٖ سُنَّةَ الْخُلَفَاءِ، وَاِنْ شِئْتَ تَرْتِیْبَهٗ عَلٰی سَبِیْلِ الْقِیَاسِ فَقُلْ: عِشْرُوْنَ رَکْعَةً فِي التَّرَاوِیْحِ مِمَّا وَاظَبَ عَلَیْهِ الْخُلَفَاءُ الرَّاشِدُوْنَ، وَکُلُّ مِمَّا وَاظَبَ عَلَیْهِ الْخُلَفَاءُ سُنَّةٌ مُؤَکَّدَةٌ، ثُمَّ تَضُمُّهٗ مَعَ اَنَّ کُلَّ سُنَّةٍ مُؤَکَّدَةٍ یَأْثَمُ تَارِکُهَا، فَیُنْتَجُ: عِشْرُوْنَ رَکْعَةً یَأْثَمُ تَارِکُهَا وَمُقَدِّمَاتُ هٰذَا الْقِیَاسِ قَدْ اَثْبَتْنَاهَا فِي الْاُصُوْلِ السَّابِقَةِ۔[1]

"تراویح بیس رکعات سنتِ مؤکدہ ہیں، اس لیے کہ اس پر خلفائے راشدین نے مواظبت کی ہے، اگرچہ حضور ﷺ نے اس پر مواظبت نہیں کی، اور پہلے یہ گزر چکا ہے کہ خلفائے راشدین کی سنت بھی واجب الاتباع ہے، اور اس کو چھوڑنے والا گنہگار ہے، اگرچہ اس کا گناہ حضور ﷺ کی سنت ترک کرنے والے سے کم درجہ کا ہے۔ لہٰذا جو شخص آٹھ رکعات پر اکتفاء کرے وہ برا کام کرنے والا ہے، کیونکہ اس نے خلفائے راشدین کی سنت کو ترک کیا۔ اگر تم قیاسی طریقہ پر اس کی ترتیب سمجھنا چاہو تو یوں کہو: بیس رکعت تراویح پر خلفائے راشدین نے مواظبت کی ہے، اور جس پر خلفائے راشدین نے مواظبت کی ہو وہ سنتِ مؤکدہ ہے، لہٰذا بیس رکعت بھی سنتِ مؤکدہ ہیں۔ پھر اس کے ساتھ یہ بھی ملاؤ کہ ہر سنت مؤکدہ کو ترک کرنے والا گنہگار

---

[1] "تحفۃ الاخیار" (ص ۶۷۔۶۸)، مجموعہ رسائل لکھنوی" (۴: ۳۰۷۔۳۰۸) طبع ادارۃ القرآن کراچی

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ہوتا ہے، لہٰذا بیس رکعات کا تارک بھی گنہگار ہوگا۔ اس قیاس کے مقدمات ہم سابقہ اصول میں ثابت کر چکے ہیں۔"

تراویح تہجد کی نماز سے الگ اور ایک مستقل نماز ہے:

نماز تراویح اور نماز تہجد دونوں جداگانہ نمازیں ہیں۔ جو نماز اول شب میں ادا کی جاتی ہے اس کو نمازِ تراویح یا قیامِ رمضان کہا جاتا ہے، اور جو نماز آخر شب میں پڑھی جائے اس کو نمازِ تہجد یا قیام اللیل کہتے ہیں۔ یہ تمام اہل اسلام کا متفقہ مسئلہ ہے، لیکن آج کل کے غیر مقلدین حضرات جس طرح رکعاتِ تراویح کے مسئلہ میں تمام اہلِ اسلام سے کٹ کر صرف آٹھ تراویح کے قائل ہیں، اسی طرح اس جماعت کو یہ بھی شرف حاصل ہے کہ اس جماعت کے ایک سرکردہ رکن مولوی عبداللہ چکڑالوی (جو بعد میں منکر حدیث ہو گئے تھے) نے سب سے پہلے یہ اعلان کیا کہ نمازِ تراویح اور نمازِ تہجد دونوں ایک ہی نماز ہیں، اور چونکہ یہ انوکھا مسئلہ جس طرح تمام اہلِ سنت والجماعت کے مسلک کے خلاف تھا، اسی طرح یہ مسئلہ خود غیر مقلدین کے اکابر کی تصریحات سے بھی متصادم تھا، اس لیے خود جماعت غیر مقلدین میں بھی اس کی مخالفت کی گئی۔ چنانچہ غیر مقلدین کے شیخ الاسلام، فاتح قادیان مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ (م ۱۳۶۷ھ) نے سب سے پہلے اس فتوٰی کے خلاف آواز اٹھائی، اور مولوی چکڑالوی کی زبردست تردید کی۔ چنانچہ آں موصوف چکڑالوی کے فتوٰی کی تردید میں لکھتے ہیں:

ایسے صاف اور صحیح جواب کو پا کر بھی ان مولوی صاحب (عبداللہ چکڑالوی) نے قبول نہیں کیا، بلکہ اس کے جواب میں بہت کوشش کی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلے وقت کی نماز اور پچھلے وقت کی نماز ایک ہی ہے، دو نہیں، یہی تراویح جو اول وقت میں پڑھی جاتی ہے تہجد کی نماز ہے، اور کوئی نہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

دعویٰ پر بھی کوئی دلیل نہیں، بلکہ اس کے خلاف دلیل موجود ہے۔ کیونکہ تہجد کے معنیٰ ہیں: نیند سے اٹھ کر نماز پڑھنا، قاموس میں ہے تَهَجَّدَ اِسْتَيْقَظَ اِنْتَهٰى ۔[1]

موجودہ غیر مقلدین بھی عبداللہ چکڑالوی کی تقلید میں تراویح اور تہجد دونوں کو ایک ہی نماز قرار دیتے ہیں، لیکن ان کے شیخ الاسلام کا فرمان ابھی گزرا ہے کہ اس دعویٰ پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے، پھر غیر مقلدین کس دلیل کی بنیاد پر دونوں نمازوں کو ایک قرار دیتے ہیں۔ ؎

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

---

[1] اہل حدیث کا مذہب (۶۸) مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی نیز دیکھئے رسائل ثنائیہ (ص ۸۸)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

تراویح اور تہجد میں دس وجوہ فرق

نمازِ تراویح اور نمازِ تہجد میں کئی وجوہ سے فرق ہے، لیکن ہم بطور "مشتے نمونہ ازخروارے" صرف دس وجوہ فرق بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

(۱) تراویح رمضان المبارک کی ایک خاص نماز ہے، جو صرف اس ماہ مبارک میں ہی پڑھی جاتی ہے، اور اس کا نام قیام رمضان ہے۔ جب کہ تہجد پورے سال پڑھی جانے والی نماز کا نام ہے، اور اس کو قیام اللیل کہتے ہیں۔ ان دونوں نمازوں کا ان مختلف ناموں سے موسوم ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ دونوں جداگانہ نمازیں ہیں۔
چنانچہ مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خانؒ (م ۱۳۰۷ھ) بھی اس حقیقت کا اقرار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَاَمَّا قِيَامُ اللَّيْلِ فَهُوَ غَيْرُ قِيَامِ رَمَضَانَ [۱]

"قیام اللیل قیام رمضان سے ایک الگ نماز ہے۔"

(۲) تراویح اور تہجد کا وقت بھی جدا جدا ہے۔ چنانچہ تراویح کا وقت عشاء کی نماز کے بعد اول شب کا ہے، جیسا کہ نمازِ تراویح کی وجہ تسمیہ میں بزرگ غیر مقلد عالم مولانا عبداللہ غازی پوریؒ (م ۱۳۳۷ھ) کا حوالہ گزر چکا ہے کہ نمازِ تراویح وہ نماز ہے جو ماہِ رمضان کی راتوں میں عشاء کے بعد پڑھی جائے۔ اس کے برعکس نمازِ تہجد کا وقت آخر شب کا ہے، چنانچہ نامور غیر مقلد عالم و مناظر مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ (م ۱۳۶۷ھ) لکھتے ہیں:

تہجد کا وقت ہی صبح سے پہلے کا ہے، اول شب میں تہجد نہیں ہوتی۔ [۲]

مولانا صلاح الدین یوسف صاحب (سابق ایڈیٹر ہفت روزہ الاعتصام لاہور) لکھتے ہیں:

---

[۱] نزل الابرار من الادعیۃ والاذکار (ص ۳۰۳) طبع دار المعرفۃ بیروت

[۲] فتاویٰ ثنائیہ (۱:۴۳۱)، فتاویٰ علمائے حدیث (۶:۳۳۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بہر حال تہجد کا مفہوم رات کے پچھلے پہر اٹھ کر نوافل پڑھنا ہے، ساری رات قیام اللیل کرنا خلافِ سُنت ہے۔ نبی ﷺ رات کے پہلے حصے میں سوتے اور پچھلے حصے میں اٹھ کر تہجد پڑھتے۔ یہی طریقہ سنت ہے۔ [۱]

جب کہ تراویح کے متعلق حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان کی ستائیسویں شب سحری سے تھوڑی دیر پہلے تک تقریباً پوری رات قیام کیا تھا۔ [۲]

معلوم ہوا کہ تراویح تہجد سے جدا ایک مستقل نماز ہے۔

(۳) تراویح اور تہجد میں ایک وجہ فرق یہ بھی ہے کہ نماز تراویح بالاتفاق سنت مؤکدہ ہے۔ [۳]

جب کہ نمازِ تہجد کسی کے نزدیک بھی سنت مؤکدہ نہیں، بلکہ سنت غیر مؤکدہ یا مستحب ہے۔

(۴) نماز تراویح عید کی نماز کی طرح اسلام کے شعائر ظاہرہ (وہ عبادات جن کو اسلام کا شعار اور علامت سمجھا جاتا ہے) میں سے ہے۔ [۴] لیکن تہجد کی نماز شعائر ظاہرہ میں داخل نہیں ہے۔

(۵) نماز تہجد کی مشروعیت بنص قرآنی ہوئی۔ چنانچہ ارشاد باری ہے: ''وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ'' [۵] اور رات کے کچھ حصہ میں تہجد پڑھا کیجئے جو کہ آپ کے لیے زائد چیز ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''قُمِ اللَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا'' [۶] ''رات (کے وقت نماز) میں کھڑے ہو جاؤ مگر کم'' (ترجمہ مولانا جوناگڑھی غیر مقلد)۔

اس آیت کی تفسیر میں مولانا صلاح الدین یوسف صاحب لکھتے ہیں:

---

[۱] تفسیری حواشی قرآن مجید (ص ۷۸۹) مطبوعہ: شاہ فہد قرآن مجید پرنٹنگ پریس سعودی عرب۔

[۲] سنن ابی داؤد، رقم الحدیث (۱۳۷۵)، سنن الترمذی، رقم الحدیث (۸۰۶)

[۳] جامع الرموز (۱:۹۵)، مجمع الانہر (۱:۲۰۲)

[۴] نیل الاوطار (۱:۵۱۲) للشوکانی، عون الباری (۵:۱۸۶) للنواب صدیق حسن خان

[۵] سورۃ بنی اسرائیل آیت ۷۹

[۶] سورۃ المزمل آیت ۲۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

مطلب یہ ہے کہ آپ چادر چھوڑ دیں، اور رات کو تھوڑا قیام کریں، یعنی نمازِ تہجد پڑھیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس حکم کی بناء پر نمازِ تہجد آپ کے لیے واجب تھی۔ [۱]

جب کہ نماز تراویح کی مشروعیت احادیث سے ہوئی۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى فَرَضَ صِيَامَ رَمَضَانَ وَسَنَنْتُ لَكُمْ قِيَامَهُ" [۲]

بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے رمضان کے روزے کو فرض کیا ہے، اور میں نے اس کے قیام (تراویح) کو تمہارے لیے سنت قرار دیا ہے۔ [۳]

---

[۱] تفسیری حواشی (ص ۱۶۴۴)

[۲] سنن النسائی (۱:۳۳۹، رقم الحدیث: ۲۲۱۲)

[۳] اعتراض: مولانا نذیر احمد رحمانیؒ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں: یہ روایت ہی صحیح نہیں ہے، اس کا ایک راوی نضر بن شیبان بالکل ضعیف ہے۔ "انوار المصابیح" (ص ۸۷)

جواب: حافظ ذہبیؒ نے نضر بن شیبانؒ کو "متوسط" قرار دیا ہے۔ "دیوان الضعفاء والمتروکین" (۱:۴۰۱) اور حافظ ذہبیؒ ہی نے "میزان الاعتدال" (۳:۳۱۱) میں عیسیٰ بن جاریہ کی گیارہ تراویح والی حدیث کی سند کو "وسط" کہا ہے، جو کہ بقول رحمانی صاحب اس کی توثیق پر دال ہے۔ چنانچہ رحمانی صاحب لکھتے ہیں: انہوں (ذہبیؒ) نے "إِسْنَادُهُ وَسَطٌ" کہہ کر اس (ابن جاریہ) کی توثیق کر دی۔ "انوار المصابیح" (ص ۲۱۹) اب رحمانی صاحب کی بے انصافی ملاحظہ کریں کہ ان کے نزدیک ابن جاریہ کے متعلق حافظ ذہبیؒ کا قول "إِسْنَادُهُ وَسَطٌ" تو اس کی توثیق کی دلیل ہے لیکن جس راوی (نضر بن شیبان) کے متعلق حافظ ذہبیؒ متوسط (جو وسط کا مترادف ہے) کہہ رہے ہیں، وہ رحمانی صاحب کی نظر میں بالکل ضعیف ہے، اور اس کی حدیث بھی بالکل ناکارہ ہے۔ فیاللعجب۔

نیز حافظ ابن حجرؒ نے نضر بن شیبان کے بارہ میں "لَيِّنُ الحديث" لکھا ہے۔ تقریب التھذیب (۲:۲۴۵) اور رحمانی صاحب خود لکھتے ہیں: جس راوی کے متعلق "فیہ لِيْنٌ" یا "لَيِّنُ الحدیث" کہا گیا ہو اس کی روایت قابل طرح وترک نہیں ہے۔ انوار المصابیح (ص ۱۱۵)

نیز لکھتے ہیں: امام دارقطنی جیسے ناقد رجال کے نزدیک ایسا راوی نہ ساقط الحدیث ہے، اور نہ اس کی حدیث قابل ترک۔ ایضاً (ص ۱۱۶) لہٰذا رحمانی صاحب کے اعتراض کا بطلان خود ان کی اپنی تحریروں سے واضح ہوگیا ہے۔ وللہ الحمد: ثانیاً: اس حدیث کی تائید اس کے متصل بعد مذکور دو حدیثوں سے ہو رہی ہے، جس سے یہ حدیث مزید قوی ہو جاتی ہے۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

شیخ الاسلام امام تقی الدین سبکیؒ (م ۷۵۶ھ) نے اس حدیث پر سیر حاصل بحث کی ہے، اور اس پر تمام اعتراضات کو کالعدم قرار دے کر اس کو قوی اور قابل حجت قرار دیا ہے۔ [۱]

امام ضیاء الدین مقدسیؒ (م ۶۴۳ھ) نے بھی اس حدیث کو اپنی کتاب "المختارہ" میں رروایت کیا ہے۔ [۲]

مولانا ارشاد الحق اثری ایک حدیث کے دفاع میں لکھتے ہیں:

یہی روایت امام طبرانیؒ سے امام ضیاء الدین المقدسیؒ نے "الاحادیث المختارہ" (ص ۳۳۶ ج ۹) میں بھی ذکر کی ہے، جو اس بات کا قرینہ ہے کہ یہ روایت امام مقدسی کے نزدیک مقبول ہے۔ [۳]

اس حدیث کی تائید دیگر دو حدیثوں سے بھی ہوتی ہے، پہلی حدیث حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ہے، وہ فرماتے ہیں

فَرَضَ اللّٰہُ صِیَامَ رَمَضَانَ ، وَ سَنَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قِیَامَہٗ [۴] "اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزے کو فرض کیا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قیام (تراویح) کو سنت قرار دیا ہے"۔ [۵]

---

[۱] ضوء المصابیح فی صلوۃ التراویح (ص ۲۰۵۔۲۲۱)

[۲] الاحادیث المختارۃ (۳:۱۰۶ ح ۹۰۷، ۹۰۸)

[۳] مقالات (۲:۲۶۳)

[۴] کتاب الصیام (ص ۱۱۴ ح ۱۴۹) للفریابیؒ طبع الدار السلفیۃ بومبائی ہند۔

[۵] اس حدیث کے پہلے راوی محمد بن ابوبکر مقدمیؒ ثقہ ہیں۔ تقریب التھذیب (۲:۵۹)
دوسرے راوی ابو عامر عبد الملک بن عمرو قیسیؒ بھی ثقہ ہیں۔ ایضاً (۱:۶۱۷)
تیسرے راوی زبیر بن عبد اللہ امویؒ متابعت کی صورت میں مقبول ہیں۔ ایضاً (۱:۳۰۹) اور یہاں اس کی متابعت موجود ہے۔
چوتھے راوی صفوان بن سلیم مدنیؒ ثقہ، مفتی اور عابد ہیں۔ ایضاً (۱:۴۳۸)
اور پانچویں راوی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ صحابی وخادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

دوسری حدیث ابوحریز عبداللہ بن حسین ازدیؒ کی ہے، وہ بنی سلیم کے ایک شخص سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"إِنَّ اللّٰهَ قَدِ افْتَرَضَ عَلَيْكُمْ رَمَضَانَ وَأَنَا آمُرُكُمْ بِقِيَامِهِ" [۱]

"بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر رمضان (کے روزوں) کو فرض کیا ہے، اور میں تمہیں اس کے قیام (تراویح پڑھنے) کا حکم دیتا ہوں۔" [۲]

(۶) پہلے یہ گزر چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی زندگی میں صرف تین رات تراویح کو باجماعت مدینہ منورہ میں ادا فرمایا۔ پھر اس نماز کو مسجد میں باجماعت پڑھنا یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ:

خَشِيتُ أَنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ۔ [۳]

"مجھے خدشہ ہے کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ ہو جائے"

اور ایک روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا:

"إِنِّي خَشِيتُ أَنْ تُكْتَبَ عَلَيْكُمْ صَلَاةُ اللَّيْلِ۔" [۴]

"مجھے خدشہ ہے کہ یہ رات کی نماز تم پر فرض نہ ہو جائے"

---

[۱] طبقات المحدثین باصبہان (۴:۲۰۳) طبع مؤسسۃ الرسالۃ بیروت

[۲] اس روایت کی سند میں ایک راوی مجہول، اور ایک راوی مبہم (غیر متعین) ہے، لیکن یہ روایت ہم سابقہ دو روایتوں کی تائید و متابعت میں پیش کر رہے ہیں، اور بزرگ غیر مقلد عالم مولانا محمد گوندلویؒ (م ۱۴۰۵) نے تصریح کی ہے کہ متابعت میں صحت شرط نہیں ہے۔ التحقیق الراسخ (ص ۱۴۳)
نیز مولانا گوندلویؒ نے تصریح کی ہے کہ: متابعت و شواہد میں مجہول اور ضعیف راویوں کی روایت پیش کی جا سکتی ہے۔ خیر الکلام (ص ۲۸۸، ۲۳۳، ۲۴۰)

[۳] صحیح البخاری (رقم الحدیث: ۱۱۲۹)

[۴] ایضاً (رقم الحدیث: ۷۲۹)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

یعنی رمضان المبارک کی رات کی نماز (تراویح) کہیں تم پر فرض نہ ہو جائے، جیسا کہ دوسری حدیث میں اس کی وضاحت موجود ہے:

"وَاِنَّهٗ لَمْ یَمْنَعْنِیْ اَنْ اَنْزِلَ عَلَیْکُمْ اِلَّا مَخَافَةَ اَنْ یُّفْتَرَضَ عَلَیْکُمْ قِیَامُ هٰذَا الشَّهْرِ۔"[۱]

"مجھے تمہارے پاس (نماز پڑھانے کے لیے) آنے سے کسی چیز نہیں روکا، سوائے اس خدشہ کے کہیں اس مہینہ (رمضان) کا قیام (تراویح) تم پر فرض نہ ہو جائے"[۲]

---

[۱] مسند احمد بن حنبل (رقم الحدیث ۲۵۴۹۶)

[۲] بعض غیر مقلدین نے اس روایت پر اعتراض کیا ہے کہ اس کی سند میں سفیان بن حسین، زہری سے روایت کر رہے ہیں، اور سفیان بن حسین جب زہری سے روایت کرتے ہیں تو ان کی روایت ضعیف ہوتی ہے۔ انوار التوضیح (ص ۱۰۹)

جواب: مولانا ارشاد الحق اثری، سفیانؒ پر اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

بلاشبہ سفیانؒ زہریؒ سے روایت کرنے میں متکلم فیہ ہیں، مگر وہ علی الاطلاق ضعیف نہیں۔ (توضیح الکلام (۱:۴۶۹)

اور پھر اپنی تائید میں شیخ احمد شاکر غیر مقلد کا حوالہ (تعلیق مسند احمد ص ۸۸ ج ۱) پیش کیا کہ سفیان بن حسینؒ ثقہ ہیں، اگرچہ محدثین نے سفیان کی زہریؒ سے روایت کردہ احادیث پر کلام کیا ہے، کیونکہ ان میں سے بعض میں ان سے خطا ہوئی ہے، لیکن ظاہری طور پر ان کی یہ سب روایات صحیح ہیں، جب تک کہ یہ ثابت نہ ہو جائے کہ کسی خاص روایت میں ان سے خطا ہوئی ہے، کیونکہ کوئی ثقہ راوی ایسا نہیں کہ جس سے کوئی نہ کوئی خطا نہ ہوئی ہو۔

اور پھر مولانا اثری، امام بخاریؒ وغیرہ محدثین کے حوالجات پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں: جس سے ہمارے مؤقف کی تائید ہوتی ہے کہ حسینؒ کی زہریؒ سے تمام روایات کو ضعیف نہیں کہا جائے گا، بلکہ جہاں خطاً ثابت ہو، اس روایت کو ضعیف قرار دیا جائے گا۔ (ایضاً: ۴۷۰)

اور سفیانؒ کی مذکورہ روایت میں خطا ثابت نہیں، بلکہ بخاری کی روایت اس کی مؤید ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ بخاری کی روایت میں "صلوۃ اللیل" ہے، اور یہاں اس کی وضاحت ہے کہ اس سے مراد قیام رمضان ہے۔ اور جو لفظ صحیح حدیث سے ثابت ہو اس کی وضاحت میں تو ضعیف حدیث بھی کارآمد ہے۔ خیر الکلام (ص ۳۰)، فتاوی عبید اللہ مبارکپوری (۱:۱۱۷)، یزید بن معاویہؒ (ص ۵۸۸)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

شارح بخاری حافظ بدر الدین عینیؒ (م۸۵۵ھ) ان مذکورہ احادیث کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

”فَدَلَّتْ هٰذِهِ الرِّوَايَاتُ عَلٰى اَنَّ عَدَمَ خُرُوْجِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيْهِمْ كَانَ لِلْخَشْيَةِ عَنْ فَرْضِيَّةِ هٰذِهِ الصَّلَاةِ لَا لِعِلَّةٍ اُخْرٰى۔“[۱]

”یہ روایات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہؓ کے پاس تراویح پڑھانے کے لیے نہ آنا صرف اس خدشہ کی وجہ سے تھا کہ کہیں یہ نماز (تراویح) فرض نہ ہو جائے۔“ اس کے علاوہ اس کی کوئی اور علت نہیں ہے۔

علامہ امیر یمانیؒ غیر مقلد (م۱۱۸۲ھ) نے بھی اس کی یہی علت بیان کی ہے، اور حافظ ابن حجرؒ کی بیان کردہ علت (تراویح جماعت کے ساتھ فرض ہونے کا خوف) کو حدیث بخاری کی رُو سے غلط قرار دیا ہے۔[۲]

جب کہ تہجد کی فرضیت اس سے پہلے ہی مکہ مکرمہ میں منسوخ ہو چکی تھی۔ چنانچہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

” اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ افْتَرَضَ قِيَامَ اللَّيْلِ فِيْ اَوَّلِ هٰذِهِ السُّوْرَةِ، فَقَامَ نَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ وَاَصْحَابُهٗ حَوْلًا وَاَمْسَكَ اللّٰهُ تَعَالٰى خَاتِمَتَهَا اثْنَيْ عَشَرَ شَهْرًا فِي السَّمَاءِ حَتّٰى اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْ اٰخِرِ هٰذِهِ السُّوْرَةِ التَّخْفِيْفَ فَصَارَ قِيَامُ اللَّيْلِ تَطَوُّعًا بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ “ [۳]

” بے شک اللہ عزوجل نے اس سورت (المزمل) کے شروع میں قیام اللیل

---

[۱] عمدۃ القاری (۷:۲۵۷)

[۲] سبل السلام (۲:۱۰)

[۳] صحیح مسلم (رقم الحدیث:۱۶۸۶)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

(تہجد) کو فرض کیا تو نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک سال تک قیام یعنی تہجد پڑھتے رہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے آخری حصہ (کے نزول) کو بارہ ماہ تک آسمان میں روکے رکھا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے آخر میں تخفیف نازل کی تو قیام اللیل فرض ہونے کے بعد تطوعاً (بطورِ نفل) جاری ہوا۔"

اب اگر تہجد اور تراویح ایک ہی نماز ہوتی تو تہجد کی فرضیت تو پہلے سے ہی مکہ مکرمہ میں (کیونکہ سورۃ المزمل مکی ہے) منسوخ ہو چکی تھی، تو پھر دوبارہ مدینہ منورہ میں اس کے فرض ہونے کا کیا احتمال تھا جس کا نبی کریم ﷺ نے خدشہ ظاہر فرمایا۔ معلوم ہوا کہ تہجد اور تراویح دونوں علیحدہ علیحدہ نمازیں ہیں۔

⑦ آنحضرت ﷺ اور اسلافِ امت کا تراویح کے بعد تہجد پڑھنا:

آنحضرت ﷺ، صحابی رسول حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ، امام بخاریؒ اور دیگر ائمۂ محدثین سے ثابت ہے کہ وہ تراویح کے بعد تہجد بھی پڑھا کرتے تھے۔ اور خود غیر مقلدین کے شیخ الکل مولانا نذیر حسین دہلویؒ (م ۱۳۲۰ھ) بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھتے تھے۔ ذیل میں اس اجمال کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

آنحضرت ﷺ کا تراویح کے بعد تہجد پڑھنا:

صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جن راتوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو نمازِ تراویح پڑھائی، ان میں سے ایک رات آپ ﷺ نے علیحدہ بھی نماز پڑھی ہے، اور وہ تہجد کی نماز تھی۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

"كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يُصَلِّيْ فِيْ رَمَضَانَ، فَجِئْتُ فَقُمْتُ إِلٰى جَنْبِهٖ، وَجَاءَ رَجُلٌ آخَرُ فَقَامَ اَيْضًا حَتّٰى كُنَّا رَهْطًا، فَلَمَّا حَسَّ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

النَّبِيُّ ﷺ اَنَّا خَلْفَهُ جَعَلَ يَتَجَوَّزُ فِي الصَّلَاةِ ثُمَّ دَخَلَ رَحْلَهُ، فَصَلَّى صَلٰوةً لَا يُصَلِّيهَا عِنْدَنَا ۔[1]

''رسول اللہ ﷺ (ایک رات) رمضان المبارک میں نماز (تراویح) پڑھ رہے تھے، میں آیا اور آپ کے پہلو میں کھڑا ہو گیا، ایک دوسرے صحابیؓ تشریف لائے وہ بھی اسی طرح کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ ہماری ایک جماعت بن گئی۔ نبی ﷺ نے جب یہ محسوس فرمایا کہ ہم آپ ﷺ کے پیچھے کھڑے ہیں تو آپ ﷺ نے نماز کو مختصر کر کے ختم کر دیا اور اپنے حجرہ میں تشریف لے گئے، اور وہاں آپ ﷺ نے وہ نماز پڑھی جو ہمارے پاس نہیں پڑھی تھی۔''

اب ظاہر ہے کہ جو نماز آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو پڑھائی وہ نماز تراویح تھی، اور جو آپ نے اپنے حجرے میں جا کر نماز پڑھی وہ نماز تہجد تھی۔ کیونکہ آپ ﷺ تہجد کی نماز ہمیشہ اپنے حجرہ میں پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ فِيْ حُجْرَتِهٖ''[2]

''رسول ﷺ رات کی نماز اپنے حجرہ میں پڑھا کرتے تھے''

علاوہ ازیں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے الفاظ ''يُصَلِّيْ صَلٰوةً لَا يُصَلِّيهَا عِنْدَنَا'' بھی صراحتاً اس پر دال ہیں کہ آپ ﷺ نے جو نماز حجرہ میں ادا فرمائی وہ اس نماز سے جدا تھی جو آپ ﷺ نے مسجد میں صحابہ رضی اللہ عنھم کے ساتھ پڑھی، حجرہ

---

[1] صحیح مسلم (۱:۳۵۲، رقم الحدیث:۲۵۳۸)

[2] صحیح البخاری (۱:۱۰۱، رقم الحدیث ۷۲۹)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

والی نماز نمازِ تہجد تھی، جب کہ آپ ﷺ نے مسجد میں جو نماز ادا کی وہ نماز تراویح تھی۔[۱]

صحابی رسول ﷺ حضرت طلق بن علیؓ کا تراویح کے بعد تہجد پڑھنا:

حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت قیس بن طلق رحمہ اللہ اپنے والد کا قصہ بیان کرتے ہیں:

”زَارَنَا طَلْقُ بْنُ عَلِيٍّ فِيْ يَوْمٍ مِنْ رَمَضَانَ وَاَمْسٰى عِنْدَنَا وَاَفْطَرَ، ثُمَّ قَامَ بِنَا تِلْكَ اللَّيْلَةَ وَاَوْتَرَبِنَا ثُمَّ انْحَدَرَ اِلٰى مَسْجِدِهٖ فَصَلّٰى

---

[۱] کفایت اللہ سنابلی صاحب نے اس حدیث کی یہ تاویل کی ہے کہ: اس سے مراد نماز کی طوالت ہے، یعنی آپ ﷺ نے خیمہ میں جتنی طویل نماز پڑھی اتنی طویل نماز ہمارے ساتھ نہیں پڑھتے تھے۔ انوار التوضیح (ص ۳۹۷)

لیکن یہ تاویل غلط ہے، کیونکہ یہاں حدیث میں نماز کی طوالت کی نفی نہیں ہے، بلکہ مطلق نماز کی نفی ہے۔ (يُصَلِّيْ صَلٰوةً لَا يُصَلِّيْهَا عِنْدَنَا)

لہٰذا حدیث کے ظاہری معنیٰ سے ہٹ کر اس کی کوئی ایسی تاویل کرنا جس پر کوئی ٹھوس دلیل و قرینہ نہ ہو، جائز نہیں ہے۔ فتاویٰ علمائے حدیث (۴:۲۲۵) میں ہے: وَلَا يُتْرَكُ الظَّاهِرُ بِالْمُحْتَمِلَاتِ الْبَعِيْدَةِ (ظاہری معنیٰ کو دور کے احتمالات کی وجہ سے ترک نہیں کیا جا سکتا)

بزرگ غیر مقلد عالم مولانا محمد گوندلویؒ (م ۱۴۰۵ھ) لکھتے ہیں:

حقیقی معنیٰ چھوڑ کر مجازی معنیٰ لینے کے لیے قرینہ کی ضرورت ہوتی ہے، بغیر اس کے کام نہیں چلتا۔ مقالات (۱:۱۳۰)

نیز یہ تاویل اس لیے بھی غلط ہے، کیونکہ ماقبل تراویح سے متعلق احادیث گزر چکی ہیں کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ نے اتنی لمبی نماز پڑھائی کہ صحابہؓ کو سحری کے فوت ہونے کا اندیشہ لاحق ہو گیا۔

اس لیے مذکورہ حدیث کے متعلق یہ کہنا کہ: آپ ﷺ صحابہؓ کو چھوڑ کر خیمے میں نماز پڑھنے کے لیے اس لیے چلے گئے تھے، کیونکہ آپ ﷺ طویل نماز پڑھنا چاہتے تھے، اس لیے یہ پسند نہیں فرمایا کہ صحابہؓ کے ساتھ نماز کو لمبا کریں، حقائق کے سراسر خلاف ہے۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ آپ ﷺ تراویح کو جلد مکمل کر کے اپنے حجرے میں اس لیے تشریف لے گئے تھے، تاکہ تہجد پڑھنے کی فضیلت بھی حاصل کر سکیں، کیونکہ آپ ﷺ تہجد حجرے میں پڑھا کرتے تھے، جیسا کہ بحوالہ صحیح بخاری گزرا ہے۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بِاَصْحَابِہٖ حَتّٰی اِذَا بَقِیَ الْوِتْرُ قَدَّمَ رَجُلًا فَقَالَ: اَوْتِرْ بِاَصْحَابِكَ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ: لَا وِتْرَانِ فِیْ لَیْلَۃٍ۔[۱]

”(ہمارے والد) حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ رمضان المبارک میں ایک دن ہمارے پاس ملاقات کے لیے تشریف لائے، اور شام تک ہمارے پاس ہی رہے، اور یہیں روزہ افطار کیا۔ پھر آپؓ نے اس رات ہمیں نماز (تراویح) پڑھائی اور وتر بھی پڑھائے، پھر اپنی مسجد کی طرف گئے اور اپنے ساتھیوں کو نماز (تہجد) پڑھائی، یہاں تک کہ وتر باقی رہ گئے تو آپ نے اپنے ایک ساتھی کو آگے کر دیا اور فرمایا: تم اپنے ساتھیوں کو وتر پڑھاؤ کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ ایک رات میں دو دفعہ وتر نہیں ہوتے۔“

اس اثر سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ نے تراویح کے بعد تہجد کی نماز پڑھی،[۲] کیونکہ یہ ہو نہیں سکتا کہ انہوں نے جو نماز اپنے صاحبزادے کے ہاں پڑھی اُس کو مسجد میں جا کر دوبارہ دہرا دیا، اس لیے کہ حدیث میں ایک ہی نماز کو دو دفعہ پڑھنے کی ممانعت آئی ہے۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

[۱] سنن ابی داود (۱:۳۱۰، رقم الحدیث ۱۴۳۹)

[۲] مولانا ابو الحسنات علی محمد سعیدیؒ غیر مقلد نے مسئلہ: وتر کو تراویح کے ساتھ پڑھنا سنت ہے، کے اثبات میں مذکورہ حدیث سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے:
نسائی اور ابوداود کی روایت قیس بن طلق سے جو مفتی صاحب نے نقل کی ہے، اس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ (حضرت طلق بن علی رضی اللہ نے) وتروں کو پہلی جماعت (تراویح) کے ساتھ پڑھا، بعد میں نفلی طور پر مسجد میں جا کر جماعت کرائی، اور وتروں کے لیے امام مقرر کیا۔ فتاویٰ علمائے حدیث (۶:۲۲۶)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

"لَا تُصَلُّوْا صَلٰوۃً فِیْ یَوْمٍ مَرَّتَیْنِ"۔[۱]

"ایک ہی نماز کو دن میں دو مرتبہ نہ پڑھو۔" [۲]

امام مالکؒ، امام ابو محمدؒ اور شیخ ابو الحسن زیاتؒ کا تراویح کے بعد تہجد پڑھنا:

فقہ مالکی کے مشہور محقق علامہ محمد بن محمد عبدریؒ المعروف بہ "ابن امیر الحاج" (م ۷۳۷ھ) نے اپنی کتاب "المدخل" میں نقل کیا ہے کہ امام دار الھجرت حضرت امام مالکؒ (م ۱۷۹ھ)، حضرت ابو محمدؒ اور مشہور بزرگ حضرت شیخ ابو الحسن زیاتؒ (م ۲۹۳ھ) بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھا کرتے تھے۔[۳]

امام بخاریؒ کا تراویح کے بعد تہجد پڑھنا:

امام المحدثین حضرت امام بخاری رحمہ اللہ (م ۲۵۶ھ) کا معمول بھی رمضان المبارک میں یہ تھا کہ وہ تراویح کے بعد تہجد پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ علامہ وحید الزمان صاحبؒ (م ۱۳۳۸ھ) آپ کے تذکرہ میں میں لکھتے ہیں:

امام حاکم ابو عبد اللہ نے بہ سند روایت کیا ہے مقسم بن سعید سے کہ محمد بن اسماعیل بخاری جب رمضان کی پہلی رات ہوتی تو لوگ ان کے پاس جمع ہوتے، وہ نماز

---

[۱] سنن ابی داؤد (۱:۸۶، رقم الحدیث: ۵۷۹)

[۲] اعتراض: مولانا رحمانی لکھتے ہیں: اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ حضرت طلقؓ نے جو بعد میں نماز پڑھائی تھی وہ نماز تہجد تھی تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ انہوں نے تہجد کو جماعت کے ساتھ ادا کیا، حالانکہ فقہ حنفی میں نوافل کو جماعت کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے۔ محصلہ انوار المصابیح (ص ۹۹)

جواب: فقہ حنفی میں نوافل کی جماعت مطلق مکروہ نہیں، بلکہ اس کو تداعی کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے، جیسا کہ حصہ دوم میں یہ بحث بحوالہ آرہی ہے۔ لہٰذا مذکورہ واقعہ سے یہ اعتراض لازم نہیں آتا، کیونکہ اس واقعہ میں نوافل کی جماعت بلا تداعی کرائی گئی جو کہ فقہ حنفی کے مؤقف سے متصادم نہیں۔

[۳] دیکھئے کتاب "المدخل لابن الحاج" (۲:۱۹۱، ۲۹۲) طبع مکتبۃ دار التراث قاہرہ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

(تراویح) پڑھاتے، اور ہر رکعت میں بیس آیتیں پڑھتے، یہاں تک کہ قرآن ختم کرتے، پھر سحر کو (نماز تہجد میں) نصف سے لیکر تہائی قرآن پڑھتے، اور تین راتوں میں ختم کرتے، اور دن کو ایک قرآن ختم کرتے، اور افطار کے وقت ختم ہوتا، اور کہتے تھے کہ ہر ایک ختم کے وقت دعا قبول ہوتی ہے، اور سحر کے وقت تیرہ رکعت (تہجد کی) پڑھتے[۱]، اور ایک رکعت وتر کی ہوتی۔[۲]

امام ابومحمد اصفہانی ؒ کا تراویح کے بعد تہجد پڑھنا:

امام ابومحمد عبداللہ بن محمد اصفہانی المعروف بہ ''ابن اللبان'' (م ۴۴۶ھ)، جو

---

[۱] کفایت اللہ سنابلی صاحب نے اس روایت پر دو اعتراض کیے ہیں، ایک یہ کہ اس روایت میں سحر کے وقت نماز تہجد پڑھنے کی صراحت نہیں ہے۔

دوسرا یہ کہ امام بخاری ؒ سے یہ بات نقل کرنے والے مسبح بن سعید نامعلوم التوثیق ہے، لہٰذا یہ روایت ثابت نہیں ہے۔ انوار التوضیح (ص ۳۹۹)

پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ حافظ ابن حجر ؒ نے مقدمہ فتح الباری (ص ۶۶۶) اور تغلیق التعلیق (۳۹۹:۵) میں اس روایت کو نقل کرنے کے متصل بعد امام بخاری ؒ کے شاگرد محمد بن ابی حاتم وراق ؒ کی روایت نقل کی ہے کہ امام بخاری سحر کے وقت تیرہ رکعت پڑھتے تھے۔

اور سنابلی صاحب نے حافظ ابن حجر ؒ کی ان دونوں کتابوں کا یہاں حوالہ بھی ذکر کیا ہے، لیکن اس روایت سے دانستہ چشم پوشی کرلی ہے۔

نیز امام ذہبی ؒ نے اس روایت کو ان الفاظ سے نقل کیا ہے:

كَانَ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ يَخْتِمُ فِيْ رَمَضَانَ فِي النَّهَارِ كُلَّ يَوْمٍ بِخَتْمَةٍ، وَيَقُوْمُ بَعْدَ التَّرَاوِيْحِ كُلَّ ثَلَاثَ لَيَالٍ بِخَتْمَةٍ۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۲: ۴۳۹) اس میں صاف تصریح ہے کہ بخاری ؒ تراویح کے بعد سحر کے وقت ثلث قرآن قیام (تہجد) میں پڑھتے تھے۔ اور سنابلی صاحب کے دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس روایت کو حافظ ابن حجر ؒ نے بالجزم نقل کیا ہے، اور غیر مقلدین کے ذہبی العصر شیخ عبدالرحمٰن معلمی نے تصریح کی ہے کہ حافظ ابن حجر ؒ کی عادت ہے کہ وہ صرف اسی روایت کو بالجزم نقل کرتے ہیں جو ان کے نزدیک صحیح ہوتی ہے۔ التنکیل (۱: ۳۶۸، ۴۱۲)

[۲] دیکھئے تیسیر الباری ترجمہ و شرح صحیح بخاری (۱: ۱۱) مطبوعہ تاج کمپنی

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

مشہور شافعی فقیہ امام ابو حامد اسفرائینیؒ (م ۴۰۶ھ) کے شاگرد ہیں، کے بارے میں منقول ہے کہ وہ پورے ماہِ رمضان میں لوگوں کو نماز تراویح پڑھاتے، اور ہر روز تراویح سے فارغ ہونے کے بعد مسجد میں ہی تہجد پڑھتے رہتے، یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی۔[۱]

غیر مقلدین کے شیخ الکل کا تراویح کے بعد تہجد پڑھنا:

غیر مقلدین کے شیخ الکل مولانا نذیر حسین صاحب دہلویؒ (م ۱۳۲۰ھ)[۲] بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ ان کے حالات میں لکھا ہے:

لیالی رمضان المبارک میں دو ختم قرآن مجید کا بحالتِ قیام ہر سال سنتے، ایک تو نمازِ عشاء کے بعد تراویح میں، جس کے امام تھے، حافظ احمد عالم فقیہ محدث جو آپ کے شاگرد رشید تھے، تین سیپارے روزانہ سناتے ترتیل و تجوید کے ساتھ، دوسرا ختم سنتے نمازِ تہجد میں جس کے امام ہوتے حافظ عبد السلام سلمہ (آپ کے پوتے)۔[۳]

ان آثار اور حوالجات سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ تراویح کے بعد تہجد پڑھنا جائز ہے، اور یہ دونوں الگ الگ نمازیں ہیں، اسی طرح ان آثار سے غیر مقلدین کے اس دعوٰی کی بھی تردید ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ یا کسی صحابیؓ، یا دیگر سلف میں

---

[۱] تاریخ بغداد (۱۰: ۱۴۳)

[۲] مولانا نذیر حسین صاحب دہلویؒ: موصوف جماعت غیر مقلدین میں جس قدر و منزلت کے مالک ہیں، اس کا اندازہ ایک مقتدر غیر مقلد عالم مولانا بدیع الدین شاہ راشدی کے ان کے متعلق کہے گئے ان القابات سے لگایا جا سکتا ہے "شیخ الکل امام المتقین، سید المحدثین، تاج الفقهاء، علم العلماء، جامع العلوم النقلية والعقلية ناصر السنة النبوية، عمدة العاملين، حجة الله على الخلق، مجدد القرن، الامام المحدث الفقيه الاصولى الشيخ شيخنا السيد نذير حسين الخ"۔ "ہدایۃ المستفید" (۱: ۱۰۰) بحوالہ "حدیث اور اہلحدیث" (ص ۱۳۴)

[۳] الحیات بعد المات، سوانح مولانا نذیر حسین دہلوی (ص ۱۳۸) مطبوعہ مکتبہ اثریہ شیخوپورہ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

سے کسی سے تراویح کے بعد تہجد پڑھنا ثابت نہیں ہے۔

⑧ حضرت عمرؓ کا تہجد کو تراویح سے مختلف نماز سمجھنا:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بہ سند صحیح ثابت ہے کہ انہوں نے تراویح کی جماعت کو دیکھ کر لوگوں سے فرمایا:

''وَالَّتِيْ تَنَامُوْنَ عَنْهَا أَفْضَلُ مِنَ الَّتِيْ تَقُوْمُوْنَ''۔[۱]

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (م ۱۳۲۳ھ) اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں:

معنیٰ اس قول کے یہ ہیں: جو نماز کہ اس سے سو رہتے ہو تم یعنی تہجد کہ یہ آخر رات میں ہوتی ہے، افضل ہے اس نماز سے جو پڑھتے ہو تم یعنی تراویح کہ اس کو اول وقت پڑھتے تھے، اور چونکہ یہ لوگ تراویح کو پڑھ کر تہجد کو نہیں اُٹھتے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو رغبت تہجد پڑھنے کی بھی دلائی کہ افضل کو ترک کرنا نہیں چاہیے۔[۲]

علامہ ابن الحاج مالکیؒ (م ۷۳۷ھ) لکھتے ہیں:

'' وَمَا قَالَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَإِنَّمَا هُوَ مَحْمُوْلٌ عَلَى غَيْرِهِمْ لَا عَلَيْهِمْ إِذْ أَنَّهُمْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ جَمَعُوْا بَيْنَ الْفَضِيْلَتَيْنِ مِنْ قِيَامِ أَوَّلِ اللَّيْلِ وَآخِرِهٖ۔[۳]

'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ

---

[۱] موطا الامام مالک، رقم الحدیث (۲۵۲)

[۲] الرائی النجیح (ص ۷)

[۳] ''المدخل'' (۲:۲۹۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

دوسرے لوگوں پر محمول ہے، کیونکہ صحابہ کرامؓ تو اول رات کے قیام (تراویح) اور آخر رات کے قیام (تہجد) دونوں کی فضیلت جمع کر لیتے تھے۔"

معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اول اللیل کی نماز (تراویح) اور آخر اللیل کی نماز (تہجد) دونوں کو جدا جدا سمجھتے تھے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم یہ دونوں نمازیں پڑھا کرتے تھے، تراویح شروع رات میں، اور تہجد آخر رات میں پڑھتے تھے۔

اشکال: بعض غیر مقلدین حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ (م ۱۳۵۲ھ) کی طرف منسوب ایک عبارت کو پیش کر کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں نمازوں کو جدا جدا نہیں قرار دیا، بلکہ دونوں کو ایک نماز کہا ہے۔ چنانچہ ہم حضرت شاہ صاحبؒ کی طرف منسوب اس عبارت کا ترجمہ مولانا نذیر احمد رحمانی غیر مقلد کے قلم سے پیش کرتے ہیں۔ اور پھر اس کی وضاحت کریں گے۔

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں: اس مسلک کی تائید حضرت عمرؓ کے اس فعل سے بھی ہوتی ہے کہ وہ تراویح آخر شب میں اپنے گھر پڑھا کرتے تھے، حالانکہ لوگوں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ جماعت کے ساتھ مسجد میں پڑھا کریں۔ حضرت عمرؓ خود اس جماعت میں شریک نہیں ہوا کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جانتے تھے کہ نبی ﷺ کا طریقہ یہی تھا کہ آپ ﷺ یہ نماز آخر شب میں پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو متنبہ بھی کر دیا تھا کہ: جو نماز تم اوّل شب میں پڑھتے ہو اس کو اگر آخر شب میں پڑھا کرو تو یہ زیادہ بہتر ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے تراویح اور تہجد فی رمضان دونوں کو ایک ہی قرار دیا... [۱]

---

[۱] انوار المصابیح (ص ۸۳) بحوالہ فیض الباری (۱:۴۲۹)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

جواب: حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ کی طرف اس عبارت کا انتساب کچھ صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ اولاً: اس عبارت کی بنیاد دو باتوں پر ہے۔

نمبر ۱: حضرت عمر رضی اللہ عنہ تراویح بجائے اول شب لوگوں کے ساتھ مسجد میں پڑھنے کے گھر میں آخر شب میں پڑھتے تھے۔

نمبر ۲: حضرت عمر رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل بھی تراویح کو آخر شب میں پڑھنے کا تھا، لیکن یہ دونوں باتیں غلط ہیں، پہلی اس لیے کہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا لوگوں کے ساتھ (اول شب) مسجد میں تراویح پڑھنا ثابت ہے چنانچہ جلیل القدر تابعی حضرت یحییٰ بن سعید انصاریؒ (م ۱۴۳ھ) فرماتے ہیں:

”بَلَغَنَا اَنَّ عُمَرَ رضی اللہ عنہ وَعُثْمَانَ رضی اللہ عنہ کَانَا یَقُوْمَانِ فِیْ رَمَضَانَ مَعَ النَّاسِ فِي الْمَسْجِدِ[۱]“

”ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما رمضان المبارک میں لوگوں کے ساتھ ہی مسجد میں قیام (تراویح پڑھا) کرتے تھے“[۲]

یعنی یہ دونوں حضرات تراویح کو مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا فرمایا کرتے تھے۔

نامور غیر مقلد عالم مولانا ابوالقاسم سیف بنارسیؒ (م ۱۳۶۹ھ) عنوان: حضرت عمرؓ نے اپنے مقرر کئے ہوئے امام کے پیچھے خود تراویح پڑھی ہے“ قائم کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ السَّائِبِ قَالَ: کُنْتُ أُصَلِّيْ بِالنَّاسِ فِي

---

[۱] المدونۃ الکبریٰ (۱: ۲۲۴) طبع وزارۃ الشئون الاسلامیہ والاوقاف سعودیہ

[۲] یہ روایت مرسل معتضد ہے، کیونکہ اس کی تائید اس کے متصل بعد مذکور حدیث سے ہو رہی ہے، اور آگے کتاب میں یہ بحث تفصیل سے آرہی ہے کہ مرسل معتضد بالاتفاق حجت ہے۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

رَمَضَانَ، فَبَيْنَا اَنَا اُصَلِّيْ سَمِعْتُ تَكْبِيْرَ عُمَرَ عَلٰى بَابِ الْمَسْجِدِ، فَدَخَلَ فَصَلّٰى خَلْفِيْ. رَوَاهُ ابْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ [۷۷۴۳]

''حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: میں رمضان میں لوگوں کو تراویح پڑھا رہا تھا کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تکبیر مسجد کے دروازہ پر سنی، پھر وہ اندر تشریف لائے، اور میرے پیچھے تراویح پڑھی۔''

سبحان اللہ! اس حدیث سے ان لوگوں کی خوب تردید ہوگئی جو کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح تو جماعت سے مقرر کی، لیکن خود کبھی شریک جماعت ہو کر تراویح نہیں پڑھی[۱]

نیز اگر بالفرض حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہمیشہ گھر میں ہی تراویح پڑھتے تھے تو اس کی کیا دلیل ہے کہ وہ ضرور آخر شب میں ہی تراویح ادا کرتے تھے۔

اور دوسری بات اس لیے غلط ہے کہ خود شاہ صاحب ''تسلیم کرتے ہیں کہ:

'' اِنَّ الَّذِیْ ثَبَتَ عَنْهُ ﷺ هُوَ التَّرَاوِیْحُ اَوَّلَ اللَّیْلِ [۲]۔

''بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بات ثابت ہے وہ یہ ہے کہ: آپ ﷺ اول شب میں تراویح پڑھا کرتے تھے۔''

نیز فرماتے ہیں:

'' لٰکِنَّ الْاَحَادِیْثَ الصَّرِیْحَةَ اَنَّ قِیَامَهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِهِمْ فِیْ رَمَضَانَ کَانَ فِیْ اَوَّلِ اللَّیْلِ ''[۳]

''یعنی صریح احادیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ

---

[۱] حسن الصناعۃ فی صلوٰۃ التراویح بالجماعۃ (ص ۳۴) مطبوعہ مکتبہ سلفیہ بنارس

[۲] معارف السنن (۵:۵۵۲) مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

[۳] ایضاً

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

رمضان میں تراویح اول شب میں پڑھتے تھے۔"

پس جب اس قول کی بنیاد ہی غلط ہے تو اس غلط بنیاد پر قائم قول کو کیسے صحیح باور کیا جا سکتا ہے؟

ثانیا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کے بارہ میں حضرت شاہ صاحبؒ کی طرف منسوب یہ توجیہ اِن ہی کی ایک دوسری توجیہ جو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کے تحت ہی بیان کی ہے، سے متصادم ہے، چنانچہ حضرت اس قول کی توجیہ بیان کرتے ہیں:

"اَنَّ غَرَضَ عُمَرَ الْفَارُوْقِ رضی اللہ عنہ اَنَّکُمْ تَنَامُوْنَ آخِرَ اللَّیْلِ وَتُصَلُّوْنَ اَوَّلَهٗ مَعَ اَنَّ الْاَوْلٰی بِکُمْ اَنْ تُطِیْلُوْهَا اِلٰی آخِرِ اللَّیْلِ[۱]

"یعنی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی غرض اپنے اس فرمان سے یہ تھی کہ تم آخر رات کو تو سو جاتے ہو، اور اوّل رات تراویح پڑھتے ہو۔ حالانکہ تمہارے لیے بہتر یہ ہے کہ تم اس نماز کو آخر شب تک لے جاؤ۔"

حضرت شاہ صاحبؒ اپنے اس بیان میں صاف اقرار کر رہے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ تم تراویح تو اوّل شب میں ہی پڑھو، لیکن اس کو ذرا لمبا کر کے تہجد کے وقت تک لے جاؤ تاکہ تم کو " بتداخل صلوٰتین" (دو نمازوں (تراویح و تہجد) کو اکٹھا کرنے) کا ثواب ملتا رہے، اور تداخل صلوٰتین سے دو نمازوں کا ایک ہونا لازم نہیں آتا۔ چنانچہ نامور غیر مقلد عالم مولانا عبد اللہ روپڑی (م ۱۳۸۴) "تداخل" کی تعریف میں لکھتے ہیں:

---

[۱] ایضاً

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

جیسے کوئی شخص ظہر کے وقت مسجد میں آیا اور وضو کیا تو اس کے لیے تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضو دو نمازیں اکٹھی ہوگئیں، اس نے ظہر کی سنتیں پڑھیں تو پہلی دو (تحیۃ المسجد و تحیۃ الوضو) بھی ضمن میں ادا ہوگئیں۔[1]

مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ (م ۱۳۶۷ھ) اپنے ایک فتویٰ میں لکھتے ہیں:

نمازِ تہجد تو سارے سال ہوتی ہے، تراویح خاص رمضان میں ہے، اگر کوئی شخص پہلے وقت میں تراویح نہ پڑھے، آخر وقت میں پڑھے، تو نماز تہجد بھی ہو جائے گی، اور تراویح بھی[2]

نیز لکھتے ہیں: اگر تراویح پہلے وقت میں پڑھے تو صرف تراویح ہے، پچھلے وقت پڑھے تو تہجد کے قائم مقام ہو جاتی ہے۔[3]

نیز حضرت کشمیریؒ نے اسی توجیہ کو راجح قرار دیا ہے[4]۔ معلوم ہوا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی طرف منسوب پہلی توجیہ مرجوح ہے، لہٰذا غیر مقلدین کا اس توجیہ (جو خود صاحب توجیہ کے نزدیک بھی مرجوح ہے) سے استدلال کرنا باطل ہے۔

⑨ ائمۂ حدیث بھی تراویح اور تہجد میں مغایرت کے قائل ہیں

تمام مشہور محدثین نے تراویح کا الگ باب قائم کیا ہے، اور تہجد کا باب الگ قائم کیا ہے، مثلاً امام اعظم ابوحنیفہؒ نے "کتاب الآثار" میں، امام بخاریؒ نے "صحیح بخاری" میں، امام مسلمؒ نے "صحیح مسلم" میں، امام ابو داودؒ، امام ترمذیؒ، امام نسائیؒ اور امام ابن ماجہؒ نے اپنی اپنی "سنن" میں، امام مالکؒ اور امام محمدؒ نے "موطا" میں، امام عبد الرزاقؒ اور امام ابن ابی شیبہؒ نے اپنی اپنی "مصنف" میں، امام بیہقیؒ نے "السنن الکبریٰ" وغیرہ

---

[1] فتاویٰ اہلحدیث (۲:۷ ۵۳)

[2] فتاویٰ علمائے حدیث (۶:۳۳۰)

[3] ایضاً (۶:۳۲۹)

[4] دیکھئے معارف السنن (۵:۵۵۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

میں، امام دارقطنیؒ نے اپنی ''سنن'' میں، امام بغویؒ نے ''المصابیح'' میں، امام خطیب تبریزیؒ نے ''مشکوۃ'' میں، امام خوارزیؒ نے ''مسند امام اعظم'' میں، امام ابن نصر مروزیؒ نے ''قیام اللیل'' میں، امام ابن تیمیہؒ نے ''منتقی الاخبار'' میں، امام ابن حجر عسقلانیؒ نے ''بلوغ المرام'' میں تراویح کا باب الگ باندھا ہے، اور تہجد کا باب الگ قائم کیا ہے۔

ان محدثین کرام کا تراویح اور تہجد کے الگ الگ باب باندھنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ان کے نزدیک یہ دونوں الگ الگ نمازیں ہیں، اور پھر دلچسپ بات یہ ہے کہ خود غیر مقلدین کی کتب ''صلوۃ الرسول'' وغیرہ میں بھی دونوں کے الگ الگ باب موجود ہیں۔

(۱۰) فقہائے عظام کی تراویح اور تہجد میں مغایرت پر تصریحات:

ائمہ حدیث کی طرح فقہائے کرام بھی تراویح اور تہجد کو علیحدہ علیحدہ نماز سمجھتے ہیں، اور تمام کتب فقہ میں تراویح اور تہجد کا الگ الگ باب قائم ہے، اور ان دونوں کے مسائل جدا جدا لکھے گئے ہیں، بلکہ کتب فقہ میں تو تراویح اور تہجد کے الگ الگ ہونے کی باقاعدہ تصریح موجود ہے۔ فقہاء احناف نے تو ہمیشہ اس کا اہتمام فرمایا ہے، دوسرے ائمہ فقہ کی تصریحات ملاحظہ فرمائیں۔

فقہ حنبلی کی معتبر کتاب ''المقنع'' میں ہے:

''ثُمَّ التَّرَاوِيْحُ وَهِيَ عِشْرُوْنَ رَكْعَةً يَقُوْمُ بِهَا فِيْ رَمَضَانَ فِيْ جَمَاعَةٍ، وَيُوْتِرُ بِهَا فِي الْجَمَاعَةِ، فَإِنْ كَانَ لَهُ تَهَجُّدٌ جَعَلَ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اَلْوِتْرَ بَعْدَهٗ۔[۱]

"پھر تراویح کی نماز ہے، اور اس کی بیس رکعتیں ہیں کہ آدمی ان کو رمضان المبارک میں باجماعت پڑھے، اس کے بعد وتر بھی جماعت کے ساتھ پڑھے، اور اگر آدمی نے تہجد بھی پڑھنی ہے تو پھر وہ وتر کو تہجد کے بعد پڑھے۔"

فقہ مالکی کی کتاب "المدخل" میں ہے:

"يَنْبَغِيْ لِلْمُكَلَّفِ اَنَّهٗ اِذَا صَلَّى الْمَغْرِبَ يُعَجِّلُ فِطْرَهٗ ثُمَّ يَقُوْمُ فَيُصَلِّيْ بِحِزْبَيْنِ وَنِصْفٍ اَوْ اَكْثَرَ قَبْلَ الْعِشَاءِ ثُمَّ يَخْرُجُ فَيُصَلِّيْ مَعَ النَّاسِ الْقِيَامَ وَيُوْتِرُ مَعَهُمْ ...ثُمَّ يَنَامُ مَا قُدِّرَ لَهٗ ثُمَّ يَقُوْمُ لِتَهَجُّدِهٖ فَيُصَلِّيْ مَا تَيَسَّرَ لَهٗ مِمَّا بَقِيَ عَلَيْهِ مِنَ اللَّيْلِ۔[۲]

"مکلف (بالغ) کے لیے مناسب ہے کہ جب وہ مغرب کی نماز پڑھے تو جلدی افطار کرلے، پھر نماز (اوابین) کے لیے کھڑا ہو جائے، اور نماز میں ڈھائی حزب یا اس سے زیادہ پڑھے۔ پھر (مسجد کی طرف) نکلے اور لوگوں کے ساتھ قیام یعنی تراویح پڑھے، پھر سو جائے جتنا اس کے مقدر میں ہے، سونے کے بعد تہجد پڑھنے کے لیے اٹھ کھڑا ہو، اور جس قدر آسانی ہو باقی رات نماز نفل (تہجد) پڑھے۔

علامہ ابن رشد مالکیؒ (م ۵۹۵ھ) تراویح اور تہجد میں تقابل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وَاِنَّ التَّرَاوِيْحَ الَّتِيْ جَمَعَ عَلَيْهَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مُرَغَّبٌ فِيْهَا وَاِنْ كَانُوْا اخْتَلَفُوْا اَيُّ اَفْضَلُ اَهِيَ اَوِالصَّلٰوةُ آخِرِ اللَّيْلِ اَعْنِيْ الَّتِيْ كَانَتْ صَلٰوةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لٰكِنَّ الْجُمْهُوْرَ عَلٰى

[۱] کتاب المقنع (ص ۵۸) طبع مکتبۃ السوادی جدہ
[۲] المدخل (۲: ۲۹۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اَنَّ صَلٰوۃَ آخِرِ اللَّیْلِ اَفْضَلُ۔[۱]

"تراویح جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جمع کیا اور اس کی رغبت دلائی گئی ہے، اگرچہ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ تراویح افضل ہے یا آخری رات کی نماز (تہجد) افضل ہے؟ یعنی جو رسول اللہ ﷺ کی نماز تھی، لیکن جمہور کے نزدیک آخر رات کی نماز (تہجد) افضل ہے"۔

شارح شمائل علامہ ابراہیم باجوری شافعیؒ (م ۱۲۷۷ھ) "وَکَیْفَ کَانَتْ صَلٰوۃُ رَسُوْلِ اللہِ ﷺ فِیْ رَمَضَانَ" (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رمضان میں نماز کیسی ہوتی تھی) کی شرح میں لکھتے ہیں: اَیْ فِیْ لَیَالِیْہِ وَقْتَ التَّھَجُّدِ زِیَادَۃً عَلٰی مَا صَلَّاہُ بَعْدَ الْعِشَاءِ مِنَ التَّرَاوِیْحِ۔[۲]

"یعنی رمضان کی راتوں میں تہجد کے وقت کہ جو نماز تراویح کے علاوہ تھی جس کو رسول اللہ ﷺ عشاء کے بعد پڑھتے تھے"۔

"الفقہ الاسلامی وَادِلَّتُہ" (جو چاروں فقہ کے مسائل پر مشتمل کتاب ہے) میں ہے:

"فَاِنْ کَانَ لَہٗ تَھَجُّدٌ جَعَلَ الْوِتْرَ بَعْدَہٗ اسْتِحْبَابًا لِقَوْلِہٖ ﷺ: اجْعَلُوْا آخِرَ صَلٰوتِکُمْ بِاللَّیْلِ وِتْرًا وَاِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّہٗ تَھَجُّدٌ جَعَلَ الْوِتْرَ مَعَ الْاِمَامِ لِیَنَالَ لَہٗ فَضِیْلَۃُ الْجَمَاعَۃِ"۔[۳]

"اگر کسی نے تراویح کے بعد تہجد پڑھنے ہوں تو اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ وتر کو تہجد کے بعد پڑھے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ اپنی آخری نماز وتر کو

---

[۱] بدایۃ المجتہد" (ص ۲۰۱) طبع مؤسسۃ الرسالۃ بیروت

[۲] المواھب اللدنیۃ علی الشمائل المحمدیۃ (ص ۴۷۰)

[۳] (۲:۵۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بتاؤ۔ اور اگر کسی نے تراویح کے بعد تہجد نہیں پڑھنی تو پھر وہ وتر کو امام کے ساتھ پڑھ لے تاکہ اس کو جماعت کی فضیلت حاصل ہو جائے۔"

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی متوفی ۱۲۳۹ھ (جن کو غیر مقلدین حضرات اپنا مقتدا قرار دیتے ہیں[۱]) بھی تراویح اور تہجد کو جدا جدا نماز قرار دیتے تھے۔ چنانچہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرماتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جس نماز کا ذکر کر رہی ہیں اس سے مراد تہجد کی نماز ہے، جو رمضان اور غیر رمضان میں برابر تھی۔ اس کو صلوٰۃ اللیل کہتے ہیں۔ لیکن تراویح کی نماز اس کے علاوہ ہے کہ محدثین کرام کے عُرف میں اسے قیام رمضان کہتے ہیں۔ [۲]

ان حوالہ جات سے واضح ہو گیا کہ فقہائے کرام بھی تراویح اور تہجد دونوں کے جدا جدا نماز ہونے کے قائل ہیں، ورنہ وہ کبھی بھی ان دونوں کے علیحدہ علیحدہ ہونے کی تصریح نہ کرتے، اور نہ تراویح کے بعد تہجد پڑھنے کی اجازت دیتے، کیونکہ نبی ﷺ نے ایک ہی نماز کو دو دفعہ پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ [۳]

خود غیر مقلدین کے علماء نے بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھنے کی اجازت دی ہے۔ چنانچہ مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحب (م ۱۳۶۷ھ) سے سوال ہوا کہ جو شخص رمضان المبارک میں عشاء کے وقت نماز تراویح پڑھ لے وہ آخر رات تہجد پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

مولانا صاحب جواب میں لکھتے ہیں:

---

[۱] مولانا شمس الحق عظیم آبادی (م ۱۳۲۹ھ) لکھتے ہیں:
خاتم المحدثین والمفسرین مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ۔ مجموعہ مقالات وفتاوی مولانا عظیم آبادی (ص ۱۳۸)

[۲] حاشیہ مالا بدمنہ (ص ۸۷) نیز دیکھئے فتاوی عزیزی مترجم (ص ۴۸۲۔۴۸۵)

[۳] سنن ابی داؤد (۱:۸۶)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

پڑھ سکتا ہے، تہجد کا وقت ہی صبح سے پہلے کا ہے۔ اوّل شب میں تہجد نہیں ہوتی۔[۱]

اسی طرح فتاویٰ علماء حدیث میں ہے: تراویح کا وقت عشاء کی نماز کے بعد اوّل شب کا ہے اور تہجد کا آخر شب کا ہے۔[۲]

خواجہ محمد قاسم لکھتے ہیں:

ماہ رمضان میں اکثر لوگ یہ مسئلہ پوچھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص رات کے پہلے حصے میں قیام کر چکا ہو تو وہ پچھلے حصے میں بھی قیام کر سکتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بالکل کر سکتا ہے، کیونکہ نبی ﷺ سے ایک ہی رات کے مختلف حصوں میں قیام کرنا ثابت ہے۔[۳]

قارئین: غیر مقلدین کے مسلمات کی روشنی میں ان ٹھوس دلائل عقلیہ ونقلیہ سے ثابت ہو گیا کہ تراویح اور تہجد الگ الگ دو نمازیں ہیں، اور غیر مقلدین کا یہ دعویٰ قطعاً بے بنیاد ہے کہ یہ دونوں ایک ہی نماز ہیں۔ نیز ان کا یہ دعویٰ خود ان کے اپنے اکابر کے مسلک کے بھی خلاف ہے۔ ان دس دلائل کے علاوہ اور بھی کئی دلائل ہمارے پیش نظر تھے لیکن بوجہ اختصار ان ہی دس دلائل پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ انصاف پسند کے لیے یہی کافی ہیں۔ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ

---

[۱] فتاویٰ ثنائیہ (۱:۶۸۲)

[۲] (۶:۲۱۷)

[۳] حی علی الصلوٰۃ (ص ۳۹)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

چند شبہات کا ازالہ

تراویح اور تہجد دونوں کے باہم مغایر ہونے پر دلائل آپ ملاحظہ کر چکے ہیں، اس کے برخلاف ان دونوں نمازوں کو ایک قرار دینے والوں کے پاس ایک دلیل بھی موجود نہیں ہے، جیسا کہ خود غیر مقلدین کے شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحبؒ (م ۱۳۶۷ھ) کے حوالہ سے گزرا ہے، البتہ غیر مقلدین کے چند شبہات ہیں جن کو وہ اپنے زعم میں بہت وزنی دلائل سمجھتے ہیں، اور ان ہی چند شبہات کو غیر مقلدین کا تقریباً ہر مصنف دہراتا ہے۔ اس لیے اب ان شبہات کی حقیقت ملاحظہ فرمائیں۔

شبہ نمبر ۱:

مولانا نذیر احمد رحمانی اور مولوی محمد قاسم خواجہ وغیرہ غیر مقلدین لکھتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے جن تین راتوں میں صحابہ کرامؓ کو نماز تراویح پڑھائی، اس کے بعد ثابت نہیں کہ آپ ﷺ نے تہجد بھی پڑھی ہو، بلکہ آخر شب کی نماز کے متعلق تو آتا ہے کہ آپ ﷺ نے آخر شب تک قیام کیا۔ معلوم ہوا کہ تراویح اور تہجد ایک ہی نماز ہے۔ [۱]

جواب:

اس شبہ کے کئی جوابات ہیں، لیکن ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس کا جواب غیر مقلدین کو خود ان کے اپنے شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحبؒ (م ۱۳۶۷ھ) کی طرف سے دیا جائے، جو انہوں نے عبد اللہ چکڑالوی منکر حدیث کو دیا تھا۔ چنانچہ امرتسری صاحبؒ عبد اللہ چکڑالوی کی طرف سے کیے گئے اسی طرح کے اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

---

[۱] محصلہ انوار المصابیح (ص ۸۲)، حی علی الصلوۃ (ص ۳۴) وغیرہ۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

رہی یہ بات کہ جن تین دنوں میں آپ ﷺ نے اول شب تراویح پڑھی تھی ان دنوں میں آخر شب بھی نماز پڑھی ہوگی، یہ تو گیارہ رکعت سے زیادہ ہوگئی، اور اگر نہیں پڑھی ہوگی تو ارشادِ خداوندی ''فَتَهَجَّدْ'' کی تعمیل نہ ہوئی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں صورتیں ممکن ہیں، یعنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضور ﷺ نے ان دنوں میں نماز تہجد پڑھی ہو مگر چونکہ تمام عمر کے لحاظ سے تین دن کی مقدار ایسی قلیل ہے کہ جس کی کوئی نسبت ہی نہیں ملتی، اس لیے حضرت عائشہؓ نے عام طور پر نفی کردی کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی زیادہ نہیں پڑھیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان تین دنوں میں حضور ﷺ نے اسی اول شب کو قائم مقام پچھلی رات کی نماز کے کرکے پڑھی ہو، لیکن کسی نماز کا دوسری نماز کے قائم مقام ثواب میں ہو جانے سے ان دونوں کا ایک ہونا لازم نہیں آتا، دیکھو جمعہ ظہر کے قائم مقام ہے، مگر دونوں ایک نہیں، جمعہ کے واسطے کئی ایک شرائط ہیں جو ظہر کے لیے نہیں۔ [۱]

اب غیر مقلدین حضرات کی مرضی ہے کہ وہ اپنے شیخ الاسلام کا یہ جواب پسند کرتے ہیں یا عبداللہ چکڑالوی منکر حدیث کی بات مانتے ہیں!

ع پسند اپنی اپنی نصیب اپنا اپنا

شبہ نمبر ۲:

حافظ محمد زبیر علی زئی پیر دادی لکھتے ہیں:

بعض لوگوں کا یہ دعویٰ ہے کہ تہجد اور تراویح علیحدہ علیحدہ دو نمازیں ہیں۔ ان کے اصول پر نبی ﷺ نے ۲۳ رکعات تراویح (۲۰+۳) پڑھیں، جیسا کہ ان لوگوں کا عمل ہے، اور اسی رات کو گیارہ رکعات تہجد (۸+۳) پڑھیں، جیسا کہ ان کے نزدیک صحیح بخاری کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ یہاں پر اشکال یہ ہے کہ اس طرح تو یہ لازم آتا ہے کہ ایک رات میں آپ ﷺ نے دو دفعہ وتر پڑھے۔ حالانکہ

---

[۱] الحدیث کا مذہب (ص ۶۸،۶۹)، رسائل ثنائیہ (ص ۸۹)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

نبی ﷺ نے فرمایا: ''لَا وِتْرَانِ فِیْ لَیْلَةٍ '' ایک رات میں دو وتر نہیں ہیں.. الخ۔[۱]

مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی صاحبؒ (م ۱۳۷۵ھ) لکھتے ہیں:

اگر بموجب قول بعض حنفیہ حضرت عائشہؓ کی روایت گیارہ رکعات والی اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت بیس تراویح اور تین وتر مزید والی کو یوں جمع کیا جائے کہ قیام رمضان اور نماز تہجد جدا جدا نمازیں ہیں، تو اس صورت میں ایک رات میں دو دفعہ وتر پڑھنے ثابت ہوتے ہیں، اور یہ عمل اس حدیث کے خلاف ہے جو آنحضرت ﷺ نے فرمائی کہ ایک رات میں دو وتر جائز نہیں ہیں۔[۲]

جواب:

یہ اشکال بھی غیر مقلدین کے دیگر اشکالات کی طرح محض غلط فہمی کا نتیجہ ہے، کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ تصریح نہیں کہ آپ ﷺ نے بیس تراویح کے متصل بعد وتر پڑھے، بلکہ اس میں صرف اتنا مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیس تراویح اور تین وتر پڑھے[۳]۔ اب یہ ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے اول شب

---

[۱] نور المصابیح (ص ۱۴)

[۲] انارۃ المصابیح (ص ۶۴)

[۳] غیر مقلدین کے فتاوی علمائے حدیث (۶: ۲۴۲) میں اپنی مستدل حدیث (روایت جابرؓ) پر اسی طرح کے اعتراض کے جواب میں لکھا ہے: اور حافظ زیلعی نے نصب الرایہ فی تخریج ہدایہ میں جلد ا، صفحہ ۲۷۶، ۲۹۳ بایں لفظ نقل کیا ہے: فَصَلّٰی ثَمَانَ رَکَعَاتٍ وَاَوْتَرَ۔ ظاہر ہے کہ یہ الفاظ تراویح کی آٹھ رکعتوں کے ساتھ بلا توقف وتاخیر وتر ادا کرنے پر دلالت نہیں کرتے۔

بنابریں ہماری مستدل حدیث (روایت ابن عباسؓ) کے الفاظ: اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُصَلِّیْ فِیْ شَھْرِ رَمَضَانَ عِشْرِیْنَ رَکْعَةً وَالْوِتْرَ۔ میں بھی وتر پڑھنے کا ذکر ''واؤ'' سے کیا گیا ہے جو بتصریح علمائے غیر مقلدین: اس پر دال نہیں کہ آپ ﷺ نے بیس رکعت تراویح کے فوراً بعد (بلا توقف) وتر بھی پڑھے ہیں۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بیس تراویح پڑھ کر وتر چھوڑ دیے ہوں، اور پھر آخر شب میں آٹھ رکعت تہجد پڑھ کر وتر پڑھے ہوں، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرما رہی ہیں، بنابریں روایت عائشہؓ اور روایت ابن عباسؓ میں تطبیق دینے سے آپ ﷺ کا ایک رات میں دو دفعہ وتر پڑھنا لازم نہیں آتا۔

اور یہ تفصیل بھی اس وقت ہے جب یہ تسلیم کیا جائے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ دونوں ایک ہی رات کا واقعہ بیان کر رہے ہیں۔ لیکن اگر یہ کہا جائے کہ یہ دونوں حضرات آپ ﷺ کی علیحدہ علیحدہ رات کی نماز کی کیفیت بیان کر رہے ہیں، تو پھر سرے سے یہ اشکال ہی وارد نہ ہوگا، کیونکہ پھر اس صورت میں اگر یہ کہا جائے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ کیفیتِ نماز میں رسول اللہ ﷺ نے اول شب تراویح کے ساتھ وتر بھی پڑھ لیے تو بھی درست ہے، اور اس کی تائید حضرت طلق بن علیؓ (جو حدیث: لَاوِتْرَانِ فِيْ لَيْلَةٍ کے راوی بھی ہیں) کی روایت (جو دلیل نمبر ۷ کے ذیل میں گزری ہے) سے ہوتی ہے کہ انہوں نے اپنے ساتھیوں کو جب نمازِ تراویح پڑھائی تو ساتھ وتر بھی پڑھا دیے۔ اس کے بعد جب نمازِ تہجد پڑھی تو وتر کا اعادہ نہیں کیا، اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ: ایک رات میں دو دفعہ وتر نہیں ہوتے[1]۔ اور اس کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بھی تعارض نہیں ہوگا کہ جس میں آپؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے وتر تہجد کے بعد آخر شب میں پڑھے، کیونکہ یہ دونوں

---

[1] غیر مقلد عالم مولانا ابوالحسنات علی محمد سعیدیؒ (م) مرتب "فتاویٰ علمائے حدیث" اس مذکورہ حدیث (روایت طلق بن علی) سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ وتروں کو پہلی جماعت (تراویح) کے ساتھ پڑھا، بعد میں نفلی طور پر مسجد میں جا کر جماعت کرائی، اور وتروں کے لیے امام مقرر کیا۔ جو شخص وتروں کے بعد نفل پڑھنا چاہے پڑھ سکتا ہے، جیسا کہ قیس بن طلق کی روایت سے ثابت ہے۔ اور "قیام اللیل مروزی" میں مندرجہ آثار اور اقوال بھی اسی پر دال ہیں کہ رات کو وتر پڑھ کر سونے والا صبح اٹھ کر نوافل ادا کر سکتا ہے۔ فتاویٰ علمائے حدیث (۶:۴۲۶)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

روایتیں دو مختلف زمانوں پر محمول ہوں گی۔ یعنی کبھی تو آپ ﷺ نے وتر اول شب میں ہی تراویح کے متصل بعد پڑھ لیے، جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں، اور کبھی آپ ﷺ نے وتر آخر شب تہجد کے بعد پڑھے، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرما رہی ہیں۔

اور نبی اکرم ﷺ کا رات کے مختلف حصوں میں وتر پڑھنا خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے، جیسا کہ غیر مقلدین کے مشہور عالم خواجہ محمد قاسم نے نقل کیا ہے۔ [۱]

باقی رہا نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان: اِجْعَلُوْا آخِرَ صَلٰوتِکُمْ بِاللَّیْلِ وِتْرًا۔ اپنی رات کی آخری نماز وتر کو بناؤ، تو اس فرمان کا تعلق صرف استحباب سے ہے، کیونکہ آپ ﷺ کا وتر کے بعد بھی نوافل پڑھنا ثابت ہے، جس کا اقرار خود علمائے غیر مقلدین کو بھی ہے۔ [۲]

الغرض! حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کو تراویح پر محمول کرنے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو تہجد پر محمول کرنے سے کسی صورت میں بھی آپ ﷺ کا ایک رات میں دو دفعہ وتر پڑھنا لازم نہیں آتا۔

جواب ثانی:

غیر مقلدین کے مذہب پر تو یہ اشکال وارد ہی نہیں ہوسکتا، کیونکہ ان کے نزدیک اگر کوئی آدمی عشاء کے بعد وتر پڑھ لے اور پھر وہ آخر رات میں تہجد پڑھنا چاہے تو تہجد کے بعد وہ دوبارہ بھی وتر پڑھ سکتا ہے کہ وہ پہلے وتروں کے ساتھ ایک رکعت ملا کر ان کو دوگانہ بنا لے، چنانچہ مولانا نواب وحید الزمان صاحب (م ۱۳۳۸ھ) لکھتے ہیں:

”وَلَوْ صَلَّى الْوِتْرَ بَعْدَ الْعِشَاءِ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ فِيْ آخِرِ اللَّيْلِ وَاَرَادَ صَلٰوةَ

[۱] حی علی الصلوٰۃ (۳۸) بحوالہ صحیح بخاری (۱:۱۳۶)

[۲] دیکھئے ہفت روزہ ”الاعتصام“ (ص ۶) ۱۷ اپریل ۱۹۹۲ء، فتاوی راشدیہ (ص ۳۴۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اللَّيْلِ فَالْاَفْضَلُ لَهٗ اَنْ يَّنْقُضَ وِتْرَهُ السَّابِقَ بِضَمِّ رَكْعَةٍ، ثُمَّ يُصَلِّيْ صَلٰوةَ اللَّيْلِ ثُمَّ يُوْتِرُهَا بِرَكْعَةٍ، لِاَنَّهٗ لَا وِتْرَانِ فِيْ لَيْلَةٍ[۱]

''اگر کسی نے وتر عشاء کے بعد پڑھ لیے، پھر وہ اگر رات کے آخری حصہ میں بیدار ہو، اور تہجد پڑھنا چاہے تو اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ پہلے وتر کو ایک رکعت ملا کر توڑ دے، اور پھر نمازِ تہجد پڑھے، پھر اس کے بعد وتر پڑھ لے کیونکہ ایک رات میں دو دفعہ وتر نہیں ہوتے۔''

شبہ نمبر ۳:

علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کو بھی تسلیم ہے کہ تہجد اور تراویح ایک ہی نماز ہے، اور ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔[۲]

جواب:

حضرت شاہ صاحبؒ کا یہ قول بھی غیر مقلدین کے لیے کچھ مفید نہیں ہو سکتا۔

اولاً: یہ ایک امتی بلکہ مقلد امتی کا قول ہے، اور غیر مقلدین کا دعویٰ یہ ہے کہ ہم صرف قرآن وحدیث کو حجت مانتے ہیں۔ مولانا نذیر احمد رحمانی لکھتے ہیں:

ہم اہل حدیث ہیں۔ ہمارا نعرہ ہے۔

اصل دین آمد کلام اللہ معظم داشتن
پس حدیث مصطفیٰ برجان مسلم داشتن

ہم کہا کرتے ہیں:

ہوتے ہوئے مصطفیٰ کی گفتار
مت دیکھ کسی کا قول و کردار[۳]

---

[۱] نزل الابرار (۱:۱۲۴)

[۲] فیض الباری (۲:۵۶۷) العرف الشذی (۲:۲۰۸)

[۳] انوار المصابیح (ص ۲۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اب نہ جانے کس مجبوری میں آ کر غیر مقلدین نے اپنے اس نعرے کو چھوڑ دیا، اور ایک مقلد امتی کے قول کو گلے لگا لیا۔ مولانا نذیر صاحب نے بھی اپنی کتاب میں اسی قول کو بطورِ دلیل پیش کیا ہے۔[۱] اِنّا لِلّٰہ... ۔

بنتے ہو وفادار تو وفا کر کے دکھاؤ!
کہنے کی وفا اور ہے کرنے کی وفا اور

غیر مقلدین حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحبؒ (م ۱۳۵۲ھ) کے اس قول سے نہ تو استدلال کر سکتے ہیں، اور نہ اس کو دلیل الزامی کے طور پر پیش کر سکتے ہیں، کیونکہ حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد نے لکھا ہے کہ:

الزامی جواب دو شرطوں کے ساتھ مقید ہوتا ہے۔

① فریق مخالف اسے تسلیم کرے۔

② کوئی حقیقی جواب بھی موجود ہو۔[۲]

اب غیر مقلدین کے پاس تراویح اور تہجد میں مغائرت پر کوئی حقیقی دلیل تو موجود نہیں ہے، جیسا کہ ان کے شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحبؒ (م ۱۳۶۷ھ) کی تصریح گزر چکی ہے۔ اسی طرح دلیل الزامی کے قابل قبول ہونے کے لیے دوسری شرط (فریق مخالف اسے تسلیم کرے) بھی یہاں مفقود ہے، کیونکہ حضرت شاہ صاحبؒ کا یہ قول بشرط ثبوت خود علمائے احناف بلکہ تمام اہل سنت فقہاء کے خلاف ہے، بلکہ اکابرین دیو بند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت شیخ الہند مولانا

---

[۱] ایضاً (ص ۸۳، ۸۴)

[۲] ماہنامہ الحدیث (۹۸: ۳۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

محمود حسنؒ وغیرہ کی تصریحات سے بھی متصادم ہے۔[۱] بالخصوص جب کہ حضرت شاہ صاحبؒ خود بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ عامۃ العلماء ان دونوں نمازوں کے جدا جدا ہونے کے قائل ہیں۔ لہٰذا غیر مقلدین کا حضرت شاہ صاحبؒ کے اس شاذ قول کو علمائے دیوبند کے خلاف بطور دلیل الزامی پیش کرنا باطل ہے۔

ثانیاً: حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ بھی من جملہ تراویح اور تہجد میں مغایرت کے قائل ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

''قَالَ عَامَّةُ الْعُلَمَاءِ: اَنَّ التَّرَاوِيْحَ وَصَلٰوةَ اللَّيْلِ نَوْعَانِ مُخْتَلِفَانِ، وَالْمُخْتَارُ عِنْدِيْ اَنَّهُمَا وَاحِدٌ، وَاِنِ اخْتَلَفَتْ صِفَتَاهُمَا، كَعَدَمِ الْمُوَاظَبَةِ عَلَى التَّرَاوِيْحِ وَاَدَائِهَا بِالْجَمَاعَةِ، وَاَدَائِهَا فِيْ اَوَّلِ اللَّيْلِ تَارَةً وَاِيْصَالِهَا اِلَى السَّحَرِ اُخْرٰى، بِخِلَافِ

---

[۱] تراویح اور تہجد کی مغایرت میں اکابرین دیوبندؒ کی تصریحات:

(۱) حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (م ۱۲۹۷ھ) بانی دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں: تہجد اور چیز ہے اور تراویح اور چیز۔ تصفیۃ العقائد (ص ۴)۔ نیز آپ نے اپنی کتاب ''الحق الصریح'' میں بھی تراویح اور تہجد کے باہم مغایر ہونے پر محققانہ بحث کی ہے۔ دیکھئے (ص ۳ تا ۴)

(۲) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (م ۱۳۲۳ھ) فرماتے ہیں: نماز تہجد اور نماز تراویح ہر دو صلوٰۃ جداگانہ ہیں کہ ہر ایک کی تشریح اور احکام جدا ہیں۔ الرائ النجیح (ص ۲) پھر آپ نے (ص ۳ تا ۱۰) تفصیلی اور تحقیقی بحث کی ہے کہ یہ دونوں علیحدہ علیحدہ نمازیں ہیں۔

(۳) حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ (م ۱۳۳۹ھ) فرماتے ہیں: صلوٰۃ اللیل سے چونکہ تہجد مراد ہوتا ہے، لہٰذا سائل کے جواب میں حضرت عائشہؓ نے فرمادیا کہ تہجد رمضان وغیر رمضان میں برابر تھا۔ اس سے تراویح کی نفی نہیں نکلتی کیونکہ وہ صلوٰۃ مستقلہ علیحدہ ہے، عرفاً اس کو صلوٰۃ اللیل نہیں کہتے۔ محدثین اور فقہاء اس کو تہجد کے علاوہ مستقل باب میں بیان کرتے ہیں الخ۔ ''الورد الشذی علیٰ جامع الترمذی'' (ص ۱۰۵) مرتبہ: مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ محدث دارالعلوم دیوبند، ناشر معہد الخلیل کراچی۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

التَّهَجُّدِ فَإِنَّهُ كَانَ فِيْ آخِرِ اللَّيْلِ وَلَمْ تَكُنْ فِيْهِ الْجَمَاعَةُ ۔[1]

”اکثر علماء کہتے ہیں کہ تراویح اور تہجد دو مختلف قسم کی نمازیں ہیں، لیکن میرے نزدیک مختار یہ ہے کہ دونوں ایک ہی ہیں، اگرچہ ان کی صفات مختلف ہیں، جس طرح کہ (نبی علیہ السلام کی طرف سے) تراویح پر مواظبت نہ ہونا، اور اسے جماعت سے ادا کرنا، اور کبھی اس کو رات کے شروع میں ہی پڑھ لینا، اور کبھی اس کو سحری تک لے جانا، بخلاف تہجد کے کہ یہ (آپ ﷺ کی نماز) رات کے آخری حصہ میں ہوتی تھی اور اس میں جماعت نہ تھی۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی مذکورہ عبارت سے واضح ہو رہا ہے کہ وہ بھی تراویح اور تہجد میں کئی لحاظ سے فرق کرتے ہیں، اور یہ تسلیم کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کی نمازِ تراویح تہجد سے کئی لحاظ سے مختلف تھی۔ البتہ وہ دیگر علمائے کرام سے صرف اس قدر اختلاف رکھتے ہیں کہ نبی ﷺ سے کسی حدیث میں یہ ثابت نہیں کہ آپ ﷺ نے ایک رات میں تراویح کے بعد نماز تہجد بھی پڑھی ہو کہ جس کی وجہ سے کہا جائے کہ تراویح اور تہجد مِنْ كُلِّ الْوُجُوْہ علیحدہ علیحدہ نمازیں ہیں۔ لیکن جب حضرت کشمیریؒ نے خود تسلیم کر لیا ہے کہ نبی علیہ السلام کی یہ دونوں نمازیں کئی صفات میں باہم مختلف تھیں، تو ان دونوں کو علیحدہ علیحدہ نماز قرار دینے کے لیے یہی دلیل کافی ہے۔

باقی رہا ان کا یہ فرمانا کہ نبی علیہ السلام سے ایک رات میں تراویح کے بعد تہجد پڑھنا کسی حدیث سے ثابت نہیں تو یہ بات درست نہیں، کیونکہ ہم پہلے صحیح مسلم (۲۵۳۸) کے حوالہ سے ثابت کر آئے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک رات تراویح کے علاوہ بھی نماز پڑھی ہے جو تہجد کی نماز تھی، اگر حضرت کشمیریؒ کی تحقیق میں یہ بات نہیں آئی اور وہ اس طرف متوجہ نہ ہو سکے تو یہ کوئی عیب یا عجیب بات نہیں۔ ایسی غلطی کا لگ جانا انسانی فطرت میں داخل ہے۔ علم محیط کلی صرف خاصہ خداوندی ہے۔ اور بڑے سے بڑا محدث بھی غلطی اور خطا سے مبرا نہیں۔

[1] فیض الباری (۲:۵۶۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ایسی کئی مثالیں موجود ہیں کہ ایک محدث کہتا ہے کہ فلاں حدیث ثابت نہیں، یا فلاں بات کسی حدیث سے ثابت نہیں، حالانکہ وہ حدیث صحیح سند کے ساتھ متونِ حدیث میں موجود ہوتی ہے۔ اور خود غیر مقلدین کو بھی یہ تسلیم ہے۔ مثلاً مشہور محدث امام ابو داؤد سجستانی ؒ متوفی ۲۷۵ھ (جن کا علمی پایہ حضرت کشمیری ؒ سے بدرجہا زیادہ ہے) فرماتے ہیں:

"لَيْسَ فِيْ تَقْدِيْمِ الْوَقْتِ حَدِيْثٌ قَائِمٌ"[۱]

"جمع تقدیم کے متعلق کوئی صحیح حدیث نہیں"

نامور غیر مقلد عالم علامہ شوکانی ؒ (م ۱۲۵۰ھ) نے اس موضوع پر متعدد احادیث ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

" وَقَدْ عَرَفْتَ اَنَّ بَعْضَهَا صَحِيْحٌ وَبَعْضَهَا حَسَنٌ وَذٰلِكَ يَرُدُّ قَوْلَ اَبِيْ دَاوٗدَ: لَيْسَ فِيْ جَمْعِ التَّقْدِيْمِ حَدِيْثٌ قَائِمٌ۔[۲]

"تمہیں معلوم ہو گیا کہ ان میں سے کچھ احادیث صحیح ہیں اور کچھ حسن درجہ کی ہیں۔ اس سے امام ابو داؤد ؒ کے اس قول کی تردید ہو جاتی ہے کہ جمع تقدیم میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔"

پس جب بقول غیر مقلدین: امام ابو داؤد ؒ جیسے بڑے محدث سے غلطی کا صدور ممکن ہے، تو اب اگر کسی روایت کے متعلق علامہ کشمیری ؒ نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا ہے، اور وہ روایت ثابت ہے تو انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ اس روایت کو بھی تسلیم کیا جائے۔

اور یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ "العرف الشذی" اور "فیض الباری" وغیرہ حضرت علامہ کشمیری ؒ کی اپنی تصانیف نہیں ہیں کہ یہ یقین سے کہا جائے کہ علامہ کشمیری ؒ نے

---

[۱] سنن ابی داؤد مع عون المعبود (۱:۴۶۸)

[۲] نیل الاوطار (۳:۲۲۸) بحوالہ الحج علی الصلوۃ (ص ۱۳۷)۔ از خواجہ محمد قاسم غیر مقلد۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

یہ بات ضرور ارشاد فرمائی ہے، بلکہ یہ کتابیں تو ان کی املائی تقاریر کا مجموعہ ہیں جن کو ان کے شاگردوں نے کتابی صورت میں جمع کر دیا ہے، اور ناقلین سے سننے یا نقل کرنے میں غلطی کا بھی امکان ہوسکتا ہے۔ خود علامہ کشمیریؒ کے شاگرد رشید اور داماد حضرت مولانا سید احمد رضا بجنوریؒ نے "انوار الباری شرح صحیح بخاری" میں ان کتب کے ایسے متعدد تسامحات کی نشاندہی فرمائی ہے: فتفکر۔

شبہ نمبر ۴:

مولانا نذیر احمد رحمانی، حافظ زبیر علی زئی وغیرہ لکھتے ہیں: امام محمد بن نصر مروزی نے اپنی کتاب قیام اللیل میں لکھا ہے کہ بعض علمائے سلف اس بات کے قائل ہیں کہ جو شخص تراویح پڑھے اس کو پھر تہجد نہیں پڑھنا چاہیے، اور بعض علماء نے مطلق نفل کی اجازت دی ہے۔ علماء سلف کا یہ اختلاف صاف دلیل ہے اس بات کی کہ ان کے نزدیک یہ دونوں نمازیں ایک ہی ہیں۔ [۱]

جواب:

ہم تراویح اور تہجد میں فرق نمبر ۱۰ میں متعدد معتبر کتب سے نقل کر آئے ہیں کہ تمام مکاتب فکر کے اہل علم بشمول علمائے غیر مقلدین نے تراویح کے بعد تہجد پڑھنے کی اجازت دی ہے۔ نیز ہم یہ بھی ثابت کر چکے ہیں کہ خود رسول اللہ ﷺ، آپ کے صحابی حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ، اور کئی کبار اور مشہور ائمہ حدیث وفقہاء کرام بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھا کرتے تھے۔ خود غیر مقلدین کے شیخ الکل مولانا نذیر حسین دہلویؒ (م ۱۳۲۰ھ) کا معمول بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھنے کا تھا۔ اب ہم موجودہ غیر مقلدین سے بصد ادب و احترام درخواست کرتے ہیں کہ صرف چند معتبر علماء کے نام ہی گنوا دیں جنہوں نے تراویح کے بعد تہجد پڑھنے سے منع کیا ہے۔ ہم ان سے یہ

---

[۱] "انوار المصابیح" (ص ۸۳)، "نور المصابیح" (ص ۱۶) بحوالہ "فیض الباری"

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بھی عرض کرتے ہیں کہ اگر تراویح کے بعد تہجد پڑھنا منع ہے تو پھر آپ کے شیخ الکل مولانا نذیر حسین صاحب دہلویؒ تراویح کے بعد تہجد کیوں پڑھا کرتے تھے؟ کیا وہ اس ممانعت میں داخل نہیں ہیں؟ پھر آج بھی اسلام کے دونوں مرکزوں مسجد الحرام اور مسجد نبوی میں تراویح کے بعد باقاعدہ تہجد کی جماعت ہوتی ہے۔ کیا آپ غیر مقلدین نے ان کے خلاف کوئی فتویٰ جاری کیا ہے؟ دیدہ باید۔

الغرض! غیر مقلدین کے ذکر کردہ تمام شبہات بے جان ہیں، اور ان کے پاس تراویح اور تہجد کو ایک قرار دینے کے لیے کوئی ایک دلیل بھی موجود نہیں۔ لھذا ثابت ہو گیا کہ تراویح اور تہجد دونوں علیحدہ علیحدہ نمازیں ہیں۔

قارئین کرام: نماز تراویح سے متعلق یہ چند اہم بنیادی مباحث تھے جن کو کتاب سے پہلے ذکر کرنا ضروری تھا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

رکعاتِ تراویح ایک تحقیقی جائزہ

——— حصہ اوّل ———

بیس تراویح عہد نبوی میں

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بیس تراویح عہد نبوی میں

ذیل میں وہ احادیث ملاحظہ ہو جن میں آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں بیس تراویح پڑھنے کا ذکر ہے۔

حدیث نمبر ۱

"عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُصَلِّیْ فِیْ شَھْرِ رَمَضَانَ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً وَالْوِتْرَ۔[۱]
وَزَادَ سَلِیْمُ الرَّازِیُّ فِیْ کِتَابِ التَّرْغِیْبِ لَہٗ: وَیُوْتِرُ بِثَلَاثٍ۔[۲]

"حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ماہ رمضان المبارک میں بیس رکعت (تراویح) اور تین وتر پڑھا کرتے تھے۔"

اس حدیث کی سند جن راویوں (ابو بکر بن ابی شیبہؒ، یزید بن ہارونؒ، ابراہیم بن عثمان ابوشیبہؒ، حکم بن عتیبہؒ، مقسمؒ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ) پر مشتمل ہے، وہ سب کے سب سوائے ابراہیم بن عثمان ابوشیبہؒ (جن کا تذکرہ آگے آرہا ہے) کے ثقہ (قابل اعتماد) اور "صحیح بخاری" کے راوی ہیں[۳] نیز حضرت ابن عباسؓ رسول اللہ ﷺ کے عم زاد اور صحابی ہیں۔

حدیثِ ابن عباسؓ پر اعتراض کے جوابات

غیر مقلدین کی طرف سے اس حدیث پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ حدیث ضعیف

---

[۱] مصنف ابن ابی شیبۃ (۲:۲۸۶) طبع مکتبہ امدادیہ ملتان، السنن الکبریٰ للبیہقیؒ (۲:۴۹۶) طبع مکتبۃ المعارف ریاض۔

[۲] نیل الاوطار (۱:۵۱۴) نیز دیکھئے المنتخب من مسند عبد بن حمید (ص ۲۱۸)

[۳] دیکھئے بالترتیب "تھذیب التھذیب" (۳:۲۵۲، ۲۵۳، ۶:۲۳۰۔۲۳۲، ۱:۹۴۔۹۵، ۱:۵۷۸۔۵۷۹، ۵:۵۲۸، ۵۲۹، ۳:۱۸۰۔۱۸۲) طبع دار احیاء التراث العربی بیروت۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ہے، کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ عبسی ؒ (م ۱۶۹ھ) ضعیف ہے، اس کو امام بیہقی ؒ، امام زیلعی ؒ، امام نسائی ؒ وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔ امام بخاری ؒ نے اس کے بارے میں "سَكَتُوْا عَنْهُ" اور امام ابوحاتم ؒ نے "سَكَتُوْا عَنْهُ" اور "تَرَكُوْا حَدِيْثَهٗ" فرمایا ہے، امام احمد ؒ نے اس کو منکر الحدیث اور امام ابن عدی ؒ نے اس کو لَیِّن کہا ہے، اور اس کی حدیث کو انہوں نے اپنی کتاب "الکامل" میں ابوشیبہ کی مناکیر میں ذکر کیا ہے۔ امام شعبہ ؒ نے اس کی ایک روایت کے بارے میں کَذَبَ کہا ہے۔[۱]

بعض غیر مقلدین تو اس حدیث کو موضوع تک قرار دیتے ہیں،[۲] العیاذ باللہ من ذالك۔

جواب نمبر ۱:

اس روایت کا راوی ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ ؒ اگرچہ مجروح ہے، لیکن یہ اتنا مجروح نہیں ہے کہ اس کی روایات کو بالکل رد یا موضوع[۳] قرار دے دیا جائے، کیونکہ ائمہ

---

[۱] محصلہ انوار المصابیح (ص ۱۶۹۔۱۷۷)

[۲] تعداد رکعات قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ (ص ۷) از زبیر علی زئی۔

[۳] غیر مقلدین کا ابراہیم ابوشیبہ کی مذکورہ روایت کو موضوع کہنا باطل ہے۔ اولاً۔ آج تک کسی بھی معتبر اور ثقہ محدث نے اس کو موضوع نہیں کہا، ورنہ دلیل پیش کی جائے۔ دیدہ باید۔

ثانیاً: ابوشیبہ "سنن الترمذی" کا راوی ہے، جیسا کہ حافظ ذہبی ؒ اور حافظ ابن حجر ؒ وغیرہ نے اس کے ترجمہ میں "ت" کی علامت لگا کر اس کو "سنن الترمذی" کا راوی قرار دیا ہے۔ "الکاشف" (۱:۴۴) "تقریب التھذیب" (۱:۶۱) اور غیر مقلدین کے مشہور محقق مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صاحب ؒ نے تصریح کی ہے کہ ترمذی میں ایک بھی موضوع حدیث نہیں۔ چنانچہ وہ ارقام فرماتے ہیں: قُلْتُ: اَلْاَحَادِيْثُ الضِّعَافُ مَوْجُوْدَةٌ فِيْ جَامِعِ التِّرْمِذِيِّ وَقَدْ بَيَّنَ التِّرْمِذِيُّ نَفْسُهٗ ضَعْفَهَا، وَاَبَانَ عِلَّتَهَا وَاَمَّا وُجُوْدُ الْمَوْضُوْعِ فِيْهِ فَكَلَّا ثُمَّ كَلَّا ۔ "مقدمہ تحفۃ الاحوذی" (۱:۲۶۷) میں کہتا ہوں کہ ضعیف حدیثیں ترمذی میں موجود ہیں، اور خود امام ترمذی ؒ نے ان کا ضعف بیان کیا ہے، اور ان کی علت کو ظاہر کیا ہے۔ باقی رہا اس میں کسی موضوع حدیث کا وجود تو وہ ہرگز ہرگز نہیں ہے۔

نیز مبارکپوری صاحب ؒ اپنے ایک فتویٰ جس کی تصدیق غیر مقلدین کے شیخ الکل مولانا نذیر حسین دہلوی ؒ نے بھی کی ہے۔ میں لکھتے ہیں: "ہمیں سنن اربعہ سو جامع الترمذی، اور ابوداؤد اور نسائی میں بھی کوئی حدیث موضوع نہیں ہے۔ فتاویٰ نذیریہ (۱:۳۰۲) پس جب "جامع الترمذی" میں باقرار علمائے غیر مقلدین: ایک بھی موضوع حدیث نہیں ہے، تو پھر ابوشیبہ ؒ جو "جامع الترمذی" کا راوی ہے، پر وضع حدیث کا الزام کیسے لگایا جا سکتا ہے اور اس کی روایت کردہ احادیث کو موضوع کس اصول کی بنیاد پر قرار دیا جا سکتا ہے۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

رجال نے اس کی توثیق بھی کی ہے۔ چنانچہ

(۱) امام شعبہ بن الحجاجؒ (م ۱۶۰ھ) نے اس سے روایت لی ہے۔[۱]

اور غیر مقلدین کو یہ بات تسلیم ہے کہ امام شعبہؒ صرف اسی راوی سے روایت لیتے ہیں جو ثقہ ہو، اور اس کی احادیث صحیح ہوں۔ چنانچہ مولانا عبد الرؤف سندھو لکھتے ہیں:

شیخ احمد شاکر (جو غیر مقلدین کے بہت بڑے عالم تھے۔ ناقل) فرماتے ہیں کہ محمد بن مہران سے شعبہ نے بھی روایت لی ہے، اور وہ ثقہ ہی سے روایت لیتے ہیں۔[۲]

شیخ ناصر الدین البانیؒ (م ۱۴۲۰ھ) نے ایک راوی کے متعلق لکھا ہے:

''وَرِوَايَتُهُ عَنْهُ تَوْثِيقٌ لَهُ''[۳]

''امام شعبہؒ کا اس راوی سے روایت کرنا (ان کی طرف سے) اس کی توثیق ہے۔''

علامہ شوکانیؒ (م ۱۲۵۰ھ) اور مولانا عبد الرحمٰن مبارک پوریؒ (م ۱۳۵۳ھ) وغیرہ علمائے غیر مقلدین امام شعبہؒ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''وَهُوَ لَا يَحْمِلُ عَنْ مَشَايِخِهِمْ إِلَّا صَحِيحَ حَدِيثِهِمْ''[۴]

''امام شعبہؒ اپنے مشائخ سے صرف وہی حدیث بیان کرتے ہیں جو صحیح ہوتی ہے''

حافظ زبیر علی زئی (م ۱۴۳۵ھ) نے بھی لکھا ہے:

امام شعبہؒ صرف ثقہ راوی سے ہی روایت کرتے ہیں۔[۵]

---

[۱] تہذیب الکمال (۱: ۳۹۰) طبع دار الفکر بیروت

[۲] القول المقبول شرح صلوۃ الرسول (ص ۳۸۶)

[۳] ارواء الغلیل (۱: ۲۸۰) طبع المکتب الاسلامی بیروت

[۴] ''نیل الاوطار'' (۱: ۲۷) ''ابکار المنن'' (ص ۱۴۷، ۱۵۰ وغیرہ)

[۵] ماہنامہ الحدیث حضرو (ش ۱۷، ص ۱۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کفایت اللہ سنابلی صاحب ایک راوی (سماک) پر امام شعبہ ؒ کی جرح کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

علاوہ بریں امام شعبہ ؒ نے اس سے روایت کیا ہے (دیکھئے ص ۱۶) جو اس بات کی دلیل ہے کہ سماک امام شعبہ کے نزدیک ثقہ ہیں، کیونکہ امام شعبہ صرف ثقہ ہی سے روایت کرتے ہیں۔ [۱]

اب سوال یہ ہے کہ اگر ابوشیبہ ؒ اتنا ہی ضعیف راوی ہے، اور اس کی کوئی حدیث صحیح نہیں ہے تو پھر امام شعبہ ؒ نے اس سے روایت کیوں بیان کی ہے؟

(۲) امام ابو احمد حُمید بن مخلد نسائی المعروف ابن زَنجویہ ؒ (م ۲۵۱ھ) جو کہ ایک بلند پایہ محدث، اور کئی کبار محدثین: امام مسلم ؒ، امام ابو داؤد ؒ، امام ترمذی ؒ، امام نسائی ؒ وغیرہ کے استاذ ہیں، نے ابوشیبہ ؒ کو صراحتاً محدثین میں سے قرار دیا ہے۔ [۲]

''مُحدث'' کس شخص کو کہتے ہیں؟ اس کے متعلق نامور غیر مقلد عالم مولانا محمد حنیف ندوی ؒ (م ۱۴۰۷ھ) ارقام فرماتے ہیں:

اہلِ علم کے حلقوں میں حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرنے والوں کو مختلف القاب سے پکارا جاتا ہے، جیسے مُسند، مُحدث اور حافظ .... ''مُحدث'' کا درجہ (مُسندِ سے) نسبتاً اونچا ہے۔ اس کے فرائض میں داخل ہے کہ وہ اسانید کو جانے اور متن و اسناد میں جو علل ہیں ان سے بھی آگاہ ہو۔ [۳]

(۳) حافظ الدنیا امام ابن حجر عسقلانی ؒ (م ۸۵۲ھ) نے ابوشیبہ ؒ کو حافظ الحدیث قرار دیا ہے، چنانچہ وہ ان کے پوتے امام ابوبکر بن ابی شیبہ ؒ (م ۲۳۵ھ) کا سلسلۂ نسب بیان

---

[۱] ازالۃ الکرب عن توثیق سماک بن حرب (ص ۱۳)

[۲] طبقات الفقہاء والمحدثین (ص ۱۷۸)، طبع دار ابن حزم بیروت

[۳] مطالعۂ حدیث (ص ۳۰) مطبوعہ علم و عرفان پبلشرز لاہور

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کرتے ہوئے ان کے تعارف میں لکھتے ہیں:

”وَاِسْمُهٗ ابراهيم بن عثمان الْعَبَسِي بِالْمُوَحَّدَة الحافظ“۔[۱]

”امام ابو بکرؒ کے دادا ابو شیبہؒ کا نام ابراہیم بن عثمان عبسیؒ ہے جو کہ حافظ الحدیث ہیں۔“

”حافظ الحدیث“ کن صفات کا حامل ہوتا ہے؟ اس بارے میں مولانا محمد حنیف ندویؒ (م ۱۴۰۷ھ) کا یہ بیان ملاحظہ کریں:

حافظ کا مقام ان دونوں (مسند اور محدث) سے بلند ہے، اس کا اطلاق اس شخص پر ہوتا ہے جو نہ صرف سُنن سے آگاہ ہو، بلکہ ان مختلف طُرق سے بھی واقفیت رکھتا ہو جن کے ذریعے ان سُنن کی روایت ہوتی ہے، اور اس کی مرویات اس لائق ہوں کہ فن حدیث کے جاننے والے اس کی صحت پر اعتماد کر سکیں۔ اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ محدثین نے رُوات کے جانچ پرکھ کے لیے جو معین اصطلاحیں وضع کر رکھی ہیں، اُن سے اچھی طرح آشنا ہو۔ نیز ان رُوات و رجال کے تمام شیوخ کو پہچانتا ہو، اور یہ بھی جانتا ہو کہ متن حدیث کو الفاظ کے جس قالب میں ڈھالا گیا ہے اس کی صحت کا کیا عالم ہے؟[۲]

غیر مقلد عالم علامہ محمد بن اسماعیل یمانیؒ (م ۱۱۸۲ھ) نے بھی حافظ الحدیث کی تقریباً یہی تعریف نقل کی ہے۔[۳]

مولانا محمد شرف الدین دہلویؒ (۱۳۸۱ھ) نے ”حافظ“ کا ترجمہ کیا ہے: یعنی خوب یاد رکھنے والا۔[۴]

کفایت اللہ سنابلی نے بحوالہ امام ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) لکھا ہے کہ:

---

[۱] فتح الباری (۸:۹۶، باب ذھاب الجریر الی الیمن، کتاب المغازی)

[۲] مطالعۂ حدیث (ص ۳۱)

[۳] توضیح الافکار لمعانی تنقیح الانظار (۱:۱۱۲) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

[۴] کشف الحجاب ترجمہ برہان العُجاب (ص ۴۰۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

حافظ کا درجہ ثقہ سے بھی بڑھ کر ہے۔[۱]

علمائے غیر مقلدین کے ان بیانات سے واضح ہوگیا کہ حافظ ابن حجرؒ کے نزدیک ابو شیبہؒ ان تمام مذکورہ بالا صفات کا حامل تھا، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ حافظ ابن حجرؒ نے ''تقریب التھذیب'' (۱:۶۱) میں اس کو جو ''متروک الحدیث'' قرار دیا ہے، اس جرح سے انہوں نے رجوع کرلیا ہے۔

چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے ایک راوی پر ''تقریب التھذیب'' میں جرح کی تو حافظ زبیر علی زئی نے اس کے جواب میں حافظ موصوف کی ''فتح الباری'' سے اس کی توثیق نقل کرکے لکھا ہے:

گویا انہوں (حافظ ابن حجرؒ) نے ''تقریب التھذیب'' کی جرح سے رجوع کرلیا ہے۔[۲]

بنابریں ابوشیبہؒ کے بارے میں بھی حافظ موصوف نے ''تقریب'' میں جو متروک لکھا تھا، ''فتح الباری'' میں انہوں نے اس کو حافظ کہہ کر اس جرح سے رجوع کرلیا ہے۔

نیز حافظ ابن حجرؒ نے ابوشیبہؒ کی ایک حدیث کو صحیح بھی قرار دیا ہے۔ چنانچہ موصوف نے نبی اکرم ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے بارے میں متعدد صحابہؓ سے نقل کیا ہے کہ اگر حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ زندہ رہتے تو نبی ہوتے۔ اس ضمن میں انہوں نے پہلی حدیث ''سنن ابن ماجہ'' سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی نقل کی ہے کہ جو کہ اسی ابوشیبہؒ کی سند سے مروی ہے۔[۳] پھر حافظ موصوف نے چند دیگر صحابہؓ کی روایات نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

---

[۱] انوار البدر (ص ۶۸) بحوالہ الموقظہ (ص ۵۵)

[۲] ماہنامہ الحدیث (۲۱:۲۳)

[۳] سنن ابن ماجہ (۱۵۱۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

”فَهٰذِهٖ عِدَّةُ أَحَادِيْثٍ صَحِيْحَةٍ عَنْ هٰؤُلَاءِ الصَّحَابَةِ “[۱]

”یہ متعدد صحیح احادیث ہیں جو ان صحابہؓ سے مروی ہیں“

معلوم ہوا کہ حافظ ابن حجرؒ کے نزدیک ابو شیبہؒ کی حدیث صحیح ہے، اور نامور غیر مقلد عالم مولانا عبد المنان نور پوریؒ (م ۱۴۳۳ھ) لکھتے ہیں:

جب کسی حدیث کو صحیح کہا جاتا ہے، تو اس کے ضمن میں اس کے راویوں کی توثیق بھی آجاتی ہے۔[۲]

④ جلیل القدر محدث امام ابو عوانہ اسفرائینیؒ (م ۳۱۶ھ) نے اپنی مُسند (صحیح) میں ابو شیبہؒ سے کم از کم ایک حدیث کی تخریج کی ہے[۳]

اور آگے کتاب میں بحوالہ اکابر علمائے غیر مقلدین آرہا ہے کہ امام ابو عوانہؒ نے اپنی مسند میں صحت کا التزام کیا ہے، اور ان کی مسند میں مندرجہ ساری احادیث صحیح ہیں۔

اس کا صاف مطلب ہے کہ ابو شیبہؒ، امام ابو عوانہؒ کے نزدیک بھی صحیح الحدیث ہے۔

⑤ امام ابن عبد البر مالکیؒ (م ۴۶۳ھ) بھی ابو شیبہؒ کو صحیح الحدیث قرار دیتے ہیں، چنانچہ وہ حضرت محمد بن طلحہؓ کی کنیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

”وَالصَّحِيْحُ أَبُو الْقَاسِمِ، رَوَى يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ عَنْ أَبِيْ شَيْبَةَ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ عُثْمَانَ... “[۴]

”صحیح روایت یہ ہے کہ ان کی کنیت ابو القاسم ہے، جیسا کہ یزید بن ہارونؒ نے ابو شیبہ ابراہیم بن عثمانؒ کی سند سے نقل کیا ہے۔“

---

[۱] فتح الباری (۷۰۸:۱۰)

[۲] تعداد تراویح (ص ۱۲۲)

[۳] المسند الصحیح المخرج علی صحیح مسلم (۳۶،۴، ح ۵۷۴۳) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

[۴] الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (۲۲۶۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

"فَهٰذِهٖ عِدَّةُ اَحَادِيْثَ صَحِيْحَةٍ عَنْ هٰؤُلَاءِ الصَّحَابَةِ "[1]

"یہ متعدد صحیح احادیث ہیں جو ان صحابہؓ سے مروی ہیں"

معلوم ہوا کہ حافظ ابن حجرؒ کے نزدیک ابوشیبہؒ کی حدیث صحیح ہے، اور نامور غیر مقلد عالم مولانا عبدالمنان نور پوریؒ (م ۱۴۳۳ھ) لکھتے ہیں:

جب کسی حدیث کو صحیح کہا جاتا ہے، تو اس کے ضمن میں اس کے راویوں کی توثیق بھی آجاتی ہے۔[2]

④ جلیل القدر محدث امام ابوعوانہ اسفرائینیؒ (م ۳۱۶ھ) نے اپنی مسند (صحیح) میں ابو شیبہؒ سے کم از کم ایک حدیث کی تخریج کی ہے[3]

اور آگے کتاب میں بحوالہ اکابر علمائے غیر مقلدین آرہا ہے کہ امام ابوعوانہؒ نے اپنی مسند میں صحت کا التزام کیا ہے۔ اور ان کی مسند میں مندرجہ ساری احادیث صحیح ہیں۔

اس کا صاف مطلب ہے کہ ابوشیبہؒ، امام ابوعوانہؒ کے نزدیک بھی صحیح الحدیث ہے۔

⑤ امام ابن عبدالبر مالکیؒ (م ۴۶۳ھ) بھی ابوشیبہؒ کو صحیح الحدیث قرار دیتے ہیں، چنانچہ وہ حضرت محمد بن طلحہؓ کی کنیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"وَالصَّحِيْحُ اَبُوالْقَاسِمِ، رَوٰى يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ عَنْ اَبِيْ شَيْبَةَ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ عُثْمَانَ... "[4]

"صحیح روایت یہ ہے کہ ان کی کنیت ابوالقاسم ہے، جیسا کہ یزید بن ہارونؒ نے ابوشیبہ ابراہیم بن عثمانؒ کی سند سے نقل کیا ہے۔"

---

[1] فتح الباری (۱۰:۷۰۸)

[2] تعداد تراویح (ص ۱۲۲)

[3] المسند الصحیح المخرج علی صحیح مسلم (۳۰۶:۴، ح ۵۷۴۳) طبع دار الکتب العلمیہ بیروت

[4] الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (۲۲۶۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اس سے معلوم ہوا کہ ابوشیبہؒ، امام ابن عبد البرؒ کے نزدیک بھی ثقہ اور صحیح الحدیث ہے۔

(۶) محدث کبیر امام ابو عبد اللہ حاکم نیشاپوریؒ (م ۴۰۷ھ) نے اپنی کتاب "مستدرک" میں ابوشیبہؒ سے تخریج حدیث کی ہے۔ چنانچہ امام علاء الدین مغلطائیؒ (م ۷۶۲ھ) ابوشیبہؒ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

"وَخَرَّجَ الْحَاكِمُ حَدِيثَهُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ۔"[۱]

"امام حاکمؒ نے اپنی کتاب "مستدرک" میں اس سے تخریج حدیث کی ہے۔"

امام حاکمؒ نے اپنی مذکورہ کتاب میں ابوشیبہؒ کی کم از کم ایک حدیث کی تخریج کی ہے۔[۲]

بزرگ غیر مقلد عالم مولانا سلطان محمود صاحب جلال پوریؒ (م ۱۴۱۶ھ) رقمطراز ہیں:

جس کتاب میں کسی مصنف کی ملحوظ شرائط کے مطابق ایسی صحیح احادیث جمع کی جائیں جو اس مصنف نے اپنی کتاب میں درج نہ کی ہوں، جیسے مستدرک حاکم[۳]

مولانا محمد بشیر سہسوانیؒ (م ۱۳۲۶ھ) جن کا شمار کبار علمائے غیر مقلدین میں ہوتا ہے، وہ بھی یہ تصریح کرتے ہیں:

جن لوگوں نے اپنی کتاب میں صحت کا التزام کیا ہے، جیسے ابن خزیمہ، اور ابن حبان اور حاکم وغیرہ[۴]

نیز مولانا محمد جانباز حیدر آبادیؒ اور مولانا بدیع الدین راشدی (م ۱۴۱۶ھ)، امام حاکمؒ کی اس کتاب "المستدرک" کو صحیح حاکمؒ سے موسوم کرتے ہیں۔[۵]

---

[۱] اکمال تھذیب الکمال (۱:۲۵۲) طبع الفارق الحدیثیہ القاھرۃ
[۲] المستدرک علی الصحیحین (۳:۴۲۲، ح ۵۶۰۶) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت
[۳] اصطلاحات المحدثین (ص ۲۹)
[۴] البرھان العجاب (ص ۲۰۱) مطبوعہ مکتبہ سعیدیہ خانیوال
[۵] فتاوی علمائے حدیث (۳:۹۴)، مقالات راشدیہ (۲:۲۲۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ان اقتباسات سے واضح ہو گیا کہ امام حاکمؒ اصحابِ صحیح میں سے ہیں، اور حافظ زبیر علی زئی نے لکھا ہے:

اصحابِ صحیح کا کسی سے صحیح میں اخراج اس راوی کی ان کے نزدیک توثیق ہوتی ہے۔[۱]

گویا ابو شیبہؒ، امام حاکمؒ کے نزدیک بھی ثقہ اور صحیح الحدیث ہے۔

⑦ امام ابن عدیؒ (م ۳۶۵ھ) نے ابو شیبہؒ پر جرح کرنے کے باوجود اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

" وَلِأَبِي شَيْبَةَ أَحَادِيْثُ صَالِحَةٌ "[۲]

ابو شیبہؒ کی احادیث درست ہیں[۳]

اس سے واضح ہو گیا کہ ابو شیبہؒ، امام ابن عدیؒ کے نزدیک مطلقاً ضعیف نہیں، بلکہ اس

---

[۱] تعداد رکعات قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ (ص ۷۱)

[۲] الکامل (۱:۲۴۱) طبع دار الفکر بیروت

[۳] مولانا نذیر رحمانی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اگرچہ ابن عدی نے ابو شیبہ کی روایات کے بارے میں "لَهٗ أَحَادِيْثُ صَالِحَةٌ" فرمایا ہے، لیکن اس قول سے اس کی مذکورہ روایت کو کیا فائدہ ہوا، کیونکہ انہوں نے اس روایت کو ابو شیبہؒ کی مناکیر میں شمار کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ مذکورہ روایت اس کی صالح حدیثوں میں شامل نہیں ہے۔ محصلہ انوار المصابیح (ص ۱۸۳)
اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ خود مولانا نذیر رحمانی نے تسلیم کیا ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ امام ابن عدیؒ کسی راوی کی روایت کو منکر شمار کریں تو وہ روایت فی الواقع بھی منکر ہی ہو۔ چنانچہ مولانا رحمانی لکھتے ہیں: ابن عدی کا یہ صنیع صرف مجروح راوی کے ساتھ خاص نہیں، اور نہ یہ بات ہے کہ (جس روایت کو وہ منکر شمار کریں۔ ناقل) وہ روایت منکر ہوتی ہے، جیسا علامہ مؤی کہہ رہے ہیں، بلکہ وہ روایت ذکر کرتے ہیں جس پر جرح و انکار کیا گیا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ فی الواقع وہ منکر ہو بھی۔ انوار المصابیح (ص ۱۲۶)۔ اب رحمانی صاحب کے اعتراض کا جواب خود ان ہی کے قلم سے دیئے گئے جواب سے زیادہ بہتر اور کیا ہو سکتا ہے؟ کَفٰی بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ان اقتباسات سے واضح ہوگیا کہ امام حاکمؒ اصحابِ صحیح میں سے ہیں، اور حافظ زبیر علی زئی نے لکھا ہے:

اصحابِ صحیح کا کسی سے صحیح میں اخراج اس راوی کی ان کے نزدیک توثیق ہوتی ہے۔[۱]

گویا ابوشیبہؒ، امام حاکمؒ کے نزدیک بھی ثقہ اور صحیح الحدیث ہے۔

⑦ امام ابن عدیؒ (م ۳۶۵ھ) نے ابوشیبہؒ پر جرح کرنے کے باوجود اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

"وَلِاَبِیْ شَیْبَۃَ اَحَادِیْثُ صَالِحَۃٌ"[۲]

ابوشیبہؒ کی احادیث درست ہیں[۳]

اس سے واضح ہوگیا کہ ابوشیبہؒ، امام ابن عدیؒ کے نزدیک مطلقاً ضعیف نہیں، بلکہ اس

---

[۱] تعداد رکعات قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ (ص ۷۱)

[۲] الکامل (۱:۲۴۱) طبع دار الفکر بیروت

[۳] مولانا نذیر رحمانی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اگرچہ ابن عدی نے ابوشیبہ کی روایات کے بارے میں "لَہٗ اَحَادِیْثُ صَالِحَۃٌ" فرمایا ہے، لیکن اس قول سے اس کی مذکورہ روایت کو کیا فائدہ ہوا، کیونکہ انہوں نے اس روایت کو ابوشیبہؒ کی مناکیر میں شمار کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ مذکورہ روایت اس کی صالح حدیثوں میں شامل نہیں ہے۔ محصلہ انوار المصابیح (ص ۱۸۳)
اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ خود مولانا نذیر رحمانی نے تسلیم کیا ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ امام ابن عدیؒ کسی راوی کی روایت کو منکر شمار کریں تو وہ روایت فی الواقع بھی منکر ہی ہو۔ چنانچہ مولانا رحمانی لکھتے ہیں: ابن عدی کا یہ صنیع صرف مجروح راوی کے ساتھ خاص نہیں، اور نہ یہ بات ہے کہ (جس روایت کو وہ منکر شمار کریں۔ ناقل) وہ روایت منکر ہوتی ہے، جیسا علامہ مؤی کہہ رہے ہیں، بلکہ وہ روایت ذکر کرتے ہیں جس پر جرح و انکار کیا گیا ہے، یہ ضروری نہیں کہ فی الواقع وہ منکر ہو بھی۔ انوار المصابیح (ص ۱۲۶)۔ اب رحمانی صاحب کے اعتراض کا جواب خود ان ہی کے قلم سے دیئے گئے جواب سے زیادہ بہتر اور کیا ہوسکتا ہے؟ کَفٰی بِنَفْسِكَ الْیَوْمَ عَلَیْكَ حَسِیْبًا۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کی کچھ احادیث صالح (درست) بھی ہیں۔ [۱]

[۱] اعتراض: کفایت اللہ سنابلی صاحب امام ابن عدیؒ کے مذکورہ قول: وَلِاَبِیْ شَیْبَۃَ اَحَادِیْثُ صَالِحَۃٌ کے متعلق لکھتے ہیں: اس عبارت میں "صَالِحَۃٌ" سے قبل لفظ "غیر" ساقط ہے۔ اور اصل عبارت "غیر صالحۃ" ہے۔ اور پھر اس پر انہوں نے دو دلیلیں پیش کی ہیں۔

(۱) الکامل کے کئی مخطوطات میں "غیر" موجود ہے۔ انہیں میں سے وہ مخطوطہ بھی ہے جو دکتور بشار عواد کے زیر مطالعہ تھا، جیسا کہ انہوں نے تہذیب الکمال کے حاشیے میں وضاحت کی ہے۔

اسی طرح تین محققین کی تحقیق سے بیروت سے الکامل کا جو نسخہ طبع ہوا ہے، اس میں بھی متعلقہ عبارت لفظ غیر کے اثبات کے ساتھ ہے....

(۲) عبارت کا سیاق و سباق بھی اسی لفظ "غیر" کے اثبات پر شاہد ہے... انوار التوضیح (ص ۳۱۳-۳۱۶)

جواب: سنابلی صاحب کی پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ مکتبہ دار الفکر بیروت سے "الکامل" کا جو نسخہ طبع ہوا ہے، اس میں یہ عبارت لفظ "غیر" کے بغیر ہے، اور اس نسخہ کے محققین نے شروع کتاب میں وضاحت کر دی ہے کہ اس کتاب کی تحقیق میں ان کے پیش نظر تین مخطوطات (مکتبہ ظاہریہ دمشق وغیرہ) ہیں۔ اسی طرح مکتبۃ الرشد ریاض سے دکتور مازن سرساوی جو شیخ ابو اسحاق حوینی غیر مقلد کے شاگرد ہیں، کی تحقیق کے ساتھ "الکامل" کا جو نسخہ طبع ہوا ہے، اس میں بھی ابن عدیؒ کی یہ عبارت لفظ "غیر" کے بغیر ہی ہے۔ دیکھئے (۱: ۵۴۴) اور محقق نے مقدمہ میں تصریح کی ہے کہ اس نے یہ نسخہ پانچ مخطوطوں کو سامنے رکھ کر تیار کیا ہے۔ دیکھئے (۱: ۴۱-۴۹)۔ اور محدث کبیر حافظ مزیؒ (م ۷۴۲ھ) نے بھی تھذیب الکمال (۱: ۳۹۳) میں امام عدیؒ کی یہ عبارت لفظ غیر کے بغیر ہی نقل کی ہے۔ اور خود سنابلی صاحب نے دکتور بشار کے حوالہ سے لکھا ہے کہ: حافظ مزیؒ (الکامل سے) نقل کرنے میں عام طور سے بہت باریک بین ہیں۔ انوار التوضیح (ص ۳۱۶) لہٰذا ان کی نقل کو متاخرین کی تحقیق پر فوقیت حاصل ہے۔

اور پھر حافظ الدنیا امام ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) نے بھی تھذیب التھذیب (۱: ۹۵) میں بالجزم امام ابن عدیؒ سے یہ قول لفظ "غیر" کے بغیر ہی نقل کیا ہے۔

اور غیر مقلدین کے "ذہبی العصر" شیخ عبد الرحمٰن معلمی (م ۱۳۸۶ھ) نے تصریح کی ہے کہ: حافظ ابن حجر اسی قول کو بالجزم نقل کرتے ہیں کہ جو ان کے نزدیک صحیح ہوتا ہے۔ (التنکیل ۱: ۳۸۶)

اور سنابلی صاحب کی دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ عبارت کے سیاق و سباق سے لفظ "غیر" کا اثبات نہیں ہوتا، بلکہ اس کے برعکس لفظ "غیر" کے بغیر عبارت کا اثبات ہو رہا ہے، کیونکہ امام ابن عدیؒ کا مقصد اگر ابو شیبہؒ کی تمام احادیث کو غیر صالح بتلانا ہوتا تو وہ: وَلِاَبِیْ شَیْبَۃَ اَحَادِیْثُ غَیْرُ صَالِحَۃٍ غَیْرَ مَاذَکَرْتُ جیسی بتکلف عبارت لکھنے کے بجائے صاف یہ کہتے: وَ اَحَادِیْثُ اَبِیْ شَیْبَۃَ کُلُّھَا غَیْرُ صَالِحَۃٍ۔ جیسا کہ انہوں نے عیسیٰ بن جاریہ کے متعلق کہا ہے: کُلُّھَا غَیْرُ مَحْفُوْظَۃٍ۔ کہ اس کی ساری حدیثیں غیر محفوظ ہیں۔

رہا ابن عدیؒ کا ابو شیبہؒ کی احادیث کو صالحہ کہنے کے باوجود اس کے بارے میں وَھُوَ ضَعِیْفٌ عَلٰی مَابَیَّنْتُہٗ کہنا۔ تو عرض ہے کہ انہوں نے یحییٰ بابلتیؒ کی احادیث کو بھی صالحہ کہنے کے باوجود اس کے متعلق اسی طرح کے الفاظ لکھے ہیں کہ: وَالضُّعْفُ عَلٰی حَدِیْثِہٖ بَیِّنٌ۔ الکامل (۱: ۲۷۵)

حالانکہ غیر مقلدین ان کی احادیث کو مطلق ضعیف نہیں کہتے۔ جیسا کہ اوپر مولانا اثری کے حوالہ سے آگے آرہا ہے۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

مولانا ارشاد الحق اثری ایک راوی یحییٰ بابلتی (اس کو بھی امام ابن عدی نے ضعیف کہنے کے باوجود اس) کے بارے میں یہی الفاظ (لَهٗ اَحَادِيْثُ صَالِحَةٌ) کہے ہیں۔ کے متعلق لکھتے ہیں:

سوال یہ ہے کہ اگر اس کی حدیث مطلقاً ضعیف ہے تو احادیث صالحہ کا کیا فائدہ؟

ع کوئی بتلائیں کہ ہم انہیں سمجھائیں کیا [۱]

⑨ امام بخاری کے استاذ الاستاذ حضرت یزید بن ہارون (م۲۰۶ھ) جو ابوشیبہ سے اس حدیث کو روایت کر رہے ہیں، اور وہ ان کے زمانہ قضاء میں ان کے کاتب اور منشی بھی تھے، وہ بھی ابوشیبہ کے بڑے مداح ہیں۔ چنانچہ وہ اس کے بارے میں یہاں تک فرماتے ہیں: "مَا قَضٰى عَلَى النَّاسِ رَجُلٌ يَعْنِيْ فِيْ زَمَانِهٖ اَعْدَلَ فِيْ قَضَاءٍ مِّنْهُ" [۲]

ابراہیم ابوشیبہ کے زمانے میں اُن سے بڑھ کر کوئی قاضی عادل نہیں ہوا۔

امام تقی الدین سبکی (م۷۵۶ھ) ابوشیبہ کی مذکورہ حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"وَرِجَالُهٗ كُلُّهُمْ ثِقَاتٌ اَئِمَّةٌ. اِلَّا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ عُثْمَانَ فَاِنَّهٗ اَبُوْشَيْبَةَ جَدُّ صَاحِبِ الْمُصَنَّفِ وَكَانَ قَاضِيُ وَاسِطٍ وَكَانَ يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ الرَّاوِيْ عَنْهُ. عَلٰى جَلَالَتِهٖ. عَلٰى كِتَابَتِهٖ اَيَّامَ كَانَ قَاضِيًا. وَقَالَ: مَا قَضٰى عَلَى النَّاسِ رَجُلٌ. يَعْنِيْ فِيْ زَمَانِهٖ. اَعْدَلَ مِنْهُ. وَنَاهِيْكَ بِهٰذَا الْكَلَامِ مِنْ يَزِيْدَ بْنِ هَارُوْنَ." [۳]

اس حدیث کے سارے راوی ثقہ اور ائمہ حدیث ہیں، سوائے ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ کے، جو کہ صاحب مصنف (امام ابوبکرؒ) کے دادا ہیں، اور آں موصوف واسط کے قاضی

---

[۱] توضیح الکلام (۱:۳۲۸)

[۲] "تھذیب الکمال" (۱:۳۹۲)

[۳] ضوء المصابیح فی صلاۃ التراویح (ص۲۰۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

رہے، اور امام یزید بن ہارونؒ جو ابوشیبہ سے اس حدیث کے راوی بھی ہیں، وہ اپنی جلالت شان کے باوجود، ابوشیبہؒ کے ایام قضاء میں ان کے کاتب تھے، اور وہ ان کے بارے میں فرماتے تھے کہ: ان کے زمانے میں ان جیسا عادل قاضی نہیں ہوا۔ اور ابو شیبہؒ (کی توثیق) کے لیے امام یزید بن ہارونؒ جیسے شخص کا یہ قول ہی کافی ہے۔"

یعنی امام یزید بن ہارونؒ جو انتہائی جلیل القدر ہونے کے ساتھ ساتھ ابوشیبہؒ کے سب سے زیادہ قریب رہے ہیں، وہ جب اس کی اس قدر تعریف کر رہے ہیں تو پھر اس کے بعد ابو شیبہؒ کی توثیق و تعریف کے لیے کسی اور شخص کی گواہی کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

امام صفی الدین خزرجیؒ (م بعد ۹۲۳ھ)، ابوشیبہؒ کے ترجمہ میں ارقام فرماتے ہیں:

"وَعَنْهُ كَاتِبُهُ يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ وَوَصَفَهُ بِالْعَدْلِ فِي الْقَضَاءِ"[۱]

"اس سے اس کے کاتب امام یزید بن ہارونؒ نے بھی روایت کی ہے، اور انہوں نے اس کو قضاء میں عدل کے ساتھ موصوف کیا ہے"[۲]

امام یزید بن ہارونؒ جیسے محدث ابوشیبہؒ سے روایت لے کر اور قضاء میں اس کی تعریف کر کے یہ ثابت کر رہے ہیں کہ وہ جیسے عہدۂ قضاء میں عادل ہے، ایسے ہی وہ روایت

---

[۱] خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال (۱: ۵۳) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

[۲] مولانا رحمانی وغیرہ غیر مقلدین نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ: عدل فی القضاء تو بعض غیر مسلموں کا بھی ضرب المثل ہے۔ انوار المصابیح (ص ۱۸۱)، انوار التوضیح (ص ۳۲۰)

جواب: اگر عدل فی القضاء بعض غیر مسلموں کا مشہور ہے تو صدق (سچائی) اور حفظ (یاداشت) بھی بعض غیر مسلموں کا ضرب المثل ہے، تو پھر آپ اپنے پسندیدہ رُوات کے متعلق محدثین سے ان کے صدق و حفظ پر گواہیاں کیوں نقل کرتے ہیں؟

فَمَا هُوَ جَوَابُكُمْ فَهُوَ جَوَابُنَا

ثانیاً: ایک راویٔ حدیث جو عہدۂ قضاء پر بھی فائز رہا ہو، اگر اس کا اپنے عہدِ قضاء میں غیر عادل ہونا اس کی روایت کے عیب دار ہونے کا سبب ہو سکتا ہے، تو پھر اس کا عادل ہونا اس کی روایت کے لیے باعث کمال کیوں نہیں ہو سکتا؟

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

حدیث میں بھی عادل ہے۔لھذا غیر مقلدین کا یہ کہنا باطل ہوگیا کہ امام یزیدؒ نے ابوشیبہؒ کی تعریف صرف اس کے عہدۂ قضاء سے متعلق کی ہے۔

اور پھر جو شخص قضاء اور لوگوں کے ساتھ معاملات میں اتنا بڑا عادل ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرنے میں عادل کیسے نہیں ہوگا؟

اور راوی کے ثقہ ہونے کے لیے بنیادی طور پر دو ہی چیزیں دیکھی جاتی ہیں، ایک ضبط یعنی قوتِ حافظہ اور دوسری عدالت۔جیسا کہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوریؒ (م ۱۳۵۳ھ) لکھتے ہیں:

”لَابُدَّ فِيْ كَوْنِ الشَّخْصِ ثِقَةً مِنْ شَيْئَيْنِ الْعَدَالَةُ وَالضَّبْطُ“[۱]

”راوی کے ثقہ ہونے کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں۔عدالت اور قوتِ حافظہ“

امام ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) کا ابوشیبہؒ کو حافظ الحدیث قرار دینا، اور اس کی حدیث کی تصحیح کرنا، اسی طرح امام ابن عبدالبرؒ (م ۴۶۳ھ) وغیرہ کا بھی اس کی حدیث کو صحیح قرار دینا، نیز امام ابن عدیؒ (م ۳۶۵ھ) کا اس کی احادیث کو صالحہ کہنا، ابوشیبہؒ کے ضبط اور قوتِ حافظہ کو ثابت کرتا ہے، کیونکہ اس کا حافظہ اگر قوی نہیں تھا تو وہ حافظ الحدیث اور صحیح الحدیث کیسے قرار پایا، اور اس کے پاس صالح اور درست حدیثیں کیسے آگئیں؟ اور حافظ ابن حجرؒ اور امام ابن عبدالبرؒ وغیرہ کی طرف سے اس کی حدیث کی تصحیح اور یزید بن ہارونؒ کی اس کے متعلق مذکورہ شہادت کے بعد تو یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ وہ اونچے درجے کا عادل تھا۔

(۹) امام ابن عدیؒ (م ۳۶۵ھ) نے ابوشیبہؒ کے بارے میں یہ بھی فرمایا ہے:

”وَهُوَ وَاِنْ كَانَ نُسِبَ اِلَى الضَّعْفِ خَيْرٌ مِنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ اَبِيْ حَيَّةَ۔“[۲]

”ابوشیبہؒ اگرچہ ضعف کی طرف منسوب ہے لیکن وہ ابراہیم بن ابی حیہؒ سے بہتر ہے۔“

---

[۱] ابکارالمنن (ص ۱۶۹)، مقدمہ تحفۃ الاحوذی (۱:۳۹۷)، تحفۃ الاحوذی (۱:۳۵۹) طبع دارالفکر بیروت

[۲] الکامل (۱:۲۴۱)، تھذیب الکمال (۱:۳۹۳)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

جب کہ ابراہیم بن ابی حیہ کے بارے میں امام الرجال حضرت یحییٰ بن معینؒ (م ۲۳۳ھ) فرماتے ہیں:

”شَیْخٌ ثِقَةٌ کَبِیْرٌ“[۱]

”یہ شیخ اور بہت بڑے ثقہ ہیں“

امام ابن معینؒ کی طرف سے یہ ابراہیم بن ابی حیہؒ کی زبردست اور مقرر توثیق ہے۔ کیونکہ لفظ ثقہ الفاظ تعدیل میں سے تو ہے ہی، اس کے ساتھ لفظ شیخ بھی باقرار علمائے غیر مقلدین الفاظِ تعدیل میں سے ہے۔[۲]

مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں:

اصولِ حدیث کے طالب علم پر مخفی نہیں کہ مقرر توثیق تعدیل میں درجہ اوّل کے الفاظ میں شمار ہوتے ہیں۔[۳]

نیز امام ابوعوانہؒ (م ۳۱۶ھ) نے ابراہیم بن ابی حیہؒ سے تخریج حدیث کی ہے[۴] اور اکابر علمائے غیر مقلدین مثلاً مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری، مولانا عبداللہ روپڑی، مولانا ابویحییٰ شاہجہاں پوریؒ، مولانا عبدالسلام مبارک پوریؒ، مولانا محمد جانباز حیدرآبادیؒ اور مولانا بدیع الدین راشدی وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ امام ابوعوانہؒ نے اپنی مسند میں صحت کا التزام کیا ہے، اور ان کی اس کتاب میں تخریج کردہ ساری احادیث صحیح ہیں۔[۵]

لہٰذا ابراہیم بن ابی حیہؒ، امام ابوعوانہؒ جیسے جلیل القدر محدث کے نزدیک بھی صحیح

---

[۱] لسان المیزان (۱:۵۳) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

[۲] دیکھئے تحفۃ الاحوذی (۱:۳۵۹)، توضیح الکلام (۱:۴۸۰)، مقالاتِ راشدیہ (۹:۱۷۲)

[۳] توضیح الکلام (۱:۲۶۸)

[۴] المسند الصحیح المخرج علی صحیح مسلم (۳:۲۳۱، ح ۴۸۷۴)

[۵] دیکھئے تحقیق الکلام (۲:۱۲۲)، رسالہ رفع یدین اور آمین (ص ۲۲)، الارشاد الی سبیل الرشاد (ص ۲۴۹)، سیرۃ البخاریؒ (ص ۱۴) فتاوی علمائے حدیث (۳:۹۴)، مقالات راشدیہ (۵:۴۱۹)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

الحدیث اور ثقہ ہیں۔

علاوہ ازیں امام ابن عبد البر مالکیؒ (م ۴۶۳ھ) نے ابراہیم بن ابی حیہ کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے، اور اس کو مقبول الحدیث قرار دیا ہے۔[۱]

نیز امام ابن عبد البرؒ اس کو ثقات میں شمار کرتے ہیں۔[۲]

اگرچہ ابن ابی حیہ پر جرح بھی وارد ہے۔[۳] لیکن اس کی بہت بھاری توثیق بھی کی

---

[۱] التمھید شرح الموطأ (۱:۳۵۷) طبع دار احیاء التراث العربی بیروت

[۲] الاستذکار شرح الموطا (۷:۱۱۰) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

[۳] چنانچہ امام نسائیؒ اس کے بارے میں فرماتے ہیں: ضعیف۔ ابن المدینیؒ فرماتے ہیں "لَیْسَ بِشَیْءٍ" امام ابو حاتمؒ اور امام بخاریؒ فرماتے ہیں: منکر الحدیث، امام دار قطنیؒ فرماتے ہیں: متروک، نیز ابن حبانؒ نے بھی جرح کی ہے "تعداد رکعات قیام رمضان" کا تحقیقی جائزہ (ص ۸۰) از زبیر علی زئی غیر مقلد بحوالہ "لسان المیزان" (۱:۵۳)۔

لیکن یہ سب جرحیں خود غیر مقلدین کے نزدیک بھی مبہم اور غیر مفسر ہیں۔ چنانچہ زبیر علی زئی پیر دادی لکھتے ہیں: صرف ضعیف یا متروک یا منکر الحدیث کہہ دینا جرح مفسر نہیں ہے۔ رکعات قیام رمضان۔ (ص ۶۵)۔

مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں: متروک جرح غیر مفسر ہے۔ "توضیح الکلام" (۱:۱۴۳)۔

مولانا نذیر رحمانی لکھتے ہیں: مستند علماء نے اس (لفظ منکر الحدیث) کے جرح مبہم ہونے کی تصریح کی ہے۔ "انوار المصابیح" (ص ۱۱۹)۔

مولانا محمد گوندلویؒ تو امام بخاریؒ کی جرح منکر الحدیث کو بھی غیر مفسر کہتے ہیں۔ دیکھئے "خیر الکلام" (ص ۱۶۲)۔

اسی طرح مولانا ارشاد الحق اثری نے "لَیْسَ بِشَیْءٍ" کو جرح غیر مفسر کہا ہے۔ توضیح الکلام (۱:۲۹۷)۔

الحاصل! یہ تمام جرحیں خود علمائے غیر مقلدین کے نزدیک بھی مبہم ہیں، اور متعدد علمائے غیر مقلدین نے تصریح کی ہے کہ جرح مبہم توثیق کے بعد معتبر نہیں ہوتی۔ چنانچہ مولانا محمد گوندلوی صاحبؒ لکھتے ہیں: مبہم جرح توثیق کے بعد مقبول نہیں ہوتی۔ "خیر الکلام" (ص ۱۵۸)۔

مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جرح مبہم مضر نہیں ہے۔ دیکھئے ابکار المنن (ص ۸۰) وغیرہ۔

مولانا نذیر رحمانی صاحبؒ لکھتے ہیں: جب کسی راوی کی تعدیل و توثیق کسی حاذق اور ماہر فن محدث نے کی ہو تو اس کے حق میں جرح مفسر ہی مقبول ہوگی، غیر مفسر اور مبہم جرحوں کا اعتبار نہ ہوگا۔ انوار المصابیح (ص ۱۳۸)۔

لہٰذا جب ابراہیم بن ابی حیہ کی امام یحییٰ بن معینؒ اور امام ابن عبد البرؒ وغیرہ جیسے ماہرین اور حاذقین نے زبردست توثیق کر دی ہے، تو پھر اس کے بارے میں ان جرحوں کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا جو کہ باقرار غیر مقلدین سب مبہم اور غیر مفسر ہیں۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

گئی ہے ،لہٰذا یہ "مختلف فیہ" راوی ہے ، اور غیر مقلدین کے مشہور عالم حافظ محمد گوندلوی صاحبؒ (م ۱۴۰۵) لکھتے ہیں:

جب راوی مختلف فیہ ہو تو اس کی حدیث حسن ہوتی ہے۔[۱]

بنابریں جب ابن ابی حیہ اس درجے کا راوی ہے کہ باقرار غیر مقلدین اس کی حدیث حسن ہے، تو پھر ابراہیم ابوشیبہؒ جو اس سے بہتر ہے[۲] اس کی حدیث ان کے ہاں کیوں قابل قبول نہیں؟

(۱۰) امام تقی الدین سبکیؒ (م ۷۵۶ھ) نے ابوشیبہؒ اور عیسیٰ بن جاریہؒ میں موازنہ کرتے ہوئے ابوشیبہؒ کو ابن جاریہؒ پر ترجیح دی ہے، اور ابوشیبہ کی مذکورہ حدیث کے مقابلے

---

[۱] خیر الکلام (ص ۲۳۸)

[۲] بعض غیر مقلدین نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ: ابوشیبہ کو ابراہیم بن ابی حیہ سے بہتر جس نے کہا ہے وہ امام ابن عدی ہیں نہ کہ امام ابن معین، اس لیے امام ابن عدی کے اس تقابل کو سمجھنے کے لیے خود ابن عدی کی نظر میں ابراہیم بن ابی حیہ کی حیثیت دیکھنی ہوگی.... انوار التوضیح (ص ۳۱۸)

جواب: امام ابن عدیؒ نے ابراہیم بن ابی حیہؒ، ابراہیم ابوشیبہؒ اور عیسیٰ بن جاریہؒ (جو غیر مقلدین کی مستدل حدیث کا راوی ہے) تینوں کو اگرچہ ضعیف قرار دیا ہے، لیکن ان تینوں کا ضعف بیان کرتے وقت ان کے مابین فرق کیا ہے۔ چنانچہ ابن ابی حیہؒ کی ہشام بن عروہؒ سے روایت کردہ احادیث کو صرف منکر کہا ہے۔ (الکامل ۱:۲۳۹)

ابن جاریہؒ کی تمام احادیث کو منکر قرار دیا ہے۔ (ایضاً ۵:۱۸۸۹) اور ابوشیبہؒ کے متعلق تصریح کی ہے کہ اس کی بعض احادیث صالح (درست) ہیں، اور یہ ابن ابی حیہ سے بہتر ہے۔ (ایضاً ۱:۲۴۱)

اس طرح ابن ابی حیہ کو ابن جاریہ پر، اور ابوشیبہ کو ابن ابی حیہ پر ترجیح دی ہے۔ اب ابن عدیؒ کے تناظر میں بھی ابوشیبہ کا پلڑا بھاری ہے۔ غیر مقلدین کی بے انصافی ملاحظہ ہو کہ وہ ابن جاریہؒ کو تو ثقہ کہتے ہیں، لیکن ابن عدیؒ نے اس پر جس راوی (ابن ابی حیہ) کو ترجیح دی ہے، اس کو ضعیف، جب کہ ابن ابی حیہ پر جس (ابوشیبہؒ) کو ترجیح دی ہے، اس کو ضعیف تر قرار دیتے ہیں۔

ع بریں عقل و دانش بباید گریست

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

میں ابن جاریہؒ کی (گیارہ رکعات والی) حدیث کو اَضعف (زیادہ ضعیف) اور اَنکر (زیادہ منکر) قرار دیا ہے۔[1] لیکن غیر مقلدین ابن جاریہ کی حدیث کو صحیح اور ابو شیبہؒ کی حدیث کو ضعیف بلکہ موضوع قرار دیتے ہیں۔ ؎

آپ ہی اپنے ذرا جور و ستم کو دیکھیں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

ابو شیبہؒ پر کی گئی جرحوں کا جائزہ:

یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ ابو شیبہؒ پر جتنی بھی جرحیں کی گئی ہیں، تقریباً وہ سب جرحیں خود غیر مقلدین کے نزدیک بھی مبہم اور غیر مفسر ہیں۔ چنانچہ ذیل میں اس کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

امام ابو داوٗدؒ وغیرہ محدثین کی جرح:

امام ابو داوٗدؒ (م۲۷۵ھ)، امام بیہقیؒ (م۴۵۸ھ) اور امام زیلعیؒ (م۷۶۲ھ) وغیرہ نے اس کو جو ضعیف اور امام نسائیؒ (م۳۰۳ھ) وغیرہ نے متروک کہا ہے، وہ اس وجہ سے غیر معتبر ہے، کیونکہ ابھی ابن ابی حیۃؒ کے تذکرہ میں علمائے غیر مقلدین کے حوالہ سے گزرا ہے کہ یہ جرحیں مبہم ہیں، نیز یہ بات بھی متعدد علمائے غیر مقلدین کے حوالہ سے گزر چکی ہے کہ جرح مبہم مضر نہیں۔

امام بخاریؒ اور امام ابو حاتمؒ کی جرح

امام بخاریؒ (م۲۵۶ھ) اور امام ابو حاتمؒ (م۲۷۷ھ) کا ابو شیبہؒ کے متعلق کلام ''سَکَتُوْا عَنْہُ'' اور ''تَرَکُوْا عَنْہُ'' اس وجہ سے غیر معتبر ہے، کیونکہ ان دونوں اماموں نے اپنے ان مذکورہ الفاظ میں اپنی ذاتی رائے کا اظہار نہیں کیا، بلکہ محض دوسروں لوگوں کی

---

[1] ضوء المصابیح (ص۲۰۱۔۲۰۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

رائے نقل کی ہے کہ لوگوں نے اس سے سکوت کیا ہے، اور اس کی حدیث کو ترک کیا ہے،
جیسا کہ بزرگ غیر مقلد عالم مولانا محمد شرف الدین دہلوی ؒ (م ۱۳۸۱ھ) امام بخاری ؒ کے قول: ''سَکَتُوْا عَنْہُ'' کی وضاحت میں لکھتے ہیں: امام بخاری ؒ نے ایسا (اپنی طرف سے کلام) ہر گز نہیں کیا، صرف اوروں کا یہ قول نقل کیا ہے۔ [۱]

اور یہ کلام بھی باقرار علمائے غیر مقلدین موجب جرح نہیں، کیونکہ جرح کرنے والے مجہول ہیں، چنانچہ اس قسم کی ایک جرح ''لَیَّنُوْہُ'' کے جواب میں مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں:

امام دارقطنی ؒ نے اگر ''لَیَّنُوْہُ'' کہا ہے، تو اس کو لین کہنے والے مجہول ہیں، لہٰذا اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ [۲]

نیز لکھتے ہیں:

اگر جارح مجہول ہے تو اہلِ علم نے جرح کو قبول نہیں کیا۔ [۳]

مزید لکھتے ہیں: یہ کلام مُوجبِ جرح نہیں، کیونکہ یہ مجہول آدمی سے ہے کہ کس نے یہ کہا ہے۔ [۴]

مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری ؒ (م ۱۳۵۳ھ) لکھتے ہیں:

جارح مجہول کی جرح غیر معتبر و نامقبول ہے۔ [۵]

حافظ زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

ابن ابی حاتم کا قول ''تکلموا فیہ'' کئی لحاظ سے مردود ہے۔

---

[۱] ''فتاویٰ علمائے حدیث (۱۱:۵۱)
[۲] توضیح الکلام (۱:۵۳۴)
[۳] ایضاً
[۴] ایضاً
[۵] تحقیق الکلام (۱:۶۳)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

یہ جرح غیر مفسر ہے۔

اس کا جارح نامعلوم ہے۔[۱]

نیز مولانا محمد شرف الدین دہلوی (۱۳۸۱ھ) امام بخاریؒ کے قول: "سَکَتُوا عَنْہُ" سے راوی کے غیر ثقہ ہونے پر استدلال کو غلط قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

ثقہ نہ قرار دینا اور امر ہے، اور سکوت عن الحدیث اور[۲]

مولانا محمد گوندلویؒ (م ۱۴۰۵ھ) نے تصریح کی ہے کہ:

کسی شخص کا کسی راوی سے روایت ترک کر دینا (جیسا کہ امام بخاریؒ اور امام ابو حاتمؒ، ابو شیبہؒ کے بارے میں کہہ رہے ہیں کہ لوگوں نے اس سے روایت کرنا ترک کر دیا ہے) کوئی مفسر جرح نہیں۔[۳]

کیا ہم یہاں بھی غیر مقلدین سے ایسے ہی فیصلے کی توقع رکھ سکتے ہیں؟ دیدہ باید۔

امام احمدؒ کی جرح

امام احمد بن حنبلؒ (م ۲۴۱ھ) کا ابو شیبہؒ کو منکر الحدیث کہنا بھی اس کے لیے مضر نہیں۔

اولاً: یہ جرح بھی غیر مقلدین کے نزدیک مبہم ہے، جیسا کہ بحوالہ گزر چکا ہے۔

ثانیاً: امام احمدؒ کی لفظ منکر الحدیث کے بارے میں اصطلاح ہی جدا ہے۔ چنانچہ مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں:

امام احمد نے کسی کو منکر الحدیث بالفرض کہا بھی ہے تو اس کو جرح مفسر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ منکر الحدیث امام احمدؒ کی اصطلاح میں اس پر بولا جاتا ہے جو غریب حدیث لائے، اور غریب حدیث صحیح بھی ہو سکتی ہے۔[۴]

---

[۱] نور العینین (ص ۸۸)

[۲] فتاویٰ علمائے حدیث (۱۱:۵۱)

[۳] خیر الکلام (ص ۱۶۳)

[۴] توضیح الکلام (۱:۵۰۰)، مولانا صفدر اپنی تصانیف کے آئینے میں (ص ۴۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

مولانا محمد گوندلوی صاحبؒ (م ۱۴۰۵ھ) لکھتے ہیں: امام احمد اور اس قسم کے لوگ کسی کو منکر کہتے ہیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ قابل احتجاج نہیں ہے۔[۱]

امام شعبہؒ کا ابوشیبہؒ کو کذب سے موصوف کرنا

امام شعبہؒ (م ۱۶۰ھ) کے متعلق غیر مقلدین کا یہ تاثر دینا کہ وہ ابوشیبہؒ کو ایک دروغ گو راوی سمجھتے تھے بالکل غلط ہے، کیونکہ انہوں نے ابوشیبہ کی مطلق تکذیب نہیں کی، بلکہ صرف اس کے بیان کردہ ایک قصہ سے متعلق "کَذَبَ" کے الفاظ کہے ہیں۔

چنانچہ حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

"وَكَذَّبَهُ شُعْبَةُ فِيْ قِصَّةٍ"[۲]

"امام شعبہؒ نے ایک قصہ میں اس کو کذب سے موصوف کیا ہے"

اور وہ قصہ کیا تھا؟ اس کو حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) نے یوں بیان کیا ہے:

امام شعبہؒ نے ابوشیبہؒ کو کذب سے موصوف اس لیے کیا ہے، کیونکہ اس نے حکمؒ بن عتیبہؒ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابن ابی لیلیٰؒ فرماتے ہیں کہ جنگِ صفین (جو حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان ہوئی) میں ستر اہل بدر نے شرکت کی تھی۔ اس پر امام شعبہؒ نے فرمایا کہ اس نے غلط بیانی کی ہے۔ واللہ! میں نے اس بارے میں حکمؒ سے جب مذاکرہ کیا تو ہم نے سوائے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کے کسی اہل بدر کو نہیں پایا جس نے جنگِ صفین میں شرکت کی ہو۔[۳]

اس بیان سے واضح ہوگیا کہ امام شعبہؒ نے ابوشیبہؒ کی مطلق تکذیب نہیں کی، بلکہ

---

[۱] خیر الکلام (ص ۴۵)

[۲] تھذیب التھذیب (۱:۱۴۵)

[۳] میزان الاعتدال (۱:۴۷) طبع دار المعرفۃ بیروت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

صرف اُس کے جنگِ صفین سے متعلق بیان کردہ ایک قصہ کو کذب سے تعبیر کیا ہے۔ اور یہ قصہ بھی ابوشیبہؒ نے اپنی طرف سے بیان نہیں کیا کہ اس کی وجہ سے اُس کو قصوروار ٹھہرایا جائے، بلکہ اس نے تو یہ قصہ امام حکم بن عتیبہؒ (م ۱۱۵ھ) سے روایت کیا ہے، اور انہوں نے اس کو ابن ابی لیلیٰؒ (م ۸۶ھ) کے حوالے سے بیان کیا ہے، اب اگر یہ قصہ غلط ہے تو اس غلطی کے ذمہ دار امام حکمؒ ہیں جنھوں نے ابوشیبہؒ سے یہ قصہ بیان کیا ہے، ابوشیبہؒ کا اس میں کیا قصور ہے وہ تو محض ناقل ہیں۔

پھر جب شعبہؒ نے حکمؒ سے اس بارے میں مذاکرہ کیا تو حکمؒ نے بھی یہ نہیں کہا کہ انہوں نے یہ قصہ ابوشیبہؒ سے روایت نہیں کیا، بلکہ وہ تو الٹا شعبہؒ کے ساتھ اس بارے میں مذاکرہ کے لیے تیار ہو گئے، لیکن وہ سوائے ایک بدری صحابیؓ کے کسی دوسرے اہل بدر کی شرکت جنگ صفین میں ثابت نہ کر سکے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حکمؒ نے ابوشیبہؒ کے سامنے یہ روایت ضرور بیان کی تھی، ورنہ وہ بجائے امام شعبہؒ سے مذاکرہ کرنے اور ستر (۷۰) اہل بدر کے اسماء ڈھونڈنے کے صاف انکار کر دیتے کہ انہوں نے یہ قصہ ہی روایت نہیں کیا۔ [۱]

---

[۱] مولانا رحمانی وغیرہ غیر مقلدین نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ: انکار تو جب کرتے کہ شعبہ نے اپنے مذاکرہ میں ان (حکمؒ) سے یہ پوچھا ہوتا کہ آپ نے ابراہیم سے یہ بیان کیا ہے، یا نہیں۔ انوار المصابیح (ص ۱۷۴، ۱۷۵) انوار التوضیح (ص ۲۳۶)

جواب: امام شعبہؒ کے قول: لَقَدْ ذَاکَرْتُ الْحَکَمَ ذَاكَ " میں " ذَاكَ " کا مشار الیہ ابوشیبہؒ کی بیان کردہ یہ روایت ہی تو ہے۔ یعنی میں نے اس روایت کے متعلق حکمؒ سے مذاکرہ کیا ہے۔

ثانیاً: اگر حکمؒ نے یہ مذکورہ روایت بیان نہیں کی تو پھر امام شعبہؒ نے ان سے کس بنیاد پر مذاکرہ کیا، اور پھر امام شعبہؒ کو ان سے اس خاص موضوع پر مذاکرہ کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ نیز وہ کوفہ جیسے علمی شہر میں آباد سینکڑوں محدثین کو چھوڑ کر حکمؒ سے مذاکرہ کے لیے ان کے گھر کیوں گئے؟ اور پھر یہ عجیب وغریب بات ہے کہ وہ حکمؒ کے گھر خاص اس موضوع پر مذاکرہ کے لیے جا رہے ہیں، اور ابوشیبہؒ کی حکمؒ سے بیان کردہ اس روایت کو ان کے سامنے زیر بحث نہیں لا رہے، حالانکہ یہ تو ان کے لیے بہترین موقعہ تھا کہ وہ اُن سے اس روایت کے متعلق اظہار برأت کروا لیتے، تاکہ ابوشیبہؒ کے کذب پر مہر ثبت ہو جاتی، اس لیے یہ ماننا پڑے گا کہ امام شعبہؒ نے ان کے سامنے اس روایت کا ضرور ذکر کیا ہے، لیکن انہوں نے اس سے اظہار برأت کرنے سے انکار کر دیا ہے۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

پس جب امام حکمؒ کو بھی تسلیم ہے کہ انہوں نے ابوشیبہؒ سے یہ قصہ روایت کیا ہے۔ تو اب اگر یہ روایت غلط ہے تو اس کا قصور امام حکمؒ کے سر ہے کیونکہ وہ ہی اس قصہ کے اصل راوی ہیں، اور دلیل بھی ان ہی کے ذمہ ہے۔ لھذا حکمؒ کی وجہ سے امام شعبہؒ کا اس قصہ میں ابوشیبہؒ کی تکذیب کرنا غلط اور نا قابل قبول ہے۔

نیز امام شعبہؒ کا دعویٰ کہ جنگ صفین میں حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی بدری صحابیؓ شریک نہیں ہوا، درست نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) نے امام شعبہؒ کی اس جرح کا یوں مذاق اڑایا ہے:

"قُلْتُ: سُبْحَانَ اللهِ اَمَا شَهِدَهَا عَلِيٌّ اَمَا شَهِدَهَا عَمَّارٌ۔[۱]

"میں کہتا ہوں سبحان اللہ! کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ صفین میں شرکت نہیں کی تھی؟ کیا حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے شرکت نہیں کی تھی (اور یہ دونوں اہل بدر میں سے ہیں)"[۲]

---

[۱] میزان الاعتدال (۱:۴۷)

[۲] بعض غیر مقلدین نے حافظ ذہبیؒ کے مذکورہ بالا قول کی یہ تاویل کی ہے کہ انہوں نے یہ اظہارِ تعجب امام شعبہؒ پر نہیں بلکہ حکمؒ پر کیا ہے۔ انوار التوضیح (۲۳۵) لیکن یہ تاویل حقائق کے سراسر خلاف ہے، اس لیے کہ حافظ ذہبیؒ نے اس اظہارِ تعجب سے پہلے حکمؒ کا قول نقل نہیں کیا، بلکہ امام شعبہؒ کا قول نقل کیا ہے کہ: فَمَا وَجَدْنَا شَهِدَ صِفِّيْنَ اَحَدًا مِنْ اَهْلِ بَدْرٍ غَيْرَ خُزَيْمَةَ۔ اس قول میں وَجَدْنَا کے جملہ پر غور کریں، اس میں امام شعبہؒ اپنے آپ کو بھی شامل کر رہے ہیں کہ ہم نے حضرت خزیمہؓ کے علاوہ کسی بدری صحابی کو نہیں پایا جس نے جنگِ صفین میں شرکت کی ہو۔ اس لیے حافظ ذہبیؒ نے تعجب کا اظہار کیا کہ امام شعبہؒ جیسے وسیع النظر اور امام الرجال پر ایک بدیعی بات کیسے مخفی رہ گئی ہے، اور پھر اس ناقص معلومات کے بل بوتے انہوں نے کیسے ابوشیبہؒ کی روایت کی تکذیب کردی ہے۔

مولانا بدیع الدین راشدی (م ۱۴۱۶ھ) لکھتے ہیں:

شعبہ اور حکم کا قول کہ واقعہ صفین میں بدریین سے صرف ایک خزیمہ رضی اللہ عنہ شامل تھا، اس پر ذہبی کہتے ہیں کہ سبحان اللہ! صرف یہ ایک؟ کیا علی اور عمار رضی اللہ عنہما یہ دونوں صفین میں حاضر نہ تھے۔ مقالاتِ راشدیہ (۷:۱۲۳)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

یعنی امام شعبہؒ نے صرف اس وجہ سے ابو شیبہؒ کی تکذیب کر دی کہ جنگ صفین میں ستر بدری صحابہؓ کے بجائے صرف ایک صحابی حضرت خزیمہؓ کی شرکت ثابت ہوسکی، حالانکہ حضرت خزیمہؓ کے علاوہ بدری صحابہؓ میں سے حضرت علیؓ اور حضرت عمارؓ کی بھی جنگ صفین میں شرکت ثابت ہے۔ معلوم ہوا کہ امام ذہبیؒ کے نزدیک بھی ابو شیبہ پر امام شعبہؒ کی یہ جرح غلط ہے۔

(۱) جنگ صفین میں ستر بدری صحابہؓ کی شرکت

واضح رہے کہ جنگ صفین میں بڑی تعداد میں بدری صحابہؓ کا شرکت کرنا ثابت ہے۔ ان میں سے اکثر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں شامل تھے۔ چنانچہ مؤرخِ اسلام علامہ ابن العماد حنبلیؒ (م۱۰۸۹ھ) نے واقعہ صفین بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: وَكَانَ فِيْ جَانِبِ عَلِيٍّ جَمَاعَةٌ مِنَ الْبَدْرِيِّيْنَ [۱] کہ جنگِ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب بدری صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک پوری جماعت تھی۔

مذکورہ بالا تین صحابہ (حضرت علی، حضرت عمار اور حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہم) کے علاوہ جو بدری صحابہؓ حضرت علیؓ کی فوج میں شامل تھے، ان کے متعلق محدثین کی تصریحات ملاحظہ ہو۔

(۴) سہل بن حنیف (۵) خوات بن جبیر (۶) ابو اُسید ساعدی (۷) ابو الیسر کعب بن عمر (۸) رفاعہ بن رافع انصاری (۹) ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنھم۔

ان چھ صحابہ کرام کے بارے میں امام بخاریؒ کے استاذ امام خلیفہؒ بن خیاطؒ (م ۲۴۰ھ) نے تصریح کی ہے کہ یہ بدری صحابہ ہیں، اور انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے جنگ صفین میں شرکت کی تھی۔ [۲]

---

[۱] شذرات الذھب (۱:۴۵)
[۲] العبر (۱:۳۰) للحافظ الذھبیؒ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

(۱۰) اُسید بن ثعلبہ انصاری رضی اللہ عنہ: حافظ ابن عبدالبرؒ (م ۴۶۳ھ)، حافظ ابن الاثیرؒ (م ۶۳۰ھ)، حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) حافظ ابن العدیمؒ (م ۶۶۰ھ) اور حافظ صلاح الدین صفدیؒ (م ۷۶۴ھ) وغیرہ محدثین نے ذکر کیا ہے کہ یہ بدری صحابیؓ ہیں، اور یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ صفین میں شریک تھے۔[۱]

(۱۱) براء بن عازب رضی اللہ عنہ: یہ ان صحابہؓ میں سے ہیں جو بدر میں لڑائی کے لیے گئے تو تھے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کی کم سنی کی وجہ سے ان کو میدانِ جنگ سے واپس بھیج دیا تھا۔ اور ایسے صحابہؓ کو بھی بدری صحابہؓ کی طرح ہی سمجھا جاتا ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن الاثیرؒ (م ۶۳۰ھ) نے حضرت حارث بن حاطب رضی اللہ عنہ کے ترجمہ میں تصریح کی ہے۔[۲]

یہ جلیل القدر صحابیؓ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تمام معرکوں، جنگِ صفین وغیرہ میں ان کے شانہ بشانہ تھے۔[۳]

(۱۲) ثابت بن عبید انصاری رضی اللہ عنہ: علامہ ابن عبدالبرؒ (م ۴۶۳ھ) کی تصریح کے مطابق یہ بدری صحابی ہیں، اور یہ جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی معیت میں لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔[۴]

حافظ ابن الاثیرؒ (م ۶۳۰ھ) اور حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) نے بھی تصریح کی ہے کہ یہ بدری صحابیؓ جنگِ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔[۵]

---

[۱] الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (۷)، الاصابۃ (۱:۴۸)، اُسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ (۱:۲۴۰)، تجرید اسماء الصحابۃ (۱:۲۱)، بغیۃ الطلب فی تاریخ حلب (۴:۸۶۴)، الوافی بالوفیات (۶:۲۷۷)۔

[۲] اُسد الغابۃ (۱:۵۹۸)

[۳] الاستیعاب (۱۶۶)، اُسد الغابۃ (۱:۳۶۲)، تجرید اسماء الصحابۃ (۱:۴۶)

[۴] الاستیعاب (۲۵۹)، الاصابۃ (۴:۲۰۲)

[۵] اسد الغابۃ (۱:۴۴۸)، تجرید اسماء الصحابۃ (۱:۶۳)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

⑬ ثعلبہ بن عمرو مبذولی رضی اللہ عنہ: امام عزالدین ابن الاثیرؒ (م ۶۳۰ھ) نے ان کے بارے میں تصریح کی ہے کہ یہ بدری صحابی ہیں، اور جنگ صفین میں یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے[۱]

⑭ جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ: حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) نے لکھا ہے کہ متعدد روایات میں ان کا غزوہ بدر میں شریک ہونا وارد ہے۔[۲]

نیز ذہبیؒ نے بحوالہ امام خلیفہ بن خیاطؒ (م ۲۴۰ھ) لکھا ہے کہ یہ جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔[۳]

علامہ امیر یمانیؒ غیر مقلد (م ۱۱۸۲ھ) نے بھی بحوالہ امام بخاریؒ (م ۲۵۶ھ) ان کے بدری ہونے اور بحوالہ امام حاکمؒ (م ۴۰۵ھ) ان کے جنگِ صفین میں شریک ہونے کی تصریح کی ہے۔[۴]

⑮ جبر بن انس رضی اللہ عنہ: امام طبرانیؒ (م ۳۶۰ھ)، حافظ ابونعیم اصفہانیؒ (م ۴۳۰ھ) اور حافظ ابن الاثیرؒ (م ۶۳۰ھ) نے ان کو بدری صحابی قرار دیا ہے، اور بحوالہ عبید اللہ بن ابی رافعؒ نقل کیا ہے کہ انہوں نے جنگِ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر شرکت کی تھی۔[۵]

نیز حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) نے بحوالہ علامہ مطینؒ (م ۲۹۷ھ) ان کو بدری اور جنگِ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہمرکاب لڑنے والوں میں سے قرار دیا ہے، البتہ

---

[۱] اللباب فی تھذیب الانساب (۲۹۶:۲)

[۲] سیر اعلام النبلاء (۱۸۹:۳) نیز دیکھئے معجم الصحابۃ (۴۳۹:۱) للبغویؒ

[۳] العبر (۳۰:۱)

[۴] سبل السلام شرح بلوغ المرام (۵۱:۱)

[۵] المعجم الکبیر (۵۳۴:۲)، معرفۃ الصحابۃ (۴۵۶:۱)، اسد الغابۃ (۵۰۶:۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ذہبیؒ نے ساتھ یہ تصریح کی ہے کہ ان کے والد کا نام انس کے بجائے ایاس ہے۔[۱]

(۱۶) جبلہ بن ثعلبہ انصاری رضی اللہ عنہ: امام ابونعیم اصفہانیؒ (م ۴۳۰ھ)، امام ابن الاثیرؒ (۶۳۰ھ) اور امام ذہبیؒ (م ۷۴۸) لکھتے ہیں کہ یہ بدری صحابی ہیں، اور عبید اللہ بن ابی رافعؒ نے ان کا شمار ان صحابہؓ میں کیا ہے جو جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔[۲]۔

(۱۷) جبلہ بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ: امام ابونعیم اصفہانیؒ (م ۴۳۰ھ) نے ان کو بدری اور جنگِ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے لڑنے والوں میں شمار کیا ہے۔[۳]

(۱۸) حارث بن حاطب بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ: حافظ ابن الاثیرؒ (م ۶۳۰ھ) نے ان کو بدری اور جنگِ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی معیت میں لڑنے والوں میں شمار کیا ہے۔[۴]

(۱۹) حارث بن نعمان رضی اللہ عنہ: موسیٰ بن عقبہؒ (م ۱۴۱ھ)، ابن عمارہؒ، ابومعشرؒ (م ۱۷۰ھ) اور واقدیؒ (م ۲۰۷ھ) وغیرہ مؤرخین ان کو بدری صحابہؓ میں ذکر کرتے ہیں۔ جب کہ امام طبرانیؒ (م ۳۶۰ھ) نے ان کو جنگِ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے لڑنے والوں میں ذکر کیا ہے۔[۵]

(۲۰) حصین بن حارث رضی اللہ عنہ: علامہ ابن العدیمؒ (م ۶۶۰ھ) کی تصریح کے

---

[۱] تجرید اسماء الصحابۃ (۱:۷۶)

[۲] معرفۃ الصحابۃ (۱:۴۷۸)، اسد الغابۃ (۱:۵۰۹)، تجرید اسماء الصحابۃ (۱:۷۷)

[۳] معرفۃ الصحابۃ (۱:۴۷۸)

[۴] اسد الغابۃ (۱:۵۹۸)

[۵] الاصابۃ (۱:۳۰۵)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

مطابق یہ بدری صحابی ہیں، اور جنگِ صفین میں یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے شریک ہوئے تھے۔[۱]

(۲۱) خالد بن حارث رضی اللہ عنہ: یہ صحابی بھی بتصریح علامہ ابن العدیمؒ (م ۶۶۰ھ) بدری ہیں اور جنگِ صفین میں یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔[۲]

(۲۲) خباب بن ارت رضی اللہ عنہ: علامہ صفی الدین خزرجیؒ (م بعد ۹۲۳ھ) کی تصریح کے مطابق یہ بدری صحابیؓ جنگِ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ اور جنگِ صفین سے واپس آتے ہوئے ان کا انتقال ہوا، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔[۳]

حافظ ابن عبد البرؒ (م ۴۶۳ھ) نے ان کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ یہ بدری صحابی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ صفین میں شریک تھے، اور ۳۷ یا ۳۹ ہجری کو کوفہ میں ان کا انتقال ہوا، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔[۴]

(۲۳) خلیفہ بن عدی بیاضی رضی اللہ عنہ: موسیٰ بن عقبہؒ (م ۱۴۱ھ) اور محمد بن اسحاقؒ (م ۱۵۰ھ) وغیرہ مؤرخین نے ان کو بدری صحابہ میں ذکر کیا ہے، جب کہ امام طبرانیؒ (م ۳۶۰ھ) نے اپنی سند کے ساتھ عبید اللہ بن ابی رافعؒ سے نقل کیا ہے کہ یہ ان صحابہؓ میں سے ہیں جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں شامل ہو کر جنگ صفین میں شرکت کی تھی۔[۵]

---

[۱] بغیۃ الطلب (۶:۲۷۱۷)

[۲] بغیۃ الطلب (۷:۳۰۲۵)

[۳] خلاصۃ تذهیب تهذیب الکمال (۱:۳۱۳)

[۴] الاستیعاب (۶۵۶) نیز دیکھئے معجم الصحابۃ (۲:۲۷۱، ۲۷۳) للبغویؒ

[۵] اسد الغابۃ (۲:۱۸۷)، الاصابۃ (۲:۱۴۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) نے بھی ان کو بدری صحابی قرار دیا ہے، اور تصریح کی ہے کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی لڑائی (جنگِ صفین) میں ان کے ساتھ تھے۔[۱]

(۲۴) خوات بن جبیر رضی اللہ عنہ: امام طبرانیؒ (م ۳۶۰ھ) نے ان کو بدری صحابی قرار دیا ہے، اور بحوالہ عبید اللہ بن ابی رافعؒ نقل کیا ہے کہ یہ جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے تھے۔[۲]

(۲۵) خویلد بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ: امام طبرانیؒ (م ۳۶۰ھ) وغیرہ محدثین بہ سند روایت کرتے ہیں کہ یہ اہلِ بدر میں سے ہیں، اور جنگ صفین میں یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں تھے۔[۳]

حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) نے بھی ان کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ: کہا جاتا ہے کہ یہ بدری صحابی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی لڑائی (جنگ صفین) میں اُن کے ساتھ تھے۔[۴]

(۲۶) رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ: ان کا شمار بھی اُن صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے، جو بدر میں لڑنے کے لیے گئے تھے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کم سنی کی وجہ سے ان کو واپس بھیج دیا تھا۔ بعد میں یہ جنگِ صفین میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی فوج میں شامل ہو کر شریک جنگ ہوئے۔[۵]

(۲۷) ربعی بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ: امام ابو نعیم اصفہانیؒ (م ۴۳۰ھ) نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو رافعؓ سے روایت کیا ہے کہ یہ بدری صحابیؓ جنگِ صفین میں

---

[۱] تجرید اسماء الصحابۃ (۱:۱۶۲)

[۲] المعجم الکبیر (۴:۲۰۴، ح ۴۱۴۲)

[۳] الاصابۃ (۲:۱۴۵)

[۴] تجرید اسماء الصحابۃ (۱:۱۶۴)

[۵] أسد الغابۃ (۲:۲۳۳، ۲۳۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

حضرت علیؓ کے ساتھ تھے۔[۱]

(۲۸) ربعی بن رافع رضی اللہ عنہ

(۲۹) زید بن اسلم رضی اللہ عنہ: امام طبرانیؒ (م ۳۶۰ھ) اور امام ابونعیم اصفہانیؒ (م ۴۳۰ھ) نے ان دونوں کو بدری صحابہؓ میں سے قرار دیا ہے، اور اپنی سند کے ساتھ عبیداللہ بن ابی رافعؒ سے نقل کیا ہے کہ یہ دونوں صحابی جنگِ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔[۲]

واضح رہے کہ اس سند میں ایک راوی محمد بن عثمان بن ابی شیبہ (م ۲۹۷ھ) متکلم فیہ ہے، لیکن غیر مقلدین اس کو ثقہ قرار دیتے ہیں۔[۳]

نیز حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) نے بھی ربعی بن رافع رضی اللہ عنہ کو بدری اور جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شانہ بشانہ لڑنے والوں میں سے قرار دیا ہے۔[۴]

(۳۰) ابودجانہ سماک بن خرشہ رضی اللہ عنہ: مشہور بدری صحابیؓ ہیں، ان کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے کہ یہ بھی جنگِ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔[۵]

علامہ ابن العدیمؒ (م ۶۶۰ھ) بالجزم تصریح کرتے ہیں کہ یہ بدری صحابی ہیں، اور جنگِ صفین میں یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔[۶]

(۳۱) سہیل بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ: علامہ ابن الکلبیؒ (م ۲۰۴ھ) کی تصریح کے

---

[۱] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ (۲:۱۹۴)

[۲] المعجم الکبیر (۴:۱۱۶۱، ۱۳۰۰)، معرفۃ الصحابۃ (۲:۳۰۰، ۳۴۱)

[۳] ماہنامہ الحدیث حضرو (۵:۲۰)

[۴] تجرید اسماء الصحابۃ (۱:۱۷۶)

[۵] الاستیعاب (۱۰۱۳)، اسد الغابۃ (۲:۵۵۱)

[۶] بغیۃ الطلب (۱۰:۴۴۴۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

مطابق یہ بدری صحابی جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔[۱]

علامہ ابن الاثیرؒ (م ۶۳۰ھ) نے بھی ان کے متعلق تصریح کی ہے کہ یہ اُن بدری صحابہؓ میں سے ہیں جو جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔[۲]

(۳۲) صالح انصاری رضی اللہ عنہ: علامہ باوردیؒ (م ۳۱۰ھ) صاحب معجم الصحابۃ نے بحوالہ ابورافع نقل کیا ہے کہ یہ ان صحابہؓ میں سے ہیں جنہوں نے جنگِ بدر میں شرکت کی تھی۔ اور پھر انہوں نے جنگ صفین میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شرکت فرمائی۔[۳]

(۳۳) صیفی بن سواد انصاری رضی اللہ عنہ: حافظ ابونعیم اصفہانیؒ (م ۴۳۰ھ) نے ان کو بدری قرار دیا ہے[۴]، اور حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) نے تصریح کی ہے کہ یہ جنگِ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔[۵]

(۳۴) عبد الرحمان بن بدیل رضی اللہ عنہ: حافظ ابن عبد البرؒ (م ۴۶۳ھ) نے صالح بن وجیہؒ (م   ) سے نقل کیا ہے کہ یہ ان بدری صحابہ میں سے ہیں جو جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔[۶]

حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) نے بھی بحوالہ علامہ ابن الکلبیؒ (م ۲۰۴ھ) ان کے جنگِ

---

[۱] الاستیعاب (۱۰۷۶)، تجرید اسماء الصحابۃ (۱: ۲۴۷)، الوافی بالوفیات (۱۱: ۴۵)

[۲] الکامل فی التاریخ (۳: ۲۰۰)

[۳] الاصابۃ (۳: ۲۳۲)

[۴] معرفۃ الصحابۃ (۳: ۵۴)

[۵] تجرید اسماء الصحابۃ (۱: ۲۶۹)

[۶] الاستیعاب (۳۱۸۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

صفین میں شریک ہونے کی تصریح کی ہے۔[۱]

(۲۵) عبد اللہ بن عتیق رضی اللہ عنہ: علامہ ابن عبد البرؒ (م ۴۶۳ھ) وغیرہ ائمہ نے ان کے بدری ہونے کی تصریح کی ہے، اور ساتھ لکھا ہے کہ یہ جنگِ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہمرکاب تھے۔[۲]

(۲۶) عبید بن تیہان رضی اللہ عنہ: حافظ ابن عبد البرؒ (م ۴۶۳ھ) اور حافظ ابن الاثیر (م ۶۳۰ھ) لکھتے ہیں کہ یہ بدری صحابی ہیں، اور کہا جاتا ہے کہ جنگِ صفین میں انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا تھا۔[۳]

(۲۷) عقبہ بن عمرو ابو مسعود رضی اللہ عنہ: کئی صحیح احادیث میں ان کا غزوہ بدر میں شریک ہونا ثابت ہے۔ امام بخاریؒ (م ۲۵۶ھ)، امام مسلمؒ (م ۲۶۱ھ) اور دیگر کئی محدثین نے بھی ان کے بدری ہونے کی تصریح کی ہے۔[۴] جب کہ امام خلیفہ بن خیاط (م ۲۴۰ھ) نے تصریح کی ہے کہ جنگِ صفین میں یہ حضرت علیؓ کے ساتھ تھے۔[۵]

(۲۸) عمر بن الحمق خزاعی رضی اللہ عنہ: حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲) لکھتے ہیں کہ امام حاکم کبیرؒ (م ۳۷۸ھ) نے "کتاب الکنیٰ" میں امام المغازی محمد بن اسحاقؒ (م ۱۵۰ھ) سے ایک روایت نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر بن الحمقؓ جنگ بدر میں شریک تھے، اور حافظ ابن عبد البرؒ (م ۴۶۳ھ) فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تمام جنگوں (صفین وغیرہ) میں شرکت کی تھی۔[۶]

---

[۱] تجرید اسماء الصحابۃ (۱: ۳۴۴)

[۲] الاستیعاب (۱۴۱۶)، اسد الغابۃ (۳: ۳۰۸)، الاصابۃ (۴: ۱۰۱)

[۳] الاستیعاب (۲۰۱۵)، اسد الغابۃ (۳: ۵۲۹)

[۴] الاصابۃ (۴: ۲۵۲)، تھذیب التھذیب (۴: ۱۵۷)

[۵] العبر (۱: ۳۰)

[۶] الاصابۃ (۴: ۲۹۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

(۳۹) عوف بن اثاثہ رضی اللہ عنہ: حافظ ابن عبد البرؒ (م ۴۶۳ھ) اور حافظ ابن الاثیر (م ۶۳۰ھ) فرماتے ہیں کہ یہ بدری صحابی ہیں، اور اکثر محدثین کے نزدیک یہ جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔[۱]

(۴۰) قیس بن سعد خزرجی رضی اللہ عنہ: حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمام جنگوں (بدر وغیرہ) میں شرکت کی، اور پھر یہ جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی شریک رہے۔[۲]

علامہ ابن عبد البرؒ (م ۴۶۳ھ) اور حافظ ابن کثیرؒ (م ۷۷۴ھ) نے بھی جنگِ صفین میں ان کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک ہونے کی تصریح کی ہے۔[۳]

(۴۱) مسعود بن اوس انصاری رضی اللہ عنہ: امام ابن یونسؒ (م ۳۴۷ھ) اور دیگر مؤرخین نے ان کے بارے میں کہا ہے کہ انہوں نے غزوہ بدر میں شرکت فرمائی ہے، جب کہ علامہ ابن الکلبیؒ (م ۲۰۴ھ) نے ذکر کیا ہے کہ یہ جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔[۴]

علامہ صلاح الدین صفدیؒ (م ۷۶۴ھ) نے بھی ان کے بدری اور جنگِ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک ہونے کی تصریح کی ہے۔[۵]

علامہ برہان الدین سبط ابن العجمی حلبیؒ (م ۸۴۱ھ) نے بھی لکھا ہے کہ: کہا جاتا کہ حضرت مسعود بن اوس بدری رضی اللہ عنہ جنگِ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ

---

[۱] الاستیعاب (۱۹۴۵)، اسد الغابۃ (۴:۲۹۶)،

[۲] الاصابۃ (۵:۲۵۴)

[۳] الاستیعاب (۲۱۰۲)، البدایۃ والنھایۃ (۵:۳۵۱، ۳۵۹)

[۴] الاستیعاب (۲۴۴۱)، اسد الغابۃ (۵:۱۵۲)، الاصابۃ (۶:۸۹)

[۵] الوافی بالوفیات (۱۵:۵۲۹)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کے ساتھ تھے۔[۱]

(۴۲) حضرت معاذ بن حارث رضی اللہ عنہ: مشہور بدری صحابی ہیں جنہوں نے ابو جہل کے قتل میں حصہ لیا تھا۔ امام ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ)، اور امام برہان الدین ابناسیؒ (م ۸۰۲ھ) نے لکھا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ جنگِ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔[۲]

علامہ برہان الدین حلبیؒ (م ۸۴۱ھ) نے بھی ان کو بدری صحابی قرار دیا ہے، اور علامہ واقدیؒ (م ۲۰۷ھ) کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت علی و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی لڑائی (جنگِ صفین) کے دنوں میں فوت ہوئے۔[۳]

حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) نے بھی ان کو بدری صحابی قرار دیا ہے، اور یہ تصریح بھی کی ہے کہ یہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد ایک زمانہ تک زندہ رہے۔[۴]

(۴۳) ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ: حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں کہ انہوں نے بدر اور دیگر غزوات میں شرکت کی، اور پھر یہ جنگ جمل و صفین میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی معیت میں لڑتے رہے۔[۵]

(۴۴) یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ: حافظ ابن مندہؒ (م ۳۹۵ھ) کی تحقیق میں یہ بدری صحابی ہیں، جب کہ حافظ ابن الاثیرؒ (م ۶۳۰ھ) کی تصریح کے مطابق یہ جنگ صفین میں

---

[۱] نور النبراس علی سیرۃ ابن سید الناس (۲۹۰:۶)

[۲] تاریخ الصحابۃ (ص ۲۳۰) لابن حبانؒ، الشذ الفیاح من علوم ابن الصلاح (۶۸۹:۲)

[۳] نور النبراس (۸۵،۸۴:۳)

[۴] تجرید اسماء الصحابۃ (۸۱:۲)

[۵] تہذیب التہذیب (۲۸:۶)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔[1]

(45) ابو بردہ بن نیار انصاری رضی اللہ عنہ: حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) نے ان کے بارے میں تصریح کی ہے کہ انہوں نے بدر اور اس کے بعد کی تمام جنگوں میں حصہ لیا ہے۔ جب کہ علامہ واقدیؒ (م ۲۰۷ھ) اور حافظ ابن عبد البرؒ (م ۴۶۳ھ) فرماتے ہیں کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تمام جنگوں (صفین وغیرہ) میں شریک تھے۔[2]

(46) ابو حبہ انصاری رضی اللہ عنہ: یہ بھی بدری صحابی ہیں، اور یہ جنگِ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔[3]

(47) ابو عمرہ انصاریؓ: امام طبرانیؒ اور امام حاکمؒ (م ۴۰۵ھ) نے حضرت محمد بن حنفیہؒ (م ۸۱ھ) سے بہ سند نقل کیا ہے کہ یہ بدری اور احدی صحابی جنگ صفین میں شریک تھے، اور غروب آفتاب سے قبل حالتِ صیام میں شہید ہوئے۔[4]

حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) نے بھی ان کے بدری اور جنگ صفین میں شہید ہونے کی تصریح کی ہے۔[5]

حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) نے لکھا ہے کہ یہ صحابی جنگِ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے، اور ان کو ابن اسحاقؒ اور کلبیؒ وغیرہ مؤرخین نے بدری صحابہ میں شمار کیا ہے۔[6] امام ابو نعیم اصفہانیؒ (م ۴۳۰ھ) اور امام ابن العدیمؒ (م ۶۶۰ھ) بھی ان کے بدری ہونے اور ان کے جنگ صفین میں حضرت علی

---

[1] اسد الغابۃ (۵:۴۸۶،۴۸۷)

[2] الاصابۃ (۷:۱۸)، تھذیب التھذیب (۶:۲۹۸)

[3] التاریخ الکبیر (۳:۱۰) لابن ابی خیثمہ، توضیح المشتبہ (۲:۳۵۴۔۳۵۹) لابن ناصر الدینؒ

[4] المعجم الکبیر (۱۵:۵۲۵۶)، المستدرک (۳:۴۴۶)

[5] تجرید اسماء الصحابۃ (۲:۱۹۰)، المقتنی فی سرد الکنی (۲:۱۸۰)

[6] تھذیب التھذیب (۶:۴۲۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

رضی اللہ عنہ کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہونے کی تصریح کرتے ہیں۔[۱]

تنبیہ: حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) نے تصریح کی ہے کہ بعض محدثین نے ابو عمرو بدری اور ابو عمرہ بدری دونوں کو علیحدہ علیحدہ شخصیت قرار دیا ہے، لیکن یہ دونوں حقیقت میں ایک ہی شخص ہے، اور ابو عمرو، ابو عمرہ کی تصحیف ہے۔[۲]

(۴۸) ابو فضالہ انصاری رضی اللہ عنہ: یہ بھی بدری صحابی جنگِ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں شامل تھے۔ جیسا کہ امام بخاریؒ (م ۲۵۶ھ)، امام ابو حاتمؒ (م ۲۷۷ھ) اور حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) وغیرہ محدثین نے تصریح کی ہے۔[۳] جب کہ حافظ ابن الاثیرؒ (م ۶۳۰ھ) اور حافظ ابن العدیمؒ (م ۶۶۰ھ) نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ یہ جنگِ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے تھے۔[۴]

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) نے بحوالہ امام ابو حاتم رازیؒ (م ۲۷۷ھ) لکھا ہے کہ یہ بدری صحابیؓ جنگِ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔[۵]

امام ابن الاثیرؒ (م ۶۳۰ھ) نے یہ تصریح بھی کی ہے کہ ایک قول کے مطابق یہ بدری صحابی جنگ صفین میں شہید ہوئے[۶] یعنی دوسرے قول کے مطابق یہ جنگِ صفین میں

---

[۱] معرفۃ الصحابۃ (۴:۵۱۶)، بغیۃ الطلب (۴:۱۸۶۵)

[۲] تجرید اسماء الصحابۃ (۲:۱۸۹)

[۳] التاریخ الصغیر (۱:۱۰۴) الجرح والتعدیل (۹:۴۲۵)، الاصابۃ (۷:۱۵۲)

[۴] اسد الغابۃ (۶:۲۴۱)، بغیۃ الطلب (۱۰:۴۵۷۱)

[۵] تعجیل المنفعۃ (ص ۵۸۳)

[۶] الکامل فی التاریخ (۳:۲۲۵)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

شہید نہیں ہوئے، بلکہ وہ اس جنگ میں شریک ہونے کے کچھ عرصہ بعد اپنی طبعی موت مرے۔ رضی اللہ عنہ۔

(۴۹) ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ: حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں بمقام کوفہ وفات ہوئی، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی جس میں انہوں نے چھ تکبیریں کہیں، اور فرمایا کہ (ان پر چھ تکبیریں کہنا اس وجہ سے ہے کہ) یہ بدری صحابی ہیں، اور حسن بن عثمانؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ ۴۰ھ میں فوت ہوئے اور انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جنگوں (صفین وغیرہ) میں بھی شرکت کی۔[۱]

امام ابن العدیمؒ (م ۶۶۰ھ) نے بھی تصریح کی ہے کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے جنگِ صفین میں شرکت کی تھی۔[۲]

(۵۰) ابوالہیثم بن التیہان رضی اللہ عنہ: امام ابن شہاب زہریؒ (م ۱۲۴ھ) اور محمد بن اسحاقؒ (م ۱۵۰ھ) نے ان کو بدری صحابہؓ میں ذکر کیا ہے۔ امام فضل بن دکینؒ (م ۲۱۸ھ)، حافظ ابوبشر دولابیؒ (۳۱۰ھ) اور حافظ ابن عبدالبرؒ (م ۴۶۳ھ) وغیرہ محدثین نے نقل کیا ہے کہ یہ جنگِ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔[۳]

حافظ ابن الاثیرؒ (م ۶۳۰ھ) نے بھی ان کو بدری قرار دیا ہے، اور تصریح کی ہے کہ یہ جنگِ صفین میں حضرت علیؓ کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔[۴]

نیز ابن الاثیرؒ نے لکھا ہے کہ: یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے جنگِ صفین میں شرکت تو کی تھی لیکن وہاں شہید نہیں ہوئے، بلکہ اس کے کچھ عرصہ بعد اپنی طبعی موت مرے،

---

[۱] الاستیعاب (۳۱۰۸)، الاصابۃ (۱۵۶:۷)

[۲] بغیۃ الطلب (۴۵۹۶:۱۰)

[۳] الاصابۃ (۲۰۹:۷)

[۴] الکامل (۲۲۵:۳)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

لیکن اکثر محدثین کے نزدیک یہ جنگِ صفین میں ہی شہید ہوئے۔[۱]

یہ پچاس بدری صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جو جنگِ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں تھے، ان میں سے بارہ صحابہ: حضرت ثابت بن عبید، حضرت ثعلبہ بن عمرو، حضرت خالد بن حارث، حضرت خزیمہ، حضرت سہل بن عمرو، حضرت عبدالرحمان بن بدیل، حضرت عمار بن یاسر، حضرت معاذ بن حارث، حضرت یعلی بن امیہ، حضرت ابوعمرہ، حضرت ابوفضالہ اور حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنھم کا اس جنگ میں شہید ہونا معلوم ہے، ان میں سے اول الذکر دس صحابہؓ کا اس جنگ میں شہید ہونا مؤرخین کے ہاں اتفاقی ہے، اور آخر الذکر دو صحابہؓ کا اس میں شہید ہونا مختلف فیہ ہے۔ جیسا کہ بحوالہ محدثین و مؤرخین گزرا ہے، جب کہ حافظ ابن کثیرؒ (م ۷۷۴ھ) نے بحوالہ ابوالحسن بن براء (م ۲۹۱ھ) نقل کیا ہے کہ اہل عراق (حضرت علیؓ کی فوج) میں سے پچیس (۲۵) بدری صحابہؓ اس جنگ میں شہید ہوئے۔[۲]

امام یاقوت حمویؒ (م ۶۲۶ھ) نے بھی تصریح کی ہے: وَقُتِلَ مَعَ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ خَمْسَةٌ وَّعِشْرُوْنَ صَحَابِيًّا بَدْرِيًّا[۳] جنگِ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ پچیس بدری صحابہؓ شہید ہوئے۔

اگر پچیس شہداء میں سے مذکورہ بالا بارہ بدری شہداء (حضرت ابوفضالہؓ، حضرت ابوالہیثمؓ سمیت) منہا کیے جائیں تو پیچھے تیرہ بچتے ہیں، اور اگر دس (ان دو مذکورہ صحابہؓ کو چھوڑ کر) منہا کریں تو یہ پندرہ ہو جاتے ہیں۔ اور پھر ان باقی ماندہ صحابہؓ کو مذکورہ بالا پچاس صحابہؓ کے ساتھ جمع کیا جائے تو حضرت علی المرتضیٰؓ کی فوج میں لڑنے والے بدری صحابہؓ کی تعداد ۶۳ یا ۶۵ ہو جاتی ہے۔

ان کے علاوہ بعض ایسے بدری صحابہؓ بھی ہیں جو اس جنگ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے شریک ہوئے۔ مثلاً حضرت معن بن یزید سلمی رضی اللہ عنہ، جن کے

---

[۱] اسد الغابۃ (۵: ۱۳، ۶: ۳۱۷)

[۲] البدایۃ والنہایۃ (۵: ۲۷۶) طبع دارالفکر بیروت

[۳] معجم البلدان (۵: ۱۹۵، مادۃ صفین) طبع دار احیاء التراث العربی بیروت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بارے میں امام ابن یونس مصریؒ (م ۳۴۷ھ) نے یزید بن ابی حبیب تابعیؒ (م ۱۲۸ھ) سے نقل کیا ہے کہ: یہ، ان کے والد اور ان کے دادا تینوں بدری صحابی ہیں، اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جنگوں (صفین وغیرہ) میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ [۱]

حافظ ابن الاثیرؒ (م ۶۳۰ھ) نے بھی تصریح کی ہے کہ یہ جنگِ صفین میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ [۲]

مزید برآں بعض ایسے بدری صحابہؓ بھی ہیں جن کا جنگِ صفین میں شریک ہونا تو ثابت ہے لیکن یہ معلوم نہیں کہ یہ ان دونوں (حضرت علیؓ، حضرت معاویہؓ) میں سے کس کے ساتھ تھے۔ مثلاً ابو واقد اللیثی رضی اللہ عنہ، علامہ باوردیؒ (م ۳۱۰ھ) نے "کتاب الصحابہ" میں لکھا ہے کہ حضرت ابو واقد رضی اللہ عنہ جنگِ بدر میں اور پھر بعد میں جنگ صفین میں بھی شریک ہوئے۔ [۳]

اسی طرح حضرت صہیب بن سنان اور حضرت صفوان بن بیضاء رضی اللہ عنہما جو کہ دونوں مشہور بدری صحابی ہیں، ان کے متعلق حافظ ابن الاثیرؒ (م ۶۳۰ھ) نے تصریح کی ہے کہ یہ دونوں جنگ صفین میں شریک تھے، اور دورانِ جنگ ہی فوت ہوئے [۴]

حضرت ثعلبہ بن قیظی رضی اللہ عنہ بھی بدری صحابی ہیں، ان کے متعلق بھی منقول ہے کہ یہ بھی جنگِ صفین میں شریک ہوئے تھے۔ [۵]

اس لحاظ سے جنگِ صفین میں شریک ہونے والے بدری صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعداد ۶۸

---

[۱] الاصابۃ (۶:۲۱۹)

[۲] اسد الغابۃ (۵:۲۳۰)

[۳] تھذیب التھذیب (۶:۴۸۵)

[۴] الکامل فی التاریخ (۳:۲۲۵)

[۵] المعجم الکبیر (۲:۳۸۳)، الاصابۃ (۹۷۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

یا ۷۰ ہو جاتی ہے۔

اور اگر اس کی مزید تحقیق کی جائے تو ان کا دائرہ ستر سے بھی تجاوز کر سکتا ہے۔لہٰذا امام شعبہؒ کا ابوشیبہؒ کی روایت کہ: جنگِ صفین میں ستر بدری صحابہ شریک تھے،کو یہ کہہ کر رد کر دینا کہ اس جنگ میں صرف ایک بدری صحابی حضرت خزیمہؓ کی شرکت ثابت ہے، بالکل خلاف تحقیق ہے۔اور اس پر مبنی جرح بھی کالعدم ہے۔مولانا ارشاد الحق اثری نے محمد بن اسحاقؒ پر ہشام بن عروہؒ کی جرح (کذاب) کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے:

لہٰذا جب بنیاد ہی غلط ہے تو پھر جرح کیسی؟[۱]

بنابریں ابوشیبہؒ پر امام شعبہؒ کی جرح (کَذَبَ) کی جب بنیاد ہی غلط ثابت ہوگئی ہے تو پھر ان کی یہ جرح کیسی؟

علاوہ ازیں ابوشیبہؒ کی روایت کی تائید حبہ بن جوین تابعی (م ۷۶ھ) کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے،جس میں انہوں نے کہا ہے کہ: جنگِ صفین میں اسی (۸۰) بدری صحابہ شریک ہوئے تھے[۲]

حبہ موصوف پر اگرچہ اکثر ائمہ نے جرح کی ہے،لیکن متعدد ائمہ اس کی توثیق بھی کرتے ہیں،چنانچہ اس کی توثیق کرنے والوں میں امام صالح جزرہؒ (م ۲۹۳ھ) امام عجلیؒ (م ۲۶۱ھ) اور امام احمدؒ (م ۲۴۱ھ) وغیرہ جیسے لوگ بھی ہیں،[۳] حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) کا بھی اس کے بارے میں یہی فیصلہ ہے کہ یہ صَدوق (انتہائی راست باز) ہے،اگرچہ اس سے غلطیاں بھی ہوئی ہیں۔[۴]

لہٰذا اس کی روایت کو ابوشیبہؒ کی روایت کی تائید میں پیش کیا جا سکتا ہے۔نیز یونس بن حبابؒ اور حکم بن عتیبہؒ (م ۱۱۵ھ) سے بھی منقول ہے کہ:

---

[۱] تنقیح الکلام (ص ۲۴۸)

[۲] الاصابۃ (۲:۵۷)

[۳] تھذیب التھذیب (۱:۴۲۹)

[۴] تقریب التھذیب (۱:۱۸۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

جنگِ صفین میں اسی (۸۰) بدری صحابہ شریک ہوئے تھے۔[۱]

یہ سب شواہد ابوشیبہؒ کی روایت کو درست اور امام شعبہؒ کی تکذیب کو غلط ثابت کر رہے ہیں۔
حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) کے نزدیک بھی شعبہؒ کی یہ تکذیب ناقابلِ قبول ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب ''تقریب التھذیب'' میں راویوں سے متعلق بارہ طبقات قائم کیے ہیں، اور ان میں سے گیارہویں طبقہ میں وہ اس راوی کو شمار کرتے ہیں جس پر جھوٹ کی تہمت ہو، جب کہ بارہویں طبقہ میں وہ اس راوی کو شمار کرتے ہیں جس کو صراحتاً جھوٹ سے موصوف کیا گیا ہو[۲]
لیکن حافظ موصوف نے ابوشیبہؒ کو گیارہویں یا بارہویں طبقہ میں ذکر کرنے کے بجائے اس کو ''متروک الحدیث'' کہا ہے جو کہ ان کی تصریح کے مطابق دسواں طبقہ ہے۔
اور پھر اپنی کتاب ''فتح الباری'' میں اس کو حافظ الحدیث قرار دے کر اور اس کی حدیث کی تصحیح کر کے اپنی اس جرح سے بھی رجوع کر لیا ہے، جیسا کہ غیر مقلدین کے حوالے سے گزرا ہے۔ لہٰذا حافظ ابن حجرؒ کی تحقیق میں بھی ابوشیبہؒ پر جھوٹ کا الزام غلط ہے۔
ثانیاً: یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں ''کَذَبَ'' قصداً جھوٹ بولنے کے معنیٰ میں نہ ہو، کیونکہ ''کَذَبَ'' کا اطلاق صرف قصداً جھوٹ بولنے پر نہیں ہوتا، بلکہ کبھی کبھی اس کا اطلاق کسی بات کو بلا تحقیق نقل کرنے پر بھی ہوتا ہے۔[۳]

---

[۱] بغیۃ الطلب فی تاریخ حلب (۱:۳۱۱)، التدوین فی اخبار قزوین (۱:۱۹۳)

[۲] مقدمۃ تقریب التھذیب (۱:۲۵)

[۳] سنابلی صاحب نے امام قدوریؒ (م ۴۲۸ھ) کی کتاب التجرید (ص ۲۰۳) کے حوالہ سے جو ذکر کیا ہے کہ امام موصوف نے ابوشیبہؒ کو کذاب کہا ہے۔ (انوار التوضیح ص ۲۰۳) تو یہاں بھی کذاب بمعنی خطا کار ہے، جیسا کہ آگے متن میں غیر مقلدین کے استاذ العلماء مولانا محمد گوندلویؒ (م ۱۴۰۵ھ) کے حوالہ سے آ رہا ہے کہ لفظ کذاب خطا کار کے معنی میں بھی آتا ہے۔
مولانا گوندلویؒ کے شاگرد مولانا ارشاد الحق اثری نے امام شعبیؒ کے حارث اعورؒ سے متعلق قول: ''کذاب'' کے بارے میں بحوالہ امام ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) لکھا ہے:
رہا امام شعبیؒ کا قول کہ حارث کذاب ہے، تو یہ اس پر محمول ہے کہ انہوں نے کذب سے خطا مراد لی ہے۔ تنقیح الکلام (ص ۲۴۶) بحوالہ سیر اعلام النبلاء (۴۰:۱۵۳)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) نے اس کی کئی مثالیں ذکر کی ہیں۔[۱]

اور یہاں بھی یہی معنیٰ قرین قیاس ہے، کیوں کہ امام شعبہؒ جنہوں نے خود ابراہیم ابوشیبہؒ سے روایت لی ہے (اور غیر مقلدین کے حوالہ سے گزرا ہے کہ وہ صرف ثقہ راوی سے روایت کرتے ہیں) وہ کیسے ابوشیبہؒ کو جھوٹا کہہ سکتے ہیں؟ اس صورت میں کَذَبَ کا مطلب ہوگا کہ ابوشیبہؒ نے بلاتحقیق حکمؒ کی روایت کو آگے بیان کردیا ہے کہ جنگ صفین میں ستر بدری صحابہؓ نے شرکت کی تھی، فلا اشکال۔

یا یہاں "کَذَبَ" "خَطَأَ" کے معنیٰ میں ہے۔ یعنی ابوشیبہؒ سے حدیث بیان کرنے میں خطا اور غلطی ہوئی ہے، کیونکہ "کَذَبَ" "خَطَأَ" کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔

چنانچہ حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

"وَقَدْ يُطْلَقُ الْكَذِبُ عَلَى الْخَطَأِ"[۲]

"کبھی کذب کا لفظ خطا کے لیے بھی بولا جاتا ہے"۔

علامہ ابن الاثیر جزریؒ (م ۶۰۶ھ) اور علامہ طاہر صدیقی پٹنیؒ (م ۹۸۶ھ) لکھتے ہیں:

"وَقَدِ اسْتَعْمَلُوا الْكَذِبَ عَلَى الْخَطَإِ"۔[۳]

"محدثین کبھی کبھی کذب کو خطا اور غلطی کے معنیٰ میں بھی استعمال کرتے ہیں"

امام ابن عبد البر مالکیؒ (م ۴۶۳ھ) نے بھی تصریح کی ہے:

"قَوْلُهُ: كَذَبَ هَاهُنَا مَعْنَاهُ غَلِطَ، وَهُوَ مَعْرُوفٌ فِي اللُّغَةِ"[۴]

"یہاں کَذَبَ کا مطلب ہے اس نے غلطی کی ہے، اور لغت میں کذب کا مطلب

---

[۱] مثلاً دیکھیے فتح الباری (۸: ۱۱، ۱۳: ۲۱۳)

[۲] مقدمہ فتح الباری (ص ۱۸۰)

[۳] النہایۃ (۴: ۱۵۹)، مجمع بحار الانوار (۴: ۳۹۰)

[۴] الاستذکار شرح الموطأ (۴: ۱۱۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

غلطی کرنا مشہور ہے۔

غیر مقلدین حضرات بھی ضرورت پڑنے پر ”کَذَبَ“ کو ”خَطَأَ“ کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ امام مالکؒ (م ۱۷۹ھ) نے حدیث کے ایک راوی محمد بن اسحاق (م ۱۵۰ھ) کو کذاب قرار دیا ہے۔ اس پر مولانا ارشاد الحق اثری، امام یحییٰ بن معینؒ (م ۲۳۳ھ) کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

غالباً انہوں (امام مالکؒ۔) نے کلام میں غلطی (خطا) کی بنا پر کذاب کہا ہے۔ [۱]

غیر مقلدین کے استاذ العلماء مولانا محمد گوندلویؒ (م ۱۴۰۵ھ) ارقام فرماتے ہیں:

اگرچہ کذاب بہت بڑا لفظ ہے، مگر جس وقت اس کی حقیقت معلوم ہو جائے، تو اس صورت میں جرح کا سبب نہیں، ”کذب“ اصل میں خلافِ واقعہ بات کو کہتے ہیں۔ اگر عمداً کی جائے تو جرح ہے ورنہ نہیں، اس لیے کسی کو یہ کہنا کہ اس کی بات کذب ہے، اس کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ واقعہ کے خلاف ہے۔ [۲]

نیز گوندلوی صاحبؒ لکھتے ہیں:

عروہؒ بن زبیرؓ سے کسی نے کہا کہ بقول ابن عباس: رسول کریم ﷺ نبوت کے تیرہ برس مکہ میں رہے تھے۔ وہ بولے ”کَذَبَ“ یعنی غلط کہا۔ ”کذب“ اس قول کو بھی کہتے ہیں، جو واقعہ کے خلاف ہو، ہر جگہ اس کے معنے ”جھوٹ“ کرنا مناسب نہیں۔ [۳]

کیا غیر مقلدین حضرات، ابراہیم ابوشیبہؒ کے بارے میں بھی یہی فیصلہ صادر کریں

---

[۱] دیکھئے ”توضیح الکلام“ (۱:۲۴۰)

[۲] دوام حدیث (ص ۲۶۲)

[۳] ایضاً (ص ۵۶۳) نیز دیکھئے ص ۵۶۶،۵۶۴

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

گے؟ دیدہ باید۔[۱]

[۱] مولانا رحمانی نے امام شعبہؒ کے مذکورہ قول: کَذَبَ کا معنیٰ خَطأً (ابوشیبہؒ کو بیان کرنے میں غلطی لگی ہے) کو غلط ثابت کرنے کے لیے ان کا ایک اور قول نقل کیا ہے، جس میں انہوں نے اپنے ایک شاگرد کو ابوشیبہؒ سے حدیث لکھنے سے منع کیا ہے، اور کہا ہے کہ وہ رَجُلٌ مَذْمُوْمٌ (برا آدمی) ہے۔

اور پھر رحمانی صاحب لکھتے ہیں:

اگر ابراہیم (ابوشیبہ) کے متعلق شعبہ کا واقعی یہی خیال ہوتا کہ ان سے بھول ہوگئی ہے، یا انہوں نے ایک بات بے تحقیق نقل کر دی ہے تو کیا ابراہیم سے روایت لینے کے بارے میں وہ اتنا تشدد اختیار کر لیتے کہ ان کی ساری روایتوں کو ناقابل اعتبار قرار دے دیتے؟ اور لکھ دیتے کہ: لَا تَكْتُبْ عَنْهُ شَيْئًا. یا لَا تَرْوِ عَنْهُ شَيْئًا (ان سے کوئی حدیث مت لو) اتنا ہی نہیں، بلکہ اس کی وجہ یہ بتائی کہ فَإِنَّهُ رَجُلٌ مَذْمُوْمٌ (اس لیے کہ یہ برا آدمی ہے) کیا بھول چوک ہو جانے سے بھی کسی انسان کی اس طرح مذمت کی جاتی ہے؟ انوار المصابیح (ص ۱۷۸، ۱۷۹) نیز دیکھئے انوار التوضیح (ص ۳۳۶، ۳۳۷)

جواب: کسی محدث کا کسی راوی سے حدیث لکھنے یا روایت کرنے سے منع کرنا باقرار غیر مقلدین کوئی جرح نہیں ہے، چنانچہ غیر مقلدین کے ذہبی العصر شیخ عبدالرحمٰن معلمیؒ (م ۱۳۸۶ھ) امام ابن معینؒ کے اسی طرح کے قول پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

إِنَّ كَلِمَةَ "لَا تَكْتُبْ حَدِيْثَهُ" لَيْسَتْ بِصَرِيْحَةٍ فِي الْجَرْحِ (التنکیل ۱:۱۰۹)

کلمہ لَا تَكْتُبْ حَدِيْثَهُ (اس روای سے حدیث نہ لکھو) جرح میں صریح نہیں ہے۔

پس جب امام شعبہؒ کا یہ قول جرح میں صریح ہی نہیں تو پھر اس کے بل بوتے یہ دعوٰی کرنا کہ: امام شعبہؒ کا قول: کَذَبَ یہاں جھوٹ بولنے کے معنی میں ہے، اور ابوشیبہؒ کی ساری روایات ان کے نزدیک ردی ہیں، کیسے قرین انصاف ہو سکتا ہے؟

نیز مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں: امام بخاریؒ نے بھی لکھا ہے کہ محمد بن فلیح نے فرمایا:

مجھے امام مالکؒ نے قریش کے دو شیوخ سے (حدیث روایت کرنے سے) منع کیا، حالانکہ انہوں نے (خود) موطا میں ان سے روایت لی ہے، اور وہ دونوں ایسے ہیں کہ ان سے احتجاج کیا جاتا ہے۔ (تھذیب ۹:۴۱)

ظاہر ہے کہ ان سے ممانعت کا تعلق حدیث کے حوالے سے نہیں، ورنہ وہ (امام مالکؒ) خود ان سے روایت نہ لیتے۔ تنقیح الکلام (ص ۲۵۰) نیز دیکھئے مقالاتِ راشدیہ (۶:۲۸۱)

امام شعبہؒ نے بھی ابوشیبہؒ سے روایت لی ہے، لہٰذا اگر وہ ان کے نزدیک روایت حدیث میں جھوٹا ہوتا تو وہ خود اس سے روایت کیوں لیتے؟ معلوم ہوا کہ ان کا اپنے شاگرد ابوشیبہؒ سے روایت لکھنے سے منع کرنے کا تعلق حدیث سے نہیں ہے۔ رہا شعبہؒ کا ابوشیبہؒ کو "رجل مذموم" کہنا، تو عرض ہے کہ ایک راوی کو ابن الاخرمؒ نے فحاش کہا، تو اس کے جواب میں مولانا اثری لکھتے ہیں: ہم پوچھنا چاہتے ہیں کہ الفاظِ جرح میں یہ لفظ (فحاش) کس درجہ میں شمار ہوا ہے (ایضاً ص ۲۹۳) بنابریں ہم بھی غیر مقلدین سے پوچھتے ہیں کہ "مذموم" الفاظ جرح میں کس درجہ میں شمار ہوا ہے؟ اگر ثبوت فراہم کر دیا جائے تو فبہا، ورنہ اس سے ہاتھ اٹھالیں۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ثالثاً: بالفرض اگر مان لیا جائے کہ کذب یہاں اپنے مشہور معنیٰ (جھوٹ) میں ہی مستعمل ہے، تو پھر یہ امام شعبہؒ کی طرف سے ابو شیبہؒ پر ایک جرح ہے، لیکن امام شعبہؒ کا اس سے روایت لینا اس کی توثیق ہے (جیسا کہ بحوالہ علمائے غیر مقلدین گزرا ہے)۔

اور مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں:

ایک ہی امام کے قول میں اختلاف ہو تو ترجیح توثیق کو ہوتی ہے۔[1]

پس بالفرض اگر امام شعبہؒ نے ابو شیبہؒ کی اصطلاحی معنیٰ میں تکذیب کی بھی ہے تو اس سے روایت لے کر اس کی توثیق کر دی۔ لہٰذا ان کی توثیق ان کی جرح پر راجح ہے بالخصوص جب شعبہؒ باقرار غیر مقلدین جرح میں انتہائی متشدد ہیں[2]۔

امام ابن عدیؒ کی جرح

مولانا نذیر رحمانی صاحبؒ علامہ زیلعیؒ (م ۷۶۲ھ) کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

ابن عدی نے اس (ابراہیم ابو شیبہ) کو لین کہا ہے۔[3]

اب لین کا لفظ الفاظِ جرح میں کس درجہ کا ہے؟ اس کا جواب خود مولانا رحمانی کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں۔ چنانچہ رحمانی صاحبؒ لکھتے ہیں:

محدثین نے "فِيهِ لِينٌ" اور "لَيِّنُ الْحَدِيث" کو بہت ہلکے اور معمولی درجہ کے الفاظ جرح میں شمار کیا ہے۔[4]

نیز لکھتے ہیں: معلوم ہوا کہ جس راوی کے متعلق "فِيهِ لِينٌ" اور "لَيِّنُ الْحَدِيث"

---

[1] "توضیح الکلام" (۱:۵۳۴)

[2] یزید بن معاویہؓ (ص ۶۶۴)

[3] انوار المصابیح (ص ۱۷۰)

[4] ایضاً (ص ۱۱۵)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کہا گیا ہو اس کی روایت قابل طرح و ترک نہیں ہے [۱]

قارئین: یہ ہیں ابو شیبہؒ پر وارد جرحیں جو خود غیر مقلدین کے نزدیک بھی مبہم اور غیر متعلق ہیں۔ اور اس آخری جرح سے تو یہ بھی واضح ہو گیا کہ ابو شیبہؒ اگرچہ مجروح اور کمزور راوی ہے۔ لیکن یہ اتنا کمزور نہیں کہ اس کی حدیث کو ترک کر دیا جائے، لیکن اس کے باوجود غیر مقلدین کا تعصب اور ان کی بے انصافی ملاحظہ کریں کہ جو جرحیں خود ان کے نزدیک بھی ناقابل قبول ہیں، ان ہی کے بل بوتے وہ ابو شیبہؒ کو کس طرح انتہائی ضعیف قرار دیکر اس کی مذکورہ بیس تراویح والی روایت کو موضوع تک قرار دینے سے نہیں چونکتے، اس کی وجہ محض یہ ہے کہ یہ روایت ان کے مذہب کے خلاف ہے، لیکن یہی راوی ابو شیبہؒ جب ان کے مذہب کے موافق کوئی روایت نقل کر دے تو پھر ابو شیبہؒ نہ تو ضعیف ہے اور نہ اس کی روایت موضوع ہے۔ وَإِلَى اللهِ الْمُشْتَكَى۔

مثلاً مشہور غیر مقلد لکھاری مولانا محمد صادق سیالکوٹی صاحبؒ (م) جن کی کتاب "صلوٰۃ الرسول" غیر مقلدین کے ہاں نہایت مشہور اور معتبر کتاب سمجھی جاتی ہے، اور یہ کتاب غیر مقلدین کے تمام اکابر (مولانا داؤد غزنویؒ، مولانا اسمٰعیل سلفیؒ، مولانا عبداللہ امرتسریؒ، مولانا نور حسین گرجاکھیؒ، مولانا احمد دین لتھا گھکڑویؒ، اور مولانا محمد گوندلویؒ وغیرہ کی مصدقہ ہے)۔ اس کتاب میں مولانا سیالکوٹی نے نماز جنازہ میں سورت فاتحہ پڑھنے پر بطور دلیل "سنن ابن ماجہ" سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت پیش کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نماز جنازہ میں سورت فاتحہ پڑھتے تھے۔ [۲]

حالانکہ یہ روایت بھی "سنن ابن ماجہ" (۱۴۹۵) میں اسی ابو شیبہؒ سے مروی ہے، لیکن اس کے

---

[۱] ایضاً

[۲] صلوٰۃ الرسول (ص ۴۳۴) مطبوعہ نعمانی کتب خانہ لاہور

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

باوجود مولانا سیالکوٹی صاحب بڑے طمطراق سے اس روایت سے استدلال کر رہے ہیں، اور نہ خود انہوں نے، اور نہ ہی اُن کی کتاب کے مُصدِّقین میں سے کسی نے اس روایت کے راوی ابو شیبہؒ کے ضعف کی طرف کوئی ادنیٰ سا اشارہ کیا ہے۔ یہ ہے ان غیر مقلدین کا انصاف!

ع این گنا ہیست کہ درشہر شمانیز کنند

بہر حال ہمیں یہ تسلیم ہے کہ ابو شیبہؒ ایک مجروح راوی ہے، اور وہ ثقاہت کے کسی اونچے درجے کا حامل نہیں، لیکن وہ اتنا کمزور راوی بھی نہیں (جیسا کہ غیر مقلدین حضرات باور کراتے ہیں) کہ اس کی روایت کو موضوع یا بالکل ردی قرار دے دیا جائے۔ اگر ہماری یہ بات تسلیم نہ ہو تو آئیے اہل سنت والجماعت اور غیر مقلدین دونوں کی مسلم شخصیت اور غیر مقلدین کے شیخ الکل مولانا نذیر حسین دھلویؒ (م ۱۳۲۰ھ) کے استاذ الاستاذ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ (م ۱۲۳۹ھ) سے اس کا فیصلہ کرا لیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ اپنے فتویٰ میں اس بیس تراویح والی روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو نقل کرنے کے بعد ارقام فرماتے ہیں:

امام بیہقی ایں روایت را تضعیف نمودہ بآنکہ راوی ایں حدیث جد ابو بکر ابن ابی شیبہ است، حال آنکہ ابو شیبہ جد ابو بکر بن ابی شیبہ آں قدر ضعف ندارد کہ روایت او را مطروح مطلق ساختہ شود۔[1]

امام بیہقیؒ نے اس روایت کو اس بنا پر ضعیف قرار دیا ہے کہ اس روایت کا ایک راوی ابو شیبہؒ جو امام ابو بکر بن ابی شیبہؒ کا دادا ہے، ضعیف ہے، حالانکہ ابو بکر بن ابی شیبہؒ کا دادا، ابو شیبہؒ اس قدر ضعیف نہیں کہ اس کی روایت کو بالکل مسترد کر دیا جائے۔

یہ ہے اس شخصیت کا فیصلہ جس کو خود غیر مقلدین بھی اپنا پیشوا مانتے ہیں۔

---

[1] فتاویٰ عزیزی (۱:۱۱۹) مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ضد چھوڑیئے برسر انصاف آئیے
انکار ہی رہے گا میری جان کب تلک

جوابِ ثانی:

اس حدیث کی سند کو اگرچہ کتنا ہی ضعیف مان لیا جائے، لیکن یہ بات یقینی ہے کہ اس حدیث کا متن بالکل صحیح اور قابل عمل ہے۔[۱] کیونکہ اس حدیث کو تَلَقِّیْ بِالْقَبُوْل حاصل ہے کہ تمام امت نے بالاتفاق اس کے مضمون (بیس تراویح) کو عملی طور پر قبول کیا ہے۔ خصوصاً حضرات خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے دورِ مسعود میں اس حدیث کو شرفِ قبولیت حاصل رہا، اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کے مضمون (بیس تراویح) پر اجماع اور اتفاق کیا ہے۔ چنانچہ مشہور محدث امام حافظ ابوالحسن ابن القطان فاسیؒ (م ۶۲۸ھ) نے بیس تراویح پر اجماع صحابہؓ نقل کیا ہے، اور اس تصریح سے پہلے انہوں نے یہی حدیث ابن عباسؓ ذکر کی ہے۔[۲] گویا حافظ ابن القطانؒ جیسے محدث کے نزدیک بھی یہ حدیث اجماعِ صحابہؓ سے مؤید ہے۔ اور یہ بات خود غیر مقلدین کے اکابر کو بھی تسلیم ہے۔

---

[۱] جس طرح حدیث کی سند کا صحیح ہونا اس کے متن کی صحت کو مستلزم نہیں ہے، کما قالہ المبارکفوری فی "ابکار المنن" (ص ۲۸) اسی طرح سند کا ضعیف ہونا اس کے متن کے ضعف کو مستلزم نہیں، چنانچہ مولانا عبدالرحمن مبارکپوری، امام ترمذیؒ کے قول: هٰذَا الْحَدِيْثُ لَا يَصِحُّ مِنْ قِبَلِ إِسْنَادِهٖ (یہ حدیث سند کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے) کے تحت لکھتے ہیں: أَيْ مِنْ جِهَةِ إِسْنَادِهٖ وَإِنْ كَانَ صَحِيْحًا بِاعْتِبَارِ مَعْنَاهُ "تحفۃ الاحوذی" (۴: ۲۶۰) یہ حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف ہے، اگرچہ اس کا معنیٰ (مضمون) صحیح ہے۔

معلوم ہوا کہ کوئی حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف ہونے کے باوجود اپنے مضمون کے لحاظ سے صحیح ہو سکتی ہے، جیسا کہ یہ مذکورہ حدیث ابن عباسؓ ہے۔

[۲] الاقناع فی مسائل الاجماع (۱: ۱۷۴) طبع الفاروق الحدیثیۃ قاہرہ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

چنانچہ غیر مقلدین کے رئیس المحققین مولانا نواب صدیق حسن خان صاحبؒ (م ۱۳۰۷ھ) یہ حقیقت بے چوں و چرا تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وَقَدْ عَدُّوْا مَا وَقَعَ فِیْ زَمَنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ کَالْاِجْمَاعِ"۔ [۱]

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جو طریقہ بیس تراویح کا رائج ہوا، اس کو علماء نے مثل اجماع کے شمار کیا ہے۔"

نامور غیر مقلد عالم مولانا وحید الزمانؒ (م ۱۳۳۸ھ) رقم طراز ہیں:

کوئی یہ وہم نہ کرے کہ حضرت عمرؓ نے اپنی طرف سے (تراویح کی جماعت مقرر کرکے۔ناقل) دین میں ایک بات شریک کر دی جس کا اختیار ان کو نہ تھا۔ اسی طرح بیس رکعت تراویح کا حکم اپنی رائے سے دے دیا۔ حاشا و کلا کہ حضرت عمرؓ ایسا کرتے، بلکہ انہوں نے طریقہ نبوی ﷺ کا اتباع کیا۔ آنحضرت ﷺ کی حیات میں ایک ہی امام کے پیچھے سب نے تراویح پڑھی۔ ایک مسجد میں متعدد جماعتیں ایک ہی وقت آنحضرت ﷺ کے عہد میں کبھی نہیں ہوئیں۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے ضرور آنحضرت ﷺ کو بیس رکعتیں تراویح کی بھی پڑھتے دیکھا ہوگا۔ گو ہم تک یہ روایت بہ سند صحیح نہیں پہنچی۔ اس کی سند میں ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان منکر الحدیث ہے۔ مگر حضرت عمرؓ کا زمانہ اس سے بہت پہلے تھا۔ ان کو بہ سند صحیح یہ روایت پہنچ گئی ہو گی، یا انہوں نے خود دیکھا ہوگا۔ [۲]

مولانا میاں غلام رسول صاحبؒ (م ۱۲۹۱ھ) لکھتے ہیں:

حضرات صحابہ کرامؓ، ائمہ اربعہ اور مسلمانوں کی عظیم جماعت کا عمل یہ ہے کہ وہ

---

[۱] عون الباری لحل ادلۃ البخاری (۵:۱۸۹) طبع دار النوادر دمشق

[۲] لغات الحدیث (جلد چہارم، کتاب "ز" ص ۴۵، مادہ و زع) طبع میر محمد کتب خانہ کراچی

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

حضرت عمرؓ کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک مشرق ومغرب میں تیئس (۲۰ تراویح اور ۳ وتر) ہی پڑھتے ہیں۔[۱]

ان اقتباسات سے واضح ہوگیا کہ حدیث ابن عباسؓ سند کے اعتبار سے اگر ضعیف ہے بھی تو پھر بھی اُمت کے تعامل اور توارث سے مؤید ہے، اور اس کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور امتِ مسلمہ کی طرف سے تَلَقِّیْ بِالْقُبُوْل حاصل ہے، اور یہ طے شدہ اصول ہے کہ جس حدیث کو تلقی بالقبول حاصل ہو جائے وہ سند کے اعتبار سے کتنی ہی ضعیف کیوں نہ ہو پھر بھی وہ قابل عمل اور قابل حجت ہوتی ہے۔

امیر المؤمنین فی الحدیث امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ (م ۲۵۶ھ) نے اپنی صحیح میں ایک نہایت ضعیف حدیث سے استدلال کیا ہے، شارح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے:

''وَهُوَ اِسْنَادٌ ضَعِيْفٌ، لٰكِنْ قَالَ التِّرْمِذِيُّ: اِنَّ الْعَمَلَ عَلَيْهِ عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ وَكَاَنَّ الْبُخَارِيَّ اعْتَمَدَ عَلَيْهِ لِاعْتِضَادِهٖ بِالْاِتِّفَاقِ عَلٰى مُقْتَضَاهُ، وَاِلَّا فَلَمْ تَجْرِ عَادَتُهٗ اَنْ يُّوْرِدَ الضَّعِيْفَ فِيْ مَقَامِ الْاِحْتِجَاجِ بِهٖ۔''[۲]

اس حدیث کی سند ضعیف ہے، لیکن امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ: اہلِ علم کا اس حدیث پر عمل ہے، گویا کہ امام بخاریؒ نے بھی اس حدیث پر اعتماد (کرکے اس کو اپنی صحیح میں بطور احتجاج ذکر) اس لیے کیا ہے، کیونکہ یہ (امت کے) اتفاقِ عمل سے مؤید ہے، ورنہ امام بخاریؒ کی (اپنی صحیح میں) کسی ضعیف حدیث کو معرضِ استدلال میں پیش کرنے کی عادت نہیں ہے۔

---

[۱] رسالہ تراویح مع ینابیع (ص ۲۸)

[۲] فتح الباری (۵: ۴۷۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

خود حافظ ابن حجرؒ نے بھی کئی مقامات پر یہ تصریح کی ہے کہ ضعیف حدیث امت کے عمل سے مؤید ہو کر قابلِ حجت ہو جاتی ہے۔[۱]

حافظ ابن حجرؒ کے شاگرد حافظ سخاویؒ (م ۹۰۲ھ) ارقام فرماتے ہیں:

"وَكَذَا إِذَا تَلَقَّتِ الْأُمَّةُ الضَّعِيفَ بِالْقُبُولِ يُعْمَلُ بِهِ عَلَى الصَّحِيحِ۔"[۲]

"اسی طرح جب کسی ضعیف حدیث کو اُمت کی طرف سے تلقی بالقبول حاصل ہو جائے تو وہ صحیح قول کے مطابق معمول بہ ہو جاتی ہے۔"

شارح موطا امام ابن عبد البر مالکیؒ (م ۴۶۳ھ) ایک حدیث کے راوی (کثیر بن عبداللہ بن عمرو) کو متروک الحدیث قرار دینے کے بعد لکھتے ہیں:

"وَالْحَدِيثُ صَحِيحٌ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَدْ تَلَقَّاهُ الْعُلَمَاءُ بِالْقُبُولِ۔"[۳]

"اور یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح ثابت ہے، کیونکہ اس کو علماء کی تلقی بالقبول حاصل ہے۔"

حافظ بدر الدین زرکشیؒ (م ۷۹۴ھ) اور حافظ جلال الدین سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) وغیرہ محدثین نے بھی تصریح کی ہے کہ ضعیف حدیث اُمت کے تلقی بالقبول کی وجہ سے قابلِ عمل ہو جاتی ہے۔[۴]

---

[۱] مثلاً دیکھئے النکت علی کتاب ابن الصلاح (ص ۹۶، ۱۲۶) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت، لسان المیزان (۵۰۵:۴) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

[۲] فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث (۳۱۲:۱) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

[۳] الاستذکار شرح الموطا (۱۸۵:۷) نیز دیکھئے کتاب مذکور (۲۶۵:۷، ۲۹:۳، ۱۲۵:۸، ۳۷:۸)

[۴] النکت علی مقدمۃ ابن الصلاح (ص ۴۷) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت، تدریب الراوی (۴۷:۱) طبع دار الکتب العربی بیروت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اور خود علمائے غیر مقلدین کو بھی اس کا اقرار ہے۔ چنانچہ مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحبؒ (م ۱۳۶۷ھ) لکھتے ہیں:

بعض ضُعف ایسے بھی ہیں جو امت کی تَلَقِّیْ بِالْقُبُوْل سے رفع ہو گئے ہیں۔[۱]

مولانا عبدالجبار غزنویؒ (م ۱۳۳۱ھ) ایک حدیث کی تحقیق میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں اگرچہ قدرے ضعف ہے، مگر تعامل اہلِ علم سے حدیث کا ضعف رفع ہوتا ہے، جیسا کہ اصول حدیث میں ہے کہ تعامل اہلِ علم سے حدیث کا ضعف رفع ہو جاتا ہے۔[۲]

مولانا علی محمد سعیدیؒ (م) مرتب "فتاویٰ علمائے حدیث" ارقام فرماتے ہیں:

ضعیف حدیث کی تائید اقوالِ صحابہ یا تعامل امت سے ہو تو اس میں تقویت آجاتی ہے، جیسا کہ اصولِ حدیث میں مذکور ہے۔[۳]

نیز مولانا عبدالجبار غزنویؒ ارقام فرماتے ہیں:

ضعیف حدیث جبکہ قرون مشہود لھا بالخیر (خیر القرون۔ناقل) میں معمول بہ ہو وہ امت کے ہاں مقبول ہے۔[۴]

نواب صدیق حسن خان صاحبؒ (۱۳۰۷ھ) نے ایک حدیث کے متعلق تصریح کی ہے کہ:

اس حدیث کے ضُعف پر تمام محدثین کا اتفاق ہے، لیکن چونکہ اس حدیث کے مضمون کو

---

[۱] اخبار اہل حدیث ۱۹ اپریل ۱۹۰۷ء۔ بحوالہ رکعات تراویح (ص ۶۱)

[۲] فتاویٰ علمائے حدیث (۲:۱۲۳)

[۳] ایضاً (۵:۲۱۳)

[۴] ایضاً (۷:۷۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

امت کی طرف سے تَلَقِّیْ بِالْقَبُوْل حاصل ہے، اس لیے یہ حدیث قابل حجت و قابل استدلال ہے۔[1]

علامہ ابن حزم ظاہریؒ (م ۴۵۶ھ) ارقام فرماتے ہیں:

"وَ اِذَا وَرَدَ حَدِیْثٌ مُرْسَلٌ، اَوْ فِیْ اَحَدِ نَاقِلِیْهِ ضَعِیْفٌ، فَوَجَدْنَا ذٰلِكَ الْحَدِیْثَ مُجْمَعًا عَلٰی اَخْذِهٖ وَالْقَوْلِ بِهٖ، عَلِمْنَا یَقِیْنًا اَنَّهٗ حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ لَاشَكَّ فِیْهِ"[2]

"جب کوئی مرسل حدیث ہو، یا کوئی ایسی حدیث ہو جس کے راوی میں ضعف ہو، اور ہم یہ دیکھیں کہ سب لوگوں کا اس پر اجماع ہے، اور سب اس کے قائل ہیں، تو اس سے یقیناً ہم یہ جان لیں گے کہ وہ حدیث بلا شک وشبہ صحیح ہے۔

قاضی محمد شوکانیؒ (م ۱۲۵۰ھ) ایک حدیث کی تحقیق میں امام خطابیؒ (م ۳۸۸ھ) کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"هٰذَا حَدِیْثٌ قَدِ اصْطَلَحَ الْفُقَهَاءُ عَلٰی قَبُوْلِهٖ، وَذٰلِكَ یَدُلُّ عَلٰی اَنَّ لَهٗ اَصْلًا، وَاِنْ كَانَ فِیْ اِسْنَادِهٖ مَقَالٌ، كَمَا اصْطَلَحُوْا عَلٰی قَبُوْلِ: لَا وَصِیَّةَ لِوَارِثٍ، وَاِسْنَادُهٗ فِیْهِ مَا فِیْهِ۔"[3]

"یہ ایسی حدیث ہے کہ فقہاء نے بالاتفاق اس حدیث کو قبول کیا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی کوئی اصل ہے، اگر چہ اس کی سند میں کلام ہے۔ جیسا کہ فقہاء نے "لَا وَصِیَّةَ لِوَارِثٍ" والی روایت کو قبول کر کے اس سے احکام مستنبط کیے ہیں، حالانکہ اس کی سند میں جو ضعف ہے وہ ظاہر ہے۔"

[1] الروضۃ الندیہ (۱:۵،۶) طبع ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر
[2] توجیہ النظر (ص ۱۴۱،۱۴۲) طبع دار السلام، قاہرہ۔
[3] نیل الاوطار (۲:۱۲۴) طبع دار المعرفہ بیروت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

مولانا محمد اسمٰعیل سلفی صاحبؒ (م ۱۳۸۷ھ) سابق امیر جمعیت اہل حدیث "سنن ابن ماجہ" کی ایک ضعیف روایت کو معرضِ استدلال میں پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند بالاتفاق ضعیف ہے لیکن اس زیادت کو تمام امت نے بالاتفاق قبول کیا ہے۔ [۱]

نیز مولانا سلفیؒ "سنن ابن ماجہ" کی ایک اور حدیث سے استدلال کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

ابن ماجہ کی روایت (اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ) کو ضعف کے باوجود جمہور امت نے قبول فرمایا ہے۔ اس لیے اسے طبرانی اور ابو یعلی کی ضعیف روایات پر ترجیح ہوگی۔ لِتَلَقِّی الْاُمَّۃِ مَفْھُوْمَھَا بِالْقُبُوْلِ (کیونکہ امت کی طرف سے اس کے مفہوم کو تَلَقِّیْ بِالْقُبُوْل حاصل ہے)۔ [۲]

پس جب محدثین کی طرح اکابر علمائے غیر مقلدین کو بھی تسلیم ہے کہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کو تَلَقِّیْ بِالْقُبُوْل حاصل ہے، اور وہ یہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ اگر کوئی حدیث ضعیف بھی ہو تو تَلَقِّیْ بِالْقُبُوْل کی وجہ سے اس کا ضعف ختم ہو جاتا ہے، لہٰذا یہ حدیث خود غیر مقلدین کے مسلمات کی روشنی میں بھی بالکل صحیح اور قابلِ عمل ہے۔

حدیث نمبر ۲

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) بحوالہ امام رافعیؒ (م ۶۲۳ھ) نقل کرتے ہیں:

" اَنَّہٗ ﷺ صَلّٰی بِالنَّاسِ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً لَیْلَتَیْنِ، فَلَمَّا کَانَ فِی اللَّیْلَۃِ الثَّالِثَۃِ اجْتَمَعَ النَّاسُ فَلَمْ یَخْرُجْ اِلَیْھِمْ، ثُمَّ قَالَ مِنَ

[۱] رسول اکرم ﷺ کی نماز (ص ۱۲) مطبوعہ المکتبۃ السلفیہ لاہور

[۲] تحریک آزادی فکر (ص ۴۳۴) مطبوعہ مکتبہ محمدیہ لاہور

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

الْغَدِ: خَشِيْتُ اَنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ فَلَا تُطِيْقُوْهَا "۔[۱]

"نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو (رمضان المبارک کی) دو راتوں میں بیس بیس رکعتیں (تراویح کی) پڑھائیں۔ جب تیسری رات ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پھر (مسجد نبوی میں) جمع ہوئے، لیکن نبی علیہ السلام تشریف نہیں لائے، پھر دوسرے دن فرمایا کہ مجھے یہ خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ ہو جائے اور پھر تم اس کی طاقت نہ رکھ سکو۔

اس روایت کی سند اگرچہ علامہ رافعیؒ نے ذکر نہیں کی، لیکن اگر ضعیف بھی ہو تو پھر بھی تَلَقِّیْ بِالْقَبُوْل سے مؤید ہونے کی وجہ سے صحیح ہے۔

حدیث نمبر ۳:

"عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ؓ قَالَ: خَرَجَ النَّبِیُّ ﷺ ذَاتَ لَیْلَةٍ فِیْ رَمَضَانَ، فَصَلَّی النَّاسَ اَرْبَعَةً وَّعِشْرِیْنَ رَکْعَةً وَاَوْتَرَ بِثَلٰثَةٍ "۔[۲]

"حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رمضان المبارک میں ایک رات نبی ﷺ گھر سے باہر مسجد میں تشریف لائے، اور لوگوں (صحابہ کرامؓ) کو چوبیس رکعتیں (۴ عشاء کی اور بیس تراویح کی) پڑھائیں، اور تین رکعات وتر کی پڑھائیں۔

یہ حدیث اگرچہ سند کے اعتبار سے ضعیف ہے۔ کیونکہ اس میں محمد بن حمید رازی وغیرہ ضعیف راوی ہیں۔ لیکن یہ روایت باقرار غیر مقلدین پہلی دو روایات کے لیے مؤید بننے کے قابل ہے۔ چنانچہ مولانا مبارکپوری وغیرہ علمائے غیر مقلدین کے استاذ اور بزرگ غیر مقلد عالم

---

[۱] تلخیص الحبیر (۲:۴۵) طبع مؤسسۃ قرطبۃ

[۲] تاریخ جرجان (ص ۱۴۲ ترجمہ علی بن محمد بن احمد القصری) للسہمی طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

مولانا عبداللہ غازیپوری (م ۱۳۳۷ھ) ایک حدیث، جس کی سند میں محمد بن حمید رازی وغیرہ ضعیف راوی ہیں، ذکر کرکے لکھتے ہیں:

اگرچہ اس کے بعض رُواۃ متکلم فیہ ہیں، لیکن تاہم مذکورہ بالا حدیث کی تائید سے خالی نہیں۔[۱]

نیز پہلی دو روایات کی طرح اس کے متن کو بھی امت کی طرف سے تَلَقِّی بِالْقُبُوْل حاصل ہے، اس لیے یہ قابل عمل و قابل حجت ہے۔

❁❁❁❁❁

[۱] مجموعہ رسائل غازیپوری (ص ۳۴۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بیس تراویح

عہد خلفاء راشدین میں

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بیس تراویح عہد خلفاء راشدین میں

ذیل میں وہ روایات ملاحظہ ہو جن میں خلفاء راشدین رضی اللہ عنھم کا بیس تراویح پڑھنے کا حکم، یا ان کے عہد میں بیس تراویح پڑھے جانے کا ذکر ہے۔ اور اس کا آغاز عہدِ فاروقی سے متعلق روایات سے کیا جائے گا، کیوں کہ بیس تراویح کی جماعت کا باقاعدہ آغاز ان ہی کے دورِ مسعود میں ہوا۔

بیس تراویح عہد فاروقی میں

روایت نمبر ۱:

امام ابو بکر بن ابی شیبہؒ (م ۲۳۵ھ)[۱] فرماتے ہیں:

”حَدَّثَنَا وَكِيعٌ [۲] عَنْ مَالِكٍ [۳] عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ [۴] أَنَّ عُمَرَ

---

[۱] امام ابو بکر بن ابی شیبہ: ثقہ امام ہیں، حافظ ذہبیؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں: الحافظ، عدیم النظر، الثبت النحریر۔ تذکرۃ الحفاظ (۲:۱۶)

[۲] وکیع بن الجراح کوفیؒ (م۱۹۶ھ): حافظ ذہبیؒ ان کے بارے میں فرماتے ہیں: الحافظ، الامام الثبت، محدث العراق، احد الائمۃ الاعلام۔ تذکرۃ الحفاظ (۱:۲۲۳)
حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں: ثقۃ، حافظ، عابد، تقریب التھذیب (۲:۲۸۴) مولانا عبد الرحمن مبارکپوریؒ لکھتے ہیں: اَحَدُ الْاَئِمَّةِ الْاَعْلَامِ ثِقَةٌ حَافِظٌ۔ تحفۃ الاحوذی (۲:۲۴) مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ لکھتے ہیں: اَحَدُ الْاَئِمَّةِ الْاَثْبَاتِ۔ التعلیق المغنی (۲:۲۰)

[۳] امام مالک بن انسؒ (م۱۷۹ھ): ائمہ اربعہ میں سے ایک جلیل القدر امام ہیں، ان کی ثقاہت اور جلالت قدر پر پوری امت کا اتفاق ہے۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں: الفقیہ، امام دار الھجرۃ، رَأْسُ الْمُتْقِنِيْنَ وَكَبِيْرُ الْمُثْبِتِيْنَ۔ تقریب التھذیب (۲:۱۵۱)

[۴] یحیٰ بن سعید انصاریؒ (م ۱۴۴ھ)، امام احمدؒ، یحیٰ بن معینؒ، ابو حاتمؒ، ابن حبانؒ، عجلیؒ وغیرہ سب ائمہ رجال نے ان کی توثیق کی ہے۔ امام بخاریؒ کے استاذ امام علی بن مدینیؒ فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں کبار تابعین کے بعد یحیٰ بن سعیدؒ اور ابن شہابؒ جیسا کوئی تابعی نہیں ہے۔ دیکھئے الجرح والتعدیل (۹:۱۴۹)، تذکرۃ الحفاظ (۱:۱۰۴) وغیرہ۔ امام برھان الدین حلبیؒ لکھتے ہیں: ”وَهُوَ ثِقَةٌ بِالْاِتِّفَاقِ“ (نور النبراس علی سیرۃ ابن سید الناس: ۶:۳۶۶، ۳۶۸) کہ یحیٰ بن سعید بالاتفاق ثقہ ہیں۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بْنَ الْخَطَّابِ اَمَرَ رَجُلًا اَنْ يُّصَلِّيَ بِهِمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً "۔[۱]

"ہم سے وکیع بن جراحؒ نے بیان کیا، وہ امام مالکؒ سے، اور وہ حضرت یحییٰ بن سعید انصاریؒ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی (حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ) کو حکم فرمایا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعات تراویح پڑھائے۔"

یہ روایت سند کے لحاظ سے اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے، البتہ اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ روایت مرسل ہے، کیوں کہ اس کے راوی حضرت یحییٰ بن سعید تابعیؒ (م ۱۴۴ھ) نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یحییٰ بن سعیدؒ نے اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا۔ تو اُن لوگوں کا زمانہ تو ضرور پایا ہے، جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس حکم سے بیس تراویح پڑھا کرتے تھے، اور ایسی روایت متصل سمجھی جاتی ہے، جیسا کہ ما بعد روایت کے ذیل میں نامور غیر مقلد عالم مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری (م ۱۳۵۳ھ) کے حوالے سے آرہا ہے۔

ثانیاً: اگر یہ روایت متصل کی بجائے مرسل بھی ہو، تو بھی قابلِ استدلال ہے، کیونکہ مرسل روایت عندالجمہور حجت ہے۔

حجیّتِ مُرسل کی بحث

مرسل وہ حدیث ہے جس کو کوئی تابعی، صحابی کا واسطہ چھوڑ کر براہ راست رسول اللہ ﷺ سے نقل کرے، یا کسی ایسے صحابی کا قول یا عمل نقل کرے جس کا زمانہ اس نے نہیں پایا، چنانچہ حجۃ الاسلام امام غزالی شافعیؒ (م ۵۰۵ھ) امام ابن قدامہ مقدسی حنبلیؒ (م ۶۲۰ھ) اور امام سلیمان بن عبد القوی طوفی حنبلیؒ (م ۷۱۶ھ) "حدیث مرسل" کی تعریف میں لکھتے ہیں:

---

[۱] مصنف ابن ابی شیبۃ (۲:۲۸۵)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

”كَقَوْلِ مَنْ لَّمْ يُعَاصِرِ النَّبِيَّ ﷺ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ، وَمَنْ لَّمْ يُعَاصِرْ اَبَاهُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ“[۱]

”مرسل وہ حدیث ہے کہ مثلاً وہ شخص جس نے نبی اکرم ﷺ کا زمانہ نہیں پایا، وہ نقل کرے کہ نبی ﷺ نے ایسا فرمایا ہے، یا مثلاً وہ شخص جس نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا وہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرے کہ آپ نے یہ فرمایا ہے۔“

بلند پایہ محدث امام ابوعمرو عثمان بن سعید دانی مالکیؒ (م ۴۴۴ھ) نے اس موضوع پر مستقل ایک کتاب تصنیف کی ہے، جس میں انہوں نے مُسند، مُرسل اور منقطع احادیث کی اصطلاحی تعریفات مع امثلہ بیان کی ہیں، اور اس میں انہوں نے بھی ”مُرسل“ کی دو قسمیں بیان کی ہیں، ایک مرسل مرفوع (جس میں تابعی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صحابیؓ کا واسطہ محذوف ہو) اور دوسری مرسل موقوف (جس میں صحابیؓ سے پہلے واسطہ محذوف ہو) چنانچہ وہ مرسل موقوف کی تعریف میں ارقام فرماتے ہیں:

”وَمِنَ الْمَوْقُوفَاتِ مَا يُرْسَلُ قَبْلَ الْوُصُولِ إِلَى الصَّحَابِيِّ۔“

”موقوفات (صحابہؓ کے اقوال و افعال) میں سے وہ روایت جس میں صحابیؓ تک پہنچنے سے پہلے ارسال (واسطہ محذوف) ہو۔“

اور پھر وہ اس کی پہلی مثال حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول، جس کو اُن سے ابراہیم نخعیؒ روایت کرتے ہیں، ذکر کرنے کے بعد ارقام فرماتے ہیں:

”فَهٰذَا مَوْقُوفٌ عَلَى ابْنِ مَسْعُودٍ، وَمُرْسَلٌ قَبْلَ التَّوْقِيفِ، لِاَنَّ

---

[۱] المستصفی (۲۸۱:۲)، روضۃ الناظر (ص ۲۲۸)، البلبل فی اصول الفقہ (ص ۵۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اِبْرَاهِيْمَ لَمْ يُدْرِكْهُ۔"[1]

"یہ قول حضرت ابن مسعودؓ پر موقوف ہے، اور توقیف سے پہلے مرسل ہے. کیونکہ ابراہیم نخعیؒ نے حضرت ابن مسعودؓ کو نہیں پایا"

بزرگ غیر مقلد عالم مولانا سلطان محمود صاحب جلال پوریؒ (م ۱۴۱۶ھ) "حدیث مرسل" کی تعریف میں ارقام فرماتے ہیں:

جس حدیث میں انقطاع سند کے آخر میں ہو۔[2]

مرسل روایت ائمہ ثلاثہ (امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ) اور جمہور فقہاء و محدثین (امام اوزاعیؒ، امام سفیان ثوریؒ وغیرہ) کے نزدیک مطلق حجت ہے۔ تمام تابعین کرام بھی اس کی حجیت کے قائل ہیں۔

چنانچہ امام ابن جریر طبریؒ (م ۳۱۰ھ) فرماتے ہیں:

"اَجْمَعَ التَّابِعُوْنَ بِاَسْرِهِمْ عَلٰى قُبُوْلِ الْمُرْسَلِ وَلَمْ يَأْتِ مِنْهُمْ اِنْكَارُهٗ، وَلَا عَنْ اَحَدٍ مِّنَ الْاُمَّةِ اِلٰى رَأْسِ الْمِأَتَيْنِ۔"[3]

"حضرات تابعین سب کے سب اس بات پر متفق تھے کہ مرسل قابل قبول ہے۔ اور تابعین سے لے کر دوسری صدی کے آخر تک اُمت میں سے کسی شخص نے اس کے حجت ہونے سے انکار نہیں کیا۔"

امام ابن عبدالبر مالکیؒ (م ۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:

---

[1] کتاب بیان المسند والمرسل والمنقطع (ص ۷۶، ۷۷) طبع دار الآفاق للنشر والتوزیع

[2] اصطلاحات المحدثین (ص ۱۴)

[3] تدریب الراوی (۱:۱۶۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

"إِنَّ أَكْثَرَ الْعُلَمَاءِ مِنَ السَّلَفِ قَبِلُوا الْمُرْسَلَ مِنْ أَحَادِيثِ الْعُدُولِ"[1]

"علمائے سلف کی اکثریت نے عادل راویوں کی مرسل کو قبول کیا ہے۔"

نواب صدیق حسن خانؒ (م ۱۳۰۷ھ) ارقام فرماتے ہیں:

رہی یہ حدیث تو یہ مرسل ہے، لیکن کسی روایت کا ارسال کے ساتھ معلول ہونا اس کے ترک کو واجب نہیں کرتا، کیونکہ مراسیل کو قبول کرنا فحول علمائے اصول کی ایک جماعت کا مذہب ہے۔[۲]

مولانا بشیر سہسوانی غیر مقلد (م ۱۳۲۶ھ) "مرسل" کے بارے میں لکھتے ہیں:

اور ائمہ اربعہ اور اہل حدیث کی ایک جماعت کثیرہ اور جمہور اصولیین کے نزدیک قابل احتجاج ہے، اور شیخین وابن خزیمہ اور حاکم کا میلان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے۔[۳]

مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری (م ۱۴۱۴ھ) لکھتے ہیں:

حدیث مرسل جمہور اصولیین و ائمہ کے نزدیک حجت ہے۔ لَا سِيَّمَا إِذَا اعْتَضَدَ بِالْمَوْصُوْلِ (بالخصوص جب وہ کسی موصول حدیث سے معتضد ہو)۔[۴]

نیز لکھتے ہیں:

وہ (مرسل) عند الجمہور حجت شرعی ہے۔[۵]

البتہ امام شافعیؒ (م ۲۰۴ھ) اور ان کے ہم فکر محدثین اور فقہاء کے نزدیک ہر مرسل

---

[۱] الاستذکار (۷:۱۰۲)

[۲] فتاوی نواب صدیق حسن خان (۴:۱۰)

[۳] فتاوی علمائے حدیث (۱۳:۱۷۹)

[۴] فتاوی مولانا عبید اللہ رحمانی (۱:۳۶۹)

[۵] ایضاً

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

روایت حجت نہیں، بلکہ صرف مرسل مُعتَضد حجت ہے۔ [۱]

[۱] اعتراض: کفایت اللہ سنابلی نے احناف پر مغالطہ آمیزی کا الزام لگاتے ہوئے لکھا ہے: جس مرسل حدیث کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے وہ اصطلاحی مرسل ہے، جس سے مراد ایسی روایت ہے جسے کسی تابعی نے ڈائریکٹ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا ہو، اور تابعی تک سند صحیح ہو لیکن یہاں جو روایات (یحیٰ بن سعید وغیرہ کی) ہیں وہ اس معنیٰ میں مرسل ہرگز نہیں ہیں، کیونکہ ان میں نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہیں ہے لہٰذا یہ روایات منقطع ہیں، اور منقطع روایات پر ارسال کا اطلاق لغوی معنی میں ہوتا ہے، اصطلاحی معنیٰ میں نہیں۔ انوار التوضیح (ص ۳۵۶)

جواب: ہم نے اوپر متن میں مرسل کی جو اصطلاحی تعریف بحوالہ محدثین اور مولانا سلطان محمود غیر مقلد نقل کی ہے، وہ اس مرسل کو بھی شامل ہے، جو ڈائریکٹ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہو، اور اس مرسل کو بھی شامل ہے، جو ایک تابعی اپنے غیر معاصر صحابیؓ سے روایت کر رہا ہو۔

سنابلی صاحب کی مزید تسلی کے لیے ذیل میں محدثین اور علمائے غیر مقلدین کی چند مزید تصریحات ذکر کی جاتی ہیں، جن میں انہوں نے دوسری قسم کی روایات پر اصطلاحی مرسل کا اطلاق کیا ہے:

امام دارقطنیؒ (م ۳۸۵ھ)، امام ابراہیم نخعیؒ کے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کردہ اثر کو قابل حجت قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں: فَهٰذِهِ الرِّوَايَةُ وَإِنْ كَانَ فِيْهَا إِرْسَالٌ، فَإِبْرَاهِيْمُ النَّخَعِيُّ هُوَ أَعْلَمُ النَّاسِ بِعَبْدِ اللهِ وَبِرَأْيِهِ وَبِفُتْيَاهُ. سنن الدارقطنی (۳:۲۰۶) اس روایت میں اگرچہ (حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اور ابراہیم نخعیؒ کے درمیان) ارسال ہے، لیکن ابراہیم نخعیؒ لوگوں میں حضرت عبد اللہؓ کے علم، رائے اور فتوی کے سب سے بڑے عالم ہیں (اس لیے اُن کی مرسل حجت ہے)

امام بیہقیؒ (م ۴۵۸ھ) ایک حدیث کے متعلق فرماتے ہیں: هٰذَا مُرْسَلٌ، الشَّعْبِيُّ لَمْ يُدْرِكْ أَيَّامَ عُمَرَ، غَيْرَ أَنَّهُ مُرْسَلٌ جَيِّدٌ. السنن الکبریٰ (۶:۲۴۷) یہ روایت مرسل ہے، کیونکہ امام شعبیؒ نے حضرت عمرؓ کا زمانہ نہیں پایا، لیکن یہ ایک عمدہ مرسل ہے۔

امام ابن عبد البر مالکیؒ (م ۴۶۳ھ) ایک روایت کے متعلق لکھتے ہیں: وَ مُوْسٰى بْنُ طَلْحَةَ لَمْ يَلْقَ مُعَاذًا، وَلَا أَدْرَكَهُ وَلٰكِنَّهُ مِنَ الثِّقَاتِ الَّذِيْنَ يَجُوْزُ الْاِحْتِجَاجُ بِمَا يُرْسِلُوْنَهُ عِنْدَ مَالِكٍ وَأَصْحَابِهِ، وَعِنْدَ الْكُوْفِيِّيْنَ أَيْضًا۔ الاستذکار (۳:۲۱۴) موسیٰ بن طلحہؒ نے حضرت معاذؓ سے ملاقات کی ہے، اور نہ ان (کا زمانہ) پایا ہے، لیکن یہ اُن ثقہ لوگوں میں سے ہیں کہ جن کی مرسل روایات امام مالکؒ اور ان کے اصحاب، اسی طرح اہل کوفہ کے نزدیک بھی قابل حجت ہیں۔

نیز ایک روایت کے بارے میں لکھتے ہیں: وَالْمَعْرُوْفُ عَنْ عَلِيٍّ مَا رَوَاهُ إِبْرَاهِيْمُ وَالْحَكَمُ عَنْهُ، وَأَجْمَعُوْا أَنَّ مَرَاسِيْلَ إِبْرَاهِيْمَ صِحَاحٌ۔ ایضاً (۶:۱۳۷) حضرت علیؓ سے مشہور روایت وہ ہے جو ان سے ابراہیم نخعیؒ اور حکمؒ روایت کرتے ہیں، اور تمام محدثین کا اجماع ہے کہ ابراہیم نخعیؒ کی مراسیل صحیح ہیں۔

نیز علامہ موصوف، ابراہیم نخعیؒ کی حضرت عمرؓ سے روایت کردہ مرسل حدیث کے متعلق لکھتے ہیں: وَمَرَاسِيْلُ إِبْرَاهِيْمَ عِنْدَهُمْ صِحَاحٌ۔ ایضاً (۸:۱۳) ابراہیم نخعیؒ کی مراسیل محدثین کے نزدیک صحیح ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲) طاوس تابعیؒ کے حضرت معاویہؓ سے نقل کردہ اثر کے متعلق لکھتے ہیں: وَهٰذَا مُرْسَلٌ، يُعْضِدُهُ مَا رَوَى سَعِيْدُ بْنُ مَنْصُوْرٍ عَنِ الْحَسَنِ ... فتح الباری (۲:۵۱۰) یہ روایت مرسل ہے لیکن یہ معتضد ہے اس روایت سے جو امام سعید بن منصورؒ نے حضرت حسن بصریؒ سے نقل کی ہے کہ..

نیز حافظ صاحبؒ حضرت عمرؓ سے عکرمہؒ کے روایت کردہ اثر کے متعلق لکھتے ہیں: وَهٰذَا مُرْسَلٌ يَتَقَوّٰى بِشَوَاهِدِهٖ۔ ایضاً (۱۱:۶۵۱) (بقیہ صفحہ ۱۶۱ پر)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۰) یہ اثر مرسل ہے، لیکن اپنے شواہد کی وجہ سے قوی ہے۔
اسی طرح حافظ صاحب ؒ میمون بن مہران ؒ کے حضرت عمرؓ سے روایت کردہ اثر کے متعلق لکھتے ہیں:
وَلَوِ اعْتَضَدَ لَكَانَ حَسَنًا ۔نتائج الافکار(۴: ۴۵۳) اگر یہ اثر معتضد ہوتا تو حسن درجہ کا ہوتا۔
امام حاکم نیشاپوری ؒ (م ۴۰۵ھ)، ابراہیم نخعی ؒ کے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کردہ اثر کے بارے میں لکھتے ہیں: وَهُوَ مُرْسَلٌ وَلَهُ شَاهِدٌ۔ یہ مرسل ہے، لیکن اس کا شاہد موجود ہے۔
امام ذہبی ؒ (م ۷۴۸ھ) امام حاکم ؒ کی تصدیق کرتے ہوئے تلخیص میں لکھتے ہیں: مُرْسَلٌ۔
المستدرک مع الحاشیہ (۴: ۳۷۹، ح ۷۹۸۷)
مولانا ارشاد الحق اثری ایک روایت کے متعلق لکھتے ہیں: سیار کی بلاشبہ حضرت عمرؓ سے ملاقات نہیں، اس لیے راقم نے اس کو مرسل قرار دیا، مگر سیار تابعی ہیں، اور مرسل احناف کے ہاں حجت ہے، اور اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے.... تنقیح الکلام (ص ۸۲)
مولانا محمد گوندلوی ؒ (م ۱۴۰۵ھ) ابراہیم نخعی ؒ کے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کردہ اثر کے متعلق لکھتے ہیں: اس کا ارسال مثل ارسال زہری ہے۔ التحقیق الراسخ (ص ۱۵۲)
مولانا بشیر سہسوانی (م ۱۳۲۶ھ)، امام زہری ؒ کے صحابہؓ سے روایت کردہ ایک اثر کے بارے میں لکھتے ہیں: ممکن ہے کہ زہری وصحابی کے درمیان میں کوئی واسطہ غیر ثقہ ہو، اسی وجہ سے تو محققین علماء مرسل کو حجت نہیں کہتے ہیں۔ البرھان العُجاب (ص ۲۲۱)
مولانا ابوالحسن سیالکوٹی، زہری ؒ کے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے روایت کردہ اثر کے بارے میں لکھتے ہیں: یہ حدیث مرسل ہے کَمَا قَالَ الشَّوْكَانِيُّ فِي النَّيْلِ: وَحَدِيْثُ الزُّهْرِيِّ مُرْسَلٌ....الظفر المبین (ص ۴۳۹)
اور پھر دلچسپ بات یہ ہے کہ خود سنابلی صاحب بھی اسی طرح کی روایات پر مرسل کا اطلاق کرتے ہیں، اور ان پر مرسل کے احکام منطبق کرتے ہیں۔ دیکھئے یزید بن معاویہؓ (ص ۶۲۶)
اب اس سے زیادہ ہم سنابلی صاحب کی تسلی اور کیا کرا سکتے ہیں۔
اور اگر بالفرض یحییٰ بن سعید وغیرہ کی یہ روایات منقطع بھی ہیں تو یہ متعدد طُرق سے مروی ہونے اور بکثرت شواہد رکھنے کی وجہ سے باقرار علمائے غیر مقلدین حجت ہیں۔ چنانچہ مولانا محب اللہ راشدی (م ۱۴۱۵ھ) لکھتے ہیں: منقطع حدیث ضعیف کی اقسام میں سے ہے، پھر اگر یہ تعدد طرق کی وجہ سے حسن بنے گی تو یہ حسن لغیرہ ہوگی۔ وھو ظاہر۔ مقالات راشدیہ (۹: ۱۴۷)۔
نیز لکھتے ہیں: مطلب یہ ہے کہ مسلم شریف میں بھی کئی منقطع احادیث ہیں، ان منقطع احادیث کی تصحیح یا تحسین تعدد طُرق وشواہد کے سبب ہے، نہ کہ اصل منقطع روایت کے اعتبار سے۔ ایضاً (۹: ۱۶۱)
مولانا عبداللہ روپڑی (م ۱۳۸۴ھ) نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ: اگر منقطع کے راوی زیادہ ہیں، یا اوثق ہیں تو یہ منقطع روایت موصول روایت پر راجح ہو جائے گی۔ فتاویٰ اہلحدیث (۲: ۶۶۴)
الغرض یہ روایات بہرصورت صحیح اور قابل حجت ہیں۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

امام ابو داود (م ۲۷۵ھ) صاحب السنن لکھتے ہیں:

"وَاَمَّا الْمَرَاسِيْلُ فَقَدْ كَانَ يَحْتَجُّ بِهَا الْعُلَمَاءُ فِيْمَا مَضَى مِثْلَ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَمَالِكِ بْنِ اَنَسٍ، وَالْاَوْزَاعِيِّ، حَتّٰى جَاءَ الشَّافِعِيُّ فَتَكَلَّمَ فِيْهَا۔"[۱]

"رہیں مرسل احادیث، تو پہلے علماء جیسا کہ امام سفیان ثوری، امام مالک بن انس اور امام اوزاعی ہیں، وہ ان روایات سے حجت پکڑتے رہے ہیں، یہاں تک کہ امام شافعی آئے، اور انہوں نے اس (کی حجیت) میں کلام کیا۔"

مولانا محمد اسماعیل سلفی (م ۱۳۸۷ھ) سابق امیر جمعیت اہلحدیث پاکستان لکھتے ہیں:

امام شافعی سے پہلے جمہور اہل علم مرسل کو حجت سمجھتے رہے، سب سے پہلے اس کے متعلق تنقید امام شافعی نے فرمائی۔[۲]

نیز مولانا سلفی نے نامور منکرِ حدیث تمنا عمادی کے ایک مضمون، جس میں اس نے امام زہری (م ۱۲۴ھ) وغیرہ محدثین پر مرسل احادیث روایت کرنے کی وجہ سے نقد کیا ہے، کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے:

(خیر القرون میں) سچائی کے عام رواج کی وجہ سے سند کی بابت پرتال نہیں ہوتی تھی، اس کا یہ معنی نہ سمجھا جائے کہ اس وقت سند فی الوقوع ناپید تھی، بلکہ اس کی ضرورت نہ تھی، سَجِيَّةِ الصِّدْقِ (سچائی کی خصلت عام ہونے کی وجہ سے)۔

ایسا کہنے اور سننے والے دونوں اصل سند کو جانتے تھے، آج کل بھی معاصر ایک

[۱] رسالۃ ابی داؤد إلی اہل مکۃ (ص ۲۵) طبع المکتب الاسلامی بیروت

[۲] مقالات حدیث (ص ۳۷۱) ناشر ام القری پبلی کیشنز گوجرانوالہ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

دوسرے کے اساتذہ اور تلامذہ کو سمجھتے ہیں، ایک دوسرے کے تعلیمی حالات، معاصرت، لقاء سماع وغیرہ کا رفقاء کو عموماً علم ہوتا ہے، مثلاً میرے سب رفقاء جانتے ہیں کہ میں نے حدیث کا سماع حضرت الشیخ الامام حافظ عبدالمنان وزیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ سے کیا، مجھے میاں صاحب (مولانا نذیر حسین دہلوی) رحمہ اللہ سے شرف تلمذ نہیں۔ اس کے باوجود میاں صاحبؒ کی بیسوں باتیں بلاسند مجلس میں ذکر ہو جاتی ہیں۔ رفقاء یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ باتیں میں نے حضرت میاں صاحبؒ سے نہیں سنی، بلکہ ان کے بعض تلامذہ ہی سے سنی ہیں۔ اس قسم کا اِرسال بالکل عادتاً ہے۔

بعض ثقات ائمۂ حدیث سے جو ارسال منقول ہے، وہ اسی نوعیت کا تھا، مثلاً سعید بن مسیب، ابراہیم نخعیؒ، سالم بن عبد اللہ، ابوسلمہ بن عبدالرحمان، قاسم بن محمد (اسی طرح یحییٰ بن سعید انصاریؒ جو بالاتفاق ثقہ تابعی ہیں، جیسا کہ بحوالہ گزرا ہے۔ ناقل) یہ لوگ ارسال کسی بری نیت، یا استاد کے نام کو چھپانے کے لیے نہیں کرتے تھے۔ [۱]

نیز مولانا سلفیؒ لکھتے ہیں: مذاہب ائمہ کی اس مختصر تفصیل سے میرا مطلب یہ ہے کہ مرسل کوئی ہوّا نہیں، جس سے تمنا صاحب (مشہور منکر حدیث) اور ادارہ طلوع اسلام بدحواس ہو رہا ہے، بلکہ ایک عرصہ تک ائمہ اسے حجت سمجھتے رہے۔ [۲]

نیز مولانا سلفیؒ لکھتے ہیں:

خود امام شافعیؒ جنہیں مرسل کی حجیت پر نقض کا شرف حاصل ہے، مرسل کو بالکلیہ رد نہیں فرماتے، اور ائمۂ حدیث جو اس فن کے مختلف گوشوں پر ناقدانہ نظر رکھنے کے عادی ہیں، وہ بھی مرسل کو علی الاطلاق رد نہیں فرماتے۔

---

[۱] ایضاً (ص ۳۶۶، ۳۶۷)

[۲] ایضاً (ص ۳۷۴، ۳۷۵)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

پھر مولانا سلفیؒ نے "نزھۃ النظر" (ص ۵۰) کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک مرسل معتضد حجت ہے۔[۱]

شارح بخاری علامہ ابن بطال مالکیؒ (م ۴۴۹ھ) نے امام شافعیؒ پر اعتراض کیا ہے کہ: وہ مرسل کی حجیت کے منکر ہیں، لیکن اس کے باوجود انہوں نے عطاء بن یسارؒ کی مرسل سے حجت پکڑی ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی شافعیؒ (م ۸۵۲ھ) نے ابن بطالؒ کے اس اعتراض کے جواب میں لکھا ہے:

" اَنَّ الشَّافِعِیَّ لَا یَرُدُّ الْمَرَاسِیْلَ مُطْلَقًا، بَلْ یَحْتَجُّ مِنْهَا بِمَا یَعْتَضِدُ وَالْاَمْرُ هُنَا کَذٰلِکَ۔"[۲]

"امام شافعیؒ مراسیل کا مطلق انکار نہیں کرتے، بلکہ ان میں سے جو معتضد ہو، اس کو وہ قابل حجت سمجھتے ہیں، اور یہاں بھی ایسا ہی ہے۔ (کہ یہ مرسل معتضد ہے)

نیز حافظ موصوف، امام شافعیؒ کی ایک اور مستدل حدیث کی تحقیق میں مرسل عطاء بن ابی رباحؒ سے متعلق لکھتے ہیں:

" وَهٰذَا مُرْسَلٌ، یَعْتَضِدُ بِالرِّوَایَةِ الَّتِیْ عَلَّقَهَا الشَّافِعِیُّ عَنِ النَّخَعِیِّ۔"[۳]

"یہ مرسل ہے، لیکن یہ اس روایت سے معتضد ہے، جو امام شافعیؒ نے امام نخعیؒ سے معلق (بلا سند) روایت کی ہے۔[۴]

---

[۱] ایضاً (ص ۳۷۲،۳۷۱)

[۲] فتح الباری (۱۵۵:۲)

[۳] ایضاً (۲۲۵:۲)

[۴] ان دونوں مثالوں سے ان لوگوں کا دعوی کہ: امام شافعیؒ اور شوافع صرف اس مرسل معتضد کو حجت سمجھتے ہیں، جو کبار تابعین کی روایت کردہ ہو، غلط ثابت ہو جاتا ہے، کیونکہ پہلے حوالہ میں عطاء بن یسارؒ بتصریح حافظ ابن حجرؒ: طبقہ ثالثہ (اوساط تابعین) کے صغار میں سے ہیں۔ تقریب التھذیب (۶۷۶:۱) طبع قدیمی خانہ کراچی، (ص ۳۲۶) مع حاشیۂ تعقیب التقریب از: مولانا امیر علی غیر مقلد۔ جب کہ دوسرے حوالے میں عطاء بن ابی رباحؒ بھی طبقہ ثالثہ میں سے ہیں۔ ایضاً (۶۷۵:۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

"مُرسل مُعتَضد" کا مطلب یہ ہے کہ اس مُرسل کی تائید کسی دوسری روایت (خواہ وہ مسند ہو یا مرسل) سے ہو چکی ہو، یا اس پر صحابہ کرامؓ یا اکثر علماء نے عمل کیا ہو۔[۱]

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحبؒ (م ۱۳۵۳ھ) اور شیخ البانیؒ (م ۱۴۲۰ھ) نے بھی تصریح کی ہے کہ مُرسل مُعتضد سب کے نزدیک حجت ہے۔[۲]

شیخ الاسلام زکریا انصاریؒ (م ۹۲۶ھ) اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ (م ۱۱۷۶ھ) نے تو یہ بھی تعمیم کی ہے کہ مرسل روایت کی مؤید ضعیف روایت بھی ہو تب بھی وہ حجت ہے۔[۳]

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) کا موقف بھی یہی ہے کہ ضعیف حدیث کی وجہ سے بھی مرسل روایت قوی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ حافظ موصوف ایک مُرسل کی تائید میں دو روایات ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"وَسَنَدُ كُلٍّ مِنْهُمَا ضَعِيفٌ، لٰكِنَّ يَتَقَوّٰى بِهِمَا الْمُرْسَلُ۔" [۴]

"ان دونوں حدیثوں کی سند ضعیف ہے، لیکن ان دونوں کی وجہ سے یہ مُرسل روایت قوی ہو جاتی ہے۔"

شیخ البانی (م ۱۴۲۰ھ) کے نزدیک بھی اگر کسی مُرسل کی مؤید ضعیف روایت بھی ہو تو تب بھی وہ مرسل قوی ہو جاتی ہے۔[۵]

غرض مُرسل مُعتضد سب علماء کے نزدیک حجت ہے۔ خود غیر مقلدین علماء بھی اس کی

---

[۱] دیکھئے مقدمہ شرح مسلم للنووی (۱:۵۴)، شرح نخبۃ الفکر (ص ۵۱)، زاد المعاد (۱:۱۰۳) وغیرہ۔

[۲] ابکار المنن (ص ۱۴۳۔۱۴۴)، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ (۸:۳۰۴)

[۳] حاشیہ شرح نخبۃ الفکر شیخ الاسلام بحوالہ رکعات التراویح (ص ۶۵)، حجۃ اللہ البالغہ (۱:۱۴۰)۔

[۴] نتائج الافکار فی تخریج احادیث الاذکار (۵:۹) طبع دار ابن کثیر بیروت

[۵] ارواء الغلیل (۸:۳۰۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

حجیت کے قائل ہیں۔ چنانچہ حدیث نمبر ا کے ذیل میں پیشوائے غیر مقلدین علامہ ابن حزم ظاہریؒ (م ۴۵۶ھ) کا حوالہ گزر چکا ہے کہ اگر کوئی حدیث ضعیف یا مرسل ہی کیوں نہ ہو، لیکن لوگوں کے عمل سے مؤید (معتضد) ہونے کی وجہ سے قابل حجت ہے۔

غیر مقلدین کے مجدد و محقق مولانا نواب صدیق حسن خانؒ (م ۱۳۰۷ھ) حضرت حسن بصریؒ (م ۱۱۰ھ) کی مرسل روایت سے استدلال کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

اس لحاظ سے حسن بصری رحمہ اللہ سے مروی مذکورہ بالا مرسل حدیث، مذکورہ دلائل کیساتھ قوی ہوجائیگی۔[۱]

مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوریؒ (م ۱۳۵۳ھ) ابوقلابہؒ (م ۱۰۴ھ) کی ایک مرسل روایت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

اگر یہ حدیث مرفوعاً غیر محفوظ اور مرسلاً محفوظ ہے تو بھی حجت ہے، کیونکہ حدیث عبادہؓ وغیرہ سے اس کا اعتضاد ثابت ہے، اور مرسل مُعتَضد کے حجت ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے[۲]

غیر مقلد محقق مولانا عبدالرؤف سندھو اس روایت ابوقلابہؒ کے بارے میں لکھتے ہیں:

اگر اس بات کو نہ بھی تسلیم کیا جائے تب بھی مرسل حجت ہے، کیونکہ اس کی تائید میں مرفوع صحیح روایات ہیں۔[۳]

نیز عبدالرؤف صاحب، محمد بن یحییٰ بن حبانؒ (م ۱۲۱ھ) کی ایک مرسل روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:

---

[۱] فتاویٰ نواب صدیق حسن خان (۱:۱۱۲) مطبوعہ دار ابی الطیب گوجرانوالہ

[۲] تحقیق الکلام (۱:۹۵) مطبوعہ عبدالتواب اکیڈمی ملتان۔

[۳] القول المقبول فی شرح صلوٰۃ الرسول (ص ۳۰۷) طبع اول

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

یہ مرسلاً بھی مروی ہے، اور یہ حدیث اپنے شواہد کی بنا پر صحیح ہے۔ [۱]

غیر مقلدین کے محدث اعظم مولانا عبد اللہ روپڑیؒ (م ۱۳۸۴ھ) ''موسیٰ الجہنیؒ'' (م ۱۴۴ھ) کی مرسل روایت سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے، لیکن اس کا اعتضاد دیگر طُرق سے ثابت ہے، لہٰذا مقبول ہے۔ [۲]

نیز مولانا روپڑیؒ ایک مسئلہ کی تحقیق میں لکھتے ہیں:

اس بارے میں کئی مرسل روایتیں ہیں، جن میں ذرہ کا ذکر ہے، بیہقیؒ کہتے ہیں کہ یہ ایک دوسری کو تقویت دیتی ہیں۔ [۳]

علامہ محمد شوکانیؒ (م ۱۲۵۰ھ) امام ابن شہاب زہریؒ (م ۱۲۴ھ) کی ایک مرسل روایت سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وَهٰذَا وَإِنْ كَانَ مُرْسَلًا لٰكِنَّهٗ مُعْتَضِدٌ بِمَا سَبَقَ''۔ [۴]

''یہ روایت اگرچہ مرسل ہے، لیکن سابقہ روایات سے مُعتضد ہے۔''

مولانا ارشاد الحق اثری نے بھی امام زہریؒ کی ایک مرسل سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے:

یہ روایت گو مرسل ہے، مگر دیگر روایات اس کی مؤید ہیں۔ [۵]

نیز مولانا اثری نے خالد بن معدانؒ (م ۱۰۳ھ) کی مرسل سے استدلال کرتے ہوئے بحوالہ امام بیہقیؒ (م ۴۵۸ھ) لکھا ہے:

یہ مرسل جب ابن لہیعہؒ کی روایت سے مل جاتا ہے تو قوی ہو جاتا ہے۔ [۶]

---

[۱] القول المقبول (ص ۶۲۱) طبع رابع

[۲] فتاویٰ اہلحدیث (۱:۳۱۱) مطبوعہ ادارہ احیاء السنۃ النبویہ سرگودھا

[۳] فتاویٰ علمائے حدیث (۷:۱۲۹)

[۴] نیل الاوطار (۱:۶۹۳)

[۵] مقالات (۱:۲۶۶)

[۶] ایضاً (۲:۲۴۸)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

مولانا محمد صادق سیالکوٹی ؒ ''مرسل طاؤس'' (م۱۴۰۶ھ) کو معرضِ استدلال میں پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

گویہ حدیث مُرسل ہے، لیکن دوسری مستند احادیث سے مل کر قوی ہوگئی ہے۔ [۱]

اسی طرح شیخ ناصر الدین البانی ؒ (م۱۴۲۰ھ) نے بھی مرسل طاؤس ؒ سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ مرسل معتضد ہے، جو بالاتفاق حجت ہے۔ [۲]

حافظ زبیر علی زئی (م۱۴۳۵ھ) اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

محدث العصر امام المحدثین شیخ ناصر الدین البانی ؒ کا مطلب یہ ہے کہ اگر مرسل کا معتبر شاہد ہو تو وہ صحیح ہوتی ہے۔ [۳]

مولانا بدیع الدین راشدی (م۱۴۱۶ھ) بھی ''مرسل طاؤس'' کو قابل حجت قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

اور محدثین کے نزدیک بھی مرسل روایت دوسری احادیث کے موجودگی میں مقبول ہیں۔ [۴]

کفایت اللہ سنابلی ''مرسل طاؤس'' سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

چونکہ اس مرسل روایت کے بہت سارے شواہد موجود ہیں، جیسا کہ اس کتاب کے باب اول کی پہلی فصل میں مذکورہ ہے، اس لیے یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔ [۵]

ہفت روزہ الاعتصام لاہور کے مفتی مولانا ثناء اللہ مدنی (م۱۴۴۲ھ) ایک مرسل روایت سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مشارٌ الیہ روایت ابوقتادہ اگرچہ منقطع (مرسل) ہے، پھر اس میں لَیث بن ابی سلیم

---

[۱] صلوٰۃ الرسول (ص۱۸۸)

[۲] ارواء الغلیل (۲:۷۱)

[۳] حاشیہ عبادات میں بدعات (ص۱۲۹)

[۴] مقالاتِ راشدیہ (۲:۹۹)

[۵] انوار البدر (ص۶۶)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ضعیف راوی ہے۔لیکن بعض نے شواہد کی بناء پر اس کو قابل عمل سمجھا ہے۔[۱]

ان مذکورہ بالا تصریحات سے جس طرح یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مرسل معتضد بالاتفاق حجت ہے، اسی طرح اس سے یہ بات بھی اظہر من الشمس ہوگئی کہ علمائے غیر مقلدین کے نزدیک کبار تابعین کی طرح صغار اور اوساط تابعین کی مرسل معتضد بھی حجت ہے، جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا ہے کہ مولانا مبارکپوری صاحب ؒ اور مولانا عبدالرؤف نے ابوقلابہ ؒ کی مرسل معتضد کو حجت کہا ہے، حالانکہ ابوقلابہ کو حافظ ابن حجر ؒ نے تابعین کے طبقہ ثالثہ میں شمار کیا ہے۔[۲] جو کہ ان کے نزدیک اوساط تابعین کا طبقہ ہے،[۳]۔اسی طرح نواب صدیق ؒ نے حضرت حسن بصری ؒ کی مرسل معتضد کو قوی قرار دیا ہے، اور وہ بھی طبقہ ثالثہ کے ہیں۔[۴]۔

نیز شیخ عبدالرؤف نے محمد بن یحییٰ بن حبان ؒ کی مرسل معتضد کو بھی حجت کہا ہے، اور محمد بن یحییٰ ؒ کو حافظ ؒ نے طبقہ رابعہ کا راوی کہا ہے۔[۵] اور حافظ ؒ کے نزدیک طبقہ رابعہ والے طبقہ ثالثہ والوں کے قریب ہیں [۶]۔ اور مولانا روپڑی ؒ نے موسیٰ الجہنی ؒ کی مرسل معتضد کو قابل حجت قرار دیا ہے، حالانکہ موسیٰ الجہنی ؒ کو حافظ ابن حجر ؒ نے طبقہ سادسہ میں شمار کیا ہے[۷]۔ جو کہ بقول حافظ موصوف: صغار تابعین کے ہم عصر ہیں، لیکن ان کی کسی صحابی سے ملاقات ثابت نہیں ہے[۸]۔اسی طرح قاضی شوکانی ؒ اور مولانا ارشاد الحق اثری نے امام زہری ؒ کی مرسل معتضد کو حجت کہا ہے، حالانکہ زہری ؒ کو حافظ ابن حجر ؒ

---

[۱] ہفت روزہ الاعتصام (۲۷ محرم ۱۴۲۰ھ، ص)

[۲] تقریب التھذیب (۱:۴۹۴)

[۳] ایضاً (۱:۲۵)

[۴] ایضاً (۱:۲۰۲)

[۵] ایضاً (۲:۲۴۴)

[۶] ایضاً (۱:۲۵)

[۷] ایضاً (۲:۲۲۵)

[۸] ایضاً (۱:۲۵)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

نے طبقہ رابعہ میں شمار کیا ہے[۱]۔ اسی طرح مولانا اثری نے خالد بن معدانؒ کی مرسل کو قوی قرار دیا ہے، حالانکہ وہ طبقہ ثالثہ (اوساط تابعین کے طبقہ) کے ہیں[۲]۔ مولانا محمد صادق سیالکوٹیؒ، شیخ البانیؒ اور بدیع الدین راشدی وغیرہ حضرت طاؤسؒ کی مرسل معتضد کو قوی کہہ رہے ہیں، جب کہ طاؤسؒ طبقہ ثالثہ کے ہیں جو اوساط تابعین کا طبقہ ہے۔[۳]۔ اسی طرح مولانا ثناء اللہ صاحب، ابو الخلیل بصریؒ کی مرسل سے استدلال کر رہے ہیں۔ حالانکہ وہ طبقہ سادسہ کے ہیں،[۴] طبقہ سادسہ والوں کو حافظ ابن حجرؒ نے صغار تابعین کا ہم عصر قرار دیا ہے۔ جیسا کہ ابھی گزرا ہے۔

اب جب کہ یہ علمائے کرام جن میں مولانا مبارک پوریؒ قاضی شوکانیؒ مولانا روپڑیؒ، شیخ البانیؒ اور مولانا سیالکوٹیؒ جیسے اکابر غیر مقلدین بھی شامل ہیں، صغار اور اوساط تابعین کی مراسیل معتضدہ کی حجیت کا اقرار کر رہے ہیں، تو پھر بعض غیر مقلدین کا صغار اور اوساط تابعین کی مراسیل کو یہ کہہ کر رد کر دینا کہ صرف کبار تابعین کی مراسیل معتضدہ حجت ہیں۔[۵] خود اپنے اکابر کی تصریحات کی روشنی میں بھی باطل ہے۔

الغرض: مرسل مُعتضد کے حجت اور صحیح ہونے پر پوری امت (بشمول علمائے غیر مقلدین) کا اتفاق ہے، اور چونکہ حضرت یحییٰ بن سعید انصاریؒ کی مذکورہ روایت بھی مرسل معتضد ہے، اس لیے کہ اس کی تائید دیگر کئی مسند اور مرسل روایات سے ہو رہی ہے، نیز اس پر صحابہ کرامؓ اور علماء سلف نے عمل بھی کیا ہے۔ لہٰذا اس روایت کے حجت اور صحیح ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہوسکتا۔

شیخ الاسلام امام تقی الدین سُبکی شافعی (م ۷۵۶ھ) اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:

---

[۱] ایضاً (۱:۲۵)

[۲] ایضاً (۱:۲۶۳)

[۳] ایضاً (۱:۴۴۹)

[۴] ایضاً (۱:۴۴۳)

[۵] انوار المصابیح (ص ۲۷۸، ۲۸۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

"هٰذَا مُرْسَلٌ كَمُرْسَلِ يَزِيْدَ بْنِ رُوْمَانَ. وَيَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ عَالِمٌ كَبِيْرٌ اَيْضًا۔"[۱]

"یہ یزید بن رومانؒ کی مرسل کی طرح مرسل روایت ہے، اور یحییٰ بن سعیدؒ بھی (یزید بن رومان کی طرح) عالم ہیں۔

اور اس سے پہلے مرسل یزید بن رومان کے متعلق انہوں نے لکھا ہے:

"وَيَزِيْدُ بْنُ رُوْمَانَ لَمْ يُدْرِكْ زَمَانَ عُمَرَ. لٰكِنَّهٗ عَالِمٌ كَبِيْرٌ، وَاعْتَضَدَ رِوَايَةَ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ عَنْ عُمَرَ فِيْ عِشْرِيْنَ، وَقَدْ تَقَدَّمَ اَنَّهَا صَحِيْحَةٌ. وَبِعَمَلِ السَّلَفِ"۔[۲]

"یزید بن رومانؒ نے اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا، لیکن وہ ایک بڑے عالم ہیں (اس لیے اُن کو حضرت عمرؓ کے اس فیصلے کا علم ہے) نیز ان کی یہ روایت، حضرت سائب بن یزیدؓ (وغیرہ) کی حضرت عمرؓ (کے عہد) سے متعلق بیس تراویح والی صحیح روایت اور سلف صالحین کے عمل سے معتضد ہے۔

روایت نمبر ۲:

امام مالک بن انس رحمہ اللہ، یزید بن رومان تابعی رحمہ اللہ[۳] سے روایت کرتے ہیں کہ:

"اَنَّهٗ قَالَ: كَانَ النَّاسُ يَقُوْمُوْنَ فِيْ زَمَانِ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ

---

[۱] ضوء المصابیح (ص ۲۳۸)

[۲] ایضاً

[۳] حضرت یزید بن رومانؒ (م ۱۳۰ھ)، امام مالکؒ وغیرہ محدثین کے استاذ اور حضرت انسؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ وغیرہ صحابہ کرامؓ کے شاگرد ہیں۔ یہ بالاتفاق ثقہ تابعی ہیں، امام یحییٰ بن معینؒ امام نسائیؒ اور امام حبانؒ وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے، تہذیب التھذیب (۶:۲۰۵)۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی ان کو ثقہ قرار دیا ہے، تقریب التھذیب (۲:۳۲۳)

علامہ ابن عبدالبرؒ ان کو قراء اہل مدینہ میں سے قرار دیتے ہیں، اور ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی (جنگی حالات) کے عالم اور مدینہ منورہ کے ثقہ شخص ہیں۔ التمہید (۸:۳۴۳)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

فِیْ رَمَضَانَ بِثَلٰثٍ وَّ عِشْرِیْنَ رَکْعَةً[1]

''انہوں نے فرمایا: لوگ (صحابہ کرامؓ و تابعین عظامؒ) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ماہ رمضان میں تیئس رکعات (۲۰ تراویح اور ۳ وتر) پڑھا کرتے تھے۔

اس روایت پر بھی یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ منقطع (مرسل) ہے، کیونکہ یزید بن رومانؒ کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں ہے۔

جواب اول:

یزید بن رومانؒ (م ۱۳۰ھ) نے اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جو لوگ اُن کے حکم سے مدینہ منورہ میں تراویح پڑھتے تھے، اُن کا زمانہ تو یقیناً پایا ہے، کیونکہ یہ مدنی ہیں، اور مدینہ منورہ کے متعدد صحابہؓ و بے شمار تابعینؒ سے اُن کو نہ صرف لقاء بلکہ شرف روایت بھی حاصل ہے۔ اور غیر مقلدین کے محقق اعظم مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری (م ۱۳۵۳ھ) جو اس روایت پر انقطاع کا حکم لگانے میں پیش پیش ہیں، نے امام لیث بن سعدؒ (م ۱۷۵ھ) کی ایک روایت کہ: اہل اسکندریہ و اہل مصر حضرت عمر و حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے عہد میں اُن کے حکم سے جمعہ ادا کرتے تھے، اور ان میں کئی صحابہؓ بھی تھے، پر انقطاع کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

اگر لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر، و عثمان رضی اللہ عنہما کا زمانہ نہیں پایا تو اہلِ اسکندریہ و اہلِ مصر وغیرہم کا زمانہ تو ضرور پایا ہے، جن کا جمعہ پڑھنا بعہد حضرت عمر، و عثمان رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں، پھر سند کیسے منقطع ہوگئی، سند تو جب منقطع ہوتی کہ اہلِ مصر وغیرہم کا جمعہ پڑھنا (وہ) حضرت عمر، و عثمان رضی اللہ عنہما سے روایت

---

[1] موطا الامام مالک (ص ۴۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کرتے ۔ امام لیث بن سعدؒ، کا اتباع تابعین سے ہونا تو آپ (علامہ نیمویؒ صاحب آثار السنن) ہی نے لکھا ہے۔ اتنا اور سنیئے کہ آپ کو پچاس تابعین سے ملاقات ہے، اور آپ کا وطن مصر ہے... جب آپ اتباع تابعین سے ہیں، اور مصر ہی کے رہنے والے ہیں، اور آپ کو پچاسوں تابعین سے ملاقات بھی ہے تو اس روایت کے موصول ہونے میں کیا شبہ ہے؟[۱]

مولانا شمس الحق عظیم آبادی (م ۱۳۲۹ھ) نے بھی لیثؒ کے اس اثر سے حجت پکڑی ہے۔[۲]

بنابریں جب حضرت لیث بن سعدؒ تبع تابعی کی حضرت عمر، وعثمان رضی اللہ عنہما کے عہد سے متعلق بیان کردہ روایت موصول ہوسکتی ہے، اور اس پر منقطع ہونے کا اعتراض غلط ہے، تو پھر حضرت یزید بن رومان مدنیؒ جو تابعی ہیں، کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد سے متعلق روایت منقطع کیوں ہے، موصول کیوں نہیں؟ انہوں نے بھی تو یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت نہیں کی، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد کے لوگوں (جو حضرت عمرؓ کے حکم سے بیس تراویح پڑھتے تھے) سے متعلق روایت کی ہے، جن کا زمانہ انہوں نے یقیناً پایا ہے۔

ع بندہ پرور منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر

جواب ثانی:

اگر مان بھی لیا جائے کہ یہ روایت منقطع (مرسل) ہے، تو پھر بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ کیونکہ یہ روایت بھی مرسل معتضد ہے، جیسا کہ امام تقی الدین سبکی شافعیؒ (م ۷۵۶ھ) کے حوالہ سے گزرا ہے، نیز پہلے یہ بھی بحوالہ محدثین وعلمائے غیر مقلدین گزرا ہے کہ مرسل معتضد بالاتفاق حجت ہے۔

جواب ثالث:

یہ "موطا امام مالک" کی مرسل روایت ہے، اور موطا میں جتنی بھی مرسل روایات ہیں

---

[۱] مقالات مبارکپوری (ص ۱۲۸، ۱۲۹) مطبوعہ ادارۃ العلوم الاثریہ فیصل آباد

[۲] مجموعہ مقالات وفتاوی (ص ۴۴۸) مطبوعہ دار ابی الطیب گوجرانوالہ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ان کے صحیح اور قابلِ حجت ہونے پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔ چنانچہ شارح موطا امام ابن عبدالبر مالکیؒ (م ۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:

”لِاَنَّ مَرَاسِيْلَ مَالِكٍ اُصُوْلُهَا صِحَاحٌ كُلُّهَا۔“[۱]

”امام مالکؒ کی (موطا میں) جتنی مرسل روایات ہیں، وہ سب کی سب اصولی طور پر صحیح ہیں۔“

شارح موطا امام سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) ارقام فرماتے ہیں:

”وَمَا مِنْ مُرْسَلٍ فِي الْمُوَطَّأ اِلَّا وَلَهٗ عَاضِدٌ اَوْ عَوَاضِدُ، فَالصَّوَابُ اَنَّ الْمُوَطَّأَ صَحِيْحٌ لَا يُسْتَثْنٰى مِنْهُ شَيْءٌ۔“[۲]

”موطا میں کوئی ایسی مرسل روایت نہیں ہے جس کے لیے کوئی ایک یا ایک سے زائد مؤید موجود نہ ہوں۔ پس صحیح یہ ہے کہ موطا کی تمام مرسل روایات بلا استثناء صحیح ہیں۔“

نیز امام سیوطیؒ، اور اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ (م ۱۱۷۶ھ) نے بھی لکھا ہے کہ:

”وَقَدْ اَلَّفَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ كِتَابًا فِيْ وَصْلِ الْمُوَطَّا مِنَ الْمَرَاسِيْلِ وَقَالَ: جَمِيْعُ مَا فِي الْمُوَطَّأ مِنْ قَوْلِهٖ: بَلَغَهٗ، وَعَنِ الثِّقَةِ عِنْدَهٗ، وَاَمْثَالُ ذٰلِكَ اِحْدٰى وَسِتُّوْنَ حَدِيْثًا، وَكُلُّهَا مُسْنَدَةٌ مِنْ غَيْرِ طَرِيْقِ مَالِكٍ، اِلَّا اَرْبَعَةَ اَحَادِيْثَ لَمْ نَعْرِفْ مَاْخَذَهَا“۔[۳]

شیخ ابن عبدالبر مالکیؒ نے ایک کتاب تصنیف کی ہے، جس میں موطا کی تمام مراسیل کا وصل ثابت کر دکھایا ہے، اور لکھا ہے کہ موطا میں کل اکسٹھ مراسیل، بلاغات وغیرہ ہیں، جن کا

---

[۱] التمہید شرح الموطأ (۹:۲۶۵)

[۲] تنویر الحوالک شرح مؤطا مالک (ص ۱۳)

[۳] تنویر الحوالک شرح موطأ مالک (ص ۱۳) طبع دار الفکر بیروت، المسوی شرح الموطأ (۱:۲۴) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اتصال دیگر طُرق سے ثابت ہو چکا ہے۔ البتہ ان میں سے چار روایتیں ایسی ہیں جن کا اتصال ثابت کرنے سے ہم قاصر رہے ہیں۔

اس کے بعد ان دونوں حضرات نے وہ چاروں روایتیں ذکر کی ہیں، لیکن ان میں یہ مذکورہ روایت شامل نہیں۔

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ (م ۱۳۵۳ھ) اور مولانا میاں غلام رسولؒ (م ۱۲۹۱ھ) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وَ اتَّفَقَ اَهْلُ الْحَدِيْثِ عَلَى اَنَّ جَمِيْعَ مَافِيْهِ صَحِيْحٌ عَلَى رَأْيِ مَالِكٍ وَمَنْ وَافَقَهٗ، وَاَمَّا عَلَى رَأْيِ غَيْرِهٖ فَلَيْسَ فِيْهِ مُرْسَلٌ وَلَا مُنْقَطِعٌ اِلَّا قَدِ اتَّصَلَ السَّنَدُ بِهٖ مِنْ طُرُقٍ اُخْرَى، فَلَا جَرَمَ اَنَّهَا صَحِيْحَةٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ"۔[۱]

"تمام محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ "موطا" میں جتنی بھی روایات ہیں، وہ سب امام مالکؒ اور ان کے موافقین کی رائے پر صحیح ہے، رہے دوسرے حضرات (جو مرسل کو حجت نہیں مانتے) تو ان کے نزدیک بھی موطا میں کوئی ایسی مرسل یا منقطع روایت نہیں جس کا دوسرے طریقوں سے اتصال ثابت نہ ہوتا ہو، پس اس لحاظ سے بلاشبہ وہ (مرسل و منقطع) روایات بھی صحیح ہیں۔"

نیز مولانا میاں غلام رسول صاحبؒ ارقام فرماتے ہیں:

صاحب کبیری نے جو یہ کہا ہے کہ یزید بن رُومان کی حدیث منقطع ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ نے "حجۃ اللہ البالغۃ" میں فرمایا ہے کہ تمام اہل حدیث کے اتفاق سے موطا کی سب حدیثیں صحیح ہیں۔[۲]

مشہور غیر مقلد عالم حافظ محمد گوندلوی صاحبؒ (م ۱۴۰۵ھ) لکھتے ہیں:

---

[۱] مقدمۃ تحفۃ الاحوذی (۱:۵۷)، رسالہ تراویح مع ترجمہ "ینابیع" (ص ۴۱)۔

[۲] رسالہ تراویح مع ترجمہ ینابیع (ص ۴۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ائمہ حدیث کا اتفاق ہے کہ موطا کی جملہ احادیث امام مالکؒ کے ہاں ضرور صحیح ہیں، اور ان کے ہم خیال بھی آپ سے ان کی صحت میں متفق ہیں، اور جو ان کے ہم نوا نہیں اس قدر انہیں بھی تسلیم ہے کہ اس میں کوئی ایسی مرسل، منقطع نہیں جو بسند مروی نہ ہو (مگر چند امور کما ثَبَتَ بِالتَّتَبُّع) بلاشبہ اس حیثیت سے یہ بھی صحیح ہیں۔ [۱]

مولانا بدیع الدین راشدی (م ۱۴۱۶ھ) لکھتے ہیں:

ثابت ہوا کہ موطا کو اول درجہ میں اس وجہ سے شمار کیا گیا ہے کہ اس کی جو مرسل اور منقطع روایات ہیں وہ دوسری سندوں سے موصول ہوئی ہیں، لہٰذا یہ درجہ دوسری کتاب کو نہیں مل سکتا۔ [۲]

نیز لکھتے ہیں:

خود امام ابن عبدالبر تجرید التمھید صفحہ ۱۰ پر فرماتے ہیں: اِنَّا قَدْ وَصَلْنَا... ہم نے مراسیل موطا کو کتاب التمھید میں ثقات کے طُرق سے موصول بیان کر دیا ہے، جو آپ کے لیے مراسیل کی حجیت کو واضح کر دے گا، اور جو اس کو دیکھنا چاہے وہاں تمہید میں دیکھ لے۔

ثابت ہوا کہ موطا کی مرسل روایات کو اس لیے قبول کیا جاتا ہے کہ وہ دوسری اسناد سے متصل ثابت ہوئی ہیں، جن کے راوی ثقہ ہیں۔ [۳]

مولوی محمد قاسم خواجہ لکھتے ہیں:

موطا امام مالک جس کے متعلق شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں: امام شافعیؒ کا قول ہے کہ یہ موطا کتاب اللہ کے بعد صحیح ترین کتاب ہے، اور تمام اہلِ حدیث کا اس پر اتفاق ہے کہ اس کی تمام حدیثیں صحیح ہیں۔ [۴]

حافظ زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

---

[۱] التحقیق الراسخ (ص ۱۶، ۱۷) مطبوعہ نعمانی کتب خانہ لاہور.

[۲] مقالاتِ راشدیہ (۶:۴۷۱)

[۳] ایضاً (۶:۴۷۲)

[۴] حی علی الصلوۃ (ص ۱۸)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اہل الحدیث سے نقل کیا ہے کہ موطا کی تمام احادیث صحیح ہیں۔ [۱]
مولانا محمد جانباز خان محمدی حیدرآبادیؒ نے "موطا" کو ان کتب حدیث میں سے قرار دیا ہے کہ جن کی تمام احادیث صحیح ہیں، اور ان میں ایسی کوئی حدیث نہیں ہے جس کو ضعیف کہہ سکیں۔ [۲]

لہٰذا جب محدثین اور خود کبار علمائے غیر مقلدین کے نزدیک بھی موطا کی تمام مرسل اور منقطع روایات صحیح ہیں تو پھر موطا کی مذکورہ مرسل روایت پر ان کا اعتراض فضول ہے۔

بلکہ غیر مقلدین کے امام مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری (م ۱۳۵۳ھ) تو بلاغاتِ موطا (وہ روایات جو بلا سند ذکر کی جاتی ہیں، جن کا درجہ یقیناً مرسل سے کم ہے) کو بھی صحیح قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ موصوف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک اثر سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

امام مالک نے علی رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو بلاغاً روایت کیا ہے۔ علامہ زرقانی شرح موطا (۲۶:۱) میں لکھتے ہیں: بَلَاغُهٗ لَيْسَ مِنَ الضَّعِيْفِ۔ یعنی امام مالک کا بلاغ ضعیف نہیں۔ [۳]

پس جب موطا کا بلاغ صحیح ہے تو پھر اس کی مرسل صحیح کیونکر نہیں ہوگی؟

جوابِ رابع:

یزید بن رومانؒ کی مذکورہ حدیث کو حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) نے "فتح الباری" میں ذکر کر کے اس پر سکوت فرمایا ہے، اور اس پر کسی قسم کی جرح نہیں کی [۴] اور متعدد علمائے غیر مقلدین نے یہ تسلیم کیا ہے کہ حافظ ابن حجرؒ کا کسی حدیث کو "فتح الباری" میں ذکر کر کے اس پر جرح نہ کرنا اس حدیث کے صحیح یا کم از کم حسن ہونے کی دلیل ہے۔

چنانچہ غیر مقلدین کے شیخ الکل مولانا نذیر حسین دہلویؒ (م ۱۳۲۰ھ) ارقام فرماتے ہیں:

---

[۱] تعداد رکعات قیام رمضان (ص ۲۰)

[۲] فتاوی علمائے حدیث (۹۴:۳)

[۳] مجموعہ فتاوی مبارکپوری (ص ۵۰۴) مطبوعہ دار ابی الطیب گوجرانوالہ

[۴] فتح الباری شرح صحیح البخاری (۳۱۸:۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

میں کہتا ہوں کہ ابن عباس کی یہ روایت حافظ ابن حجر کے اس قاعدے کے مطابق جس کو انہوں نے اوائل مقدمہ فتح الباری میں بیان کیا ہے، حسن ہونا چاہیے۔[۱]

قاضی شوکانی ؒ (م ۱۲۵۰ھ) اور شیخ البانی ؒ (م ۱۴۲۰ھ) بھی "فتح الباری" میں کسی حدیث پر سکوتِ ابن حجر ؒ کو اس حدیث کے حسن یا صحیح ہونے کی دلیل گردانتے ہیں۔[۲]

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب ؒ (م ۱۳۵۳ھ) ایک حدیث (جس پر حافظ ابن حجر ؒ نے سکوت کیا ہے، اور جرح نہیں کی) لکھتے ہیں:

"ذَکَرَهُ الْحَافِظُ ابْنُ حَجَرٍ فِيْ فَتْحِ الْبَارِيْ وَهُوَ حَسَنٌ عِنْدَهُ عَلٰی مَا اشْتَرَطَ فِيْ اَوَائِلِ مُقَدِّمَةِ فَتْحِ الْبَارِی الخ"۔[۳]

"اس حدیث کو حافظ ابن حجر ؒ نے "فتح الباری" میں ذکر (کرکے اس پر سکوت) کیا ہے، جو کہ ان کے نزدیک اس حدیث کے حسن ہونے کی دلیل ہے۔ جیسا کہ خود انہوں نے "مقدمہ فتح الباری" کے شروع میں اس کی تصریح کی ہے۔

اسی طرح مبارکپوری صاحب ؒ ایک اور حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

"وَسَکَتَ (ابْنُ حَجَرٍ) عَنْ حَدِيْثِ وَائِلٍ، وَحَدِيْثِ هُلْبٍ، فَلَوْ کَانَا اَيْضًا ضَعِيْفَيْنِ عِنْدَهُ لَبَيَّنَ ضَعْفَهُمَا، وَلِاَنَّهُ قَالَ فِيْ اَوَائِلِ مُقَدِّمَةِ فَتْحِ الْبَارِی: ....."۔[۴]

"حافظ ابن حجر ؒ نے (فتح الباری میں) حضرت وائل اور حضرت ہلب رضی اللہ عنہما

---

[۱] فتاوی نذیریہ (۳۵۶:۲)

[۲] نیل الاوطار (۱۶۶:۱)، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ (۱۱۴۵:۶، ۱۲۶۴:۷، ۱۳۰۱)

[۳] ابکار المنن (ص ۴۵) نیز دیکھئے مجموعہ فتاوی (ص ۲۶۸)

[۴] ایضاً (ص ۱۰۶)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کی احادیث کو ذکر کر کے ان پر سکوت کیا ہے، اور اگر یہ دونوں حدیثیں بھی ان کے نزدیک ضعیف ہوتیں تو وہ ضرور ان کا ضعف بیان کرتے۔ نیز ان کا یہ سکوت ان دونوں حدیثوں کے حسن ہونے کی دلیل ہے، کیونکہ انہوں نے "مقدمہ فتح الباری" میں اس کی تصریح کی ہے۔

مبارکپوری صاحب کے استاذ اور بزرگ غیر مقلد عالم حافظ عبد اللہ غازی پوری (م ۱۳۳۷ھ) ایک حدیث جس کو حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں ذکر کیا ہے، سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ روایت صحیح ہے یا حسن ہے، ضعیف نہیں ہے، اس لیے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مقدمہ فتح الباری (ص: ۴ چھاپہ دہلی) میں اس امر کی تصریح کی ہے کہ ہم جو حدیث فتح الباری میں ذکر کریں گے، اس شرط سے ذکر کریں گے کہ وہ حدیث یا تو صحیح ہوگی یا حسن ہوگی۔ [۱]

نیز غازی پوری صاحبؒ اپنی ایک اور مستدل حدیث کے دفاع میں لکھتے ہیں:

نیل (نیل الاوطار) میں قتادہ سے مروی حدیث ہے، جسے صاحب الفتح (فتح الباری) نے ذکر کیا ہے، انہوں نے اس پر تعاقب نہیں کیا، باوجود اس کے کہ ان کی عادت یہ ہے کہ وہ اس حدیث پر تعاقب کرتے ہیں، جس میں ضُعف ہوتا ہے۔ [۲]

مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ (م ۱۳۶۷ھ) ارقام فرماتے ہیں:

(حافظ ابن حجرؒ) مقدمہ میں لکھ چکے ہیں کہ "شرح بخاری" میں جن احادیث کو بغیر جرح کے نقل کروں گا وہ صحیح ہوگی یا حسن۔ [۳]

مولانا بدیع الدین راشدی (م ۱۴۱۶ھ) ایک حدیث کے متعلق لکھتے ہیں: حافظ ابن حجر

---

[۱] مقالات غازی پوری (ص ۳۳۸، ۳۳۹)

[۲] مجموعہ فتاوی غازی پوری (ص ۳۰۴)

[۳] فتاوی علمائے حدیث (۱۳: ۱۹۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

نے فتح الباری، ۲٦۸ میں اس کو ذکر کیا ہے، اور مقدمہ فتح الباری ص ۴ میں یہ شرط رکھی ہے کہ جو حدیث ذکر کریں گے وہ صحیح یا حسن ہو گی۔ [۱]

مولانا عبدالرؤف سندھو لکھتے ہیں:

فتح الباری میں حافظ ابن حجر کا اس حدیث پر سکوت اس کے حسن ہونے کی علامت ہے۔ [۲]

حافظ زبیر علی زئی اپنے استاذ مولانا عبدالمنان نور پوری صاحب (م ۱۴۳۳ھ) کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر نے عقبہ بن عامر کے اثر کو فتح الباری میں نقل فرما کر سکوت فرمایا ہے۔ لہٰذا ان کی شرط کے اعتبار سے یہ اثر ان کے نزدیک کم از کم حسن تو ضرور ہے۔ [۳]

مولانا ارشاد الحق اثری ایک حدیث سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اور غالباً یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجرؒ نے فتح (یعنی فتح الباری۔ ناقل) ص ۲۴۳، ج ۲، میں حضرت ابن عباس کی حدیث پر سکوت کیا ہے۔ [۴]

مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹیؒ (م ۱۳۷۵ھ) رقمطراز ہیں:

حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری میں تصریح کی ہے کہ میں اس شرح (فتح الباری) میں جو حدیث لاؤں گا وہ صحیح ہو گی یا حسن (مقدمہ ص ۴)۔ [۵]

کفایت اللہ سنابلی صاحب بھی حافظ صاحب کے کسی حدیث پر سکوت کو اس حدیث کے

---

[۱] مقالات راشدیہ (۲:۱۶۴) نیز دیکھئے (۲:۹۹)

[۲] القول المقبول (ص ۴۳۴)

[۳] نور العینین (ص ۱۴۵ حاشیہ نمبر ۱)

[۴] توضیح الکلام (۱:۲۱۷) نیز دیکھئے تنقیح الکلام (ص ۹۳، ۱۴۳)

[۵] شہادت القرآن (ص ۲۳٦)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

حسن یا صحیح ہونے کی دلیل قرار دیتے ہیں۔[۱]

الغرض یہ روایت غیر مقلدین کے مسلمات کی روشنی میں بھی ہر لحاظ سے صحیح ہے۔

اعتراض ثانی:

غیر مقلدین حضرات اس روایت پر یہ اعتراض بھی کرتے ہیں کہ یہ روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے خالی ہے، اس میں صرف یہی ہے کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بیس تراویح پڑھتے تھے۔ اس میں اس امر کی تصریح نہیں کہ جو لوگ بیس رکعت پڑھتے تھے وہ بحکم حضرت عمر رضی اللہ عنہ پڑھتے تھے۔[۲]

جواب:

یہ اعتراض بھی کئی وجوہ سے باطل ہے۔

① اگرچہ اس روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کی تصریح نہیں، لیکن دیگر روایات میں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کی تصریح موجود ہے۔ مثلاً حضرت یحییٰ بن سعید انصاریؒ کی روایت جو ابھی گزری ہے، اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کی تصریح موجود ہے۔ اسی طرح آگے ہم متعدد روایات ذکر کر رہے ہیں جن میں صراحتاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کو بیس تراویح پڑھانے کا حکم موجود ہے۔ لہٰذا جن روایات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کی تصریح نہیں ان کو بھی ان کے حکم والی روایات پر محمول کیا جائے گا، کیونکہ باقرار علمائے غیر مقلدین ایک حدیث دوسری حدیث کی تفسیر بیان کرتی ہے۔

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری (م ۱۳۵۳ھ) رقمطراز ہیں:

---

[۱] انوار البدر (ص ۲۸، ۳۵)، انوار التوضیح (ص ۱۳۹)

[۲] رکعات تراویح (۱۹) از حافظ عبد اللہ غازی پوری، تعداد رکعات قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ (ص ۷۰) از حافظ زبیر علی زئی، تعداد تراویح (ص ۶۲) از حافظ عبدالمنان نور پوری وغیرہ۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اور یہ تو مسلم ہی ہے کہ بعض روایات بعض کی مفسر ہوا کرتی ہیں۔[۱]

مولانا محمد گوندلوی (م ۱۴۰۵ھ) لکھتے ہیں:

حافظ صاحب (ابن حجر) اور عینی نے شرح بخاری میں فرمایا: اَلْاَحَادِیْثُ یُفَسِّرُ بَعْضُهَا بَعْضًا (حدیثیں ایک دوسرے کی تفسیر کرتی ہیں)[۲]

مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں:

اور اصول کا یہ مسلمہ قاعدہ ہے: ''اَلْحَدِیْثُ یُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا'' کہ ایک حدیث دوسری کی وضاحت کرتی ہے۔[۳]

مولانا محب اللہ راشدی (م ۱۴۱۵ھ) ارقام فرماتے ہیں:

محدثین کا اصول ہے کہ: اَلْاَحَادِیْثُ یُفَسِّرُ بَعْضُهَا بَعْضًا۔ یعنی بعض احادیث بعض کی تفسیر ہوتی ہیں۔ اس وجہ سے ایک حدیث کو دوسری سے ملا کر پھر مطلب نکالتے ہیں۔[۴]

اب اگر ہماری سب مستدل احادیث کو ملا کر دیکھا جائے تو ان میں سے ہر ایک حدیث دوسری کی تفسیر کر رہی ہے۔ مثلاً حدیث نمبر ا میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک شخص کو بیس تراویح پڑھانے کا حکم مذکور ہے، جب کہ حدیث نمبر ۳ وغیرہ میں اس کی تصریح موجود ہے کہ وہ شخص حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ تھے۔ اس مذکورہ حدیث میں ہے کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بیس تراویح پڑھا کرتے ہیں، جب کے آگے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہما کی روایات آ رہی ہیں جن میں اس کی وضاحت ہے کہ: کُنَّا نَقُوْمُ... یعنی ہم صحابہؓ حضرت عمرؓ کے عہد میں بیس تراویح پڑھتے تھے۔ ان

---

[۱] مقالات مبارکپوری (ص ۴۴۹)

[۲] مقالات گوندلوی (۱: ۴۴۵)

[۳] توضیح الکلام (۱: ۴۸۹، ۵۴۴)

[۴] مقالات راشدیہ (۹: ۱۰۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

سب احادیث کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کو بیس تراویح پڑھانے کا حکم دیا، اور سب صحابہ کرام ان کے اس حکم سے حضرت اُبیؓ کی اقتداء میں بیس تراویح پڑھا کرتے تھے۔ وھو المطلوب

(۲) خود غیر مقلدین کے اکابر کو بھی یہ بات تسلیم ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جو لوگ بیس تراویح پڑھتے تھے، وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم اور فرمان سے ہی پڑھتے تھے، اس کی تفصیل مقدمہ میں گزر چکی ہے، فَلْيُرَاجِعْ اِلَيْهَا۔

(۳) یہ اعتراض ہی فضول ہے، کیونکہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت اور مدینہ منورہ جیسے شہر کا واقعہ ہے (اس لیے کہ اس روایت کے راوی حضرت یزید بن رومانؒ مدنی ہیں)۔ نیز مابعد روایت میں مدینہ منورہ کی تصریح ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہی لوگوں کو تراویح کی جماعت پر اکٹھا فرمایا، اور اس کی ترغیب دی۔ بلکہ آپ کا لوگوں کے ساتھ تراویح پڑھنا بھی ثابت ہے۔ جیسا کہ مقدمہ میں بحوالہ گزرا ہے۔

نیز ''بخاری'' و ''موطا'' کے حوالہ سے یہ روایت گزر چکی ہے کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی مقرر کردہ جماعت تراویح کا معائنہ بھی فرمایا، اور اس کو ''نِعْمَ الْبِدْعَة'' سے تعبیر فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ لوگوں کا یہ بیس تراویح پڑھنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زیرِ علم تھا۔

غیر مقلدین کے مشہور عالم اور اس مسئلہ تراویح میں ان کے سب سے بڑے وکیل مولانا نذیر احمد رحمانیؒ (م ۱۳۸۵ھ) بھی تسلیم کرتے ہیں کہ لوگوں کا بیس تراویح پڑھنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زیرِ علم تھا، چنانچہ موصوف لکھتے ہیں:

حضرت عمرؓ نے بیس (تراویح) پر نکیر نہیں فرمائی، یہی اہل حدیث کا مذہب بھی ہے۔ [۱]

---

[۱] انوار المصابیح (۲۴۳)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

نیز جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کی جماعت قائم فرمائی، اور حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کو اس کا امام مقرر فرمایا، تو اب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اس کی تعداد مقرر نہیں فرمائی، اور اسے لوگوں کی مرضی پر چھوڑ دیا؟ لہٰذا یہ لامحالہ ماننا پڑے گا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جیسے تراویح کی جماعت قائم کی، اسی طرح انہوں نے اس کی رکعات کی تعداد بھی خود ہی متعین فرمائی۔ اس حقیقت کا اقرار نامور غیر مقلد عالم مولانا وحید الزمان ؒ (م ۱۳۳۸ھ) نے بھی کیا ہے، جیسا کہ ان کا بیان حدیث نمبر ۱ (روایت ابن عباس ؓ) کے ذیل میں گزرا ہے کہ جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے تراویح کی جماعت قائم ہوئی، اسی طرح انہوں نے اپنے حکم سے اس کی تعداد (بیس تراویح) بھی مقرر فرمائی۔

(۴) اور اگر بالفرض مان لیا جائے کہ یہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کے بغیر خود ہی اپنی مرضی سے بیس تراویح پڑھتے تھے، تو کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو اس فعل سے منع فرمایا تھا؟ ہرگز نہیں۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا باوجود علم ہونے کے لوگوں کو اس عمل سے منع نہ فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ لوگوں کے اس عمل میں ان کی رضامندی بھی شامل تھی، اور ان کے نزدیک یہی سنت تھی۔ ورنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے متبع سنت اور عاشق رسول صحابی کیسے یہ برداشت کر سکتے ہیں کہ ان کے ماتحت رعایا کوئی غلط یا خلافِ سنت کام سر انجام دیں۔ بزرگ غیر مقلد عالم مولانا محمد عبداللہ غازی پوری ؒ (م ۱۳۳۷ھ) بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جو لوگ بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے، اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رضا شامل تھی، چنانچہ اپنے ایک فتوی میں فرماتے ہیں:

ہاں بعض روایت سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لوگ بیس رکعت پڑھتے تھے، جیسا کہ روایت سائب بن یزید سے جو امام بیہقی ؒ نے کتاب المعرفہ میں روایت کیا ہے، معلوم ہوتا ہے، لیکن یہ معلوم کرنا چاہیے کہ اس سے پڑھنا بیس رکعت کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نہیں ثابت ہوتا، ہاں رضائے حضرت عمر رضی اللہ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

عنہ ثابت ہوتی ہے۔[۱]

لہٰذا اگر بالفرض یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قولی یا فعلی سنت نہیں، تو ان کی تقریری سنت ضرور ہے، اور وہ بھی حجت ہے۔

④ خود غیر مقلدین کے اپنے دلائل (روایات عمرؓ) میں سوائے موطا امام مالک کی روایت کے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کی تصریح نہیں ہے۔

چنانچہ مولانا نذیر احمد رحمانی ؒ (م ۱۳۸۵ھ) لکھتے ہیں:

امام مالک ؒ کی روایت میں (حضرت عمرؓ کے) حکم دینے کا ذکر ہے، اور دوسروں کی روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے۔[۲]

لیکن غیر مقلدین ان روایات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کی تصریح نہ ہونے کے باوجود بڑے طمطراق سے ان روایات سے استدلال کرتے ہیں، اور وہاں اس کا وہ جو عذر بیان کرتے ہیں وہ بھی ذرا ملاحظہ کریں۔

چنانچہ یحییٰ بن سعید ؒ کی روایت کے ذیل میں مولانا عبد المنان نور پوری صاحب (م ۱۴۳۳ھ) لکھتے ہیں:

یہ درست ہے کہ یحییٰ بن سعید کے بیان میں حضرت عمرؓ کے حکم کا ذکر نہیں، مگر اس کے بیان میں حضرت عمرؓ کے حکم کی نفی بھی تو نہیں۔[۳]

کیا ہم یہاں بھی غیر مقلدین سے ایسے ہی فیصلے کی توقع رکھ سکتے ہیں۔ دیدہ باید!

روایت نمبر ۳:

امام ابو بکر بن ابی شیبہ ؒ (م ۲۳۵ھ) روایت کرتے ہیں:

---

[۱] مجموعہ فتاویٰ مولانا غازی پوری (ص ۲۴۲) مطبوعہ دار ابی الطیب، گوجرانوالہ

[۲] انوار المصابیح (ص ۲۳۷)

[۳] تعداد تراویح (ص ۱۴۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

"ثَنَا حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ حَسَنٍ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ رُفَيْعٍ قَالَ: كَانَ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ فِيْ رَمَضَانَ بِالْمَدِيْنَةِ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَيُوْتِرُ بِثَلَاثٍ"۔[۱]

"ہم سے حمید بن عبدالرحمٰنؒ نے بیان کیا ہے، وہ حسن بن صالحؒ سے، اور وہ حضرت عبدالعزیز بن رُفیع تابعیؒ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: حضرت اُبَی بن کعب رضی اللہ عنہ (عہد فاروقی میں) لوگوں کو مدینہ منورہ میں بیس رکعت (تراویح) اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے۔"

اس روایت کی سند بالکل صحیح ہے۔ سند کے پہلے راوی امام ابوبکر بن ابی شیبہؒ (م ۲۳۵ھ) صاحب مصنف کا تذکرہ روایت نمبر ۱ میں گزر چکا ہے۔

دوسرے راوی ابوعوف حمید بن عبدالرحمٰن رُواسی کوفیؒ (م ۱۸۹ھ) ہیں۔ امام یحییٰ بن معینؒ (م ۲۳۳ھ) فرماتے ہیں: یہ ثقہ تھے، امام احمدؒ (م ۲۴۱ھ) بھی ان کی تعریف کرتے ہیں، امام ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ) نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے، امام ابن سعدؒ (م ۲۳۰ھ) فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے، امام عجلیؒ (م ۲۶۱ھ) فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ ثبت (پختہ کار) عاقل اور ناسک تھے۔ امام ابوبکر بن ابی شیبہؒ (م ۲۳۵ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے ان جیسے لوگ کم دیکھے ہیں۔[۲]

تیسرے راوی حسن بن صالح بن حیؒ (م ۱۶۹ھ) بھی ثقہ ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ (م ۲۴۱ھ) ان کو ثقہ، صحیح الروایۃ اور اَثْبَتُ فی الحدیث (حدیث میں انتہائی پختہ کار)

---

[۱] مصنف ابن ابی شیبہ (۲:۲۸۵)

[۲] دیکھئے تھذیب التھذیب (۲:۲۹)، تذکرۃ الحفاظ (۱:۲۱۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کہتے ہیں، امام نسائیؒ (م ۳۰۳ھ)، امام یحیٰ بن معینؒ (م ۲۳۳ھ) اور امام ابو حاتمؒ (م ۲۷۷ھ) بھی ان کو ثقہ بتلاتے ہیں۔

امام ابو زرعہؒ (م ۲۶۴ھ) فرماتے ہیں کہ حسن بن صالحؒ میں اتقان (روایت حدیث میں پختگی)، فقہ، عبادت اور زہد چاروں چیزیں جمع تھیں، عبدہ بن سلیمانؒ (م ۱۸۸ھ) کا قول ہے کہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی حسن بن صالحؒ کو عذاب دینے سے حیا (درگزر) فرمائیں گے۔[۱]

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) ان کے بارے میں لکھتے ہیں: ثقہ فقیہ، عابد۔[۲]

چوتھے راوی حضرت عبدالعزیز بن رفیعؒ (م ۱۳۰ھ) ثقہ تابعی ہیں، اور ان کو حضرت انس، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر اور حضرت ابو الطفیل وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔ امام احمدؒ (م ۲۴۱ھ)، امام یحیٰ بن معینؒ (م ۲۳۳ھ)، امام ابوحاتم رازیؒ (م ۲۷۷ھ) اور امام نسائیؒ (م ۳۰۳ھ) وغیرہ ان کو ثقہ کہتے ہیں، امام ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ) نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے، امام عجلیؒ (م ۲۶۱ھ) فرماتے ہیں کہ عبدالعزیز بن رفیعؒ ثقہ تابعی ہیں، امام یعقوب بن شیبہؒ (م ۲۶۲ھ) فرماتے ہیں کہ ان کی حدیث حجت کا درجہ رکھتی ہے۔[۳] حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) نے بھی ان کو ثقہ بتلایا ہے۔[۴]

اور حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ (م ۳۰ھ) مشہور صحابی رسول ﷺ ہیں۔ غرض یہ روایت بالکل صحیح ہے۔ البتہ عبدالعزیز بن رفیعؒ کی حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے

---

[۱] "تھذیب الکمال" (۴:۳۴۹) تھذیب التھذیب (۱:۴۹۳، ۴۹۵)

[۲] تقریب التھذیب (۱:۲۰۵)

[۳] "تھذیب الکمال" (۱۱:۴۹۶) "تھذیب التھذیب" (۳:۴۶۱)

[۴] تقریب التھذیب (۱:۶۰۳)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ملاقات ثابت نہیں ہے۔ اگرچہ بچپن میں اُن سے ملاقات ہونا ممکن ضرور ہے۔ کیونکہ ان کی وفات کے وقت (۱۳۰ ہجری میں) عمر سو سال سے متجاوز تھی، جب کہ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ کی وفات ۳۰ ہجری یا اس کے بعد ہوئی ہے، اس لحاظ سے ان کا حضرت اُبیؓ سے لقاء ممکن ہے، اور اتصال سند کے لیے صرف امکانِ لقاء ہی کافی ہے، جیسا کہ آگے بحوالہ علمائے غیر مقلدین آرہا ہے۔

اور اگر بالفرض ان کا حضرت اُبی رضی اللہ عنہ سے لقاء نہیں بھی، تو حضرت اُبی رضی اللہ عنہ جن لوگوں کو تراویح پڑھاتے تھے، ان سے تو یقیناً ان کو نہ صرف لقاء بلکہ روایت کا شرف بھی حاصل ہے۔ اور ایسی صورت میں بھی مولانا مبارکپوری صاحب (م ۱۳۵۳ھ) کے بیان کردہ اصول کی روشنی میں یہ روایت متصل ہی تصور ہوگی۔ اور اگر اس روایت کو مُرسل بھی قرار دیں تو بھی حُجت ہے، کیونکہ یہ مُرسل معتضد ہے، جس کے قابل حجت ہونے پر سب کا اتفاق ہے، جیسا کہ یہ بحث تفصیل سے آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔

روایت نمبر ۴:

امام ابوداودؒ (م ۲۷۵ھ) فرماتے ہیں:

”حَدَّثَنَا شُجَاعُ بْنُ مَخْلَدٍ، ثَنَا هُشَيْمٌ، اَنَا يُوْنُسُ بْنُ عُبَيْدٍ عَنِ الْحَسَنِ: اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ جَمَعَ النَّاسَ عَلٰى اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رضی اللہ عنہ فَكَانَ يُصَلِّيْ لَهُمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً“۔[۱]

”ہم سے شجاع بن مخلدؒ نے بیان کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ہُشیمؒ نے بیان کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے یونس بن عُبیدؒ نے بیان کیا ہے، وہ حضرت حسن

[۱] سنن ابی داود (۱: ۲۰۳) طبع میر محمد کتب خانہ کراچی، طبع منشی نولکشور دہلی ۱۲۹۳ھ، (۱: ۲۰۹) طبع مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۶ھ۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بصریؒ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ (کی اقتدا) پر اکٹھا فرمایا تو وہ اُن کو بیس رکعت (تراویح) پڑھایا کرتے تھے۔"

(ف) "سنن ابی داوٗد" کا وہ نسخہ جو حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ (م ۱۳۳۹ھ) کی تصحیح کے ساتھ مطبع مجتبائی دہلی سے طبع ہوا تھا، اس میں یہ روایت "عِشْرِيْنَ رَكْعَةً" کے الفاظ سے نقل ہوئی ہے، اور اس کے حاشیہ پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے: كَذَا فِيْ نُسْخَةٍ مَقْرُوْئَةٍ عَلَى الشَّيْخِ مَوْلَانَا مُحَمَّد اسحاقؒ "یعنی اسی طرح" عِشْرِيْنَ رَكْعَةً " کے الفاظ اس نسخہ میں بھی ہیں جو شیخ مولانا محمد اسحاق دہلویؒ (م ۱۲۶۲ھ) کے سامنے پڑھا جاتا تھا۔

نیز عظیم محدث، امام اسماء الرجال حافظ شمس الدین ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) نے بھی یہی روایت "سنن ابی داوٗد" کے حوالہ سے " عِشْرِيْنَ رَكْعَةً " کے الفاظ کے ساتھ نقل فرمائی ہے۔ [۱]

محدثِ جلیل امام ابن قدامہ حنبلیؒ (۶۲۰ھ) نے بھی یہ روایت بحوالہ سنن ابی داوٗد "عِشْرِيْنَ رَكْعَةً " کے الفاظ سے نقل کی ہے۔ بلکہ انہوں نے اس کو بیس تراویح پر اپنی دلیل کے طور پر ذکر کیا ہے۔ [۲]

نامور مفسر، عظیم محدث اور بلند پایہ مؤرخ امام ابن کثیرؒ (م ۷۷۴ھ) نے بھی اس روایت کو بحوالہ سنن ابی داوٗد عِشْرِيْنَ رَكْعَةً سے ہی نقل کیا ہے۔ [۳]

حافظ ولی الدین عراقیؒ (۸۲۶ھ)، جیسے محدث کبیر بھی اس حدیث کو بحوالہ "سنن ابی

---

[۱] سیر اعلام النبلاء (۱:۴۰۰-۴۰۱) طبع مؤسسۃ الرسالۃ بیروت

[۲] المغنی (۲:۸۰۵) بحوالہ تنبیہ الغافلین (ص ۳۱-۳۵)

[۳] جامع المسانید والسنن (۱:۵۴، ح ۲۶۵) طبع دار الفکر بیروت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

داوٗد" "عِشْرِيْنَ رَكْعَةً" کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔[1]

محدثین کبار کے ان حوالجات سے ثابت ہو رہا ہے کہ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً کے الفاظ والا یہ نسخہ ثابت ہے۔

لہٰذا بعض غیر مقلدین کا ان ٹھوس حوالجات کو کتابت کی غلطی یا وہم کہنا[2] محض اپنے حواریوں کو تسلی دینے کی ناکام کوشش ہے۔

البتہ مشکوٰۃ، تحفۃ الاشراف وغیرہ کتب میں یہ روایت "عِشْرِيْنَ رَكْعَةً" کے بجائے "عِشْرِيْنَ لَيْلَةً" کے الفاظ سے منقول ہے۔ غیر مقلدین ان حوالجات کو لے کر یہ دعوٰی کرتے ہیں کہ "عِشْرِيْنَ رَكْعَةً" والا نسخہ محرّف ہے، اور دیوبندیوں کے شیخ الہند نے اس میں تحریف کر کے "عِشْرِيْنَ لَيْلَةً" کو "عِشْرِيْنَ رَكْعَةً" بنادیا ہے، لیکن غیر مقلدین کا یہ محض غیر مقلدانہ واویلا اور جاہلانہ شور شرابہ ہے، کیونکہ حضرت شیخ الہندؒ کی ولادت ۱۲۶۸ھ میں ہوئی، جب کہ ان کی ولادت سے کئی سو سال پہلے امام ذہبیؒ، حافظ ابن کثیرؒ، حافظ ابن قدامہؒ اور حافظ عراقیؒ وغیرہ جیسے معتبر اور بلند پایہ محدثین نے یہی روایت "عشرین رکعۃ" کے الفاظ سے نقل فرمائی ہے، اور شیخ الہندؒ کی ولادت سے کئی عرصہ پہلے مسند الہند حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ (م ۱۲۶۲ھ) کے سامنے بھی یہی "عشرین رکعۃ" والا نسخہ پڑھا جاتا تھا۔ اور غیر مقلدین کے شیخ الکل مولانا نذیر حسین دہلوی صاحبؒ (م ۱۳۲۰ھ) نے اگر واقعی شاہ اسحاق صاحبؒ کے پاس دورہ حدیث پڑھا ہے، تو انہوں نے بھی دوران سبق یہی نسخہ حضرت شاہ صاحبؒ سے پڑھا ہوگا۔ تو کیا اب غیر مقلدین حضرات ان سب بزرگوں پر بھی شیخ الہندؒ کی طرح محرّف اور غلط کار ہونے کا الزام لگائیں گے۔ دیدہ باید! لیکن

---

[1] الاطراف باوھام الاطراف (ص ۳۴) طبع مکتبۃ دار الجنان بیروت

[2] انوار التوضیح (ص ۳۵۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ع مشکل بہت پڑے گی برابر کی چوٹ ہے

غیر مقلدین ”عشرین رکعۃ“ والے نسخے کو غلط ثابت کرنے کے لیے جو دلائل ذکر کرتے ہیں کہ فلاں فلاں کتاب میں یہ روایت ”عشرین لَیْلَۃً“ کے ساتھ درج ہے، تو یہ دلائل ہمارے دعویٰ کے خلاف نہیں ہیں، اور نہ ہی ان سے ”عشرین رکعۃ“ والے نسخہ کا محرَّف ہونا لازم آتا ہے، کیونکہ ان سے صرف ”عشرین لیلۃ“ کے الفاظ والے نسخہ کا اثبات ہوتا ہے کہ ”عشرین لیلۃ“ والا نسخہ بھی ہے، اور اس سے ہمیں کوئی انکار نہیں، کیونکہ ہمارا دعویٰ یہ نہیں کہ ہر نسخہ میں ”عشرین رکعۃ“ کے الفاظ ہیں، بلکہ ہمارا دعویٰ تو یہ ہے کہ ”سنن ابی داوٗد“ کے بعض نسخوں میں یہ روایت ”عشرین رکعۃ“ کے ساتھ ہے، اور بعض نسخوں میں ”عشرین لیلۃ“ کے ساتھ درج ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے نسخہ کا محرَّف ہونا تو تب لازم آتا جب غیر مقلدین کم از کم کسی ایک ہی معتبر محدث کا حوالہ پیش کر دیتے کہ ”عشرین رکعۃ“ والا نسخہ محرَّف ہے۔ لیکن یہ بات غیر مقلدین قیامت کی صبح تک ثابت نہیں کر سکتے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ، اس کے برخلاف ہم نے امام ذہبیؒ وغیرہ چوٹی کے محدثین کے حوالہ سے ثابت کیا ہے کہ ”عشرین رکعۃ“ والا نسخہ ثابت ہے۔

باقی اگر کسی نسخہ میں ”عشرین رکعۃ“ کے الفاظ نہیں، اور اس کے بجائے ”عشرین لیلۃ“ کے الفاظ ہیں، تو اس سے ”عشرین رکعۃ“ والے نسخہ کا محرَّف یا الحاقی ہونا لازم نہیں آتا، کیونکہ بزرگ غیر مقلد عالم مولانا محمد بشیر سہسوانی (م ۱۳۲۶ھ) نے تصریح کی ہے کہ:

بعض نسخوں میں ہونا، اور بعض میں نہ ہونا موجب عدمِ اعتماد نہیں ہو سکتا، ورنہ لازم آتا ہے کہ وہ نسخہ جو متن میں لکھا گیا ہے وہ بھی قابل اعتماد نہ ہو۔ [۱]

---

[۱] البرھان العُجاب (ص ۲۶۳)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

مشہور غیر مقلد محقق مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری (م ۱۳۵۳ھ) ارقام فرماتے ہیں:

کتبِ حدیث میں متعدد روایات اور عبارات ایسی ہیں جو بعض نسخوں میں ہیں۔ اور بعض نسخوں میں نہیں، مگر کوئی بھی ان کو الحاقی نہیں بتلاتا۔[۱]

نیز مبارکپوری صاحب نے "صحیح بخاری" کے ایک نسخہ، جس میں ہے کہ: فَأَقَامَ فِيهِمْ أَرْبَعًا وَّعِشْرِيْنَ۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل قباء کے ہاں چوبیس دن قیام کیا، سے استدلال کیا ہے، حالانکہ بخاری کے اکثر نسخوں میں " اربع عشرة" کے الفاظ ہیں کہ: آپ ﷺ نے چودہ دن قیام کیا۔ مبارکپوری صاحب اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

ہم نے اربع عشرۃ کے نسخہ کا انکار کب کیا ہے، جو آپ اس نسخہ کو نقل کرنے چلے۔[۲]

نیز مبارکپوی صاحب نے حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) کی عبارت جس میں انہوں نے" اربع عشرۃ" کا اکثر نسخوں میں ہونا بتلایا ہے، کے جواب میں لکھتے ہیں:

سو اولاً: اس سے یہی ۲۴ والی روایت کا "صحیح بخاری" میں ہونا ثابت ہے۔

ثانیاً: ہم کو اربع عشرۃ کے نسخہ سے انکار نہیں۔[۳]

مولانا عبداللہ روپڑی (م ۱۳۸۴ھ) لکھتے ہیں:

اور کتاب الأم امام شافعیؒ جلد اول صفحہ ۱۲۶ پر ایک نسخہ میں تصریح کی ہے...[۴]

حافظ زبیر علی زئی، مصنف عبد الرزاق میں اکیس تراویح والی روایت کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[۱] تحقیق الکلام (۲:۱۴۹)

[۲] مقالات مبارکپوری (ص ۱۴۵)

[۳] ایضاً

[۴] تحقیق التراویح (ص ۵۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

مصنف کے اصل نسخہ میں اختلاف ہے۔ امام سیوطی نے مصنف عبد الرزاق سے (۱۱) کا عدد نقل کیا ہے۔[۱]

سنابلی صاحب لکھتے ہیں:

اور ترمذی کے ایک نسخے میں بھی مسند احمد کی طرح سینے پر ہاتھ باندھنے کے الفاظ ہیں، چنانچہ محدث عبد الحق لکھتے ہیں...[۲]

نیز لکھتے ہیں:

عصرِ حاضر کے محدث علامہ البانی ؒ نے مدرکِ رکوع سے متعلق ایک روایت کو مع سند مسائل احمد و اسحاق سے نقل کیا، اور اسے بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے، لیکن یہ روایت "مسائل احمد و اسحاق" کے مطبوعہ نسخے میں نہیں ہے، اسی طرح "مسائل احمد" کے جتنے بھی مخطوطات عام ہیں، ان میں بھی یہ روایت نہیں ہے۔ علامہ البانی نے صرف ایک مخطوط سے اسے مع سند نقل کیا، لیکن محققین ان کی نقل کو بھی کافی سمجھتے ہیں۔"[۳]

غیر مقلدین کے استاذ العلماء مولانا محمد گوندلوی ؒ (م ۱۴۰۵ھ) حافظ ابن حجر ؒ کی ایک عبارت سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ عبارت تلخیص کے بعض نسخوں میں ہے جو مطبوع کے حاشیہ پر ہے۔[۴]

مولانا ارشاد الحق اثری ایک راوی کے متعلق لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر ؒ اسے صدوق کہتے ہیں، جیسا کہ تقریب کے بعض نسخوں میں ہے، بعض

---

[۱] تعدادِ رکعاتِ قیامِ رمضان کا تحقیقی جائزہ (ص ۶۸)

[۲] انوار البدر (ص ۸۳)

[۳] یزید بن معاویہ ؓ (ص ۷۱۵)

[۴] التحقیق الراسخ (ص ۱۳۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

نسخوں میں صدوق کا لفظ گر گیا ہے۔[۱]

نیز ایک روایت کے متعلق لکھتے ہیں:

ممکن ہے کہ بعض نسخوں میں یہ روایت ہو، جس کی بنیاد پر علامہ زیلعیؒ نے اسے نقل کیا، اور وہی نسخہ مطبوعہ صورت میں ہمارے سامنے ہے۔[۲]

مولانا بدیع الدین راشدی (م ۱۴۱۶ھ) لکھتے ہیں:

اگر کوئی کہے کہ المحلی والی روایت بحوالہ ابن ابی شیبہ ہے، اور مصنف ابن ابی شیبہ میں پہلی بار یعنی تکبیر تحریمہ کے وقت رفع الیدین کا ذکر نہیں ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام ابن حزم نقل کرنے میں ثقہ اور معتبر ہیں، بعید نہیں کہ اس کے نسخہ میں یہ الفاظ ہوں۔ نسخوں کا اختلاف ہوسکتا ہے، اس لیے یہ کوئی اعتراض نہیں ہے۔[۳]

بنابریں ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ امام ذہبیؒ، امام ابن قدامہؒ اور امام ابن العراقیؒ وغیرہ ثقہ اور معتبر محدثین یہ روایت بحوالہ سنن ابی داوٗد ''عشرین رکعۃ'' کے الفاظ سے نقل کر رہے ہیں تو ضرور ان کے نسخوں میں یہ روایت ان ہی الفاظ کے ساتھ ہوگی، اور اگر کسی نسخہ میں ''عشرین رکعۃ'' کے بجائے ''عشرین لیلۃ'' کے الفاظ درج ہیں تو اس سے ''عشرین رکعۃ'' والے نسخہ کا محرّف ہونا لازم نہیں آتا، کیونکہ جیسے ''عشرین لیلۃ'' والا نسخہ ثابت ہے، ایسے ہی ''عشرین رکعۃ'' والا نسخہ بھی ثابت ہے، اور اس سے بیس رکعت تراویح پر استدلال بھی درست ہے۔

اور اگر غور سے دیکھا جائے تو ''عشرین رکعۃ'' والا نسخہ ہی راجح معلوم ہوتا ہے، کیونکہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی دیگر روایات میں بھی یہی ''عشرین رکعۃ'' کے الفاظ آئے ہیں، مثلاً مابعد حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا لوگوں کو حضرت اُبی بن

---

[۱] توضیح الکلام (۱: ۵۳۳)

[۲] تنقیح الکلام (ص ۲۷۴)

[۳] مقالات راشدیہ (۱۰: ۹۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کعب رضی اللہ عنہ کی امامت میں بیس رکعات تراویح پر جمع کرنے کا ذکر ہے۔ عبدالعزیز بن رُفیعؒ (م ۱۳۰ھ) کا اثر جو ابھی گزرا ہے اس میں بھی یہی الفاظ ہیں:

''يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ فِيْ رَمَضَانَ بِالْمَدِيْنَةِ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً''

کنز العمال (۸:۴۰۹) کی روایت میں ہے:

''فَصَلّٰى بِهِمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً''

اسی طرح روایت نمبر ا جو یحییٰ بن سعید انصاریؒ (م ۱۴۴ھ) سے مروی ہے اس میں بھی یہی یہ الفاظ ہیں:

'' اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ اَمَرَ رَجُلًا (اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ) اَنْ يُّصَلِّيَ بِهِمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً''

حافظ ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں:

'' فَلَمَّا جَمَعَهُمْ عُمَرُ عَلٰى اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رضی اللہ عنہ كَانَ يُصَلِّيْ بِهِمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً ''[۱]

'' جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت پر جمع کیا تو وہ ان کو بیس تراویح پڑھاتے تھے۔''

حافظ ابن قدامہ حنبلیؒ (م ۶۲۰ھ) لکھتے ہیں:

''وَلَنَا اَنَّ عُمَرَ رضی اللہ عنہ جَمَعَ النَّاسَ عَلٰى اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رضی اللہ عنہ كَانَ يُصَلِّيْ لَهُمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً''۔[۲]

'' ہماری دلیل بیس تراویح پر یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو

---

[۱] مجموعۃ الفتاویٰ (۱۱:۵۲۰)

[۲] المغنی (۲:۶۰۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت پر جمع کیا، اور وہ ان کو بیس تراویح پڑھاتے تھے۔"

معلوم ہوا کہ "عشرین رکعۃ" والانسخہ ہی راجح ہے۔ اور غیر مقلدین کا "سنن ابی داوٗد" کے اس نسخہ کو محرّف کہنا باطل ہے۔ اب اس حدیث کی سند کے راویوں کا حال ملاحظہ کریں۔

(۱) امام ابوداوٗد سلیمان بن الاشعث سجستانیؒ (م ۲۷۵ھ) جو ثقہ حافظ اور "سنن ابی داوٗد" وغیرہ کتب کے مصنف، اور بڑے علمائے محدثین میں سے ہیں۔ [۱]

(۲) شجاع بن مخلد الفلاس بغویؒ (م ۲۳۵): امام ابن معینؒ (م ۲۳۳ھ) ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میں ان کو پہچانتا ہوں، ان میں کوئی خرابی نہیں ہے، اور یہ بہت اچھے شیخ (بزرگ) اور ثقہ ہیں، امام ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ) نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے، امام ابوزرعہؒ (م ۲۶۴ھ) اور امام احمدؒ (م ۲۴۱ھ) ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ امام ابن قانعؒ (م ۳۵۱ھ) اور حسین بن فہمؒ (م ۲۸۹ھ) فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ اور ثبت ہیں۔ [۲] حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) ان کو صدوق لکھتے ہیں۔ [۳]

(۳) ہشیم بن بشیر سلمی واسطیؒ (م ۱۸۳ھ): یہ بھی مشہور ثقہ راوی ہیں۔ امام ابن مہدیؒ (م ۱۹۸ھ)، امام عجلیؒ (م ۲۶۱ھ)، امام ابوحاتمؒ (م ۲۷۷ھ)، امام ابوزرعہؒ (م ۲۶۴ھ)، امام ابن سعدؒ (م ۲۳۰ھ) وغیرہ محدثین نے ان کو ثقہ، صدوق اور حافظ قرار دیا ہے۔ [۴] البتہ یہ مدلس راوی ہیں۔ لیکن انہوں نے یہ حدیث انا (اَخْبَرَنَا) سے بیان کی ہے۔ لہٰذا ان کا مدلس ہونا یہاں مضر نہیں۔

---

[۱] تقریب التھذیب (۱:۲۸۲)
[۲] دیکھئے تھذیب التھذیب (۲:۴۸۲)
[۳] تقریب التھذیب (۱:۴۱۲)
[۴] تھذیب التھذیب (۶:۴۱۔۴۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

امام محمد بن سعدؒ (م ۲۳۰ھ) ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

”کَانَ ثِقَةً کَثِیْرَ الْحَدِیْثِ ثَبْتًا یُدَلِّسُ کَثِیْرًا ، فَمَا قَالَ فِیْ حَدِیْثِهٖ: اَنَا فَهُوَ حُجَّةٌ، وَمَا لَمْ یَقُلْ فِیْهِ: اَخْبَرَنَا، فَلَیْسَ بِشَیْءٍ“[۱]

”ہشیمؒ ثقہ، کثیر الحدیث، اور ثبت (پختہ کار) تھے، البتہ وہ کثیر التدلیس ہیں۔ پس جب وہ حدیث بیان کرتے وقت انا (اَخْبَرَنَا) کہیں تو وہ حجت ہیں، اور جب وہ کسی حدیث میں اَخْبَرَنَا نہ کہیں تو پھر اس حدیث کی کوئی حیثیت نہیں۔“

④ یونس بن عبیدؒ (م ۱۲۹ھ): ثقہ تابعی اور صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ امام محمد بن سعدؒ (م ۲۳۰ھ)، امام احمدؒ (م ۲۴۱ھ)، امام ابن معینؒ (م ۲۳۰ھ)، امام ابو حاتم رازیؒ (م ۲۷۷ھ)، امام ابوزرعہ رازی (م ۲۶۴ھ)، اور امام علی بن مدینیؒ (م ۲۳۴ھ) وغیرہ محدثین بڑے زبردست الفاظ میں ان کی توثیق کرتے ہیں۔[۲]

حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

”ثِقَةٌ ثَبْتٌ فَاضِلٌ وَرِعٌ“[۳]

کہ یہ ثقہ (قابل اعتماد)، پختہ کار، صاحب فضیلت اور پرہیزگار شخص ہیں۔

⑤ امام حسن بن ابوالحسن بصریؒ (م ۱۱۰ھ): یہ مشہور تابعی اور جلیل القدر امام ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) ان کے بارے میں ارقام فرماتے ہیں: ثقہ، فقیہ، فاضل مشہور۔[۴]

امام حسن بصریؒ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے، اور ان کی ولادت ۲۱ ہجری میں حضرت

---

[۱] الطبقات الکبریٰ (۷:۲۲۷) طبع دار الکتب العلمیہ بیروت۔

[۲] تھذیب التھذیب (۲:۲۷۹-۲۸۱)

[۳] تقریب التھذیب (۲:۳۴۹)

[۴] ایضاً (۱:۲۰۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ان کی شہادت سے دو سال قبل ہوئی۔ اس لحاظ سے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی وفات (۳۰ یا ۳۲ ہجری) کے وقت ان کی عمر نو یا گیارہ سال تھی۔ اور آں موصوف مدینہ منورہ میں ہی پلے بڑھے۔ اس لیے ممکن ہے کہ حضرت اُبی رضی اللہ عنہ کو انہوں نے بیس رکعت تراویح پڑھاتے دیکھا ہو، اور آگے کتاب میں بحوالہ علمائے غیر مقلدین آرہا ہے کہ اتصال سند کے لیے صرف امکان لقاء کافی ہے۔

اور اگر انہوں نے حضرت اُبی رضی اللہ عنہ کو تراویح پڑھاتے ہوئے نہیں بھی دیکھا، تو ایسے بے شمار لوگوں کو ضرور دیکھا بھی ہے، اور اُن سے پڑھا بھی ہے، جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے حضرت اُبی رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں تراویح پڑھا کرتے تھے، اور ایسی روایت بھی بتصریح مولانا مبارکپوری صاحب (م ۱۳۴۳ھ) اتصال پر محمول ہوتی ہے۔

اور بالفرض اگر یہ روایت مرسل بھی ہے، تو امام بخاریؒ کے استاذ امام علی بن مدینیؒ (م ۲۳۴ھ) فرماتے ہیں کہ حسن بصریؒ کی تمام مراسیل صحیح ہیں۔[۱]

اور ان کی یہ رایت تو مرسل معتضد ہے، جو بالاتفاق حجت ہے۔ نیز یہ روایت اور ما قبل ذکر کردہ تین روایات، یہ چاروں مراسیل باہم مل کر انتہائی قوی ہو جاتی ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) چند مرسل روایات ذکر کرنے کے بعد ارقام فرماتے ہیں:

"وَهٰذِهِ الْمَرَاسِيْلُ تَقَوّٰى بَعْضُهَا بِبَعْضٍ۔"[۲]

"یہ مراسیل باہم مل کر ایک دوسرے کو مضبوط کر دیتی ہیں۔"

بعض غیر مقلدین نے اس روایت پر انقطاع (ارسال) کے ساتھ ساتھ حسن بصریؒ

---

[۱] تہذیب التھذیب (۱:۴۸۲)

[۲] فتح الباری (۱۲:۴۸۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کی تدلیس کی وجہ سے بھی اعتراض کیا ہے [1]۔ حالانکہ کئی نامور علمائے غیر مقلدین نے تصریح کی ہے کہ تدلیس میں یہ شرط ہے کہ مدلس کا مروی عنہ سے سماع ثابت ہو۔ [2]

پس جب بقول معترض: حسن بصریؒ اور حضرت عمر رضی اللہ کے درمیان انقطاع ہے. تو پھر حسن بصریؒ پر تدلیس کا الزام چہ معنیٰ دارد؟

ع این چہ بوالعجبی است

نیز ماقبل روایت میں عبدالعزیز بن رفیعؒ (م ۱۳۰ھ) اور مابعد روایت میں ابو العالیہؒ (م ۹۳ھ) یہ دونوں حسن بصریؒ کے متابع ہیں، اور آگے کتاب میں بحوالہ آرہا ہے کہ متابعت سے تدلیس کا شبہ دور ہو جاتا ہے۔

روایت نمبر ۵:

امام ضیاء الدین محمد بن عبدالواحد مقدسی حنبلیؒ (م ۶۴۳ھ) فرماتے ہیں:

"اَخْبَرَنَا اَبُوْ عَبْدِ اللهِ مَحْمُوْدُ بْنُ اَحْمَدَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الثَّقَفِيُّ. بِاَصْبَهَانَ. اَنَّ سَعِيْدَ بْنَ اَبِي الرَّجَاءِ الصَّيْرَ فِيَّ اَخْبَرَهُمْ . قِرَاءَةً عَلَيْهِ، اَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ اَحْمَدَ الْبَقَّالُ، اَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ يَعْقُوْبَ بْنِ اِسْحَاقَ، اَنَا جَدِّيْ اِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ جَمِيْلٍ، اَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيْعٍ، اَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُوْسٰى، نَا اَبُوْ جَعْفَرٍ الرَّازِيُّ، عَنِ الرَّبِيْعِ بْنِ اَنَسٍ، عَنْ اَبِي الْعَالِيَةِ، عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ اَنَّ عُمَرَ اَمَرَ اُبَيًّا اَنْ يُّصَلِّيَ بِالنَّاسِ فِيْ رَمَضَانَ، فَقَالَ: اِنَّ النَّاسَ يَصُوْمُوْنَ النَّهَارَ وَلَا يُحْسِنُوْنَ اَنْ يَّقْرَؤُا ، فَلَوْ قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ عَلَيْهِمْ

---

[1] انوار التوضیح (ص ۳۵۱)

[2] خیر الکلام (ص ۱۶۷)، توضیح الکلام (۱:۳۳۵)، مقالات راشدیہ (۱:۳۱۶)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بِاللَّيْلِ، فَقَالَ: يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ هٰذَا شَيْءٌ لَمْ يَكُنْ! فَقَالَ: قَدْ عَلِمْتُ، وَلٰكِنَّهُ اَحْسَنُ فَصَلّٰى بِهِمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً"[1]

ہمیں خبر دی ہے ابو عبد اللہ ثقفیؒ نے اصفہان میں، ان کو خبر دی سعید صیرفیؒ نے جب اُن پر یہ حدیث پڑھی گئی، وہ فرماتے ہیں: ہمیں خبر دی عبد الواحد بقالؒ نے، وہ فرماتے ہیں: ہمیں خبر دی عبید اللہؒ نے، وہ فرماتے ہیں: ہمیں خبر دی ہمارے دادا اسحاقؒ بن ابراہیمؒ نے، وہ فرماتے ہیں: ہمیں خبر دی احمد بن منیعؒ نے، وہ فرماتے ہیں: ہمیں خبر دی حسن بن موسیٰؒ نے، وہ فرماتے ہیں: ہم سے بیان کیا ہے ابو جعفر رازیؒ نے، وہ ربیع بن انسؒ سے، وہ ابو العالیہؒ سے، اور وہ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اُن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیتے ہوئے فرمایا: تم لوگوں کو رمضان میں (تراویح) پڑھاؤ۔ اور فرمایا کہ لوگ دن کو روزہ رکھتے ہیں، اور رات کو قرآن مجید اچھی طرح نہیں پڑھ سکتے، اس لیے اگر تم انہیں رات کو (تراویح میں) قرآن مجید سنا دیا کرو، حضرت اُبی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، اے امیر المؤمنین! یہ ایک ایسی چیز ہے جو پہلے نہیں ہوئی، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے یہ معلوم ہے، لیکن یہ کام بہت اچھا ہے، چنانچہ حضرت اُبی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھائی۔"

متعدد کبار و نامور علمائے غیر مقلدین مثلاً: قاضی شوکانیؒ (م ۱۲۵۰ھ)، نواب صدیق حسن خانؒ (م ۱۳۰۷ھ)، مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری (م ۱۳۵۳ھ)، مولانا محمد جانباز حیدر آبادیؒ، مولانا محمد گوندلویؒ (م ۱۴۰۵ھ)، مولانا بدیع الدین راشدی (م ۱۴۱۶ھ)، مولانا ارشاد الحق اثری، حافظ زبیر علی زئی، اور کفایت سنابلی وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ: امام مقدسیؒ نے اپنی کتاب "المختارہ" میں صحت کا التزام کیا ہے، اور

---

[1] الأحادیث المختارۃ (۳: ۳۶۷، رقم الحدیث ۱۱۶۱) طبع دار خضر بیروت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ان کی اس کتاب میں مندرجہ سب احادیث صحیح ہیں۔[۱]

اور چونکہ امام موصوف نے اپنی اس کتاب میں مذکورہ بالا حدیث کو بھی اپنی سند کے ساتھ درج کیا ہے، لہٰذا یہ حدیث علمائے غیر مقلدین کے مسلمات کی روشنی میں بھی صحیح ہے، اب اس کے بعد اس روایت کے راویوں کی توثیق نقل کرنے کی ہمیں چنداں ضرورت تو نہیں ہے، لیکن ناقدین کی مزید تسلی کے لیے اس کے ہر ہر راوی کی توثیق نقل کی جاتی ہے۔

اس روایت کے پہلے راوی امام ضیاء الدین ابو عبد اللہ مقدسیؒ (م ۶۴۳ھ) مؤلف "الأحادیث المختارة"، بتصریح امام ذہبیؒ: الشیخ، الامام، الحافظ، القدوۃ، المحقق، المجود، الحجہ اور بقیۃ السلف تھے۔[۲]

دوسرے راوی محمود بن احمد ثقفیؒ (م ۶۰۶ھ)، شیخ صالح اور صحیح السماع تھے۔[۳]

تیسرے راوی سعید بن ابی الرجاء صیرفیؒ (م ۵۳۲ھ): الشیخ الصالح، العالم الثقۃ، اور بقیۃ المشایخ تھے۔[۴]

چوتھے راوی عبد الواحد بن احمد بقالؒ (م ۴۵۳): الشیخ الجلیل اور امین تھے۔[۵]

پانچویں راوی عبید اللہ بن یعقوبؒ (م ۳۱۰ھ)، شیخ اور ثقہ تھے۔[۶]

---

[۱] قطر الولی علی حدیث الولی (ص ۲۷۹)، الفوائد المجموعۃ (ص ۳۱) کلاھما للشوکانیؒ الحطۃ فی ذکر صحاح الستۃ (ص ۱۲۰)، مقدمۃ تحفۃ الاحوذی (۱:۱۶۱)، فتاوی علمائے حدیث (۳:۹۴)، دوام حدیث (ص ۴۹۱)، مقالاتِ راشدیہ (۲:۴۱۷)، مقالات ارشاد الحق اثری (۲:۲۶۳، ۲۶۴)، الحدیث (۶:۱۱)، تعداد رکعات قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ (ص ۲۰)، انوار البدر (ص ۲۲۳)

[۲] سیر اعلام النبلاء (۲۳:۱۲۶)

[۳] التقیید لمعرفۃ الرواۃ والسنن والمسانید (۲:۲۴۵) لابن نقطہؒ طبع دار الحدیث بیروت

ـ اعلام النبلاء (۱۹:۶۲۲)

(۹۵:.

(۵۳۵

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

چھٹے راوی اسحاق بن ابراہیم اصفہانیؒ (م ۳۱۰ھ) بھی ثقہ شیخ تھے۔[۱]

ساتویں راوی امام احمد بن منیع بغدادیؒ (م ۲۴۴ھ) مشہور مؤلف اور امام، حافظ اور ثقہ محدث تھے۔[۲]

آٹھویں راوی حسن بن موسیٰ اشیبؒ (م ۲۰۹ھ) اگرچہ متکلم فیہ اور اصحاب رائے کے بارے میں بدزبان تھے، لیکن روایت حدیث میں کئی محدثین نے ان کی توثیق کی ہے۔[۳] اور یہ اپنی اس روایت میں متفرد نہیں ہیں۔

نویں راوی ابوجعفر عیسیٰ بن ماہان رازیؒ (م بعد ۱۵۰ھ) مختلف فیہ راوی ہیں۔ بعض محدثین نے ان کی توثیق اور بعض نے تضعیف کی ہے۔[۴]

مولانا محمد گوندلویؒ (م ۱۴۰۵ھ) نے ان کے متعلق تصریح کی ہے کہ یہ مختلف فیہ ہونے کی وجہ سے حسن الحدیث ہیں، اور ان کے خلاف امام ابن حبانؒ اور امام ابوزرعہؒ وغیرہ کی طرف سے وارد تمام جرحیں مبہم ہیں۔[۵]

مولانا گوندلویؒ کے شاگرد مولانا ارشاد الحق اثری نے ابوجعفرؒ پر وارد جرح کے جواب میں لکھا ہے:

لیکن یہ جرح بھی اصولاً صحیح نہیں، جب کہ ابوجعفر کو اکثر محدثین نے ثقہ اور صدوق کہا ہے۔[۶]

---

[۱] ایضاً (۲۵۶:۱۴)

[۲] ایضاً (۴۸۳:۱۱)

[۳] تاریخ بغداد (۴۳۸:۷۔۴۳۹) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

[۴] دیکھئے تھذیب التھذیب (۳۲۵:۶)

[۵] خیر الکلام (ص ۲۲۵، ۲۳۸)

[۶] توضیح الکلام (۴۷۹:۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اور پھر مولانا اثری اس کے خلاف اقوالِ جرح پر محاکمہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

لہٰذا ابوجعفر کو ضعیف قرار دینا صحیح نہیں، وہ صدوق ہے، اور اس کی حدیث درجہ حسن سے کم نہیں۔ [۱]

لہٰذا اس راوی پر بعض غیر مقلدین کی طرف سے نقل کردہ اقوالِ جرح [۲] خود ان کے اپنے اکابر علماء کی تصریحات کی روشنی میں بھی باطل اور کالعدم ہیں۔

نیز ابوجعفرؒ کی مذکورہ روایت کی تائید بکثرت روایات سے ہو رہی ہے، اس لیے اگر وہ ضعیف ہوں بھی تو ان کی یہ روایت اپنے شواہد کے ساتھ قابلِ حجت ہے۔

دسویں راوی ربیع بن انسؒ (م ۱۳۹ھ) صدوق اور مشہور تابعی ہیں۔ [۳]

گیارہویں راوی ابو العالیہؒ رفیع بن مہرانؒ (م ۹۳ھ): جلیل القدر تابعی، امام، مُقری، حافظ اور مفسر ہیں۔ [۴]

راویت نمبر ۶:

امام بیہقیؒ (م ۴۵۸) فرماتے ہیں:

"اَخْبَرَنَا اَبُوْطَاهِرٍ الْفَقِيْهُ قَالَ: اَخْبَرَنَا اَبُوْ عُثْمَانَ الْبَصْرِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا اَبُوْ اَحْمَدَ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ، قَالَ: اَخْبَرَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ يَزِيْدُ بْنُ خُصَيْفَةَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ، قَالَ: كُنَّا نَقُوْمُ فِيْ زَمَانِ عُمَرَ بْنِ

[۱] ایضاً (۱:۴۷۹۔۴۸۱)

[۲] انوار التوضیح (ص ۳۴۷، ۳۴۸)

[۳] سیر اعلام النبلاء (۶:۱۶۹)

[۴] ایضاً (۴:۲۰۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

الْخَطَّابِ ﷺ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَالْوِتْرِ ''۔[۱]

''ہمیں ابوطاہر فقیہؒ نے خبر دی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں ابوعثمان بصریؒ نے خبر دی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: ہم سے ابواحمدؒ بن عبدالوہابؒ نے بیان کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں خالد بن مخلدؒ نے خبر دی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے محمد بن جعفرؒ نے بیان کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے یزید بن خصیفہؒ نے بیان کیا ہے، وہ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: ہم (نبی علیہ السلام کے صحابہؓ) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں بیس رکعت اور (تین) وتر کے ساتھ قیام کیا کرتے تھے۔

اس روایت کی سند کو امام تقی الدین بکیؒ (م ۷۵۶ھ) اور ملا علی قاریؒ (م ۱۰۱۴ھ) نے صحیح قرار دیا ہے۔[۲]

نیز امام بکیؒ اس روایت کے متعلق ارقام فرماتے ہیں:

'' خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ وَمَنْ فَوْقَهُ، رَوٰى لَهُمُ الْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمٌ ۔''[۳]

''خالد بن مخلدؒ اور اس سے اوپر کے سارے راوی وہ ہیں جن سے امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے بھی (اپنی اپنی صحیح میں) روایت کی ہے۔''

بزرگ غیر مقلد عالم مولانا محب اللہ راشدیؒ (م ۱۴۱۵ھ) نے بھی اس روایت کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔[۴]

---

[۱] معرفۃ السنن والآثار (۲: ۳۰۵، رقم الحدیث ۱۳۶۵) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

[۲] ضوء المصابیح فی صلاۃ التراویح (ص ۳۲۸)، فتح المغطی شرح الموطأ (۱: ۲۹۴) طبع البشری پبلشرز کراچی۔

[۳] ضوء المصابیح (ص ۳۲۸)

[۴] مقالات راشدیہ (۱: ۱۸۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اس صحیح السند روایت پر غیر مقلدین نے دو طرح سے کلام کیا ہے۔

اوّلاً: ابو طاہر فقیہ ؒ کی کسی نے توثیق نہیں کی۔

ثانیاً: اس روایت میں ابو عثمان بصری ؒ مجہول ہے۔ چنانچہ مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری صاحب (م ۱۳۵۳ھ) لکھتے ہیں: اس روایت میں ایک راوی ابو طاہر ہے جن کی نسبت ہم کو علم نہیں کہ کسی نے ان کو ثقہ قرار دیا ہو۔ دوسرے ابو عثمان ہیں جن کا تذکرہ ہمیں کسی کتاب میں نہیں ملا، لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔[۱]

لیکن مولانا مبارکپوری صاحب ؒ کے اس اعتراض کی دونوں شقیں باطل ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں راوی ثقہ ہیں۔

ابو طاہر فقیہ ؒ کی توثیق

ائمۂ رجال نے ابو طاہر محمد بن محمد بن محمش زیادی نیشاپوری ؒ (م ۴۱۰ھ) کی باقاعدہ توثیق کی ہے۔ اور وہ بالاتفاق ثقہ راوی ہیں۔ چنانچہ امام ابو یعلی خلیلی ؒ (م ۴۴۶ھ) نے ابو طاہر ؒ کے تذکرہ میں لکھا ہے:

''ثِقَةٌ، مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ''[۲]

''ابو طاہر ؒ بالاتفاق ثقہ ہیں''

محدث کبیر امام ابو بکر بیہقی ؒ (م ۴۵۸ھ) ابو طاہر فقیہ ؒ کے تلامذہ میں سے ہیں، اور انہوں نے اپنی کتبِ حدیث میں ابو طاہر ؒ سے بکثرت احادیث روایت کی ہیں۔ اور ان میں سے بعض کی اسانید کو صراحتاً صحیح قرار دیا ہے۔[۳]

---

[۱] تحفۃ الاحوذی (۵۳۰:۳)

[۲] الارشاد فی معرفۃ علماء الحدیث (ص ۴۰۱) طبع الفاروق الحدیثیۃ القاھرۃ

[۳] مثلاً دیکھئے معرفۃ السنن والآثار (۴۱:۳، ۱۶۱:۶)، کتاب الاسماء والصفات (ص ۳۸۷) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

نامور محدث امام حسین بن مسعود بغویؒ (م ۵۱۶ھ) نے بھی ابو طاہرؒ کی سند سے متعدد احادیث روایت کی ہیں، اور ان میں سے بعض کو صحیح یا حسن قرار دیا ہے۔[۱]

عظیم المرتبت محدث امام ضیاء الدین مقدسیؒ (م ۶۴۳ھ) نے اپنی کتاب "المختارۃ" میں ابو طاہرؒ سے تخریج حدیث کی ہے۔[۲]

اور پہلے بحوالہ علمائے غیر مقلدین گزر چکا ہے کہ امام مقدسیؒ نے اپنی اس کتاب میں صحت کا التزام کیا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک بھی ابو طاہرؒ ثقہ اور صحیح الحدیث ہیں۔

امام قاسم بن فضل بن احمد اصفہانیؒ (م ۴۸۹) جو بتصریح حافظ ذہبیؒ: الشیخ العالم المُعَمَّر، مسند الوقت، رئیس اصبهان ومُعْتَمَدُها ہیں، اور بقول امام یحییٰ بن مندہؒ (م ۵۱۱ھ): اپنے وقت میں روایتِ حدیث میں سب سے بڑھ کر ثقہ، سب سے زیادہ کثیر الحدیث اور سب سے عالی السند تھے۔[۳]

یہ جلیل القدر محدث بھی ابو طاہر فقیہؒ کے شاگردوں میں سے ہیں، اور وہ ان سے ایک حدیث روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"انا (اَخْبَرَنَا) اَبُوْطَاهِرٍ مُحَمَّدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ مَحْمِشٍ الزِّيَادِيُّ، الإِمَامُ بِنَيْسَابُور"۔[۴]

"ہم سے یہ حدیث ابو طاہر محمد بن محمد بن محمش زیادیؒ، جو پورے نیشاپور کے امام ہیں، نے بیان کی ہے۔"

حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) اور حافظ ابن العمادؒ (م ۱۰۸۹ھ) ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

---

[۱] مثلاً دیکھئے شرح السنۃ (۴: ۳۱۳، رقم الحدیث: ۱۱۰۸) طبع المکتب الاسلامی بیروت

[۲] مثلاً دیکھئے الاحادیث المختارۃ (۶: ۴۷، رقم الحدیث ۲۰۱۸)

[۳] سیر اعلام النبلاء (۱۹: ۸)۔

[۴] معجم شیوخ الابرقوھی (ص ۴۹) طبع مکتبۃ الثقافۃ الدینیۃ القاھرہ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

"اَلْفَقِيْهُ الشَّافِعِيُّ عَالِمُ نَيْسَابُوْر وَمُسْنِدُهَا ...وَكَانَ قَانِعًا مُتَعَفِّفًا...وَرَوٰى عَنْهُ الْحَاكِمُ مَعَ تَقَدُّمِهٖ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ"۔[1]

یہ شافعی المذہب فقیہ، اور نیشاپور کے عالم اور مُسند تھے، وہ قانع (صابر شاکر) اور پاک دامن شخص تھے۔ امام حاکمؒ (صاحب المستدرک) نے ان سے باوجود متقدم ہونے کے روایت بھی کی ہے، اور ان کی تعریف بھی کی ہے۔

نیز امام ذہبیؒ ان کے بارے میں ارقام فرماتے ہیں:

مُسْنِدُ نَيْسَابُوْرَ الْعَلَّامَةُ ابوطاہر محمد بن محمش الزِّيَادِيّ۔[2]

اسی طرح ذہبیؒ ان کو "الفقیہ، العلامۃ، القدوۃ (پیشوا) قرار دیتے ہیں۔ اور ان کے بارے میں لکھتے ہیں: یہ کبیر الشان (بڑی شان والے) تھے، اور اصحاب حدیث (محدثین) کے امام، مسند اور مفتی تھے۔[3]

نیز امام ذہبیؒ نے ان کی روایت کردہ ایک حدیث کو حسن بھی قرار دیا ہے۔[4]

امام تاج الدین سبکیؒ (م ۷۷۱ھ) ان کے ترجمہ میں ارقام فرماتے ہیں:

"اَلْفَقِيْهُ الشَّيْخُ اَبُو الطَّاهِرِ الزِّيَادِيُّ، اِمَامُ الْمُحَدِّثِيْنَ وَالْفُقَهَاءِ بِنَيْسَابُوْر فِيْ زَمَانِهٖ، وَكَانَ شَيْخًا اَدِيْبًا، عَارِفًا بِالْعَرَبِيَّةِ،

---

[1] العبر (۲:۲۱۸) شذرات الذھب (۳:۱۹۲)

[2] تذکرۃ الحفاظ (۳:۱۶۹)

[3] سیر اعلام النبلاء (۱۷:۲۷۶)

[4] معجم شیوخ الذھبی (ص ۵۹۵) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

سَلَّمَتْ اِلَیْهِ الْفُقَهَاءُ الْفُتْیَا بِمَدِیْنَةِ نَیْسَابُوْرَ وَالْمَشِیْخَةَ"۔[۱]

"فقیہ شیخ ابوطاہر زیادیؒ جوکہ اپنے زمانہ میں نیشاپور شہر کے تمام محدثین اور فقہاء کے امام تھے، اور وہ شیخ، ادیب اور عربی زبان کے عالم تھے، نیشاپور شہر کے تمام فقہاء نے فتوٰی نویسی اور بزرگی ان کو سونپ دی تھی۔"

علامہ عبدالغافر فارسیؒ (م ۵۲۹ھ) ان کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

"اِمَامُ اَصْحَابِ الْحَدِیْثِ بِخُرَاسَان، وَفَقِیْهُهُمْ وَمُفْتِیْهِمْ بِالْاِتِّفَاقِ بِلَا مُدَافَعَةٍ"[۲]

"یعنی وہ پورے خراسان کے اصحاب الحدیث (محدثین) کے بالاتفاق اور بلا اختلاف امام، مفتی اور فقیہ تھے۔"

امام صلاح الدین صفدیؒ (م ۷۶۴ھ) نے بھی ابوطاہرؒ کے ترجمہ میں لکھا ہے:

"فَکَانَ اِمَامَ اَصْحَابِ الْحَدِیْثِ بِنَیْسَابُوْر وَفَقِیْهُهُمْ بِلَا مُدَافَعَةٍ۔"[۳]

"آپ نیشاپور میں تمام محدثین کے امام اور متفقہ فقیہ تھے۔"

محدثین عظام اور علماء کبار کے ان اقتباسات سے یہ بالکل واضح ہوگیا کہ ابوطاہر فقیہؒ ایک پاک دامن، قانع (صابر شاکر) کبیر الشان، اور سب محدثین کے ہاں بالکل ثقہ تھے۔

اور "نیشاپور" جیسے شہر (جو اپنے وقت میں علم و فضل کا عظیم گہوارہ تھا) کے تمام محدثین وفقہاء متفقہ طور پر ان کو اپنا امام، مسند، اور عالم تسلیم کرتے تھے، اور ان سب کے اتفاقِ رائے سے وہ مسند اِفتاء و مشیخت پر فائز تھے، اِس کے ساتھ ساتھ آں موصوف ایک عظیم ادیب ا[ور] عربی زبان کے نامور عالم فاضل بھی تھے۔ ان سب خوبیوں و کمالات کے باوجو[د]

[۱] طبقات الشافعیۃ الکبرٰی (۱۹۸:۴) طبع دار احیاء الکتب العربیۃ

[۲] المنتخب من کتاب السیاق لتاریخ نیسابور (ص ۱۸) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

[۳] الوافی بالوفیات (۲۱۸:۱) طبع دار الفکر بیروت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

مبارکپوری صاحبؒ وغیرہ علمائے غیر مقلدین کے ہاں ابو طاہرؒ کا عادل ہونا ثابت نہیں ہوتا[۱] تو پھر از راہ کرم وہ خود ہی بتلا دیں کہ اُن کے نزدیک کسی راوی کی عدالت ثابت ہونے کا معیار کیا ہے؟

ع کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

نیز امام خلیلیؒ (م۴۴۶ھ) کے کلام سے ابو طاہرؒ کا ثقہ ہونا تو اظہر من الشمس ہے، اسی طرح امام سبکیؒ (م۷۷۱ھ) اور علامہ الغافرؒ (م۵۲۹ھ) کے کلام (جس میں ان دونوں نے ان کو "شیخ" اور "امام" سے ملقب کیا ہے) سے بھی صراحتاً ان کی توثیق ثابت ہو رہی ہے، کیونکہ یہ دونوں لفظ الفاظ توثیق میں سے ہیں۔ چنانچہ امام زین الدین عراقی (م۸۰۶ھ)، امام سیوطیؒ (م۹۱۱ھ) اور امام ابن حجرؒ (م۸۵۲ھ) نے لفظ شیخ کو کلماتِ توثیق میں شمار کیا ہے۔[۲]

امیر محمد بن اسماعیل صنعانیؒ غیر مقلد (م۱۱۸۲ھ) نے بھی "قصب السکر" میں لفظ شیخ کو الفاظِ تعدیل میں شمار کیا ہے۔[۳]

مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوریؒ (م۱۳۵۳ھ)، مولانا سلطان محمود صاحب جلال پوریؒ

---

[۱] مبارکپوری صاحب کے دوغلا پن کی انتہا ہے کہ وہ یہاں ابو طاہر فقیہؒ کو محض اس لیے غیر ثقہ قرار دے رہے ہیں کیونکہ وہ مبارکپوری صاحب کے مؤقف کے خلاف حدیث کے ایک راوی ہیں، حالانکہ وہ اس حدیث کو روایت کرنے میں متفرد بھی نہیں ہیں، جب کہ اس سے قبل مقدمہ میں مبارکپوری صاحب اسی ابو طاہرؒ کی سند سے حدیث مسلسل بالاولیۃ بیان کر چکے ہیں۔ (مقدمہ تحفۃ الاحوذی:۱:۹۸) اور وہاں انہوں نے اس پر ادنی سا کلام بھی نہیں کیا، حالانکہ اس حدیث کو اس تسلسل کے ساتھ بیان کرنے میں ابو طاہرؒ متفرد ہے۔

تم لوگ بھی غضب ہو کہ دل پر یہ اختیار
شب موم کر لیا ، سحر آہن بنا لیا!

[۲] دیکھئے، الفیۃ الحدیث مع التعلیقات الاثریہ (ص۴۶)، تدریب الراوی (۱:۲۱۳)، شرح نخبۃ الفکر (ص ۱۳۴)

[۳] قصب السکر فی نظم نخبۃ الفکر (ص ۱۵۸) مع نزھۃ النظر

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

(م۱۴۱۶ھ)، مولانا محب اللہ راشدی (م۱۴۱۵ھ) اور مولانا ارشاد الحق اثری وغیرہ علمائے غیر مقلدین نے بھی لفظ شیخ کو الفاظ تعدیل وتوثیق میں شمار کیا ہے۔[۱]

اسی طرح لفظ امام بھی الفاظِ توثیق میں سے ہے، چنانچہ علامہ سخاویؒ (م۹۰۲ھ) اور علامہ محمد اکرم سندھیؒ نے اس کو کلماتِ توثیق میں شمار کیا ہے۔[۲]

اب جب کہ امام حاکمؒ (م۴۰۵ھ)، امام سبکیؒ (م۷۷۱ھ)، امام عبد الغافرؒ (م۵۲۹ھ)، امام ذہبیؒ (م۷۴۸ھ)، علامہ ابن العمادؒ (م۱۰۸۹ھ) وغیرہ نے باقاعدہ ابو طاہرؒ کی توثیق وتوصیف کی ہے، اور امام خلیلی (م۴۴۶ھ) نے ان کی توثیق پر سب محدثین کا اتفاق نقل کیا ہے، تو پھر ابو طاہرؒ کے ثقہ ہونے میں کیا شک وشبہ رہ جاتا ہے؟

نیز غیر مقلدین کے مشہور عالم مولانا عبد الجلیل شہسوانی (م) بھی ابو طاہر کو ثقہ کہتے ہیں۔ چنانچہ وہ ارقام فرماتے ہیں:

---

[۱] دیکھئے ''ابکار المنن'' (ص ۱۴۰) تحفۃ الاحوذی (۱:۳۵۹)''اصطلاحات المحدثین'' (ص ۲۱)، مقالات راشدیہ (۹:۱۷۲)، توضیح الکلام (۱:۴۸۰)، ماہنامہ الحدیث (۱۹:۵۹)

[۲] الرفع والتکمیل (ص ۱۵۸)۔ اعتراض: مولانا نذیر احمد رحمانی صاحبؒ لکھتے ہیں: حافظ سخاویؒ نے جو کچھ لکھا ہے اس کا منشأ یہ ہے کہ جب کسی عادل کے حق میں یہ الفاظ (امام اور حافظ) استعمال کئے جائیں گے تو اس وقت ان کا شمار الفاظ توثیق میں ہوگا۔ انوار المصابیح (ص ۲۲۳)

جواب: اگر رحمانی صاحب کی یہ بات بالکلیہ تسلیم بھی کر لی جائے تو پھر بھی ابو طاہر فقیہؒ کے حق میں یہ کوئی مضر نہیں، کیوں کہ امام سبکیؒ اور ملا علی قاریؒ نے اس کی مذکورہ حدیث کو صحیح کہا ہے جو کہ باقرار علمائے غیر مقلدین اس کی توثیق پر دال ہے، جیسا کہ عنقریب بحوالہ آرہا ہے۔ نیز امام سبکیؒ، امام عبد الغافرؒ، امام حاکمؒ، امام ذہبیؒ اور علامہ ابن العمادؒ وغیرہ نے بڑے عمدہ الفاظ میں اس کی توثیق اور تعریف کی ہے۔ اور امام ابو یعلی خلیلیؒ نے تو یہ تصریح کرکے بات ہی بالکل صاف کر دی کہ ابو طاہرؒ بالاتفاق ثقہ ہیں۔ لہٰذا جب اس کے حق میں لفظ امام استعمال کیا گیا تو چونکہ یہ لفظ ایک عادل اور ثقہ کے حق میں استعمال کیا گیا، لہٰذا رحمانی صاحب کے بیان کردہ قاعدہ کے موافق بھی ابو طاہرؒ کے حق میں یہ لفظ الفاظِ توثیق میں سے ہے۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ابو طاہر فقیہ محمد بن محمد بن محمش مشہور ثقات میں سے ہیں۔[۱]

حافظ زبیر علی زئی نے بھی ابو طاہرؒ کو ثقہ قرار دیا ہے۔[۲]

نیز ابو طاہرؒ کی مذکورہ روایت کو امام سبکیؒ (م ۷۵۶ھ) اور ملا علی قاریؒ (م ۱۰۱۴ھ) نے صحیح قرار دیا ہے، جب کہ امام بیہقیؒ (م ۴۵۸ھ) جیسے محدث کبیر نے ان کی متعدد احادیث کی اسانید کو صحیح، نامور محدث امام بغویؒ (م ۵۱۶ھ) نے ان کی کئی احادیث کو صحیح وحسن، امام ضیاء الدین مقدسیؒ (م ۶۴۳ھ) نے ان کی کم از کم ایک حدیث کو صحیح، اور حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) جیسے محدث ناقد نے ان کی ایک حدیث کو حسن کہا ہے۔ جیسا کہ بحوالہ گزر چکا ہے۔ اور مولانا عبد المنان نور پوری صاحب (م ۱۴۳۳ھ) کا حوالہ پہلے ہم نقل کر آئے ہیں کہ جب کسی حدیث کو صحیح کہا جاتا ہے تو اس کے ضمن میں اس کے راویوں کی توثیق بھی آجاتی ہے۔

مولانا ارشاد الحق اثری ایک حدیث کے دفاع میں لکھتے ہیں:

جب امام بیہقیؒ نے اس حدیث کے بارے میں ''اسناد صحیح'' کہا ہے تو بلا ریب اس کے راوی ثقہ ہیں۔ اس کے کسی راوی کا ترجمہ نہ ملنا، یا اس کی توثیق نہ ملنے کا اعتراض عذر لنگ، اور اصول کے سراسر منافی ہے۔[۳]

حافظ زبیر علی زئی (م ۱۴۳۴ھ) ایک راوی (محمد بن یحییٰ الصفارؒ) کے بارے میں لکھتے ہیں:

بیہقی نے اس کی حدیث کی تصحیح کر کے اس کی توثیق کی ہے۔[۴]

---

[۱] ''فتاویٰ اہلحدیث'' (۱:۵۱۱)

[۲] القول المتین (ص ۲۶)

[۳] تنقیح الکلام (ص ۲۸۸،۲۸۹)

[۴] الکواکب الدریہ (ص ۴۵)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

نیز موصوف ایک اور راوی کی روایت کے متعلق لکھتے ہیں:

الحاکم والذہبی کا اس کی حدیث کو صحیح کہنا اس کی توثیق ہے۔[۱]

نیز لکھتے ہیں: محدثین کا حدیث کو حسن یا صحیح قرار دینا ان کی طرف سے اس حدیث کے ہر راوی کی توثیق ہوتی ہے۔[۲]

علمائے غیر مقلدین کی ان تصریحات سے ثابت ہو گیا کہ محدثین کا ابو طاہرؒ کی احادیث کی تصحیح اور تحسین کرنا بھی ان کے ثقہ ہونے کی ایک مستقل دلیل ہے۔

نیز محدثین کی اس تصحیح و تحسین سے یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ ان کے نزدیک ابو طاہرؒ مجہول نہیں ہیں۔ چنانچہ بزرگ غیر مقلد عالم مولانا محمد گوندلویؒ (م ۱۴۰۵ھ) نے ایک راوی کے متعلق تصریح کی ہے:

دارقطنی نے اس اثر کو صحیح کہا ہے۔ ان کے ہاں یہ راوی مجہول نہیں۔[۳]

پس جب محدثین نے ابو طاہرؒ کی صراحتاً بھی توثیق کی ہے، اور متعدد محدثین نے ان کی احادیث کی تصحیح و تحسین کے ضمن میں بھی ان کی توثیق کر دی ہے تو پھر غیر مقلدین کس بنیاد پر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ابو طاہرؒ مجہول ہیں، اور ان کی کسی محدث نے توثیق نہیں کی۔

علاوہ ازیں ابو طاہرؒ کو ''نیشاپور'' شہر کے تمام محدثین و فقہاء نے بالاتفاق اپنا امام اور مُقتدا تسلیم کیا ہے، اور اُن کو بغیر کسی اختلاف کے مَسند اِفتاء و مشیخت پر فائز کیا ہے، جیسا کہ محدثین کے بیانات میں گزرا ہے۔ اب جس شخص کو نیشاپور جیسے شہر (جو اس وقت بڑے بڑے محدثین اور فقہاء کا مسکن تھا) کے محدثین اور فقہاء بلا اختلاف اپنا امام و مُقتدا تسلیم کر

---

[۱] ایضاً (ص ۶۵)

[۲] نصر الباری (۱۸)

[۳] خیر الکلام (ص ۲۲۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

رہے ہیں تو ایسے شخص کی ثقاہت اور عدالت میں کیا شک ہو سکتا ہے؟ کیونکہ یہ بات ناممکن ہے کہ یہ تمام محدثین اور فقہاء ایک غیر ثقہ اور غیر معروف العدالۃ شخص کو اپنا امام تسلیم کرلیں۔ لہذا اگر انہوں نے ابوطاہر فقیہؒ کو اپنا امام مانا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ تمام شہر کے محدثین اور فقہاء کے حلقہ میں ابوطاہرؒ کی عدالت اور ثقاہت مشہور و معروف تھی، اور ہر ایسا شخص کہ جس کی عدالت اہلِ علم کے ہاں مشہور و معروف ہو اس کی عدالت کے متعلق سوال ہی نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ امام نوویؒ (م ۶۷۶ھ) فرماتے ہیں:

”فَمَنِ اشْتُهِرَتْ عَدَالَتُهُ بَيْنَ أَهْلِ الْعِلْمِ وَشَاعَ الثَّنَاءُ عَلَيْهِ كَفٰى فِيْهَا“[۱]

”جس شخص کی عدالت اہلِ علم میں مشہور و معروف ہو، اور اس کی تعریف عام ہو تو یہ اس کی عدالت کے لیے کافی ہے۔“

بنابریں اگر ابوطاہر فقیہؒ کی محدثین (امام سبکیؒ، امام عبدالغافرؒ، امام ذہبیؒ، امام خلیلیؒ وغیرہ) نے توثیق نہ بھی کی ہوتی تو ان محدثین اور فقہاء کا ان کو اپنا امام اور رہنما تسلیم کرنا ہی ان کی عدالت اور ثقاہت کے لیے کافی تھا، لیکن جب محدثین نے ان کی باقاعدہ توثیق بھی کردی تو پھر ان کے عادل اور ثقہ ہونے میں کوئی شک و شبہ ہی نہیں رہا۔

ابوعثمان بصریؒ کی توثیق

اسی طرح مبارکپوری صاحبؒ وغیرہ غیر مقلدین کے اعتراض کی دوسری شق بھی باطل ہے کہ اس روایت کے دوسرے راوی ابوعثمان (عمرو بن عبداللہ مطوعی) بصریؒ (م ۳۳۴ھ) مجہول ہیں:

اولاً: ائمہ حدیث اور ائمہ رجال میں سے کسی امام نے ابوعثمانؒ کو مجہول نہیں قرار دیا،

---

[۱] تقریب مع تدریب الراوی (۱:۲۵۵)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بلکہ حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) جیسے محدث ناقد نے ان کی توثیق کی ہے، اور ان کو الامام، القدوۃ، الزّاھد اور الصّالح[۱] جیسے القاب سے یاد کیا ہے۔[۲]

اسی طرح امام حاکم (م ۴۰۵ھ) نے اپنے والد ماجد سے ان کی تعریف نقل کی ہے۔[۳]

نیز محدثین میں سے امام سبکیؒ (م ۷۵۶ھ) اور ملا علی قاریؒ (م ۱۰۱۴ھ) وغیرہ نے ان کی مذکورہ حدیث کو صحیح کہا ہے، اور یہ بھی ان کی توثیق کو مستلزم ہے (جیسا کہ غیر مقلدین حضرات کے حوالے سے گزرا ہے)۔

نیز ابوعثمان بصریؒ، امام ابوبکر بیہقیؒ (م ۴۵۸ھ) جیسے محدث کبیر کے ہاں بھی قابل اعتماد راوی ہیں، اور انہوں نے اپنی کتب حدیث میں ان کی سند سے بکثرت احادیث راویت کی ہیں، اور ان میں سے بعض کو "اِسنادٌ صحیحٌ" سے موصوف کیا ہے۔[۴]

محدث جلیل امام حسین بن مسعود بغویؒ (م ۵۱۶ھ) نے بھی ابوعثمان بصریؒ کی سند سے متعدد احادیث روایت کی ہیں، اور ان میں سے بعض کی تصحیح بھی کی ہیں۔[۵]

امام ضیاء الدین مقدسیؒ (م ۶۴۳ھ) نے بھی ان سے تخریج حدیث کی ہے۔[۶]

جو کہ بتصریح علمائے غیر مقلدین ان کے ثقہ اور ان کی حدیث کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔ جیسا کہ پہلے بحوالہ گزرا ہے۔

اب اگر ابوعثمان بصریؒ مجہول ہوتے تو پھر یہ بڑے بڑے محدثین خود ان کو ثقہ اور ان کی روایت کو کیسے صحیح کہہ سکتے تھے؟ کیوں کہ بتصریح علمائے غیر مقلدین: کسی روایت

---

[۱] خود مبارکپوری صاحب نے لفظ "صالح" کو الفاظِ تعدیل میں سے قرار دیا ہے۔ مقالات مبارکپوری (ص ۲۱۹)

[۲] سیر اعلام النبلاء (۱۵: ۳۶۴)

[۳] ایضاً

[۴] مثلاً دیکھئے السنن الکبری (۵: ۳۱۷)، معرفۃ السنن والآثار (۱: ۵۸۴)

[۵] مثلاً دیکھئے شرح السنۃ (۴: ۴۴۲)، رقم الحدیث: ۱۱۸۸)

[۶] مثلاً دیکھئے الاحادیث المختارۃ (۳: ۳۶۷)، رقم الحدیث: ۲۰۱۸)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کے صحیح ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ اس کی سند میں کوئی مجہول راوی نہ ہو۔

چنانچہ مشہور غیر مقلد عالم مولانا محمد گوندلوی صاحبؒ (م ۱۴۰۵ھ) لکھتے ہیں:

جس روایت میں مجہول راوی ہو وہ ضعیف ہوتی ہے۔ [۱]

اور مولانا گوندلوی صاحبؒ کا ہی حوالہ پہلے گزر چکا ہے کہ جب کوئی محدث کسی راوی کی حدیث کو صحیح قرار دے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ وہ راوی اُس محدث کے نزدیک مجہول نہیں۔

لہٰذا غیر مقلدین کا ابوعثمان بصریؒ کو مجہول کہنا خود ان کے اپنے مسلمات کی روشنی میں بھی باطل ہے۔

ثانیاً: ابوعثمان (عمرو بن عبد اللہ) بصریؒ کو کیسے مجہول قرار دیا جا سکتا ہے، جب کہ ان سے ابو طاہر فقیہؒ اور حسن بن علی بن مؤمل وغیرہ متعدد محدثین نے روایت کی ہے، اور اس مذکورہ روایت کے علاوہ اور بھی کئی روایات "السنن الکبریٰ للبیہقیؒ" (وغیرہ کتب حدیث) میں ان سے مروی ہیں۔ [۲]

اور کسی محدث نے ان کی تضعیف بھی نہیں، بلکہ امام ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے، جب کہ امام سبکیؒ (م ۷۵۶ھ) اور ملا علی قاریؒ (م ۱۰۱۴ھ) وغیرہ نے ان کی حدیث کی تصحیح کی ہے، اور یہ بھی بتصریح علمائے غیر مقلدین ان کی توثیق کی دلیل ہے، جیسا کہ ابھی گزرا ہے۔

اور اصولِ حدیث کا یہ متفقہ اصول ہے کہ جس شخص سے دو راوی روایت کر دیں تو اس کی جہالت ختم ہو جاتی ہے، اور وہ مجہول نہیں رہتا، کیونکہ مجہول عند المحدثین اس کو کہتے ہیں جس سے

---

[۱] خیر الکلام (ص ۴۰۶)

[۲] التعلیق الحسن (ص ۲۵۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

روایت لینے والے کئی ایک ثقہ راوی ہوں، اور اس سے کوئی منکر حدیث بیان نہ کریں تو اس کی مرویات کو قبولیت کی سند حاصل ہوگی۔[۱]

حماد صاحب مزید لکھتے ہیں: بلکہ حافظ مناوی مجہول العدالۃ کی روایت کی توجیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اخبار و احادیث کی بنیاد راوی کے ساتھ حسنِ ظن پر ہے، اور کسی شخص سے اگر کئی ایک ثقہ راوی روایات نقل کرتے ہوں تو اس سے حسن ظن کو تقویت پہنچتی ہے، ہشیم بن عمران کی مذکورہ روایت کو ہمارے شیخ نے اور ہم نے انہی دلائل کی وجہ سے اِسْنَادُہٗ حَسَنٌ کہا ہے۔[۲]

قارئین: غیر مقلدین کے ان اقتباسات کو سامنے رکھتے ہوئے اندازہ لگائیں کہ جس راوی کی کسی محدث نے ادنیٰ سی توثیق بھی نہ کی ہو، صرف اس سے نقل کرنے والے کم از کم دو راوی ہوں، اس کی روایت تو غیر مقلدین کے ہاں حسن ہے اور اس کو سندِ قبولیت حاصل ہے، لیکن جس راوی (ابو عثمان بصریؒ) کی محدثین نے توثیق بھی کی ہے، اور اس کی احادیث کو صحیح بھی کہا ہے، اور اس سے کم از کم دو راوی روایت کرنے والے بھی ہیں، پھر بھی وہ راوی غیر مقلدین کی نظروں میں مجہول ہے۔ وَاِلَی اللہِ الْمُشْتَکٰی! ؎

غیر کی آنکھ کا تنکا تجھ کو آتا ہے نظر
دیکھ اپنی آنکھ کا غافل ذرا شہتیر بھی

باقی رہا مولانا مبارکپوری صاحب (م ۱۳۵۳ھ) کا یہ کہنا کہ ابو عثمان بصریؒ کا تذکرہ ہمیں کسی کتاب میں نہیں ملا، تو جواباً عرض ہے کہ مبارک پوری صاحب کے عدمِ علم سے ابو

---

[۱] ایضاً

[۲] ایضاً

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

عثمانؒ کا مجہول ہونا لازم نہیں آتا، کیوں کہ خود مبارکپوری صاحب کے ہی ہم مسلک عالم حافظ گوندلویؒ (م ۱۴۰۵ھ) ایک راوی کے متعلق لکھتے ہیں:

بعض حنفیہ نے اس اثر پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس کی سند میں محمد بن عباس ہے، اس کا پتہ نہیں چلا، مگر عدم علم سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مجہول ہو۔ [۱]

الغرض غیر مقلدین کے اعتراض کی دونوں شقیں باطل ہیں، اور اس روایت کے پہلے دونوں راوی قطعاً مجہول نہیں ہیں۔

غیر مقلدین کی حدیث دانی اور فن اسماء الرجال میں انکی مہارت کی حقیقت

غیر مقلدین عموماً یہ تاثر دیتے ہیں کہ ہمارے علماء حدیث اور فن اسماء الرجال میں بہت مہارت رکھتے ہیں، جب کہ علماء احناف اس علم میں کورے اور بالکل تہی دامن ہیں۔ [۲] لیکن یہ سب محض غیر مقلدین کا پروپیگنڈہ ہے، اصل حقیقت یہ ہے کہ خود غیر مقلدین دیگر علوم شرعیہ کی طرح علم حدیث ورجال میں میں بھی انتہائی پستہ ہیں۔ سرِ دست ابو عثمان بصریؒ جیسے ثقہ راوی سے متعلق ہی ان کی قابلیت و معلومات کا اندازہ لگا لیں کہ مبارکپوری صاحب وغیرہ ان کو مجہول قرار دے رہے ہیں، جب کہ بعض علمائے غیر مقلدین مثلاً مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹیؒ (م ۱۳۷۵ھ) اور مولانا عبد اللہ روپڑیؒ (م ۱۳۸۴ھ) نے ان کو ابو عثمان عمرو بن عبید معتزلی قرار دے دیا ہے۔ [۳] جو کہ ۱۴۳ھ ہجری یا اس سے پہلے فوت ہوا ہے [۴]۔

---

[۱] خیر الکلام (ص ۲۴۸)

[۲] مثلاً مولانا ابراہیم سیالکوٹیؒ لکھتے ہیں: حضرات حنفیہ کا قدم فن حدیث کی روایت اور اس کی صحت وسقم کی معرفت میں مجموعی طور پر بہت پیچھے ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ قدرت کی طرف سے اس کام کے لیے پیدا ہی نہیں کیے گئے۔ انارۃ المصابیح (ص ۳۹)

[۳] انارۃ المصابیح (ص ۴۰)، فتاوی اہلحدیث (۱:۶۶۱)

[۴] تقریب التھذیب (۱:۷۴۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

نے ان کو ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔ امام عجلیؒ (م ۲۶۱ھ) فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ ہیں اور ان میں تھوڑا سا تشیع ہے۔

عثمان بن ابی شیبہؒ (م ۲۳۹ھ) فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ اور صَدُوْق (راست باز) ہیں۔ نیز یہ "صحیح بخاری" اور "صحیح مسلم" وغیرہ کے راوی ہیں۔[۱]

پانچویں راوی محمد بن جعفر بن ابی کثیر انصاریؒ (م بعد ۱۷۰ھ) ہیں، امام یحییٰ بن معینؒ (م ۲۳۳ھ) فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ ہیں، امام ابن المدینیؒ (م ۲۳۴ھ) فرماتے ہیں: یہ معروف محدث ہیں، امام نسائیؒ (م ۳۰۳ھ) فرماتے ہیں کہ یہ صالح اور مستقیم الحدیث ہیں، امام عجلیؒ (م ۲۶۱ھ) فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ ہیں، امام ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ) نے بھی ان کو ثقات میں شمار کیا ہے، اور یہ صحاح ستہ کے راوی ہیں۔[۲]

چھٹے اور ساتویں راوی، یزید بن خصیفہؒ (م بعد ۱۳۰ھ) اور حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ (م ۹۱ھ) کا تذکرہ رایت نمبر ۹ میں آئے گا۔ الغرض یہ روایت بالکل صحیح اور متصل السند ہے۔

کیا سُنن سعید بن منصور والی حدیث اس حدیث پر راجح ہے؟

مولانا محب اللہ راشدی (م ۱۴۱۵ھ) مذکورہ بالا حدیث پر "سُنن سعید بن منصور" کی گیارہ رکعات والی روایت کو ترجیح دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

سُنن سعید بن منصور کی سند بالکل چھوٹی ہے، اور امام بیہقی والی روایت کی سند اس سے کافی لمبی ہے، سعید بن منصور کی روایت میں امام سعید بن منصور اور سیدنا سائب بن یزید رضی اللہ عنہ تک صرف دو واسطے ہیں، بخلاف امام بیہقی والی روایت کے کہ اس کی سند میں امام بیہقی

---

[۱] دیکھئے تھذیب التھذیب (۲:۷۲)

[۲] دیکھئے تھذیب التھذیب (۵:۶۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اور سیدنا سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کے درمیان چھ واسطے ہیں۔

اور وسائط کا کم ہونا بھی ترجیحات کے وجوہ میں شمار ہوتا ہے۔[۱]

جواب: مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں:

ہر عالی سند صحیح نہیں ہوتی۔[۲]

اور یہ "سنن سعید بن منصور" والی حدیث بھی باوجود عالی ہونے کے ضعیف ہے، کیونکہ اس کے راوی عبدالعزیز دراوردیؒ کو محدثین کے علاوہ اکابر علمائے غیر مقلدین نے بھی ضعیف قرار دیا ہے، جیسا کہ حصہ دوم میں آرہا ہے، جب کہ بیہقی والی سند کے سارے راوی بالاتفاق ثقہ ہیں۔ اور غیر مقلدین کے انتہائی ممدوح علامہ محمد بن ابراہیم الوزیرؒ (م ۸۴۰ھ) سند عالی کو راجح قرار دینے کے بعد لکھتے ہیں:

"وَهٰذَا كُلُّهٗ مَعَ الثِّقَاتِ، اَمَّا اِذَا كَانَ الْعَالِيُّ ضَعِيفًا فَالنَّازِلُ خَيْرٌ مِنْهُ بِغَيْرِ شَكٍّ۔"[۳]

"یہ اس وقت ہے جب اس سند کے سارے راوی ثقہ ہوں، اور اگر عالی روایت ضعیف ہو تو پھر بلا شبہ نازل سند والی روایت اس سے بہتر ہوگی۔"

نامور غیر مقلد عالم علامہ محمد جمال الدین قاسمی دمشقیؒ (م ۱۳۳۲ھ) ارقام فرماتے ہیں:

"وَلَا اِلْتِفَاتَ اِلَى الْعُلُوِّ مَعَ ضَعْفِهٖ"[۴]

"جو علو ضعف کے ساتھ ثابت ہو وہ ناقابل التفات ہے۔"

---

[۱] مقالات راشدیہ (۱:۱۸۵)

[۲] توضیح الکلام (۲:۶۶۷)

[۳] تنقیح الانظار فی معرفۃ علوم الآثار (ص ۲۵۰) طبع دار ابن حزم بیروت

[۴] قواعد التحدیث (ص ۱۲۷) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اورخود مولانا محب اللہ ایک نازل حدیث سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند بھی صالح ہے، گو پہلی حدیث سے کچھ نازل ہے، کیونکہ اس حدیث کی سند میں زرارہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان دو واسطے ہیں۔[۱]

ثانیاً: حضرت سائب رضی اللہ عنہ کی بیس رکعات والی حدیث کے متعدد طرق میں بھی مصنفین اور حضرت سائبؓ تک صرف دو واسطے ہیں۔ مثلاً مابعد حدیث میں امام عبدالرزاقؒ سے حضرت سائبؓ تک صرف دو واسطے ہیں۔ اسی طرح روایت نمبر ۹ میں بھی امام علی بن جعدؒ اور حضرت سائبؓ کے درمیان صرف دو واسطے ہیں۔ لہٰذا سند کے علو کے اعتبار سے بھی یہ بیس تراویح والی حدیث گیارہ تراویح والی حدیث سے کم نہیں ہے۔

روایت نمبر ۷

”عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنِ الْاَسْلَمِيِّ، عَنِ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ ذُبَابٍ، عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ، قَالَ: كُنَّا نَنْصَرِفُ مِنَ الْقِيَامِ عَلٰى عَهْدِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ، وَقَدْ دَنَا فُرُوْعُ الْفَجْرِ، وَكَانَ الْقِيَامُ عَلٰى عَهْدِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ ثَلَاثَةً وَّعِشْرِيْنَ رَكْعَةً“۔[۲]

”امام عبدالرزاقؒ، اسلمیؒ سے روایت کرتے ہیں، وہ حارث بن عبدالرحمٰنؒ سے، اور وہ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہما سے کہ انہوں نے فرمایا: ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں قیام (تراویح) سے اس وقت فارغ ہو کر لوٹتے تھے جب طلوعِ فجر قریب ہوتا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں قیام (تراویح) کی تعداد تیئیس رکعت تھی۔“

---

[۱] فتاوی راشدیہ (ص ۳۷٦)

[۲] مصنف عبدالرزاق (۴: ۲۰۱، رقم الحدیث: ۷۷٦۳) طبع دارالکتب العلمیۃ بیروت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

علامہ ابن عبد البرؒ (م ۴۶۳ھ) اس حدیث کی شرح میں ارقام فرماتے ہیں:

"هٰذَا مَحْمُوْلٌ عَلٰى اَنَّ الثَّلَاثَ لِلْوِتْرِ"۔[۱]

"یہ تیئس رکعات اس پر محمول ہیں کہ ان میں تین رکعتیں وتر کی تھیں"۔

اس روایت کی سند بالکل صحیح ہے۔ ذیل میں اس روایت کے راویوں کی توثیق ملاحظہ ہو۔

(۱) امام عبد الرزاق صنعانیؒ (م ۲۱۱ھ)

مشہور مصنف اور ثقہ امام ہیں، امام احمد بن حنبلؒ (م ۲۴۱ھ) سے پوچھا گیا کہ آپ نے روایتِ حدیث میں عبد الرزاقؒ سے بہتر کسی کو دیکھا ہے، تو انہوں نے فرمایا: کسی کو نہیں، امام ابو زرعہؒ (م ۲۶۴ھ) فرماتے ہیں کہ عبد الرزاقؒ ان محدثین میں سے ہیں جن کی حدیث درست ہوتی ہے، امام ابو حاتمؒ (م ۲۷۷ھ) فرماتے ہیں: ان کی حدیث لکھی جاتی ہے، اور اس سے احتجاج کیا جاتا ہے۔ اسی طرح امام ابو داوٗدؒ (م ۲۷۵ھ)، امام ذہلیؒ (۲۵۸ھ)، امام یعقوب بن شیبہؒ (م ۲۶۲ھ) اور امام ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ) وغیرہ نے بھی ان کی توثیق کی ہے۔[۲]

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں کہ عبد الرزاقؒ حفاظ اثبات میں سے ایک ہیں، اور صاحب تصانیف بزرگ ہیں، تمام ائمہ نے ان کی توثیق کی ہے، سوائے عباس بن عظیم عنبریؒ (م ۲۴۶ھ) کے، کہ انہوں نے ان کے بارے میں جو کلام کیا ہے، اس میں انہوں نے زیادتی کی ہے، اور ائمۂ رجال میں سے کسی امام نے اس میں ان کی موافقت نہیں کی۔[۳]

---

[۱] الاستذکار (۲:۶۹)، التمہید (۳:۲۰۲) کلاھما لابن عبد البرؒ

[۲] "تھذیب الکمال" (۱۱:۴۵۰ تا ۴۵۲) "تھذیب التھذیب" (۳:۴۴۵، ۴۴۶)

[۳] ھدی الساری مقدمہ فتح الباری (ص ۵۸۹)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اب ایک شخص جو ۲۴۳ھ یا اس سے قبل فوت ہو چکا ہے، اس نے یہ حدیث محمد بن عبدالوہاب فراءؒ جو تقریباً ۱۷۷ھ میں پیدا ہوئے[۱] سے کیسے روایت کر لی ہے؟

یہ اکابر علمائے غیر مقلدین کی اس فن میں مہارت کا حال ہے، اس سے آپ ان کے اصاغر کی حالت کا اندازہ خود لگا لیں۔

ع قیاس کن زگلستان من بہار مرا

اس روایت کے دیگر راویوں کی توثیق

اس روایت کے باقی سارے راوی بھی ثقہ ہیں۔ چنانچہ تیسرے راوی ابو احمد محمد بن عبدالوہاب فراءؒ (م ۲۷۲ھ) ہیں، امام نسائیؒ (م ۳۰۳ھ) فرماتے ہیں: یہ ثقہ ہیں، امام مسلم بن حجاجؒ (م ۲۶۱ھ) فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ اور صَدُوق (راست باز) ہیں، امام ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ) نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔[۲]

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

ثِقَةٌ عَارِفٌ[۳] کہ یہ ثقہ (قابل اعتماد) اور صاحبِ معرفت شخص ہے۔

چوتھے راوی خالد بن مخلد قطوانی کوفیؒ (م ۲۱۳ھ) ہیں، امام یحییٰ بن معینؒ (م ۲۳۳ھ) ان کے بارے میں فرماتے ہیں: مَا بِهٖ بَأْسٌ کہ ان میں کوئی خرابی نہیں۔ امام ابن عدیؒ (م ۳۶۵ھ) فرماتے ہیں: هُوَ مِنَ الْمُكْثِرِيْنَ وَهُوَ عِنْدِيْ اِنْ شَاءَ اللهُ لَا بَأْسَ بِهٖ۔ یعنی یہ کثیر الحدیث ہیں اور میرے نزدیک ان شاء اللہ ان (کی روایت) میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ امام ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ) اور امام ابن شاہینؒ (م ۳۸۵ھ)

---

[۱] تھذیب التھذیب (۲۰۵:۵)

[۲] "تھذیب التھذیب" (۲۰۵:۵)

[۳] تقریب التھذیب (۱۰۸:۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

امام عبدالرزاقؒ آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے، اور ان کے حافظہ میں تغیر آ گیا تھا، لہٰذا جن لوگوں نے ان سے آخری عمر میں سماعت کی ہے، انہوں نے ان سے کچھ منکر حدیثیں بھی نقل کی ہیں۔ امام اسحاق بن ابراہیم دبریؒ (م ۲۸۵ھ) جو "مصنف عبدالرزاق" کے بنیادی راوی ہیں، نے بھی اگرچہ امام عبدالرزاقؒ سے حالتِ اختلاط میں سماع کیا تھا، جب ان کی عمر پندرہ سال تھی۔ لیکن امام عبدالرزاقؒ سے ان کے سماع کو صحیح قرار دیا گیا ہے، چنانچہ نامور محدث امام ابو نُعیم اصفہانیؒ (م ۴۳۰ھ) نے دبریؒ کو امام عبدالرزاقؒ کے اثبات (پختہ کار) اور اَعلام (بلند پایہ) تلامذہ میں سے قرار دیا ہے، اور ان کی عبدالرزاقؒ سے روایت کو اُن کے بعض دیگر تلامذہ کی روایت پر ترجیح دی ہے۔ [۱]

امام ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) اسحاق دبریؒ کا ترجمہ: العالِم، المُسند، الصَّدُوق (انتہائی سچے راوی) کے القاب سے شروع کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"رَاوِيَةُ عَبْدِ الرَّزَّاقِ، سَمِعَ تَصَانِيْفَهُ مِنْهُ فِيْ سَنَةِ عَشْرٍ وَّمِئَتَيْنِ بِاِعْتِنَاءِ اَبِيْهِ بِهِ، وَكَانَ حَدَثًا، فَاِنَّ مَوْلِدَهُ عَلٰى مَا ذَكَرَهُ الْخَلِيْلِيُّ فِيْ سَنَةِ خَمْسٍ وَّتِسْعِيْنَ وَمِئَةٍ، وَسَمَاعُهُ صَحِيْحٌ"۔ [۲]

"آں موصوف، امام عبدالرزاقؒ (کی تصانیف) کے ایک بڑے راوی ہیں، انہوں نے اُن سے اُن کی تصانیف کو ۲۱۰ ہجری میں اپنے والد کی خصوصی توجہ کی بدولت سنا تھا جب وہ نو عمر تھے، کیونکہ ان کا سن ولادت بتصریح امام خلیلیؒ ۱۹۵ ہجری ہے، اور ان کا سماع صحیح ہے۔"

---

[۱] معرفۃ الصحابۃ (۴:۸۵) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

[۲] سیر أعلام النبلاء (۱۳:۴۱۶)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

نیز امام ذہبیؒ، امام ابن عدیؒ کے قول کہ دَبریؒ نے امام عبدالرزاقؒ سے کم عمری میں سننے کی وجہ سے بعض منکر احادیث روایت کی ہیں، کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فَأَيْنَ الْمَنَاكِيْرُ؟ وَالرَّجُلُ فَقَدْ سَمِعَ كُتُبًا، فَأَدَّاهَا كَمَا سَمِعَهَا"۔[۱]

"اس کی منکر روایات (جن کا ابن عدیؒ دعوی کر رہے ہیں) کہاں ہیں، اس شخص (دَبریؒ) نے (امام عبدالرزاقؒ سے) کتب سُنی ہیں، اور جس طرح اس نے یہ کتب اُن سے سنی ہیں، اُسی طرح اُس نے ان کو ادا (آگے روایت) کر دیا ہے۔"

امام صلاح الدین صفدیؒ (م ۷۶۴ھ) دبریؒ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

"سَمِعَ مُصَنَّفَاتِ عَبْدِ الرَّزَّاقِ سَنَةَ عَشْرٍ مِنْهُ بِاعْتِنَاءِ وَالِدِهِ، وَكَانَ صَحِيحَ السَّمَاعِ، رَوَى عَنْهُ أَبُوْ عَوَانَةَ فِيْ صَحِيْحِهِ۔"[۲]

انہوں نے امام عبدالرزاقؒ سے ان کی کتب کو دوسو دس ہجری میں سنا تھا، اور یہ صحیح السماع ہیں، امام ابوعوانہؒ نے ان سے اپنی صحیح میں روایت کی ہے۔[۳]

علامہ خطیب بغدادیؒ (م ۴۶۳ھ) ارقام فرماتے ہیں:

"رَوَى الدَّبَرِيُّ عَنْ عَبْدِ الرَّزَّاقِ عَامَّةَ كُتُبِهِ وَنَقَلَهَا النَّاسُ عَنْهُ وَسَمِعُوْهَا مِنْهُ۔"[۴]

"دَبریؒ نے امام عبدالرزاقؒ سے اُن کی اکثر کتب کو روایت کیا ہے، اور پھر دیگر

---

[۱] ایضاً

[۲] الوافی بالوفیات (۶: ۹۰) طبع دار الفکر بیروت

[۳] مثلاً دیکھئے امام ابوعوانہؒ کی کتاب المسند الصحیح المخرج علی صحیح مسلم (۱: ۹۶، رقم الحدیث: ۲۶۱) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

[۴] الکفایۃ فی علم الروایۃ (ص ۶۴) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

لوگوں نے (ان کی روایت پر اعتماد کرتے ہوئے) ان سے ان کتب کو نقل کیا ہے، اور (اُن سے) ان کا سماع کیا ہے۔"

علامہ ابن حزم ظاہریؒ (م ۴۵۶ھ) نے "دَبَری عَن عبدالرزاق" کی سند کو انتہائی درجہ کی صحیح قرار دیا ہے۔[۱]

محدث کبیر امام حاکم نیشاپوریؒ (م ۴۰۵ھ) نے بھی "مستدرک" میں "الدبری عَن عبدالرزاق" کی سند سے بکثرت احادیث روایت کی ہیں۔ اور ان کو صراحتاً صحیح قرار دیا ہے۔ اور پھر محدث ناقد امام ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) نے بھی ان احادیث کی تصحیح میں امام حاکمؒ کی موافقت کی ہے۔[۲]

امام ابونعیم اصفہانیؒ (م ۴۳۰ھ) نے بھی "الدَّبَری عَنْ عبدالرزاق" کی سند سے کئی احادیث اپنی مسند میں روایت کی ہیں۔[۳]

اور باقرار علمائے غیر مقلدین امام اصفہانیؒ نے اپنی اس کتاب میں صحت کا التزام کیا ہے۔[۴]

حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) کی تصریح کے مطابق: امام عُقیلیؒ (م ۳۲۲ھ) نے بھی اپنی صحیح میں دبریؒ سے حجت پکڑی ہے۔[۵]

امام حاکم نیشاپوریؒ (م ۴۰۵ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے استاذ امام دارقطنیؒ (م ۳۸۵ھ) سے پوچھا کہ کیا دبریؒ کی روایت "صحیح" میں داخل کرنے کے قابل ہے؟

---

[۱] المحلّی (۱۱:۲۱۸، ۱۳:۲۰۰) طبع دار احیاء التراث العربی بیروت

[۲] مثلاً دیکھئے المستدرک علی الصحیحین مع الحاشیۃ (۴:۴۶۸، ۴۹۵، ۴۹۸، ۵۰۷) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

[۳] مثلاً دیکھئے المسند المستخرج علی صحیح الامام مسلم (۲:۳۴ ح ۹۱۱، ۴۲ ح ۹۳۲، ۴۴ ح ۹۳۸) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

[۴] مثلاً دیکھئے تنقیح الکلام (ص ۲۹۲)، ماہنامہ الحدیث حضرو (۸:۱۷)

[۵] لسان المیزان (۱:۴۶۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

تو انہوں نے فرمایا:

''آیْ وَاللہِ۔''[۱] بالکل، اللہ کی قسم۔

بعض غیر مقلدین ''مُصنّف عبدالرزاق'' کی روایات (جو ان کے موقف کے خلاف ہوں) کو یہ کہہ کر رد کر دیتے ہیں کہ چونکہ ''مصنف'' کے بنیادی راوی اسحاق دبری ؒ کا امام عبدالرزاق ؒ سے سماع بعد الاختلاط ہے، لہٰذا اس کی یہ روایات منکر ہیں، لیکن غیر مقلدین حضرات کا یہ اشکال غلط ہے، کیوں کہ امام عبدالرزاق ؒ نے اپنی یہ کتاب نابینا اور مختلط ہونے سے پہلے حالتِ صحت میں لکھی تھی۔ اور اصولِ حدیث کی رُو سے محدث جب زمانۂ اختلاط میں جو روایات زبانی بیان کرے وہ تو منکر شمار ہوتی ہیں، لیکن اس دوران جو روایات وہ اپنی کتاب سے بیان کرے کہ جس کو اس نے حالتِ صحت میں تصنیف کیا تھا، ان روایات پر اس کے اِختلاط کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔

اور یہ بات خود اکابر علمائے غیر مقلدین کو بھی تسلیم ہے۔ چنانچہ حافظ عبدالمنان نور پوری (م ۱۴۳۳ھ)، امام عبدالرزاق ؒ کے تذکرہ میں اس بات کو تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> مختلط سے اختلاط کے بعد آدمی کے سماع کے درمیان اور اختلاط کے بعد اس سے اس کی وہ تصنیف کردہ کتاب روایت کرنے کے درمیان جو اس نے اختلاط سے پہلے تصنیف کی، فرق ہے۔[۲]

مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہوئیں:

بلکہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ المصنف عبدالرزاق (ج ۷ ص ۳۲۰) میں یہی روایت لَمْ

---

[۱] سؤالات الحاکم للدارقطنی (ص ۱۰۶ ت ۶۲) طبع مکتبۃ المعارف ریاض۔

[۲] تعداد تراویح (ص ۱۹۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

یُصلّی کے الفاظ سے ہے۔ اس کے بعد امام عبدالرزاقؒ کے تلامذہ کو دیکھنے کی چنداں ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے۔[۱]

لہٰذا امام عبدالرزاقؒ سے دَبریؒ نے جو روایات زبانی سنی تھیں ان میں تو کلام کرنے کی گنجائش ہے، لیکن اس نے جو روایات اُن سے اُن کی تصنیف کردہ کتاب سے سنی تھیں (جیسا کہ یہ مذکورہ روایت ہے) ان کی صحت میں کوئی شک وشبہ نہیں ہوسکتا۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) نے اسحاق دبریؒ موصوف کے ترجمہ میں بحوالہ حافظ ابن الصلاحؒ (م ۶۴۳ھ) لکھا ہے:

”وَاِنَّمَا الْکَلَامُ فِی الْاَحَادِیْثِ الَّتِیْ عِنْدَہٗ فِیْ غَیْرِ التَّصَانِیْفِ، فَھِیَ الَّتِیْ فِیْھَا الْمَنَاکِیْرُ وَذٰلِكَ لِاَجْلِ سَمَاعِہٖ مِنْہُ فِیْ حَالَةِ الْاِخْتِلَاطِ۔“[۲]

”اسحاق دبریؒ کی امام عبدالرزاقؒ سے ان روایات میں کلام ہے جو اس کے پاس (امام عبدالرزاقؒ کی) تصانیف (میں مندرجہ احادیث) کے علاوہ ہیں، کیونکہ ان میں منکر روایات بھی ہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دَبریؒ نے امام عبدالرزاقؒ سے حالتِ اختلاط میں سماعت کی تھی۔“

امام احمد بن حنبلؒ (م ۲۴۱ھ) نے امام عبدالرزاقؒ کے متعلق تصریح کی ہے:

”مَنْ سَمِعَ مِنْہُ بَعْدَ مَا عَمِیَ فَلَیْسَ بِشَیْءٍ، وَمَا کَانَ فِیْ کُتُبِہٖ فَھُوَ صَحِیْحٌ، وَمَا کَانَ لَیْسَ فِیْ کُتُبِہٖ فَاِنَّہٗ کَانَ یُلَقَّنُ فَیَتَلَقَّنُ“۔[۳]

”جس نے امام عبدالرزاقؒ سے نابینا ہونے کے بعد سماعت کی ہے اس کی

---

[۱] تنقیح الکلام (ص ۳۰۷)

[۲] ”لسان المیزان“ (۱:۴۶۱)

[۳] ھدی الساری مقدمہ فتح الباری (ص ۵۸۹)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

(روایت کی) کچھ حیثیت نہیں، اور جو روایت ان کی کتابوں میں موجود ہے وہ صحیح ہے، اور جو (روایت) ان کی کتابوں میں نہیں (وہ ناقابل اعتماد ہے، کیونکہ) اس میں جب ان کو تلقین کی جاتی تھی تو وہ تلقین کو قبول کر لیتے تھے۔"

یہ تفصیل تو اُن محدثین کے موقف سے متعلق تھی، جو امام عبدالرزاقؒ کی زمانۂ اختلاط میں روایت کردہ احادیث میں تفریق کرتے ہیں، کہ وہ اُن کی کتاب سے روایت کردہ احادیث کو صحیح اور کتاب کے علاوہ انہوں نے جو احادیث زبانی بیان کی ہیں، اُن کو غیر صحیح قرار دیتے ہیں۔ لیکن محدثین کا ایک طبقہ وہ بھی ہے جو اس تفریق کا قائل نہیں ہے۔ محدثین کا یہ طبقہ امام موصوف کی زمانۂ اختلاط والی احادیث کو بھی مطلقاً صحیح قرار دیتا ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک امام موصوف حالتِ اختلاط میں اپنی یادداشت سے نہیں بلکہ صرف کتاب سے ہی احادیث بیان کیا کرتے تھے۔

چنانچہ امام برہان الدین ابناسیؒ (م۸۰۲ھ)، امام زین الدین عراقیؒ (م۸۰۶ھ) اور ان کے شاگرد امام کمال الدین شمنیؒ (م۸۲۱ھ)، امام عبدالرزاقؒ کے تذکرہ میں ارقام فرماتے ہیں:

"وَمَنِ احْتَجَّ بِهٖ لَا يُبَالِيْ بِتَغَيُّرِهٖ، لِاَنَّهٗ اِنَّمَا حَدَّثَ بِهٖ مِنْ كُتُبِهٖ لَا مِنْ حِفْظِهٖ"۔[۱]

"اور جن محدثین نے (ہر حالت میں) ان کو قابل حجت سمجھا ہے، انہوں نے ان کے تغیرِ حفظ کی کوئی پرواہ نہیں کی، کیونکہ وہ (تغیرِ حفظ کے بعد) اپنی کتب سے احادیث بیان کیا کرتے تھے نہ کہ اپنی یادداشت سے۔"

---

[۱] الشّذ الفیّاح مِن عُلومِ ابن الصّلاح (۲:۷۷۱)طبع مکتبۃ الرشد ریاض، فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث (ص ۴۷۰) للعراقیؒ طبع موسۃ الکتب الثقافیۃ بیروت، نتیجۃ النظر شرح نخبۃ الفکر (ص ۲۲۲) طبع دار الکلم الطیب دمشق۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

الغرض دونوں صورتوں میں دَبری ؒ کا امام عبدالرزاق ؒ سے اس تراویح والی حدیث کو روایت کرنا صحیح ہے۔

"مُصَنَّف عبدالرزاق" سے متعلق مزید تفصیل ان شاء اللہ حصہ دوم میں آئے گی۔

(۲) محمد بن فلیح اسلمی ؒ (م ۱۹۷ھ)[۱]

---

[۱] امام عبدالرزاق ؒ کے شیخ اسلمی ؒ سے مراد محمد بن فلیح ؒ ہیں، جیسا کہ مولانا عبدالمنان نور پوری ؒ غیر مقلد نے تصریح کی ہے، لیکن نور پوری صاحب نے حاشیہ میں بطور احتمال یہ بھی لکھا ہے کہ: عبدالرزاق کے اساتذہ میں ایک اسلمی اور بھی ہیں جن کا نام ہے: ابراہیم بن محمد ابی یحییٰ۔ اور پھر ان کے خلاف انہوں نے ائمہ رجال سے جرح نقل کی ہے۔ (تعداد تراویح ص ۴۹)

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری اس اسلمی کے دفاع میں لکھتے ہیں: ابراہیم بن ابی یحییٰ کو اگرچہ قطان نے کذاب کہا ہے، مگر امام شافعی ؒ نے ان کی توثیق کی ہے، اور کہا ہے کہ یہ حدیث میں ثقہ ہیں، اور امام ممدوح نے ان سے بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں۔ اور سفیان ثوری ؒ اور ابن جریج ؒ اور بڑے بڑے محدثین نے ان سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ ابن عقدہ ؒ لکھتے ہیں کہ میں نے ابراہیم بن ابی یحییٰ کی حدیث میں غور وفکر کیا اور اس کو دیکھا تو معلوم ہوا وہ منکر الحدیث نہیں ہیں۔ ابن عدی ؒ نے کہا کہ میں نے بھی ان کی حدیثوں کو بہت دیکھا، لیکن کوئی حدیث منکر نہیں پائی۔ حوالے کے لیے دیکھئے میزان الاعتدال (ص ۵۸، ۵۹ ج ۱) پس جب ابراہیم بن ابی یحییٰ کے بارے میں امام شافعی اور ابن عقدہ اور ابن عدی رحمۃ اللہ علیھم کا یہ قول ہے تو ان کی کسی حدیث کو استشہاداً (بطورِ شہادت۔ ناقل) ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مقالات مبارکپوری ص: ۲۲۶، ۲۲۷)

اس بیان میں مولانا مبارکپوری صاحب (جو غیر مقلدین کے امام المحققین ہیں) یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ ابراہیم بن ابی یحییٰ اسلمی ؒ کی روایت کم از کم متابعت میں پیش کرنے کے قابل ہے، لہٰذا اگر بالفرض اس کی یہ روایت اکیلی احتجاج کے قابل نہیں بھی تو اس موضوع پر موجود دیگر روایات کی تائید میں پیش کی جا سکتی ہے۔

نیز حافظ زبیر علی زئی نے ابراہیم اسلمی ؒ کی روایت کو اس کے شواہد کی وجہ سے صحیح قرار دیا ہے۔ تسہیل الوصول شرح وتعلیق صلوۃ الرسول (ص ۳۳۸)

بنابریں اگر اسلمی ؒ سے مراد ابراہیم بن ابی یحییٰ ہی ہے، تو بھی اس کی مذکورہ (بیس تراویح والی) روایت متابعت اور اپنے بکثرت شواہد کیوجہ سے صحیح ہے۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

یہ امام عبدالرزاقؒ کے استاذ اور صحیح بخاری وغیرہ کے راوی ہیں۔ امام دارقطنیؒ (م ۳۸۵ھ) ان کو ثقہ کہتے ہیں، امام بخاریؒ (م ۲۵۶ھ) فرماتے ہیں کہ بعض ائمہ نے ان کی توثیق کی ہے، اور یہ اپنے باپ (فلیح) سے زیادہ ثقہ ہیں، امام ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ) نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے، امام ابوحاتمؒ (م ۲۷۷ھ) فرماتے ہیں: مَابِہ بأْسٌ (ان کی روایت میں کوئی خرابی نہیں ہے)۔ نیز فرماتے ہیں: ''لَیْسَ بِذَاكَ الْقَوِیُّ''۔

مولانا ارشاد الحق اثری اس کلمہ: لَیْسَ بِذَاكَ الْقَوِیُّ کے متعلق لکھتے ہیں: ''جس کے مفہوم میں صرف درجہ کاملہ کی نفی مراد ہے'' لہٰذا یہ جرح ''لَیْسَ بِهٖ بَأْسٌ'' کے معارض نہیں[۱]۔

امام نسائیؒ (م ۳۰۳ھ) فرماتے ہیں: محمد بن فلیح ثقہ ہیں اور میں نے ان سے حدیث لکھی ہے۔[۲]

۳ حارث بن عبدالرحمٰن بن ابی ذبابؒ (م ۱۴۶ھ):

امام ابوزرعہؒ (م ۲۶۴ھ) ان کے بارے میں فرماتے ہیں: لَیْسَ بِهٖ بَأْسٌ، (ان میں کوئی خرابی نہیں ہے) امام مقبریؒ فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ ہیں، امام یحییٰ بن معینؒ (م ۲۳۳ھ) فرماتے ہیں کہ یہ مشہور (محدث) ہیں، امام ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ) نے ان کو ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔ نیز امام ابن حبانؒ اور اسی طرح امام عبدالباقی بن قانعؒ (م ۳۵۱ھ) بھی فرماتے ہیں کہ یہ متقنین (پختہ کار محدثین) میں سے ہیں، امام مسلمؒ (م ۲۶۱ھ) نے ان سے اپنی صحیح میں، امام بخاریؒ

---

[۱] ''توضیح الکلام'' (۱: ۴۷۳)

[۲] دیکھئے ''تھذیب الکمال'' (۱۷: ۱۵۹) ''تھذیب التھذیب'' (۵: ۲۶۰) ''میزان الاعتدال'' (۴: ۱۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

(م ۲۵۶ھ) نے "خلق افعال العباد" میں اور دیگر ائمہ نے اپنی اپنی کتب حدیث میں ان سے احادیث روایت کی ہیں۔[۱]

حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) بھی ان کو ثقہ قرار دیتے ہیں۔[۲]

حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) ان کے متعلق لکھتے ہیں:

"صَدُوقٌ یَہِمُ"۔[۳]

مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹیؒ (م ۱۳۷۵ھ) نے حافظ ابن حجرؒ کے اس قول کی بنیاد پر حارثؒ کی مذکورہ روایت پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے:

صَدوق کا لفظ مراتب تعدیل میں نہایت گھٹیا درجہ کا ہے، پھر اس کے ساتھ وہ وہمی بھی ہے۔[۴]

جواب: بزرگ غیر مقلد عالم مولانا محب اللہ راشدی (م ۱۴۱۵ھ) لکھتے ہیں:

خطا اور وہم سے کوئی راوی معصوم نہیں ہے۔ اِلَّا مَا شَآءَ اللہ۔ یہی وجہ ہے کہ رجال کی کتب میں بہت سے ایسے رُواۃ ملتے ہیں جن کے متعلق ان کی کتب میں یہی لکھا ہوتا ہے: صَدُوقٌ یُخطِئُ، یا صَدُوقٌ یَہِمُ، یا صَدُوقٌ لَہٗ اَوْھَامٌ، حالانکہ وہ صحیحین کے رُواۃ میں سے ہوتے ہیں۔

اور پھر راشدی صاحب چند ایسے راویوں کے نام گنانے کے بعد لکھتے ہیں:

ایسے اور بھی رُواۃ ہیں جو اگرچہ شیخین (بخاری و مسلم) کے رُواۃ میں سے ہیں، لیکن ان

---

[۱] دیکھئے "تھذیب الکمال" (۴:۴۵)، "تھذیب التھذیب" (۱:۲۱۲) "میزان الاعتدال" (۱:۴۳۷)

[۲] المغنی (۱:۲۲۴)، ذیل دیوان الضعفاء والمتروکین (ص ۲۸)

[۳] تقریب التھذیب (۱:۱۷۵)

[۴] انارۃ المصابیح (ص ۵۸)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کے متعلق رجال کی کتب میں یہی لکھا ہوتا ہے کہ یُخطِئُ، یَهِمُ، لَهُ أَوْهَامٌ اور رُبَمَا أَخْطَأَ لیکن ان الفاظ سے وہ حجیت سے گر نہیں جاتے، کیونکہ جہاں ان سے کچھ وہم ہوا، یا خطا ہوگئی ہے، وہاں ائمہ حدیث اور حفاظِ فن نے تنبیہ کر دی ہے، لہٰذا یہ نہیں ہوسکتا کہ جہاں پر بھی راوی دیکھیں تو کہیں کہ یہاں بھی اس نے خطاء کی ہوگی۔ [۱]

مولانا محب اللہ کے بھائی مولانا بدیع الدین راشدی (م ۱۴۱۶ھ) ایک راوی جس کے متعلق حافظ ابن حجرؒ نے ''صدوق کثیر الاوھام'' کہا ہے، کے دفاع میں لکھتے ہیں:

صدوق (سچے) راوی کی حدیث کم از کم حسن ضرور ہوتی ہے، باقی رہا وہم تو وہ کسی راوی کی عدالت کے لیے قادح نہیں بن سکتا۔ نیز اس روایت میں تو اس پر وہم کا کوئی الزام نہیں لگایا گیا۔ [۲]

بنا بریں حارثؒ پر بھی اس روایت میں کسی محدث نے وہم کا الزام نہیں لگایا، بلکہ اس کے برعکس موطا امام مالک کی روایت پر امام ابن عبد البرؒ (م ۴۶۳ھ) نے وہم کا حکم لگایا ہے، لہٰذا اس روایت کو حارثؒ کی روایت پر ترجیح دینا غلط ہے۔ نیز یزید بن خُصیفہؒ جیسے بالاتفاق ثقہ راوی نے حارثؒ کی متابعت کی ہے، اور ان دونوں کی روایات کا مضمون بھی تقریباً ایک جیسا ہے۔ جیسا کہ آپ نے ابھی ملاحظہ کیا ہے۔

④ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ (م ۹۱ھ) صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

الغرض یہ روایت بالکل صحیح ہے، اور اس کی سند متصل اور ثقہ راویوں پر مشتمل ہے۔

---

[۱] مقالاتِ راشدیہ (۱:۴۲۱)

[۲] مقالاتِ راشدیہ (۳:۱۱۶)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بیس تراویح عہد فاروقی وعہد عثمانی میں

روایت نمبر ۸:

امام ابوبکر جعفر بن محمد فریابیؒ (م ۳۰۱ھ) فرماتے ہیں:

"حَدَّثَنَا تَمِيمُ بْنُ الْمُنْتَصِرِ، أَخْبَرَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، عَنِ ابْنِ خُصَيْفَةَ، عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ، قَالَ: كَانُوا يَقُومُونَ عَلَى عَهْدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِي رَمَضَانَ عِشْرِينَ رَكْعَةً، وَلَكِنْ كَانُوا يَقْرَأُونَ بِالْمِأَتَيْنِ فِي رَكْعَةٍ، حَتَّى كَانُوا يَتَوَكَّئُونَ عَلَى عِصِيِّهِمْ مِنْ شِدَّةِ الْقِيَامِ۔"[۱]

"ہم سے تمیم بن منتصرؒ نے بیان کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں یزید بن ہارونؒ نے خبر دی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابن ابی ذہبؒ نے بیان کیا ہے، وہ ابن خُصیفہؒ سے روایت کرتے ہیں، اور وہ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: لوگ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں رمضان المبارک میں بیس رکعت کے ساتھ قیام (تراویح پڑھا) کرتے تھے۔ اور وہ ایک رکعت میں دوسو آیات[۲] پڑھتے تھے، اور شدتِ قیام کی وجہ سے لاٹھیوں پر ٹیک لگاتے تھے۔

---

[۱] کتاب الصیام (ص ۱۳۱، رقم الحدیث: ۱۷۶) طبع دار السلفیۃ بمبئی انڈیا

[۲] مختصر قیام اللیل (ص ۲۲۰) میں اس روایت میں بِالْمِئَتَيْنِ (دوسو آیات) کے بجائے بِالْمِئِيْنَ (کئی سو آیات) کے الفاظ منقول ہیں، جیسا کہ مابعد روایت میں ہے۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

یہ روایت متصل السند ہے، اور اس کے سارے راوی ثقہ وصدوق (راست باز) تھے۔
چنانچہ مصنف امام ابوبکر فریابیؒ (م ۳۰۱ھ) بتصریح حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ):
الامام، الحافظ، الثبت (ثقہ) اور شیخ الوقت تھے۔ [۱]
امام فریابیؒ کے استاذ تمیم بن منتصرؒ (م ۲۴۴ھ) ثقہ اور ضابط تھے۔ [۲]
ان کے استاذ امام یزید بن ہارونؒ (م ۲۰۶ھ) ثقہ، مُتقن (پختہ کار) اور عابد تھے۔ [۳]

جب کہ ابن ابی ذئب (م ۱۵۸ھ)، یزید بن خصیفہؒ (م بعد ۱۳۰ھ) اور حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ (۹۱ھ) کا تفصیلی تعارف مابعد روایت میں آرہا ہے۔ ان شاء اللہ۔

الغرض یہ روایت بلاغبار صحیح اور متصل السند ہے۔

روایت نمبر ۹:

امام بیہقیؒ (م ۴۵۸ھ) فرماتے ہیں:

"وَقَدْ اَخْبَرَنَا اَبُوْعَبْدِ اللهِ الْحُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الْحُسَيْنِ بْنِ فَنْجَوَيْهِ الدِّيْنَوَرِيُّ بِالدَّامِغَانَ، ثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحَاقَ السُّنِّيُّ، اَنْبَأَ عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ الْبَغَوِيُّ، ثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ، اَنْبَأَ ابْنُ اَبِيْ ذِئْبٍ، عَنْ يَزِيْدَ بْنِ خُصَيْفَةَ، عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ رضی اللہ عنہ قَالَ: كَانُوْا يَقُوْمُوْنَ عَلٰى عَهْدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً، قَالَ: وَكَانُوْا يَقْرَؤُوْنَ بِالْمِئِيْنَ وَكَانُوْا يَتَوَكَّؤُوْنَ عَلٰى عِصِيِّهِمْ فِيْ عَهْدِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رضی اللہ عنہ مِنْ

---

[۱] سیر اعلام النبلاء (۹۶:۱۴)
[۲] تقریب التہذیب (۱۴۴:۱)
[۳] ایضاً (۳۲۳:۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

شِدَّةِ الْقِيَامِ "۔[۱]

"ہمیں ابوعبداللہ حسین بن محمد ابن فنجویہؒ نے دامغان میں یہ خبر دی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے احمد بن سنیؒ نے بیان کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں عبد اللہ بن محمد بغویؒ نے خبر دی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے علی بن جعدؒ نے بیان کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں ابن ابی ذئبؒ نے خبر دی ہے، وہ یزید بن خُصیفہؒ سے روایت کرتے ہیں، وہ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بیس رکعت (تراویح) کے ساتھ قیام کیا کرتے تھے، اور (قُرّاء حضرات) سو سو آیات پڑھا کرتے تھے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں لوگ شدتِ قیام کی وجہ سے لاٹھیوں پر ٹیک لگایا کرتے تھے۔"

اس روایت کا آخری جملہ کہ لوگ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں شدتِ قیام کی وجہ سے لاٹھیوں پر ٹیک لگاتے تھے، چونکہ بیس رکعت کے ضمن میں مروی ہے، لہٰذا اس سے ظاہر یہی ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت کی طرح بیس رکعت تراویح ہی پڑھی جاتی تھیں، کیونکہ جب راوی حضرت سائب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بیس رکعت پڑھے جانے کا ذکر کیا تو اب اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں بیس کے علاوہ کسی اور عدد پر عمل ہوتا تو آپ ضرور اس کو بھی ذکر فرماتے۔ پس راوی کا اس موقعہ پر سکوت اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں بھی عہدِ فاروقی کی طرح بیس تراویح ہی پڑھی جاتی تھیں۔

---

[۱] السنن الکبریٰ للبیہقی (۲:۴۹۶)، مسند علی بن الجعد (ص ۴۱۳، ۴۱۴، رقم الحدیث: ۲۸۲۵، ۲۸۲۶) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

نیز ما قبل حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کے بیس رکعت تراویح پڑھانے سے متعلق روایات گزر چکی ہیں۔اور حضرت اُبی رضی اللہ عنہ کی وفات ۳۰ ہجری میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت کے ساتویں سال ہوئی۔

چنانچہ مولانا عبداللہ روپڑی ؒ (م ۱۳۸۴ھ) لکھتے ہیں:

اُبی بن کعب ؓ کی وفات راجح قول کی بناء پر ۱۳۰ ہجری میں ہوئی۔ اصابہ جلد اول،ص ۱۰۲[۱]۔

اس لحاظ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں تقریباً سات سال حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ بیس رکعت تراویح پڑھاتے رہے۔

نیز حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بیس تراویح پر عمل درآمد ہونا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ عہد عثمانی میں بھی بیس تراویح پر ہی عمل رہا۔

اس مذکورہ روایت کی سند کو متعدد محدثین مثلاً امام نووی ؒ (م ۶۷۶)، امام ابن الملقن ؒ (م ۸۰۴ھ)، امام ابن العراقی ؒ (م ۸۲۶ھ)، امام سیوطی ؒ (م ۹۱۱ھ)، امام شہاب الدین قسطلانی ؒ (م ۹۲۳ھ)، امام زکریا انصاری ؒ (م ۹۲۶ھ)، امام شمس الدین محمد بن محمد بن خطیب شربینی ؒ (م ۹۷۷ھ) اور علامہ نیموی ؒ (م ۱۳۲۲) وغیرہ نے صحیح قرار دیا ہے۔[۲]

شارح بخاری امام حافظ بدر الدین عینی ؒ (۸۵۵ھ) بھی اس حدیث کو صحیح قرار

---

[۱] فتاویٰ اہلحدیث (۲:۱۹۱)

[۲] دیکھئے بالترتیب: المجموع شرح المھذب (۳:۵۲۷) طبع مکتبۃ الارشاد جدہ، البدر المنیر (۱۰:۲۷۲) طبع دارالعاصمۃ ریاض، طرح التثریب فی شرح التقریب (۳:۸۸) طبع دارالکتب العلمیۃ بیروت، المصابیح فی صلوٰۃ التراویح (۲۸) طبع دارالقبس عمان، ارشاد الساری شرح صحیح البخاری (۴:۱۲۰) طبع دارالفکر بیروت، اسنی المطالب شرح روضۃ الطالب (۱:۲۰۱) طبع المطبعۃ المیمنیۃ قاہرہ، مغنی المحتاج الی معرفۃ الفاظ المنھاج (۱:۳۴۵) طبع دارالفکر بیروت، آثار السنن (ص ۳۹۴) طبع مکتبہ حسینیہ گوجرانوالہ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

دیتے ہیں۔[۱]

مسند الہند حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ (م ۱۲۳۹ھ) اس حدیث کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

علامہ بیہقیؒ نے اپنی کتاب سنن بیہقی میں اسناد صحیحہ سے روایت کی ہے۔[۲]

نامور غیر مقلد محقق مولانا نواب صدیق حسن خانؒ (م ۱۳۰۷ھ) نے بھی اس حدیث کی سند کو صحیح تسلیم کیا ہے۔[۳]

بزرگ غیر مقلد عالم مولانا محب اللہ راشدیؒ (م ۱۴۱۵ھ) نے اس حدیث کی سند کو جید قرار دیا ہے۔[۴]

مولوی ایوب صابر صاحب غیر مقلد اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند بلا غبار صحیح ہے۔[۵]

محدثین اور علمائے کرام کی اس حدیث کی تصحیح سے اگرچہ اس کے راویوں کی توثیق بھی ثابت ہوگئی ہے، جیسا کہ ماقبل بحوالہ علمائے غیر مقلدین گزرا ہے کہ حدیث کی تصحیح کے ضمن میں اس کے راویوں کی توثیق بھی ثابت ہو جاتی ہے، لہٰذا اس حدیث کے ہر ہر راوی کی توثیق بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں رہی لیکن بایں ہمہ قارئین کی مزید تسلی کے لیے اس روایت کے ہر ہر راوی کا تذکرہ اور توثیق کتب اسماء الرجال سے پیش خدمت ہے۔

① صاحب سنن امام احمد بن حسین بیہقیؒ (م ۴۵۸) مشہور محدث اور جلیل القدر امام ہیں،

---

[۱] البنایۃ فی شرح الہدایۃ (۱۰۱:۳) طبع مکتبہ حقانیہ ملتان

[۲] فتاوی عزیزی مترجم (ص ۴۸۴)

[۳] عون الباری (۱۸۱:۵) طبع دار النوادر دمشق

[۴] مقالات راشدیہ (۳۶۲:۱)

[۵] تحقیق التراویح (۵۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

علامہ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) ان کے متعلق لکھتے ہیں: الامام، الحافظ، العلامۃ، شیخ الخراسان[۱]

(۲) ابوعبداللہ حسین ابن فنجویہ دینوریؒ (م ۴۱۴ھ): حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) حسن بن محمودؒ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

''وَشَیْخُہٗ ھُوَ الْحُسَیْنُ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ فَنْجَوَیْہِ حَافِظٌ مُصَنِّفٌ''

''ان کے شیخ حسین بن عبداللہ بن فنجویہؒ حافظ الحدیث اور مصنف ہیں۔''

نیز فرماتے ہیں کہ یہ معروف راوی ہیں۔[۲]

اسی طرح حافظ موصوف نے محمد بن علی المعتصم ہاشمیؒ کے ترجمہ میں ابن فنجویہؒ کو ثقہ راویوں میں سے قرار دیا ہے۔[۳]

حافظ ابن حجرؒ کے استاذ حافظ زین الدین عراقیؒ (م ۸۰۶ھ) نے بھی محمد بن علی ہاشمیؒ کے ترجمہ میں ابن فنجویہؒ کو ثقات (ثقہ راویوں) میں سے قرار دیا ہے، اور ان کی سند کو ''الاسناد الصحیح'' سے تعبیر کیا ہے۔[۴]

حافظ ابن ناصر الدینؒ (م ۸۴۲ھ) بحوالہ امام ابوسعد سمعانیؒ (م ۵۶۲ھ) لکھتے ہیں:

''اَبُوْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ فَنْجَوَیْہِ الثَّقَفِیُّ مِنْ اَھْلِ الدِّیْنَوَر، حَافِظٌ کَبِیْرٌ، صَنَّفَ مُصَنَّفَاتٍ''۔[۵]

''حسین بن محمد بن فنجویہ ثقفیؒ جو کہ اہل دینور میں سے ایک بلند پایہ حافظ الحدیث اور کئی کتب کے مصنف ہیں۔''

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ (۳:۲۱۹)

[۲] دیکھئے لسان المیزان (۲:۲۹۵، ۲۹۶) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت۔

[۳] ایضاً (۵:۳۰۱)

[۴] ذیل میزان الاعتدال (ص ۳۱۱) طبع عالم الکتب بیروت

[۵] توضیح المشتبہ (۴:۱۱) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

امام ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) ان کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

”وَكَانَ ثِقَةً مُصَنِّفًا“[۱]

”آپ ثقہ اور مصنف تھے“

نیز امام ذہبیؒ ان کے بارے میں یہ عظیم القاب استعمال فرماتے ہیں:

الشیخ الامام، المحدث، المفید، بقیۃ المشایخ۔[۲]

امام شیرویہ (م ۵۰۹ھ) اپنی تاریخ میں ابن فنجویہؒ کے بارے میں لکھتے ہیں:

”كَانَ ثِقَةً صَدُوقًا، كَثِيْرَ التَّصَانِيفِ كَثِيْرَ الرِّوَايَةِ لِلْمَنَاكِيْرِ“[۳]

”یہ ثقہ، راست باز، کثیر التصانیف اور بکثرت منفرد روایات بیان کرنے والے تھے“۔[۴]

---

[۱] العبر (۲:۲۲۷)

[۲] سیر اعلام النبلاء (۱۷:۳۸۳، ۳۸۴)

[۳] ایضاً، التقیید (۱:۳۰۱) لابن نقطہؒ

[۴] امام شیرویہؒ نے ابن فنجویہؒ کو ثقہ وصدوق قرار دینے کے ساتھ ساتھ جو ”کثیر الرِّوایۃِ لِلْمَنَاکیر“ کہا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے ایسی بکثرت احادیث روایت کی ہیں جن میں یہ منفرد ہیں، اور ان کے معاصرین ان روایات سے تہی دامن ہیں۔
جیسا کہ مولانا محمد گوندلویؒ (م ۱۴۰۵ھ) ارقام فرماتے ہیں: یاد رکھنا چاہیے کہ بعض جگہ نکارت سے مراد صرف تفرد ہی ہوتا ہے، نہ (کہ) ضعف۔ پس نکارت سے ضعف سمجھنا صحیح نہیں۔ خیر الکلام (ص ۱۶۰)
مولانا گوندلویؒ کے شاگرد مولانا ارشاد الحق اثری ایک راوی کے دفاع میں لکھتے ہیں:
ساجی ان کی جرح نقل کرنے کے باوصف اسے صدوق کہتے ہیں، اور چونکہ وہ کئی روایات میں منفرد ہے، اسی بنا پر اس کے بارے میں ”رَوَی مَنَاکِیْر“ (اس نے منکر حدیثیں روایت کی ہیں) کہا گیا، جو راوی کے ضعف کو قطعاً متلزم نہیں۔ مقالات (۲:۲۷۰)
بنا بریں ابن فنجویہؒ کو امام شیرویہؒ نے ثقہ وصدوق قرار دینے کے باوجود ان کے متعلق جو کثیر الروایۃ للمناکیر، کہا ہے، تو اس سے بھی ابن فنجویہؒ کا ضعیف ہونا ثابت نہیں ہوتا، بلکہ اس کا مطلب ہوگا کہ یہ بکثرت منفرد احادیث روایت کرنے والے ہیں، اور یہ ان کے لیے ایک شرف واعزاز ہے۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

علامہ ابن العماد حنبلیؒ (م ۱۰۸۹ھ) ارقام فرماتے ہیں:

"کَانَ ابْنُ فَنْجَوَیْهِ ثِقَةً مُصَنِّفًا"[۱]

"ابن فنجویہؒ ثقہ اور صاحب التصانیف تھے"

امام سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) بحوالہ امام ابن الجوزیؒ (م ۵۹۷ھ) ایک حدیث کی تحقیق میں ارقام فرماتے ہیں:

"اَبُوْ عَبْدِ اللهِ الْحُسَیْنُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ فَنْجَوَیْهِ حَافِظٌ کَبِیْرٌ"[۲]

"ابن فنجویہؒ بلند پایہ حافظ الحدیث ہیں"۔

علامہ نیموی (م ۱۳۲۲ھ) ان کے متعلق لکھتے ہیں:

"فَهُوَ مِنْ کِبَارِ الْمُحَدِّثِیْنَ لَا یُسْئَلُ عَنْ مِثْلِهٖ"[۳]

"وہ بڑے محدثین میں سے ہیں، اور ان کی عدالت وثقاہت سے متعلق سوال ہی نہیں کیا جاتا"

محدثین کی اس توثیق کے بعد مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب غیر مقلد (م ۱۳۵۳ء) کا یہ مطالبہ پورا ہوگیا کہ:

"فَمَنْ یَدَّعِیْ صِحَّةَ هٰذَا الْاَثَرِ فَعَلَیْهِ اَنْ یُّثْبِتَ کَوْنَهٗ ثِقَةً قَابِلًا لِلْاِحْتِجَاجِ"۔[۴]

"جو شخص اس اثر کی صحت کا مدعی ہو اس پر لازم ہے کہ وہ ابن فنجویہؒ کا ثقہ اور قابل احتجاج ہونا ثابت کرے۔ وللہ الحمد[۵]

---

[۱] شذرات الذھب (۳:۲۰۰)

[۲] اللآلی المصنوعۃ (۲:۵۹) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

[۳] التعلیق الحسن (ص ۲۵۱)

[۴] تحفۃ الاحوذی (۳:۵۳۱)

[۵] اسی طرح مولانا بدیع الدین راشدی غیر مقلد کا ابن فنجویہؒ کے متعلق یہ کہنا کہ: ان کی کہیں سے توثیق معلوم نہیں ہوئی، اس لیے وہ مجہول الحال کہلائے گا۔ مقالاتِ راشدیہ (۳:۱۲۳) بھی باطل ہوگیا۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اور پھر ابن فنجویہؒ اس روایت کو نقل کرنے میں منفرد بھی نہیں ہیں، بلکہ ابو محمد عبداللہ بن محمد بن ہزار مرد صریفینیؒ (م ۴۶۹ھ) جو کہ ثقہ امام ہیں۔ [۱] نے ان کی متابعت کی ہے، چنانچہ ابن فنجویہؒ اس روایت کو امام احمد بن محمد سُنیؒ (م ۳۶۴ھ) جن کا ترجمہ آگے آرہا ہے، سے نقل کررہے ہیں، اور وہ امام ابو القاسم بغویؒ سے، جب کہ ابو محمد صریفینیؒ، ابو القاسم عبید اللہ بن محمد بن اسحاق بن حبابہؒ (م ۳۸۹ھ) جو کہ بتصریح ذہبیؒ: الشیخ، المُسند، العالم، الثقہ تھے [۲] سے نقل کررہے ہیں، اور وہ امام ابو القاسم بغویؒ سے روایت کررہے ہیں۔ [۳]

(۲) احمد بن محمد بن اسحاق سُنیؒ (م ۳۶۴ھ): یہ مشہور کتاب ''عَمَلُ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَة'' کے مصنف اور ''سُنن نسائی'' کے راوی و مرتب ہیں۔ حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) طبقات الحفاظ میں ان کے بارے میں ارقام فرماتے ہیں:

''كَانَ دَيِّنًا خَيِّرًا صَدُوقًا اخْتَصَرَ السُّنَنَ وَسَمَّاهُ الْمُجْتَبٰى''۔ [۴]

''یہ دین دار، بہترین اور راست باز تھے، انہوں نے امام نسائیؒ کی کتاب ''السنن الکبریٰ'' کو مختصر کیا اور اس کا نام ''المجتبیٰ'' رکھا۔''

نیز حافظ ذہبیؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں: الحافظ، الامام، الثقہ۔ [۵]

حافظ تاج الدین سبکیؒ (م ۷۷۱ھ) ان کے تذکرہ میں ارقام فرماتے ہیں:

''كَانَ رَجُلًا صَالِحًا فَقِيهًا شَافِعِيًّا'' [۶]

''یہ نیک آدمی اور شافعی فقیہ تھے''

نیز اس روایت میں ابو القاسم عبید اللہ بن محمد بن حبابہؒ (م ۳۸۹ھ) ان کا متابع ہے،

---

[۱] سیر اعلام النبلاء (۱۸: ۳۳۰)

[۲] ایضاً (۱۶: ۵۴۸)

[۳] مُسند علی بن الجعد (ص ۱۸، ۴۱۳)

[۴] تذکرۃ الحفاظ (۳: ۱۰۱)

[۵] ایضاً

[۶] طبقات الشافعیۃ الکبریٰ (۳: ۳۹)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

جیسا کہ ابھی گزرا ہے۔

(۴) عبد اللہ بن محمد بغویؒ (م ۳۱۷ھ): علامہ خطیب بغدادیؒ (م ۴۶۳ھ) ان کے بارے میں لکھتے ہیں: یہ ثقہ، پختہ کار، کثیر الحدیث، سمجھدار اور عارف تھے۔[۱]

امام دارقطنیؒ (م ۳۸۵ھ) فرماتے ہیں: یہ ثقہ، علم کے پہاڑ اور ائمہ حدیث میں سے ایک امام ہیں۔[۲]

امام ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) ان کو الحافظ، الامام اور الحجۃ کے القاب سے یاد فرماتے ہیں۔[۳]

نیز ذہبیؒ نے حافظ سلیمانیؒ (م ۴۰۴ھ) کے قول: اَلْبَغَوِيُّ يُتَّهَمُ بِسَرِقَةِ الْحَدِيْثِ (بغویؒ سرقہ حدیث کے ساتھ متہم ہیں) کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"هٰذَا الْقَوْلُ مَرْدُوْدٌ، وَمَا يَتَّهِمُ اَبَا الْقَاسِمِ اَحَدٌ، يَدْرِيْ مَا يَقُوْلُ، بَلْ هُوَ ثِقَةٌ مُطْلَقًا"۔[۴]

"(سلیمانیؒ کا) یہ قول مردود ہے، ابو القاسم بغویؒ کو کسی نے (سرقہ کے ساتھ) متہم نہیں کیا، سلیمانیؒ کو کیا معلوم ہے کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں؟ بلکہ امام بغویؒ مطلقاً ثقہ ہیں۔"

حافظ زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

محدث سلیمانی کے بارے میں حافظ ذہبی نے لکھا:

میں نے سلیمانی کی کتاب دیکھی ہے، جس میں اکابر پر جرح ہے، لہٰذا اُن کی شاذ بات کو نہ سنا جائے (سیر اعلام النبلاء ۱۷۰،۲۲۰)[۵]

اور پھر امام بغویؒ اپنی اس روایت میں منفرد بھی نہیں، بلکہ تمیم بن منتصرؒ (م ۲۴۴ھ)

---

[۱] تاریخ بغداد (۱۰:۱۱۰)

[۲] ایضاً (۱۰:۱۱۵)

[۳] سیر اعلام النبلاء (۱۴:۴۴۰)

[۴] ایضاً

[۵] ماہنامہ الحدیث (۵۹:۱۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

جیسے ثقہ ان کے متابع ہیں۔ چنانچہ امام بغویؒ اس حدیث کو علی بن الجعدؒ سے، اور وہ ابن ابی ذئبؒ سے روایت کر رہے ہیں، جب کہ تمیمؒ اس کو یزید بن ہارونؒ سے، اور وہ ابن ابی ذئبؒ سے روایت کرتے ہیں، جیسا کہ روایت نمبر ۸ میں آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔

۵) علی بن الجعدؒ (م ۲۳۰ھ): یہ امام بخاریؒ کے استاذ اور نہایت ثقہ راوی ہیں۔ چنانچہ امام صالح بن محمد اسدیؒ (م ۲۹۳ھ) ان کو ثقہ بتلاتے ہیں، امام نسائیؒ (م ۳۰۳ھ) ان کو صدوق کہتے ہیں۔

امام ابوزرعہؒ (م ۲۶۴ھ) فرماتے ہیں: ''کَانَ صَدُوْقًا فِي الْحَدِيْثِ ''''کہ وہ حدیث میں راست باز تھے''امام ابوحاتمؒ (م ۲۷۷ھ) فرماتے ہیں: ''کَانَ مُتْقِنًا صَدُوْقًا''''کہ وہ پختہ کار اور راست باز محدث تھے''۔ نیز فرماتے ہیں کہ محدثین میں سے میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو علی بن الجعدؒ کی طرح احادیث کو یاد رکھنے والا ہو۔

امام ابن قانعؒ (م ۳۵۱ھ) فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ اور ثبت (پختہ کار) ہیں۔ امام مطینؒ (م ۲۹۷ھ) بھی ان کو ثقہ کہتے ہیں، امام فن الرجال حضرت یحییٰ بن معینؒ (۲۳۳ھ) ان کو (دو دفعہ) ثقہ صدوق، ثقہ صدوق کہہ کر ان کی مقرر توثیق کرتے ہیں۔ نیز فرماتے ہیں کہ علی بن الجعد ربانی العلم ہیں۔[۱]

نیز امام یحییٰ بن معینؒ کے شاگرد ابوعباس ابن محرز بغدادیؒ نے ان سے علی بن الجعدؒ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے اُن کو بھی یہی جواب دیا کہ علی بن الجعدؒ ثقہ صدوق ہیں، پھر شاگرد نے استفسار کیا کہ لوگ تو ان پر (تنقیص صحابہؓ وغیرہ) طرح طرح کے الزامات لگاتے ہیں، اس پر امام ممدوح نے جواب دیا:

''یَکْذِبُوْنَ عَلَیْہِ''[۲]

''لوگ ان پر جھوٹے الزامات لگاتے ہیں

---

[۱] دیکھئے تھذیب الکمال (۱۳: ۲۱۶۔۲۱۷)، تھذیب التھذیب (۴: ۱۸۳۔۱۸۵)

[۲] معرفۃ الرجال (ص ۱۶۱، ت ۵۱۴۔۵۱۵) طبع الفاروق الحدیثیۃ قاہرہ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

امام ابویعلیٰ خلیلیؒ (م ۴۴۶ھ) ان کے ترجمہ میں ارقام فرماتے ہیں:

"ثِقَةٌ، مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ"۔[۱]

"کہ یہ بالاتفاق ثقہ ہیں۔"

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ثِقَةٌ ثَبْتٌ رُمِيَ بِالتَّشَيُّعِ"[۲]

"یہ ثقہ اور پختہ کار محدث ہیں، اور ان پر شیعہ ہونے کا الزام ہے۔"

حافظ ابن حجرؒ نے یہاں علی بن الجعدؒ پر تشیع کے الزام کو "رُمِيَ" صیغہ تمریض (مجہول) سے بیان کیا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی ایک راوی سے متعلق حافظ ہیثمیؒ (استاذ ابن حجرؒ) کے قول: وَقَدْ وُثِّقَ (اس کی توثیق کی گئی ہے) کے جواب میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ توثیق مردود ہے۔ اس لیے حافظ ہیثمیؒ نے اس کے لیے صیغہ تمریض استعمال کیا ہے۔[۳]

مولانا محمد گوندلوی (م ۱۴۰۵ھ) لکھتے ہیں:

بعض نے کہا کہ اس روایت میں سیف متفرد ہے، اور وہ قدری ہے۔

جواب: سیف ثقہ ہے، اور اس کا قدری ہونا اس کی حدیث کو رد کرنے کا موجب نہیں، بلکہ اس کے متعلق حافظ (ابن حجرؒ) نے نقل کیا ہے: رُمِيَ بِالْقَدْرِ (تقریب التھذیب) جس سے اس کا قدری ہونا بھی مشکوک ہے۔[۴]

اس اصول کی بنیاد پر علی بن الجعدؒ پر بھی شیعت کا الزام مردود اور مشکوک ہے۔

---

[۱] الارشاد فی معرفۃ علماء الحدیث (ص ۶۶، ت ۷۹)

[۲] تقریب التھذیب (۱: ۶۸۹)

[۳] نور العینین (ص ۱۳۹)

[۴] الاصلاح (۱/ص ۲۴۶)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

(۶) محمد بن عبد الرحمٰن بن ابی ذئبؒ (م ۱۵۸ھ):

یہ ثقہ، صدوق اور صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ امام ابو داودؒ (م ۲۷۵ھ) فرماتے ہیں کہ یہ تابعی کبیر سعید بن المسیبؒ کے مشابہ تھے، امام یحییٰ بن معینؒ (م ۲۳۳ھ)، امام یعقوب بن شیبہؒ (م ۲۶۲ھ)، امام نسائیؒ (م ۳۰۳ھ)، امام احمدؒ (م ۲۴۱ھ)، امام ابن سعدؒ (م ۲۳۰ھ)، امام ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ)، امام خلیلیؒ (م ۴۴۶ھ)، امام مالکؒ (م ۱۷۹ھ) وغیرہ تمام ائمہ رجال نے ان کی زبردست توثیق کی ہے۔[۱]

امام ابو داودؒ (م ۲۷۵ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبلؒ (م ۲۴۱ھ) کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

"كَانَ ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ ثِقَةً صَدُوقًا، أَفْضَلَ مِنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ "[۲]

"ابن ابی ذئبؒ ثقہ اور صدوق تھے، اور امام مالکؒ بن انسؒ سے بھی افضل تھے۔"

حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں: أَحَدُ الْأَعْلَامِ الثِّقَاتِ، مُتَّفَقٌ عَلَى عَدَالَتِهٖ۔[۳] یہ بڑے ائمہ ثقات میں سے ایک ہیں، اور ان کی عدالت و ثقاہت عند المحدثین متفق علیہ ہے۔

حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ثِقَةٌ فَقِيهٌ فَاضِلٌ "۔[۴]

"یہ ثقہ، فقیہ اور صاحب فضیلت ہیں"

اور ابن ابی ذئبؒ بھی اس حدیث کو روایت کرنے میں منفرد نہیں، بلکہ محمد بن جعفر انصاریؒ (دیکھئے روایت نمبر ۶) اور امام مالکؒ (جیسا کہ ان کی روایت آگے آرہی ہے) ان کے متابع ہیں۔

---

[۱] تھذیب التھذیب (۵:۱۹۶۔۱۹۷)

[۲] سؤالات ابی داود للامام احمد بن حنبل (ص ۲۱۸، ۲۱۹) ت ۱۹۲ طبع مکتبۃ العلوم والحکم مدینہ منورہ

[۳] میزان الاعتدال (۳:۶۲۰)

[۴] تقریب التھذیب (۲:۱۰۵)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

⑦ یزید بن عبداللہ بن خُصیفہؒ (م بعد ۱۳۰ھ): امام احمد بن حنبلؒ[۱] امام

[۱] امام احمد بن حنبلؒ نے دو دفعہ ان کو ثقہ کہہ کر ان کی مکرر (ڈبل) توثیق کی ہے۔ (الجرح والتعدیل: ۹: ۲۷۴)
امام ابن المبرد حنبلی دمشقیؒ (م ۹۰۹ھ) ان کے متعلق لکھتے ہیں:
وَثَّقَهُ اَحْمَدُ (بحر الدم فیمَنْ تکلم فیه الامام احمد بمدح اَوْذَم ص: ۱۷۶) کہ امام احمدؒ نے ان کی توثیق کی ہے۔
اگرچہ امام احمدؒ سے یزید بن خصیفہؒ کے متعلق ''مُنکرُ الحدیث'' کے الفاظ بھی منقول ہیں۔ (تھذیب التھذیب ۶: ۲۱۴) لیکن اول تو اس روایت کے راوی ابوعبید آجریؒ خود غیر مقلدین کے نزدیک غیر ثقہ اور ناقابل اعتماد ہیں۔ دیکھئے ماہنامہ الحدیث: (۴۷: ۱۶)، القول المتین (ص ۲۲)
کفایت اللہ سنابلی صاحب، امام ابوداودؒ کے ایک قول کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: نیز ان باتوں کو نقل کرنے والے ابوعبید الآجری ہیں، اور بعض کے نزدیک ابوعبید الآجری مجہول ہیں، اس لیے ان کے اصول کے تحت یہ باتیں ثابت ہی نہیں۔ یزید بن معاویہؓ (ص ۵۶۲، ۵۶۳)
اور پھر یہ قول ''سؤالات الآجری'' کے مطبوعہ نسخے میں موجود بھی نہیں ہے۔ مولانا ارشاد الحق اثری، اس طرح کے قول کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
اور علاء کو امام ابوداودؒ نے متغیر قرار دیا ہے، اور وہ بھی ابوعبید الآجری کی روایت میں، جیسا کہ تہذیب وغیرہ میں ہے۔ حالانکہ ''سؤالات الآجری عن ابی داودؒ'' (کے مطبوعہ نسخے) میں یہ قول بھی نہیں۔ تنقیح الکلام (ص ۱۵۹)
ثانیاً: حافظ ابن حجرؒ نے ابن خصیفہؒ کے متعلق امام احمدؒ سے منسوب یہ قول نقل کر کے لکھا ہے: هٰذِهِ اللَّفْظَةُ يُطْلِقُهَا اَحْمَدُ عَلٰى مَنْ يَّغْرُبُ عَلٰى اَقْرَانِهٖ بِالْحَدِيْثِ عُرِفَ ذٰلِكَ بِالْاِسْتِقْرَاءِ مِنْ حَالِهٖ وَقَدِ احْتَجَّ بِابْنِ خُصَيْفَةَ مَالِكٌ وَالْاَئِمَّةُ كُلُّهُمْ۔ ھدی الساری (ص ۶۳۱) امام احمدؒ اس لفظ کا اطلاق اس راوی پر کرتے ہیں جو اپنے معاصرین کے مقابلے میں غریب (منفرد) حدیث روایت کرتا ہو، اور یہ بات امام موصوف کے حال کا استقراء (پوری طرح معلومات اکٹھی) کرنے کے بعد معلوم ہوئی ہے۔ اور ابن خصیفہؒ سے امام مالکؒ اور تمام ائمہ نے حجت پکڑی ہے۔
بعض غیر مقلدین کی ستم ظریفی دیکھیں کہ وہ ایک متاخر عالم شیخ عبدالرحمٰن معلمی (م ۱۳۸۶ھ) جو حافظ ابن حجرؒ کے سامنے ایک طفل مکتب بھی نہیں، کے استقراء کو تو تسلیم کرتے ہیں۔ انوار التوضیح (ص ۲۰۳) لیکن حافظ صاحبؒ کے استقراء کو ان کا قیاس قرار دے کر تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ایضاً (ص ۱۸۹، ۱۹۴) اور پھر ان غیر مقلدین کا دوغلہ پن اور ناانصافی ملاحظہ کریں کہ وہ عیسیٰ بن جاریہ کے بارے میں امام ابوداودؒ وغیرہ کی جرح ''منکر الحدیث'' کی انتہائی مضحکہ خیز تاویلیں کر کے اس کو غرابت (انفرادیت حدیث) کے معنیٰ پر محمول کرتے ہیں، حالانکہ اس جرح کے قائلین نے ابن جاریہ پر دیگر سخت الفاظ میں بھی جرح کی ہے (جیسا کہ آگے کتاب میں تفصیل سے آرہا ہے) اور ان سے اس کے متعلق ادنیٰ سی توثیق بھی ثابت نہیں، اور یہاں امام احمدؒ مکرر الفاظ میں یزید بن خصیفہؒ کی توثیق کر رہے ہیں، (جو ایک زبردست قرینہ ہے کہ امام موصوف کا یہ قول (منکر الحدیث) غرابت کے معنیٰ پر محمول ہے) اور محدثین، بلکہ خود اکابر علمائے غیر مقلدین (جیسا کہ ان کے اقوال پیچھے ذکر ہو چکے ہیں) بھی امام احمدؒ کے بارے میں یہ اصول بیان کر رہے ہیں کہ: امام احمدؒ منفرد احادیث روایت کرنے والے پر اس لفظ کا اطلاق کرتے ہیں، اور اس سے اس راوی کا غیر ثقہ ہونا لازم نہیں آتا لیکن پھر بھی یہ غیر مقلدین بضد ہیں کہ اس سے ابن خصیفہؒ کا ضعیف ہونا ہی مراد ہے۔
ع بریں عقل و دانش بباید گریست

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ابو حاتمؒ (م ۲۷۷ھ)، اور امام نسائیؒ (م ۳۰۳ھ) وغیرہ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ امام ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ) نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔ امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن معینؒ (م ۲۳۳ھ) ان کو ثقہ اور حجت قرار دیتے ہیں۔ امام ابن سعدؒ (م ۲۳۰ھ) فرماتے ہیں کہ یہ عابد، ناسک، کثیر الحدیث اور پختہ کار محدث تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں: وَكَانَ ثِقَةً مَأْمُوْنًا[۱]۔ "کہ یہ ثقہ اور قابل اعتماد تھے"۔

نیز حافظ ابن حجرؒ نے نامور محدث حافظ صلاح الدین علائیؒ (م ۷۶۱ھ) سے ان کے تعارف میں نقل کیا ہے:

"هُوَ يَزِيْدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ خُصَيْفَةَ الثِّقَةُ الْمَشْهُوْرُ الرَّاوِيُّ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ"۔[۲]

"یزید بن عبد اللہ بن خصیفہؒ مشہور ثقہ ہیں جو حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

علامہ ابن عبد البرؒ (م ۴۶۳ھ) ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

"وَهُوَ يَزِيْدُ بْنُ خُصَيْفَةَ بْنِ يَزِيْدَ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْكِنْدِيُّ بْنُ أَخِي السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ الْكِنْدِيِّ، وَكَانَ ثِقَةً مَأْمُوْنًا مُحَدِّثًا مُحْسِنًا "[۳]

"یعنی آں موصوف حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کے بھتیجے اور ثقہ، قابل اعتماد، محدث اور نیک آدمی تھے۔"

امام ابن القطانؒ فاسیؒ (م ۶۲۸ھ) نے اپنی کتاب میں لکھا ہے:

---

[۱] "تھذیب الکمال" (۲۰: ۳۳۵، ۳۳۶) "تھذیب التھذیب" (۶: ۲۱۴)

[۲] الاصابۃ (۷: ۵۲)

[۳] التمہید شرح الموطأ (۶: ۴۳۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

"يَزِيْدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ خُصَيْفَةَ، وَهُوَ ثِقَةٌ بِلَا خِلَافٍ" ۔[1]

"یزید بن عبد اللہ بن خُصیفہؒ کے ثقہ ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں"

نیز ان کا متابع ابن ابی ذئبؒ موجود ہے، جیسا کہ روایت نمبر ۷ میں گزرا ہے۔

(۸) حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ (م ۹۱ھ): صحابی رسول ﷺ ہیں، اور ان کے والد حضرت یزید رضی اللہ عنہ بھی اصحاب رسول ﷺ میں سے ہیں۔ حضرت سائب رضی اللہ عنہ اپنے والد کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک تھے، اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں انہیں ایک بازار کا نگران مقرر کیا تھا۔[2]

مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹیؒ (م ۱۳۷۵ھ) ان کے بارے میں لکھتے ہیں: انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ یقیناً پایا ہے۔ کیونکہ وہ صحابیؓ ہیں، اور مدینہ میں سب صحابہؓ کے بعد فوت ہوئے۔[3]

لھذا یہ روایت بالکل صحیح اور متصل السند ہے، اور اس روایت کا ہر ہر راوی نہایت ثقہ اور عادل ہے۔ اور ان سب کی ثقاہت وعدالت عند المحدثین متفق علیہ ہے۔ نیز امام بیہقیؒ سے لے کر حضرت سائب رضی اللہ عنہ تک ہر راوی کا متابع موجود ہے، جیسا کہ آپ نے بحوالہ ملاحظہ کیا ہے۔

اعتراض نمبر ا:

حافظ زبیر علی زئی پیر دادی اس روایت پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس روایت کا ایک راوی علی بن الجعد تشیع کے ساتھ مجروح ہے، سیدنا معاویہؓ وغیرہ صحابہؓ کی تنقیص کرتا تھا، ایسے مختلف فیہ راوی کی روایت "موطا امام مالک" کی صحیح روایت کے خلاف کیوں کر پیش کی جا سکتی ہے۔[4]

---

[1] نصب الرایۃ (۳:۱۷۳) طبع مؤسسۃ الریان بیروت

[2] تقریب التھذیب (۱:۳۲۸)

[3] انارۃ المصابیح (ص ۴۲)

[4] تعداد رکعات قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ (ص ۲۸)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

جواب:

یہ اعتراض کئی وجوہ سے باطل ہے۔

اولاً، زبیر علی زئی کا علی بن الجعدؒ (م ۲۳۰ھ) کو مختلف فیہ راوی قرار دے کر ان کی روایت کو رد کرنا بالکل غلط ہے، اس لیے کہ علی بن الجعد مختلف فیہ راوی نہیں، بلکہ وہ روایتِ حدیث میں بالاتفاق ثقہ ہیں، جیسا کہ امام ابویعلیٰ خلیلیؒ (م ۴۴۳ھ) کے حوالے سے گزرا ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ (م ۲۴۱ھ) سے اگرچہ ان پر نقد کرنا منقول ہے، لیکن انہوں نے بھی ان کی ثقاہت و عدالت پر کوئی اعتراض نہیں کیا، بلکہ ان کا نقد صرف ان کے تشیع اور مسئلہ خلق قرآن میں کوئی واضح مؤقف اختیار نہ کرنے کی وجہ سے ہے۔[۱]

رہا ان پر تنقیص صحابہؓ کا الزام تو وہ ان سے ثابت نہیں، بلکہ یہ ان پر محض الزام ہے۔ امام یحییٰ بن معینؒ (م ۲۳۳ھ) کا قول پہلے ذکر ہو چکا ہے، جس میں انہوں نے علی بن الجعدؒ پر اس طرح کے تمام الزامات کو جھوٹ کا پلندہ قرار دیا ہے، نیز حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) نے بھی ان پر تشیع کے الزام کو صیغہ تمریض سے ذکر کر کے اس الزام کی حقیقت کو واضح کر دیا ہے۔ جیسا کہ پہلے بحوالہ گزرا ہے۔

ثانیاً: علی بن الجعدؒ بخاری شریف کے راوی ہیں۔ امام ابن عدیؒ (م ۳۶۵ھ) نے ان کے ترجمہ میں لکھا ہے:

”مَا اَرَی بِحَدِیْثِهٖ بَأْسًا، وَلَمْ اَرَی فِیْ رِوَایَاتِهٖ اِذَا حَدَّثَ عَنْ ثِقَةٍ حَدِیْثًا مُنْكَرًا فِیَمَاذَكَرَهٗ، وَالْبُخَارِیُّ مَعَ شِدَّةِ اِسْتِقْصَائِهٖ یَرْوِیْ عَنْهُ فِیْ صِحَاحِهٖ۔“[۲]

”میں نے ان کی حدیث میں کوئی خرابی نہیں پائی، اور نہ ہی میں نے ان کی

---

[۱] ھدی الساری (ص ۶۰۱)

[۲] الکامل (۵:۱۸۵۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

روایات جن میں وہ ثقہ راویوں سے روایت کریں، میں کوئی منکر (ضعیف) روایت دیکھی ہے۔ امام بخاریؒ نے باوجود انتہائی محتاط ہونے کے ان سے اپنی صحیح میں احادیث روایت کی ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

"وَفِيْ هَامِشِ الزُّهْرَةِ بِخَطِّ ابْنِ الطَّاهِرِ رَوَى عَنْهُ الْبُخَارِيُّ ثَلَاثَةَ عَشَرَ حَدِيْثًا"۔[۱]

"کتاب الزھرۃ کے حاشیہ میں علامہ ابن الطاہرؒ کے قلم سے تحریر ہے کہ امام بخاریؒ نے علی بن الجعدؒ سے (صحیح بخاری) میں تیرہ حدیثیں روایت کی ہیں۔[۲]

نیز حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ)، حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) اور حافظ سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) نے بھی علی بن الجعدؒ کو بخاری شریف کے راویوں میں شمار کیا ہے۔[۳]

امام حاکم نیشاپوریؒ (م ۴۰۵ھ) بھی ان کے بارے میں تصریح کرتے ہیں کہ "یہ صحیح البخاری" کے راوی ہیں۔[۴]

اب معترض موصوف کو چاہیے کہ وہ مذکورہ روایت پر اعتراض کرنے سے پہلے یہی اعتراض امام بخاریؒ پر کریں کہ انہوں نے ایسے راوی کی روایات اپنی صحیح میں کیوں داخل کی ہیں۔ دیدہ باید، لیکن

ع مشکل بہت پڑے گی برابر کی چوٹ ہے

---

[۱] تھذیب التھذیب (۱۸۵:۴)

[۲] دیکھئے صحیح البخاری، رقم الحدیث (۵۳، ۱۰۶، ۱۱۷۹، ۱۴۲۴، ۲۹۳۸، ۳۵۶۳، ۳۷۰۷، ۵۳۴۸، ۵۸۳۴، ۶۱۱۹، ۶۲۴۷، ۶۵۱۵، ۷۲۶۶)

[۳] الکاشف (۲۷۴:۲)، تقریب التھذیب (۶۸۹:۱ھ)، تدریب الراوی (۲۷۹:۱)

[۴] تسمیۃ من اخرجھم البخاری ومسلم (ص ۱۸۵) طبع دار الجنان بیروت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ثالثاً: علی بن الجعد ؒ نہایت ثقہ و عادل راوی ہیں، اور تمام کبار محدثین نے ان کی توثیق کی ہے۔ نیز امام بخاری ؒ (م ۲۵۶ھ) کا اپنی "صحیح" میں ان سے احادیث روایت کرنا بھی باقرار غیر مقلدین ان کی عدالت وثقاہت پر مستقل ایک دلیل ہے۔

چنانچہ مولانا نذیر احمد رحمانی ؒ (م ۱۳۸۴ھ) لکھتے ہیں:

جمہور ائمہ مسلمین نے ان دونوں کتابوں (بخاری و مسلم) کا صحیح ہونا تسلیم کیا، جس کے معنیٰ یہ ہیں کہ ان کے راویوں کی عدالت پر جمہور امت کا اتفاق ہے۔[۱]

خود معترض زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

اصحابِ صحیح کا کسی راوی سے صحیح میں اخراج اس راوی کی ان کے نزدیک توثیق ہوتی ہے۔[۲]

زبیر علی زئی کے شیخ بدیع الدین راشدی (م ۱۴۱۶ھ) ایک راوی کے متعلق لکھتے ہیں:

جس کی تعدیل وتوثیق کے لیے یہی کافی ہے کہ اس سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت بیان کیا ہے۔[۳]

علی زئی کے دوسرے شیخ مولانا محب اللہ راشدی (م ۱۴۱۵ھ) ایک راوی کے دفاع میں لکھتے ہیں:

امام محدثین بخاری ؒ نے (اس سے) احتجاج کیا ہے، لہٰذا یہ راوی جَاوَزَ الْقَنْطَرَةَ (پل پار کر چکا ہے، یعنی اس پر اب کسی کی جرح مؤثر نہیں) کے مصداق ہے۔[۴]

---

[۱] "انوار المصابیح" (ص ۲۱۹)

[۲] تعداد رکعات قیام رمضان کا جائزہ (ص ۷۱)

[۳] مقالات راشدیہ (۳: ۴۲)

[۴] فتاوی راشدیہ (ص ۳۰۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

پس جب علی بن الجعدؒ ثقہ راوی ہیں، اور ان کی توثیق علمائے غیر مقلدین اور خود معترض کے نزدیک بھی ثابت ہے تو پھر ان کا (بشرطِ ثبوت) شیعی ہونا صحتِ حدیث کے منافی نہیں۔ کیونکہ خود معترض زبیر علی زئی نے نہ صرف یہ کہ شیعہ بلکہ رافضی کی روایت کو بھی معتبر قرار دیا ہے: چنانچہ موصوف لکھتے ہیں:

جس راوی کا ثقہ وصدوق ہونا ثابت ہو جائے اس کا قدری، خارجی، رافضی، شیعی، معتزلی، جہمی، مرجئی وغیرہ ہونا صحتِ حدیث کے خلاف نہیں ہے۔ [۱]

نیز موصوف لکھتے ہیں: روایتِ حدیث میں اصل بات راوی کی عدالت اور ضبط ہے، اس کا بدعتی مثلاً مرجئی، شیعہ، قدری وغیرہ ہونا چنداں مضر نہیں ہے، اور جس راوی کی عدالت ثابت ہو جائے اس کی روایت مقبول ہے، اگرچہ اس کی بدعت کو اس سے بظاہر تقویت ہی پہنچتی ہو۔ [۲]

اسی طرح موصوف نے ایک راوی جس کے بارے میں امام ابوداودؒ (م ۲۷۵ھ) سے منقول ہے کہ وہ کہتا تھا کہ علیؓ نے ابوبکرؓ اور عمرؓ کے قتل پر اعانت کی ہے، کے دفاع میں لکھا ہے:

اس کا تعلق روایتِ حدیث کے ساتھ نہیں، بلکہ اجتہادی امور کے ساتھ ہے۔ [۳]

لہٰذا علی بن الجعدؒ کے متعلق اس اعتراض کا باطل ہونا خود معترض کے نزدیک بھی ثابت ہوگیا۔ ؎

الجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

---

[۱] نور العینین (ص ۲۵) طبع سوم (ص ۶۳) طبع چہارم

[۲] ماہنامہ الحدیث (۲:۹)

[۳] القول المتین (ص ۲۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

رابعاً: حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) نے علی بن الجعدؒ کے بارے میں ''رُمِيَ بِالتَّشَيُّع'' لکھا ہے۔[۱]

یعنی اس پر شیعہ ہونے کا الزام لگایا گیا ہے، جب کہ اس کے بالمقابل یعقوب قُمی (جو گیارہ رکعات کے راوی ہیں) کو حافظ ابن کثیرؒ (م ۷۷۴ھ) نے بالجزم شیعہ قرار دیا ہے۔[۲]

اب جس راوی پر صرف تشیع کا الزام ہے، اس کی روایت تو غیر مقلدین بالخصوص معترض زبیر علی زئی کے نزدیک ضعیف ہے، لیکن جو بالیقین شیعہ راوی ہے اس کی روایت ان کے ہاں قابل قبول ہے۔

ع ناطقہ سر بہ گریباں کہ اسے کیا کہیے

خامساً: علی بن الجعدؒ اگر بالفرض شیعہ ہیں بھی تو وہ متقدمین شیعوں میں سے ہیں، اور علمائے متقدمین کی اصطلاح میں شیعہ اس کو کہتے ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتا ہے، اور اس کو تفضیلی شیعہ بھی کہا جاتا ہے۔ ان متقدمین شیعوں میں موجودہ شیعوں کی طرح کفریہ عقائد (تکفیر صحابہؓ، انکار قرآن اور عقیدہ رجعت وغیرہ) نہیں پائے جاتے تھے۔ بلکہ جو شخص ان کفریہ عقائد کا معتقد ہوتا تھا اس کو علمائے قدیم غالی رافضی سے پکارتے تھے۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

'' وَالتَّشَيُّعُ مَحَبَّةُ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ وَتَقْدِيمُهُ عَلَى الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ فَمَنْ قَدَّمَهُ عَلَى اَبِيْ بَكْرٍ رضی اللہ عنہ وَعُمَرَ رضی اللہ عنہ فَهُوَ غَالٍ فِيْ تَشَيُّعِهٖ، وَيُطْلَقُ عَلَيْهِ رَافِضِيٌّ ، وَاِلَّا فَشِيْعِيٌّ ،فَاِنِ انْضَافَ اِلٰى ذٰلِكَ

[۱] تقریب التھذیب (۱:۶۸۹)

[۲] دیکھئے ''البدایۃ والنھایۃ'' (۵:۲۶۸، ۶:۱۰۶) طبع دار الفکر بیروت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

السَّبَّ اَوِ التَّصْرِيْحَ بِالْبُغْضِ فَغَالٍ فِي الرِّفْضِ، وَاِنِ اعْتَقَدَ الرَّجْعَةَ اِلَى الدُّنْيَا فَاَشَدُّ فِي الْغُلُوِّ۔"[۱]

"اصطلاحِ قدیم میں شیعت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی محبت اور ان کو دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل سمجھنے کا نام ہے۔پس جو شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر مقدم سمجھتا ہے تو وہ غالی شیعہ ہے، اور اسی کو رافضی کہا جاتا ہے، ورنہ اس کو شیعی کہتے ہیں۔ پھر اگر اس کے ساتھ وہ سب وشتم یا بغض ونفرت کا اظہار بھی کرے تو وہ رافضیت میں غلو کرنے والا ہے، اور اگر وہ (حضرت علیؓ) کے دوبارہ دنیا میں آنے کا عقیدہ رکھتا ہو تو وہ غلو میں بھی آگے ہے۔"

مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں: متقدمین کے عرف میں شیعہ اس کو کہتے ہیں جو صرف حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ پر فضیلت دے۔[۲]

مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ (م ۱۳۸۷) لکھتے ہیں: رفض اور تشیع میں جو فرق ہے، وہ اہل علم سے مخفی نہیں۔[۳]

اب چونکہ موجودہ شیعوں میں رافضیوں کی طرح کفریہ عقائد پائے جاتے ہیں، اس لیے اس زمانے میں شیعہ اور رافضی کا مصداق ایک ہی ہے، لیکن اصطلاح قدیم میں ان دونوں میں فرق تھا۔

مولانا محمد گوندلویؒ (م ۱۴۰۵ھ) لکھتے ہیں:

کبھی کبھی متقدمین کی کتابوں میں "شیعہ" کا اطلاق اُن لوگوں پر ہوتا ہے جو افتراقِ امت

---

[۱] "ھدی الساری" (ص ۴۶۰)

[۲] رسالہ مولانا سرفراز صفدر صاحب اپنی تصانیف کے آئینے میں (ص ۶۶)

[۳] مقالات حدیث (ص ۴۴۵)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیگر خلفاء سے افضل نہیں سمجھتے تھے، اور کبھی ان لوگوں کو بھی شیعہ کہتے ہیں، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیگر صحابہؓ سے افضل سمجھتے ہیں، مگر وہ صحابہ کی فضیلت کے قائل ہیں، اور ان کی خلافت کو حق سمجھتے ہیں، مگر آج کل جو شیعہ کا لفظ بولا جاتا ہے، اس سے مراد وہی لوگ لیے جاتے ہیں جو خلفائے ثلاثہ سے منحرف ہیں، اور ان کے ایمان میں بحث کرتے ہیں، یہ لوگ یعنی منکر الحدیث بے سمجھی، کم علمی اور بے وقوفی کی بنا پر شیعہ کے لفظ کا ایک ہی مفہوم سمجھتے ہیں۔ [۱]

الغرض جو راوی صرف تشیع کے ساتھ مجروح ہو، اور اس میں رافضیوں والے کفریہ عقائد نہ پائے جاتے ہوں تو ایسے راوی کی روایت (بشرطیکہ وہ اہل سنت کے مسلک کے خلاف نہ ہو) قابل قبول ہوتی ہے۔ کیونکہ ایسے تفضیلی راویوں کی روایتیں تو صحیحین میں بھی موجود ہیں۔ چنانچہ صرف امام سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) نے تقریباً پچیس راوی ایسے شمار کئے ہیں جو تشیع کے ساتھ مجروح ہیں۔ [۲]

مولانا ارشاد الحق اثری بحوالہ امام ابن الاخرم (م ۳۴۴ھ) لکھتے ہیں:

امام مسلم کی کتاب (صحیح) شیعہ کی روایات سے بھری ہوئی ہے۔ [۳]

البتہ باقرار غیر مقلدین صحیحین میں غالی اور تبرائی شیعوں کی روایات لینے سے اجتناب کیا گیا ہے۔ چنانچہ غیر مقلدین کے شیخ الحدیث اور ہفت روزہ الاعتصام کے مفتی ثناء اللہ مدنی صاحب (م ۱۴۴۲ھ) لکھتے ہیں:

صحیح بخاری میں کسی غالی مذہبی (شیعہ وغیرہ۔ ناقل) کی روایت نہیں لی گئی۔ [۴]

---

[۱] دوامِ حدیث (ص ۴۱۷)

[۲] دیکھئے تدریب الراوی (۱: ۲۷۹)

[۳] تنقیح الکلام (ص ۷۷) بحوالہ تاریخ الاسلام (ص ۲۴۰)

[۴] ہفت روزہ الاعتصام (ص ۱۳) ۲۸۔ ۴ مئی ۱۹۹۹ء

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اور چونکہ علی بن الجعدؒ بھی بخاری شریف کے راوی ہیں، لہٰذا ان پر یہ الزام لگانا کہ وہ حضرت امیر معاویہ وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تنقیص کرتے تھے بالکل غلط ہے، جو لوگ اپنے آپ کو اہل حدیث کہلواتے ہیں ان کو بخاری شریف کے راویوں پر ایسے اعتراضات کرتے ہوئے شرم آنی چاہیے۔

ع آہ! شرم تم کو مگر نہیں آتی

اور پھر زبیر علی زئی کے دوغلہ پن کی انتہا ہے کہ وہ ایک طرف تو علی بن الجعدؒ کو گستاخِ صحابہؓ قرار دے کر ان کی رؤایات کو ناقابل اعتماد قرار دیتے ہیں، لیکن دوسری طرف جب یہی علی بن الجعدؒ ان کے حق میں کوئی روایت بیان کرتے ہیں تو پھر علی زئی کے نزدیک یہ ثقہ بن جاتے ہیں، اور ان کی روایت بھی قابل اعتماد قرار پاتی ہے۔ مثلاً علی زئی، امام اعظم ابوحنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) کے خلاف علی بن الجعدؒ سے ایک روایت (جس کی سند بھی ان تک ضعیف ہے) نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اس کی سند صحیح ہے۔ [۱]

اسی طرح علی زئی نے اپنے مسلک کے حق میں علی بن الجعدؒ سے مروی کئی اور روایات کو بھی صحیح اور قوی قرار دیا ہے۔ [۲]

یہ ہے علی زئی کا انصاف! ؎

تیری زلف میں ٹھری تو حسن کہلائی
وہ تیرگی جو میرے نامہ سیاہ میں تھی

اور پھر علی بن جعدؒ اس اثر کو روایت کرنے میں منفرد بھی نہیں ہیں، بلکہ اس میں یزید بن ہارونؒ (م ۲۰۶ھ) جیسے بلند پایہ حافظ الحدیث اور ثقہ امام ان کے متابع ہیں، اور وہ بھی ان ہی کی طرح اس اثر کو ابن ابی ذئبؒ (م ۱۵۸ھ) سے روایت کرتے ہیں، جیسا کہ ماقبل

---

[۱] دیکھئے ماہنامہ الحدیث (ش ۱۷، ص ۲۱)

[۲] مثلاً دیکھئے ماہنامہ الحدیث (ش ۱۸، ص ۱۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

روایت میں آپ نے ملاحظہ کیا ہے۔

باقی رہا یہ سوال کہ ایسے راوی کی روایت موطا کی روایت کے خلاف کیوں کر پیش کی جاسکتی ہے؟ تو اس کا جواب بزرگ غیر مقلد عالم مولانا میاں غلام رسول صاحبؒ (تلمیذ مولانا نذیر حسین دہلویؒ) کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں۔ میاں صاحبؒ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

جب امام ابن عبد البرؒ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور شیخ عبد الحقؒ اور صاحب کبیری نے بیہقیؒ کی سند کو صحیح قرار دیا ہے، اور اسی حدیث کو جمہور اپنی دلیل گردانتے ہیں، اور "اسناد صحیح" کے لفظ سے اس کی صحت کو صراحت سے بیان کرتے ہیں، تو یہ حدیث صحت اور قوت میں موطا کی حدیث سے زیادہ بڑھی ہوئی ہے، کیونکہ اس میں زیادت ہے[۱] (جو اصولِ حدیث کے لحاظ سے واجب القبول ہے[۲])

---

[۱] ینابیع ترجمہ رسالہ تراویح (ص ۴۲)

[۲] اس اصول کو متعدد علمائے غیر مقلدین نے بیان کیا ہے۔ مثلاً علامہ شوکانیؒ (م ۱۲۵۰ھ) رقم فرماتے ہیں:

" وَاَحَادِيْثُ اِفْرَادِ الْاِقَامَةِ وَاِنْ كَانَتْ اَصَحَّ مِنْهَا لِكَثْرَةِ طُرُقِهَا وَكَوْنِهَا فِي الصَّحِيْحَيْنِ، لٰكِنَّ اَحَادِيْثَ التَّثْنِيَةِ مُشْتَمِلَةٌ عَلَى الزِّيَادَةِ، فَالْمَصِيْرُ اِلَيْهَا لَازِمٌ۔ نیل الاوطار (۱:۲۶۲)

طاق اقامت والی احادیث اگرچہ بکثرت طُرق اور صحیحین (بخاری ومسلم) میں ہونے کی وجہ سے زیادہ صحیح ہیں، لیکن جفت اقامت والی احادیث زیادت (طاق اقامت والی احادیث کی بہ نسبت زیادہ کلمات) پر مشتمل ہیں، لہٰذا ان کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔

نواب صدیق حسن خانؒ (م ۱۳۰۷) بیہقی وغیرہ کی روایت، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تبوک میں بیس دن قیام کرنے کا ذکر ہے، کو بخاری والی روایت (جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کی مدت انیس دن مذکور ہے) پر ترجیح دیتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ مخفی نہیں ہے کہ یہ (بخاری والی) روایت اپنے علاوہ دوسری روایات سے زیادہ صحیح ہونے کے باوجود بیس دنوں کی روایت میں معتبر صحت کے وجود کے منافی نہیں ہے، یقیناً انہوں (محدثین) نے اس کو صحیح کہا ہے، جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔ چنانچہ یہ روایت زیادتی پر مشتمل ہے، لہٰذا یہ معتبر ہوگی... تبوک میں اقامت کے بارے میں ایسی زیادتی بیان ہوئی ہے جو اس کے علاوہ کے منافی نہیں ہے، لہٰذا اس کی طرف رجوع کرنا قطعی اور اسے اخذ کرنا لازم ٹھہرا۔ فتاوی نواب صدیق (۴:۱۰۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اس سے بہتر اور تسلی بخش جواب غیر مقلدین کے لیے اور کیا ہو سکتا ہے؟ اور اگر اس سے بھی زیادہ تفصیلی جواب چاہیے تو پھر حصہ دوم کا انتظار کریں۔ وہاں ہم موطأ کی روایت کے جواب میں اس پر تفصیل سے بحث کرینگے۔ اِن شَاءَ اللّٰہ تَعَالٰی۔

اعتراض ثانی:

بعض غیر مقلدین نے لکھا ہے کہ: حفظ وضبط میں یزید بن خُصیفہ (بیس رکعات کے راوی)، محمد بن یوسف (گیارہ رکعات کے راوی) سے بہت کم تر ہیں۔ اور اس پر یہ تین دلیلیں پیش کی ہیں۔

(١) امام احمد بن حنبلؒ (م ۲۴۱ھ) نے ان کو منکر الحدیث کہا ہے۔

(۲) امام ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ) نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ یہ جب اپنے حافظہ سے بیان کرتے ہیں تو بہت زیادہ وہم کا شکار ہو جاتے ہیں۔

یہاں امام ابن حبانؒ کی جرح کو تشدد کا حوالہ دے کر رد کرنے کی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ ابن حبانؒ اس کی ثقاہت کے منکر نہیں، بلکہ انہوں نے اسے اپنی کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے، اور یہاں وہ اس کے حافظہ پر مفسر جرح کر رہے ہیں، لہٰذا یہ خاص اور مفسر جرح قابل قبول ہے۔

(۳) امام ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) نے امام احمدؒ کے قول (منکر الحدیث) پر تعاقب نہیں کیا ہے۔[١]

جواب: امام احمدؒ سے منسوب قول: منکر الحدیث" کی وضاحت تو پہلے ہو چکی ہے، رہا یہ کہنا کہ امام ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں امام احمدؒ کے قول پر تعاقب نہیں کیا، تو یہ سراسر جھوٹ ہے، امام ذہبیؒ نے تو میزان میں یزیدؒ کا ترجمہ شروع کرتے ہی لکھا

---

[١] انوار التوضیح (ص ۱۸۹۔۱۹۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ہے کہ: وَثَّقَهٗ اَحْمَدُ کہ امام احمدؒ نے ان کی توثیق کی ہے۔ [۱]

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک امام احمدؒ کا قول "منکر الحدیث" مرجوح، یا اس سے یزیدؒ کا ضعیف ہونا مراد نہیں ہے۔

اور یہاں تک امام ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ) کا تعلق ہے تو انہوں نے یزیدؒ کو کتاب الثقات (۷:۶۱۶) میں ذکر کرنے کے علاوہ اپنی کتاب "المشاہیر" میں بھی مدینہ منورہ کے "ثقات ماٴمونین" میں ذکر کیا ہے، اور ان کو "جِلۃ اھل المدینۃ" میں سے قرار دیا ہے۔ [۲]

اس سب کے باوجود ان کا یزیدؒ بن خصیفہؒ کو کثیر الوہم قرار دینا یزیدؒ کے لیے کوئی مضر نہیں، کیونکہ خود علمائے غیر مقلدین نے تصریح کی ہے کہ ابن حبانؒ اپنے تعنت کی وجہ سے بسا اوقات ان راویوں پر بھی جرح کر دیتے ہیں جن کو وہ خود ثقات میں ذکر کرتے ہیں۔ چنانچہ مولانا ارشاد الحق اثری ایسے ہی ایک راوی پر ابن حبانؒ کی جرح کے جواب میں لکھتے ہیں:

امام ابن حبانؒ جرح میں متشدد ہیں۔ [۳]

مولانا گوندلویؒ (م ۱۴۰۵ھ)، ایسے ایک راوی پر ابن حبانؒ کی جرح کے جواب میں لکھتے ہیں: اور وہ متشدد ہیں۔ [۴]

حافظ زبیر علی زئی، ابن حبانؒ کے ایک راوی (سماک بن حربؒ) کو "الثقات" میں ذکر کرنے کے باوجود "یخطئ کثیرا" کہنے پر، ان کے رد میں لکھتے ہیں:

---

[۱] میزان الاعتدال (۴:۴۳۰) نیز دیکھئے تھذیب تھذیب الکمال (۱۰:۸۴) طبع الفاروق الحدیثیۃ قاھرۃ۔

[۲] مشاہیر علماء الامصار (ص ۲۰۵، ۲۱۶) طبع مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ بیروت

[۳] توضیح الکلام (۱:۴۷۴)

[۴] خیر الکلام (ص ۱۷۳)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اگر "یخطئ کثیرا" ہے تو ثقہ نہیں ہے، لہٰذا اسے کتاب الثقات میں ذکر کیوں کیا؟ اور اگر ثقہ ہے تو "یخطئ کثیرا" نہیں ہے۔ مشہور محدث شیخ ناصر الدین الالبانیؒ، ایک راوی پر حافظ ابن حبان کی جرح "کَانَ یُخْطِئُ کَثِیْرًا" نقل کر کے لکھتے ہیں:

"وَهٰذَا مِنْ اَفْرَادِهٖ وَتَنَاقُضِهٖ، اِذْ لَوْ کَانَ یُخْطِئُ کَثِیْرًا لَمْ یَکُنْ ثِقَةً (الضعیفة ۲: ۳۳۳ ح ۹۳۰)[۱] کہ یہ ابن حبانؒ کے تفردات اور تناقضات میں سے ہے، کیونکہ اگر وہ کثیر الخطا ہے تو پھر ثقہ نہیں ہے۔

علاوہ ازیں ابن حبانؒ نے یزیدؒ سے اپنی صحیح میں متعدد احادیث روایت کی ہیں۔[۲]

زبیر علی زئی سماک بن حرب کے متعلق لکھتے ہیں:

حافظ ابن حبان نے خود اپنی صحیح میں سماک بن حربؒ سے بہت سی روایتیں لی ہیں... لہٰذا ابن حبان کے نزدیک اس جرح (یُخْطِئُ کَثِیْرًا) کا تعلق حدیث سے نہیں ہے، اسی لیے تو وہ سماک کی روایات کو صحیح قرار دیتے ہیں۔[۳]

اسی طرح زبیر علی زئی ایک اور راوی (مختار بن فلفل) پر امام ابن حبانؒ کی یہی جرح (یُخْطِئُ کثیرا) کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: حافظ ابن حبان نے مختار عن انس والی روایات کو اپنی کتاب "صحیح ابن حبان" میں درج کر کے زبانِ عمل سے مختار کو ثقہ اور صحیح الحدیث قرار دیا ہے.... معلوم ہوا کہ ابن حبان کی جرح (یُخطِئ

---

[۱] الحدیث (۲۲: ۱۸)

[۲] دیکھئے الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان (۳: ۶۲ ح ۷۶۴، ۱۶۴ ح ۹۶۴، ۵: ۱۲۵ ح ۱۹۶۱، ۴۸۵۹) طبع دار الفکر بیروت

[۳] الحدیث (۲۲: ۱۹)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کثیرا) منسوخ یا ساقط ہے۔[۱]

نیز لکھتے ہیں:

> حافظ ابن حبان کا "یُخطِئُ کثیرا" کہنا خود ان کی توثیق اور تصحیح سے معارض ہونے کی وجہ سے ساقط یا منسوخ ہے۔[۲]

بنابریں ابن حبانؒ کی یزید بن خصیفہؒ پر بھی جرح (کَانَ یَھِمُ کثیرًا جو "یُخطئ کثیراً کی طرح ہے) ان کی توثیق اور تصحیح سے معارض ہو کر ساقط یا منسوخ ہے۔

اور پھر سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ خود معترض (سنابلی صاحب) سماک بن حربؒ پر ابن حبانؒ کی کتاب الثقات میں جرح یخطئ کثیراً کے جواب میں لکھتے ہیں:

> امام ابن حبانؒ نے سماک کو اپنی کتاب الثقات میں ذکر کر کے ان پر جرح کی ہے، اور بظاہر یہ متعارض بات لگتی ہے کہ اگر یہ ثقہ ہیں تو ان پر یہ جرح کیوں کی گئی؟ اور اگر مجروح ہیں تو انہیں ثقات میں کیوں ذکر کیا گیا؟... لیکن چونکہ ابن حبانؒ جرح میں متشدد ہیں، اس لیے ثابت شدہ صریح توثیق کے مقابلہ میں ان کی جرح کا کوئی اعتبار نہیں ہے، بلکہ خود ابن حبان نے بھی اپنی اس جرح کا اعتبار نہیں کیا ہے، اور سماک بن حرب کو ثقہ مان کر اس کی کئی احادیث کو اپنی کتاب صحیح ابن حبان میں درج کیا ہے۔[۳]

ع جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے

---

[۱] ایضاً (۲/۷۲:۴۴)

[۲] ایضاً

[۳] ازالۃ الکرب عن توثیق سماک بن حرب (ص ۹)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اور یہ بھی واضح ہو کہ امام ابن حبانؒ نے محمد بن یوسفؒ کو نہ تو اپنی کتاب المشاھیر میں ذکر کیا ہے، اور نہ ہی ان سے اپنی صحیح میں (ہماری معلومات کی حد تک) کوئی روایت لی ہے، لہٰذا امام ابن حبانؒ کے تناظر سے بھی اگر دیکھا جائے تو یزیدؒ بن خصیفہؒ کا محمد بن یوسفؒ کے مقابلے میں پلڑا بھاری ہے۔

اعتراض ثالث:

بعض غیر مقلدین نے لکھا ہے کہ گیارہ رکعت والی روایت بیس رکعت والی روایت پر راجح ہے، کیونکہ گیارہ رکعت والی روایت کے راوی محمد بن یوسفؒ کے حق میں حافظ ابن حجرؒ نے "تقریب" میں ثقہ، ثبت دو لفظ استعمال کیے ہیں، جب کہ بیس رکعت کے راوی یزید بن خُصیفہؒ کے حق میں حافظ صاحبؒ نے صرف ایک لفظ "ثقہ" استعمال کیا ہے۔ لہٰذا محمد بن یوسفؒ کی روایت یزید بن خصیفہؒ کی اس بیس رکعت والی روایت پر راجح ہے۔ [۱]

جواب:

ان دونوں روایتوں میں سے کون سی روایت راجح ہے؟ اس کی تفصیلی بحث تو حصہ دوم میں آئے گی۔ یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ اگر غیر مقلدین کے اس بیان کردہ قاعدہ ترجیح کو سامنے رکھا جائے تو پھر بھی یزیدؒ کی روایت محمد بن یوسفؒ کی روایت پر راجح ہے، کیونکہ یزیدؒ کے ترجمہ میں ابھی بحوالہ "تھذیب التھذیب" گزرا ہے کہ امام یحییٰ بن معینؒ (م ۲۳۳ھ) جو جرح و تعدیل کے امام ہیں، نے یزیدؒ کے حق میں ثقہ اور حجۃ

---

[۱] تعداد تراویح (ص ۱۶) از: حافظ عبدالمنان نور پوری

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

دو الفاظ استعمال کیے ہیں،[۱] جبکہ انہوں نے محمد بن یوسفؒ کے حق میں صرف ایک

[۱] کفایت اللہ سنابلی نے امام ابن معینؒ کے اس قول پر دو اعتراض کیے ہیں:
(۱) یہ قول ''الکمال للمقدسی'' وغیرہ میں بے سند و بے حوالہ مذکور ہے۔
(۲) اس قول کے ناقل احمد بن سعد بن ابی مریمؒ یہ قول نقل کرنے میں متفرد ہیں، کیونکہ امام ابن معینؒ کے دیگر دو تلامذہ نے ان سے صرف ثقہ کا لفظ نقل کیا ہے۔ انوار التوضیح (ص ۲۰۲، ۲۰۳)
پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ حافظ مزیؒ، (م ۷۴۲ھ) یزید بن خصیفہ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں: وَقَالَ اَبُوْ عُبَيْدٍ الْآجِرِيُّ عَنْ اَبِيْ دَاوٗد. قَالَ اَحْمَدُ: مُنْكَرُ الْحَدِيْثِ۔ وَقَالَ اَحْمَدُ بْنُ سَعْدِبْنِ اَبِيْ مَرْيَمَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ مَعِيْنٍ: ثِقَةٌ حُجَّةٌ۔ تہذیب الکمال (۲۰: ۳۳۵) اب حافظ مزیؒ ابوعبید آجریؒ اور احمد بن سعد بن ابی مریمؒ کے اقوال کو ایک جگہ اور بالکل ایک جیسے الفاظ سے نقل کر رہے ہیں، لیکن سنابلی صاحب کا دوغلا پن ملاحظہ ہو کہ وہ احمدؒ موصوف کے قول کو بے سند و بے حوالہ کہہ کر رد کر رہے ہیں، جب کہ آجریؒ کے قول کو وہ پہلے محض حافظ مزیؒ کی نقل پر اعتماد کرتے ہوئے قبول کر چکے ہیں، اور اس کے دفاع میں یہ لکھ چکے ہیں:
یہ قول ہم نے امام مزیؒ کی کتاب تہذیب الکمال سے نقل کیا ہے، اور امام مزی نے اس کتاب میں یہ قول ابوعبید الآجری کی کتاب (حالانکہ مزیؒ نے کتاب کا ذکر نہیں کیا۔ ناقل) سے نقل کیا ہے، لہٰذا اس پر اعتراض کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے، اگر سوالات الآجری کا وہ حصہ مفقود ہے جس میں یہ قول تھا تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ انوار التوضیح (ص ۱۹۲)
اس کو کہتے ہیں۔

ع میٹھا میٹھا ہپ کڑوا کڑوا تھو

اسی طرح محمد بن یوسفؒ کے حق میں امام قطانؒ کا قول ''ثبت'' بھی امام بخاریؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے ان سے بے سند و بے حوالہ نقل کیا ہے۔ فَمَا هُوَ جَوَابُكُمْ فَهُوَ جَوَابُنَا۔
دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ احمد بن سعد بن ابی مریم (م ۲۵۳ھ) کو غیر مقلدین کے ذہبی العصر شیخ معلمی نے ثقہ قرار دیا ہے، اور ان کے بارے میں لکھا ہے: فَاَحْمَدُ هٰذَا قَدْ قَبِلَهُ الْاَئِمَّةُ، وَاحْتَجُّوْا بِهٖ وَلَمْ يَطْعَنْ فِيْهِ اَحَدٌ مِنْهُمْ۔ التنکیل (۱: ۱۰۹)
احمد مذکور (کے اقوال) کو ائمہ حدیث نے قبول کیا ہے، اور ان کو قابل حجت سمجھا ہے، اور ان پر کسی نے طعن نہیں کیا۔
مولانا مبارکپوری نے اسامہ بن زید لیثیؒ کی توثیق میں بڑے فخریہ انداز سے لکھا ہے کہ اس فن کے امام یحییٰ بن معینؒ نے اس کو ثقہ حجۃ قرار دیا ہے۔ ابکار المنن (ص ۷۹) حالانکہ ابن معینؒ سے حجۃ کے الفاظ کو نقل کرنے میں احمد مذکور اپنے دیگر ساتھیوں سے منفرد ہیں۔ تہذیب الکمال (۲: ۳۵۰)
(بقیہ اگلے صفحہ پر)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

لفظ ثقہ کہا ہے۔ [۱]

بزرگ غیر مقلد عالم مولانا محب اللہ راشدیؒ (م ۱۴۱۵ھ) ارقام فرماتے ہیں:

حجت یہ ثقہ، ثبت وغیرھما کے الفاظ سے بہت اونچا ہے۔ [۲]

نیز لکھتے ہیں:

حجۃ کا لفظ ثقہ صدوق وغیرھما سے کافی ارفع واعلی ہے۔ [۳]

لہٰذا امام ابن معینؒ جس طرح اپنے مقام و مرتبہ میں حافظ ابن حجرؒ سے بہت بلند ہیں، اسی طرح ان کا یزید بن خصیفہؒ کے حق میں یہ بیان بھی حافظ صاحبؒ کے محمد بن یوسفؒ کے حق میں بیان سے بہت اونچا ہے۔

نیز ما قبل امام احمد بن حنبلؒ (م ۲۴۱ھ) کا قول 'الجرح والتعدیل' (۹: ۲۷۴) کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ انہوں نے یزید بن خصیفہؒ کو دو دفعہ ثقہ کہہ کر ان کی مکرر (ڈبل)

(بقیہ صفحہ گزشتہ) مولانا ارشاد الحق اثری، عبداللہ بن عثمان کی توثیق میں لکھتے ہیں: امام ابن معین اسے ثقہ حجۃ بھی کہتے ہیں۔ توضیح الکلام (۱: ۵۳۲) حالانکہ اس راوی کے متعلق بھی یہ الفاظ ابن معینؒ سے احمدؒ بن ابی مریمؒ نے ہی نقل کیے ہیں۔ تھذیب الکمال (۱۵: ۲۸۰)

اور پھر جب احمد مذکور بتصریح شیخ معلمی: ثقہ اور حجت ہیں، اور انہوں نے ابن معینؒ سے ایک ایسا زائد کلمہ روایت کیا ہے کہ جس سے ان کے دیگر دو ساتھی ساکت ہیں، اور ایسی زیادت باصول غیر مقلدین مقبول ہے۔ چنانچہ سنابلی صاحب کے ممدوح مولانا نذیر رحمانی (م ۱۳۸۵ء) ایسی زیادت کے متعلق لکھتے ہیں:

ظاہر ہے کہ "سکوت" اور "بیان" میں کوئی مخالفت اور معارضہ نہیں ہے۔ مثلاً قرآن حکیم نمازوں کی رکعات اور ان کی تعداد کے بیان سے ساکت ہے، اور حدیثوں میں ان کا بیان ہے، تو کیا کوئی عقل مند یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ حدیثیں قرآن کے خلاف اور اس کی معارض ہیں۔ انوار المصابیح (ص ۱۲، ۱۲۲) اور پھر سنابلی صاحب نے احمد بن سعدؒ پر یہ مضحکہ خیز الزام لگایا ہے کہ "حجۃ" کے الفاظ انہوں نے اپنی طرف سے بڑھا دیے ہیں، اور اس پر انہوں نے جو دلیل پیش کی ہے وہ اس سے بھی زیادہ مضحکہ خیز ہے، وہ یہ کہ ابن معینؒ کبھی کبھی ثقہ کا لفظ بول کر محض دیانت داری مراد لیتے ہیں، اس لیے احمد بن سعدؒ اس اشتباہ کو دور کرنے کے لیے اپنی طرف سے حجۃ کا بھی اضافہ فرما دیتے ہیں۔ انوار التوضیح (ص ۲۰۳، ۲۰۴) حالانکہ خود سنابلی صاحب نے دوسری جگہ تصریح کی ہے کہ دیگر محدثین بھی کبھی کبھی دیانت داری کے لحاظ سے کسی کو ثقہ کہہ دیتے ہیں۔ ایضاً (۱۲۱) تو پھر کیا جس محدث کے کلام میں بھی ثقہ کے ساتھ حجۃ، ثبت وغیرہ کوئی الفاظ ہوں تو کہہ دیا جائے کہ اس کے شاگرد نے یہ الفاظ اپنی طرف سے بڑھا دیے ہیں؟

[۱] دیکھئے تھذیب التھذیب (۵: ۳۴۲)

[۲] فتاوی راشدیہ (ص ۳۷۲)

[۳] ایضاً (ص ۳۷۳)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

توثیق کی ہے[1]۔ جب کہ محمد بن یوسفؒ کے حق میں انہوں نے صرف ایک دفعہ ثقہ کہا

[1] سنابلی صاحب نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ مکرر توثیق (الجرح والتعدیل کے) صرف ایک مخطوطہ میں ہے، دیگر مخطوطوں میں ایسا نہیں۔ انوار التوضیح (ص ۲۰۰)
لیکن یہاں بھی سنابلی صاحب حسب عادت ڈنڈی مار رہے ہیں کہ یہ مکرر توثیق سوائے ایک مخطوطہ کے باقی سب مخطوطوں میں نہیں ہے، حالانکہ یہ سراسر غلط ہے۔ شیخ عبدالرحمٰن معلمی (م ۱۳۸۶ھ) نے "الجرح والتعدیل" کے مطبوعہ نسخے کو صرف دو مخطوطوں (کوپریلی، اور دارالکتب المصریۃ) کو سامنے رکھ کر تیار کیا ہے۔ الجرح والتعدیل (۱: کا) اور یہ مکرر توثیق (ثقہ ثقہ) دارالکتب المصریہ کے مخطوطہ میں موجود ہے، جب کوپریلی والے مخطوطہ میں صرف ایک دفعہ "ثقۃ" درج ہے، اور دوسری دفعہ "ثقۃ" کے الفاظ درج ہونے سے رہ گئے ہیں۔ شیخ معلمی جن کو غیر مقلدین ذہبی العصر قرار دیتے ہیں، اور خود سنابلی صاحب ان کے استقراء کو حافظ ابن حجرؒ کے استقراء پر فوقیت دیتے ہیں، نے اس مکرر توثیق والے مخطوطہ کو ترجیح دی ہے، اور اس کو متن کا حصہ بنایا ہے۔ دیکھئے الجرح والتعدیل (۹: ۲۷۴)
نیز اس مکرر توثیق کے صرف ایک نسخے میں ہونے سے بھی ہماری حجت تام ہے۔ کیونکہ ماقبل بحوالہ علمائے غیر مقلدین بشمول سنابلی صاحب گزرا ہے کہ کسی عبارت کا کسی ایک نسخے میں ہونا بھی استدلال کے لیے کافی ہے۔ نیز بزرگ غیر مقلد عالم مولانا عبدالمنان نورپوریؒ (م ۱۴۳۳ھ) ترکِ رفع یدین کی ایک حدیث کے متعلق امام ابوداودؒ (م ۲۷۵ھ) سے ایک قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
اہل علم کو معلوم ہے کہ "لَيْسَ هُوَ بِصَحِيحٍ" کے امام ابوداود کا فیصلہ ہونے کے لیے ان الفاظ کا سنن ابی داود کے کسی ایک نسخہ میں موجود ہونا بھی کافی ہے۔ اس مطلوب کی خاطر ان الفاظ کا سنن ابی داود کے تمام نسخوں میں مذکور ہونا کوئی ضروری نہیں۔ مکالمات نورپوری (ص ۶۷۶)
نیز لکھتے ہیں: اور کسی فیصلہ کے امام ابوداود کا فیصلہ ہونے کے لیے اس فیصلہ کا سنن ابی داود کے تمام نسخوں میں موجود ہونا کوئی ضروری نہیں، اگر وہ کسی ایک نسخہ میں بھی مل جائے تو وہ امام ابوداود کا فیصلہ قرار دیا جائے گا۔ ایضاً (ص ۶۹۸)
مولانا ارشاد الحق اثری ایک راوی کے دفاع میں لکھتے ہیں: حافظ ابن حجرؒ اسے صدوق کہتے ہیں۔ جیسا کہ تقریب کے بعض نسخوں میں ہے، بعض نسخوں میں صدوق کا لفظ گر گیا ہے۔ توضیح الکلام (۱: ۵۳۳)
رہا حافظ مزیؒ کا حوالہ جو سنابلی صاحب نے اپنے موقف کے ثبوت میں پیش کیا ہے، تو حافظ مزی کی پوری عبارت یہ ہے: قَالَ اَبُوْبَكْرٍ الْاَثْرَمُ عَنْ اَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ، وَاَبُوْحَاتِمٍ وَالنَّسَائِيُّ ثِقَةٌ۔ تھذیب الکمال (۲۰: ۳۳۵) اس حوالہ میں پہلی بات یہ ہے کہ مزیؒ نے یہاں کوئی تصریح نہیں کی کہ ابوبکر اثرمؒ کا یہ قول انہوں نے ان کی کتاب سے نقل کیا ہے، سنابلی صاحب یہ کہہ کر دھوکہ دے رہے ہیں کہ امام مزیؒ براہ راست اثرمؒ کی کتاب سے نقل کرتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ امام مزیؒ نے چونکہ امام احمدؒ امام ابوحاتمؒ اور امام نسائیؒ تینوں سے اکٹھی توثیق نقل کی ہے، تو چونکہ آخرالذکر دونوں نے صرف ایک دفعہ ثقہ کہا ہے، اس لیے انہوں نے تغلیباً و توسعاً ان تینوں کی طرف ثقہ کے الفاظ منسوب کر دیے ہیں، جیسا کہ جب محدثین میں سے بعض کسی حدیث کو صحیح اور بعض حسن قرار دیتے ہیں، تو ان سب کی طرف تصحیح کی نسبت کر دی جاتی ہے، چنانچہ مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں:
جب ایک حدیث کو بعض محدثین نے حسن اور بعض نے صحیح کہا ہو تو توسعاً اہلِ علم کبھی سب کی طرف تصحیح کی نسبت کر دیتے ہیں۔ تنقیح الکلام (ص ۳۱۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ہے[۱]۔

نیز محدث ناقد امام شمس الدین ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) جن کے متعلق مبارکپوری صاحب وغیرہ علمائے غیر مقلدین کے حوالہ سے آگے کتاب میں آرہا ہے کہ وہ رجالِ حدیث کو پرکھنے میں استقراء تام (مکمل عبور) رکھتے ہیں، نے یزید بن خصیفہؒ کے بارے میں فرمایا ہے، ثقۃ ناسک[۲]۔

جب کہ محمد بن یوسفؒ کے متعلق فرمایا ہے:

صَدُوقٌ مُقِلٌّ (قلیل الحدیث)[۳]

اور پہلے بحوالہ مولانا ابراہیم سیالکوٹیؒ غیر مقلد (م ۱۳۷۵ھ) گزرا ہے کہ صَدوق کا لفظ الفاظِ تعدیل میں نہایت گھٹیا درجہ کا ہے۔

نیز مولانا محب اللہ راشدی (م ۱۴۱۵ھ) لکھتے ہیں:

''ثقہ'' صَدوق سے اعلیٰ مرتبہ پر ہے۔[۴]

کفایت اللہ سنابلی نے بھی تصریح کی ہے کہ: صدوق راوی ثقہ کے مقابلے میں حافظے کے اعتبار سے بہت کم تر ہوتا ہے۔[۵]

معلوم ہوا کہ امام ذہبیؒ جیسے محدث (جو باقرار غیر مقلدین رجال کو پرکھنے میں استقراء تام رکھتے ہیں) کے نزدیک بھی یزید بن خصیفہؒ روایت حدیث میں اعلیٰ و ارفع ہیں، جب کہ محمد بن یوسفؒ ان سے کم تر ہیں۔

---

[۱] الجرح والتعدیل (۸:۱۱۹)

[۲] الکاشف (۳:۲۶۷)

[۳] ایضاً (۳:۹۲)

[۴] مقالاتِ راشدیہ (۹:۲۵۵)

[۵] انوار البدر (ص ۱۰۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

امام محمد بن سعدؒ (م ۲۳۰ھ) کا بیان پہلے گزر چکا ہے کہ انہوں نے یزید بن خصیفہؒ کے حق میں چار الفاظ (عابد، ناسک، کثیر الحدیث اور ثبت) استعمال کیے ہیں۔[۱]

جب کہ محمد بن یوسفؒ کے حق میں ان سے کچھ بھی منقول نہیں۔

اسی طرح پہلے امام ابن عبد البرؒ (م ۴۶۳ھ) کا حوالہ بھی گزر چکا ہے کہ انہوں نے ''التمھید'' میں یزیدؒ کے حق میں ثقہ، مامون، محدث اور محسن چار القاب ذکر کیے ہیں۔ علامہ امیر یمانی غیر مقلد (م ۱۱۸۲ھ) نے تصریح کی ہے کہ محدثین جس شخص کے حق میں جتنے زیادہ القاب استعمال کریں وہ انتہائی اعلیٰ ثقہ ہوتا ہے، اور اس کی مثال انہوں نے بحوالہ حافظ سخاویؒ (م ۹۰۲ھ) امام ابن مہدیؒ (م ۱۹۸ھ) کا ایک شخص

---

[۱] سنابلی صاحب اس کے جواب میں لکھتے ہیں: لیکن یحییٰ بن سعید جیسے جرح و تعدیل کے امام اور حافظ ابن حجر جیسے ماہر رجال کے بالمقابل ابن سعد کی اعلی توثیق وزن نہیں رکھتی۔ انوار التوضیح (ص ۱۹۹)
اس کا جواب الجواب یہ ہے کہ امام ابن سعدؒ اپنی اس اعلیٰ توثیق میں منفرد نہیں، بلکہ امام ابن معینؒ، اور امام احمد بن حنبلؒ (جو دونوں جرح و تعدیل کے امام اور یحییٰ بن سعیدؒ کی ٹکر کے ہیں) اور امام ذہبیؒ (جو باقرار غیر مقلدین اس فن میں ابن حجرؒ پر فائق ہیں) وغیرہ نے ان کی موافقت کی ہے۔
نیز حافظ ابن حجرؒ نے یزید بن خصیفہؒ کو بھی ثقہ و ثبت کہا ہے، جیسا کہ آگے بحوالہ آرہا ہے۔ رہے امام یحییٰ بن سعیدؒ، تو اُن سے محمد بن یوسفؒ کے متعلق یہ توثیق امام بخاریؒ اور حافظ ابن حجرؒ وغیرہ نے بے سند و بے حوالہ نقل کی ہے، جو کہ سنابلی صاحب کے اصول کی روشنی میں غیر معتبر ہے، جیسا کہ پہلے گزرا ہے۔ نیز دیکھئے سنابلی صاحب کی کتاب ازالۃ الکرب (ص ۱۳) اور امام ابن ابی خیثمہؒ نے ان سے یہ قول امام علی بن مدینیؒ کی کتاب سے نقل کیا ہے، لیکن انہوں نے یہ تصریح نہیں کہ اُن کی کس کتاب میں انہوںؒ نے یہ قول پڑھا ہے، کیونکہ اُن کی طرف منسوب ایک کتاب (العلل) ان کے بیٹے عبد اللہ کی روایت کردہ ہے، اور عبد اللہ موصوف خود غیر مقلدین کے نزدیک نامعلوم التوثیق اور غیر معتبر ہیں۔ دیکھئے ارواء الغلیل (۶: ۹۳)، ماہنامہ الحدیث (۱۹: ۴۷)
اس لیے سنابلی صاحب اس حوالہ کو استدلال میں پیش کرنے سے پہلے اس کتاب کا نام دریافت کریں، اور اس کی امام ابن المدینیؒ تک صحیح نسبت ثابت کریں، اور پھر اس کو امام ابن سعدؒ وغیرہ کے اقوال کے مقابلے میں پیش کریں۔ اذ لیس فلیس۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کے متعلق قول: ثقہ مامون، ثبت حجۃ.... پیش کیا ہے۔[۱]

اس کے برعکس علامہ ابن عبدالبرؒ نے اپنی اس کتاب میں محمد بن یوسفؒ کا ترجمہ ہی نہیں لکھا۔

نیز اگر حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) نے ''تقریب'' میں محمد بن یوسفؒ کے حق میں دو الفاظ (ثقہ وثبت) استعمال کیے ہیں تو انہوں نے اپنی دوسری کتاب ''تھذیب التھذیب'' میں یزید بن خصیفہؒ کے حق میں بھی دو الفاظ ''ثقہ'' اور ''مامون'' استعمال فرمائے ہیں[۲]۔

نیز حافظ موصوف نے اپنی کتاب ''النکت'' میں یزیدؒ کی ایک روایت بہ سند ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

''رِجَالُهُ ثِقَاتٌ اَثْبَاتٌ''۔[۳]

اس حدیث کے سارے راوی (یزید بن خصیفہؒ سمیت) ثقہ وثبت ہیں۔

اس حوالہ کے بعد تو غیر مقلدین کے اعتراض کی جڑ ہی کٹ گئی ہے، اور ثابت ہو گیا کہ حافظ ابن حجرؒ کے نزدیک بھی یزید بن خصیفہؒ ثقہ وثبت ہیں، اور وہ محمد بن یوسفؒ کے ہم پلہ ہیں، بلکہ حافظ صاحبؒ نے یزیدؒ کو ایک زائد لقب ''مامون'' (جو کہ الفاظِ توثیق میں سے ہے، جیسا کہ ابھی گزرا ہے) سے نوازا ہے۔ اس لحاظ سے حافظؒ کے نزدیک بھی یزیدؒ ثقاہت میں محمد بن یوسفؒ سے اعلیٰ وارفع ہیں۔

الحاصل! یزید بن خصیفہؒ محمد بن یوسفؒ سے ثقاہت میں کسی طرح کم نہیں، بلکہ وہ ان سے

---

[۱] توضیح الافکار (۲: ۱۶۰) طبع دارالکتب العلمیۃ بیروت

[۲] ''تھذیب التھذیب'' (۶: ۲۱۴)

[۳] النکت علی کتاب ابن الصلاح (ص ۳۰۷) طبع دارالکتب العلمیۃ بیروت۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بڑھ کر ہیں۔

اور پھر یزیدؒ اوثق ہونے کے ساتھ ساتھ کثیر الحدیث بھی ہیں، جیسا کہ ابھی امام محمد بن سعدؒ (م ۲۳۰ھ) کے حوالے سے گزرا ہے۔ جب کہ محمد بن یوسفؒ کے متعلق امام ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) کی تصریح گزری ہے کہ وہ قلیل الحدیث ہیں۔

کفایت اللہ سنابلی لکھتے ہیں: کثیر الحدیث ثقہ کے مقابلے میں قلیل الحدیث ثقہ کا بیان پیش نہیں جا سکتا۔[۱]

نیز یزیدؒ، محمد بن یوسفؒ کے مقابلے میں زیادہ مشہور ہیں۔ چنانچہ یزیدؒ کی توثیق میں حافظ علائیؒ (۷۶۱ھ) کا ان کے متعلق بیان گزر چکا ہے کہ وہ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہما سے روایت کرنے والے مشہور ثقہ راوی ہیں۔

نیز امام ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ) نے یزیدؒ کو مدینہ منورہ کے مشاہیر محدثین میں ذکر کیا ہے، جیسا کہ ابھی گزرا ہے، جب کہ انہوں نے اس میں محمدؒ کا تذکرہ بالکل نہیں کیا۔

اسی طرح امام ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) نے اپنی مشہور کتاب ''سیر اعلام النبلاء'' میں یزیدؒ کا ترجمہ تو لکھا ہے۔[۲] لیکن محمدؒ کا ترجمہ نہیں لکھا۔

اور ما قبل آپ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ امام ابن عبد البرؒ (م ۴۶۳ھ) نے اپنی شرح موطا میں، اور امام محمد بن سعدؒ (م ۲۳۰ھ) نے بھی ''الطبقات الکبریٰ'' میں یزیدؒ کا ترجمہ تو بڑے عمدہ الفاظ میں لکھا ہے، لیکن ان دونوں حضرات نے محمد بن یوسفؒ کا ترجمہ لکھنا درخور اعتناء نہیں سمجھا۔

نیز یزید بن خصیفہؒ کا اس روایت میں حارث بن عبد الرحمٰن بن ابی ذبابؒ (جن کی

---

[۱] انوار البدر (ص ۱۵۹)

[۲] دیکھئے کتاب مذکور (۶:۱۵۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

روایت کی سند باقرار غیر مقلدین کم ازکم متابعت میں مقبول ہے) متابع موجود ہے، نیز عہد عمر رضی اللہ عنہ سے متعلق بیس تراویح والی کم ازکم دس روایات یزیدؒ کی روایت کے لیے شاہد ہیں، جب کہ محمد بن یوسفؒ کا نہ تو کوئی متابع ہے، اور نہ ہی ان کی روایت کے لیے کوئی شاہد ہے۔

نیز یزید بن خصیفہؒ کی روایت اجماع صحابہؓ اور تعامل امت سے مؤید ہے، جب کہ محمد بن یوسفؒ کی روایت کی تائید میں کسی صحابیؓ تو کیا کسی تابعی یا تبع تابعی کا بھی کوئی قول یا عمل نہیں ہے۔

یزیدؒ کے اوثق ہونے کے ساتھ ساتھ ان مذکورہ وجوہات (کثرتِ حدیث، شہرت، متابعت وشواہد اور تائید اجماع صحابہؓ وتعامل امت) کی وجہ سے بھی باقرار غیر مقلدین ان کی روایت محمد بن یوسفؒ کی روایت پر راجح ہے۔[۱]

اور اگر بالفرض محمد بن یوسفؒ کو یزید بن خصیفہؒ کے مقابلے میں اوثق بھی تسلیم کیا جائے تو پھر بھی ان کی روایت یزید بن خصیفہؒ کی روایت پر راجح نہیں ہو سکتی، کیونکہ یہ بات علمائے غیر مقلدین کو بھی تسلیم ہے کہ قرائن کی وجہ سے غیر اوثق کی روایت اوثق کی روایت پر راجح ہو سکتی ہے۔

چنانچہ مولانا ارشاد الحق اثری "غیر اوثق" کی روایت کو "اوثق" کی روایت پر ترجیح دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

بلاشبہ ایوب سختیانی، خالد الحذاء سے زیادہ ثقہ ہیں، لیکن اس روایت میں خالد کی روایت کو ایوب کے مقابلہ میں شاذ (مرجوح) قرار دینا صحیح نہیں۔

اور پھر مولانا اثری نے خالدؒ کی روایت کے راجح ہونے پر قرینہ پیش کیا۔[۲]

---

[۱] دیکھئے قواعد التحدیث (ص ۳۱۵۔۳۱۷)، مطالعہ حدیث (ص ۱۲۰)

[۲] تنقیح الکلام (ص ۱۷۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

معلوم ہوا کہ کسی قرینہ کی وجہ سے غیر اوثق کی روایت بھی راجح ہو سکتی ہے، اور یہاں یزیدؒ کی روایت کے راجح ہونے پر کئی قرائن موجود ہیں، جن کی تفصیل آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔

نیز ان کی روایت کے راجح ہونے پر ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ ان کی روایت میں رکعات کی بیان کردہ تعداد، محمد بن یوسفؒ کی روایت میں بیان کردہ تعداد سے زیادہ ہے۔ اور ما قبل بحوالہ کبار علمائے غیر مقلدین گزرا ہے کہ ایسی زیادت کی حامل روایت راجح ہوتی ہے، اگرچہ اس کے بالمقابل روایت اس سے زیادہ صحیح ہی کیوں نہ ہو، بلکہ ایسی زیادت والی روایت صحیحین کی روایت پر بھی راجح ہوتی ہے۔

لہٰذا یزید بن خصیفہؒ کی روایت بہر صورت راجح ہے۔

اعتراض رابع:

شیخ البانی (م ۱۴۲۰ھ)، مولانا بدیع الدین راشدی (م ۱۴۱۶ھ) اور کفایت اللہ سنابلی وغیرہ غیر مقلدین نے ایک روایت، جس میں یزیدؒ بن خصیفہؒ نے روایت کرتے وقت حَسِبْتُ (میرے خیال میں) کے الفاظ بولے ہیں، کی بنیاد پر یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ تعداد رکعات بیان کرنے میں تردد کا شکار تھے۔[۱]

لیکن پہلی بات تو یہ ہے کہ جس روایت کی بنیاد پر یہ دعویٰ کیا گیا ہے وہ ہی خود غیر مقلدین کے اپنے مسلمات کی روشنی میں ثابت نہیں ہے، جیسا کہ حصہ دوم میں تفصیل سے آرہا ہے، اور وہاں یہ بھی تفصیل سے آرہا ہے کہ اس روایت (بشرطِ ثبوت) میں یزیدؒ تردد کا شکار نہیں، بلکہ محمد بن یوسف متردد ہیں، اور جب اُن کا یہ تردد دور ہوا تو انہوں نے اپنی اس روایت (گیارہ رکعت) سے ہی رجوع کر کے سارا قصہ ہی ختم کر دیا۔

---

[۱] صلوٰۃ التراویح (ص ۵۱)، مقالات راشدیہ (۷: ۱۵۳)، انوار التوضیح (ص ۲۰۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

دوسری بات یہ ہے کہ حَسِبْتُ یا اَحْسَبُ کے الفاظ خود علمائے غیر مقلدین کے نزدیک بھی تردد کے لیے نہیں، بلکہ تیقن کے لیے استعمال ہوتے ہیں مثلاً غیر مقلدین کے شیخ العرب والعجم مولانا بدیع الدین راشدی (م ۱۴۱۶ھ) جو خود بھی اس اعتراض کو اٹھانے والوں میں سے ہیں، سعید مقبری ؒ پر اختلاط کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> لیکن اختلاط کے بعد کسی نے اس سے حدیث نہیں سنی۔ حافظ ذہبی ؒ نے میزان الاعتدال ۱: ۳۸۲ میں لکھا ہے کہ: مَا اَحْسَبُ اَحَدًا اَخَذَ عَنْہُ فِی الْاِخْتِلَاطِ۔ یعنی میرے خیال میں کوئی ایسا آدمی نہیں ہے، جس نے اس سے بحالت اختلاط حدیث لی ہو۔ پس یہ اثر بوجہ قبل الاختلاط ہونے کے صحیح ہے۔ فافھم [۱]

لہٰذا غیر مقلدین کا یہ اعتراض بھی خود ان کے اپنے مسلمات کی روشنی میں باطل ہو گیا۔ وللہ الحمد

اعتراض خامس: بعض غیر مقلدین نے اس روایت کے مرجوح ہونے کی یہ دلیل پیش کی ہے کہ گیارہ رکعت کے راوی محمد بن یوسف ؒ، حضرت سائب رضی اللہ عنہ کے قریبی رشتہ دار ہیں۔ کیونکہ حضرت سائب رضی اللہ عنہ ان کے نانا یا ماموں یا چچا تھے۔ لہٰذا ان کی روایت یزید بن خصیفہ ؒ (جو حضرت سائب ؓ کے رشتہ دار نہیں ہیں) کی روایت پر راجح ہوگی۔ [۲]

لیکن یہ بھی غیر مقلدین کا نرا وہم ہے۔ کیوں کہ یزید بن خصیفہ ؒ بھی حضرت سائب رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار یعنی بھانجے یا بھتیجے یا پوتے تھے۔ چنانچہ حافظ مزی ؒ (م ۷۴۲ھ) اور حافظ ابن حجر ؒ (م ۸۵۲ھ) نے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کے ترجمہ میں ان سے روایت کرنے والے راویوں کو شمار کرتے ہوئے جب یزید بن خصیفہ ؒ کو شمار کیا تو فرمایا:

---

[۱] مقالات راشدیہ (۲: ۲۱۰)

[۲] انارۃ المصابیح (ص ۶۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

"وَابْنُ أُخْتِهٖ يَزِيْدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ خُصَيْفَةَ۔"[۱]

"یعنی حضرت سائب رضی اللہ عنہ سے ان کے بھانجے یزید بن خصیفہؒ نے بھی روایت کی ہے"

جب کہ امام احمد بن زہیر المعروف "ابن ابی خیثمہ" (م۲۷۹ھ) نے اپنے استاذ امام مصعب زبیریؒ (م ۲۳۴ھ) سے نقل کیا ہے۔ يَزِيْدُ بْنُ خُصَيْفَةَ ابْنُ أَخِي السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ۔[۲] کہ یزید بن خُصیفہؒ، حضرت سائب رضی اللہ عنہ کے برادرزادے ہیں۔

علامہ ابن عبدالبرؒ (م ۴۶۳ھ) نے بھی تصریح کی ہے کہ یہ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کے بھائی کے بیٹے یعنی بھتیجے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بحوالہ گزرا ہے۔

اسی طرح امام محمد بن سعدؒ (م ۲۳۰ھ) نے بھی ان کے ترجمہ میں تصریح کی ہے کہ یہ حضرت سائب رضی اللہ عنہ کے بھتیجے ہیں۔[۳]

شارح بخاری حافظ بدرالدین عینیؒ (م ۸۵۵ھ) یزید بن خصیفہؒ کے تعارف میں لکھتے ہیں:

ابْنُ أَخِي السَّائِبِ[۴] کہ یہ حضرت سائب رضی اللہ عنہ کے بھتیجے ہیں۔

شارح بخاری علامہ شہاب الدین قسطلانیؒ (م ۹۲۳ھ) حضرت سائب رضی اللہ عنہ کے ترجمہ میں ارقام فرماتے ہیں:

"وَهُوَ عَمُّ يَزِيْدَ بْنِ خُصَيْفَةَ"[۵]

"وہ یزید خصیفہؒ کے چچا ہیں۔"

---

[۱] تھذیب الکمال (۱۰:۱۹۵) تھذیب التھذیب (۲:۲۶۴)

[۲] التاریخ الکبیر (۳:۱۸۹) لابن ابی خیثمہ طبع دارالکتب العلمیۃ بیروت

[۳] الطبقات الکبریٰ (۵:۳۹۶)

[۴] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری (۴:۳۶۶)

[۵] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری (۱:۶۵۹)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

جب کہ حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) کی تحقیق میں وہ حضرت سائب رضی اللہ عنہ کے بھائی کے پوتے ہیں۔ چنانچہ ذہبیؒ ان کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

"يَزِيْدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ خُصَيْفَةَ، وَخُصَيْفَةُ هُوَ اَخُو السَّائِبِ ابْنِ يَزِيْدَ۔"[۱]

"یعنی یزید بن عبداللہ بن خُصیفہؒ کے دادا حضرت خُصیفہ، حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہما کے بھائی ہیں۔"

نیز ذہبیؒ ان کے ترجمہ میں ان کا تعارف کراتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

"وَهُوَ ابْنُ ابْنِ اَخِي السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ۔"[۲]

"وہ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہما کے بھائی کے بیٹے کے بیٹے ہیں۔"

اس لحاظ سے حضرت سائب رضی اللہ عنہ ان کے دادا ہوتے ہیں۔

شارح صحیح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) نے یزیدؒ کی "صحیح بخاری" میں حضرت سائبؓ سے روایت کردہ حدیث کی تحقیق میں ان کا تعارف کراتے ہوئے ان کے دادا خصیفہؒ سے متعلق لکھا ہے:

"وَخُصَيْفَةُ هُوَ ابْنُ يَزِيْدَ بْنِ ثُمَامَةَ اَخُو السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ صَحَابِيِّ هٰذَا الْحَدِيْثِ، فَتَكُوْن رِوَايَةُ يَزِيْدَ بْنِ خُصَيْفَةَ لِهٰذَا الْحَدِيْثِ عَنْ عَمِّ اَبِيْهِ"[۳]

"خصیفہ بن یزید بن ثمامہ، حضرت سائب بن یزید صحابی رضی اللہ عنہ جو اس حدیث

[۱] سیر اعلام النبلاء (۶:۱۵۷)

[۲] تاریخ الاسلام (۳:۷۵۵) طبع دار الغرب الاسلامی بیروت

[۳] فتح الباری شرح صحیح البخاری (۱۲:۸۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کو روایت کرنے والے صحابی ہیں کے بھائی ہیں، اس طرح یزیدؒ اس حدیث کو اپنے والد کے چچا سے روایت کر رہے ہیں"

لہذا غیر مقلدین کی یہ وجہ ترجیح بھی باطل ہوگئی، اور غیر مقلدین کے اس صحیح روایت پر تمام اعتراضات "هَبَآءً مَّنْثُوْرًا" ہو گئے۔ الحمدللہ!

❁❁❁❁❁

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بیس تراویح عہد مرتضوی میں

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بھی حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما کے دور کی طرح بیس تراویح پر عمل درآمد رہا۔ ذیل میں عہد مرتضوی کے متعلق چند روایات ملاحظہ کریں۔

روایت نمبر ۱۰:

امام بیہقیؒ (م ۴۵۸ھ) فرماتے ہیں:

"اَخْبَرَنَا اَبُو الْحُسَيْنِ بْنُ الْفَضْلِ الْقَطَّانُ بِبَغْدَادَ، اَنْبَأَ مُحَمَّدُ بْنُ اَحْمَدَ بْنِ عِيْسَى بْنِ عَبْدَكَ الرَّازِيُّ، ثَنَا اَبُوْ عَامِرٍ عَمْرُو بْنُ تَمِيْمٍ، ثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يُوْنُسَ، ثَنَا حَمَّادُ بْنُ شُعَيْبٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ، عَنْ اَبِيْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ، عَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ: دَعَا الْقُرَّاءَ فِيْ رَمَضَانَ فَاَمَرَ مِنْهُمْ رَجُلًا يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً، قَالَ: وَكَانَ عَلِيٌّ رضی اللہ عنہ يُوْتِرُ بِهِمْ۔"[۱]

"ہمیں ابوالحسین قطانؒ نے بغداد میں خبر دی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں محمد بن احمد رازیؒ نے خبر دی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو عامر عمرو بن تمیمؒ نے بیان کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے احمد بن عبد اللہؒ نے بیان کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے حماد بن شعیبؒ نے بیان کیا ہے، وہ عطاء بن سائبؒ سے روایت کرتے ہیں، وہ حضرت ابو عبد الرحمٰن سلمیؒ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ

---

[۱] السنن الکبریٰ للبیہقیؒ (۲:۴۹۶)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

عنہ نے رمضان المبارک میں قاریوں کو بلایا اور ان میں سے ایک کو حکم فرمایا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت (تراویح) پڑھائے، اور ان کو وتر خود حضرت علی رضی اللہ عنہ پڑھایا کرتے تھے۔"

غیر مقلدین کی طرف سے اس روایت پر دو اعتراضات کئے جاتے ہیں۔

اعتراض اول:

اس روایت کا ایک راوی حماد بن شعیبؒ ہے، جسے امام ابن معینؒ، امام نسائیؒ وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے، اور امام بخاریؒ نے اس کے بارے میں "فِيْهِ نَظَرٌ" (اس میں نظر ہے) کہا ہے، جب کہ امام ابن الہمامؒ نے تصریح کی ہے کہ جس راوی کے بارے میں امام بخاریؒ "فِيْهِ نَظَرٌ" فرمائیں تو اس کی روایت نہ تو قابل احتجاج و استدلال ہو سکتی ہے، اور نہ ہی قابل استشہاد ہوتی ہے۔[۱]

جواب:

حماد بن شعیبؒ (م ۱۹۰ھ) مختلف فیہ راوی ہے۔ اگرچہ بعض ائمہ نے اس کی تضعیف کی ہے، لیکن بعض آئمہ نے اس کی توثیق کی ہے۔ چنانچہ:

① امام ابن عدیؒ (م ۳۶۵) فرماتے ہیں: وَهُوَ مِمَّنْ يُكْتَبُ حَدِيْثُهٗ مَعَ ضَعْفِهٖ[۲]
یہ اُن لوگوں میں سے ہے کہ جن کی حدیث ضعف کے باوجود لکھی جا سکتی ہے۔

امام ابن عدیؒ نے ایک راوی (عمر بن حبیب بصری) کے بارے میں فرمایا ہے:

"حَسَنُ الْحَدِيْثِ يُكْتَبُ حَدِيْثُهٗ مَعَ ضَعْفِهٖ"[۳]

اس سے معلوم ہوا کہ امام موصوف جس راوی کے بارے میں "يُكْتَبُ حَدِيْثُهٗ

---

[۱] "تحفۃ الاحوذی" (۳:۵۲۸)، "تعداد تراویح" (ص ۱۰۰) وغیرہ۔

[۲] الکامل (۱:۶۶۱)

[۳] ایضاً (ص ۱۶۹۶)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

مَعَ ضَعْفِہٖ" فرمائیں وہ ان کے نزدیک حسن الحدیث ہوتا ہے۔

نامور غیر مقلد عالم مولانا ارشاد الحق اثری نے لکھا ہے:

"یُکْتَبُ حَدِیْثُہٗ" کا لفظ الفاظِ تعدیل میں شمار ہوتا ہے۔[۱]

اسی طرح مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب (م ۱۳۵۳ھ) اور مولانا بدیع الدین راشدی (م ۱۴۱۶ھ) نے بھی اس کو الفاظ تعدیل میں شمار کیا ہے۔[۲]

(۲) امام ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ) نے حمادؒ کو ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔[۳]

(۳) امام حاکم نیشاپوریؒ (م ۴۰۵ھ) نے اپنی مستدرک میں اس سے تخریج حدیث کی ہے۔

چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) اس کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

"اَخْرَجَ لَہٗ مَعَ ھٰذَا الْحَاکِمُ فِیْ مُسْتَدْرَکِہٖ۔"[۴]

"امام حاکمؒ نے اپنی "مستدرک" میں اس سے اخراجِ حدیث کیا ہے۔"

اور حدیث نمبر ۱ کے ذیل میں کئی نامور علمائے غیر مقلدین کی تصریحات ذکر ہو چکی ہیں کہ امام حاکمؒ کا اپنی کتاب "مستدرک" میں کسی راوی سے اخراجِ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ وہ راوی ان کے نزدیک ثقہ اور صحیح الحدیث ہے۔

نیز امام حاکمؒ نے صراحتاً بھی اس کی ایک روایت کو "صحیح الاسناد" قرار دیا ہے۔[۵]

(۴) امام ابو یعلیٰ خلیلیؒ (م ۴۴۶ھ) نے حماد بن شعیبؒ کی روایت کردہ ایک حدیث کو محفوظ

---

[۱] "توضیح الکلام" (۱:۵۴۷)

[۲] مقالاتِ مبارکپوریؒ (ص ۲۱۹)، مقالاتِ راشدیہ (۶:۵۶۰)

[۳] الاکمال للحسینی مع تھذیب الکمال (۵:۵۲۸) طبع دار الفکر بیروت۔

[۴] لسان المیزان (۲:۳۹۵)

[۵] المستدرک علی الصحیحین (۳:۵۸۲ح ۶۱۵۸)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

قرار دیا ہے۔[۱] جو کہ بتصریح حافظ زبیر علی زئی: اس کے ثقہ ہونے کی دلیل ہے۔[۲]

⑤ امام شمس الدین جزریؒ (م ۸۳۳ھ) نے اس کو مقریٔ جلیل اور ضابط قرار دیا ہے۔[۳]

⑥ نیز امام جزریؒ نے حماد بن شعیبؒ کے شاگرد روح بن عبدالمومن بصریؒ (م ۲۳۵ھ) کے ترجمہ میں ان سے حمادؒ کے متعلق نقل کیا ہے کہ:

"وَكَانَ فَاضِلًا جَلِيلًا"۔[۴]

"حماد بن شعیبؒ صاحب فضیلت اور جلیل القدر تھے۔"

⑦ امام بخاریؒ وغیرہ ائمہ حدیث کے استاذ اور جلیل القدر محدث امام حُمید بن مخلد نسائی المعروف "ابن زَنْجُويه رحمه الله" (م ۲۵۱ھ) نے حماد بن شعیبؒ کو نامور محدثین میں سے قرار دیا ہے۔[۵]

اور "محدث" جس پایہ کا شخص ہوتا ہے وہ آپ ابو شیبہؒ کے تذکرہ میں بحوالہ علمائے غیر مقلدین ملاحظہ کر چکے ہیں۔

⑧ بلند پایہ محدث امام ابو بکر بزارؒ (م ۲۹۲ھ) حمادؒ کی ایک حدیث روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"وَحَمَّادُ بْنُ شُعَيْبٍ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ فِي الْحَدِيثِ، وَقَدْ حَدَّثَ عَنْهُ جَمَاعَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْعِلْمِ وَاحْتَمَلُوا حَدِيثَهُ"[۶]

"حماد بن شعیبؒ اگرچہ حدیث میں قوی نہیں ہیں، لیکن اس کے باوجود اہل علم کی

---

[۱] الارشاد فی معرفۃ علماء الحدیث (ص ۱۵۳)

[۲] القول المتین (ص ۲۶)

[۳] غایۃ النہایۃ فی طبقات القراء (۲: ۳۴۲) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

[۴] ایضاً

[۵] طبقات المحدثین والفقہاء (ص ۱۷۸)

[۶] المسند البزار (۱۱: ۲۷۸، ح ۵۰۶۹) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ایک جماعت نے ان سے روایت حدیث کی ہے، اور ان کی حدیث کو قابل اعتماد سمجھا ہے۔"

مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری (م ۱۴۱۴ھ) اور مولانا بدیع الدین راشدی (۱۴۱۶ھ) نے امام بزارؒ کے قول:

اِحْتَمَلُوا حَدِيثَهُ کو راوی کے ثقہ ہونے کی دلیل قرار دیا ہے۔[۱]

⑨ امام بیہقیؒ (م ۴۵۸ھ) بھی حمادؒ کی مذکورہ روایت کو قوی مانتے ہیں، چنانچہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد شتیر بن شکلؒ کا اثر ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

وَفِيْ ذٰلِكَ قُوَّةٌ (اس روایت میں قوت ہے)۔

اس کے بعد انہوں نے یہی مذکورہ روایت شتیرؒ کے اثر کو قوی ثابت کرنے کے لیے مع السند ذکر فرمائی۔[۲]

پس جب یہ روایت عند البیہقیؒ شتیر بن شکلؒ کے اثر کی تقویت کا سبب ہے تو پھر یہ روایت خود کیسے قوی نہ ہوگی؟

مولانا بدیع الدین راشدی (م ۱۴۱۶ھ) لکھتے ہیں:

ایسی سند جو خود اپنے ضعف کو دور کرنے کی محتاج ہو کسی اور سند کو مضبوط اور قوی نہیں کر سکتی۔[۳]

معلوم ہوا کہ حمادؒ کی سند مضبوط ہے، تب ہی تو وہ امام بیہقیؒ کے نزدیک دوسری سند کی قوت کا باعث ہے۔

⑩ اسی طرح یہ روایت امام ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) کے نزدیک بھی صحیح ہے، کیونکہ انہوں

---

[۱] فتاوی عبید اللہ مبارکپوری (۱:۱۴۶)، نقض قواعد فی علوم الحدیث (ص ۳۴۳، ۳۴۴)

[۲] السنن الکبری (۲:۴۹۶)

[۳] مقالات راشدیہ (۵:۲۶۶)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

نے شیعوں کے خلاف اسی حماد بن شعیبؒ والی روایت سے یہ استدلال کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قائم کردہ جماعت (بیس تراویح) کو توڑا نہیں بلکہ برقرار رکھا۔[۱]

اور مشہور غیر مقلد عالم مولانا محمد گوندلوی صاحبؒ (سابق امیر جماعت اہلحدیث) لکھتے ہیں:

محدثین کا کسی روایت کو نقل کر کے استدلال کرنا، اور اس پر جرح نہ کرنا اس کی صحت کی دلیل ہے۔[۲]

مولانا ارشاد الحق اثری ایک راوی کے بارے میں لکھتے ہیں:

امام بیہقی نے صراحت کی ہے کہ اس سے امام بخاریؒ نے (غیر صحیح میں) استدلال کیا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ روایت حسن صحیح ہے۔[۳]

(۱۱) پھر امام ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) جیسے محدث ناقد اور ماہر فن رجال نے بھی اپنی "مختصر" میں مذکورہ روایت کو اور حافظ تیمیہؒ کے اس سے اس استدلال کو بلا ٹوک ونکیر ذکر فرمایا، اور حماد بن شعیبؒ اور اس کی روایت پر ادنی سا نقد بھی نہیں کیا۔[۴]

معلوم ہوا کہ امام ابن تیمیہؒ اور حافظ ذہبیؒ دونوں کے نزدیک یہ روایت صحیح ہے۔

(۱۲) اس روایت کی صحت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ محدث کبیر امام ابو عیسیٰ ترمذیؒ (م ۲۷۹ھ) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی بیس تراویح والی روایت کو صحیح مانتے ہوئے اس سے استدلال کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"وَاَکْثَرُ اَهْلِ الْعِلْمِ عَلٰی مَارُوِیَ عَنْ عَلِیٍّ رضی اللہ عنہ وَعُمَرَ رضی اللہ عنہ وَغَیْرِ

---

[۱] دیکھئے منہاج السنۃ النبویۃ (۲:۲۲۴) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

[۲] التحقیق الراسخ (ص ۸۸)

[۳] توضیح الکلام (۱:۲۰۶)

[۴] المنتقی للذہبیؒ (ص ۵۴۸) بحوالہ رکعات تراویح (ص ۷۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

هِمَا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ عِشْرُوْنَ رَكْعَةً "۔[۱]

"اکثر اہل علم کا مذہب بیس رکعت تراویح ہے، کیونکہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔"

نامور غیر مقلد عالم مولانا عبد اللہ روپڑی (م ۱۳۸۴ھ) امام ترمذی کے قول "اہل علم" کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

اہل علم سے صحابہ وتابعین وغیرہ مراد ہیں۔ چنانچہ امام ترمذی نے کئی جگہ اس کی تصریح کی ہے، اور جس کی بابت امام ترمذی "وَالْعَمَلُ عَلٰی هٰذَا عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ" کہتے ہیں، اگر اس مسئلہ میں اختلاف نہ ہو تو پھر حدیث کی صحت میں کوئی شبہ نہیں۔ اگر اختلاف ہو تو کچھ تقویت پہنچ جاتی ہے بشرطیکہ اس حدیث کے مقابل کوئی حدیث نہ ہو۔[۲]

اور یہاں بھی اس حدیث کے مقابل حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول کوئی حدیث نہیں ہے۔ لہٰذا یہ حدیث بھی امام ترمذی کے نزدیک قوی ہے۔

(۱۳) محدث امام ابن قدامہ حنبلی (م ۶۲۰ھ) اس روایت سے استدلال کرنے کے بعد ارقام فرماتے ہیں:

"وَهٰذَا كَالْاِجْمَاعِ"[۳]

"یہ مثل اجماع کے ہے"۔

محدثین کی اس توثیق کے مقابلے میں حماد کے خلاف جتنے اقوال جرح (ضعیف، لَيْسَ بِالْقَوِيِّ، لَيْسَ بِشَيْءٍ، تَرَكُوْا حَدِيْثَهٗ) منقول ہیں، وہ سب بتصریح مولانا محمد گوندلوی (م ۱۴۰۵ھ) مبہم وغیر مفسر ہیں۔[۴]

---

[۱] جامع الترمذی (۱:۱۵۹)

[۲] فتاوٰی اہل حدیث (۱:۱۰۸)

[۳] المغنی (۲:۶۰۴)

[۴] خیر الکلام (ص ۱۵۸، ۱۶۲، ۱۶۳، ۲۲۰، ۲۲۵) التحقیق الراسخ (ص ۸۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اور مولانا ممدوح نے یہ تصریح بھی کی ہے کہ:

مُبہم جرح توثیق کے بعد مقبول نہیں ہوتی۔[۱]

باقی رہا امام بخاریؒ (م ۲۵۶ھ) کا حماد بن شعیبؒ کے بارے میں "فِیْهِ نَظَرٌ" کہنا اور بقول امام ابن الھمامؒ (م ۸۶۱ھ) وغیرہ: جس راوی کے بارے میں امام بخاریؒ "فِیْهِ نَظَرٌ" فرما دیں اس کی روایت نہ تو قابل حجت ہوتی ہے، اور نہ ہی قابل تائید، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بیان کردہ قاعدہ باقرار علمائے غیر مقلدین کلیہ نہیں بلکہ اکثریہ ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری (م ۱۳۵۳ھ) امام ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"قَالَ الْبُخَارِیُّ: فِیْهِ نَظَرٌ، وَلَایَقُوْلُ هٰذَا اِلَّا فِیْمَنْ یُتَّهَمُ غَالِبًا"[۲]

"امام بخاریؒ اکثر اُس راوی کے بارے میں "فِیْهِ نَظَرٌ" (اس میں نظر ہے) فرماتے ہیں جو راوی مُتّہم ہوتا ہے۔"

مبارکپوری صاحب کے شاگرد مولانا نذیر رحمانی صاحب (م ۱۳۸۵ھ) لکھتے ہیں:

کثیراً اور غالباً کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ یہ حکم کلی نہیں اکثری ہے[۳]

نیز مولانا رحمانی لکھتے ہیں:

محدثین نے اس امر کی تصریح کر دی ہے کہ امام بخاریؒ کی اس جرح کی شدت واہمیت اکثری ہے، کلی نہیں۔[۴]

مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں:

---

[۱] خیر الکلام (ص ۱۵۸، ۲۲۵)

[۲] ابکار المنن (ص ۵۸)

[۳] "انوار المصابیح" (ص ۳۳۵)

[۴] ایضاً (ص ۳۳۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

امام بخاریؒ کی جرح "فِيْهِ نَظَرٌ" کو بھی عموماً اہل علم نے اسی درجہ میں شمار کیا ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ اس کا یہ حکم عمومی نہیں اکثری ہے۔[۱]

یہی وجہ ہے کہ بے شمار راوی ایسے ہیں کہ جن کے بارے میں امام بخاریؒ نے "فِيْهِ نَظَرٌ" کہا ہے، لیکن اس کے باوجود ائمۂ رجال نے نہ صرف یہ کہ ان کو ثقہ ٹھرایا ہے، بلکہ مصنفین صحاح اور خود امام بخاریؒ نے ایسے راویوں کی روایات کو اپنی کتب میں استدلال اور استشہاد دونوں اعتبار سے ذکر فرمایا ہے۔ بطور نمونہ صرف چند ایسی مثالیں ملاحظہ ہو۔

① تمام بن نجیح: امام بخاریؒ نے ان کے بارے میں بھی "فِيْهِ نَظَرٌ" کہا ہے، لیکن اس کے باوجود اپنی طرف منسوب کتاب "جزء رفع الیدین" میں ان سے روایت لی ہے، اسی طرح امام ابوداودؒ (م ۲۷۵ھ) اور امام نسائیؒ (م ۳۰۳ھ) وغیرہ نے اپنی اپنی "سنن" میں ان سے احادیث نقل کی ہیں، اور امام یحییٰ بن معینؒ (م ۲۳۳ھ) اور امام یعقوب بن سفیانؒ (م ۲۷۷ھ) وغیرہ نے ان کو ثقہ اور امام بزارؒ (م ۲۹۲ھ) نے صالح الحدیث کہا ہے۔[۲]

② عباد بن کثیر رملیؒ (م ۱۷۱ھ): ان کی بابت بھی امام بخاریؒ نے "فِيْهِ نَظَرٌ" فرمایا ہے، لیکن دیگر ائمۂ حدیث کی طرح خود بھی ان کی روایات اپنی مشہور کتاب "الادب المفرد" میں نقل کی ہیں۔[۳]

③ حبیب بن سالم انصاریؒ: ان کے بارے میں بھی امام بخاریؒ نے یہی الفاظ استعمال کیے ہیں، لیکن یہ "صحیح مسلم" وغیرہ کے راوی ہیں، اور امام ابن عدیؒ (م ۳۶۵ھ) فرماتے ہیں: ان کی روایات میں ایک روایت بھی منکر نہیں ہے۔[۴]

---

[۱] توضیح الکلام (۲:۴۱۶)

[۲] "تھذیب الکمال" (۴:۲۱۱، ۲۱۲)

[۳] ایضاً (۹:۴۲۰)

[۴] ایضاً (۴:۱۱۹)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

(۴) منہال بن خلیفہ عجلیؒ: ان کے بارے میں بھی امام بخاریؒ فرماتے ہیں: ''فِيْهِ نَظَرٌ''
لیکن یہ ''سُنن ابی داوٗد''، ''جامع ترمذی'' اور ''سُنن ابن ماجہ'' وغیرہ کے راوی ہیں، امام ابن خزیمہؒ (م ۳۱۱ھ) نے بھی اپنی صحیح میں ان کی روایات ذکر کی ہیں۔[۱]

اور خود علمائے غیر مقلدین مثلاً حافظ عبد اللہ روپڑیؒ (م ۱۳۸۴ھ) مولانا مبارکپوریؒ (م ۱۳۵۳ھ)، حافظ عبدالمنان نور پوریؒ (م ۱۴۳۳ھ) اور مولانا عبدالرؤف سندھو نے تصریح کی ہے کہ ''صحیح ابن خزیمہ'' کی روایات صحیح ہیں اور اس کے سارے راوی ثقہ ہیں۔[۲]

صرف ان چند مثالوں کو ہی سامنے رکھنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کسی راوی کے بارے میں امام بخاریؒ کے ''فِيْهِ نَظَرٌ'' کہنے کے باوجود وہ راوی ثقہ اور اس کی بیان کردہ روایات صحیح اور قابل استدلال ہو سکتی ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ امام بخاریؒ کی اس جرح کی اہمیت اور شدت اگر ہے بھی تو وہ صرف امام بخاریؒ کے نزدیک ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ راوی دیگر ائمہ حدیث کے نزدیک بھی ضعیف ہو، بلکہ ایسا راوی دوسرے ائمہ حدیث کے نزدیک ثقہ ہو سکتا ہے، اس کا کچھ نمونہ درج بالا مثالوں میں آپ نے ملاحظہ کر لیا ہے، نیز یہ بات غیر مقلدین حضرات بھی تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ مولانا نذیر احمد رحمانی صاحبؒ (م ۱۳۸۵ھ) لکھتے ہیں:

ان الفاظ جرح کی شدت اور اہمیت امام بخاریؒ کے نزدیک ہے، دوسرے محدثین کے نزدیک ان الفاظ کی یہ حیثیت نہیں ہے۔[۳]

---

[۱] ایضاً (۱۸: ۴۱۰)

[۲] رفع یدین اور آمین (ص ۱۲۲، ۱۲۳)، تحفۃ الاحوذی (۳: ۵۲۵)، تعداد تراویح (ص ۳۴)، القول المقبول (ص ۴۲)

[۳] انوار المصابیح (۲۳۵)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

نیز رحمانی صاحب "امام سخاویؒ" (م ۹۰۲ھ) کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"فِيْهِ نَظَرٌ" اور "سَكَتُوْا عَنْهُ" کو سخت الفاظ میں شمار کرنا خاص کرانہی کے اعتبار سے ہے، اور اس کے ساتھ اس تعبیر میں چشم پوشی اور درگزر بھی ہے۔[۱]

اور آخر میں لکھتے ہیں: اس سے یہ بات خود ہی ثابت ہو جاتی ہے کہ ایسے راوی بھی ہیں جن کے حق میں امام بخاریؒ نے "فِيْهِ نَظَرٌ" یا "سَكَتُوْا عَنْهُ" کہا ہے، مگر دوسرے ناقدین کے نزدیک وہ معتبر ہیں، بلکہ خود امام بخاریؒ کے نزدیک بھی یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر ایسا راوی بالکل ناکارہ ہی ہو۔[۲]

لہٰذا جب غیر مقلدین کو یہ دونوں باتیں تسلیم ہیں، تو پھر اگر امام بخاریؒ (م ۲۵۶ھ) نے حماد بن شعیبؒ کے بارے میں "فِيْهِ نَظَرٌ" کہا بھی ہے، تو پھر بھی جب دیگر محدثین امام ابن عدیؒ (م ۳۶۵ھ)، امام ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ)، امام حاکمؒ (م ۴۰۵ھ) اور امام خلیلیؒ (م ۴۴۶ھ) وغیرہ نے اس کی توثیق کی ہے، اور امام ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) امام ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ)، امام ترمذیؒ (م ۲۷۹ھ) اور امام بیہقیؒ (م ۴۵۸ھ) وغیرہ نے اس کی روایت کو قابلِ استدلال سمجھا ہے تو انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ غیر مقلدین حضرات اپنے بیان کردہ اصولوں کی روشنی میں حماد بن شعیبؒ کی مذکورہ روایت کو بھی تسلیم کرلیں اور اس کو ناکارہ راوی کہنا چھوڑ دیں۔

ثانیاً: اگر تسلیم بھی کرلیا جائے کہ حماد بن شعیبؒ ضعیف راوی ہے، اور اس کی وجہ سے یہ روایت بھی ضعیف ہے، تو پھر بھی یہ مضر نہیں کیونکہ اس روایت کو عطاء بن سائبؒ (م ۱۳۶ھ) سے حمادؒ کے علاوہ محمد بن فضیلؒ (م ۱۹۵ھ) جو ثقہ راوی ہیں[۳]۔ نے بھی

---

[۱] ایضاً (ص ۲۳۶)

[۲] ایضاً (ص ۲۴۰)

[۳] تھذیب التھذیب (۵:۲۵۹)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

نقل کیا ہے، جب کہ محمد بن فضیلؒ سے اس روایت کو امام ابوبکر بن ابی شیبہؒ (م ۲۳۵ھ) جو نہایت ثقہ اور امام المحدثین ہیں، نے روایت کیا ہے[۱] حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) نے محمد بن فضیلؒ کی عطاء بن سائبؒ سے روایت کردہ ایک حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔[۲]

---

[۱] امام ابوبکرؒ فرماتے ہیں: حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَلِيٍّ: أَنَّهُ قَامَ بِهِمْ فِي رَمَضَانَ۔ مصنف ابن ابی شیبۃ (۲:۲۸۷)
مصنف کے مطبوعہ نسخے میں یہ متن صرف اتنا ہی ذکر ہے، اس میں رکعات کی تعداد مذکور نہیں ہے۔
لیکن امام ابن عبدالبرؒ (م ۴۶۳ھ) نے امام ابوبکرؒ کے حوالہ سے رکعات کی تعداد بھی نقل کی ہے۔ چنانچہ آں موصوف بیس رکعات تراویح کی روایات ذکر کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:
"وَذَكَرَهُ أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ: عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ عَنْ عَلِيٍّ۔ الاستذکار (۲:۷۰)
یعنی امام ابوبکر بن ابی شیبہؒ نے بھی یہ بیس رکعات اپنی مذکورہ سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہیں۔
اس لیے ممکن ہے کہ ان کے پاس موجود "مصنف" کے نسخہ میں یہ متن پوری طرح مذکور ہو۔ علامہ ابن حزم ظاہریؒ (م ۴۵۶ھ) نے اسی طرح امام ابوبکر بن ابی شیبہؒ سے ایک حدیث روایت کی ہے، جس کا وہ مذکورہ متن پوری طرح مصنف کے مطبوعہ نسخوں میں موجود نہیں ہے۔ اس کے باوجود مولانا بدیع الدین راشدی (م ۱۴۱۶ھ) نے اس سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے:
اگر کوئی کہے کہ المحلی والی روایت بحوالہ ابن ابی شیبہ ہے، اور "مصنف ابن ابی شیبہ" میں پہلی بار یعنی تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کا ذکر نہیں ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام ابن حزم نقل کرنے میں ثقہ اور معتبر ہیں، بعید نہیں کہ اس کے نسخہ میں یہ الفاظ ہوں، نسخوں کا اختلاف ہو سکتا ہے، اس لیے یہ کوئی اعتراض نہیں ہے۔ مقالاتِ راشدیہ (۱۰:۹۱)
بنابریں امام ابن عبدالبرؒ جو ابن حزمؒ سے بھی زیادہ ثقہ اور قابل اعتماد ہیں، وہ جب اس روایت کو بحوالہ ابن ابی شیبہ، بیس رکعات کے ساتھ نقل کر رہے ہیں، تو بعید نہیں کہ یہ روایت اسی طرح ان کے نسخہ میں ہو، اور پھر ہم تو اس سے استدلال بھی نہیں کر رہے، بلکہ صرف حماد بن شعیبؒ کی روایت کی متابعت میں ذکر کر رہے ہیں، لہٰذا اس پر کوئی اعتراض نہیں بنتا۔
[۲] فتح الباری (۱۱:۴۷۵)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

نیز محمد بن فضیل کے طریق کے علاوہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیس رکعات والی روایت دیگر کئی طُرق سے بھی مروی ہے، کَمَاسَیَاتِیْ تَفْصِیْلُھَا، اور یہ طُرق حمادؒ کی اس روایت کے لیے مؤید ہیں جس کی وجہ سے حمادؒ والی روایت کا ضعف ختم ہو جاتا ہے۔

غیر مقلد محقق شیخ ناصر الدین البانیؒ (م ۱۴۲۰ھ) نے بھی حماد بن شعیبؒ کی ایک حدیث کو اس کے مضمون کی ایک دوسری حدیث سے مؤید ہونے کی وجہ سے صحیح قرار دیا ہے۔ چنانچہ البانیؒ حمادؒ کی روایت کردہ حدیث کو "احادیث صحیحہ" میں شمار کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"وَهٰذَا اِسْنَادٌ ضَعِيْفٌ، اَبُو الزُّبَيْرِ مُدَلِّسٌ، وَقَدْ عَنْعَنَه، وَحَمَّادٌ ضَعِيْفٌ... قُلْتُ: لٰكِنْ هٰذَا قَدْ تُوْبِعَ عَلَيْهِ۔"

"اس حدیث کی سند ضعیف ہے، ابوالزبیرؒ مدلس ہے، اور اس نے اس حدیث کو عَنْ سے بیان کیا ہے، جبکہ حماد بن شعیبؒ ضعیف ہے... میں (البانیؒ) کہتا ہوں: لیکن اس حدیث کی متابعت کی گئی ہے۔"

اور پھر انہوں نے اس کی تائید میں ایک حدیث ذکر کی ہے۔[۱]

مولانا ارشاد الحق اثری نے بھی البانیؒ کی تائید کی ہے۔[۲]

علاوہ ازیں متعدد علمائے غیر مقلدین نے تصریح کی ہے کہ جس ضعیف روایت کی تائید اس کے دیگر طُرق سے ہو جائے تو وہ اپنے مؤیدات کی وجہ سے قوی ہو جاتی ہے۔

مثلاً مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ (م ۱۳۵۳ھ) ایک ضعیف روایت سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"هٰذَا الْحَدِيْثُ وَاِنْ كَانَ ضَعِيْفًا لٰكِنَّهٗ مُنْجَبَرٌ بِتَعَدُّدِ طُرُقِه "۔[۳]

"یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے، لیکن اس کا ضُعف اس کے دیگر طُرق سے اٹھ گیا ہے۔"

---

[۱] سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ (۵: ۴۸۳، ح ۲۳۶۸)

[۲] مقالات (۲: ۲۸۰)

[۳] ابکار المنن (ص ۱۸۶)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

مولانا محمد گوندلوی صاحبؒ (م ۱۴۰۵) لکھتے ہیں:

یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے مگر کثرت طرق سے اس کا ضُعف جاتا رہا۔[۱]

زبیر علی زئی ایک روایت (جس کے دو راوی انتہائی ضعیف ہیں) کو قابل استدلال قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

اصول حدیث کا یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ جو روایت شواہد کے ساتھ صحیح ثابت ہو جائے اسے صحیح ہی تسلیم کیا جاتا ہے۔[۲]

اب غیر مقلدین خود ہی از رُوِ انصاف بتلائیں کہ کیا حماد بن شعیبؒ اتنا ہی ضعیف راوی ہے کہ متعدد طرق و بکثرت شواہد سے بھی اس کی روایت کا ضُعف ختم نہیں ہو سکتا؟

ع بندہ پرور منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر

اعتراض ثانی:

اس روایت کا دوسرا راوی عطاء بن سائبؒ آخر عمر میں اختلاط (بدماغی) کے عارضہ میں مبتلا ہو گیا تھا، اور جن راویوں نے اس سے قبل الاختلاط روایت کی ہے، ان میں حماد بن شعیبؒ کا نام نہیں ہے۔ لہٰذا یہ روایت عطاء سے بعد الاختلاط مروی ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔[۳]

جواب:

عطا بن السائبؒ (م ۱۳۶ھ) اگرچہ آخر عمر میں عارضہ اختلاط میں مبتلا ہو گئے تھے، لیکن وہ اتنے مختلط نہیں ہوئے تھے کہ ان کی احادیث ضعیف قرار پائیں، بلکہ اختلاط کے باوجود ان

---

[۱] خیر الکلام (ص ۴۵۲)

[۲] تسہیل الوصول (ص ۱۹۷)

[۳] مجلہ انوار المصابیح (ص ۲۸۸، ۲۸۹)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کی احادیث عند المحدثین کم از کم حسن ضرور ہیں۔ چنانچہ امام ہیثمیؒ (م ۸۰۷ھ) ان کی ایک روایت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"وَفِيْهِ عَطَاءُ بْنُ السَّائِبِ، وَفِيْهِ كَلَامٌ وَهُوَ حَسَنُ الْحَدِيْثِ۔"[۱]

"اس روایت میں عطا بن سائبؒ ہیں، اگرچہ (اختلاط کی وجہ سے) ان میں کلام ہے، لیکن اس کے باوجود ان کی حدیث حسن ہے۔"

امام ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

"تَابِعِيٌّ مَشْهُوْرٌ حَسَنُ الْحَدِيْثِ"۔[۲]

"کہ یہ مشہور تابعی اور حسن الحدیث راوی ہیں۔"

نیز امام ذہبیؒ ان کو "مقارب الحدیث" قرار دیتے ہیں۔[۳]

امام حاکم نیشاپوریؒ (م ۴۰۵ھ) نے عطاءؒ کی ایک روایت جس کو ان سے جریر بن عبدالحمیدؒ (م ۱۸۷ھ) نے نقل کیا ہے، کو "صحیح الاسناد" کہا ہے۔[۴]

حالانکہ جریرؒ کا عطاءؒ سے سماع بعد از اختلاط ہے۔[۵]

اس سے معلوم ہوا کہ امام حاکمؒ کے نزدیک عطاء بن سائب اختلاط کے بعد بھی صحیح الحدیث ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) بحوالہ امام ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ) عطاءؒ کے بارے میں لکھتے ہیں:

---

[۱] مجمع الزوائد (۳۵:۳)

[۲] المغنی فی الضعفاء (۵۹:۲)

[۳] ذیل دیوان الضعفاء والمتروکین (ص ۴۸)

[۴] المستدرک (۳۴۸:۱)

[۵] تدریب الراوی (۴۲۳:۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

"وَكَانَ اخْتَلَطَ بِآخِرِهٖ وَلَمْ يَفْحَشْ حَتّٰى يَسْتَحِقَّ اَنْ يَّعْدِلَ بِهٖ عَنْ مَسْلَكِ الْعُدُوْلِ۔"[۱]

"عطاء بن سائبؒ اگرچہ آخر عمر میں عارضہ اختلاط میں مبتلا ہو گئے تھے (لیکن) وہ اتنے فاحش اور زیادہ مختلط نہیں ہوئے کہ وہ اختلاط کی وجہ سے عادل اور ثقہ راویوں کی راہ سے تجاوز کر جائیں۔"

نیز امام ابن حبانؒ نے اپنی صحیح (جس کے بارے میں علمائے غیر مقلدین کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ اس میں صحت کا التزام کیا گیا ہے) میں شعبہؒ، سفیان ثوریؒ، زہیر بن معاویہؒ، زائدہؒ، ایوبؒ، حماد بن سلمہؒ اور حماد بن زیدؒ (جن کے متعلق غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کہ صرف انہوں نے عطاء بن سائبؒ سے ان کے اختلاط سے پہلے سنا ہے) کے علاوہ عطاءؒ کے دیگر تلامذہ مثلاً: جریر بن عبد الحمیدؒ، عمر بن عبید طنافسیؒ، عبد الرحمٰن بن حمید رؤاسیؒ، فضیل بن عیاضؒ، عمران بن عیینہؒ، خالد بن عبد اللہ طحانؒ، زید بن ابی انیسہؒ، عبد السلام بن حربؒ، محمد بن فضیل، عبیدہ بن حمیدؒ، اور عبد الحمید بن جعفرؒ کی ان سے روایت کردہ احادیث کی تخریج کی ہے۔[۲]

امام مسلمؒ (م۲۶۱ھ) نے بھی عطاء بن سائبؒ کو "مقدمہ مسلم" میں اُن قابل اعتماد اور طبقہ ثانی کے راویوں میں شمار کیا ہے کہ جن سے امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں روایات لی ہیں۔[۳]

اسی طرح امام ابو حاتم رازی (م۲۷۷ھ) کے نزدیک بھی عطاءؒ قابل اعتبار راوی

---

[۱] تھذیب التھذیب (۴:۱۳۱) نیز دیکھئے کتاب الثقات (۷:۲۵۱) طبع دار الفکر بیروت

[۲] دیکھئے بالترتیب الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، رقم الحدیث (۴۸۹، ۵۰۵، ۱۱۸۸، ۱۵۷۲، ۳۸۳۹، ۴۶۱۹، ۵۲۵۳، ۶۰۷۱، ۵۶۳۱، ۶۵۲۰، ۷۰۴۳، ۷۴۰۶، ۷۴۷۹)

[۳] مقدمۃ صحیح مسلم (۱:۳)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ہیں، چنانچہ انہوں نے ابراہیم بن مہاجرؒ[۱]، حصین بن عبدالرحمٰنؒ[۲] اور عطاء بن سائبؒ کو برابر قرار دیا ہے، اور ان کے بارے میں فرمایا:

”مَحَلُّهُمْ مَحَلُّ الصِّدْقِ، يُكْتَبُ حَدِيثُهُمْ وَلَا يُحْتَجُّ بِهِمْ “۔[۳]

”یہ تینوں سچے راوی ہیں، اور ان کی حدیث لکھی جاتی ہے، البتہ ان سے حجت نہیں پکڑی جاتی۔“

مولانا ارشاد الحق اثری امام ابو حاتمؒ کے اس بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”لَا يُحْتَجُّ“ کے الفاظ راوی کے صدوق ہونے کے منافی نہیں، جس کی روایت حسن درجہ سے کم نہیں۔[۴]

نیز فرماتے ہیں: خلاصۃ المرام راوی کا (ابو حاتمؒ کے نزدیک) ”لَيْسَ بِحُجَّة“ ہونا اس کے صدوق بلکہ ثقہ ہونے کے منافی نہیں۔[۵]

مولانا محب اللہ راشدی (م ۱۴۱۵ھ) لکھتے ہیں: حجۃ ہونے کی نفی سے ثقاہت کی نفی لازم نہیں آتی۔[۶]

---

[۱] مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں: امام ابن ابی حاتمؒ نے ابراہیمؒ بن مہاجر کے ترجمہ میں لکھا ہے، امام ابو حاتم نے کہا ہے کہ ابراہیمؒ حصین بن عبدالرحمٰن اور عطاءؒ بن سائبؒ برابر ہیں... توضیح الکلام (۱:۲۳۰)

[۲] مولانا محمد گوندلویؒ اس کی ایک روایت سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس کی سند میں حصین ہے، جس پر بعض نے کلام کیا ہے، مگر حافظ ابن حجر نے کہا ہے: ثقہ ہے۔ تقریب ص ۵۹۔ امام احمد نے کہا: ثقہ ہے۔

ابو زرعہ کہتے ہیں: میں اللہ کی قسم کرتا ہوں کہ حجت ہے... خیر الکلام (ص ۲۳۷)

[۳] الجرح والتعدیل (۱:۱۳۳)

[۴] توضیح الکلام (۱:۲۳۰)

[۵] ایضاً (۱:۲۲۹)

[۶] فتاوی راشدیہ (ص ۳۷۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اور چونکہ امام ابو حاتمؒ نے عطاء بن سائبؒ کے بارہ میں "محل الصدق" اور "یُکْتَبُ حَدِیْثُهٗ" فرمایا ہے، جو باقرار غیر مقلدین الفاظ تعدیل میں سے ہیں، لہٰذا امام ابو حاتمؒ کا ان کے بارے میں "لَا یُحْتَجُّ" فرمانا مضر نہیں، اور یہ عطاءؒ کے ثقہ اور صدوق ہونے کے منافی نہیں۔

نیز محدث کبیر امام بخاریؒ (م ۲۵۶ھ) نے اپنی صحیح میں عطاءؒ کی ایک متابعت والی روایت ذکر فرمائی ہے، حالانکہ اس روایت کو عطاءؒ سے نقل کرنے والے ھشیمؒ بن بشیرؒ (م ۱۸۳ھ) ہیں۔ [۱] جن کا عطاء سے سماع عطاءؒ کے زمانۂ اختلاط کا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) نے صحیح بخاری میں موجود عطاء بن سائبؒ کی اس روایت کے ذیل میں لکھا ہے:

"وَسَمَاعُ هُشَيْمٍ مِنْهُ بَعْدَ اِخْتِلَاطِهٖ"۔ [۲]

"ہشیمؒ نے عطاء بن سائبؒ سے ان کے اختلاط کے بعد سماع کیا ہے"

اب جب کہ عطاء بن سائبؒ کی حالتِ اختلاط والی روایت صحیح بخاری میں بھی موجود ہے، اور باقرار غیر مقلدین "صحیح بخاری" میں مختلط راویوں کی جتنی روایات موجود ہیں وہ سب صحیح ہیں۔

چنانچہ مولانا ارشاد الحق اثری صاحب ایسے راویوں کی روایات کے متعلق لکھتے ہیں:

ان کی روایات (صحیح بخاری) میں موجود ہیں، مگر ہم نے بحمد اللہ یہ ثابت کیا ہے کہ یہ روایات صحیح ہیں، اور صحیح بخاری کی صحت پر ان روایات کی وجہ سے کوئی

---

[۱] صحیح البخاری، رقم الحدیث (۶۵۷۸) "تدریب الراوی" (۱: ۳۲۴)

[۲] فتح الباری (۱۱: ۵۷۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

فرق نہیں آتا۔[۱]

نیز حافظ زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

جس راوی سے بخاری ومسلم استشہاد کریں وہ ان کے نزدیک ثقہ وصدوق ہوتا ہے۔[۲]

بنابریں عطاء بن سائبؒ سے بھی امام بخاریؒ کا استشھاد کرنا (یعنی متابعت میں روایت لینا) ان کے ثقہ ہونے کی دلیل ہے۔

پس جب محدثین (امام ہیثمیؒ، امام حاکمؒ، حافظ ذہبیؒ، حافظ ابن حجرؒ، امام ابوحاتمؒ اور امام بخاریؒ وغیرہ) کے نزدیک بھی عطاء بن سائبؒ کی اختلاط والی روایات صحیح ہیں، اور ان کی صحت کا خود غیر مقلدین کو بھی اقرار ہے تو پھر اس کی مذکورہ روایت جس کی تائید حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دیگر روایات سے بھی ہو رہی ہے وہ کیونکر صحیح نہیں ہوگی؟

ثانیاً: جن محدثین کے نزدیک عطاء بن سائبؒ کی روایات اُن کے اِختلاط کیوجہ سے قابل حجت نہیں ہیں، وہ بھی ان کے قدیم تلامذہ کی ان سے روایات کردہ احادیث کو صحیح قرار دیتے ہیں، مثلاً نامور محدث امام دارقطنیؒ (م ۳۸۵ھ) لکھتے ہیں:

”وَعَطَاءٌ اخْتَلَطَ، وَلَمْ يُخْرِجُوا عَنْ عطاءٍ، وَلَا يُحْتَجُّ مِنْ حَدِيْثِهِ إِلَّا بِمَارَوَاهُ الْاَكَابِرُ: شُعْبَةُ، وَالثَّوْرِيُّ، وَوُهَيْبٌ وَنُظَرَاؤُهُمْ، وَامَّا ابْنُ عُلَيَّةَ، وَالْمُتَأَخِّرُوْنَ فَفِيْ حَدِيْثِهِمْ عَنْهُ نَظَرٌ“۔[۳]

”عطاء بن سائبؒ اِختلاط کا شکار ہو گئے تھے، محدثین ان کی حدیث کی تخریج نہیں کرتے، اور نہ ہی ان کی حدیث سے حُجت پکڑی جاتی ہے، سوائے ان کی اُس

---

[۱] توضیح الکلام (۲:۴۷۰)

[۲] نصر الباری (ص ۱۹۷)

[۳] کتاب العلل (۵:۳۵۶)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

حدیث کے جس کو ان سے ان کے بڑے (قدیم) تلامذہ: شعبہؒ، ثوریؒ، وہیبؒ اور ان کے ہم مثل حضرات روایت کرتے ہیں۔ باقی رہے اسماعیل بن عُلَیہ وغیرہ ان کے متأخرین تلامذہ تو ان کی ان سے روایت کردہ حدیث میں نظر (ضُعف) ہے"

اس سے ثابت ہوا کہ امام سفیان ثوریؒ (م ۱۶۱ھ) وغیرہ عطاؒ کے قدیم تلامذہ کی ان سے روایت کردہ احادیث ان کے اختلاط سے پہلے کی ہیں۔ اور قابل حجت ہیں۔ اسی طرح حماد بن شعیبؒ بھی عطاءؒ کے قدیم تلامذہ میں سے ہیں۔ اور وہ امام سفیان ثوریؒ کے ہم طبقہ ہیں۔ چنانچہ امام بخاریؒ وغیرہ محدثین کے استاذ امام ابن زنجویہؒ (م ۲۵۱ھ) نے حمادؒ کو امام ثوریؒ کے ہم طبقہ محدثین میں شمار کیا ہے۔[۱]

لہٰذا حمادؒ کی بھی عطاءؒ سے روایت کردہ احادیث صحیح اور ان کے قبل از اِختلاط کی ہیں۔

ثالثاً: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیس تراویح اس روایت کے علاوہ دیگر روایات میں بھی مروی ہیں، جو کہ عطاء بن سائبؒ کی مذکورہ روایت کے لیے مؤید ہیں۔ اور اصول حدیث میں یہ طے شدہ ہے کہ مختلط راوی کی متابعت اور تائید جب کسی دوسری روایت سے ہو جائے تو پھر مختلط سے مروی روایت معتبر اور قابل حجت سمجھی جاتی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

"وَمَتَى تُوبِعَ السَّيِّئُ الْحِفْظِ بِمُعْتَبَرٍ كَأَنْ يَكُونَ فَوْقَهُ أَوْ مِثْلَهُ لَا دُونَهُ، وَكَذَا الْمُخْتَلِطُ الَّذِي لَا يَتَمَيَّزُ، وَالْمَسْتُورُ، وَالْإِسْنَادُ الْمُرْسَلُ، وَكَذَا الْمُدَلَّسُ إِذَا لَمْ يُعْرَفِ الْمَحْذُوفُ مِنْهُ صَارَ حَدِيثُهُمْ حَسَنًا لَا لِذَاتِهِ بَلْ وَصْفُهُ بِاعْتِبَارِ الْمَجْمُوعِ"۔[۲]

جب "سیئ الحفظ" راوی کی متابعت اور تائید کسی معتبر راوی سے ہو جائے جو مرتبہ میں

---

[۱] طبقات الفقہاء والمحدثین (ص ۱۷۷، ۱۷۸)

[۲] نزھۃ النظر "شرح نخبۃ الفکر" (ص ۹۱) طبع فاروقی کتب خانہ ملتان

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اس سے بہتر یا برابر ہو، کم نہ ہو، اسی طرح ”مختلط راوی“ جو اپنی روایات میں تمیز نہ کر سکے۔ اسی طرح مستور کی جب متابعت ہو جائے، یا مرسل روایت، یا ایسی سند جس میں کوئی مدلس راوی ہو، اور اس میں محذوف راوی معلوم نہ ہو، لیکن اس کی تائید دوسری روایت سے ہوتی ہو۔ تو ان سب کی روایت حسن ہو جائے گی، اپنی ذات کیوجہ سے نہیں، بلکہ مجموعی اعتبار سے۔“

مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ (م ۱۳۲۹ھ) نے اس حوالہ کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

اور ایسا ہی ہے شرح الفیہ عراقی اور مقدمہ شیخ عبدالحق دہلوی وغیرہ میں۔ [۱]

نیز لکھتے ہیں:

متابعت تامہ اور متابعت قاصرہ دونوں معتبر ہیں اصول حدیث میں۔ [۲]

اور ایسی حدیث جو دیگر روایات سے مؤید ہو کر حسن کہلاتی ہے، اس کو محدثین کی اصطلاح میں ”حسن لغیرہٖ“ کہا جاتا ہے۔

علامہ شوکانیؒ (م ۱۲۵۰ھ) نے تصریح کی ہے کہ ایسی ”حسن لغیرہٖ“ روایت عندالجمہور حجت ہے، چنانچہ وہ ایک حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

”وَبِهٰذَا تَعْرِفُ اَنَّ الْحَدِيْثَ مِنْ قِسْمِ الْحَسَنِ لِغَيْرِهٖ، وَهُوَ مُحْتَجٌّ بِهٖ عِنْدَ الْجُمْهُوْرِ“۔ [۳]

”اس تفصیل سے آپ نے جان لیا کہ یہ حدیث ”حسن لغیرہٖ“ کی اقسام میں سے ہے، اور ”حسن لغیرہٖ“ روایت جمہور محدثین کے نزدیک حجت ہے۔“

مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ (م ۱۳۲۹ھ) ایک حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

اب یہ حدیث حسن لغیرہ ہوگئی، اور قابل حجت کے ٹھہری۔ [۴]

---

[۱] مجموعہ مقالات وفتاوی (ص ۳۵۱)

[۲] ایضاً (ص ۲۴۷)

[۳] نیل الاوطار (۲: ۹۲۰)

[۴] مجموعہ مقالات وفتاوی مولانا شمس الحق عظیم آبادی (ص ۳۶۶)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

مولانا ارشاد الحق اثری نے بھی تصریح کی ہے کہ:

حسن لغیرہ استدلال کے لیے کافی ہے۔[۱]

بلکہ نواب صدیق حسن خانؒ (م ۱۳۰۷ھ) نے تو تصریح کی ہے کہ: حسن لغیرہ کو لینا اجماعی مسئلہ ہے۔[۲]

اور خود علمائے غیر مقلدین کے نزدیک بھی مختلط کی روایت متابعت اور تائید کی صورت میں حجت ہے۔ چنانچہ مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوریؒ (م ۱۳۵۳ھ) ایک مختلط راوی کی روایت سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وَاَمَّا اخْتِلَاطُهٗ قَبْلَ مَوْتِهٖ بِقَلِيْلٍ، كَمَا قَالَهُ الْحَافِظُ فِي التَّقْرِيْبِ، فَيَقْتَضِيْ اَنْ يَّكُوْنَ حَدِيْثُهٗ ضَعِيْفًا مَالَمْ يَثْبُتْ اَنَّهٗ رَوَاهُ قَبْلَ اخْتِلَاطِهٖ لٰكِنَّهٗ قَدْ شَهِدَهٗ حَدِيْثُ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ وَهُلْبِ الطَّائِيِّ۔''[۳]

''رہا اس کو موت سے تھوڑا عرصہ پہلے اختلاط ہونا جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے ''تقریب التھذیب'' میں فرمایا ہے، تو اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس کی روایت ضعیف ہو، جب تک کہ یہ ثابت نہ ہو جائے کہ اس نے یہ حدیث اختلاط سے پہلے بیان کی ہے، لیکن اس کے لیے وائل بن حجر اور ھلب طائی کی احادیث شاہد ہیں۔''

مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں:

مبارکپوری صاحب ابو اسحاق کو مختلط لکھتے ہیں، لیکن طحاوی میں ابو اسحاق کا متابع موجود

---

[۱] مقالات (۲:۲۵۱)

[۲] فتاویٰ نواب صدیق حسن (۵:۲۰۵)

[۳] ابکار المنن (ص ۱۱۵)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ہے۔لہٰذا ابواسحاق پر اعتراض فضول ہے۔[۱]

پس جب مختلط کی روایت متابعت اور تائید کی صورت میں خود غیر مقلدین کے نزدیک بھی معتبر ہے، تو پھر عطاء بن سائبؒ کی اس متابعت والی روایت پر ان کا اعتراض فضول ہے۔اور یہ روایت بالکل صحیح ہے۔

اب اس روایت کے دیگر راویوں کا حال ملاحظہ ہو۔

(۱) امام بیہقیؒ (م ۴۵۸ھ) جو ثقہ امام ہیں۔اور ان کی توثیق پہلے گزر چکی ہے۔

(۲) ابوالحسین محمد بن حسین بن فضل قطان بغدادیؒ (م ۴۱۵ھ): امام بیہقیؒ (م ۴۵۸ھ)، علامہ خطیب بغدادیؒ (م ۴۶۳ھ) وغیرہ محدثین کے استاذ اور ثقہ محدث ہیں۔علامہ خطیبؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے ان سے احادیث لکھی ہیں، اور یہ ثقہ ہیں۔[۲]

حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) ان کا تعارف: الشیخ، العالم الثقۃ، المسند کے القاب سے بیان کرتے ہیں، اور ان کے متعلق لکھتے ہیں:

''وَھُوَ مُجْمَعٌ عَلَی ثِقَتِہٖ''[۳]

''کہ ان کے ثقہ ہونے پر (محدثین کا) اجماع ہے۔''

(۳) محمد بن احمد بن عیسیٰ بن عبدک رازیؒ (م ۳۴۸ھ): امام دارقطنیؒ (م ۳۸۵ھ) وغیرہ محدثین کے استاذ ہیں۔علامہ خطیبؒ (م ۴۶۳ھ) ان کو ثقہ بتلاتے ہیں۔[۴]

(۴) ابو عامر عمرو بن تمیم: حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) نے محمد بن اسماعیل ابوالحسین

---

[۱] توضیح الکلام (۱: ۵۱۴، ۵۱۵)

[۲] تاریخ بغداد (۲: ۲۴۶)

[۳] سیر اعلام النبلاء (۱۷: ۳۳۱)

[۴] دیکھئے تاریخ بغداد (۱: ۳۴۳، ۳۴۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

رازیؒ (م بعد ۳۵۰ھ) کے ترجمہ میں علامہ خطیبؒ (م ۴۶۳ھ) کے حوالہ سے ان کو ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔[۱]

⑤ احمد بن عبد اللہ بن یونسؒ (م ۲۲۷ھ): امام احمد بن حنبلؒ (م ۲۴۱ھ) ان کو شیخ الاسلام کہتے ہیں، امام ابو حاتمؒ (م ۲۷۷ھ) فرماتے ہیں: یہ ثقہ اور متقن (پختہ کار) محدث ہیں۔ امام نسائیؒ (م ۳۰۳ھ) اور امام ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ) فرماتے ہیں: یہ ثقہ ہیں، امام ابن سعدؒ (م ۲۳۰ھ) اور امام عجلیؒ (م ۲۶۱ھ) ان کو ثقہ اور صاحب السنۃ والجماعۃ فرماتے ہیں، امام ابن قانعؒ (م ۳۵۱ھ) فرماتے ہیں: یہ ثقہ، قابل اعتماد اور پختہ کار ہیں۔ امام ابو حاتمؒ (م ۲۷۷ھ) فرماتے ہیں کہ یہ کوفہ کے صالحین اور اہل سنت میں سے ہیں۔[۲]

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) ان کے بارے میں لکھتے ہیں: ثقۃ حافظ[۳] کہ یہ ثقہ حافظ الحدیث ہیں۔

⑥ حماد بن شعیبؒ اور ⑦ عطاء بن سائبؒ کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے۔

⑧ ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ بن حبیب سُلمیؒ (م ۸۵ھ): ثقہ تابعی ہیں، امام عجلیؒ (م ۲۶۱ھ) ان کے بارے میں فرماتے ہیں: تَابِعِيٌّ ثِقَةٌ۔[۴] "کہ یہ ثقہ تابعی ہیں"۔ امام نسائیؒ (م ۳۰۳ھ) بھی ان کو ثقہ کہتے ہیں، محمد بن عمیرؒ فرماتے ہیں کہ: یہ ثقہ اور کثیر الحدیث ہیں۔ علامہ ابن عبد البرؒ (م ۴۶۳ھ) فرماتے ہیں کہ یہ تمام محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں، امام بخاریؒ (م ۲۵۶ھ) اپنی کتاب "التاریخ الکبیر" میں لکھتے ہیں کہ: انہوں نے حضرت علی، حضرت عثمان اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے سماعت حدیث کی ہے، علامہ واقدیؒ (م ۲۰۷ھ) لکھتے ہیں کہ جنگ صفین

---

[۱] لسان المیزان (۸۹:۵)

[۲] "تھذیب الکمال" (۱۸۴:۱)، "تھذیب التھذیب" (۳۶،۳۵:۱)

[۳] تقریب التھذیب (۳۹:۱)

[۴] تاریخ الثقات (ص ۲۵۳ تا ۷۹۳) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

میں یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک تھے۔[۱]

⑨ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ: خلیفہ راشد اور داماد رسول ﷺ ہیں۔ الغرض یہ روایت بالکل صحیح اور متصل السند ہے۔

روایت نمبر ۱۱:

امام ابو بکر بن ابی شیبہؒ (م ۲۳۵ھ) فرماتے ہیں:

''حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ حَسَنِ بْنِ صَالِحٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ قَيْسٍ، عَنْ أَبِي الْحَسْنَاءِ، أَنَّ عَلِيًّا أَمَرَ رَجُلًا يُصَلِّي بِهِمْ فِي رَمَضَانَ عِشْرِينَ رَكْعَةً''۔[۲]

''ہم سے وکیع بن جراحؒ نے بیان کیا ہے، وہ عمرو بن قیسؒ سے روایت کرتے ہیں، وہ حضرت ابو الحسناءؒ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم فرمایا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت (تراویح) پڑھائے۔[۳]

اس روایت پر بھی غیر مقلدین نے دو اعتراضات کیے ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس روایت کو نقل کرنے والے ابو الحسناءؒ مجہول ہیں، حافظ ابن حجرؒ نے ان کو مجہول اور حافظ ذہبیؒ اور علامہ نیمویؒ نے لَا یُعْرَفُ کہا ہے۔ دوسرا یہ کہ

---

[۱] ''تھذیب الکمال'' (۱۰:۸۰)، ''تھذیب التھذیب'' (۳:۱۲۲)

[۲] مصنف ابن ابی شیبہ (۲:۲۸۵)

[۳] اس روایت کے پہلے راوی حضرت وکیعؒ کا تذکرہ روایت نمبر ۱ میں، اور حسن بن صالحؒ کا تذکرہ روایت نمبر ۳ میں گزر چکا ہے۔ تیسرے راوی عمرو بن قیس الملائیؒ بھی ثقہ ہیں۔ امام احمدؒ، امام ابن معینؒ، امام ابو حاتمؒ، امام نسائیؒ، امام ابو زرعہؒ، امام ثوریؒ امام عجلیؒ، امام ترمذیؒ اور امام ابن حبانؒ وغیرہ سب محدثین ان کو ثقہ بتلاتے ہیں۔ دیکھئے تھذیب التھذیب (۴:۳۷۵) حافظ ابن حجرؒ ان کے متعلق لکھتے ہیں: ثِقَةٌ عَابِدٌ مُتْقِنٌ۔ تقریب التھذیب (۱:۴۴۷) کہ یہ ثقہ، عبادت گزار اور پختہ کار محدث ہیں۔ چوتھے راوی ابو الحسناءؒ کا ترجمہ اوپر کتاب میں مذکور ہے۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ابوالحسناء کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات بھی ثابت نہیں۔لہذا یہ روایت منقطع بھی ہے۔[۱]

جواب:

غیر مقلدین کے یہ دونوں اعتراضات باطل ہیں۔

اوّل:اس لیے کہ ابوالحسناءؒ سے دو ثقہ راوی عمرو بن قیس (م ۱۴۶ھ) اور ابوسعد البقالؒ (م بعد ۱۴۰ھ) یہ روایت نقل کر رہے ہیں، اور روایت نمبر ۶ کے ذیل میں ابوعثمان بصریؒ (م ۳۳۴ھ) کے تذکرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے کہ جس راوی سے ایک سے زائد راوی روایت کرنے والے ہوں اس کی جہالت ختم ہو جاتی ہے، اور اس کو مجہول نہیں کہا جاتا۔

البتہ جس راوی سے دو یا دو سے زیادہ راوی روایت کریں، اور اس کے بارے میں کسی سے توثیق منقول نہ ہو تو ایسے راوی کو مستور یا مجہول الحال کہتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

"مَنْ رَوٰى عَنْهُ اَكْثَرُ مِنْ وَّاحِدٍ وَلَمْ يُوَثَّقْ، وَاِلَيْهِ الْاِشَارَةُ بِلَفْظِ مَسْتُوْرٍ اَوْ مَجْهُوْلِ الْحَالِ۔"[۲]

"جس راوی سے آگے ایک سے زائد راوی روایت کریں اور اس کی توثیق نہ کی گئی ہو تو ایسے راوی کی طرف لفظ مستور یا مجہول الحال سے اشارہ کیا جاتا ہے۔"

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری (م ۱۳۵۳ھ) لکھتے ہیں:

مستور تو اسے کہتے ہیں کہ جس سے دو شخص روایت کریں اور کسی نے اس کی توثیق نہ کی ہو۔[۳]

مولانا حافظ محمد گوندلوی (م ۱۴۰۵ھ) لکھتے ہیں:

جس شخص سے دو راوی روایت کر دیں تو اس کو مجہول نہیں، مستور کہتے ہیں۔[۴]

---

[۱] مجموعہ رسائل عبداللہ غازی پوریؒ (۳۶۹)

[۲] تقریب التھذیب (۱:۲۵)

[۳] تحقیق الکلام (۱:۷۹)

[۴] خیر الکلام (ص ۱۶۸)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

مولانا سلطان محمود جلال پوریؒ (م ۱۴۱۶ھ) لکھتے ہیں: جس سے روایت لینے والے تو کئی ہوں، مگر اس کے بارہ میں جرح وتعدیل معلوم نہ ہو اسے مستور بھی کہتے ہیں۔ [۱]

حافظ زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

اصول حدیث میں یہ مقرر ہے کہ جس سے دو ثقہ روایت کریں وہ مجہول العین نہیں رہتا، بلکہ اس کی جہالت عین ختم ہو جاتی ہے۔ مستور وہ ہوتا ہے جس کی کسی نے بھی توثیق نہ کی ہو۔ [۲]

ابو الحسناء مجہول نہیں مستور ہیں:

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ جس شخص سے دو راوی روایت کرنے والے ہوں اس کو محدثین کی اصطلاح میں مجہول نہیں بلکہ مستور کہتے ہیں، تو اب چونکہ ابو الحسناءؒ سے بھی دو راویوں نے یہ روایت بیان کی ہے، اور اس کے کم از کم دو شاگرد ہیں [۳] لہٰذا اس کو مجہول کہنا

---

[۱] اصطلاحات المحدثین (ص ۱۹)

[۲] الکواکب الدریہ (ص ۳۲)

[۳] مولانا نذیر رحمانی نے اپنی عادت سے مجبور ہو کر اس پر یہ اعتراض کر دیا کہ عمرو بن قیس اور ابو سعد بقال کو ابو الحسناء کے شاگرد قرار دینا وہم ہے، کتب رجال سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ انوار المصابیح (ص ۳۰۰) لیکن ان دونوں کو ابو الحسناء کے شاگرد قرار دینا وہم نہیں، بلکہ رحمانی صاحب کا اس سے انکار کرنا خود ان کا اپنا وہم ہے، کیونکہ علمائے غیر مقلدین کے مسلمات کی روشنی میں بھی یہ دونوں ابو الحسناءؒ کے شاگرد ہیں، چنانچہ مولانا رحمانی صاحب کے استاذ الاستاذ حافظ عبداللہ غازی پوری (م ۱۳۳۷ھ) لکھتے ہیں: اس روایت کی سند میں ایک راوی ابو الحسناء بھی ہیں جو ابو سعد بقال کے شیخ ہیں۔ رکعات التراویح (ص ۳۰)، مجموعہ رسائل حافظ عبداللہ غازی پوری (ص ۳۶۹)
پس جب ابو سعد بقالؒ جو بقول غیر مقلدین: ضعیف بھی ہے اور مدلس بھی، اس کو انہوں نے ابو الحسناء کا شاگرد ہونا تسلیم کر لیا ہے، تو پھر ابو الحسناء کے دوسرے شاگرد عمرو بن قیسؒ جو بالاتفاق ثقہ ہیں اور مدلس بھی نہیں، ان کا ابو الحسناء کا شاگرد ہونا بطریق اولیٰ ثابت ہو گیا۔
نیز آگے کتاب میں یہ بحث بحوالہ علمائے غیر مقلدین آرہی ہے کہ اتصالِ سند کے لیے راوی اور مروی عنہ کے درمیان ثبوتِ لقاء ضروری نہیں، بلکہ صرف امکانِ لقاء کافی ہے۔ اور وہ یہاں موجود ہے۔ لہٰذا رحمانی صاحب کا یہ اشکال فضول ہے۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

غلط ہے، بلکہ یہ مستور راوی ہے۔

اور جس ابوالحسناء کو حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) نے میزان الاعتدال میں "لَا یُعْرَفُ" (غیر معروف) کہا ہے، اور پھر ان کی تقلید میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) نے اس کو مجہول قرار دیا ہے، یہ وہ ابوالحسناءؒ نہیں جو مذکورہ روایت کا راوی ہے، بلکہ یہ ایک الگ شخص ہے، جس کا نام "حسن بن حکم نخعی" ہے، اور اس سے مشہور محدث وفقیہ شریک نخعی کوفیؒ (م ۱۷۷ھ) روایت کرتے ہیں، جب کہ یہ خود حکمؒ (م ۱۱۵ھ) سے، وہ حنشؒ بن معتمرؒ (م قبل ۹۰ھ) سے، اور وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ [۱]

محدث کبیر امام حاکم نیشاپوریؒ (م ۴۰۵ھ) نے اپنی "مستدرک" میں اسی سند: شريك النخعي عَنْ اَبِي الْحَسْنَاء عَنِ الْحَكَمِ عَنْ حَنَشٍ عَنْ عَلِيّ الْمُرْتَضٰى رضى الله عنه " سے ایک حدیث روایت کر کے لکھا ہے:

"هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحُ الْاِسْنَادِ وَلَمْ يُخْرِجَاهُ، وَاَبُو الْحَسْنَاءِ هٰذَا هُوَ الْحَسَنُ بْنُ الْحَكَمِ النَّخَعِيُّ"۔

"اس حدیث کی سند صحیح ہے، امام بخاریؒ و امام مسلمؒ نے اس کی تخریج نہیں کی، اور ابوالحسناءؒ سے مراد حسن بن حکم نخعیؒ ہیں۔"

اور پھر محدث ناقد حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) نے بھی "تلخیص مستدرک" میں امام حاکمؒ کی موافقت کرتے ہوئے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، اور ساتھ امام حاکمؒ کی طرح یہ تصریح کی ہے کہ ابوالحسناء سے مراد حسن بن حکم نخعیؒ ہے۔ [۲]

امام حاکمؒ (م ۴۰۵ھ) اور امام ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) دونوں نے یہاں ابوالحسناء

---

[۱] میزان الاعتدال (۴:۵۱۵)، لسان المیزان (۷:۴۵۹)، تھذیب الکمال (۲:۱۷۹)، تھذیب التھذیب (۶:۳۴۷)

[۲] المستدرک مع الحاشیۃ (۴:۲۵۵ح ۷۵۵۶)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

حسن بن حکم نخعیؒ کی حدیث کی تصحیح کرکے اس کی توثیق کردی ہے، جیسا کہ حافظ زبیر علی زئی، ایک راوی کے متعلق لکھتے ہیں:

الحاکم والذھبی کا اس کی حدیث کو صحیح کہنا اس کی توثیق ہے۔[۱]

اور امام ذہبیؒ نے اس سے پہلے ابوالحسناءؒ کے متعلق جو لَا یُعْرَفُ کہا تھا، اس سے بھی رجوع کرلیا ہے۔ اسی طرح حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) کا بھی ذہبیؒ کی تقلید میں اس کو مجہول کہنا کالعدم ہوگیا ہے۔

حافظ زبیر علی زئی ایک راوی کے دفاع میں لکھتے ہیں:

حاکم اور ذہبی کی توثیق بذریعۂ تصحیح حدیث کے بعد ابوعزیزہ کو مجہول کہنا غلط ہے۔[۲]

نیز علی زئی صاحب، ام علقمہ مرجانہؒ (جس کو ذہبیؒ نے میزان میں ''لَا تُعْرَفُ'' کہا ہے، اور تلخیص میں اس کی حدیث کی تصحیح کی ہے) کے متعلق لکھتے ہیں:

ذہبی کی جرح (لَا تُعْرَفُ) اُن کی توثیق سے معارض ہوکر ساقط ہے۔[۳]

نیز مولانا مبارکپوری (م ۱۳۵۳ھ) نے تصریح کی ہے کہ جب کوئی محدث کسی راوی کی توثیق کردے تو یہ توثیق اس کو مجہول کہنے والوں کی بات پر مقدم ہوگی۔[۴]

لہٰذا اس ابوالحسناءؒ کا ثقہ ہونا خود علمائے غیر مقلدین کے اصولوں کی روشنی میں بھی ثابت ہوگیا۔ اس کے بالمقابل مذکورہ حدیث کے راوی ابوالحسناءؒ اس سے مقدم ہے، اس کی توثیق اگرچہ معلوم نہیں، لیکن چونکہ اس سے دو راوی روایت کرتے ہیں، اس لیے یہ مستور کے حکم میں ہے۔ اب اگر غیر مقلدین حضرات ان دونوں کو ایک ہی قرار دینے پر

---

[۱] الکواکب الدریہ (ص ۴۵)

[۲] ماہنامہ الحدیث (۳۲:۱۴)

[۳] ایضاً (۶۳:۹)

[۴] ابکار المنن (ص ۱۳۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بضد ہیں تو پھر اس صورت میں ابو الحسناءؒ سے روایت کرنے والے دو کے بجائے تین راوی ہو جائیں گے، دو (عمرو بن قیسؒ اور ابو سعد بقالؒ) مذکورہ روایت کے راوی، اور ایک شریک نخعیؒ۔ اور اس پر طُرہ یہ کہ اس کی توثیق بھی ثابت ہو چکی ہے، پھر غیر مقلدین کس اصول کے تحت ابو الحسناء کو مجہول قرار دینگے؟ دیدہ باید۔

خلاصہ کلام:

ابو الحسناء دو راوی ہیں، اور جس ابو الحسناء کو ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) وغیرہ نے مجہول قرار دیا ہے، وہ اس مذکورہ روایت کے راوی نہیں، بلکہ مذکورہ روایت کے راوی ابو الحسناءؒ اصول حدیث کی رُو سے مستور راوی ہے، باقی علامہ نیمویؒ (م ۱۳۲۲ھ) نے جو اس کو "لَا یُعْرَفُ" کہا ہے تو اس سے اُن کی مراد اس کا مستور ہونا ہے، کیونکہ انہوں نے خود ابو الحسناء کے دونوں شاگردوں کی روایتیں ذکر کی ہیں۔[۱]

لہٰذا علامہ نیمویؒ کی تحقیق کے مطابق بھی مذکورہ روایت کے راوی ابو الحسناءؒ مستور ہیں، اور "لَا یُعْرَفُ" کا اطلاق بتصریح مولانا محب اللہ راشدی (م ۱۴۱۵ھ): مجہول راوی پر نہیں ہوتا، بلکہ اس کا اطلاق مستور راوی پر ہوتا ہے۔[۲]

بلکہ حافظ زبیر علی زئی نے لکھا ہے کہ "لَا یُعْرَفُ" جرح ہی نہیں ہے۔[۳]

مستور راوی کی روایت کا حکم

مستور کی روایت کے بارے میں ایک جماعت کی رائے ہے کہ یہ مطلق مقبول ہے، لیکن جمہور اس کا رد کرتے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

" وَالتَّحْقِيْقُ اَنَّ رِوَايَةَ الْمَسْتُوْرِ وَنَحْوِهٖ مِمَّا فِيْهِ الْاِحْتِمَالُ

---

[۱] دیکھئے التعلیق الحسن (ص ۲۵۴، ۲۵۵)

[۲] فتاوی راشدیہ (ص ۳۰۰)

[۳] الکواکب الدریہ (ص ۳۳)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

لَا يُطْلَقُ الْقَوْلُ بِرَدِّهَا وَلَا بِقَبُوْلِهَا، بَلْ هِيَ مَوْقُوْفَةٌ إِلَى اسْتِبَانَةِ حَالِهِ، كَمَا جَزَمَ بِهِ إِمَامُ الْحَرَمَيْنِ۔"[1]

"تحقیق یہ ہے کہ مستور وغیرہ کی روایت جس میں (صحیح ہونے کا) احتمال موجود ہے، نہ مطلق مقبول ہے اور نہ مطلق مردود، بلکہ اس میں ظاہر حال تک توقف کیا جائے گا۔ جیسا کہ امام الحرمین عبد الملک جوینیؒ (م ۴۷۸ھ) نے بالجزم کہا ہے۔"

اور پھر حافظ موصوف آگے مختلط، مستور وغیرہ راویوں کی تحقیق میں لکھتے ہیں: اگر مستور وغیرہ کی متابعت کوئی دوسرا معتبر راوی جو کہ اس کے مثل یا اس سے بہتر ہو، کردے تو مستور وغیرہ کی روایت حسن ہو جائے گی۔[2]

(حافظ صاحبؒ کی یہ پوری عربی عبارت روایت نمبر ۱۰ کے ذیل میں مختلط کی بحث میں گزر چکی ہے)۔

نیز حافظ صاحبؒ حدیث "حسن لغیرہ" کی تعریف میں لکھتے ہیں:

"وَهُوَ الَّذِيْ يَكُوْنُ حُسْنُهُ بِسَبَبِ الْإِعْتِضَادِ نَحْوُ حَدِيْثِ الْمَسْتُوْرِ۔"[3]

"حسن لغیرہ" وہ حدیث ہے جس کا حسن اعتضاد (دوسری روایت سے تقویت حاصل کرنے) کے سبب ہو، جیسا کہ مستور کی روایت۔"

نیز حافظ موصوف، منقذ مولی سراقہ، جس کو انہوں نے مستور قرار دیا ہے، کی روایت کو ابن لہیعہؒ کی ضعیف روایت کے ساتھ ذکر کر کے لکھتے ہیں:

---

[1] نزھۃ النظر شرح نخبۃ الفکر (ص ۸۷)

[2] ایضاً (ص ۹۱)

[3] ایضاً (ص ۴۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

"فَاعْتَضَدَ هٰذَا الْإِسْنَادُ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ فَصَارَ حَسَنًا"۔[۱]

"پس یہ سند اس دوسری سند سے تقویت پکڑ کر حسن ہوگئی ہے۔"

گویا حافظ موصوف کے نزدیک اگر مستور کی روایت کی تائید میں کوئی ضعیف روایت بھی ہو، تو تب بھی مستور کی روایت حسن ہوجائے گی۔

امام سیوطی (م ۹۱۱ھ) حدیث ضعیف کی تعریف کے تحت لکھتے ہیں:

"ثُمَّ قَسَّمَهُ ابْنُ الصَّلَاحِ إِلَى أَقْسَامٍ كَثِيرَةٍ بِاعْتِبَارِ فَقْدِ صِفَةٍ مِنْ صِفَاتِ الْقَبُوْلِ السِّتَّةِ، وَهِيَ الْإِتِّصَالُ، وَالْعَدَالَةُ، وَالضَّبْطُ، وَالْمُتَابَعَةُ فِي الْمَسْتُوْرِ وَعَدَمُ الشُّذُوْذِ، وَعَدَمُ الْعِلَّةِ"۔[۲]

"اس خط کشیدہ عبارت پر غور کریں اس سے واضح ہو رہا ہے کہ مستور کی روایت تب ضعیف ہوگی جب اس کی متابعت نہ کی گئی ہو۔ لیکن اگر اس کی متابعت کوئی دوسرا راوی کردے تو پھر مستور کی روایت صحیح اور مقبول ہوجائے گی۔"

امام سیوطیؒ نے یہی بات "شرح الفیہ" میں بھی لکھی ہے"۔[۳]

اور چونکہ ابوالحسناءؒ بھی مستور راوی ہے، اور اس کی متابعت ابوعبدالرحمٰن سلمیؒ (م ۸۵ھ) نے کی ہے (جو روایت نمبر ۱۰ کے راوی اور بالاتفاق ثقہ تابعی ہیں)۔ لہٰذا ابوالحسناءؒ کی روایت بھی متابعت کی وجہ سے صحیح اور قابل اعتبار ہوگی۔

اور پھر خود علمائے غیر مقلدین کے نزدیک بھی مستور کی روایت متابعت کی صورت میں

---

[۱] النکت علی کتاب ابن الصلاح (ص ۹۶)

[۲] تدریب الراوی (۱: ۱۴۴)

[۳] شرح الفیۃ العراقی فی علم الحدیث (ص ۱۳۰) طبع دار ابن حزم بیروت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

قابل حجت ہے۔ چنانچہ غیر مقلدین کے محقق اعظم مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری (م ۱۳۵۳ھ) نے حدیث حسن لغیرہٖ کی تعریف میں ابن حجرؒ کا یہ قول بلاجرح و قدح نقل کیا ہے :

”اَلْحَسَنُ لِغَيْرِهٖ وَهُوَ الَّذِیْ يَكُوْنُ حُسْنُهٗ بِسَبَبِ الْاِعْتِضَادِ نَحْوَ حَدِيْثِ الْمَسْتُوْرِ۔“[۱]

”حسن لغیرہ“ وہ حدیث ہے جس کو کسی اعتضاد اور تائید کے سبب حسن قرار دیا جائے، جیسے مستور کی حدیث۔“

مولانا محمد حنیف ندویؒ (م ۱۴۰۷ھ) رقمطراز ہیں:

حسن لغیرہٖ سے مراد ایسی روایت ہے جس کے سلسلہ اسناد میں کوئی راوی مستور ہو۔ یعنی جس کی اہلیت اور عدمِ اہلیت متحقق نہ ہو، لیکن اس کا کوئی راوی مغفل، کثیر الخطایا ، یا متہم بالکذب نہیں ہونا چاہیے، یہ بھی ضروری ہے کہ اس کی تائید کسی متابع اور شاہد سے ہوتی ہو۔[۲]

اور مختلط کی بحث میں قاضی شوکانیؒ (م ۱۲۵۰ھ)، مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ (م ۱۳۲۹ھ)، نواب صدیقؒ (م ۱۳۰۷ھ) اور مولانا ارشاد الحق اثری کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ ”حسن لغیرہٖ“ حجت ہے۔ وھو المطلوب۔

حافظ زبیر علی زئی نے بھی لکھا ہے کہ:

راجح یہی ہے کہ مستور کی روایت کو متابعت کے ساتھ قبول کیا جا سکتا ہے۔[۳]

بلکہ مشہور غیر مقلد محقق شیخ ناصر الدین البانیؒ (م ۱۴۲۰ھ) مستور کی روایت کو مطلقاً حجت قرار دیتے ہیں، چنانچہ وہ ایک راوی کے متعلق لکھتے ہیں:

---

[۱] مقدمۃ تحفۃ الاحوذی (ص ۱: ۲۰۴)

[۲] مطالعۂ حدیث (ص ۱۰۵)

[۳] تسہیل الوصول (ص ۱۹۶)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

”قَالَ الْحَافِظُ: مَسْتُوْرٌ۔ قُلْتُ: فَمِثْلُهٗ حَسَنُ الْحَدِيْثِ إِذَا لَمْ يُخَالِفْ۔“[1]

”حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ مستور راوی ہے۔میں (البانی) کہتا ہوں کہ اس طرح کا راوی حسن الحدیث ہوتا ہے، بشرطیکہ (اس کی روایت کسی دوسری روایت کے) مخالف نہ ہو۔“

نیز البانیؒ ایک اور راوی کے متعلق لکھتے ہیں:

”فَهُوَ مَسْتُوْرٌ يُقْبَلُ حَدِيْثُهٗ“[2]

”یہ مستور راوی ہے، جس کی حدیث مقبول ہے“

غیر مقلدین کے استاذ العلماء مولانا محمد گوندلویؒ (م ۱۴۰۵ھ) کا رجحان بھی مطلق مستور کی روایت کے قابل حجت ہونے کی طرف ہے۔ چنانچہ موصوف مستور راوی کے بارے میں لکھتے ہیں:

علامہ عراقی فرماتے ہیں جو محدث مجروح نہ ہو وہ آنحضرت ﷺ کے اس قول کہ (اس علم کے اٹھانے والے عادل ہوں گے) عادل ٹھہرے گا۔”الفیہ عراقی“ ص ۴۴۔ حافظ ابن حجر نے مجہول الحال مستور کو ساتویں مرتبہ میں داخل کیا ہے، اس کے بعد آٹھویں مرتبہ کو ضعیف کہا ہے۔ (مقدمہ تقریب)

علامہ ذہبی فرماتے ہیں:

صحیحین (بخاری و مسلم) کے رُوات میں بہت ایسے ہیں جن کی توثیق صراحتاً کسی سے ثابت نہیں۔ (میزان ج ۳، ص ۳)[3]

---

[۱] سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ (۳:۱۲)

[۲] ایضاً (۶:۲۸۵)

[۳] خیر الکلام (ص ۱۶۸، ۱۶۹)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

مولانا نواب صدیق حسن خانؒ (م ۱۳۰۷ھ) بھی مستور کی روایت کو مطلقاً حجت قرار دیتے ہیں، چنانچہ ایک مستور راوی کی روایت سے استدلال کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

امام مسلم رحمہ اللہ اپنی صحیح میں تین قسم کی احادیث لائے ہیں، ایک تو متقنین حفاظ کی حدیث، دوسرے مستورین، اور (تیسرے) حفظ و اتقان میں متوسطین کی احادیث۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی ایسے ہی کیا ہے، ابن الصلاح رحمہ اللہ نے کہا ہے: حسن حدیث دو قسم کی ہوتی ہے، جن میں سے ایک وہ ہے جس کی اسناد مستور راوی سے خالی نہیں ہے۔ انتھی۔

یہاں یہ ثابت ہو گیا کہ ستر حال علی الاطلاق اسباب جرح میں سے نہیں ہے، بلکہ یہ تعدیل کی ایک نوع ہے۔[۱]

ابوالحسناءؒ پر دوسرے اعتراض کا جواب:

غیر مقلدین کا دوسرا اعتراض کہ ابوالحسناءؒ کی حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں، یہ بھی باطل ہے، کیونکہ پہلے اعتراض کے جواب میں یہ گزر چکا ہے کہ ابوالحسناءؒ دو ہیں، ایک وہ جس سے شریک نخعیؒ (م ۱۷۷ھ) روایت کرتے ہیں، اور وہ خود حکم بن عتیبہؒ (م ۱۱۵ھ) سے روایت کرتے ہیں جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد حنشؒ (م قبل ۹۰ھ) کے شاگرد ہیں، اور یہ ابوالحسناءؒ طبقہ سابعہ کے راوی ہیں[۲]۔ اس طبقہ کا کسی صحابیؓ سے لقاء نہیں۔

اور دوسرے ابوالحسناء جو مذکورہ روایت کے راوی ہیں، ان کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لقاء ممکن ہے، کیونکہ ان کے شاگرد ابوسعد البقالؒ (م بعد ۱۴۰ھ) تابعین میں سے

---

[۱] فتاویٰ نواب صدیق حسن خان (۱: ۴۷۷، ۴۷۸)

[۲] تقریب التھذیب (۲: ۳۸۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ہیں[۱] اور اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ وغیرہ، اور کبار تابعین مثلاً ابو وائل شقیق بن عبداللہ کوفیؒ (جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کا مبارک زمانہ بھی پایا ہے، لیکن آپ ﷺ کی زیارت نہیں کر سکے، اور حضرت علی المرتضیٰ وغیرہ تمام خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں) سے روایت کرتے ہیں، اور خود سلیمان اعمشؒ اور امام اعظم ابوحنیفہؒ وغیرہ تابعین کے استاذ ہیں۔[۲]

اسی طرح ابوالحسناءؒ کے دوسرے شاگرد عمرو بن قیسؒ (م ۱۴۶ھ) کبار اتباع تابعین میں سے ہیں، اور ممکن ہے کہ یہ بھی تابعین میں سے ہوں، اس لیے کہ یہ بتصریح ابن حجرؒ طبقہ سادسہ میں سے ہیں[۳]۔ اس طبقہ کا صحابہ کرامؓ سے لقاء ممکن ہے، کیونکہ اس طبقہ والے طبقہ خامسہ والوں کے ہم عصر ہیں جن کا صحابہ کرامؓ سے لقاء اور سماع دونوں ثابت ہیں۔[۴]

اب جس راوی کے شاگرد تابعین میں سے ہیں تو ظاہر ہے کہ وہ خود کبار یا اوساط تابعین میں سے ہوگا کہ جن کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لقاء اور سماع دونوں ممکن ہیں، اور یہی اتصالِ سند کے لیے کافی ہے۔ کیونکہ باقرار علمائے غیر مقلدین سند کے اتصال کے لیے راوی اور مَرْوِیْ عَنْہ کے درمیان امکانِ لقاء اور امکانِ سماع ضروری ہے، ثبوت لقاء یا ثبوت سماع ضروری نہیں۔ چنانچہ مشہور غیر مقلد عالم حافظ محمد گوندلوی صاحبؒ (م ۱۴۰۵ھ) لکھتے ہیں:

باقی رہا یہ اعتراض کہ مکحول کا سماع محمود سے ثابت نہیں، عدم ثبوت صحت حدیث

---

[۱] محدث کبیر امام حاکم نیشاپوریؒ (م ۴۰۵ھ) مادہ "بقّال" کے ذیل میں لکھتے ہیں:

ابو سعد سعید بن المرزبان البقّال الکوفی تابعیؒ۔ معرفۃ علوم الحدیث (ص ۲۱۱)

محدث ناقد حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) ابو سعدؒ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

ابو سعد البقّال تابعی مشہور۔ ذیل دیوان الضعفاء والمتروکین (ص ۷۹)

[۲] دیکھئے "تھذیب الکمال" (۷:۲۸۹)

[۳] تقریب التھذیب (۱:۷۴۴)

[۴] ایضاً (۱:۲۵)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کے منافی نہیں، کیونکہ صحت حدیث کے لیے صرف استاد اور شاگرد کی ملاقات کا ممکن ہونا کافی ہے، عدم ثبوت سے نفی لازم نہیں آتی۔ [۱]

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب (م ۱۳۵۳ھ) لکھتے ہیں: اتصالِ سند کے لیے معاصرت شرط ہے، اور معاصرت کا مطلب عند المحدثین یہ ہے کہ راوی اور مروی عنہ کے درمیان ملاقات ممکن ہو۔ [۲]

مولانا ارشاد الحق اثری صاحب لکھتے ہیں:

اور اصول حدیث کا یہ قاعدہ ہے کہ اتصال سند کے لیے امکان لقاء ہی کافی ہے، جیسا کہ امام مسلم نے کہا ہے۔ [۳]

پس جب ابوالحسناءؒ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان ملاقات اور سماع ممکن ہے، اور یہی اتصالِ سند اور صحتِ حدیث کے لیے کافی ہے۔ تو پھر غیر مقلدین کا اس روایت پر دوسرا اعتراض بھی رفع ہوگیا کہ ابوالحسناءؒ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے درمیان لقاء ثابت نہ ہونے کی وجہ سے یہ حدیث منقطع اور ضعیف ہے۔

اور بالفرض اگر مان لیا جائے کہ ابوالحسناءؒ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لقاء نہیں ہے۔ تو بھی اس حدیث کی صحت پر کوئی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ اس صورت میں یہ روایت مرسل معتضد ہو جائے گی، اس لیے کہ اس کی تائید سابقہ روایت سے ہو رہی ہے، نیز اس پر صحابہ کرامؓ اور علمائے امت کا عمل بھی ہے، اور مرسل معتضد بالاتفاق حجت ہے۔ جس کی تفصیل روایت نمبر ا کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

اس روایت کے دیگر راویوں کا تذکرہ اس روایت کے شروع کے حاشیہ میں گزر چکا

---

[۱] خیر الکلام (ص ۱۶۷)

[۲] ابکار المنن (ص ۱۴۵۔۱۴۶) تحقیق الکلام (۱:۸۷)

[۳] توضیح الکلام (۲:۵۹۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ہے، جو سب کے سب ثقہ ہیں۔ نیز اس روایت کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تربیت یافتہ اور خصوصی شاگرد، شتیر بن شکلؒ، عبدالرحمٰنؒ بن ابی بکرہ (م۹۶ھ)، سعید بن ابی الحسنؒ (م۱۰۰ھ)، سوید بن غفلہؒ (م۸۱ھ)، علی بن ربیعہؒ (م۹۱ھ) اور حارث اعورؒ (م۶۵ھ) وغیرہ بھی بیس تراویح پر ہی عمل پیرا رہے۔ ان کے آثار عنقریب ذکر کیے جائیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

روایت نمبر ۱۲:

امام بیہقیؒ (م۴۵۸ھ) فرماتے ہیں:

"اَنْبَاَ اَبُوْ عَبْدِ اللهِ بْنُ فَنْجَوَيْهِ الدِّيْنَوَرِيُّ، ثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحَاقَ بْنِ عِيْسَى السُّنِّيُّ، اَنْبَاَ اَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْبَزَّارُ، ثَنَا سَعْدَانُ بْنُ يَزِيْدَ، ثَنَا الْحَكَمُ بْنُ مَرْوَانَ السُّلَمِيُّ اَنْبَاَ الْحَسَنُ بْنُ صَالِحٍ، عَنْ اَبِيْ سَعْدٍ الْبَقَّالِ، عَنْ اَبِي الْحَسْنَاءِ: اَنَّ عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ رضی اللہ عنہ اَمَرَ رَجُلًا اَنْ يُّصَلِّيَ بِالنَّاسِ خَمْسَ تَرْوِيْحَاتٍ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً"۔[۱]

"ہمیں ابوعبداللہ بن فنجویہؒ نے خبر دی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے احمد بن محمد بن اسحاق سُنیؒ نے بیان کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں احمد بن عبداللہ بزارؒ نے خبر دی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے سعدان بن یزیدؒ نے بیان کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے حکم بن مروان سلمیؒ نے بیان کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں حسن بن صالحؒ نے خبر دی ہے، وہ ابوسعد بقالؒ سے روایت کرتے ہیں، وہ حضرت ابوالحسناءؒ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم

[۱] السنن الکبریٰ للبیہقی (۲:۴۹۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

فرمایا کہ وہ لوگوں کو پانچ ترویحات یعنی بیس تراویح پڑھائے۔"[۱]

اس روایت کے بارے میں امام بیہقیؒ (م ۴۵۸ھ) فرماتے ہیں: وَ فِيْ هٰذَا الْإِسْنَادِ ضَعْفٌ کہ اس روایت کی سند میں ضُعف ہے۔[۲]

علامہ ابن الترکمانیؒ (م ۷۵۰ھ) امام بیہقیؒ کے اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ظاہر یہ ہے کہ اس سند کا ضعف ابوسعد بقالؒ کی وجہ سے ہے، کیونکہ وہ متکلم فیہ راوی ہے، لیکن "مصنف ابن ابی شیبہ" کی روایت (جو ابھی گزری ہے) میں (عمرو بن قیسؒ)

---

[۱] اس روایت کے راویوں کی توثیق ملاحظہ ہو،

پہلے اور دوسرے راوی: ابن فنجویہ دینوریؒ (م ۴۱۴ھ) اور احمد بن اسحاق سنی (م ۳۶۴ھ) کا تذکرہ روایت نمبر ۹ اور آٹھویں راوی ابوالحسناءؒ کا تذکرہ سابق روایت کے ذیل میں گزر چکا ہے۔

تیسرے راوی احمد بن عبداللہ ابوجعفر بزازؒ (م ۳۲۰ھ): امام یوسف قواسؒ نے ان کو اپنے ثقہ مشائخ میں شمار کیا ہے۔ اسی طرح احمد بن محمد بن فضل جراحؒ نے بھی ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ دیکھئے تاریخ بغداد (۴:۴۴۹، ۴۵۰)

چوتھے راوی سعدان بن یزیدؒ (م ۲۶۲ھ): امام ابوحاتمؒ اور ابن ابی حاتمؒ وغیرہ بڑے بڑے محدثین کے استاذ ہیں، امام ابوحاتمؒ اور ابن ابی حاتمؒ دونوں فرماتے ہیں کہ: یہ صدوق راوی ہیں۔ تاریخ بغداد (۹، ۲۰۲)، الجرح و التعدیل (۴:۲۹۰) امام ابوعوانہؒ نے اپنی صحیح میں ان سے بکثرت احادیث روایت کی ہیں۔ مثلاً دیکھئے صحیح ابی عوانہ (رقم الحدیث: ۲۶۸۴، ۲۷۹۶)۔

پانچویں راوی حکم بن مروان سلمی (م): امام ابوحاتمؒ رازیؒ ان کے بارے میں فرماتے ہیں: لَا بَأْسَ بِهٖ، کہ ان میں کوئی خرابی نہیں۔ الجرح والتعدیل (۳:۱۲۹)۔

چھٹے راوی حسن بن صالح بن حیؒ (م ۱۶۹ھ) کا ترجمہ روایت نمبر ۳ میں گزر چکا ہے۔ جب کہ ساتویں راوی ابوسعد بقالؒ کا ترجمہ اوپر کتاب میں مذکورہ ہے۔ الغرض یہ روایت صحیح یا کم از کم حسن ضرور ہے۔

[۲] سنابلی صاحب ایک راوی کے متعلق امام ابن کثیرؒ کے قول: "فیہ ضعف" (اس میں ضعف ہے) کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ جملہ راوی کی مطلق تضعیف پر دلالت نہیں کرتا۔ یزید بن معاویہؓ (ص ۶۷۳) لہٰذا امام بیہقیؒ کا اس اسناد کے بارے میں یہ جملہ بھی اس سند کی مطلق تضعیف پر دلالت نہیں کرتا۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اس کا متابع موجود ہے، جس سے اس کے ضعف کی تلافی ہو جاتی ہے۔[۱]

ابوسعد بقالؒ کی توثیق

اگرچہ کئی ائمہ نے ابوسعد بقالؒ کی تضعیف کی ہے، لیکن وہ بکثرت محدثین و ائمہ رجال کے ہاں ثقہ ہیں۔

① امام بخاریؒ وغیرہ ائمۂ حدیث کے استاذ امام ابن زنجویہؒ (م ۲۵۱ھ) نے ابوسعدؒ کو نامور محدثین میں شمار کیا ہے۔[۲]

② ثقہ محدث امام ابو اسامہ حماد بن اسامہ کوفیؒ (م ۲۰۱ھ)، ابوسعدؒ سے روایتِ حدیث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ثَنَا سَعِيْدُ بْنُ الْمَرْزُبَانِ، وَكَانَ ثِقَةً"۔[۳]

"ہم سے سعید بن مرزبان بقالؒ نے بیان کیا ہے، اور وہ ثقہ تھے"

③ امام وکیع بن جراحؒ (م ۱۹۷ھ) جیسے استاذ المحدثین بھی ابوسعدؒ کی توثیق کرنے والوں میں سے ہیں، جیسا کہ امام ابن عدیؒ (م ۳۶۵ھ) نے ان سے بہ سند نقل کیا ہے۔[۴]

نیز حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) ابوسعدؒ کے تذکرہ میں ارقام فرماتے ہیں:

"فَقَدْ نَقَلَ الْعُقَيْلِيُّ، أَنَّ وَكِيْعًا وَثَّقَهُ"۔[۵]

"امام عقیلیؒ نے نقل کیا ہے کہ امام وکیع بن جراحؒ نے ابوسعد بقالؒ کو ثقہ قرار دیا

---

[۱] دیکھئے "الجوہر النقی فی الرد علی البیہقی" (۲:۶۹۷)

[۲] طبقات الفقہاء والمحدثین (ص ۱۷۴)

[۳] تہذیب التہذیب (۲:۳۳۳)، الکامل (۳:۱۲۲۰)

[۴] الکامل (۳:۱۲۲۰) لابن عدیؒ طبع دار الفکر بیروت

[۵] نتائج الافکار فی تخریج أحادیث الاذکار (۲:۷۱۳) طبع دار ابن کثیر بیروت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ہے۔"

حافظ ابن حجرؒ کے استاذ حافظ نورالدین ہیثمیؒ (م ۸۰۷ھ) نے بھی تصریح کی ہے کہ:

"وَقَدْ وَثَّقَهُ وَكِيعٌ"[۱]

"امام وکیعؒ نے ابوسعدؒ کی توثیق کی ہے"

④ امام ابوزرعہؒ (م ۲۶۴ھ) فرماتے ہیں:

"لَيِّنُ الْحَدِيثِ، صَدُوقٌ لَمْ يَكْذِبْ"[۲]

"یہ حدیث میں کمزور ہیں، لیکن انتہائی راست باز ہیں۔ اور جھوٹ نہیں بولتے۔"

غیر مقلدین حضرات کے شیخ العرب والعجم مولانا بدیع الدین راشدی (م ۱۴۱۶ھ)، امام ابوزرعہؒ کے اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

جس کا مطلب ہے کہ اس کی روایت دوسری روایتوں سے تائید پکڑ لے گی۔[۳]

⑤ امام زکریا ساجیؒ (م ۳۰۷) فرماتے ہیں: صَدُوقٌ[۴] کہ یہ روایت حدیث میں راست باز ہیں۔

⑥ امام ابن عدیؒ (م ۳۶۵ھ) فرماتے ہیں کہ:

"وَهُوَ فِيْ جُمْلَةِ ضُعَفَاءِ الْكُوْفَةِ الَّذِيْنَ يُجْمَعُ حَدِيْثُهُمْ وَلَا يُتْرَكُ"[۵]

"یہ کوفہ کے اُن ضعفاء میں سے ہیں کہ جن کی حدیث جمع کی جاتی ہے، اور اس کو ترک نہیں کیا جاتا۔"

---

[۱] مجمع الزوائد (۱:۲۳۸)

[۲] ایضاً (۱:۱۴۱)

[۳] مقالات راشدیہ (۲:۲۰۵)

[۴] نتائج الافکار (۲:۲۷۳)

[۵] الکامل (۳:۱۲۲۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

⑦ امام ابوداؤدؒ (م ۲۷۵ھ) فرماتے ہیں:

"كَانَ مِنْ أَقْرَأِ النَّاسِ ۔"[۱]

"لوگوں میں وہ سب سے بڑے قاری تھے"

یعنی قرأت میں بھی یہ ثقہ ہیں۔

⑧ حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ (م ۱۸۱ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت شریک نخعیؒ (م ۱۷۷ھ) سے پوچھا کہ آپ ابوسعد بقالؒ کو پہچانتے ہیں؟ انہوں نے جواب میں فرمایا:

"أَعْرِفُهُ عَالِيَ الْإِسْنَادِ "[۲]

"میں ابوسعد کو پہچانتا ہوں، وہ عالی سند والے ہیں"

مولانا محمد حنیف ندویؒ (م ۱۴۰۷) "سند عالی" کی تعریف میں ارقام فرماتے ہیں:

علو (سند عالی) سے مراد یہ ہے کہ اس کو ایسے جلیل القدر محدث کا قرب حاصل ہے کہ جس کی ثقاہت اور فقہ حدیث امور مسلم میں سے ہو۔[۳]

⑨ علامہ نورالدین ہیثمیؒ (م ۸۰۷ھ) ابوسعدؒ کے بارے میں فرماتے ہیں:

"هُوَ ثِقَةٌ مُدَلِّسٌ "[۴]

"وہ ثقہ مدلس ہیں"

⑩ علامہ زکی الدین منذریؒ (م ۶۵۶ھ) ابوسعدؒ کی ایک حدیث کو نقل کرنے کے بعد

---

[۱] تھذیب التھذیب (۲:۳۲۳)

[۲] تھذیب التھذیب (۲:۳۲۲)

[۳] مطالعۂ حدیث (ص ۱۲۷)

[۴] "مجمع الزوائد" (۲:۱۰۸) طبع دارالفکر بیروت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

لکھتے ہیں:

”وَفِيْهِ سَعِيْدُ بْنُ الْمَرْزُبَانَ وَقَدْ وُثِّقَ۔“[1]

”اس حدیث کی سند میں ایک راوی سعید بن مرزبان ؒ ہیں، جن کی توثیق کی گئی ہے۔“

مولانا بدیع الدین راشدی (م ۱۴۱۶ھ) نے وُثِّقَ کو راوی کے ثقہ ہونے کی دلیل قرار دیا ہے۔[2]

⑪ امام ابن جریر طبری ؒ (م ۳۱۰ھ) نے اپنی تاریخ میں متعدد مقامات پر ابوسعید بقال ؒ کی کئی روایات کو صحیح قرار دیا ہے۔[3]

⑫ سید المحدثین امام ترمذی ؒ (م ۲۷۹ھ) نے اپنی جامع میں ابوسعد ؒ کی کم از کم ایک حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔[4]

⑬ حافظ ابن حجر عسقلانی ؒ (م ۸۵۲ھ) نے بھی ابوسعد ؒ کی کم از کم ایک حدیث کو حسن کہا ہے۔[5]

⑭ ابوسعد بقال ؒ، امام بخاری ؒ (م ۲۵۶ھ) کے ہاں بھی ثقہ ہیں۔ چنانچہ امام ترمذی ؒ (م ۲۷۹ھ) نے ان کی ایک حدیث بہ سند روایت کرنے کے بعد لکھا ہے:

”سَأَلْتُ مُحَمَّدًا عَنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ، فَقُلْتُ لَهُ: كَيْفَ اَبُوْسَعْدٍ الْبَقَّالُ؟ فَقَالَ: مُقَارَبُ الْحَدِيْثِ۔“[6]

”میں نے امام محمد بن اسماعیل بخاری ؒ سے اس حدیث کے راوی ابوسعد بقال ؒ سے متعلق

---

[1] الترغیب والترھیب (۴:۲۰۷) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

[2] نقض قواعد فی علوم الحدیث (ص ۳۲۹)

[3] مثلاً دیکھئے تاریخ الطبری (۱:۱۴، ۱۵، ۱۷) طبع دار صادر بیروت

[4] دیکھئے جامع الترمذی (۲:۱۷۵، ح ۳۳۸۹) بابُ مَا جَاءَ فِي الدُّعاءِ اِذَا اَصْبَحَ وَاِذَا اَمْسىٰ

[5] فتح الباری (۶:۱۸۶)، نتائج الافکار فی تخریج احادیث الاذکار (۲:۳۷۱)

[6] العلل الکبیر (ص ۲۲۰، ح ۳۹۴) طبع عالم الکتب بیروت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

پوچھا کہ وہ کیسا راوی ہے؟ انہوں نے جواب میں فرمایا: وہ "مُقاربُ الحدیث" ہے۔

مولانا عبد الرحمٰن مبارک پوری (م ۱۳۵۳ھ) لکھتے ہیں:

لفظ مقارب الحدیث ہر حال میں الفاظِ تعدیل و توثیق میں سے ہے۔[۱]

نیز امام بخاریؒ نے اپنی کتاب "الادب المفرد" میں ان سے احادیث بھی لی ہیں۔

چنانچہ حافظ ابو الحجاج مزیؒ (م ۷۴۲ھ) ابوسعد بقالؒ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

"رَوَى لَهُ الْبُخَارِيُّ فِي الْأَدَبِ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه"۔[۲]

"اس سے امام بخاریؒ نے "الادب المفرد" میں، نیز امام ترمذیؒ اور امام ابن ماجہؒ نے (اپنی اپنی سنن میں) روایت کی ہے۔"

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) ارقام فرماتے ہیں:

"أَخْرَجَ لَهُ الْبُخَارِيُّ فِي الْأَدَبِ الْمُفْرَدِ"[۳]

"امام بخاریؒ نے اپنی کتاب "الادب المفرد" میں ابوسعد بقالؒ سے احادیث لی ہیں۔"[۴]

معلوم ہوا کہ ابوسعد بقالؒ امام بخاریؒ کے نزدیک بھی ثقہ ہیں، اور ان سے ابوسعدؒ کے بارے میں جو منکر الحدیث ہونا نقل کیا جاتا ہے وہ غلط ہے۔ کیونکہ جس راوی کو امام بخاریؒ "مقارب الحدیث" کہہ کر اس کی توثیق کر رہے ہیں اور اس سے احادیث بھی لے رہے ہیں تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ امام بخاریؒ اس کو منکر الحدیث کہہ دیں، حالانکہ حافظ عبد اللہ روپڑی صاحب (م ۱۳۸۴ھ) نے تصریح کی ہے کہ:

---

[۱] مقدمہ تحفۃ الاحوذی (۱:۳۹۷)، مقالات مولانا مبارکپوری (ص ۲۱۹)

[۲] تھذیب الکمال (۷:۲۹۱)

[۳] نتائج الافکار (۲:۳۷۲)

[۴] مثلاً دیکھئے الادب المفرد (ص ۲۳، ۳۱۱، ح ۵۱، ۱۲۸۶) طبع دار الحدیث قاہرہ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

امام بخاریؒ کہتے ہیں کہ جس کے حق میں میں منکر الحدیث کہہ دوں اس سے روایت لینی حلال نہیں ہے۔[۱]

لہٰذا امام بخاریؒ کی طرف اس جرح کی نسبت غلط ہے، اور اگر اس جرح کی نسبت ان کی طرف صحیح بھی ہو تو مولانا ارشاد الحق اثری صاحب لکھتے ہیں:

ایک ہی امام کے قول میں اختلاف ہو تو ترجیح توثیق کو ہوتی ہے۔[۲]

لہٰذا اثری صاحب کی تصریح کے مطابق ابو سعد بقالؒ کے بارہ میں امام بخاریؒ کی توثیق ہی راجح ہے۔

نیز غیر مقلدین کے شیخ العرب والعجم مولانا بدیع الدین راشدی (م ۱۴۱۶ھ) ابو سعدؒ پر امام بخاریؒ سے منسوب اس جرح (منکر الحدیث) کے جواب میں لکھتے ہیں:

اور یہی معنی امام بخاری کے قول ''منکر الحدیث'' کی ہے۔ یعنی وہ صاحب افراد ہے، لیکن جہاں صحیح روایتوں سے اس کی حدیثوں کی تائید ہوتی ہو تو پھر کوئی حرج نہیں ہے۔ ایسی کئی روایتیں ہیں جن سے مسائل لیے جاتے ہیں۔ امام بخاری نے ''الادب المفرد'' میں اس کی حدیثیں داخل کی ہیں، اور ابو اسامہ نے اس کو ثقہ کہا ہے، کمافی التھذیب۔[۳]

⑮ ابو سعد بقالؒ، امیر المؤمنین فی الحدیث امام شعبہؒ (م ۱۶۰ھ) کے نزدیک بھی ثقہ ہیں، کیونکہ انہوں نے اس سے روایتِ حدیث کی ہے۔ چنانچہ امام ابن عدیؒ (م ۳۶۵ھ) ابو سعدؒ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

---

[۱] رفع یدین اور آمین (ص ۳۲)

[۲] ''توضیح الکلام'' (۱: ۵۳۴)

[۳] مقالاتِ راشدیہ (۲: ۲۰۵)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

"وَاَبُوْ سَعْدٍ الْبَقَّالُ كُوْفِيٌّ، حَدَّثَ عَنْهُ شُعْبَةُ ، وَالثَّوْرِيُّ، وَابْنُ عُيَيْنَةَ ، وَهُمْ وَغَيْرُهُمْ مِنْ ثِقَاتِ النَّاسِ۔"[۱]

"ابوسعد بقال کوفیؒ سے امام شعبہؒ، امام سفیان ثوریؒ، امام سفیان بن عیینہؒ اور دیگر ثقہ راویوں نے روایت حدیث کی ہے۔"

حافظ ابو الحجاج مزیؒ (م ۷۴۲ھ) اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) نے بھی امام شعبہؒ کو ابوسعد بقالؒ کے تلامذہ حدیث میں گردانا ہے۔[۲]

اور حدیث نمبر ۱ کے ذیل میں ابراہیم ابوشیبہؒ (م ۱۶۹ھ) کے تذکرہ میں متعدد علمائے غیر مقلدین کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ امام شعبہؒ صرف ثقہ راوی سے ہی روایت لیتے ہیں۔

(۱۶) محدث کبیر امام حاکمؒ نیشاپوری (م ۴۰۵ھ) نے ابوسعد بقالؒ کو کوفہ کے اُن ثقہ اور مشہور ائمۂ حدیث میں شمار کیا ہے جن کی احادیث مشرق سے لیکر مغرب تک بطور تبرک جمع کی جاتی ہیں۔[۳]

نیز امام حاکمؒ نے اپنی کتاب "مستدرک" میں ابوسعدؒ کی احادیث سے احتجاج کیا ہے، اور ان کی کم از کم ایک حدیث کو "صحیح الاسناد" قرار دیا ہے۔[۴]

(۱۷) محدث ناقد امام شمس الدین ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) کے نزدیک بھی ابوسعدؒ ثقہ ہیں، چنانچہ وہ اس کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

---

[۱] الکامل (۴: ۱۲۲۲)

[۲] تھذیب الکمال (۷: ۲۸۹)، تھذیب التھذیب (۲: ۳۳۲)

[۳] معرفۃ علوم الحدیث (ص ۲۲۷)

[۴] المستدرک (۴: ۳۳۵، ح ۷۸۲۹)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

''اَبُوْ سَعْدٍ الْبَقَّالُ، تَابِعِیٌّ مَشْهُوْرٌ حَسَنُ الْحَدِیْثِ۔''[۱]

''ابوسعد بقال مشہور تابعی اور حسن الحدیث راوی ہے''

نیز ابو سعدؒ، امام ذہبیؒ کے نزدیک صحیح الحدیث بھی ہے، چنانچہ امام حاکم نیشاپوریؒ (م ۴۰۵ھ) نے ''مستدرک'' میں ابوسعدؒ کی جس حدیث کی تصحیح کی ہے، امام ذہبیؒ نے ''تلخیص المستدرک'' میں اس تصحیح پر کوئی نقد کرنے کے بجائے، اس تصحیح کو برقرار رکھا ہے۔[۲]

نیز امام ذہبیؒ نے ابوسعدؒ کی ایک اور حدیث پر جرح ونقد سے بھی سکوت کیا ہے۔[۳]

اور باقرار غیر مقلدین ذہبیؒ کا یہ سکوت اس حدیث کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔ چنانچہ مولانا عبداللہ روپڑیؒ (م ۱۳۸۴ھ) اور مولانا عطاء اللہ حنیفؒ (م ۱۴۰۹ھ) نے تصریح کی ہے کہ: ذہبیؒ ''تلخیص المستدرک'' میں جس حدیث پر (جرح ونقد سے) سکوت کرتے ہیں وہ ان کے نزدیک صحیح ہوتی ہے۔[۴]

معلوم ہوا کہ ابوسعد بقالؒ حافظ ذہبیؒ کے نزدیک حسن الحدیث اور صحیح الحدیث ہیں۔

(۱۸) شیخ الاسلام حافظ جلال الدین سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) ایک حدیث کو نقل کرنے کے بعد بحوالہ امام ہیثمیؒ لکھتے ہیں:

'' رِجَالُهٗ مُوَثَّقُوْنَ، وَاَبُوْ سَعْدٍ هُوَ الْبَقَّالُ سَعِیْدُ بْنُ الْمَرْزُبَانُ صَدُوْقٌ مُدَلِّسٌ۔''[۵]

''اس حدیث کے سارے راوی ثقہ ہیں، اور ابوسعد سے مراد سعید بن مرزُبان بقالؒ ہیں جو کہ صَدُوق اور مُدَلِّس ہیں۔''

ان ٹھوس حوالہ جات سے ثابت ہوگیا کہ ابوسعد بقال (سعید بن مرزبان عبسی کوفیؒ)

---

[۱] ذیل دیوان الضعفاء والمتروکین (ص ۷۹)

[۲] حاشیۃ المستدرک (۳:۶۴۱)

[۳] ایضاً (۴:۳۳۵)

[۴] فتاوی اہلحدیث (۱:۶۳۵)، فتاوی علمائے حدیث (۳:۱۹۰)

[۵] اللآلی المصنوعۃ (۱:۱۸۹)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ثقہ اور صدوق ہیں۔ اگرچہ ابوسعدؒ پر کئی محدثین نے جرح بھی کی ہے، لیکن ان جارحین کے نزدیک اس جرح کا سبب ان کا مُدَلِّس ہونا، اور آخر عمر میں ان کے حافظے کا متغیر ہو جانا ہے۔ چنانچہ حافظ نور الدین ہیثمیؒ (م ۸۰۷ھ) ابوسعدؒ کی توثیق نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"وَضَعَّفَهُ لِتَدْلِيْسِهٖ، وَالْبُخَارِيُّ وَيَحْيَى بْنُ مَعِيْنٍ۔"[۱]

"امام شعبہؒ، امام بخاریؒ اور امام یحییٰ بن معینؒ نے ان کی تدلیس کی وجہ سے ان کو ضعیف کہا ہے۔"

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) ان کے متعلق لکھتے ہیں:

"ضَعَّفَهُ الْجُمْهُوْرُ، لِاَنَّهٗ كَانَ يُدَلِّسُ، وَتَغَيَّرَ بِاٰخِرَةٍ"[۲]

"جمہور محدثین نے ان کی تضعیف کی ہے، کیونکہ یہ تدلیس کرتے تھے، اور آخر عمر میں ان کا حافظہ متغیر ہو گیا تھا۔"

"تغیر حفظ" کی دو قسمیں ہیں، ایک یہ کہ آدمی کا حافظہ اس قدر بگڑ جائے کہ اس پر اس کی روایات خلط ملط (گڈ مڈ) ہو جائے۔ اس حالت کو اصطلاحِ محدثین میں "اِختلاط" کہا جاتا ہے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ آدمی کا بڑھاپے یا کسی بیماری کی وجہ سے حافظہ پہلے سے قدرے کمزور ہو جائے، لیکن یہ کمزوری حالتِ اختلاط تک نہ پہنچے۔ محدثین اس حالت کو عموماً تغیر حفظ سے تعبیر کرتے ہیں، جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے یہاں ابوسعدؒ کے متعلق مذکورہ الفاظ کہے ہیں۔ شیخ ناصر الدین البانیؒ (م ۱۴۲۰ھ) بھی تغیر حفظ اور اختلاط میں تفریق کے قائل ہیں۔ چنانچہ وہ حماد بن سلمہؒ (م ۱۶۷ھ) کے دفاع میں لکھتے ہیں:

"لَا نَعْلَمُ اَحَدًا مِنْ اَهْلِ الْعِلْمِ وَصَفَهٗ بِالْاِخْتِلَاطِ وَاِنَّمَا

[۱] مجمع الزوائد (۱:۱۴۱)

[۲] نتائج الافکار (۲:۳۷۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بِالتَّغَيُّرِ، وَهٰذَا لَا يَضُرُّ۔"[۱]

"ہمیں معلوم نہیں کہ کسی محدث نے ان کو حالتِ اِختلاط کے ساتھ موصوف کیا ہو، البتہ ان کو تغیّر حفظ سے موصوف کیا گیا ہے، اور یہ مُضر نہیں۔"

اور چونکہ ابو سعد بقالؒ کو بھی ہماری معلومات میں کسی نے مختلط نہیں قرار دیا، اور نہ مختلط راویوں کے تذکرے پر جو مستقل کتب لکھی گئی ہیں، مثلاً "کتاب المختلطین" لصلاح الدین العلائی (م ۷۶۱ھ)، "الاغتباط بمن رُمی بالاختلاط" لسبط ابن العجمیؒ (م ۸۴۱ھ) اور "الکواکب النیّرات فی معرفۃ مَن اختلط من الرّواۃ الثقات" لابن الکیّال الشافعیؒ (م ۹۲۹ھ) میں ہمیں ان کا تذکرہ ملا ہے، لہٰذا ان کا آخر عمر میں صرف متغیر الحفظ ہو جانا بتصریح شیخ البانی: مضر نہیں ہے۔

اور بالفرض اگر یہ مختلط بھی ہو گئے تھے تو پھر بھی مضر نہیں، کیونکہ سابقہ روایات ان کی اس روایت کے لیے متابع اور مؤید ہیں، اور روایت نمبر ۱۰ میں بحوالہ محدثین وعلمائے غیر مقلدین گزرا ہے کہ جب مختلط کی متابعت وتائید کسی روایت سے ہو جائے تو اس کی روایت بھی درجۂ حسن تک پہنچ جاتی ہے۔

اور پھر بیس تراویح کے بارے میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کم از کم پانچ روایات منقول ہیں، تین روایات تو گزر چکی ہیں، اور دو آگے ذکر ہو رہی ہیں، ان پانچ میں سے ہر ایک میں اگر بالفرض کچھ سقم ہے بھی تو یہ پانچ روایات آپس میں مل کر ایک دوسرے کے سُقم کو دور کر دیتی ہیں، اور ان کا مجموعہ باہم مل کر قوی اور قابل حجت ہو جاتا ہے۔

شیخ ناصر الدین البانیؒ (م ۱۴۲۰ھ) سجدۂ سہو کے بعد تشہد پڑھنے سے متعلق روایات

---

[۱] سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ (۷:۱۷۸)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فِيهَا ضَعْفٌ، لٰكِنَّ مَجْمُوعَهَا قَدْ يُعْطِي قُوَّةً"۔[1]

"ان سب میں ضُعف (کمزوری) ہے، لیکن یہ مجموعی صورت میں قوی ہوجاتی ہیں۔

مولانا شمس الحق عظیم آبادی (م ۱۳۲۹ھ) رقمطراز ہیں:

گو ان میں سے بعض بہت کمزور بھی ہیں، لیکن ایک کو دوسری سے تقویت حاصل ہوتی ہے۔[2]

بالخصوص جب ان کے معارض کوئی روایت (جس میں بیس تراویح کے علاوہ کوئی اور عدد حضرت علیؓ سے ثابت ہو) بھی نہیں ہے۔ اور ایسی صورت میں تو ان روایات کے قابل حجت ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں رہ جاتا۔ چنانچہ اکابر علمائے غیر مقلدین میں سے مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ (۱۳۲۹ھ) لیلۃ نصف شعبان کی فضیلت میں چند احادیث ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

یہ روایتیں اگرچہ علیحدہ علیحدہ بہت قوی درجے کی نہیں ہیں، مگر چونکہ متعدد طُرق سے مروی ہیں، اس لیے (ان کو) ایک دوسرے سے قوت حاصل ہے، اور یہ قابل احتجاج وعمل ہے، کیونکہ اس سے زیادہ صحیح حدیث اس کی مخالف نہیں وارد ہے۔[3]

مولانا عبداللہ غازی پوریؒ (م ۱۳۳۷ھ) اپنی ایک مستدل حدیث کے متعلق لکھتے ہیں: اگرچہ اس حدیث کی اسناد میں اسماعیل بن مسلم ہے، اور وہ ضعیف ہے، لیکن اولاً تو یہ حدیث بلا معارض ہے۔

ثانیاً: اثر ذیل (جو عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ تابعیؒ کا ہے۔ ناقل) سے جو منتقیٰ کے"

---

[1] تحقیق مشکوۃ المصابیح (۱:۳۲۲) طبع المکتب الاسلامی بیروت

[2] مجموعہ مقالات وفتاویٰ مولانا عظیم آبادیؒ (ص ۱۲۸)

[3] ایضاً (ص ۳۱۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بَابُ خُطْبَةِ الْعِيْدِ وَاَحْكَامِهَا ‘‘میں مذکور ہے، یہ ضُعف منجبر ہو جاتا ہے۔ [۱]

رہا ابوسعدؒ کا مدلس ہونا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ عمرو بن قیسؒ جو سابقہ روایت کے راوی اور نہایت ثقہ اور غیر مدلس ہیں، نے ابوسعدؒ کی اس روایت میں متابعت کی ہے۔ اور جب مُدلّس راوی کی کوئی ثقہ راوی متابعت کر دے تو مُدلّس کی عَنۡ والی روایت قابل حجت و قابل عمل ہو جاتی ہے۔ [۲]

اور خود علمائے غیر مقلدین: مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری (م ۱۳۵۳ھ)، مولانا محمد گوندلوی (م ۱۴۰۵ھ) وغیرہ نے بھی تصریح کی ہے کہ تدلیس کا شبہ متابعت اور تائید سے ختم ہو جاتا ہے۔ [۳]

الحاصل! ابوسعد بقالؒ پر دونوں اعتراضات کالعدم ہیں، اور یہ روایت ہر لحاظ سے صحیح ہے۔

❁❁❁❁❁

---

[۱] مجموعہ فتاویٰ مولانا عبداللہ غازی پوریؒ (ص ۲۸۹)

[۲] نزھۃ النظر (ص ۹۱)

[۳] ابکار المنن (ص ۱۹۸)، خیر الکلام (ص ۱۶۱، ۱۷۰، ۲۲۱)، نور العینین (ص ۱۲۳)، مقالاتِ راشدیہ (۲: ۱۹۳)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

چند روایات بطور شواہد

مذکورہ بارہ روایات دورِ خلافت راشدہ میں بیس تراویح کے اثبات میں بطور اصل اور استدلال کے تھیں۔ اب ان کی تائید اور استشہاد میں چند روایات ذکر کی جاتی ہیں۔ اور چونکہ یہ روایات بطور تائید اور متابعت کے ہیں، اس لیے ان کی اسانید پر بحث نہیں کی جائے گی، اور نہ ہی ان پر وارد کسی اعتراض کا جواب دیا جائے گا۔ کیونکہ اگر یہ روایات بالفرض ضعیف بھی ہوں تو تب بھی ان کو سابقہ صحیح روایات کی تائید میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ مشہور غیر مقلد عالم مولانا محمد گوندلوی صاحبؒ (م ۱۴۰۵ھ) نے چند روایات بطور متابعت ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

ان روایات کے بعض راوی اگرچہ ضعیف ہیں۔ مگر متابعت میں ذکر کرنے سے کوئی حرج نہیں۔ [۱]

نیز لکھتے ہیں:

متابعات میں صحت شرط نہیں۔ [۲]

مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری (۱۳۵۳ھ) ارقام فرماتے ہیں۔

واضح ہو کہ شواہد میں جو باقی اور روایتیں ذکر کی گئی ہیں، وہ بھی محض استشہاداً و متابعتاً ذکر کی گئی ہیں، نہ احتجاجاً و استدلالاً، پس ان کا بھی ضُعف کچھ مضر نہیں ہے۔ [۳]

---

[۱] خیر الکلام (ص ۲۳۳)

[۲] التحقیق الراسخ (ص ۱۴۳)

[۳] مقالات مبارکپوری (ص ۲۲۸)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

پہلی روایت بطور شاہد

"عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ، قَالَ: كَانَ النَّاسُ يُصَلُّوْنَ فِيْ زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِيْ رَمَضَانَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً يُطِيْلُوْنَ فِيْهَا الْقِرَاءَةَ وَيُوْتِرُوْنَ بِثَلَاثٍ"۔[۱]

"تابعی شہیر حضرت محمد بن کعب قرظیؒ (م ۱۱۷ھ) فرماتے ہیں کہ لوگ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں بیس رکعت (تراویح) پڑھا کرتے تھے، اور وہ ان میں لمبی قرأت کرتے تھے، اور (پھر) تین وتر پڑھتے تھے۔"

دوسری روایت:

شارح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

"وَرَوَى مَالِكٌ مِنْ طَرِيْقِ يَزِيْدَ بْنِ خُصَيْفَةَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ أَنَّهَا عِشْرُوْنَ رَكْعَةً۔"[۲]

"امام مالک نے (موطأ میں) یزید بن خصیفہؒ کے واسطہ سے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ تراویح کی (حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں) بیس رکعتیں تھیں۔"

نامور غیر مقلد عالم قاضی محمد شوکانیؒ (م ۱۲۵۰ھ) لکھتے ہیں:

"وَفِي الْمُوَطَّأِ مِنْ طَرِيْقِ يَزِيْدَ بْنِ خُصَيْفَةَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ أَنَّهَا عِشْرُوْنَ رَكْعَةً"[۳]

"موطا" میں یزید بن خصیفہؒ کے طریق سے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہما سے

---

[۱] قیام اللیل (ص ۲۲۰) طبع حدیث اکادمی فیصل آباد

[۲] فتح الباری (۳۱۸:۴)

[۳] نیل الاوطار (۵۱۴:۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

مروی ہے کہ تراویح (عہدِ عمرؓ میں) بیس رکعات تھیں۔"

(ف) مولانا عبدالمنان نور پوری صاحبؒ (م ۱۴۳۳ھ) لکھتے ہیں: اس اثر کو "موطا امام مالک"، "موطا امام محمدؒ" اور "سنن کبریٰ للبیہقی" میں تلاش کیا، مگر ان سب کتب میں سے کسی ایک میں بھی نہیں پایا۔ لیکن کہا جا سکتا ہے کہ موطا کے نسخے سولہ ہیں۔ متداول نسخہ میں نہیں تو کیا بات ہوئی۔ البتہ اس میں اتنی بات ہے کہ جب "موطا" کا حوالہ بلا قید نسخہ دیا جائے تو اس سے "موطا امام مالک" کا متداول نسخہ ہی مراد ہوتا ہے۔[۱]

نور پوری صاحب کے اس کلام کے آخری جملہ: جب موطا کا حوالہ... میں نظر ہے، اس لیے کہ محدثین جب کسی حدیث کو "موطا" کی طرف منسوب کرتے ہیں، تو یہ ضروری نہیں کہ، اس سے مراد "موطا" کا متداول نسخہ (نسخہ لیثیؒ) ہی ہو، بلکہ بعض اوقات اس سے مراد موطا کا کوئی اور نسخہ بھی ہو سکتا ہے۔ مثلاً مشہور حدیث "إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ" کو بعض محدثین نے "موطا" کی طرف منسوب کیا ہے، لیکن یہ حدیث "نسخہ لیثیؒ" میں موجود نہیں، بلکہ "نسخہ شیبانیؒ" میں ہے۔ چنانچہ امام سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) "موطا روایۃ الامام الشیبانیؒ" کے تعارف میں لکھتے ہیں:

"رِوَايَةُ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ الشَّيْبَانِيِّ صَاحِبِ أَبِي حَنِيفَةَ، وَفِيهَا أَحَادِيثُ يَسِيرَةٌ زِيَادَةٌ عَلَى سَائِرِ الْمُوَطَّآتِ، مِنْهَا، حَدِيثُ: إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ. (الحديث)۔ وَبِذٰلِكَ يَتَبَيَّنُ صِحَّةُ قَوْلِ مَنْ عَزَا رِوَايَتَهُ إِلَى الْمُوَطَّأِ۔"[۲]

"امام محمد بن حسن شیبانیؒ صاحب ابی حنیفہؒ کا روایت کردہ نسخہ، جس میں چند احادیث ایسی ہیں جو "موطا" کے دیگر نسخوں میں نہیں ہیں، جیسا کہ حدیث: إِنَّمَا الْأَعْمَالُ

---

[۱] تعدادِ تراویح (ص ۶۱)

[۲] تنویر الحوالک شرح الموطا (ص ۱۵)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بِالنِّیَّاتِ۔اس سے ان بعض محدثین کا قول صحیح ثابت ہو جاتا ہے، جنہوں نے اس حدیث کی نسبت ''موطا'' کی طرف کی ہے۔

بعض غیر مقلدین نے حافظ ابن حجرؒ کے اس حدیث کو امام مالکؒ کی طرف منسوب کرنے کو ان کا وہم قرار دیا ہے، اور اس پر دو دلیلیں پیش کی ہیں، ایک یہ کہ حافظ صاحب نے ''الدرایۃ'' میں اس کو امام مالکؒ کی طرف نہیں، بلکہ صرف بیہقیؒ کی طرف منسوب کیا ہے۔

اور دوسری دلیل یہ کہ حافظ ابن حجرؒ کو ''فتح الباری'' میں متعدد روایات کے انتساب میں وہم ہوا ہے۔''[۱]

پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ حافظ صاحبؒ نے اپنی کتاب ''تلخیص الخبیر'' (۲:۴۶) میں بھی اس حدیث کو صراحتاً ''موطا مالک'' کی طرف منسوب کیا ہے۔

اور پھر امام سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) نے بھی حافظ صاحبؒ کا یہ حوالہ بلا رد و انکار نقل کیا ہے۔[۲]

لہٰذا اس پہلی دلیل کا بطلان تو بالکل واضح ہو گیا۔ دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ بزرگ غیر مقلد عالم مولانا محب اللہ راشدی (م ۱۴۱۵ھ) نے لکھا ہے:

وہم بڑے بڑے ائمہ کو ہوئے ہیں، جیسا کہ اس کی کئی مثالیں تنقیدی حصے میں گزر چکی ہیں، لیکن ان اوہام پر پھر دیگر ائمہ حدیث نے تنبیہ کر دی ہیں۔ لیکن ان مثالوں کو لے کر ان کی جو بھی روایت ہو اس میں احتمال نکالا جائے کہ شاید اس میں بھی ان سے وہم ہو گیا ہو، عقلمندی نہیں، بلکہ انتہا درجے کی فن سے نادانی کا ثبوت ہے۔[۳]

اس لیے حافظ ابن حجرؒ کے اوہام کی دو چار مثالیں ذکر کر کے یہ دعویٰ کر دینا کہ یہاں بھی

---

[۱] انوار التوضیح (ص ۳۴۵،۳۴۶)

[۲] الحاوی للفتاوی (۱:۳۳۵،۳۳۶)

[۳] مقالاتِ راشدیہ (۹:۱۸۵)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اس نسبت کرنے میں ان سے وہم ہوا ہے، یہ فن حدیث سے انتہائی درجہ کی نادانی ہے۔ اور پھر کسی ایک معتبر محدث سے بھی یہ ثابت نہیں کہ اس نے کہا ہو کہ حافظ صاحبؒ سے اس نسبت کرنے میں وہم ہوا ہے۔ بلکہ حافظ سیوطیؒ اور علامہ شوکانیؒ غیر مقلد نے حافظ صاحبؒ کی تائید کی ہے۔

اور پھر امام سیوطیؒ سے کیا اس طرح کے اوہام نہیں ہوئے۔[۱] تو پھر ان اوہام کی بنیاد پر کیا یہ دعویٰ درست نہیں ہوگا کہ انہوں نے گیارہ رکعات والی روایت کی نسبت جو "سنن سعید بن منصور" کی طرف کی ہے وہ بھی ان سے وہم ہوا ہے؟ دیدہ باید

رہا معترض کا یہ کہنا کہ یہ روایت نہ موطا میں ہے، اور نہ امام مالک کے طریق سے کسی دوسری کتاب میں اس کا نام ونشان ہے، تو اس کا جواب ان ہی کی زبان سے (جو انہوں نے سوالات الآجری کے ایک حوالہ کے انکار پر ایک صاحب کو دیا ہے[۲]) پیش خدمت ہے کہ: آپ نے موطا کے سولہ (بلکہ اس سے بھی زیادہ) نسخوں کے تمام مخطوطات، اور حدیث کی دیگر تمام کتب کو دیکھا ہے، یا ایسے ہی ہوائی قیاس آرائی فرمائی ہے؟

تیسری روایت:

"عَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ اَنَّهٗ اَمَرَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ صَلٰوةَ الْقِيَامِ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ اَنْ يُّصَلِّيَ بِهِمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً"۔[۳]

"حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو جو رمضان المبارک میں نماز تراویح پڑھاتے تھے، حکم فرمایا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت (تراویح) پڑھائے۔"

چوتھی روایت:

شیخ الاسلام امام ابن عبد البرؒ (م ۴۶۳) نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیس تراویح سے

---

[۱] مثلاً دیکھئے شیخ معلمی غیر مقلد کا حاشیہ علی الفوائد المجموعۃ (ص ۲۸۹، ۳۰۰، ۳۵۵)

[۲] دیکھئے انوار التوضیح (ص ۱۹۲)

[۳] مسند زید بن علی (ص ۱۳۹) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

متعلق ایک روایت جو روایت نمبر ۱۰ کے ذیل ذکر ہوئی ہے، نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

"وَذَكَرَهُ أَبُوبَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ، عَنْ أَبِيْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ، عَنْ عَلِيٍّ"[۱]

"امام ابوبکر بن ابی شیبہؒ نے بھی اسی طرح حضرت علی رضی اللہ سے بیس رکعات کی روایت کو اس سند کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ ہم سے محمد بن فضیلؒ نے بیان کیا، وہ عطاء بن سائبؒ سے روایت کرتے ہیں، وہ ابو عبد الرحمٰن سلمیؒ سے روایت کرتے ہیں، اور وہ اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔"

❁❁❁❁❁

[۱] الاستذکار (۲:۷۰) لابن عبد البرؒ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بیس تراویح

عہد صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین و تبع تابعین میں

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بیس تراویح عہد صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین وتبع تابعین میں

حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد مبارک سے متعلق روایات کے بعد اب دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور تبع تابعین عظام رحمۃ اللہ علیہم کے کچھ آثار ذکر کئے جاتے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار تو بلاشک وشبہ حجت شرعیہ ہیں، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے خود اپنے ان جانثاروں کے نقشِ قدم پر چلنے کی تلقین اور فضیلت بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

”اِنَّ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰی ثِنْتَیْنِ وَسَبْعِیْنَ مِلَّةً، وَتَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلَاثٍ وَّسَبْعِیْنَ مِلَّةً کُلُّهُمْ فِی النَّارِ اِلَّا مِلَّةً وَّاحِدَةً، قَالُوْا: وَمَنْ هِیَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: مَا اَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِیْ۔“[۱]

”بنی اسرائیل بہتر (۷۲) فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے، اور میری امت تہتر (۷۳) فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ یہ سب کے سب فرقے دوزخ میں جائیں گے، سوائے ایک فرقے کے، صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ سے پوچھا وہ کون سا فرقہ ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ لوگ جو میرے اور میرے صحابہؓ کے طریقہ پر کاربند رہے۔“

امام ترمذیؒ (م ۲۷۹ھ) نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ بزرگ غیر مقلد عالم مولانا عبداللہ غازیپوریؒ (م ۱۳۳۷ھ) اس حدیث کی تحقیق میں لکھتے ہیں:

”ترمذی نے اس حدیث کی تحسین کی، اور فی الواقع ترمذی کی یہ تحسین قابل تحسین ہے۔“[۲]

حافظ حسین بن ابراہیم جورقانیؒ (م ۵۴۳ھ) نے بھی اس حدیث کو ایک اور سند کے

---

[۱] جامع الترمذی (۲:۸۹، رقم الحدیث: ۲۶۴۱)

[۲] مجموعہ فتاویٰ مولانا عبداللہ غازیپوری (ص ۷۵)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ساتھ روایت کرنے کے بعد لکھا ہے:

"هٰذَا حَدِيْثٌ عَزِيْزٌ حَسَنٌ مَشْهُوْرٌ، وَرُوَاتُهٗ كُلُّهُمْ ثِقَاتٌ اَثْبَاتٌ كَاَنَّهُمْ بُدُوْرٌ وَّاَقْمَارٌ"۔[۱]

"یہ حدیث قوی، حسن اور مشہور ہے، اور اس کے تمام راوی اس قدر ثقہ اور پختہ کار ہیں کہ گویا وہ چمکتے چاند ہیں۔"

غیر مقلدین کے محدث اعظم حافظ عبداللہ روپڑی صاحبؒ (م ۱۳۸۴ھ) لکھتے ہیں:

اقوال صحابہؓ سے استدلال کرنا ٹھیٹھ اسلام میں داخل ہے۔[۲]

مولانا محمد اسماعیل سلفی صاحبؒ (م ۱۳۸۷ھ) تحریر کرتے ہیں:

اہل حدیث کتاب و سنت کے علاوہ صحابہ اور سلف کے ارشادات کو (دین کی) اصل سمجھتے ہیں، اور اس پر اپنے فہم اور استنباط کی بنیاد رکھتے ہیں۔[۳]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین اور اتباع تابعین کے آثار حجت شرعیہ کا درجہ رکھتے ہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہؓ کے بعد تابعین اور پھر ان کے بعد اتباع تابعین کے نقشِ قدم پر چلنے کی وصیت فرمائی ہے، چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اُوْصِيْكُمْ بِاَصْحَابِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ"

"میں تمہیں اپنے صحابہ (کے نقش قدم پر چلنے) کی وصیت کرتا ہوں، پھر ان لوگوں کے بارے میں جو ان سے ملیں گے یعنی تابعین کرام، اور پھر ان کے بارے میں جو ان سے ملیں گے یعنی اتباع تابعین۔"

---

[۱] الاباطیل والمناکیر والصحاح والمشاهیر (ص ۱۶۵) طبع دار ابن حزم بیروت

[۲] ضمیمہ اہل حدیث (ص ۳) بحوالہ راہ سنت (ص ۳۸)

[۳] تحریک آزادی فکر (ص ۱۴۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

امام حاکمؒ (م ۴۰۵ھ) اور امام ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی شرط پر (صحیح) ہے۔ اور یہ حدیث دیگر دو روایات سے مؤید ہے۔[۱]

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار کے بعد تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ کے آثار یکے بعد دیگرے حجت ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین عظام اور فقہائے کرام اپنی اپنی کتب میں صحابہؓ کے آثار کے بعد تابعین اور تبع تابعین کے آثار ذکر کرنے کا التزام کرتے ہیں، اور ان سے حجت پکڑتے ہیں۔ مثلاً امام المحدثین حضرت امام بخاریؒ (م ۲۵۶ھ) اپنی کتاب ''صحیح بخاری'' جو حدیث کی سب سے معزز اور مہتم بالشان کتب میں شمار ہوتی ہے، میں تابعین اور تبع تابعین کے آثار کو بڑی کثرت کے ساتھ ذکر فرماتے ہیں۔ مثلاً امام موصوف نے ''بَابُ مَا يَقَعُ مِنَ النَّجَاسَاتِ فِي السَّمْنِ وَالْمَاءِ'' کے تحت متعدد تابعینؒ کے آثار اپنے مدعیٰ کے اثبات میں پیش کئے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

''وَقَالَ الزُّهْرِيُّ: لَا بَأْسَ بِالْمَاءِ مَا لَمْ يُغَيِّرْهُ طَعْمٌ أَوْ رِيحٌ أَوْ لَوْنٌ، وَقَالَ حَمَّادٌ: لَا بَأْسَ بِرِيشِ الْمَيْتَةِ، وَقَالَ الزُّهْرِيُّ فِي عِظَامِ الْمَوْتَى نَحْوَ الْفِيلِ وَغَيْرِهِ: أَدْرَكْتُ نَاسًا مِّنْ سَلَفِ الْعُلَمَاءِ يَمْتَشِطُونَ بِهَا وَيَدَّهِنُونَ فِيهَا، لَا يَرَوْنَ بِهِ بَأْسًا، وَقَالَ ابْنُ سِيرِينَ، وَإِبْرَاهِيمُ: وَلَا بَأْسَ بِتِجَارَةِ الْعَاجِ۔''[۲]

''امام زہریؒ فرماتے ہیں: پانی کا استعمال اس وقت درست ہے، جب تک کہ اس کا ذائقہ، یا بُو یا رنگ نہ بدلے۔ امام حمادؒ فرماتے ہیں: مردار کے پَر (کو استعمال کرنے) میں کوئی مضائقہ نہیں۔ امام زُہریؒ مردار جیسے ہاتھی وغیرہ کی ہڈیوں سے متعلق فرماتے ہیں کہ میں نے کئی علمائے سلف کو دیکھا ہے کہ وہ ان سے کنگھی کرتے تھے، اور ان میں

---

[۱] مستدرک حاکم مع حاشیہ (۱:۱۹۸)

[۲] صحیح بخاری (۱:۳۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

تیل رکھتے تھے، اور وہ ان کے استعمال کو برا نہیں سمجھتے تھے۔ امام ابن سیرینؒ اور امام ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں: ہاتھی دانت کی خرید و فروخت میں کوئی حرج نہیں۔"

بزرگ غیر مقلد عالم مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹیؒ (م ۱۳۷۵ھ) لکھتے ہیں:

جس طرح صحیح بخاری " قَالَ الْحَسَنُ الْبَصْرِي " سے بھری پڑی ہے، اسی طرح " وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ النَّخَعِي " سے بھی بھری پڑی ہے۔[۱]

پس جب رسول اللہ ﷺ بھی صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ کے نقش قدم پر چلنے کی وصیت اور تاکید فرما گئے ہیں، اور تمام محدثین اور فقہاء بھی ان کے آثار کو حجت گردانتے ہیں، تو پھر آج کے دور میں کچھ لوگ اگر یہ دعویٰ کر بیٹھیں کہ ان تینوں جلیل القدر طبقوں کے آثار کی کچھ وقعت نہیں ہے تو یہ دعویٰ صرف اور صرف "چھوٹا منہ بڑی بات" کا ہی مصداق ہوگا۔

اب وہ آثار ملاحظہ ہو جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ کا بیس رکعت تراویح پڑھنا مذکور ہے۔

اثر نمبر ۱:

امام محمد بن نصر مروزیؒ (م ۲۹۴ھ) فرماتے ہیں:

"أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ، قَالَ: كَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُودٍ يُصَلِّي لَنَا فِي شَهْرِ رَمَضَانَ فَيَنْصَرِفُ وَعَلَيْهِ لَيْلٌ، قَالَ الْأَعْمَشُ: كَانَ يُصَلِّي عِشْرِينَ رَكْعَةً وَيُوتِرُ بِثَلَاثٍ۔"[۲]

"ہم کو یحییٰ بن یحییٰؒ نے خبر دی ہے، وہ فرماتے ہیں: ہم کو حفص بن غیاثؒ نے خبر

---

[۱] تاریخ اہل حدیث (ص ۱۲۹)

[۲] مختصر قیام اللیل (ص ۲۲۱) عمدۃ القاری (۲۴۶:۸)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

دی ہے، وہ اعمشؒ سے، اور وہ حضرت زید بن وھبؒ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہم کو رمضان المبارک میں نماز (تراویح) پڑھاتے تھے، اور ہم جب اس سے فارغ ہو کر واپس لوٹتے تھے تو ابھی رات باقی ہوتی تھی، حضرت اعمشؒ (جن کے بارے میں امام قاسم بن عبدالرحمٰنؒ (م ۱۱۶ھ) کہتے ہیں: هُوَ اَعْلَمُ النَّاسِ بِقَوْلِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ [۱] کہ اعمشؒ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اقوال کو سب لوگوں سے زیادہ جاننے والے ہیں) فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھایا کرتے تھے۔"

اس روایت کے سارے راوی ثقہ ہیں۔ [۲]

مشہور غیر مقلد ناقد شیخ البانی (م ۱۴۲۰ھ) اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اَنَّهٗ صَحِيْحٌ اِلَى الْاَعْمَشِ" "اس اثر کی سند اعمشؒ تک صحیح ہے"[۳]

---

[۱] تاریخ بغداد (۹:۱۱)

[۲] چنانچہ پہلے راوی امام محمد بن نصر مروزیؒ (م ۲۹۴ھ) "قیام اللیل" کے مصنف ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں: اَلْفَقِيْهُ ثِقَةٌ حَافِظٌ اِمَامٌ جَبَلٌ۔ کہ وہ فقیہ، ثقہ، حافظ الحدیث اور بلند پایہ امام ہیں۔ تقریب التھذیب (۱۴۰:۲)۔
دوسرے راوی یحییٰ بن یحییٰ بن بکیر تمیمی نیشاپوریؒ (م ۲۲۶ھ)، صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ کے راوی ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں: ثِقَةٌ ثَبْتٌ اِمَامٌ، تقریب التھذیب (۳۱۸:۲)۔
تیسرے راوی حفص بن غیاثؒ (م ۱۹۴ھ) بھی ثقہ اور صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ امام ابن معینؒ، امام عجلیؒ، امام ابن نمیرؒ، امام ابو حاتمؒ، امام نسائیؒ اور امام ابن مھدیؒ وغیرہ نے ان کی زبردست الفاظ میں توثیق کی ہے۔ امام یحییٰ قطانؒ فرماتے ہیں: اَوْثَقُ اَصْحَابِ الْاَعْمَشِ حَفْصُ بْنُ غَيَاثٍ، اعمشؒ کے شاگردوں میں حفص بن غیاثؒ سب سے زیادہ ثقہ ہیں۔ تہذیب التھذیب (۵۶۸:۱) اور ان کی یہ روایت بھی اعمشؒ سے ہے۔
چوتھے راوی سلیمان بن مھران "اعمشؒ" (م ۱۴۷ھ) بھی ثقہ اور صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ امام شعبہؒ، امام عجلیؒ، امام وکیعؒ، امام ابن معینؒ وغیرہ سب محدثین ان کی تعریف و توثیق کرتے ہیں۔ تھذیب التھذیب (۵۶۸:۱)،
پانچویں راوی حضرت زید بن وھبؒ (م ۹۶ھ): حضرات خلفائے راشدین، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت حذیفہؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ وغیرہ صحابہ کرامؓ کے شاگرد اور بالاتفاق ثقہ تابعی ہیں۔ دیکھئے تھذیب التھذیب (۴۲۹:۲)۔

[۳] حاشیہ رسالہ صلوۃ التراویح (ص ۷۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اعتراض اول:

البتہ شیخ البانیؒ وغیرہ غیر مقلدین کی طرف سے اس روایت پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ روایت منقطع ہے۔ کیونکہ حضرت اعمشؒ (م ۱۴۷ھ) نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا، ان کی ولادت حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ہوئی۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ حضرت اعمشؒ نے اگرچہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا لیکن انہوں نے ان لوگوں کو تو ضرور پایا ہے، جن کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ تراویح پڑھایا کرتے تھے، ان میں سے ایک ان کے استاذ اور مذکورہ اثر کے راوی حضرت زید بن وہبؒ (م ۹۶ھ) بھی ہیں۔ اور روایت نمبر ۲ کے ذیل میں مولانا عبد الرحمٰن مبارک پوری (م ۱۳۵۳ھ) کا حوالہ ذکر ہو چکا ہے، جس میں انہوں نے لیث بن سعدؒ (جو تبع تابعین میں سے ہیں) کے اثر: حضرت عمر و عثمان رضی اللہ عنہما نے اہلِ اسکندریہ و اہلِ مصر کو جمعہ قائم کرنے کا حکم دیا تھا، پر انقطاع کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے کہ لیثؒ نے اگرچہ حضرت عمر و عثمان رضی اللہ عنہما کو نہیں پایا لیکن ان لوگوں کو تو پایا ہے جو ان کے حکم سے جمعہ پڑھتے تھے، پھر سند کیسے منقطع ہوگئی؟

مبارکپوری صاحب کے بیان کردہ اس اصول کی روشنی میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مذکورہ اثر پر انقطاع کا شبہ زائل ہو جاتا ہے، کیونکہ اُن سے اس اثر کے راوی حضرت اعمشؒ (م ۱۴۷ھ) نے نہ صرف یہ کہ اُن کے پیچھے تراویح پڑھنے والوں میں سے بعض (حضرت زید بن وہبؒ وغیرہ) کو پایا ہے، بلکہ ان سے استفادہ بھی کیا ہے۔ جن سے انہوں نے یہ بات معلوم کرلی ہوگی۔ بالخصوص جب حضرت اعمشؒ کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے علم کا سب سے بڑا عالم قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ بحوالہ گزرا ہے۔

نیز مولانا محب اللہ راشدی (م ۱۴۱۵ھ) ایک اثر سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اس (اثر) میں بھی ابراہیم نخعی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نقل کرتا ہے کہ انہوں نے مسروق کے فعل کو اپنے ہاں پسندیدہ قرار دیا ہے۔ مسروق نے مغرب کی ایک رکعت جو اس کو امام کے ساتھ ملی تھی اس کو اول نماز قرار دیا، یہی وجہ ہے کہ جب امام نے سلام پھیرا تو وہ اٹھا اور ایک رکعت پڑھ کر پھر بیٹھ گیا تھا۔

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ابراہیم نخعی کو یقیناً سماع حاصل نہیں، لیکن اس جگہ وہ مسروق کا واقعہ نقل کر رہا ہے، اور مسروق سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا تلمیذ رشید اور ابراہیم کا شیخ واستاد ہے۔ ابراہیم نے ان سے بہت سی روایات لی ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ یہ واقعہ ابراہیم مسروق سے سن کر بیان کر رہا ہے، لہٰذا یہ اثر متصل ہوا منقطع نہیں ہوا۔[1]

دیکھیں یہاں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ان کے شاگرد مسروقؒ کے درمیان جو واقعہ اس واقعہ کے ناقل ابراہیم نخعیؒ کی ولادت سے پہلے پیش آیا، اس کو اس وجہ سے متصل قرار دیا جارہا ہے کہ ان دونوں میں سے ایک صاحب واقعہ (مسروقؒ) ابراہیم نخعیؒ کے استاذ ہیں، اور قرین قیاس یہ ہے کہ واقعہ انہوں نے اپنے استاذ سے سنا ہوگا۔ تو یہاں بھی تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ان کے شاگرد زید بن وہب کے درمیان جو واقعہ (حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیس تراویح پڑھانا، اور زید بن وہبؒ کا ان کے پیچھے یہ نماز پڑھنا) اگرچہ اعمشؒ کی زندگی میں پیش نہیں آیا لیکن ان دونوں میں سے ایک صاحب واقعہ (زید بن وہبؒ) اعمشؒ کے استاذ ہیں، لہٰذا انہوں نے بھی یہ واقعہ یقیناً اُن سے سن کر ہی بیان کیا ہوگا، لہٰذا یہ اثر بھی منقطع نہیں، بلکہ متصل ٹھہرا۔

ثانیاً: اگر یہ اثر متصل السند نہ بھی ہو تو پھر بھی یہ قابل استدلال ہے، کیونکہ پھر یہ ایسا مرسل ہو گا جو کہ قابل حجت ہے۔ چنانچہ "مُرسل" کی بحث میں امام دارقطنیؒ (م ۳۸۵ھ) کا حوالہ ذکر

[1] مقالات راشدیہ (۱:۲۲۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ہو چکا ہے، جس میں انہوں نے ابراہیم نخعیؒ (م ۹۶ھ) کی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ مُرسل کو اس لیے قابل حجت قرار دیا ہے، کیونکہ وہ ان کے اقوال وفتاوی کے سب سے بڑے عالم ہیں۔

اس اصول کی روشنی میں امام اعمشؒ کی یہ مرسل روایت بھی قابل حجت ہے، کیونکہ اُن کو بھی امام قاسم بن عبدالرحمٰنؒ (م ۱۱۶ھ) نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اقوال کا سب سے بڑا عالم قرار دیا ہے۔

ثالثاً: یہ اثر مُرسل ہونے کی صورت میں مرسل مُعتضد ہے جو کہ بالاتفاق حجت ہے۔ چنانچہ محدث شہیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ (م ۱۴۱۲ھ) تحریر فرماتے ہیں:

> زید وہبؒ، حضرت ابن مسعودؓ کے اصحاب میں سے ہیں، بلکہ انہوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے بھی حدیث سنی ہے۔ لہٰذا یہ روایت متصل ہے، مگر چونکہ بیس رکعات کا ذکر باقی حصہ سے الگ کر کے یوں کیا گیا ہے کہ قَالَ الْأَعْمَشُ الخ اس لیے ہم نے اس روایت کو مرسل روایتوں کے ضمن میں ذکر کیا ہے، مگر اس کا مُرسل ہونا مضر نہیں۔ اس لیے کہ ابن مسعودؓ کے اصحاب خاص (شُتیر بن شکلؒ، ابن ابی ملیکہؒ، سوید بن غفلہؒ وغیرہم۔ ناقل) کے عمل سے اعمشؒ کے بیان کی زبردست تائید ہوتی ہے، اور مُرسل اعتضاد کے بعد مقبول ہو جاتا ہے۔ دیکھئے صحیح البخاری مع فتح الباری (۲:۱۸۰) میں حدیث آمین کے آخر میں ہے: "قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ آمِيْنَ" یہ ٹکڑا مرسل ہے۔ مگر ابن حجر عسقلانیؒ نے لکھا ہے: "وَهُوَ وَإِنْ كَانَ مُرْسَلًا فَقَدِ اعْتَضَدَ بِصَنِيْعِ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ؓ رَاوِيْهِ"۔ یعنی یہ ٹکڑا اگرچہ مرسل ہے، مگر اس کو راوی حدیث حضرت ابوہریرہؓ کے عمل سے مضبوطی اور تقویت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

حاصل ہے۔"[۱]

لہٰذا یہاں بھی اگرچہ ابن مسعودؓ کی نسبت اعمش کا بیان مُرسل ہے، مگر اعمشؒ کے بیان کی پرزور تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کے اصحاب خاص، شُتیر بن شکل اور سوید بن غفلہؒ، نیز ان کے اصحاب خاص کے شاگرد ابوالبختریؒ بیس رکعت پڑھتے تھے۔[۲]

اعتراض ثانی:

مولانا عبدالمنان نور پوری (م ۱۴۳۴ھ) لکھتے ہیں:

اس اثر کی سند میں حفص بن غیاث اور اعمش دو راوی ہیں۔ حفص بن غیاث سے متعلق "تقریب" میں ہے: ثقہ فقیہ ہے، آخر میں اس کا حافظہ تھوڑا سا متغیر ہو گیا تھا۔

اور اعمش کی بابت "تقریب" ہی میں تحریر ہے: ثقہ حافظ ہے، قرأت کا عالم ہے، پرہیزگار آدمی ہے، مگر تدلیس کرتا ہے۔ مدلس راوی کے بارے میں اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ جب وہ لفظ عَن یا کسی ایسے صیغے کے ساتھ روایت کرے جو سماع میں نص نہ ہو تو پھر اس کی روایت حجت نہیں ہوتی، اور اس مقام پر حضرت اعمش اس اثر کو لفظ عَن کے

---

[۱] حافظ ابن حجرؒ کے اس قول سے مولانا رحمانی کا یہ شبہ بھی دور ہو گیا کہ اعمشؒ کی مرسل روایت اعتضاد کے بعد بھی مقبول نہیں، کیونکہ وہ صغار تابعین میں سے ہیں، اور مرسل معتضد صرف کبار تابعین کی حجت ہے، انوار المصابیح (ص ۲۸۲) اس شبہ کے ازالہ کی تفصیل یوں ہے کہ ابن شہاب زہریؒ جو کبار تابعین میں سے نہیں، بلکہ طبقہ رابعہ میں سے ہیں (تقریب ۲: ۱۳۳) جن کے متعلق خود مولانا نذیر احمد رحمانی لکھتے ہیں: چوتھا طبقہ وہ ہے جو تابعین کے طبقہ وسطیٰ کے قریب ہے۔ انوار المصابیح (ص ۲۸۰)
اب جب کہ امام زہریؒ کبار تابعین میں سے نہیں ہیں، لیکن اس کے باوجود حافظ ابن حجرؒ جو شافعی المسلک ہیں، ان کے نزدیک زہریؒ کی مرسل روایت اعتضاد کے بعد مقبول ہے، تو پھر اعمشؒ کی مرسل معتضد کیوں مقبول نہیں؟ نیز عہدِ خلفائے راشدین سے متعلق روایت نمبر ۱ کے ذیل میں بحوالہ علمائے غیر مقلدین گزر چکا ہے کہ کبار تابعین کی طرح اوساط اور صغار تابعین کی مرسل معتضد بھی حجت ہے۔

[۲] رکعات تراویح (ص ۶۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ساتھ روایت کرتے ہیں تو اصول حدیث ''جس کو پیش نظر رکھنا ہر ذی علم پر لازم ہے'' کی رُو سے یہ اثر قابل احتجاج واستدلال نہیں۔[۱]

نور پوری صاحب کے اس اعتراض کی پہلی شق کا جواب یہ ہے کہ خود ان کے اپنے استاذ مولانا محمد گوندلوی ؒ (م ۱۴۰۵ھ) نے حفص بن غیاث ؒ پر اسی اعتراض کا جواب دیتے ہوئے اس کے دفاع میں ''تقریب'' کی یہی مذکورہ عبارت ذکر کر کے لکھا ہے:

لہٰذا یہ کوئی مضر نہیں۔[۲]

یعنی معمولی تغیر حفظ اس راوی کی روایت کے قابل استدلال ہونے کے لیے مانع نہیں۔

اور نور پوری صاحب کے اعتراض کی شق ثانی کا جواب یہ ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی ؒ (م ۸۵۲ھ) جن کی کتاب ''تقریب'' کے حوالے سے نور پوری صاحب نے اعمش ؒ کو مدلس ثابت کیا ہے، نے ان کو طبقہ ثانیہ (دوسرے طبقے) کا مدلس قرار دیا ہے۔[۳]

اور نور پوری صاحب کے استاذ مولانا گوندلوی ؒ (م ۱۴۰۵ھ) لکھتے ہیں:

دوسرے طبقہ کے مدلسین کے متعلق حافظ ابن حجر نے لکھا ہے: ائمہ حدیث نے ان کی تدلیس برداشت کی ہے، اور ان کی حدیث صحیح سمجھی ہے، کیونکہ یہ لوگ امام تھے، اور تدلیس کم کرتے تھے۔[۴]

اب نور پوری صاحب کے اعتراض کی ان دونوں شقوں کا بطلان خود ان کے اپنے استاذ محترم کے قلم سے ثابت ہو گیا۔ الحمد للہ

نیز ابھی اعتراض نمبر ۱ کے جواب میں گزرا ہے کہ ہمارا استدلال اس روایت کے

---

[۱] تعداد تراویح (ص ۷۳)

[۲] خیر الکلام (ص ۲۱۵)

[۳] تعریف اھل التقدیس بمراتب الموصوفین بالتدلیس (ص ۶۷ ت ۵۵) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

[۴] خیر الکلام (ص ۲۱۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اُس ٹکڑے سے ہے جو اعمشؒ کا اپنا بیان ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیس رکعت پڑھاتے تھے، اور جو ٹکڑا انہوں نے اپنے استاذ زید بن وھبؒ سے ''عَنْ'' کے ساتھ بیان کیا ہے وہ ہمارا اصل مستدل نہیں ہے، لہٰذا یہ اعتراض ہی فضول ہے۔

نیز علامہ خطیب بغدادیؒ (م ۴۶۳ھ) نے ثقہ محدث محمد بن عبد اللہ بن عمارؒ (م ۲۴۲ھ) سے نقل کیا ہے:

''وَكَانَ عَامَةُ حَدِيْثِ الْأَعْمَشِ عِنْدَ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ عَلَى الْخَبَرِ وَالسَّمَاعِ ''[۱]

''امام اعمشؒ کی اکثر احادیث جو حفص بن غیاثؒ نے ان سے روایت کی ہیں وہ خبر اور سماع پر محمول ہیں۔''

اور یہ مذکورہ روایت بھی اعمشؒ سے حفص بن غیاثؒ نے ہی بیان کی ہے۔ لہٰذا اعمشؒ کی روایت کا پہلا ٹکڑا بھی جو انہوں نے عَنْ سے بیان کیا ہے، حجت ہے، اور ان کا عنعنہ سماع پر محمول ہے۔

اعتراض ثالث:

حافظ زبیر علی زئی (م ۱۴۳۵ھ) نے اس روایت پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس کی سند میں حفص بن غیاثؒ مدلس ہیں اور وہ عن سے روایت کر رہے ہیں۔[۲]

لیکن یہ اعتراض بھی باطل ہے، کیونکہ حفص بن غیاثؒ طبقہ اُولیٰ کے مدلس ہیں جن کی تدلیس بقول حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) مضر نہیں۔[۳]

زبیر علی زئی کے ممدوح مولانا محمد گوندلویؒ (م ۱۴۰۵ھ) نے حفص بن غیاثؒ کے دفاع

---

[۱] تاریخ بغداد (۱۹۵:۸)

[۲] تعداد رکعات قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ (ص ۳۰)

[۳] تعریف اہل التقدیس (ص ۳۵)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

میں لکھا ہے: یہ مرتبہ اُولی کے مدلس ہیں۔ (طبقات المدلسین ص ۱۵) اور اس طبقہ کی
تدلیس کوئی مُضر نہیں۔[۱]

بلکہ باقرار علی زئی، حفص بن غیاث مُدلس ہی نہیں ہیں، چنانچہ علی زئی ایک راوی ابوقلابہؒ (م ۱۰۴ھ) کے دفاع میں لکھتے ہیں:

حافظ ذہبی کی پیروی کرتے ہوئے حافظ ابن حجرؒ نے آپ کو مدلسین میں شمار کیا ہے، مگر اس درجہ (الدرجۃ الاُولیٰ) میں جس کی عَن والی روایت بھی ان کے نزدیک یکساں مقبول ہیں۔ (طبقات المدلسین: ص ۳۹) بلکہ انہوں نے اس سے رجوع کرلیا ہے اور بتایا ہے کہ ابوقلابہ مدلس نہیں تھے (النکت علی ابن الصلاح: ج ۲ ص ۶۳۷)۔[۲]

زبیر علی زئی نے حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) کی جس کتاب (النکت) کا حوالہ دیا ہے اس کے محولہ صفحہ پر جیسے ابوقلابہؒ کی تدلیس کی نفی ہے، ایسے ہی وہاں حفص بن غیاثؒ کی تدلیس کی بھی نفی ہے۔علی زئی صاحب کے انصاف کو داد دیجئے کہ وہ ابوقلابہؒ کے حق میں تو حافظ ابن حجرؒ کے فیصلے کو بڑے طمطراق سے قبول کررہے ہیں، لیکن حفص بن غیاثؒ کے حق میں ان کے فیصلے کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ؎

یہ لوگ بھی غضب ہیں دل پر یہ اختیار
شب موم کر لیا، سحر آہن بنا لیا

اثر نمبر ۲:

امام ابن ابی الدنیاؒ (م ۲۸۱ھ) فرماتے ہیں:

’’حَدَّثَنَا شُجَاعٌ، ثَنَا هُشَيْمٌ، أَنْبَأَ يُونُسُ، قَالَ: شَهِدْتُ النَّاسَ قَبْلَ وَقْعَةِ ابْنِ الْأَشْعَثِ وَهُمْ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ، فَكَانَ يَؤُمُّهُمْ

[۱] خیر الکلام (ص ۲۱۵)

[۲] الکواکب الدریہ (۲۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

عَبْدُ الرَّحْمٰنِ ابْنُ اَبِیْ بَکْرَۃَ صَاحِبُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَسَعِیْدُ بْنُ اَبِی الْحَسَنِ وَمَرْوَانُ الْعَبْدِیُّ، فَکَانُوْا یُصَلُّوْنَ بِھِمْ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً۔"[۱]

"ہم سے شجاع بن مخلدؒ نے بیان کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ہم سے ہُشیمؒ نے بیان کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ہمیں یونس بن عبیدؒ نے بتایا کہ میں نے واقعہ ابن الاشعث (عبدالرحمٰن بن اشعثؒ اور حجاج بن یوسف کی فوجوں کے درمیان ۸۲ھ میں جو معرکہ ہوا تھا) سے پہلے لوگوں کو دیکھا کہ رمضان المبارک میں ان کی امامت کا فریضہ صحابی رسول ﷺ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ رضی اللہ عنہ، سعید بن ابی الحسنؒ اور مروان عبدیؒ ادا کرتے تھے، اور وہ ان کو بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے۔ [۲]

اس اثر میں تین حضرات کا بیس تراویح پڑھانا مذکور ہے، اول الذکر حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ رضی اللہ عنہ، صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ دوسرے حضرت سعید بن ابی الحسنؒ (م ۱۰۰ھ) ثقہ وجلیل المرتبت تابعین میں سے ہیں۔ اور سید التابعین

---

[۱] فضائل شہر رمضان (ص ۶۳) طبع مکتبۃ القرآن قاہرہ، موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا (۱: ۳۷۳) طبع المکتبۃ العصریۃ بیروت

[۲] اس اثر کے پہلے راوی امام عبداللہ بن محمد بغدادی المعروف "ابن ابی الدنیا" (م ۲۸۱ھ) نامور محدث وصاحب تصانیف کثیرہ ہیں۔ سیر اعلام النبلاء (۱۳: ۳۹۷) جب کہ دیگر تینوں راوی، شجاع بن مخلدؒ، ہشیمؒ اور یونس بن عبیدؒ بھی مشہور ثقہ راویوں میں سے ہیں، جیسا کہ روایت نمبر ۴ میں گزرا ہے۔ نیز امام ابن عساکر دمشقیؒ (م ۵۷۱ھ) نے اس اثر کو اپنی درج ذیل سند کے ساتھ روایت کیا ہے:
اَخْبَرَنَا اَبُوْ غَالِبِ بْنُ الْبَنَّا، اَنَا اَبُوْ مُحَمَّدٍ الْجَوْھَرِیُّ، اَنَا اَبُوْ عَبْدِ اللّٰہِ الْحُسَیْنُ بْنُ عُمَرَ بْنِ عِمْرَانَ بْنِ حُبَیْشٍ الضَّرَّابُ نَا حَامِدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ شُعَیْبٍ الْبَلْخِیُّ، نَا سُرَیْجُ بْنُ یُوْنُسَ، نَا ھُشَیْمٌ... تاریخ مدینۃ دمشق (۱۳: ۳۶) طبع دار الفکر بیروت۔ اور اس سند کے سارے راوی بھی ثقہ ہیں۔ دیکھئے بالترتیب: سیر اعلام النبلاء (۱۹: ۶۰۳، ۱۸: ۶۸)، تاریخ بغداد (۸: ۸۱، ۱۶۵، ۱۶۶)۔ سیر اعلام النبلاء (۱۱: ۱۴۶)
نیز امام سعید بن منصورؒ (م ۲۲۷ھ) جو کہ: الحافظ، الامام، شیخ الحرم، ثقہ، صادق اور علم کے جامع تھے۔ سیر اعلام النبلاء (۱۰: ۵۸۶) نے اپنی "سنن" میں اس اثر کو براہ راست، ہشیمؒ سے روایت کیا ہے۔ ضوء المصابیح (ص ۲۴۰) للسکیؒ۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

حضرت حسن بصریؒ کے بھائی ہیں[۱]۔ تیسرے حضرت مروان عبدیؒ بھی تابعین میں سے ہیں۔

کفایت اللہ سنابلی غیر مقلد نے اس اثر کی سند کو صحیح تسلیم کرنے کے باوجود اس پر دو اعتراض کردیے ہیں:

پہلا اعتراض:

اس سند کے ساتھ مذکورہ متن کا الحاق کسی راوی کا وہم ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ عین اس طریق (شجاع بن مخلد عن ھشیم ...) سے دیگر اوثق لوگوں نے روایت کیا تو اس میں دوسرے متن کا ذکر ہے۔

اور پھر انہوں نے ''سنن ابی داوٗد'' کی روایت پیش کی، جس میں اس سند کے ساتھ حضرت حسن بصریؒ (م ۱۱۰ھ) سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جب حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ پر جمع کیا تو وہ ان کو بیس دن (اور دوسرے نسخے میں بیس رکعت) تراویح پڑھاتے تھے (یہ مکمل روایت پہلے ذکر ہوچکی ہے)...[۲]

جواب: اس مذکورہ اثر کو ہشیم بن بشیرؒ (م ۱۸۳ھ) سے کم ازکم تین راوی روایت کر رہے ہیں۔

(۱) شجاع بن مخلدؒ (م ۲۳۵ھ)

(۲) سُریج بن یونسؒ (م ۲۳۵ھ)

(۳) سعید بن منصور (م ۲۲۷ھ)

اور یہ تینوں ثقہ راوی ہیں، اور پھر آگے ان سے جن راویوں نے یہ اثر روایت کیا ہے،

---

[۱] سیر اعلام النبلاء (۴:۵۸۸)

[۲] انوار التوضیح (ص ۳۶۶۔۳۷۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

وہ بھی سب ثقہ ہیں۔ بلکہ آخر الذکر (امام سعید بن منصورؒ) نے اس اثر کو اپنی ''سُنن'' میں روایت کیا ہے، اور غیر مقلدین (بشمول سنابلی صاحب) ان کی سُنن کے حوالہ سے ایک روایت سے استدلال کرتے ہیں، اور اس کو ''فِيْ غَايَةِ الصِّحَةِ'' (انتہائی درجہ کی صحیح) قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ حصہ دوم میں آرہا ہے۔ اس کے باوجود وہ ان جیسے راویوں پر الحاق کا الزام لگانے سے نہیں شرماتے۔

ع شرم تم کو مگر نہیں آتی

دراصل یہ غیر مقلدین نام تو حدیث کا لیتے ہیں، لیکن حدیث کے سب سے بڑے مخالف یہی ہیں، کوئی بھی حدیث اگر ان کے مزاج کے خلاف ہو تو وہ چاہے کتنی ہی مضبوط سند سے کیوں نہ مروی ہو، کسی نہ کسی حیلے و بہانے سے یہ اس کو ضعیف بنا کر ہی چھوڑتے ہیں۔ مولانا محب اللہ راشدی (م ۱۴۱۵ھ) نے اپنے ان غیر مقلدین کی اس روش کا شکوہ کرتے ہوئے لکھا ہے: یہ ایک المناک حقیقت ہے کہ آج ہمارا حال یہ ہوگیا ہے کہ کوئی حدیث ہمارے مذاق کے موافق نہیں ہوتی، یا اس پر عمل پیرا ہونے میں قدرے دشواری پیش آتی ہے تو اس کو کسی نہ کسی طرح ضعیف بنا کر رکھ دیتے ہیں، خواہ اس میں ہمیں کتنے ہی پاپڑ بیلنے کیوں نہ پڑیں۔[۱]

سنابلی صاحب کی تو پوری کتاب اسی طرح کے حیلوں اور بہانوں سے بھری پڑی ہے۔ یہاں بھی انہوں نے اس صحیح السند اثر کو ضعیف ثابت کرنے کے لیے یہ بہانا تراشا ہے کہ چونکہ اسی سند کے ساتھ فلاں فلاں محدث نے ایک اور متن روایت کیا ہے، لہٰذا یہ متن کسی راوی نے وہم سے اس سند کے ساتھ ملحق کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ انتہائی بودی دلیل ہے، کیونکہ کتب حدیث میں ایک ہی سند سے کئی کئی متون مروی ہیں، لیکن کوئی بھی ان کو ملحق نہیں قرار دیتا۔

بزرگ غیر مقلد عالم مولانا محمد گوندلویؒ (م ۱۴۰۵ھ) اسی طرح کے ایک استدلال کا

---

[۱] مقالاتِ راشدیہ (۱:۲۹۸)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

راوی کا دونوں جگہوں پر ایک ہونا دونوں حدیثوں کے ایک ہونے کو مستلزم نہیں، کیونکہ ایک راوی کا اپنے ایک ہی شیخ سے کئی ایک احادیث سننا واقعی چیز ہے، لہٰذا عینیت حدیث کا دعوی بالکل بے بنیاد اور غلط ہے۔ [۱]

نیز لکھتے ہیں: باقی راوی اور سند کا ایک ہونا حدیث کے ایک ہونے کو مستلزم نہیں۔ [۲]

اور اگر سنابلی صاحب کی یہ دلیل مان لی جائے تو پھر ان کی اپنی مستدل روایات بھی جن اسانید سے مروی ہیں، ان ہی اسانید کے ساتھ کتب حدیث میں کئی مختلف متون مروی ہیں، تو پھر کیا انکو بھی ملحق قرار دے دیا جائے؟

دوسرا اعتراض:

سنابلی صاحب لکھتے ہیں۔

اس روایت سے ثابت نہیں ہوتا کہ عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ بیس رکعات سنت سمجھ کر پڑھتے تھے، کیونکہ روایت میں ایسی کوئی صراحت نہیں ہے، بلکہ امام مروزی کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ سنت نہیں بلکہ مطلق نفل کی نیت سے بیس رکعات پڑھتے تھے۔ اور پھر امام مروزیؒ کے حوالے سے اثر ذکر کیا کہ یہ لوگ آخری عشرے میں ایک ترویحہ کا اضافہ کر لیتے تھے۔ [۳]

جواب: جن روایات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں گیارہ رکعت پڑھنا مذکور ہے، کیا اُن میں کوئی صراحت ہے کہ وہ لوگ یہ گیارہ رکعت سنت سمجھ کر پڑھتے تھے یا مطلق نفل؟

---

[۱] مقالات گوندلویؒ (۱:۴۹۵)

[۲] ایضاً (۱:۱:۵۰)

[۳] انوار التوضیح (ص ۳۷۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

"فَمَا هُوَ جَوَابُكُمْ فَهُوَ جَوَابُنَا"

باقی سنابلی صاحب نے امام مروزیؒ (م ۲۹۴ھ) کے حوالہ سے جو اثر نقل کیا ہے، وہ امام موصوف کی کتاب "مختصر قیام اللیل" (ص ۲۲۲) میں بلا سند مذکور ہے، غیر مقلدین کے شیخ العرب والعجم مولانا بدیع الدین راشدی (م ۱۴۱۶ھ) اس اثر کو نقل کر کے اس کے رد میں لکھتے ہیں:

پھر جب روایت کی سند ہی نہیں ہے، تو پھر کس طرح سے قابل قبول ہوگی۔ [۱]

نیز آگے کتاب میں یہ بحث تفصیل سے آرہی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد پوری امت کا بیس رکعت تراویح کے سنت ہونے پر اجماع ہے، اور دور تابعین اور اس کے بعد جو لوگ بیس رکعات سے زیادہ تراویح پڑھتے تھے، ان میں بھی رکعاتِ تراویح کی تعداد بیس ہی تھی، اور اس سے زائد رکعات وہ بطور نوافل پڑھا کرتے تھے۔ فلا اشکال۔

اثر نمبر ۳:

امام ابو بکر بن ابی شیبہؒ (م ۲۳۵ھ) فرماتے ہیں:

"حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ [۲] عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ [۳] عَنْ عَطَاءٍ، قَالَ: أَدْرَكْتُ

[۱] مقالاتِ راشدیہ (۷: ۱۸۷)

[۲] عبد اللہ بن نمیر ہمدانی کوفیؒ (م ۱۹۹ھ) ثقہ اور صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں: ثِقَةٌ صَاحِبُ حَدِيثٍ مِنْ أَهْلِ السُّنَّةِ، تقریب (۱: ۵۴۲) کہ یہ ثقہ اور اہل سنت سے تعلق رکھنے والے محدث ہیں۔

[۳] عبد الملک بن ابی سلیمانؒ (م ۱۴۵ھ): یہ صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے راوی ہیں، امام بخاریؒ نے بھی اپنی صحیح میں ان سے معلق روایات لی ہیں۔ امام یحییٰ بن معینؒ، امام احمدؒ، امام نسائیؒ، امام عجلیؒ، امام ابن سعدؒ اور امام ترمذیؒ وغیرہ نے انہیں ثقہ اور حافظ قرار دیا ہے۔ امام ابن حبانؒ نے بھی ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔ امام ابو زرعہؒ نے ان کے بارے میں "مَا بَاْسَ بِهٖ" (ان میں کوئی خرابی نہیں) اور امام سفیان ثوریؒ نے ثقہ، متقن اور فقیہ فرمایا ہے۔ دیکھئے تہذیب (۳: ۴۹۸،۴۹۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

النَّاسَ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ ثَلَاثًا وَّعِشْرِيْنَ رَكْعَةً بِالْوِتْرِ ۔"[۱]

"ہم سے ابن نمیرؒ نے بیان کیا ہے، وہ عبد الملکؒ سے، اور وہ حضرت عطاء بن ابی رباحؒ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں نے لوگوں [۲] (صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ) کو وتر سمیت تیئس (۲۳) رکعت تراویح پڑھتے پایا ہے۔"

علامہ نیمویؒ (م ۱۳۲۲ھ) اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: اس کی سند حسن ہے۔[۳]

(ف) اس اثر کے مرکزی راوی حضرت عطاء بن ابی رباحؒ مکہ مکرمہ سے تعلق رکھنے والے عظیم فقیہ اور جلیل القدر تابعی ہیں، ان کی جن حضرات سے ملاقات ہوئی وہ صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ ہیں۔ چنانچہ مولانا مبارکپوری (م ۱۳۵۳ھ) نے خود ان کا اپنا بیان نقل کیا ہے کہ میں نے دوسو اصحاب رسول ﷺ کی زیارت کی ہے۔[۴]

علامہ ابن حزم ظاہریؒ غیر مقلد (م ۴۵۶ھ) ان کے متعلق لکھتے ہیں:

"وَقَدْ أَدْرَكَ عَطَاءٌ جُمْهُوْرَ الصَّحَابَةِ"[۵]

"حضرت عطاء بن ابی رباحؒ نے جمہور (اکثر) صحابہؓ کو پایا ہے۔"

آپ کا مرتبہ فقہ میں اتنا بلند تھا کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اور حضرت ابو جعفر (امام باقرؒ) فرمایا کرتے تھے: اے لوگو! تم ہمارے پاس

---

[۱] مصنف ابن ابی شیبہ (۲:۲۸۵)

[۲] مولانا بدیع الدین راشدیؒ (م ۱۴۱۶ھ) کی تصریح کے مطابق تابعی کے قول: الناس (لوگوں) سے مراد صحابہؓ و تابعینؒ ہوتے ہیں۔ مقالات راشدیہ (۵:۵۵)

جب کہ مولانا قاضی ابو اسماعیل یوسف حسین (م ۱۳۵۲ھ) نے تصریح کی ہے کہ: لفظ "الناس" سے فعل صحابہؓ ثابت ہوتا ہے۔ فتاوی علمائے حدیث: (۶:۲۰۷)

[۳] آثار السنن (ص ۲۵۳)

[۴] مقدمہ تحفۃ الاحوذی (۱:۲۷۰)

[۵] المحلی (۸:۵۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

مسائل پوچھنے آجاتے ہو، حالانکہ تم میں عطاء بن ابی رباح موجود ہیں۔

امام ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ) اور حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) فرماتے ہیں: عطاءؒ فقہ، علم، تقویٰ، اور فضیلت کے لحاظ سے سب تابعین کے سردار ہیں۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) فرماتے تھے کہ میں جن لوگوں سے ملا ہوں ان میں (سے طبقہ تابعین میں) عطاء بن ابی رباحؒ سے بہتر کسی کو نہیں پایا، آپ کی وفات ۱۱۴ھ میں ہوئی۔[۱]

اس جلیل القدر تابعی نے اپنی پوری زندگی میں صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کو (خصوصاً مکہ مکرمہ میں) صرف بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر ہی پڑھتے پایا ہے۔

اثر نمبر ۴:

امام ابو یوسفؒ (م ۱۸۲ھ) فرماتے ہیں:

"حَدَّثَنَا اَبُوْ حَنِيْفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا يُصَلُّوْنَ خَمْسَ تَرْوِيْحَاتٍ فِيْ رَمَضَانَ"۔[۲]

"امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے ہم سے بیان کیا ہے، وہ حضرت حمادؒ سے اور وہ حضرت ابراہیم نخعیؒ سے روایت کرتے ہیں کہ لوگ (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمۃ اللہ علیہم) رمضان المبارک میں پانچ ترویحے (یعنی بیس تراویح) پڑھا کرتے تھے۔

اس اثر کی سند "سِلْسِلَةُ الذَّهَبِ" یعنی سونے کی ایک لڑی ہے۔ اس سند کے چاروں راوی مشہور ائمہ کرام، اور ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے زمانہ کے سب سے

---

[۱] تہذیب الکمال (۱۳: ۴۹، ۵۰) تہذیب التہذیب (۴: ۱۲۹) میزان الاعتدال (۳: ۷۰)

[۲] کتاب الآثار بروایۃ الامام ابی یوسف (ص ۱۱۹ ح ۲۱۳) طبع دار الکتب پشاور

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بڑے فقیہ اور محدث ہیں، نیز ان میں سے آخر الذکر تینوں جلیل القدر تابعین، اور چوتھے (امام ابو یوسفؒ) کبار تبع تابعین میں سے ہیں۔ ان حضرات کی توثیق اور تعدیل بیان کرنے کی تو ضرورت ہی نہیں، کیونکہ ان کی ثقاہت اور عدالت چڑھتے سورج سے بھی زیادہ روشن اور ظاہر ہے۔ البتہ بطور تبرک ان چاروں ہستیوں کا مشہور ائمہ رجال و علماء عظام سے مختصر مختصر تذکرہ اور توثیق ہدیہ ناظرین ہے۔

① امام ابو یوسفؒ (م ۱۸۲ھ): امام ابوحنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) کے سب سے بڑے شاگرد اور اسلام کے پہلے قاضی القضات (چیف جسٹس) تھے۔ امام احمد بن کاملؒ (م ۳۵۰ھ) فرماتے ہیں کہ امام یحییٰ بن معینؒ (م ۲۳۳ھ)، امام احمد بن حنبلؒ (م ۲۴۱ھ) اور امام علی بن مدینیؒ (م ۲۳۴ھ) ان تینوں کبار ائمہ رجال کا اس پر اتفاق ہے کہ امام ابو یوسفؒ ثقہ ہیں۔[۱]

نیز امام یحییٰ بن معینؒ (م ۲۳۳ھ) آپ کو صاحب حدیث اور صاحب سنۃ کہتے ہیں۔[۲]

علامہ ابن خلکانؒ (م ۶۸۱ھ) لکھتے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ فقیہ، عالم اور حافظ الحدیث تھے۔[۳]

امام نسائیؒ (م ۳۰۳ھ)، امام ابو حاتمؒ (م ۲۷۷ھ)، امام ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ)، امام ابن عدیؒ (م ۳۶۵ھ)، امام محمد بن صباحؒ (م   )، اور امام مزنیؒ (م ۲۶۴ھ) وغیرہ نے بھی آپ کی توثیق کی ہے۔[۴]

بزرگ غیر مقلد عالم مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹیؒ (م ۱۳۷۵ھ) لکھتے ہیں:

---

[۱] تاریخ بغداد (۱۳:۲۴۶)

[۲] تذکرۃ الحفاظ (۱:۲۱۴)

[۳] وفیات الاعیان (۳:۳۸۹) طبع دار احیاء التراث العربی بیروت

[۴] لسان المیزان (۶:۳۹۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

امام ابو یوسف ؒ جیسا کہ فقہاء کے نزدیک علم وحفظ میں پختہ ہیں، ویسے ہی محدثین کے نزدیک بھی معتبر ہیں۔ [۱]

نیز لکھتے ہیں: امام ابو یوسف محدثین کے نزدیک ثقہ اور معتبر ہیں۔ [۲]

(۲) سراج الامۃ امام ابوحنیفہ ؒ (م ۱۵۰ھ): آپ کی جلالت شان، علم، فقاہت، تقویٰ اور ثقاہت بیان کرنے میں ائمہ محدثین، فقہاء اور مؤرخین رطب اللسان ہیں۔

حضرت امام شافعی ؒ (م ۲۰۴ھ) فرمایا کرتے تھے کہ: تمام لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ ؒ کے عیال ہیں۔ [۳]

حضرت امام احمد بن حنبل ؒ (م ۲۴۱ھ) فرماتے ہیں: سبحان اللہ! امام ابوحنیفہ ؒ تو علم، ورع، زہد وتقویٰ اور دار آخرت کو دنیا پر ترجیح دینے میں اس مقام کو حاصل کر چکے ہیں جس کو کوئی نہیں پاسکتا۔ [۴]

حضرت امام مالک ؒ (م ۱۷۹ھ) فرماتے ہیں: امام ابوحنیفہ ؒ ایسے شخص ہیں کہ اگر تم سے اس ستون کے متعلق گفتگو کریں کہ یہ سونے کا ہے تو وہ یقیناً ایک مضبوط دلیل سے ثابت کر دکھائیں گے۔ [۵]

مشہور محدث امام سفیان بن عیینہ ؒ (م ۱۹۸ھ) فرماتے ہیں: میری آنکھ نے ابو حنیفہ ؒ کی طرح کوئی شخص نہیں دیکھا۔ [۶]

امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت عبد اللہ بن مبارک ؒ (م ۱۸۱ھ) فرمایا کرتے

---

[۱] واضح البیان (ص ۱۰۲)

[۲] ایضاً (ص ۱۰۵)

[۳] تاریخ بغداد (۱۳: ۳۴۶)

[۴] مناقب الامام ابی حنیفہ للذھبی ؒ (ص ۲۷)

[۵] اکمال فی اسماء الرجال (ص ۲۷)

[۶] ایضاً

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے امام ابوحنیفہؒ اور امام سفیان ثوریؒ سے نہ ملایا ہوتا تو میں بدعتی ہوتا۔[۱]

امام بخاریؒ کے استاذ الاستاذ امام یزید بن ہارونؒ (م ۲۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے حافظ الحدیث تھے۔[۲]

امام الرجال یحییٰ بن معینؒ (م ۲۳۳ھ) فرماتے ہیں: امام ابوحنیفہؒ نہایت عادل اور ثقہ ہیں، ایسے شخص کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جس کی ابن المبارکؒ اور وکیعؒ نے توثیق کی ہے۔[۳]

(علمِ حدیث میں امام اعظمؒ کے مقام و مرتبت کے لیے دیکھئے ہماری کتاب ''امام اعظم ابوحنیفہؒ کا محدثانہ مقام'')

حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں: ابوحنیفہؒ، امام اعظم، فقیہ العراق، امام متورع، عالم، عامل اور کبیر الشان تھے۔[۴]

مشہور غیر مقلد محقق نواب صدیق حسن خانؒ (م ۱۳۰۷ھ) بھی آپ کو امام اعظم کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔[۵]

مولانا مبارک پوری صاحبؒ (م ۱۳۵۳ھ) اور مولانا محمد صادق سیالکوٹی صاحبؒ بھی اپنی کتب میں جا بجا امام صاحبؒ کو امام اعظم کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔[۶]

---

[۱] مناقب الامام ابی حنیفۃ وصاحبیہ (ص ۱۸) للذھبیؒ طبع مکتبہ امدادیہ ملتان

[۲] اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ (ص ۴۸) للصیمریؒ طبع عالم الکتب بیروت

[۳] ''مناقب ابی حنیفۃ (ص ۱۰۱) للکردری'' طبع دار الکتاب العربی بیروت

[۴] تذکرۃ الحفاظ (۱:۱۵۸)

[۵] دیکھئے تقصار جیود الاحرار (ص ۹۳)

[۶] مثلاً دیکھئے تحقیق الکلام (۱:۵،۱۱۰، ۲:۸۲)، صلوۃ الرسول (ص ۱۲۰، ۱۹۷، ۳۴۳ وغیرہ)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

مشہور مؤرخ اور محقق علامہ ابن الندیمؒ (م ۳۸۰ھ) لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ تابعین میں سے ہیں، کیونکہ انہوں نے کئی صحابہ رضی اللہ عنہم سے ملاقات کی ہے۔[۱]

علامہ خوارزمیؒ (م ۶۶۵ھ) لکھتے ہیں: علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ امام صاحبؒ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے احادیث روایت کی ہیں، لیکن ان کی تعداد میں اختلاف ہے۔[۲]

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں: امام صاحبؒ نے حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیٰ اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے ملاقات کی ہے۔[۳]

علامہ خطیبؒ (م ۴۶۳ھ) اور حافظ مزیؒ (م ۷۴۲ھ) نے بھی تصریح کی ہے کہ امام صاحبؒ کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے شرفِ ملاقات حاصل ہے۔[۴]

حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) فرماتے ہیں کہ: امام صاحبؒ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کئی بار ملاقات کی تھی۔[۵]

حافظ عراقیؒ (م ۸۰۶ھ) نے بھی آپ کو تابعین میں شمار کیا ہے۔[۶]

ان محققین کے علاوہ دیگر کئی محققین مثلاً علامہ ابن حجر مکیؒ (م ۹۷۴ھ)، امام ابن جوزیؒ (م ۵۹۷ھ) اور امام سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) وغیرہ نے بھی امام صاحبؒ کے تابعی ہونے کی تصریح کی ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے ہماری کتاب ''امام اعظم ابوحنیفہؒ کا شرفِ تابعیت''۔

(۲) امام حماد بن ابی سلیمان (م ۱۲۰ھ): امام ابوحنیفہؒ (م ۱۵۰ھ)، امام سفیان ثوریؒ

---

[۱] الفہرست (۱:۲۹۸) طبع نور محمد کتب خانہ کراچی

[۲] تنسیق النظام (ص ۱۰) طبع نور محمد کتب خانہ کراچی

[۳] ایضاً

[۴] تاریخ بغداد (۱۳:۳۲۵)، تھذیب الکمال (۱۰:۱۰۲)

[۵] تذکرۃ الحفاظ (ص ۱:۱۲۶)

[۶] دیکھئے التقیید والایضاح (ص ۳۳۲) طبع المکتبۃ السلفیۃ مدینہ منورہ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

(م ۱۶۱ھ) اور امام اعمشؒ (م ۱۴۷ھ) وغیرہ بڑے بڑے محدثین اور فقہاء کے استاذ، مشہور فقیہ اور ثقہ تابعی ہیں، آپؒ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص تھے، سے سماعت اور روایت حدیث کی ہے۔ ائمہ رجال اور محدثین آپ کی توثیق اور جلالت شان کے معترف ہیں۔

محدث ناقد حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) آپ کے بارے میں فرماتے ہیں:

"تَابِعِیٌّ کَبِیْرٌ وَثَّقَهُ ابْنُ مَعِیْنٍ وَغَیْرُهٗ۔"[۱]

"آپ بڑے تابعی ہیں، امام یحیٰی بن معینؒ اور دیگر محدثین نے آپ کی توثیق کی ہے۔"

نیز ذہبیؒ آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ثِقَةٌ، اِمَامٌ مُجْتَهِدٌ، وَکَرِیْمٌ جَوَّادٌ۔"[۲]

"کہ آپ ثقہ، امام، مجتہد، کریم اور انتہائی سخی تھے۔"

امام ابو اسحاق شیبانیؒ (م ۱۴۱ھ) اور امام معمرؒ (م ۱۵۳ھ) فرماتے ہیں کہ ہم نے حمادؒ سے بڑا فقیہ کوئی نہیں دیکھا۔ امام یحیٰی بن سعید القطانؒ (م ۱۹۸ھ) فرماتے ہیں کہ: حمادؒ مجھے مغیرہؒ (جو بہت بڑے محدث ہیں۔ ناقل) سے بھی زیادہ محبوب ہیں، امام الرجال یحیٰی بن معینؒ (م ۲۳۳ھ) سے کسی نے پوچھا کہ مغیرہؒ اور حمادؒ میں کون اثبت (زیادہ پختہ) ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: حماد، نیز فرمایا کہ حماد ثقہ ہیں۔

امام شعبہؒ (م ۱۶۰ھ) آپ کو صَدُوق اللسان کہتے ہیں۔[۳]

---

[۱] المغنی (۱:۲۸۸) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

[۲] الکاشف (۱:۲۰۸) طبع دار الفکر بیروت

[۳] تھذیب الکمال (۵:۱۸۸۔۱۹۳)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

مولانا عبد الرحمٰن مبارک پوریؒ (م ۱۳۵۳ھ) لکھتے ہیں: حماد بن ابی سلیمانؒ بالاتفاق مقبول ہیں۔[۱]

امام بخاریؒ (م ۲۵۶ھ) نے اپنی صحیح میں جا بجا ان کے آثار کو بطور استدلال ذکر فرمایا ہے۔[۲]

بقول بعض علماء: امام حمادؒ آخر عمر میں عارضۂ اختلاط میں مبتلا ہو گئے تھے، لیکن وہ اس کے باوجود بھی امام نخعیؒ کی روایتوں میں خطاء نہیں کرتے تھے۔[۳]

نیز امام ابو حنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) آپ کے قدیم تلامذہ میں سے ہیں، یہاں تک کہ امام صاحبؒ کا ان سے امام شعبہؒ (م ۱۶۰ھ) اور امام ثوریؒ (م ۱۶۱ھ) سے بھی زیادہ پرانا اور گہرا تعلق رہا ہے۔ لہٰذا امام صاحبؒ کی ان سے روایت کردہ احادیث پر ان کے اختلاط (بشرط ثبوت) کا کوئی فرق نہیں پڑتا۔

(۴) امام ابراہیم نخعیؒ (م ۹۶ھ): مشہور فقیہ، تابعی اور اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے۔ امام نوویؒ (م ۶۷۶ھ) فرماتے ہیں کہ ان کی توثیق، جلالت شان اور فقہی کمالات پر سب کا اتفاق ہے۔[۴]

حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں: امام نخعیؒ فقیہ العراق، صاحب اخلاص اور بلند مرتبت علماء میں سے تھے۔ اور وہ حدیث کو جاننے میں صرّاف اور نقاد تھے۔[۵]

امام احمد بن حنبلؒ (م ۲۴۱ھ) فرماتے ہیں کہ: ابراہیمؒ زکی (ذہین)، حافظ الحدیث

---

[۱] ابکار المنن (ص ۱۹۹)

[۲] مثلاً دیکھئے (۱: ۳۷) باب ما یقع من النجاسات فی السمن والماء

[۳] دیکھئے تھذیب التھذیب (۲: ۱۳)

[۴] تھذیب الاسماء واللغات (۴: ۲۰۱)

[۵] تذکرۃ الحفاظ (۱: ۵۹)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اور صاحب سنۃ تھے۔[۱]

امام ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) نے ان کو واسع الروایہ، اور امام ابن سعدؒ (م ۲۳۰ھ) نے کثیر الحدیث کہا ہے، امام عجلیؒ (م ۲۶۱ھ)، امام ابوزرعہؒ (م ۲۶۴ھ) اور امام نسائیؒ (م ۳۰۳ھ) وغیرہ محدثین نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔[۲]

امام محمد بن سعدؒ (م ۳۰۳ھ) فرماتے ہیں کہ ابراہیم نخعیؒ بچپن میں حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے، اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے حضرت زید بن ارقم، حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے سماعت حدیث بھی کی تھی۔[۳]

امام عجلیؒ (م ۲۶۱ھ) فرماتے ہیں کہ: انہوں نے اگرچہ کسی صحابیؓ سے حدیث تو بیان نہیں کی لیکن صحابہؓ کی ایک جماعت سے ملاقات ضرور کی ہے، اور انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بھی زیارت کی ہے۔[۴]

حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں کہ: محدثین (خواہ انہوں نے ابراہیم نخعیؒ کی صحابہ کرامؓ سے سماعتِ حدیث کا اقرار کیا ہو یا انکار) سب کے سب نے ان کو تابعین میں شمار کیا ہے۔[۵]

علامہ ابن حزم ظاہریؒ (م ۴۵۶ھ) ارقام فرماتے ہیں:

---

[۱] سیر اعلام النبلاء (۵:۴۲۷)

[۲] ایضاً (۵:۴۲۴)

[۳] ایضاً (۵:۴۲۹)

[۴] ایضاً

[۵] ایضاً

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

”وَاِبْرَاهِيْمُ تَابِعٌ، اَدْرَكَ اَكَابِرَ التَّابِعِيْنَ وَصِغَارَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ ۔“[۱]

”ابراہیم نخعیؒ تابعی ہیں، انہوں نے اکابر تابعین اور صغار صحابہ رضی اللہ عنہم کو پایا ہے۔“

نیز قاضی محمد شوکانیؒ (م ۱۲۵۰ھ) اور مولانا گوندلوی صاحب (م ۱۴۰۵ھ) نے بھی ان کو تابعین میں شمار کیا ہے۔[۲]

بنابریں یہ جلیل القدر تابعی جن لوگوں کا عمل بیس تراویح نقل کر رہے ہیں، ان سے مراد ان کے زمانہ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و کبار تابعین رحمہم اللہ ہیں۔

(ف) حضرت قتادہؒ (م ۱۱۸ھ) فرماتے ہیں کہ حسن بصریؒ (م ۱۱۰ھ)، سعید بن المسیبؒ (م ۹۴ھ)، ابراہیم نخعیؒ (م ۹۶ھ) اور عطاء بن ابی رباحؒ (م ۱۱۴ھ) یہ چاروں (تابعین) تمام شہروں کے امام ہیں اور جب یہ چاروں کسی مسئلہ پر متفق ہو جائیں تو پھر میں ان کے علاوہ کسی اور (کے قول) کی طرف توجہ نہیں دیتا، اور نہ ہی ان کی مخالفت کرنے والوں کی پرواہ کرتا ہوں۔[۳]

بحمداللہ! تراویح کی بیس رکعت مسنون ہونے پر بھی یہ چاروں ائمہ عظام متفق ہیں۔حضرت ابراہیم نخعیؒ اور حضرت عطاء بن ابی رباحؒ کے آثار ابھی گزرے ہیں۔حضرت حسن بصریؒ کی روایت بھی عنوان ”بیس تراویح عہد خلفائے راشدین“ کے ذیل میں گزر چکی ہے۔سعید بن المسیبؒ کی ولادت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت کے دوسرے سال ۱۴ھ میں ہوئی۔اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ

---

[۱] المحلی (۲:۴۷)

[۲] نیل الاوطار (۳:۳۲۰،۳۴۳)، التحقیق الراسخ (ص ۱۵۵)

[۳] تھذیب الکمال (۱:۵۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اور ان کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مدینہ منورہ میں بیس رکعت تراویح ہی پڑھی جاتی رہیں۔ اس طرح ان چاروں ائمہ تابعین کا بیس تراویح پر اجماع ہے۔

اثر نمبر ۵:

امام ابوبکر بن ابی شیبہؒ (م ۲۳۵ھ) فرماتے ہیں:

"حَدَّثَنَا وَكِيعٌ [۱] عَنْ نَافِعِ بْنِ عُمَرَ [۲] قَالَ: كَانَ ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ يُصَلِّي بِنَا فِي رَمَضَانَ عِشْرِينَ رَكْعَةً [۳]"۔

"ہم سے وکیع بن جراحؒ نے بیان کیا ہے، وہ حضرت نافع بن عمرؒ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: حضرت عبد اللہ بن ابی ملیکہؒ ہم کو رمضان المبارک میں بیس رکعت (تراویح) پڑھایا کرتے تھے۔"

علامہ نیمویؒ (م ۱۳۲۲ھ) فرماتے ہیں کہ اس اثر کی سند صحیح ہے۔ [۴]

(ف) حضرت عبد اللہ بن عبید اللہ بن ابی ملیکہؒ بڑے تابعین میں سے ہیں، یہ عبادلہ اربعہ (عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن مسعود، عبد اللہ بن زبیر، عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم) اور عبد اللہ بن جعفر، حضرت ابو محذورہ، حضرت عثمان غنی، حضرت اسماء، حضرت ام سلمہ اور عبد اللہ بن سائب مخزومی وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں۔

---

[۱] حضرت وکیعؒ بن جراحؒ (م ۱۹۶ھ) کی توثیق روایت نمبر ۱ میں بیان ہو چکی ہے۔

[۲] حضرت نافع بن عمر بن عبد اللہ جمحیؒ (م ۱۶۹ھ): صحاح ستہ کے راوی ہیں، حافظ ابن حجرؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں: ثِقَةٌ ثَبْتٌ، تقریب (۲: ۲۳۸) کہ یہ ثقہ اور پختہ کار محدث ہیں۔

[۳] مصنف ابن ابی شیبہ (۲: ۲۸۵)

[۴] آثار السنن (ص ۲۵۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

امام ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ) "کتاب الثقات" میں فرماتے ہیں: انہوں نے اسی صحابہ کرامؓ کی زیارت کی ہے، اور یہ خود حضرت عطاء بن ابی رباحؒ (م ۱۱۴ھ)، عبدالعزیز بن رفیعؒ (م ۱۳۰ھ) اور عمرو بن دینارؒ (م ۱۲۶ھ) وغیرہ جلیل القدر تابعین کے استاذ ہیں۔ نیز یہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے دورِ خلافت میں مکہ مکرمہ کے قاضی اور بیت اللہ کے مؤذن تھے، اور حضرت سائب بن یزید صحابی رضی اللہ عنہما کی وفات کے بعد بیت اللہ کے امام مقرر ہوئے۔ تمام ائمۂ رجال نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ ان کی وفات ۱۱۷ھ میں ہوئی۔ [۱]

اور ۱۱۷ھ تک تمام لوگ ان کی اقتداء میں بیس تراویح ہی پڑھتے رہے۔

اثر نمبر ۶:

امام بیہقیؒ (م ۴۵۸ھ) فرماتے ہیں:

"اَخْبَرَنَا اَبُوْ زَكَرِيَّا ابْنُ اَبِيْ اِسْحَاقَ [۲]، ثَنَا اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ مُحَمَّدُ بْنُ

---

[۱] ان کے حالات کے لیے دیکھئے تھذیب التھذیب (۱۹۹:۳)

[۲] ابو زکریا یحییٰ بن ابی اسحاق مزکیؒ (م ۴۱۴ھ): علامہ ذہبیؒ ان کو مُسند نیشاپور لکھتے ہیں، تذکرۃ الحفاظ (۲۴۵:۳)۔ نیز ذہبیؒ ان کے تعارف میں لکھتے ہیں: الشیخ الامام الصَّدُوق، القدوۃ الصالح۔ نیز ذہبی لکھتے ہیں: وَكَانَ شَيْخًا ثِقَةً، نَبِيْلًا خَيِّرًا، زَاهِدًا وَرِعًا مُتْقِنًا۔ سیر اعلام النبلاء (۲۹۵:۱۷)۔

آں موصوف شیخ (بزرگ)، ثقہ، معزز، بہترین، پرہیزگار، پارسا اور پختہ کار محدث تھے۔

علامہ خطیبؒ نے ان کے تعارف میں امام ابو عبداللہ نیشاپوریؒ سے نقل کیا ہے کہ: وہ ادیب، مؤرخ، کثیر العلوم تھے، اور نیشاپور وغیرہ بلاد میں علم حدیث کا درس دیتے تھے، تاریخ بغداد (۲۴۲:۱۴)۔

علامہ ابن العمادؒ لکھتے ہیں: شیخُ العَدالۃِ بِبَلَدِہٖ کان صالحاً زاھدًا وَرِعًا، صَاحِبُ حَدِيْثٍ كَأَبِيْهِ۔ شذرات الذہب (۲۰۲:۳) آں موصوف اپنے شہر کے شیخ عدالت، صالح، زاہد، پرہیزگار اور اپنے والد کی طرح (بلند پایہ) محدث تھے۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

يَعْقُوبَ[۱]، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ[۲] ثَنَا جَعْفَرُ بْنُ عَوْنٍ،[۳] ثَنَا أَبُو الْخَصِيبِ[۴] قَالَ: كَانَ يَؤُمُّنَا سُوَيْدُ بْنُ غَفَلَةَ فِي رَمَضَانَ فَيُصَلِّي خَمْسَ تَرْوِيحَاتٍ عِشْرِينَ رَكْعَةً''۔[۵]

''ہم کو ابوزکریا بن ابی اسحاق نے خبر دی ہے، وہ فرماتے ہیں: ہم سے محمد بن یعقوبؒ نے بیان کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ہم سے محمد بن عبدالوہابؒ نے بیان کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ہم سے جعفر بن عونؒ نے بیان کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ہم سے حضرت ابوالخصیبؒ نے بیان کیا ہے کہ حضرت سوید بن غفلہؒ ہمیں رمضان المبارک میں بیس رکعات تراویح پڑھایا کرتے تھے۔''

علامہ نیمویؒ (م ۱۳۲۲ھ) فرماتے ہیں کہ: اس اثر کی سند حسن ہے۔[۶]

(ف) حضرت سوید غفلہؒ کبار تابعین میں سے ہیں، یہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہی مسلمان ہو گئے تھے، لیکن شرفِ ملاقات سے محروم رہے، جب یہ آپ ﷺ سے ملاقات کے لیے مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو آپ ﷺ کی وفات ہو چکی تھی، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کو لحد میں اتار چکے تھے، اس طرح یہ شرفِ صحابیت سے محروم رہ گئے۔ بعض محدثین نے ان کو صحابہؓ میں شمار کیا ہے، واللہ اعلم۔

---

[۱] ابوعبداللہ محمد بن یعقوب نیشاپوریؒ (م ۳۴۴ھ) بالاتفاق ثقہ اور مشہور حفاظ حدیث میں سے ہیں۔ حافظ ذہبیؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں: الامامُ، الْحَافِظُ الْكَبِيرُ وَكَانَ مِنْ أَئِمَّةِ هٰذَا الشَّأْنِ، تذکرۃ الحفاظ (۳:۵۵) کہ یہ امام، بلند پایہ حافظ حدیث، اور ائمہ حدیث میں سے تھے۔

[۲] محمد بن عبدالوہاب بن حبیب عبدیؒ (م ۲۷۲ھ): ائمہ حدیث: امام بخاریؒ امام مسلمؒ اور امام نسائیؒ وغیرہ کے استاذ ہیں۔ امام مسلمؒ، امام نسائیؒ اور امام ابن حبانؒ وغیرہ محدثین نے ان کو ثقہ و صدوق قرار دیا ہے۔ تھذیب التھذیب (۵:۲۰۵۔۲۰۶)

[۳] جعفر بن عون مخزومیؒ (م ۲۰۷ھ): امام ابن معینؒ، امام احمدؒ، امام ابوحاتمؒ، امام ابن حبانؒ، امام ابن شاہینؒ، امام ابن قانعؒ وغیرہ ائمہ رجال نے ان کو ثقہ اور صدوق کہا ہے تھذیب التھذیب (۱:۳۸۴)

[۴] ابوالخصیب نفاعہ بن مسلم جعفیؒ: امام یحییٰ بن معینؒ امام ابوزرعہ رازیؒ اور امام حبانؒ نے ان کی توثیق کی ہے۔ الجرح والتعدیل (۸:۵۱۱)، کتاب الثقات (۷:۵۴۷)

[۵] السنن الکبریٰ (۲:۴۹۶)

[۶] آثار السنن (ص ۲۵۳)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد انہوں نے خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام مثلاً حضرت ابی بن کعب، حضرت ابوذر غفاری اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے استفادہ کیا، اور ان سے روایت حدیث کی، تمام مشہور ائمہ رجال نے ان کی توثیق وتعریف کی ہے۔ ان کی وفات ۸۱ھ میں کوفہ شہر میں ہوئی[۱]۔ اور لوگ ۸۱ ہجری تک حضرت سویدؒ کی اقتداء میں بیس تراویح پڑھتے رہے۔

اثر نمبر ۷:

امام ابوبکر بن ابی شیبہؒ (م ۲۳۵ھ) فرماتے ہیں:

"ثَنَا الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ [۲] عَنْ سَعِيْدِ بْنِ عُبَيْدٍ [۳] أَنَّ عَلِيَّ بْنَ رَبِيْعَةَ كَانَ يُصَلِّيْ بِهِمْ فِيْ رَمَضَانَ خَمْسَ تَرْوِيْحَاتٍ وَيُوْتِرُ بِثَلَاثٍ [۴]۔"

"ہم سے ابونُعیم فضل بن دُکینؒ نے بیان کیا ہے، وہ حضرت سعید بن عبیدؒ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ربیعہ تابعیؒ لوگوں کو پانچ ترویحات یعنی بیس تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔"

علامہ نیمویؒ (م ۱۳۲۲ھ) اس اثر کی سند کو صحیح قرار دیتے ہیں۔ [۵]

(ف) حضرت علی بن ربیعہ اسدی کوفیؒ، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خصوصی تلامذہ میں سے ہیں۔ ان کے علاوہ انہوں نے حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت سلمان فارسی،

---

[۱] تقریب التھذیب (۱:۴۰۴)، تھذیب التھذیب (۲:۴۵۹، ۴۶۰)

[۲] فضل بن دکین کوفیؒ (۲۱۹ھ): ثقہ ثبت اور صحاح ستہ کے راویوں میں سے ہیں، نیز یہ امام بخاریؒ کے بڑے شیوخ میں شمار ہوتے ہیں۔ تقریب التھذیب (۲:۱۱)

[۳] سعید بن عبید طائی کوفیؒ (م) بھی ثقہ اور بخاری ومسلم وغیرہ کے راوی۔ تقریب التھذیب (۱:۳۶۰)

[۴] مصنف ابن ابی شیبہؒ (۲:۲۸۵)

[۵] آثار السنن (ص ۲۵۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت سمرہ بن جندب وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے بھی زانوئے تلمذتہ کیے، اور ان سے تربیت حاصل کی۔ امام ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ)، امام ابن سعدؒ (م ۲۳۰ھ)، امام عجلیؒ (م ۲۶۱ھ)، امام ابن نمیر (م)، امام نسائیؒ (م ۳۰۳ھ) اور امام ابن معینؒ (م ۲۳۳ھ) وغیرہ محدثین نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ نیز یہ کوفہ کے بڑے اور قدیم مشائخ میں سے تھے۔ [۱] ان کی وفات ۹۱ ہجری یا اس کے بعد ہوئی۔ اور اہل کوفہ ان کی وفات تک ان کے پیچھے بیس تراویح پڑھتے رہے۔

اثر نمبر ۸:

امام ابو بکر بن ابی شیبہؒ (م ۲۳۵ھ) فرماتے ہیں:

”حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ،عَنْ سُفْيَانَ [۲] عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ [۳] عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ قَيْسٍ [۴] عَنْ شُتَيْرِ بْنِ شَكَلٍ أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ

---

[۱] ان کے حالات کے لیے دیکھئے سیر اعلام النبلاء (۴:۴۸۹)، تھذیب التھذیب (۴:۲۰۲) وغیرہ۔

[۲] حضرت امام سفیان ثوریؒ (م ۱۶۱ھ) بالاتفاق ثقہ امام ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں: ثقہ حافظ، فقیہ، عابد امام حجۃ۔ تقریب (۱:۳۷۱) موصوف اگرچہ مدلس ہیں، لیکن ان کی تدلیس باقرار غیر مقلدین مضر نہیں، چنانچہ غیر مقلدین کے محقق اعظم مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں: إِنَّ أَئِمَّةَ الْحَدِيْثِ احْتَمَلُوْا تَدْلِيْسَ الثَّوْرِيِّ۔ (ابکار المنن، ص ۱۹۸) بے شک ائمہ حدیث امام ثوریؒ کی تدلیس کو قبول کرتے ہیں۔ علامہ ابن حزم ظاہریؒ، مولانا محمد گوندلویؒ، اور مولانا محب اللہ شاہ راشدیؒ نے بھی، امام ثوریؒ کی تدلیس کو غیر مضر قرار دیا ہے۔ الاحکام فی اصول الأحکام (۱:۱۳۷)، خیر الکلام، (ص ۲۱۴)، مقالات راشدیہ (۱:۳۰۵۔۳۴۷)

[۳] ابو اسحاق سلیمان بن ابی سلیمان شیبانیؒ (م ۱۴۱ھ) ثقہ اور صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ تقریب التھذیب (۱:۳۸۶)۔ امام ابو حاتمؒ، امام نسائیؒ، امام ابن معینؒ اور امام عجلیؒ وغیرہ نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ امام ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں کہ: یہ تمام محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں۔ تھذیب (۲:۴۰۷)

[۴] عبد اللہ بن قیسؒ (م ۷۷ھ) ثقہ اور کبار تابعین میں سے ہیں۔ دیکھئے تھذیب التھذیب (۴:۲۳۵)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَالْوِتْرَ[۱]۔"

"ہم سے وکیعؒ نے بیان کیا ہے، وہ امام سفیان ثوریؒ سے، وہ ابو اسحاق شیبانیؒ سے، اور وہ عبد اللہ بن قیسؒ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت شتیر بن شکلؒ رمضان المبارک میں بیس رکعت (تراویح) اور (تین) وتر پڑھاتے تھے۔"

امام بیہقیؒ (م ۴۵۸ھ) فرماتے ہیں کہ: اس اثر میں قوت ہے۔[۲]

(ف) حضرت شُتیرؒ بن شکل، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت شکل بن حمید عبسی کوفی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں۔ انہوں نے اپنے والد حضرت شکل، حضرت علی، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت حفصہ، حضرت ام حبیبہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے، اور یہ کوفہ میں، حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے خصوصی شاگرد اور ان کے تربیت یافتہ اور ثقہ تابعی تھے۔ انہوں نے زمانہ جاہلیت بھی پایا تھا، بعض حضرات (امام ابو موسیٰ مدینیؒ وغیرہ) نے ان کو صحابہؓ میں شمار کیا ہے واللہ اعلم بالصّواب۔ ان کی وفات حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے زمانہ خلافت میں ہوئی۔[۳]

اثر نمبر ۹

امام ابو بکر بن ابی شیبہؒ (م ۲۳۵ھ) فرماتے ہیں:

---

[۱] مصنف ابن ابی شیبہ (۲:۲۸۵)، السنن الکبریٰ (۲:۴۹۶) مختصر قیام اللیل (ص ۲۲۱)

[۲] السنن الکبریٰ (۲:۴۹۶)

[۳] دیکھئے تہذیب التہذیب (۲:۴۸۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

"حَدَّثَنَا اَبُوْ مُعَاوِيَةَ [۱] عَنْ حَجَّاجٍ [۲] عَنْ اَبِیْ اِسْحَاقَ [۳] عَنِ الْحَارِثِ اَنَّهٗ كَانَ يَؤُمُّ النَّاسَ فِیْ رَمَضَانَ بِاللَّيْلِ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَيُوْتِرُ بِثَلَاثٍ وَيَقْنُتُ قَبْلَ الرُّكُوْعِ۔" [۴]

"ہم سے ابو معاویہؒ نے بیان کیا ہے، وہ حجاجؒ سے، اور وہ حضرت ابو اسحٰقؒ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت حارث اعورؒ رمضان المبارک میں رات کو لوگوں کو بیس رکعت (تراویح) اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے، اور دعائے قنوت رکوع سے

---

[۱] ابو معاویہ محمد بن حازمؒ (م ۱۹۵ھ): ثقہ اور صحاح ستہ کے راوی ہیں، البتہ بعض محدثین کے نزدیک ان کی احادیث میں کچھ اضطراب پایا جاتا ہے (تھذیب: ۵:۹۰) لیکن انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد حارثؒ کی یہ جو روایت نقل کی ہے، یہ حضرت علیؓ اور آپ کے دیگر تلامذہ کی روایات سے مؤید ہونے کیوجہ سے قابل حجت ہے۔

نیز یہ بتصریح مولانا محب اللہ راشدی: اُن مدلسین میں سے ہیں، جن کی تدلیس محدثین کے نزدیک مقبول ہے۔ مقالات راشدیہ (۱:۲۹۸)

[۲] حجاج بن ارطاۃؒ (م ۱۴۵ھ): مختلف فیہ راوی ہیں۔ نیل الاوطار (۱:۶۳۵)۔ مولانا محمد گوندلوی صاحبؒ لکھتے ہیں کہ جب راوی مختلف فیہ ہو تو اس کی حدیث حسن ہوتی ہے، خیر الکلام (ص ۲۳۸) شیخ ناصر الدین البانیؒ بھی ان کو ثقہ قرار دیتے ہیں۔ (الاحادیث الصحیحۃ: ۳:۲۱، ۶:۲۳۸، ۱۲۳۸، ۷:۱۱۱۴) البتہ حجاجؒ مدلس ہیں، لیکن پہلے بحوالہ علمائے غیر مقلدین گزر چکا ہے کہ تدلیس کا شبہ متابعت اور تائید سے مرتفع ہو جاتا ہے، اور چونکہ حارثؒ کی مذکورہ روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے دیگر شاگردوں کی روایات سے معتضد ہے۔ لہٰذا یہاں حجاجؒ کی تدلیس قادح نہیں۔

مولانا محب اللہ راشدی، ایک روایت کے دفاع میں لکھتے ہیں:

لیکن وہ (قتادہؒ) مدلس ہیں، لیکن ان کی تدلیس کے خطرہ سے اس روایت میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا، کیونکہ اس جیسی اور روایات اور صحابہ سے بغیر اس علت کے موجود ہیں۔ فتاویٰ راشدیہ (ص ۳۷۶)

[۳] ابو اسحاق عمرو بن عبد اللہ سبیعیؒ (م ۱۲۹ھ): بالاتفاق ثقہ راوی ہیں۔ حافظ ذہبیؒ نے ان پر اختلاط کے الزام کی سختی سے تردید کی ہے۔ ان کے تفصیلی حالات کے لیے دیکھئے۔ تھذیب التھذیب (۴:۳۵۷، ۳۵۸)، میزان الاعتدال (۳:۲۷۰)، سیر اعلام النبلاء (۵:۳۹۲۔۵۹۶)

[۴] مصنف ابن ابی شیبہ (۲:۲۸۵)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

پہلے پڑھتے تھے۔

(ف) حارث بن عبد اللہ ہمدانی اعور کوفیؒ (م ۶۵ھ): حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے تلامذہ اور کبار علمائے تابعین میں سے ہیں۔ گو یہ روایت حدیث میں متکلم فیہ ہیں، لیکن علامہ شوکانی غیر مقلد (م ۱۲۵۰ھ) ان کے بارے میں حافظ ابو بکر بن ابی داؤد (م ۳۱۶ھ) سے نقل کرتے ہیں: كَانَ اَفْقَهَ النَّاسِ وَاَفْرَضَ النَّاسِ وَاَحْسَبَ النَّاسِ تَعَلَّمَ الْفَرَائِضَ مِنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ یعنی یہ لوگوں میں سب سے بڑے فقیہ، سب سے زیادہ علم الفرائض کے ماہر اور سب سے بڑھ کر حساب جاننے والے تھے، انہوں نے علم الفرائض حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سیکھا تھا۔

نیز شوکانی صاحبؒ حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"وَكَانَ مِنْ اَوْعِيَةِ الْعِلْمِ۔[۱]"

"یعنی حارث اعورؒ علم کے جامع تھے"۔

مولانا نذیر احمد رحمانیؒ (م ۱۳۸۵ھ) لکھتے ہیں: حدیث، فقہ، تفسیر وغیرہ بہت سے علوم کے اعتبار سے ان کا شمار بڑے علماء میں ہے۔[۲]

اثر نمبر ۱۰

امام ابو بکر بن ابی شیبہؒ (م ۲۳۵ھ) فرماتے ہیں:

---

[۱] نیل الاوطار (۳:۳۲۵)

[۲] انوار المصابیح (ص ۲۰۶)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

"حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ [۱] عَنْ شُعْبَةَ [۲] عَنْ خَلَفٍ [۳] عَنِ الرَّبِيْعِ [۴] وَاَثْنٰى عَلَيْهِ خَيْرًا عَنْ اَبِي الْبَخْتَرِيِّ اَنَّهٗ كَانَ يُصَلِّيْ خَمْسَ تَرْوِيْحَاتٍ فِيْ رَمَضَانَ وَيُوْتِرُ بِثَلَاثٍ۔" [۵]

"ہم سے غندرؒ نے بیان کیا ہے، وہ امام شعبہؒ سے، وہ خلفؒ سے، اور وہ حضرت ربیعؒ، جن کی وہ تعریف کرتے تھے سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوالبختریؒ رمضان المبارک میں پانچ ترویحے یعنی بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھا کرتے تھے۔"

(ف) حضرت سعید بن فیروز ابوالبختریؒ، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابوسعید خدری وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں۔ اسی طرح یہ تابعین میں سے حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمیؒ (م ۸۵ھ) اور حارث اعورؒ (م ۶۵ھ) وغیرہ (اصحاب حضرت علی رضی اللہ عنہ) کے بھی شاگرد اور تربیت یافتہ

---

[۱] محمد بن جعفر ہذلی المعروف "غندرؒ" (م ۱۹۳ھ): یہ صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ امام ابوحاتمؒ، امام ابن حبانؒ، امام مستملیؒ، اور امام عجلیؒ وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ غندر امام شعبہؒ کی احادیث کو روایت کرنے میں ان کے تمام شاگردوں میں سب سے زیادہ ثقہ اور محبوب ہیں۔ دیکھئے تھذیب التھذیب (۵:۶۵)۔ اور یہ روایت بھی ان کی امام شعبہؒ سے ہے۔

[۲] امام شعبہ بن حجاجؒ (م ۱۶۰ھ): بالاتفاق ثقہ امام ہیں۔ امام سفیان ثوریؒ ان کے بارے میں فرماتے تھے کہ یہ حدیث کے فن میں امیر المؤمنین ہیں، اور یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے احادیث کے راویوں کی تحقیق کی اور سنت کی حفاظت کی۔ تقریب التھذیب (۱:۴۱۸)

[۳] خلف بن حوشب کوفی عابدؒ (م بعد ۱۴۰ھ): امام شعبہؒ کے استاذ اور نہایت ثقہ راوی ہیں، امام سفیان بن عیینہؒ، امام نسائیؒ، امام ابن حبانؒ اور امام عجلیؒ وغیرہ نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ تھذیب التھذیب (۲:۹۰)۔ اور یہ اثر ان سے امام شعبہؒ نے روایت کیا، اور حدیث نمبر ۱ کے ذیل میں متعدد علمائے غیر مقلدین کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ امام شعبہؒ صرف ثقہ راوی سے ہی روایت لیتے ہیں اور وہی حدیث بیان کرتے ہیں جو صحیح ہوتی ہے۔

[۴] ربیع بن لوط انصاری کوفیؒ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں، اور ثقہ راوی ہیں، تقریب التھذیب (۱:۲۹۵)

[۵] مصنف ابن ابی شیبۃ (۲:۲۸۵)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ہیں۔امام ابن معینؒ (م ۲۳۳ھ)، امام ابوزرعہؒ (م ۲۶۴ھ)، امام ابوحاتمؒ (م ۲۷۷ھ) اور ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ) وغیرہ نے ان کو ثقہ اور صدوق قرار دیا ہے۔امام حبیب بن ابی ثابتؒ (م ۱۱۹ھ) جو ایک جلیل القدر تابعی ہیں، فرماتے ہیں کہ ابوالبختریؒ ہم سب سے بڑے عالم اور فقیہ تھے۔تابعی ہلال بن خبابؒ (م ۱۴۴ھ) فرماتے ہیں کہ یہ کوفہ کے فضلاء میں سے تھے۔ان کی وفات ۸۳ھ میں ہوئی۔[۱]

امام ترمذیؒ کی تصریح بابت رکعات تراویح

محدث کبیر امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ (م ۲۷۹ھ) فرماتے ہیں:

"وَاَكْثَرُ اَهْلِ الْعِلْمِ عَلٰى مَارُوِىَ عَنْ عَلِيٍّ وَعُمَرَ وَغَيْرِهِمَا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَابْنِ الْمُبَارَكِ وَ الشَّافِعِيِّ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : وَهٰكَذَا اَدْرَكْتُ بِبَلَدِنَا بِمَكَّةَ يُصَلُّوْنَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً۔"[۲]

"اکثر اہل علم بیس رکعت تراویح کے قائل ہیں، جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے[۳]۔اور یہی امام سفیان ثوریؒ، امام عبداللہ بن مبارکؒ اور امام شافعیؒ کا قول ہے۔امام شافعیؒ فرماتے ہیں

---

[۱] دیکھئے تھذیب التھذیب (۲:۳۲۹)

[۲] جامع الترمذی (۱:۱۵۹)

[۳] بعض غیر مقلدین نے امام ترمذیؒ کے اس قول پر یہ اعتراض کیا ہے کہ انہوں نے اس قول کو "رُوِیَ" صیغہ تمریض (فعل ماضی مجہول) سے ذکر کیا ہے، جو اس قول کے ضعیف و کمزور ہونے کی دلیل ہے۔مقالاتِ راشدیہ (۱:۱۹۴)

جواب: مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں:

اہل علم خوب جانتے ہیں کہ صیغہ تمریض سے ہمیشہ ضعیف حدیث مراد نہیں ہوتی، جیسا کہ حافظ ابن الصلاح نے اپنے مقدمہ میں، اور حافظ ابن حجرؒ نے مقدمہ فتح الباری کی الفصل الرابع میں وضاحت کی ہے۔تنقیح الکلام (ص ۳۲۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کہ میں نے اپنے شہر مکہ مکرمہ میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھتے ہی پایا ہے۔"

(ف) امام ترمذیؒ (م ۲۷۹ھ) کے اس فرمان سے معلوم ہوگیا کہ صحابہ کرامؓ کی طرح حضرت سفیان ثوریؒ (م ۱۶۱ھ)، حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ (م ۱۸۱ھ) اور امام شافعیؒ (م ۲۰۴ھ) تینوں جلیل القدر ائمہ کرام بھی بیس تراویح کے ہی قائل تھے، اور یہ تینوں حضرات اتباع تابعین کے سرداروں میں سے ہیں۔ اول الذکر امام سفیان ثوریؒ اپنے زمانہ کے بہت بڑے محدث، فقیہ اور زاہد تھے، یہ ابو اسحاق شیبانیؒ (م ۱۴۱ھ)، اعمشؒ (م ۱۴۷ھ) منصورؒ (م ۱۳۲ھ)، مغیرہؒ (م ۱۳۶ھ) اور حماد بن ابی سلیمان کوفیؒ (م ۱۲۰ھ) وغیرہ جلیل القدر تابعین کے شاگرد، اور امام مالکؒ (م ۱۷۹ھ) امام اوزاعیؒ (م ۱۵۷ھ)، عبد اللہ بن مبارکؒ (م ۱۸۱ھ) اور عبد الرحمٰن بن مہدیؒ (م ۱۹۸ھ) وغیرہ کبار محدثین کے استاذ ہیں۔ ان کی ثقاہت و عدالت اور جلالت شان پر تمام ائمہ محدثین کا اتفاق ہے۔ [۱]

ثانی الذکر امام عبد اللہ بن مبارکؒ (م ۱۸۱ھ) حدیث، فقہ، شجاعت، عبادت، ورع وتقوی اور فصاحت و بلاغت وغیرہ ہر خصلت میں کامل و اکمل تھے۔ امام اسماعیل بن عیاشؒ (م ۱۸۱ھ) فرماتے ہیں کہ اس روئے زمین پر ابن المبارکؒ کے مثل کوئی شخص نہیں، اور میں نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی اچھی خصلت پیدا کی ہے جو اللہ نے ان میں نہ رکھی ہو۔ یہ جلیل القدر امام متعدد تابعین مثلاً امام ابوحنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) اور یحییٰ بن سعید انصاریؒ (م ۱۴۴ھ) وغیرہ کے شاگرد اور امام شعبہؒ (م ۱۶۰ھ)، امام ابن مہدیؒ (م ۱۹۸ھ) اور امام فضیل بن عیاضؒ (م ۱۸۷ھ) وغیرہ محدثین کے استاذ ہیں۔ [۲]

ثالث الذکر امام محمد ادریس شافعیؒ (م ۲۰۴ھ) ائمہ اربعہ میں سے ایک جلیل القدر

---

[۱] دیکھئے تھذیب التھذیب (۲: ۳۵۴، ۳۵۵)

[۲] ان کے حالات کے لیے دیکھئے تھذیب التھذیب (۴: ۲۴۸، ۲۴۹) وغیرہ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

امام اور دوسری صدی ہجری کے مجدد تھے۔ نیز یہ امام مالک (م ۱۷۹ھ)، امام محمد (صاحب امام ابی حنیفہ)، سفیان بن عیینہ (م ۱۹۸ھ) وغیرہ کبار اتباع تابعین کے شاگرد اور امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ)، امام عبد اللہ بن الزبیر حُمیدی (م ۲۱۹ھ) اور ابراہیم بن منذر حزامی (م ۲۳۶ھ) وغیرہ کے استاذ ہیں۔ ان کی اگرچہ کسی تابعی سے ملاقات یا استفادہ کرنا ثابت نہیں، لیکن ان کے دور میں کئی تابعین بقید حیات تھے۔ یہ جلیل القدر امام خود بھی بیس تراویح کو پسند کرتے ہیں، اور اس وقت کے مکہ مکرمہ کے تابعین اور اتباع تابعین سے بھی بیس رکعت تراویح ہی نقل کرتے ہیں۔

قارئین! یہ آثار ان طبقوں کے ذکر کئے گئے ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے خیر القرون اور خیر الناس کے القاب سے نوازا ہے، اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی تاکید فرمائی ہے۔ ان مبارک ہستیوں میں سے کوئی بھی ہستی بیس تراویح سے کم کی قائل نہیں تھی، اور خیر القرون کا زمانہ ۲۲۰ھ تک رہا ہے۔ جیسا کہ شارح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) نے تصریح کی ہے۔[۱] گویا ۲۲۰ھ تک تمام لوگ کم از کم بیس تراویح کے قائل و فاعل تھے۔

---

[۱] فتح الباری شرح صحیح البخاری (۶:۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بیس تراویح پر اجماع صحابہؓ

اور

بیس تراویح پر اُمت کا تعامل و توارث

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بیس تراویح پر اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم

اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم حجت ہے:

قرآن وسنت کے بعد اجماع بالخصوص اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم ایک مستقل اور ٹھوس دلیل ہے۔ اس کی حجیت پر تمام اہلسنت والجماعت کا اتفاق ہے، اور ان میں کوئی فرد ایسا نہیں جو اجماع صحابہؓ کا منکر ہو۔ چنانچہ شارح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) تحریر فرماتے ہیں:

"اِنَّ اَھْلَ السُّنَّۃِ وَالْجَمَاعَۃِ مُتَّفِقُوْنَ عَلٰی اَنَّ اِجْمَاعَ الصَّحَابَۃِ حُجَّۃٌ۔"[۱]

"بے شک تمام اہل سنت والجماعت اس بات پر متفق ہیں کہ اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم حجت ہے۔"

محدث جلیل امام ابوجعفر طحاویؒ (م ۳۲۱ھ) ارقام فرماتے ہیں:

"لَمَّا کَانَ فِعْلُ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ جَمِیْعًا فِعْلًا یَجِبُ بِہِ الْحُجَّۃُ، کَانَ کَذٰلِكَ اَیْضًا اِجْمَاعُھُمْ عَلَی الْقَوْلِ اِجْمَاعًا یَجِبُ بِہِ الْحُجَّۃُ۔"[۲]

"جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی ایک امر پر متفق ہو جائیں تو

---

[۱] فتح الباری (۱۳:۲۶۶)

[۲] شرح معانی الآثار (۲:۳۶) طبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

وہ لازماً حجت ہے، اسی طرح ان کا کسی قول پر اجماع بھی لازماً حجت ہے۔"

شارح موطا امام ابن عبد البر مالکیؒ (م ۴۶۳ھ) ارقام فرماتے ہیں:

"اِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ رضی الله عنهم حُجَّةٌ ثَابِتَةٌ وَعِلْمٌ صَحِيْحٌ.... وَهٰكَذَا اِجْمَاعُ الْأُمَّةِ اِذَا اجْتَمَعَتْ عَلٰى شَيْءٍ فَهُوَ الْحَقُّ الَّذِيْ لَاشَكَّ فِيْهِ، لِاَنَّهَا لَا تَجْتَمِعُ عَلٰى ضَلَالٍ۔"[۱]

"صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ایک پختہ دلیل اور صحیح علم ہے... اسی طرح اجماعِ اُمت بھی بلا شبہ حجت ہے، کیونکہ امت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی۔"

نامور غیر مقلد عالم مولانا عبد القادر حصاروی (م ۱۴۰۱ھ) لکھتے ہیں:

صحابہ کے مجموعی تعامل، جس کو اجماع صحابہ کہتے ہیں، اہلسنت کے نزدیک بالاتفاق حجت ہے۔[۲]

اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذکر شدہ آثار سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیس تراویح پر عمل پیرا رہے، اور کسی صحابیؓ سے بیس رکعت کے علاوہ کوئی اور عدد تراویح کا ثابت نہیں، جو کہ بیس تراویح پر صحابہؓ کے اجماع ہونے کی دلیل ہے۔

اس بحث کو مزید واضح کرنے کے لیے علمائے امت میں سے چند کبار اور مسلمہ شخصیات کے حوالے ذکر کیے جاتے ہیں جن میں انہوں نے تصریح کی ہے کہ بیس تراویح پر جمیع اصحابِ رسول اللہ ﷺ کا اجماع و اتفاق رہا ہے، اور کوئی صحابی بھی اس کے خلاف نہیں گیا۔ چنانچہ امام فخر الاسلام ابو المحاسن عبد الواحد بن اسماعیل رویانیؒ (م ۵۰۲ھ) لکھتے ہیں:

---

[۱] التمہید (۲:۲۷۷)

[۲] فتاویٰ علمائے حدیث (۱۱:۱۱۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

"لَمَّا اجْتَمَعَ النَّاسَ عَلَى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ صَلَّى بِهِمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً، وَهٰذَا إِجْمَاعٌ مِنْهُمْ۔"[۱]

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب لوگوں (صحابہؓ) کو حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ پر جمع کیا تو وہ ان کو بیس رکعات پڑھاتے تھے، اور یہ ان (صحابہؓ) کی طرف سے (بیس تراویح پر) اجماع ہے۔"

شارح مشکوۃ علامہ ابن حجر مکی شافعی (م ۹۷۴ھ) ارقام فرماتے ہیں:

"اَجْمَعَتِ الصَّحَابَةُ عَلٰى اَنَّ التَّرَاوِيْحَ عِشْرُوْنَ رَكْعَةً۔"[۲]

"صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر اجماع کیا ہے کہ تراویح بیس رکعت ہیں"

محدث کبیر امام ابن قدامہ حنبلیؒ (م ۶۲۰ھ) ارقام فرماتے ہیں:

"لَكَانَ مَافَعَلَهٗ عُمَرُ ؓ وَاَجْمَعَ عَلَيْهِ الصَّحَابَةُ فِيْ عَصْرِهٖ اَوْلٰى بِالْاِتِّبَاعِ۔"[۳]

"جو طریقہ بیس تراویح کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رائج کیا، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کے زمانہ میں اس پر اجماع کیا ہے وہ اتباع کے زیادہ لائق ہے۔"

شارح بخاری علامہ شہاب الدین قسطلانیؒ (م ۹۲۳ھ) لکھتے ہیں:

"وَقَدْ عَدُّوْا مَا وَقَعَ فِيْ زَمَنِ عُمَرَ ؓ كَالْاِجْمَاعِ"[۴]

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جو معمول (بیس تراویح کا) جاری ہوا اسے

---

[۱] بحر المذھب فی فروع المذھب (۲:۲۱۳) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

[۲] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح (۳:۳۴۶) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

[۳] المغنی (۲:۶۰۴) طبع دار عالم الکتب ریاض

[۴] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری (۴:۱۲۰) طبع دار الفکر بیروت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

علماء نے بمنزلہ اجماع کے شمار کیا ہے۔"

امام ولی الدین ابوزرعہ عراقیؒ (م ۸۲۶ھ) نے بھی یہ تصریح کی ہے:

"وَعَدُّوْا مَا وَقَعَ فِيْ زَمَنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ كَالْاِجْمَاعِ"۔[۱]

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جو طریقہ بیس تراویح کا رائج ہوا اس کو اہلِ علم نے اجماع کی طرح شمار کیا ہے۔"

مشہور محقق علامہ شیخ منصور بن یونس بہوتی حنبلی (م ۱۰۵۱ھ) جن کو مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ (م ۱۳۲۹ھ) نے علمائے ثقات میں سے قرار دیا ہے۔[۲] لکھتے ہیں:

"وَهٰذَا فِيْ مَظِنَّةِ الشُّهْرَةِ بِحَضْرَةِ الصَّحَابَةِ فَكَانَ اِجْمَاعًا"۔[۳]

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں بیس تراویح کا حکم دینا عام شہرت کے موقع پر تھا، اس لیے یہ بیس تراویح پر اجماع ہوا۔"

شارح موطا علامہ ابن عبدالبر مالکیؒ (م ۴۶۳ھ) ارقام فرماتے ہیں:

"وَهُوَ الصَّحِيْحُ عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رضی اللہ عنہ مِنْ غَيْرِ خِلَافٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ۔"[۴]

"بیس تراویح ہی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے صحیح طور پر ثابت ہے، اور کوئی صحابی اس کے خلاف نہیں ہے۔"

محدث شہیر امام ابوالحسن ابن القطان فاسیؒ (م ۶۲۸ھ) لکھتے ہیں:

---

[۱] طرح التثریب (۸۸:۳) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

[۲] مجموعہ مقالات وفتاوی (ص ۵۵۵)

[۳] کشف القناع عن متن الاقناع (۴۲۵) طبع عالم الکتب بیروت

[۴] الاستذکار (۷۰:۲) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

”وَرُوِيَ عِشْرُوْنَ رَكْعَةً، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، وَشُتَيْرِ بْنِ شَكَلٍ، وَهُوَ الصَّحِيْحُ عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ مِنْ غَيْرِ خِلَافٍ مِنَ الصَّحَابَةِ۔“[۱]

”بیس رکعات حضرت علی رضی اللہ عنہ اور (ان کے شاگرد) شتیرؒ بن شکلؒ سے مروی ہے، اور یہی عدد حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے صحیح طور پر ثابت ہے، اور کوئی صحابیؓ اس کے خلاف نہیں ہے۔“

امام تقی الدین ابوبکر حصنیؒ (م ۸۲۹ھ) فرماتے ہیں:

”فَجَمَعَهُمْ عَلٰى أُبَيٍّ رضی اللہ عنہ وَوَظَّفَ عَلَيْهِمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً، وَأَجْمَعَ الصَّحَابَةُ مَعَهٗ عَلٰى ذٰلِكَ۔“[۲]

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ پر جمع فرمایا، اور بیس تراویح ان کے لیے مقرر فرمائیں، اور سب صحابہؓ نے حضرت عمرؓ کے ساتھ بیس تراویح پر اجماع اور اتفاق کرلیا۔“

فقیہ کبیر علامہ علاء الدین کاسانیؒ (م ۵۸۷ھ) تحریر فرماتے ہیں:

”وَالصَّحِيْحُ قَوْلُ الْعَامَّةِ لِمَا رُوِيَ أَنَّ عُمَرَ رضی اللہ عنہ جَمَعَ أَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ عَلٰى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رضی اللہ عنہ فَصَلّٰى بِهِمْ فِيْ كُلِّ لَيْلَةٍ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً، وَلَمْ يُنْكِرْ عَلَيْهِ أَحَدٌ فَيَكُوْنُ إِجْمَاعًا مِنْهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ۔“[۳]

”صحیح قول وہی ہے جو اکثر علماء کا مذہب (بیس تراویح) ہے جیسا کہ حضرت

---

[۱] الاقناع فی مسائل الاجماع (۱:۱۷۴) طبع الفاروق الحدیثیۃ قاہرہ

[۲] کفایۃ الاخیار (ص ۱۳۸) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت، (ص ۱۵۶) طبع دار المنہاج جدہ۔

[۳] بدائع الصنائع (۲:۲۷۲، ۲۷۳) طبع دار الحدیث قاہرہ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رمضان المبارک میں حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ پر جمع کیا تو انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہر رات بیس تراویح پڑھائیں، اور اس پر کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے انکار نہیں کیا، اس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بیس تراویح پر اجماع ہو گیا۔"

غیر مقلدین کے مسلمہ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۲۸ھ) رقمطراز ہیں:

"فَإِنَّهُ قَدْ ثَبَتَ أَنَّ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ رضي الله عنه كَانَ يَقُومُ بِالنَّاسِ عِشْرِينَ رَكْعَةً وَيُوتِرُ بِثَلَاثٍ فَرَأَى كَثِيرٌ مِّنَ الْعُلَمَاءِ أَنَّ ذٰلِكَ هُوَ السُّنَّةُ لِأَنَّهُ قَامَ بَيْنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَلَمْ يُنْكِرْهُ مُنْكِرٌ۔"[۱]

"یہ بات ثابت شدہ ہے کہ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ لوگوں کو رمضان المبارک میں بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے۔ اس لیے اکثر علماء کے نزدیک یہی سنت ہے، کیونکہ انہوں نے یہ کام مہاجرین اور انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے کیا، اور کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔"

امام تقی الدین سبکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۵۶ھ) بیس تراویح کے اثبات میں دلائل ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مَعَ اتِّفَاقِ الصَّحَابَةِ عَلَى إِقَامَةِ هٰذَا الْعَدَدِ۔"[۲]

"بیس تراویح کے اثبات میں دیگر دلائل کے ساتھ ساتھ ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس عدد (بیس تراویح) کو قائم کرنے پر سب صحابہ رضی اللہ عنہم کا اتفاق رہا ہے۔"

---

[۱] الفتاوی الکبری (۱:۲۲۷) طبع بیروت

[۲] ضوء المصابیح فی صلوۃ التراویح (ص ۳۳۲) طبع مکتبہ عمق المسک عمان اردن۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

برصغیر کی متفق علیہ شخصیت، محدث ہند امام شاہ عبدالعزیز بن امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ (م۱۲۳۹ھ) ارقام فرماتے ہیں:

تراویح کی بیس رکعت ہونے پر صحابہؓ کا اجماع ثابت ہے۔[۱]

برصغیر کے مشہور محدث، شارح مشکوۃ علامہ محمد قطب الدین محدث دہلویؒ (م ۱۲۸۹ھ) تحریر فرماتے ہیں:

اجماع ہوا صحابہؓ کا اس پر کہ تراویح کی بیس رکعات ہیں۔[۲]

مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خان صاحبؒ (م ۱۳۰۷ھ) بھی اس بات کو بلاٹوک ونکیر تسلیم کرتے ہیں کہ:

”وَقَدْ عَدُّوْا مَا وَقَعَ فِيْ عَهْدِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ كَالْإِجْمَاعِ۔“[۳]

”جو طریقہ بیس تراویح کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں رائج ہوا، اس کو علماء نے اجماع کی طرح شمار کیا ہے۔“

یاد رہے کہ نواب صاحبؒ کو غیر مقلدین چودھویں صدی کا مجدد کہتے ہیں۔ اب غیر مقلدین کو اپنے مجدد کا فیصلہ کھلے دل سے تسلیم کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

❁❁❁❁❁

---

[۱] فتاویٰ عزیزی مترجم (ص ۳۸۵) مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

[۲] مظاہر حق قدیم (۱:۴۳۶)

[۳] عون الباری لحل ادلۃ صحیح البخاری (۵:۱۸۹) طبع دارالنوادر دمشق، (۲:۸۶۱) طبع دارالرشید حلب

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بیس تراویح پر امت کا تعامل و توارث

تعامل و توارث کی اہمیت:

جس کام کو پوری امت یا امت کی اکثریت مسلسل اور لگاتار سر انجام دیتی رہے، اس کو تعامل اور توارث کہتے ہیں۔امت مرحومہ کا کسی عمل پر تعامل و توارث بھی اجماع کی طرح ایک ٹھوس دلیل اور حجتِ قاطعہ ہے۔اس کی وجہ غیر مقلدین کے مسلمہ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) نے یہ بیان فرمائی ہے کہ:

"وَقَالَ تَعَالٰی: وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ، وَالْاُمَّةُ مُنِيْبَةٌ اِلَى اللهِ فَيَجِبُ اِتِّبَاعُ سَبِيْلِهَا۔"[۱]

قرآن کریم میں ارشاد باری ہے: وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ[۲]۔یعنی جو میری طرف رجوع کرتا ہے اس کے راستے کی تابعداری کرو۔اور چونکہ امتِ مسلمہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف انابت اور رجوع کرتی ہے،اس لیے اس کی اتباع بھی واجب ہے۔

غیر مقلدین کے عظیم محقق مولانا نواب صدیق حسن خان صاحب (م ۱۳۰۷ھ) کے صاحبزادے نواب میر علی اصغر صاحب (م) لکھتے ہیں:

امت مرحومہ خطاء سے معصوم ہے۔جس چیز کو امت صحیح کہے گی،اور اس پر عمل پیرا ہوگی تو ضروری ہے کہ نفس الامر میں بھی وہ چیز صحیح اور حق ہی ہو۔[۳]

---

[۱] معارج الوصول (ص ۲۳) طبع المکتبۃ العلمیۃ مدینہ منورہ

[۲] سورہ لقمان آیت نمبر ۱۵

[۳] حاشیہ دلیل الطالب (۸۸۲) بحوالہ عمدۃ الاثاث (۴۳) از مولانا محمد سرفراز صفدر صاحب

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

مولانا محب اللہ راشدیؒ (م ۱۴۱۵ھ) ارقام فرماتے ہیں:

تو ارث بھی ایک مستقل دلیل ہے، کیونکہ اس تعامل و توارث سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر سے چلا آرہا ہے۔[۱]

اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ گزشتہ تین ابواب سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ خیر القرون یعنی عہد فاروقی (۱۴ھ) سے لیکر تبع تابعین کے دور یعنی تیسری صدی ہجری کے وسط تک تمام امت مسلمہ کم از کم بیس تراویح پرہی عمل پیرا رہی۔ اب ہم نے اس باب میں یہ جائزہ لینا ہے کہ خیر القرون کے بعد کے زمانہ (چوتھی صدی ہجری) سے لے کر تیرہویں صدی کے اخیر (۱۲۸۴ھ) تک یعنی رکعات تراویح میں اختلاف پیدا ہونے سے پہلے پہلے امتِ مسلمہ کا عمل کیا رہا ہے، اور تمام عالَم کے مسلمان کتنی رکعت تراویح پڑھتے رہے ہیں؟ تو اس سلسلہ میں ہم اپنی طرف سے کچھ لکھنے کے بجائے چوتھی صدی ہجری سے تیرھویں صدی ہجری تک کے چیدہ چیدہ اور جید علمائے محدثین وفقہاء کے آراء اس بارہ میں ذکر کرتے ہیں، جن سے ثابت ہو جائے گا کہ اس اختلاف سے پہلے تمام عالَمِ اسلام کا مجموعی عمل بیس تراویح ہی رہا ہے، چنانچہ:

چوتھی اور پانچویں صدی کے عظیم محقق، محدث اور فقیہ شارح موطا علامہ ابن عبد البر مالکیؒ (و ۳۶۸ھ / م ۴۶۳ھ) بیس تراویح کے متعلق ارقام فرماتے ہیں:

"وَقَدِ اسْتَقَرَّ الْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا۔"[۲]

"بے شک امت مسلمہ کا عمل ہمیشہ کے لیے بیس تراویح ہی قرار پایا۔"

ساتویں صدی کے مشہور محدث اور فقیہ، شارح مسلم امام یحییٰ بن شرف نووی

---

[۱] مقالاتِ راشدیہ (۹: ۴۲۴)

[۲] ھدایۃ السائل للنواب صدیق حسن (ص ۱۳۸) طبع بھوپال، ھدایۃ السائل مترجم المسمٰی "فتاویٰ نواب صدیق حسن خان" (۱: ۷۴۲) طبع دار ابی الطیب گوجرانوالہ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

(م ۶۳۱، م ۶۷۶ھ) اپنی کتاب "خلاصہ" میں فرماتے ہیں:

"ثُمَّ اسْتَقَرَّ الْاَمْرُ عَلَى الْعِشْرِيْنَ فَاِنَّهُ هُوَ الْمُتَوَارِثُ۔"[۱]

"پھر بیس تراویح پر ہی معاملہ ٹھہر گیا، پس یہی امت کا متوارث (شروع سے اب تک مسلسل) عمل ہے۔"

آٹھویں صدی کے شیخ الاسلام امام تقی الدین علی بن عبدالکافی سُبکی شافعیؒ (م ۷۵۶ھ) بیس تراویح کے متعلق ارقام فرماتے ہیں:

"فَهٰذَا هُوَ الَّذِىْ اسْتَقَرَّ عَلَيْهِ الْاَمْرُ۔"[۲]

"پس یہی وہ عدد ہے جس پر (امت کا) مسلسل عمل آٹھرا ہے۔"

نیز لکھتے ہیں:

"نَخْتَارُ الْاَخْذَ بِثَلَاثٍ وَّعِشْرِيْنَ، لِلْاِجْمَاعِ عَلَيْهَا، وَاَنَّهَا قِسْمٌ مِنَ الْحَسَنِ الَّذِىْ اَطْبَقَ النَّاسُ عَلٰى فِعْلِهٖ تَقَرُّبًا بِهٖ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى مِنْ زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اِلَى الْيَوْمِ۔"[۳]

"ہم تیئیس رکعات (۲۰ تراویح + ۳ وتر) کا عدد اختیار کرتے ہیں، کیونکہ اس پر (پوری امت) کا اجماع ہے، اور یہ اُن اچھے کاموں میں سے ایک ہے کہ جس پر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے لے کر اب تک سب لوگ تقرب الٰہی کے لیے عمل پیرا ہیں۔"

نیز چھتیس رکعات (جس پر تھوڑے عرصے کے لیے کچھ لوگ عمل پیرا رہے) کے متعلق لکھتے ہیں:

"وَاَمَّا الْيَوْمَ، فَلَيْسَ فِىْ اَقْطَارِ الْاَرْضِ مَنْ يُّصَلِّىْ هٰذَا الْعَدَدَ

---

[۱] فتح القدیر شرح الہدایہ (۱:۴۸۵) طبع دار الکتب العلمیہ بیروت

[۲] ضوء المصابیح (ص ۳۴۱)

[۳] ایضاً (ص ۳۴۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

فِيمَا نَعْلَمُ ، وَلَا يَزِيدُ عَلَى ثَلَاثٍ وَعِشْرِينَ وَلَا يَنْقُصُ عَنْهَا ۔"[۱]

" آج کل روئے زمین پر ہماری معلومات کے مطابق کوئی بھی چھتیس رکعات نہیں پڑھتا، بلکہ ہر کوئی صرف تیئس رکعات ہی پڑھتا ہے، نہ اس سے زیادہ، اور نہ اس سے کم۔"

نویں اور دسویں صدی کے مشہور صوفی بزرگ، قطب العارفین، کثیر التصانیف علامہ عبدالوہاب شعرانی ؒ (و ۸۸۹ھ۔م ۹۷۳ھ) ارقام فرماتے ہیں:

"وَقَدِ اسْتَقَرَّ الْعَمَلُ عَلَى ذٰلِكَ فِي الْأَمْصَارِ ۔"[۲]

"اور اہل اسلام کے تمام شہروں میں عمل ہمیشہ کے لیے بیس رکعت پر ہی قرار پایا۔"

دسویں صدی کے ہی عظیم فقیہ علامہ زین العابدین بن نجیم مصری حنفی ؒ (م ۹۷۰ھ) رقمطراز ہیں:

"وَعَلَيْهِ عَمَلُ النَّاسِ شَرْقًا وَغَرْبًا ۔"[۳]

"اور بیس رکعت تراویح پر ہی مشرق و مغرب کے تمام مسلمانوں کا عمل ہے"

برصغیر کے بہت بڑے عالم اور دسویں و گیارہویں صدی کے مشہور محدث شیخ عبدالحق محدث دہلوی ؒ (و ۹۵۸ھ، م ۱۰۵۲ھ) تحریر فرماتے ہیں:

"وَالَّذِي اسْتَقَرَّ عَلَيْهِ الْأَمْرُ وَاشْتَهَرَ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ وَمِنْ بَعْدِهِمْ هُوَ الْعِشْرُونَ ۔"[۴]

"جس قول پر عمل ہمیشہ کے لیے رہا، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام رحمہم اللہ

---

[۱] ایضاً (ص ۱۱۹)

[۲] کشف الغمۃ (۱:۱۴۰) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

[۳] البحر الرائق (۲:۱۱۷) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

[۴] مَا ثَبَتَ بِالسُّنَّةِ مترجم (ص ۳۶۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اور ان کے بعد آنے والے لوگوں میں جو بات مشہور چکی ہے وہ بیس رکعت تراویح ہی ہے۔"

گیارہویں و بارہویں صدی کے مالکی فقیہ اور عظیم محقق علامہ شیخ احمد الدردیر (و ۱۱۲۷ھ، م ۱۲۰۱ھ) لکھتے ہیں:

"لٰكِنَّ الَّذِيْ جَرٰى عَلَيْهِ الْعَمَلُ سَلَفًا وَخَلَفًا هُوَ الْاَوَّلُ۔"[۱]

"لیکن جس عدد تراویح پر سلف اور خلف کا عمل (ہمیشہ) جاری رہا وہ پہلا (یعنی بیس رکعت کا) قول ہے۔"

خاتم المحققین، تیرہویں صدی کے عظیم فقیہ و مصنف علامہ ابن عابدین شامیؒ (و ۱۱۹۸ھ، م ۱۲۵۲ھ) تحریر فرماتے ہیں:

"وَعَلَيْهِ عَمَلُ النَّاسِ شَرْقًا وَغَرْبًا"[۲]

"بیس رکعت تراویح پر تمام مشرق اور مغرب کے مسلمانوں کا عمل ہے"

غیر مقلدین کے عظیم عالم اور ان کے شیخ الکل کے شاگرد مولانا میاں غلام رسول قلعویؒ (م ۱۲۹۱ھ) بھی اس حقیقت کو کھلے دل سے تسلیم کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

حضرات صحابہ کرامؓ، ائمہ اربعہ اور مسلمانوں کی عظیم جماعت کا عمل یہ ہے کہ وہ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک مشرق و مغرب میں تئیس (۲۰ تراویح اور تین وتر) ہی پڑھتے ہیں۔[۳]

۱۲۸۴ھ مطابق ۱۸۶۸ء میں جب انگریزی دورِ حکومت میں سب سے پہلے کسی غیر مقلد مولوی صاحب نے ہندوستان کے شہر اکبر آباد میں یہ فتویٰ دیا کہ تراویح آٹھ رکعات

---

[۱] الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدسوقی (۱:۳۱۵) طبع دار احیاء الکتب العربیۃ قاہرہ

[۲] ردالمحتار (۱:۵۲۱) طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

[۳] رسالہ تراویح مع ترجمہ ینابیع (ص ۲۸)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ہیں، تو اسی سال مطبع لطافت آگرہ سے ایک رسالہ بنام "استفتاء التراویح" طبع ہوا، جس میں اس علاقے کے تقریباً اٹھارہ علمائے کرام کے پرزور فتوے طبع ہوئے، اور عوام الناس کو اس فتنے سے آگاہ کیا گیا۔ چنانچہ حضرت مولانا فیض احمد صاحبؒ اس رسالہ میں تحریر کرتے ہیں:

> اور اسی طرح بہت سی کتابوں فقہ میں بیس رکعات تراویح سنت ہونے کا حکم صراحۃً مذکور ہے، اور اجماع اہل الاسلام شرقاً وغرباً اور حرمین شریفین زَادَهُمَا اللهُ شَرَفًا جاری ورائج ہیں۔ کسی شخص نے اہل اسلام سے اس امر میں آج تک خلاف نہیں کیا، اور مخالف اس کا مبتدع ہے۔ [۱]

قارئین کرام: درج بالا بیانات سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ خیر القرون سے لے کر غیر مقلدین کی طرف سے جاری کردہ آٹھ تراویح کے فتوے ۱۲۸۴ھ مطابق ۱۸۶۸ء تک تمام امتِ مسلمہ کا بیس تراویح پر ہی تعامل اور توارث رہا، اور تیرہ سو سال میں کوئی بھی مقتدر ہستی ایسی نہیں گزری جو بیس تراویح سے کم کی قائل ہو۔ البتہ کچھ حضرات بیس تراویح سے زائد رکعات بھی بطور نوافل پڑھتے رہے، لیکن ان میں سے کوئی بھی بیس رکعت سے کم کا قائل نہیں تھا۔ اس طرح پوری امتِ مسلمہ کا بیس رکعت کے مسنون ہونے پر نسلاً بعد النسل عمل رہا، جیسا کہ درج بالا علمائے محدثین وفقہاء کے بیانات سے واضح ہوا، اور آج بھی بِحَمْدِ اللهِ پورے عالم اسلام (سوائے شرذمہ قلیلہ کے) اور اسلام کے دونوں مرکزوں حرمین شریفین "زَادَهُمَا اللهُ شَرَفًا" میں بیس تراویح ہی پڑھی جاتی ہیں۔

غیر مقلدین کے شیخ العرب والعجم مولانا بدیع الدین راشدی (م ۱۴۱۶ھ) اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[۱] رسالہ استفتاء التراویح (ص ۲۲، ۲۳)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اور اب سوائے اہلحدیث کے سب جگہ چاروں فرقوں میں سب شہروں میں حتی کہ حرمین کے اندر بھی بیس (۲۰) پڑھی جاتی ہیں۔[۱]

اعتراض

بعض علمائے غیر مقلدین نے لکھا ہے کہ یہ دعوٰی کرنا کہ صحابہ کرامؓ کا حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں بیس تراویح پر اجماع ہوگیا، اور اس کے بعد سے پوری امت کا بیس تراویح پر ہی عمل قرار پایا، یہ دعوٰی غلط ہے۔ کیونکہ تراویح کے مسئلہ میں بڑا اختلاف ہے۔ علامہ عینی حنفیؒ نے بیس کے علاوہ تقریباً دس اختلافی اقوال رکعات تراویح کی بابت ذکر کئے ہیں۔ چنانچہ عینیؒ لکھتے ہیں:

علماء کا قیام رمضان کے مستحب عدد میں بہت سے اقوال پر اختلاف ہے، بعض اکتالیس رکعت کے قائل ہیں، بعض انچاس، بعض اڑتیس، بعض چھتیس، بعض چونتیس، بعض اٹھائیس، بعض چوبیس، بعض تیئیس، بعض سولہ، بعض تیرہ اور بعض گیارہ رکعت کے قائل ہیں۔ اور اسی کو امام مالکؒ نے اپنے لیے اختیار کیا ہے، اور ابوبکر بن العربی کا بھی یہی مؤقف ہے۔[۲]

اسی طرح امام سیوطی نے بھی اپنے اصحاب میں سے جوری کے حوالہ سے امام مالکؒ کا مذہب گیارہ رکعت نقل کیا ہے۔ بعض علماء مثلاً امام احمدؒ اور امام ابن تیمیہؒ تو سرے سے کسی حد کے قائل ہی نہیں۔ لہٰذا بیس رکعت پر اجماع کا دعوٰی باطل ہے۔[۳]

---

[۱] مقالاتِ راشدیہ (۱۰:۳۲۶)

[۲] تحفۃ الاحوذی (۳:۵۳۱)، صلوٰۃ التراویح (ص ۱۳) شائع کردہ اصحاب اہل حدیث اٹک شہر، تعداد تراویح (ص ۳۵، ۳۶) بحوالہ عمدۃ القاری۔

[۳] تعداد رکعات قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ (ص ۴۶) شائع کردہ جماعت اہل حدیث حضرو ضلع اٹک، انارۃ المصابیح (ص ۲۵) طبع ادارۃ البحوث الاسلامیہ بنارس۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

جواب:

غیر مقلدین کا یہ اعتراض بالکل مردود اور باطل ہے۔

اولاً: ہم نے ما قبل سطور میں تیرہ سو سال کے بڑے بڑے علمائے محدثین اور فقہاء (جن کی عدالت، ثقاہت اور جلالت شان خود غیر مقلدین کے ہاں بھی مسلم ہے) کے حوالے پیش کیے ہیں، جنہوں نے تصریح کی ہے کہ بیس تراویح پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع رہا ہے، اور پوری امت مسلمہ بھی بیس تراویح پر ہی عمل پیرا رہی، اور غیر مقلدین کے خود اپنے اکابر میں سے نواب صدیق حسن خان (م ۱۳۰۷ھ) اور مولانا میاں غلام رسول صاحب (م ۱۲۹۱ھ) کو بھی اس کا اقرار ہے (جیسا کہ ان کے حوالے گزر چکے ہیں) اور علامہ عینی (م ۸۵۵ھ) جن کے ذکر کردہ اختلافی اقوال کی بناء پر غیر مقلدین نے یہ اعتراض کیا ہے، وہ خود بھی اس اجماع کو تسلیم کرتے ہیں۔[۱]

غیر مقلدین کے نزدیک کیا ان سب ثقہ شخصیات کا یہ دعویٰ کرنا باطل ہے؟ اس کے بالمقابل ہمارا ان غیر مقلدین کو چیلنج ہے کہ وہ ہندوستان میں انگریز منحوس کے آنے سے پہلے تیرہ سو سال کے محدثین اور فقہاء میں سے کسی ایک ثقہ شخصیت کا حوالہ پیش کر دیں جس نے یہ کہا ہو کہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بیس تراویح پر اجماع منعقد نہیں ہوا، اور نہ ہی صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد امت کا عمل بیس رکعات قرار پایا۔ اگر اس طرح کا کوئی ٹھوس حوالہ غیر مقلدین پیش کر دیں تو ہم بھی اپنا دعویٰ اجماع واپس لے لیں گے، دیدہ باید۔ لیکن ؎

نہ تلوار اٹھے گی نہ خنجر ان کے
یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

ثانیاً: غیر مقلدین کا یہ اعتراض دو شقوں پر مشتمل ہے۔

---

[۱] دیکھئے البنایہ شرح ہدایہ (۲:۱۰۲) طبع مکتبہ حقانیہ ملتان۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

(۱) صحابہ کرامؓ کا عہد عمرؓ میں بیس تراویح پر اجماع منعقد نہیں ہوا۔

(۲) صحابہؓ کے بعد امت کا مجموعی عمل بیس تراویح قرار نہیں پایا۔

لیکن اس اعتراض کے لیے دلیل یہ پیش کی کہ علامہ عینیؒ (م ۸۵۵ھ) نے بیس تراویح کے علاوہ بہت سے اختلافی اقوال ذکر کئے ہیں، حالانکہ علامہ عینیؒ نے جتنے بھی اقوال ذکر کئے ہیں، وہ سب صحابہ کرامؓ کے بعد کے لوگوں کے ہیں، اور اس کا اقرار خود غیر مقلدین کو بھی ہے، چنانچہ مولانا نذیر احمد رحمانی (م ۱۳۸۵ھ) لکھتے ہیں:

عینیؒ نے جو اقوال نقل کئے ہیں ان میں اکثر (بلکہ سب۔ ناقل) تو بے شک وہی ہیں جو عہد فاروقی کے بعد کے ہیں۔[۱]

لہٰذا جو لوگ عہدِ فاروقی کے بعد کے ہیں، ان کا عمل اور اختلاف عہدِ فاروقی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع پر اثر انداز کیسے ہو سکتا ہے؟

مبارکپوری اور رحمانی صاحبان کے ذکر کردہ آثار کی حقیقت

مولانا رحمانی صاحب نے یہ تسلیم کرنے کے باوجود کہ حافظ عینیؒ کے ذکر کردہ آثار عہد فاروقی کے بعد کے لوگوں کے ہیں، یہ اعتراض کر دیا کہ مبارکپوری صاحب نے علامہ عینی کے ذکر کردہ آثار کے علاوہ بعض آثار خود ذکر کیے ہیں، جن سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بیس تراویح پر اجماع ہونے کا دعویٰ باطل ہو جاتا ہے۔

اور وہ آثار یہ ہیں:

(۱) حضرت معاذ بن الحارث ابو حلیمہؓ جو صحابی ہیں، یہ اکتالیس رکعتیں لوگوں کو پڑھاتے تھے، قیام الیل (ص ۹۱)۔ حضرت ابو حلیمہؓ تراویح کے امام حضرت عمرؓ ہی کے زمانہ میں تھے اور حضرت عمرؓ نے ان کو تراویح کا امام مقرر کیا تھا، اصابہ (۲:۴۲۸)

[۱] انوار المصابیح (ص ۳۵۶)۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

(۲) حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابی بن کعبؓ کو تراویح کا امام مقرر کیا۔ وہ لوگوں کو چھتیس رکعتیں پڑھاتے تھے۔ قیام اللیل (ص ۹۲)
یہ روایات منقطع ہیں، لیکن منقطع روایت عندالاحناف حجت ہے۔

(۳) اسود بن یزید نخعیؒ تابعی چالیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ اور اسودؒ نے حضرت عمرؓ کا زمانہ بے شک پایا ہے، اور ان کے عمل کے بارے میں روایت میں کسی زمانہ کی کوئی خصوصیت اور قید مذکور نہیں ہے، تو حنفیہ کے اصول (مطلق اپنے اطلاق پر جاری ہوتا ہے) کے مطابق جب تک کسی معتبر دلیل سے کسی زمانہ کی تخصیص ثابت نہ ہو جائے، یہ اطلاق اپنے عموم پر باقی رہتے ہوئے حضرت عمرؓ کے زمانہ کو بھی شامل ہوگا۔

(۴) حضرت نافع جو حضرت ابن عمرؓ کے مولیٰ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابوہریرہؓ کے شاگرد ہیں، ان کا بیان ہے کہ میں نے لوگوں کو چھتیس تراویح اور تین وتر پڑھتے ہوئے دیکھا اور پایا ہے۔ نافعؒ نے حضرت عمرؓ کا زمانہ نہیں پایا، لیکن جن صحابہؓ کے شاگرد ہیں، انہوں نے حضرت عمرؓ کا زمانہ پایا ہے، اور ظاہر ہے کہ جن لوگوں کو حضرت نافعؒ نے چھتیس رکعتیں پڑھتے پایا ہے ان میں یہ صحابہؓ بھی شامل ہیں تو ان میں کسی نے ان کو نہیں بتایا کہ ہم عہد فاروقی میں بیس پڑھتے تھے، اور اس کے گزر جانے کے بعد چھتیس پڑھنے لگے۔

(۵) وہب بن کیسانؒ، جو بڑے بڑے صحابہؓ کے شاگرد ہیں، ان کا بیان ہے کہ رمضان میں لوگ برابر تراویح کی چھتیس اور وتر کی تین رکعتیں پڑھتے چلے آرہے ہیں۔ آج تک اسی پر عمل جاری ہے، قیام اللیل (ص ۹۱)۔

وہبؒ کے کلام سے ظاہر ہے کہ انہوں نے یہ صرف اپنے زمانے کا حال نہیں بتلایا، بلکہ بہت پہلے کا سلسلہ بتا رہے ہیں حتیٰ کہ عہد فاروقی کو بھی مستثنیٰ نہیں کیا ہے۔ یہ عہد اگرچہ انہوں نے نہیں پایا لیکن حنفیہ کے نزدیک تابعی کی منقطع روایت حجت ہے۔ لہٰذا

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بیس پر اجماع اور اسی پر عمل کے ٹھہراؤ کے دعوے باطل ہیں۔[۱]

جواب: رحمانی صاحب اور دیگر غیر مقلدین جنہوں نے اپنی کتابوں کے بیسیوں صفحات صرف اس بات کو ثابت کرنے کے لیے سیاہ کر دیے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں گیارہ رکعات سے زیادہ (بیس وغیرہ) پڑھنا ثابت نہیں ہے، اب صرف احناف دشمنی اور پوری امت کے بالمقابل اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد چمکانے کے شوق میں اپنے سابقہ موقف کو یکمشت یہ کہہ کر رد کر دیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بیس رکعت سے زیادہ چھتیس رکعت وغیرہ پڑھنا بھی ثابت ہے۔ اب اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بیس سے زائد تراویح کا پڑھا جانا غیر مقلدین نے تسلیم کر لیا ہے تو عہد فاروقی میں بیس تراویح کا پڑھا جانا بطریقِ اَولیٰ ثابت ہو گیا، حالانکہ اسی بات کو وہ پہلے بڑے شد و مد کے ساتھ رد کر چکے ہیں۔

چنانچہ مولانا نذیر رحمانی لکھتے ہیں:

پس اس فرمان فاروقی (گیارہ رکعت) کے ہوتے ہوئے اولاً تو ہمیں یہ تسلیم ہی نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بیس پر عمل ہوا، کیونکہ اس (گیارہ رکعت) کے مقابلہ میں جو روایتیں پیش کی جاتی ہیں، ان کی صحت ثابت نہیں۔[۲]

تقریباً یہی بات مولانا مبارکپوری صاحب نے[۳]، اور دیگر غیر مقلدین نے اپنی اپنی کتب میں درج کی ہے۔[۴] اب ہم غیر مقلدین کو انصاف و دیانت

---

[۱] محصلہ انوار المصابیح (ص ۳۵۷۔۳۶۸)

[۲] ایضاً (ص ۲۲۸)

[۳] دیکھئے تحفۃ الاحوذی (۲:۵۲۳)

[۴] مثلاً دیکھئے فتاوی علمائے حدیث (۶:۳۸۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

(بشرطیکہ یہ ان میں ہو) کا واسطہ دے کر پوچھتے ہیں کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں گیارہ رکعت سے زیادہ تراویح کا پڑھنا ثابت نہیں تو اب آپ نے یہ کیسے تسلیم کرلیا ہے کہ عہدِ عمرؓ میں بیس سے زائد رکعت بھی پڑھی جاتی رہیں!

ع ماننے جس کو نہ تھے لیجئے پہنچے وہاں

جواب ثانی:

مولانا رحمانیؒ نے بحوالہ مولانا مبارکپوری، جتنے آثار ذکر کیے ہیں، وہ سب "مختصر قیام اللیل (ص۹۱۔ ۹۳ طبع مطبع رفاہ عام لاہور ۱۳۲۰ھ) سے منقول ہیں، اور وہاں یہ سب آثار بلاسند ذکر کئے گئے ہیں۔غیر مقلدین کے شیخ العرب والعجم مولانا بدیع الدین راشدی (م۱۴۱۶ھ) لکھتے ہیں:

"قیام اللیل" کا اصل نسخہ نایاب ہے، اور جو کہ عام طور پر کتب خانوں میں ملتا ہے، یا مطبوع ہے، وہ اس کا مختصر ہے، جو کہ علامہ احمد بن علی المقریزی المتوفی سنہ ۸۴۵ھ نے لکھا ہے۔انہوں نے صرف مرفوع احادیث کی اسناد ذکر کی ہیں، باقی صحابہ خواہ تابعین سب کی روایات کی اسناد حذف کردی ہیں۔جیسا کہ خود مقدمہ میں لکھتے ہیں: فانی اختصرت...

پھر جب روایت کی سند ہی نہیں ہے تو پھر کس طرح سے قابل قبول ہوگی۔[۱]

رحمانی صاحب کے ہم استاذ اور مشہور غیر مقلد عالم مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں:

بلاسند کوئی بات مقبول نہیں۔[۲]

رحمانی صاحب کے ایک اور ہم مسلک اور ہم استاذ مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری (م۱۴۱۴ھ) نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ:

---

[۱] مقالاتِ راشدیہ (۷:۱۸۷)
[۲] توضیح الکلام (۱:۱۱۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بے سند حدیث بالاتفاق مردود ہوتی ہے۔[۱]

مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹیؒ (م ۱۳۷۵ھ) لکھتے ہیں:

بغیر سند کے کوئی روایت قابل غور نہیں ہو سکتی، چہ جائیکہ اس پر عمل یا اعتقاد کی بنیاد رکھی جائے۔[۲]

لہٰذا جب تک یہ آثار باعتبار سند ثابت نہیں ہو جاتے ان سے استدلال کالعدم ہے۔

جواب ثالث:

مولانا نذیر رحمانی صاحب نے جتنے بھی آثار ذکر کئے ہیں ان کے ثبوت و عدم ثبوت سے قطع نظر بھی ان میں سے کسی ایک اثر سے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں چھتیس رکعت کا پڑھا جانا ثابت نہیں ہوتا۔ چنانچہ انہوں نے پہلا اثر حضرت معاذ بن الحارث ابو حلیمہ (م ۶۳ھ) کا ذکر کیا ہے کہ یہ صحابی اکتالیس رکعات لوگوں کو پڑھاتے تھے۔ لیکن:

اولاً: تو حضرت ابو حلیمہ کا صحابی ہونا مختلف فیہ ہے، اگر علامہ ابن عبدالبرؒ (م ۴۶۳ھ) وغیرہ نے ان کو صحابہؓ میں شمار کیا ہے، تو امام ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ) وغیرہ نے ان کو تابعین میں شمار کیا ہے۔[۳]

اور خود غیر مقلدین کے مشہور محقق علامہ شمس الحق عظیم آبادیؒ (م ۱۳۲۹ھ) بھی ان کی صحابیت کو مختلف فیہ قرار دیتے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں: مُعَاذُ بْنُ الْحَارِثِ الْقَارِيُّ، وَهُوَ مُخْتَلَفٌ فِيْ صُحْبَتِهِ،[۴] کہ معاذ بن حارث قاری کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔

---

[۱] فتاوی علمائے حدیث (۱۲۰:۱۰)

[۲] انارۃ المصابیح (ص ۴۱)

[۳] دیکھئے تھذیب التھذیب (۴۶۶:۵)

[۴] التعلیق المغنی (۴۰:۲) طبع نشر السنۃ ملتان

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

علامہ شوکانیؒ غیر مقلد (م ۱۲۵۰ھ) نے بھی ان کی صحابیت کو مختلف فیہ قرار دیا ہے۔[۱]

ثانیاً: اس اثر سے (بشرط صحت) ان کا عہد عمرؓ میں اکتالیس رکعت پڑھانا ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ روایت میں عہدِ عمرؓ کی کوئی تصریح نہیں، اور ''قیام اللیل'' (جہاں سے غیر مقلدین یہ اثر نقل کرتے ہیں) میں ہی حضرت ابوحلیمہ کا عہد فاروقی کے بعد بھی تراویح پڑھانا منقول ہے۔[۲]

اب جب تک یہ تصریح نہ دکھائی جائے کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ہی اکتالیس رکعت پڑھاتے تھے، اس وقت تک اس اثر کو عہدِ عمرؓ سے متعلق قرار دینا نری زبردستی ہے۔ نیز اس اثر کو روایت کرنے والے امام ابن سیرینؒ (م ۱۱۰ھ) ہیں، اور انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ پایا ہی نہیں۔ اب اگر انہوں نے یہ واقعہ عہدِ عمرؓ کا بیان کیا ہے تو یہ روایت مرسل ہے، اور اگر انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد کے بعد اپنی زندگی کا واقعہ بیان کیا ہے تو یہ روایت مسند اور متصل ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ روایت مُسند ہے، اور ابن سیرینؒ نے یہ واقعہ اپنی زندگی کا ہی بیان کیا ہے۔ کیونکہ اکابر علمائے غیر مقلدین میں سے مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری (م ۱۳۵۳ھ) اور مولانا محمد گوندلوی (م ۱۴۰۵ھ) اور خیر سے یہ دونوں مولانا نذیر رحمانی صاحب کے استاذ بھی ہیں، نے تصریح کی ہے:

> جب حدیث کے مُسند (متصل) اور مرسل ہونے کا اختلاف ہو تو روایت مسند ہی ہوگی۔[۳]

مولانا بدیع الدین راشدی ایک روایت (جس کے متصل اور مرسل ہونے میں اختلاف ہے) کے متعلق لکھتے ہیں:

---

[۱] نیل الاوطار (۱:۴۹۹) طبع دار المعرفۃ بیروت

[۲] مختصر قیام اللیل (ص ۹۰) طبع مطبع رفاہ عامہ لاہور، (ص ۲۱۸) طبع حدیث اکادمی فیصل آباد

[۳] ابکار المنن (ص ۱۲۶)، خیر الکلام (ص ۲۲۹) بحوالہ احسن الکلام (۲:۱۰۹)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

براہ راست والی صورت میں یہ روایت مرسل کہی جائے گی، اور واسطے والی صورت میں متصل ہوئی، اور متصل مرسل سے قطعاً راجح ہے، لہٰذا راجح مقبول ہوگی، اور مرجوح کو نہیں لیا جائے گا۔"[۱]

مولانا ارشاد الحق اثری نے تو موصول اور مرسل میں اختلاف کی صورت میں موصول کے راجح ہونے کو "اجماعی اصول" قرار دیا ہے۔[۲]

نیز مولانا نذیر حسین دہلوی (م ۱۳۲۰ھ) کے شاگرد مولانا سید عبد الحفیظ (م ۱۳۶۲ھ) اپنے ایک فتویٰ، جس کی تصدیق مولانا نذیر صاحب نے بھی کی ہے، لکھتے ہیں:

جب لفظ مطلق علی الاطلاق بلا کسی قید کے استعمال کیا جاتا ہے، تو اس مطلق سے اس کا فرد کامل مراد ہوتا ہے، اور فرد ناقص مراد نہیں ہوتا۔[۳]

اب حضرت ابن سیرین کا یہ اثر بقول مولانا رحمانی: مطلق ہے، تو پھر اس سے اس کا متصل السند ہونا مراد ہوگا، کیونکہ خود غیر مقلدین متصل کو کامل (راجح) اور مرسل کو ناقص (مرجوح) قرار دیتے ہیں۔ لہٰذا اس اثر کا متصل السند ہونا خود غیر مقلدین کے اپنے طے شدہ اصولوں سے ثابت ہوگیا۔

پس جب یہ روایت باصول غیر مقلدین: مسند اور متصل ہے، تو پھر غیر مقلدین کا اس روایت کو مرسل اور منقطع قرار دے کر (حالانکہ مرسل اور منقطع روایت غیر مقلدین کے نزدیک ضعیف ہے) اس کو عہدِ فاروقی سے متعلق قرار دینا محض اپنا جی بہلانے والی بات ہے۔

(۲) دوسرا اثر رحمانی صاحب نے حضرت حسن بصری (م ۱۱۰ھ) کا ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو تراویح کا امام مقرر کیا تو وہ

---

[۱] مقالاتِ راشدیہ (۶:۳۳۶)

[۲] تنقیح الکلام (ص ۱۶۹)

[۳] فتاویٰ نذیریہ (۱:۴۳۸)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

لوگوں کو چھتیس رکعتیں پڑھاتے تھے۔ یہ اثر اوّل تو باقرار مولانا رحمانی منقطع ہے جو غیر مقلدین کے نزدیک حجت نہیں۔

ثانیاً: جواب اوّل میں گزر چکا ہے کہ غیر مقلدین کے نزدیک عہد عمرؓ سے متعلق گیارہ رکعات کے علاوہ جتنی روایات ہیں وہ سب ضعیف ہیں۔ لہٰذا غیر مقلدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ پہلے مذکورہ روایت سمیت ان سب روایات کی اسانید ڈھونڈ کر ان کا صحیح ہونا ثابت کریں، پھر انہیں معرضِ استدلال میں پیش کریں۔ دیدہ باید۔

(۳) تیسرا اثر اسود بن یزید نخعیؒ (م ۷۵ھ) کا ہے کہ وہ چالیس رکعتیں پڑھتے تھے۔ لیکن یہ اثر ان کی طرف غلط منسوب ہے۔ اصل میں یہ اثر ان کے بیٹے عبدالرحمٰنؒ (م ۹۹ھ) سے مروی ہے۔ [۱] جو کہ مشہور تابعی اور فقیہ ابراہیم نخعیؒ (م ۹۵ھ) کے ہم عمر ہیں، اور ان کا لقاء حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ممکن نہیں ہے۔ [۲]

اور اگر بالفرض یہ اثر اسودؒ سے ثابت بھی ہو تو اگرچہ حضرت اسودؒ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ پایا ہے، لیکن روایت میں یہ تصریح نہیں کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں چالیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے، اور جب تک یہ بات ثابت نہ ہو جائے کہ وہ یہ چالیس رکعتیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں پڑھتے تھے اس وقت تک یہ دعویٰ کرنا کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں چالیس رکعتیں پڑھتے تھے، بلا دلیل ہے جو قابل مسموع نہیں۔

امام تقی الدین سبکیؒ (۷۵۶ھ) نے اسودؒ وغیرہ کے آثار (جن میں ان کا چھتیس یا اس سے زائد رکعات پڑھنا منقول ہے) ذکر کرنے سے پہلے لکھا ہے:

---

[۱] مصنف ابن ابی شیبۃ (۲:۲۸۵)، ضوء المصابیح (ص ۳۴۶)

[۲] تھذیب التھذیب (۳:۳۳۸)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

”لَمْ يَكُنْ ذٰلِكَ فِيْ زَمَنِ عُمَرَ، وَإِنَّمَا كَانَ بَعْدَهٗ۔“[1]

”یہ (چھتیس رکعات وغیرہ کا پڑھا جانا) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں نہیں تھا، بلکہ یہ ان کے بعد کی بات ہے۔“

مولانا رحمانی نے اس اثر کو مطلق کہہ کر ”اَلْمُطْلَقُ یَجْرِیْ عَلٰی إِطْلَاقِهٖ“ والا قاعدہ یہاں چسپاں کرنے کی جو کوشش کی ہے وہ بھی غلط ہے، اس لیے کہ مولانا عبداللہ روپڑی غیر مقلد (۱۳۸۴ھ) نے تصریح کی ہے کہ:

مطلق وہ ہوتا ہے جس کا معنیٰ واضح ہو[2] جب کہ اس اثر میں کوئی وضاحت ہی نہیں کہ حضرت اسودؒ یہ اکتالیس رکعات کس زمانے میں پڑھتے تھے۔ تو پھر کیسے اس اثر کو مطلق کہہ کر اس میں حضرت عمرؓ کے زمانے کو شامل کر سکتے ہیں؟

نیز سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بیس رکعات پر مجتمع ہونا اور کسی صحابیؓ کا اس کے مخالف نہ ہونا اور پھر بڑے بڑے محدثین کا یہ بات تسلیم کرنا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بیس تراویح پر اجماع رہا ہے، یہ زبردست اور معتبر دلیل ہے کہ اسود بن یزید نخعیؒ عہد عمرؓ میں چالیس رکعتیں نہیں پڑھتے تھے، لہٰذا اس اثر سے عہد عمرؓ میں حضرت اسودؒ کا چالیس رکعتیں پڑھنا ثابت نہیں ہو سکتا۔

اور اگر بالفرض تسلیم کر لیا جائے کہ وہ عہدِ عمر رضی اللہ عنہ میں بھی چالیس رکعتیں پڑھتے تھے تو پھر بھی ان کے اس عمل سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس اجماعی عمل (بیس تراویح) پر کوئی اثر نہیں پڑتا، کیونکہ ایک تابعی کا عمل کسی ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے

---

[1] ضوء المصابیح (ص ۳۴۳)

[2] فتاویٰ اہلحدیث (۱:۶۵۵)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

مقابلے میں حجت نہیں ہوسکتا، چہ جائیکہ یہ عمل (بشرطِ ثبوت) تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے عمل کے خلاف ہو۔

④ چوتھا اثر حضرت نافعؒ (م ۱۱۷ھ) کا ہے کہ میں نے اہل مدینہ کو چھتیس رکعات پڑھتے پایا ہے۔ حضرت نافعؒ کی پیدائش حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے کئی برس بعد ہوئی[۱]۔ جس کا اقرار مولانا رحمانی کو بھی ہے۔[۲]۔ اب حضرت نافعؒ نے نہ اپنا عمل ذکر کیا ہے اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل نقل کیا ہے، بلکہ انہوں نے صرف یہ کہا ہے کہ میں نے مدینہ والوں کو چھتیس رکعات پڑھتے پایا ہے۔ اتنی سی بات پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بیس تراویح کے اجماع کو صرف اس لیے رد کر دینا کہ حضرت نافعؒ جو فلاں فلاں صحابیؓ کے شاگرد ہیں، نے اہل مدینہ کو چھتیس رکعتیں پڑھتے پایا ہے، یہ محض غیر مقلدانہ ضد اور عناد ہے۔ مشہور محدث امام ابن قدامہ حنبلیؒ (م ۶۲۰ھ) لکھتے ہیں:

”لَوْ ثَبَتَ اَنَّ اَهْلَ الْمَدِيْنَةِ كُلُّهُمْ فَعَلُوْهُ لَكَانَ مَافَعَلَهٗ عُمَرُ وَاَجْمَعَ عَلَيْهِ الصَّحَابَةُ فِيْ عَصْرِهٖ اَوْلٰى بِالْاِتِّبَاعِ[۳]“۔

”اگر یہ بات ثابت بھی ہو جائے کہ تمام اہل مدینہ چھتیس رکعتیں پڑھتے تھے تو پھر بھی جو طریقہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس تراویح کا رائج کیا، اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کے عہد میں اس پر اجماع کر لیا وہ اتباع کے زیادہ لائق ہے“

⑤ پانچواں اثر مولانا رحمانیؒ نے وہب بن کیسانؒ (م ۱۲۷ھ) کا نقل کیا ہے کہ رمضان

---

[۱] امام احمد بن حنبلؒ (م ۲۴۱ھ) فرماتے ہیں: نَافِعٌ عَنْ عُمَرَ مُنْقَطِعٌ۔ تھذیب التھذیب (۵:۶۰۷) کہ نافعؒ کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ احادیث منقطع ہیں۔ یعنی انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔

[۲] انوار المصابیح (ص ۳۶۶)

[۳] المغنی (۲:۶۰۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

میں لوگ برابر تراویح کی چھتیس رکعات اور وتر کی تین رکعتیں پڑھتے چلے آرہے ہیں، لیکن مولانا رحمانی صاحب نے خود تسلیم کیا ہے کہ وہبؒ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا۔ اب اگر انہوں نے حضرت عمرؓ کے زمانے کا حال بیان کیا ہے تو ان کا یہ اثر مرسل اور منقطع ہے، اور اگر انہوں نے اپنے زمانے کا حال بیان کیا ہے تو اس صورت میں یہ اثر مسند اور متصل ہے، اور اس اثر کا مسند اور متصل ہونا ہی راجح ہے، کیونکہ حضرت ابوحلیمہؓ کے اثر میں غیر مقلدین کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ جب روایت کے مرسل اور مسند ہونے کا اختلاف ہو تو وہ روایت مسند ہی ہوگی۔ لہٰذا یہ روایت مسند ہی ہے، اور حضرت وہبؒ نے اپنے زمانے کے لوگوں کا حال بیان کیا ہے، اور ان کے زمانے کے لوگوں کا عمل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماعی عمل پر ذرہ برابر بھی اثر انداز نہیں ہوسکتا۔

نیز وہب بن کیسانؒ کو حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) نے طبقہ رابعہ کا راوی بتلایا ہے[۱]۔

اور طبقہ رابعہ کے متعلق خود رحمانی صاحبؒ لکھتے ہیں:

چوتھا طبقہ وہ ہے جو تابعین کے طبقہ وسطیٰ کے قریب ہے جن کی اکثر روایتیں کبار تابعین سے لی گئی ہیں، صحابہؓ سے نہیں۔ [۲]

پس رحمانی صاحب کی اس تصریح کی رو سے وہبؒ کی اکثر روایات کبار تابعین سے مروی ہیں، صحابہ کرامؓ سے نہیں۔ تو پھر رحمانی صاحب کا خود اپنے ہی طے شدہ اصول کی روشنی میں یہ کہنا باطل ہوگیا کہ وہبؒ نے بڑے بڑے صحابہؓ سے روایات بیان کی ہیں، اور وہ ان کے صحبت یافتہ اور شاگرد ہیں۔ لہٰذا جن صحابہؓ کے وہ شاگرد اور تربیت یافتہ ہیں ان کو انہوں نے چھتیس رکعات پڑھتے پایا ہے۔[۳] کیونکہ جب بقول رحمانی

---

[۱] تقریب التھذیب (۲:۲۹۳)

[۲] انوار المصابیح (ص ۲۸۰)

[۳] ایضاً (ص ۳۶۸)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

صاحب: وہبؒ کی صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایات مروی ہی نہیں تو پھر وہ بڑے بڑے صحابہؓ کے شاگرد کیسے ہوئے، اور انہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو چھتیس رکعات کیسے پڑھتے پایا ہے؟

الغرض مولانا نذیر رحمانی صاحبؒ نے جتنے بھی آثار اپنے اس دعوٰی کو ثابت کرنے کے لیے ذکر کیے ہیں کہ عہد عمرؓ میں سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بیس تراویح پر اجماع نہیں ہوا، ان میں سے ایک اثر سے بھی یہ دعوٰی ثابت نہیں ہوتا، اور رحمانی صاحبؒ کی اس سلسلہ میں سب کوششیں اور منطقی موشگافیاں بے کار اور لا حاصل ہیں۔ باقی انہوں نے "فتاوٰی قاضی خان" وغیرہ سے جو چند آثار نقل کیے ہیں کہ عہد فاروقی اور عہد مرتضوی میں چھتیس رکعتیں پڑھی جاتی تھیں تو یہ سب آثار بھی بلا سند ہیں، اور ابھی تھوڑا پہلے مشہور اور کبار علمائے غیر مقلدین کے حوالے گزر چکے ہیں کہ بلا سند بات بالاتفاق مقبول نہیں ہوتی۔

علامہ عینیؒ کے ذکر کردہ آثار کی وضاحت

علامہ عینیؒ (م ۸۵۵ھ) نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد کے لوگوں کے جو آثار ذکر کیے ہیں ان میں بھی سوائے تین اقوال کے سب بیس رکعت سے زائد کے اقوال ہیں، ان اقوال سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بیس تراویح پر اجماع ہونے کے دعوٰی پر تو قدح ممکن ہی نہیں، اسی طرح ان سے ہمارے دوسرے دعوٰی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد تمام بلادِ اسلامیہ میں بھی بیس رکعت پر عمل قرار پایا، پر بھی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ بیس رکعت سے زائد جو رکعات پڑھی جاتی رہیں وہ ہمارے دعوٰی اور موقف کے خلاف نہیں، اس لیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد جو حضرات بیس تراویح سے زائد رکعتیں پڑھتے تھے، ان کے نزدیک بھی اصل اور مسنون تراویح بیس رکعات ہی تھیں اور باقی رکعتیں بطور نوافل تھیں۔ چنانچہ شیخ الاسلام امام تقی الدین سبکیؒ (م ۷۵۶ھ) بیس رکعات سے زائد جو رکعات پڑھی جاتی تھیں، ان کے متعلق لکھتے ہیں:

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

”وَالزَّائِدُ عَلَى ذٰلِكَ لَيْسَ تَرَاوِيْحُ، بَلْ قِيَامُ لَيْلٍ لَايُشْرَعُ لَهُ الْجَمَاعَةُ، اَعْنِيْ: لَايُسَنُّ۔“[۱]

”بیس سے زائد جو رکعات تھیں، وہ تراویح نہیں تھیں، بلکہ وہ (مطلق) قیام لیل تھا، جس کے لیے جماعت مسنون نہیں۔“

مولانا عبدالمنان نور پوری صاحب غیر مقلد (م ۱۴۳۲ھ) علامہ عینیؒ کے ذکر کردہ ان اختلافی اقوال کو نقل کرنے کے بعد تحریر کرتے ہیں:

میں کہتا ہوں: عمدۃ القاری کے مصنف (علامہ عینیؒ) کے اس مسئلہ میں کلام سے واضح ہے کہ علماء کا تقریباً دس اقوال پر اختلاف قیام رمضان کے مستحب عدد کے بارے میں ہے، اس کے مسنون عدد کے بارے میں نہیں۔[۲]

اور یہی وجہ ہے کہ جو لوگ بیس تراویح سے زائد تراویح کے قائل ہیں، وہ بھی بیس تراویح کے مسنون ہونے کو رد نہیں کرتے، بلکہ وہ اس اجماعی عمل (بیس تراویح) کو تسلیم کرتے ہوئے مع زائد رکعات کے قائل ہیں، کیونکہ ان حضرات کا نظریہ یہ تھا کہ تراویح کی کم از کم مقدار تو بیس رکعت مقرر ہے، لیکن زائد کی کوئی حد مقرر نہیں، اس میں جتنی بھی رکعات کا اضافہ کیا جائے، کارِ ثواب ہے، مثلاً امام مالک (م ۱۷۹ھ) اور ان کے متبعین چھتیس رکعات کے قائل ہیں، لیکن ان کے نزدیک بھی اصل تراویح بیس رکعت ہی ہیں، اور سولہ رکعت زائد بطور نوافل بڑھا دی گئی ہیں۔ چنانچہ فقہ مالکی کی مشہور و معتبر کتاب ”مختصر خلیل“ میں تراویح کے بیان میں لکھا ہے:

---

[۱] ضوء المصابیح (ص ۳۷۵)

[۲] تعداد تراویح (ص ۱۳۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ثَلَاثٌ وَعِشْرُوْنَ، ثُمَّ جُعِلَتْ سِتًّا وَثَلَاثِيْنَ ۔[۱]

”تراویح (وترسمیت) تیئس رکعت تھیں، پھر چھتیس کردی گئیں“

امام ابو محمد عبداللہ قیروانی مالکیؒ (م ۳۸۶ھ) لکھتے ہیں:

وَكَانَ السَّلَفُ الصَّالِحُ يَقُوْمُوْنَ فِيْهِ فِي الْمَسَاجِدِ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً، ثُمَّ يُوْتِرُوْنَ بِثَلَاثٍ ....ثُمَّ صَلَّوْا بَعْدَ ذٰلِكَ سِتًّا وَثَلَاثِيْنَ رَكْعَةً ۔[۲]

”سلف صالحین (صحابہؓ وکبار تابعینؒ) رمضان المبارک میں مساجد میں بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھا کرتے تھے...، پھر (بعد میں آنے والے لوگوں نے) چھتیس رکعت پڑھنا شروع کردیں۔“

امام شہاب الدین قسطلانیؒ (م ۹۲۳ھ) اپنی ”شرح بخاری“ میں لکھتے ہیں:

وَقَدْ قَالَ الْمَالِكِيَّةُ: كَانَتْ ثَلٰثًا وَّعِشْرِيْنَ رَكْعَةً ثُمَّ جُعِلَتْ تِسْعًا وَّثَلَاثِيْنَ ۔[۳]

”مالکیہ (امام مالک کے مقلدین) کہتے ہیں کہ تراویح وترسمیت تیئس رکعات ہی تھیں، پھر سولہ رکعات (بطور نوافل بڑھا کر) انتالیس رکعات (۳۶ تراویح اور ۳ وتر) کردی گئیں۔“

اس زیادت کی وجہ یہ تھی کہ اہل مکہ ہر ترویحہ (چار رکعت) کے بعد بجائے آرام کرنے کے کعبۃ اللہ کا طواف کیا کرتے تھے، تاکہ زیادہ سے زیادہ ثواب حاصل کیا جا

---

[۱] مختصر خلیل (ص ۳۹) طبع دار الحدیث قاہرہ

[۲] الرسالۃ فی فقہ الامام مالک (ص ۴۶) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت۔

[۳] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری (۴:۱۲۰) طبع دار الفکر بیروت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

سکے۔اور چونکہ مکہ مکرمہ کے علاوہ دیگر جگہوں میں طواف کی سہولت میسر نہیں، اس لیے بیت اللہ سے دور رہنے والے لوگ اہل مکہ کے ساتھ ثواب میں برابری حاصل کرنے کے لیے ہر ترویحہ (چار رکعت) کے بعد طواف کی جگہ نوافل پڑھنے لگے، پھر ان حضرات کے نوافل کی تعداد مختلف تھی، چنانچہ جو لوگ پہلے چار ترویحوں میں سے ہر ترویحہ کے بعد چار رکعت نفل پڑھتے تھے، ان کی تراویح کی مجموعی تعداد ان زائد نوافل سمیت بغیر وتر کے چھتیس اور وتر سمیت انتالیس ہو جاتی تھی۔جیسا کہ امام مالک ؒ (م ۱۷۹ھ) اور دیگر اہل مدینہ کا معمول تھا، اور کچھ لوگ پانچویں ترویحہ کے بعد بھی چار رکعات مزید پڑھتے تھے، ان کی رکعات کی مجموعی تعداد وتر کے بغیر چالیس، اور تین وتر سمیت تینتالیس، اور ایک وتر سمیت اکتالیس ہو جاتی تھی، جیسا کے حضرت معاذ بن حارث ابوحلیمہ ؓ (م ۶۳ھ) وغیرہ سے منقول ہے۔[۱] اور جو حضرات صرف ایک ترویحہ (چار رکعت) کا اضافہ کرتے تھے، ان کی تعداد چوبیس رکعات، اور جو دو ترویحوں کا اضافہ کرتے تھے ان کی رکعات کی تعداد اٹھائیس ہوتی تھی، جیسا کہ حضرت سعید بن جبیر ؒ (م ۹۵ھ) وغیرہ کے بارے میں منقول ہے، وغیرہ وغیرہ۔

اس کے بالمقابل جو حضرات (ائمہ ثلاثہ وغیرہم) صرف بیس رکعات کے قائل ہیں، وہ بھی بیس سے زائد رکعات پڑھنے والوں کو منع نہیں کرتے۔چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہ ؒ (م ۱۵۰ھ) فرماتے ہیں کہ:

يُصَلِّيْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً بِجَمَاعَةٍ كَمَا هُوَ السُّنَّةُ وَيُصَلِّي الْبَاقِيَ

---

[۱] امام سبکیؒ (م ۷۵۶ھ) لکھتے ہیں:
وَاِنْ صَحَّتْ صَلَاةُ اَبِيْ حَلِيْمَةَ اَرْبَعِيْنَ، فَلَعَلَّهٗ زَادَ تَرْوِيْحَةً بَعْدَ الْخَامِسَةِ۔ضوء المصابیح (ص ۳۴۹)
اگر حضرت ابوحلیمہ کا چالیس رکعات پڑھنا صحیح ثابت ہے، تو پھر ممکن ہے کہ وہ (پہلے چار ترویحوں کی طرح) پانچویں ترویحہ کے بعد بھی ایک ترویحہ (چار رکعات) مزید پڑھتے ہونگے۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

فُرَادَی۔[۱]

"اگر کوئی شخص بیس رکعت سے زیادہ پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے کہ پہلے سنت کے مطابق بیس رکعت جماعت سے پڑھے، اور باقی (سولہ یا کم وبیش) رکعات وہ تنہا پڑھے۔"

اسی طرح دوسرے امام شافعیؒ (م ۲۰۴ھ) فرماتے ہیں:

" رَاَیْتُ النَّاسَ یَقُوْمُوْنَ بِالْمَدِیْنَةِ تِسْعًا وَثَلَاثِیْنَ رَکْعَةً، وَاَحَبُّ اِلَیَّ عِشْرُوْنَ ، قَالَ: وَکَذٰلِكَ یَقُوْمُوْنَ بِمَکَّةَ۔ قَالَ: وَلَیْسَ فِیْ شَیْءٍ مِّنْ هٰذَا ضَیْقٌ وَلَا حَدَّ یُنْتَهٰی اِلَیْهِ، لِاَنَّهٗ نَافِلَةٌ، فَاِنْ اَطَالُوا الْقِیَامَ وَاَقَلُّوا السُّجُوْدَ فَحَسَنٌ، وَهُوَ اَحَبُّ اِلَیَّ، وَاِنْ اَکْثَرُوا الرُّکُوْعَ وَالسُّجُوْدَ فَحَسَنٌ۔"[۲]

"میں نے لوگوں کو مدینہ منورہ میں انتالیس رکعات (۳۶ تراویح اور تین وتر) پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، اور میرے نزدیک پسندیدہ بیس رکعت پڑھنا ہے، اور مکہ مکرمہ میں بھی لوگ بیس رکعت ہی پڑھتے ہیں، لیکن ان (بیس اور چھتیس رکعت) میں سے کسی میں کوئی تنگی نہیں، اور نہ اس میں کوئی آخری حد ہے کہ وہاں پہنچ کر رک جانا ضروری ہے۔ اس لیے کہ یہ نفلی نماز ہے۔ لہٰذا لوگ اگر قیام لمبا کریں اور سجدوں کی تعداد کم کریں۔ یعنی بیس رکعت ہی پڑھیں، تو وہ اچھا ہے، اور یہی مجھے زیادہ پسند ہے، اور اگر رکوع وسجود زیادہ کریں (اور چھتیس رکعت پڑھیں) تو وہ بھی اچھا ہے۔

امام سُبکی شافعیؒ (م ۷۵۶ھ)، امام شافعیؒ کا مذکورہ قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

" فَهٰذِهِ الْعِبَارَةُ تَشْهَدُ لِجَوَازِ الزِّیَادَةِ عَلَی الْعِشْرِیْنَ اِلَی السِّتِّ

---

[۱] المبسوط (۲:۱۴۴) للسرخسیؒ طبع دار المعرفة بیروت، البنایة فی شرح الهدایة (۳:۱۰۲) للعینیؒ، طبع مکتبۃ حقانیہ، ملتان

[۲] مختصر قیام اللیل (ص ۹۲)، فتح الباری (۴:۳۱۹)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

وَالثَّلَاثِيْنَ۔"[۱]

"امام شافعیؒ کی یہ عبارت اس بات پر شہادت دے رہی ہے کہ (اُن کے نزدیک) بیس رکعات پر چھتیس رکعات تک زیادت کرنا جائز ہے۔"

نیز امام سبکیؒ نے ثابت کیا ہے کہ بیس سے زائد رکعات پڑھنے میں احناف اور شوافع کا مذہب ایک جیسا ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ احناف کے نزدیک بیس سے زائد رکعات کو جماعت کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے، جب کہ شوافع کے ہاں یہ بلا کراہت جائز ہے۔[۲]

اسی طرح تیسرے امام احمد بن حنبلؒ (م ۲۴۱ھ) کی بھی یہی رائے ہے کہ تراویح کم از کم بیس رکعات ہی ہیں، اور اس سے زیادہ پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ قسطلانیؒ (م ۹۲۳ھ) ارقام فرماتے ہیں:

"وَقَالَ الْحَنَابِلَةُ: التَّرَاوِيْحُ عِشْرُوْنَ، وَلَا بَأْسَ بِالزِّيَادَةِ نَصًّا أَيْ، عَنِ الْإِمَامِ أَحْمَدَ۔"[۳]

حنبلی علماء کہتے ہیں کہ "تراویح کی بیس رکعتیں ہیں، اور بیس سے زیادہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، جیسا کہ امام احمدؒ نے تصریح کی ہے۔"

فقہ حنبلی کی معتبر کتاب "الاقناع" میں امام احمد کا مسلک یوں لکھا ہے:

"اَلتَّرَاوِيْحُ عِشْرُوْنَ رَكْعَةً فِيْ رَمَضَانَ يُجْهَرُ فِيْهَا بِالْقِرَاءَةِ وَفِعْلُهَا جَمَاعَةً أَفْضَلُ وَلَا يُنْقَصُ مِنْهَا، وَلَا بَأْسَ بِالزِّيَادَةِ نَصًّا"[۴]

"تراویح کی رمضان المبارک میں بیس رکعتیں ہیں، جن میں جہر سے قرأت کی

---

[۱] ضوء المصابیح (ص ۲۷۴)

[۲] ایضاً (ص ۲۷۵۔۲۷۷)

[۳] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری (۱۲۱:۴)

[۴] کتاب الاقناع (۱۴۷:۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

جائے، اوران کو جماعت سے پڑھنا افضل ہے، اور بیس سے کم تراویح نہ کی جائیں، البتہ زیادہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔" یہ (امام احمد بن حنبل سے) صراحتاً ثابت ہے۔

اس ساری تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ ان ائمہ کرام میں "رکعات التراویح" کی بابت کوئی بڑا اختلاف نہیں۔ چنانچہ جو لوگ مثلاً امام مالکؒ (م ۱۷۹ھ) وغیرہ بیس رکعات سے زائد پڑھتے تھے ان کے نزدیک بھی اصل تراویح بیس رکعات ہی ہیں، اور جو حضرات (امام اعظمؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ وغیرہ) صرف بیس رکعات کے قائل ہیں، وہ بھی بیس رکعات سے زیادہ پڑھنے کو جائز سمجھتے ہیں۔ گویا تمام فریق کم از کم بیس رکعت تراویح کے مسنون ہونے پر متفق ہیں، پھر اس کے بعد کچھ حضرات زائد رکعات کے پڑھنے کو بہتر سمجھتے ہیں، اور اکثر حضرات صرف بیس رکعات پڑھنے کو ہی افضل سمجھتے ہیں۔ البتہ وہ بیس سے زائد رکعات پڑھنے کو ناجائز نہیں کہتے۔ لہٰذا علامہ عینیؒ (م ۸۵۵ھ) نے بیس تراویح سے زائد کے جو اقوال ذکر کیے ہیں ان سے نہ تو بیس تراویح پر اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کی نفی ہوتی ہے، اور نہ ہی ان سے بیس تراویح پر امت کے تعامل و توارث پر کوئی زد پڑتی ہے۔

ابو مجلزؒ سے منسوب قول کی وضاحت

اور جو تین اقوال علامہ عینیؒ نے بیس رکعت سے کم کے نقل کئے ہیں ان میں سے ایک قول سولہ رکعت کا ہے جو کہ ابو مجلزؒ (م ۱۰۶ھ) کے بارے میں مروی ہے چنانچہ علامہ عینیؒ (م ۸۵۵ھ) ناقل ہیں:

"أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّيْ بِهِمْ أَرْبَعَ تَرْوِيْحَاتٍ وَيَقْرَأُ لَهُمْ سُبْعَ الْقُرْآنِ فِيْ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

كُلِّ لَيْلَةٍ- رَوَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ نَصْرٍ مِنْ رِوَايَةِ عِمْرَانَ بْنِ حُدَيْرٍ عَنْ أَبِيْ مِجْلَزٍ-"[۱]

" حضرت ابومجلزؒ لوگوں کو چار تروبیحے (سولہ رکعات) پڑھاتے تھے، اور ہر رات قرآن مجید کا ساتواں حصہ سناتے تھے۔ اس اثر کو محمد بن نصر مروزیؒ نے بروایت عمران بن حُدیرؒ، ابومجلزؒ سے نقل کیا ہے"

جواب: علامہ عینیؒ کے ذکر کردہ اس اثر کی سند میں محمد بن نصر مروزیؒ (مولود: ۲۰۲ھ)[۲] اور عمران بن حدیرؒ (متوفی: ۱۴۹ھ)[۳] کے درمیان کم از کم ایک راوی کا واسطہ ذکر نہیں، اب جب تک یہ محذوف واسطہ معلوم نہ ہو جائے، اور اس محذوف راوی کا ثقہ ہونا ثابت نہ ہو جائے اس اثر کو معرضِ استدلال میں پیش کرنا فضول ہے۔

ثانیاً: اس اثر سے (بشرطِ ثبوت) یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ ابومجلزؒ صرف سولہ رکعات پر ہی اکتفا کرتے تھے، بلکہ اس اثر سے صرف یہی معلوم ہو رہا ہے کہ وہ اپنے مقتدیوں کو سولہ رکعات میں قرآن مجید کا ساتواں حصہ سناتے تھے، اب ممکن ہے کہ وہ پہلے سولہ رکعات میں اپنی مقررہ مقدارِ تلاوت لوگوں کو سنا کر باقی چار یا اس سے زائد رکعتیں کسی دوسرے حافظ کے پیچھے پڑھ لیتے ہوں، یا اپنے گھر میں اکیلے ہی پڑھ لیتے ہوں، کیوں کہ آج بھی بکثرت ایسا ہوتا ہے کہ ایک حافظ بعض رکعتوں میں اپنی مقررہ مقدارِ تلاوت سنا کر باقی کسی دوسرے حافظ کے پیچھے مکمل کر لیتا ہے۔ لہٰذا اس اثر سے یہ ثابت کرنا کہ حضرت ابومجلزؒ صرف سولہ رکعتیں ہی پڑھتے

---

[۱] عمدۃ القاری (۸:۲۴۵)

[۲] سیر اعلام النبلاء (۱۴:۳۳)

[۳] تھذیب التھذیب (۴:۳۹۶)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

تھے بالکل غلط ہے۔[۱]

دوسرے جو دو قول (گیارہ اور تیرہ رکعات کے) علامہ عینیؒ (م ۸۵۵ھ) اور علامہ سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) نے نقل کیے ہیں، ان دونوں قولوں کی نسبت امام مالکؒ (م ۱۷۹ھ) کی طرف کی جاتی ہے، لیکن یہ نسبت ان کی طرف غلط ہے، کیونکہ ان کا مسلک اور مستند قول بیس یا چھتیس رکعات کا ہے، جس کی تفصیل اِن شاء اللہ اگلے باب میں آئے گی۔

دوسری وہ شخصیت جن کی طرف گیارہ رکعات کا قول منسوب کیا جاتا ہے، وہ علامہ ابوبکر ابن العربیؒ (م ۵۴۳ھ) ہیں، لیکن ان کی طرف بھی اس قول کی نسبت غلط ہے۔

علامہ ابن العربیؒ کا مسلک:

غیر مقلدین کی طرف سے علامہ ابوبکر ابن العربیؒ (م ۵۴۳ھ) کا مسلک گیارہ رکعات ثابت کرنے کے لیے ان کی کتاب ''عارضۃ الاحوذی'' سے ایک ادھوری اور نامکمل عبارت پیش کی جاتی ہے۔ اس لیے ہم ان کی پوری عبارت قارئین کے سامنے

---

[۱] مولانا نذیر احمد رحمانیؒ نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر اس روایت کے الفاظ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ابومجلزؒ سولہ ہی رکعتوں کے قائل تھے، تو پھر ان روایتوں سے بھی جن میں بیس رکعتوں کا ذکر ہے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ فلاں صحابی یا فلاں تابعی بیس ہی کے قائل تھے۔ انوار المصابیح (ص ۷۰-۳)

جواب: یہ اعتراض بالکل غلط ہے، کیونکہ صحابہ کرامؓ کے بارے میں تو محدثین کا اتفاق ہے کہ وہ سب حضرت عمرؓ کے دور میں بیس ہی رکعتیں پڑھتے تھے (محدثین کے یہ حوالے پہلے گزر چکے ہیں) اور کسی محدث سے یہ ثابت نہیں کہ اس نے کہا ہو کہ کسی صحابی نے حضرت عمرؓ کے دور میں بیس رکعتوں کے علاوہ کسی اور عدد تراویح پر عمل کیا ہے۔ لہٰذا صحابہ کرامؓ کی روایات پر ابومجلزؒ کے اس اثر کو قیاس کرنا غلط ہے۔ ہاں اگر عہد فاروقی کے بعد کسی تابعی وغیرہ سے بیس رکعات سے زائد تراویح پڑھنا ثابت ہو جائے تو یہ ہمارے دعویٰ اور موقف کے خلاف نہیں ہے۔ لہٰذا محدثین کی تصریحات (عہد فاروقی میں سب صحابہؓ کا بیس تراویح پر اجماع ہو گیا، اور اس کے بعد تمام امت کا یہی اجماعی عمل قرار پایا) کی روشنی میں یہ کہنا حق بجانب ہے کہ حضرت ابومجلزؒ بیس تراویح سے کم کے قائل نہیں تھے۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

پیش کرتے ہیں تاکہ ان کا صحیح مسلک سب پر واضح ہو جائے۔

علامہ ابن العربیؒ تراویح سے متعلق بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”وَاَمَّا صَلٰوةُ النَّبِيِّ ﷺ فَلَمْ يَكُنْ لَهَا حَدٌّ، وَاَمَّا الَّتِيْ بَعْدَ ذٰلِكَ فَرَوٰى مَالِكٌ اَنَّ اُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ ؓ كَانَ يَقُوْمُ بِإِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً، وَخَالَفَهُ النَّاسُ فَقَالُوْا: اِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ رَكْعَةً، وَقَدْ رَوٰى مَالِكٌ اَيْضاً اَنَّهُمْ كَانُوْا يَقُوْمُوْنَ فِيْ زَمَنِ عُمَرَ بِثَلٰثٍ وَّعِشْرِيْنَ رَكْعَةً، وَرَوٰى ابْنُ الْقَاسِمِ عَنْ مَالِكٍ: تِسْعَ وَّثَلَاثِيْنَ، وَقَالَ: هُوَ الْاَمْرُ الْقَدِيْمُ، وَالصَّحِيْحُ اَنْ يُصَلِّيَ اِحْدٰى عَشَرَ رَكْعَةً صَلٰوةُ النَّبِيِّ ﷺ وَقِيَامُهُ، فَاَمَّا غَيْرُ ذٰلِكَ مِنَ الْاَعْدَادِ فَلَا اَصْلَ لَهُ، وَلَا حَدَّ فِيْهِ، فَإِذَا لَمْ يَكُنْ بُدٌّ مِنَ الْحَدِّ فَمَا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ زَادَ فِيْ رَمَضَانَ وَلَا فِيْ غَيْرِهٖ عَلٰى اِحْدٰى عَشَرَ رَكْعَةً، وَهٰذِهِ الصَّلَاةُ هِيَ قِيَامُ اللَّيْلِ فَوَجَبَ اَنْ يُّقْتَدٰى فِيْهَا بِالنَّبِيِّ ﷺ[1]“

”نبی کریم ﷺ کی نمازِ تراویح میں کوئی حد مقرر نہیں ہے، رہا ان کے بعد (خلفائے راشدین کے دور) کا حال تو اس سلسلے میں امام مالکؒ نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ گیارہ رکعت پڑھا کرتے تھے، جب کہ دیگر محدثین نے (اس میں) ان کی مخالفت کی ہے، اور انہوں نے اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی نماز اکیس رکعت ہونا نقل کیا ہے، خود امام مالکؒ نے بھی روایت کیا ہے کہ لوگ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تیئس رکعت پڑھا کرتے تھے، اور علامہ ابن القاسمؒ نے امام مالکؒ کا مسلک انتالیس رکعت (۳۶

[۱] عارضۃ الاحوذی (۴:۱۹) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

تراویح اور تین وتر) نقل کیا ہے۔اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ طریقہ (انتالیس رکعت) قدیم سے چلا آرہا ہے۔اور صحیح بات یہ ہے کہ گیارہ رکعت پڑھی جائیں، یہی نبی ﷺ کی نماز اور قیام تھا۔اس کے علاوہ اعداد کی کوئی اصل نہیں، اور نہ ہی اس میں کوئی حد ہے۔پس جب کوئی حد مقرر کرنا ضروری ہی ہو تو پھر رسول اللہ ﷺ رمضان ہو یا غیر رمضان گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھا کرتے تھے، یہ نماز آپ ﷺ کی قیام اللیل (تہجد) تھی، لہٰذا ضروری ہے کہ قیام اللیل (تہجد) میں رسول اللہ ﷺ کی اقتداء کی جائے۔"

اس عبارت سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ علامہ ابن العربیؒ ہرگز مسئلہ تراویح میں صرف گیارہ رکعت کے قائل نہیں تھے، بلکہ وہ تو صاف اقرار کر رہے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی نماز تراویح میں گیارہ وغیرہ رکعات کی کوئی حد مقرر نہیں، اور جس حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔اس کا تعلق ان کے نزدیک نماز تراویح سے نہیں بلکہ نماز تہجد سے ہے۔کیونکہ انہوں نے اس نماز کو "قیام اللیل" فرمایا ہے، اور قیام اللیل (نماز تہجد) اور قیام رمضان (نماز تراویح) میں بڑا فرق ہے۔
چنانچہ نامور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خان صاحبؒ (م ۱۳۰۷ھ) لکھتے ہیں:

"وَاَمَّا قِيَامُ اللَّيْلِ فَهُوَ غَيْرُ قِيَامِ رَمَضَانَ"[۱]

"قیام الیل، قیام رمضان سے علیحدہ نماز ہے"

اس کی مزید تفصیل مقدمہ میں گزر چکی ہے۔

اسی طرح علامہ ابن العربیؒ کی عبارت "وَالصَّحِيحُ اَنْ يُّصَلِّيَ اِحْدَى عَشَرَ رَكْعَةً" کا تعلق بھی تراویح کے بجائے نماز تہجد سے ہے، کیونکہ اگر اس کو تراویح سے متعلق قرار دیا جائے تو پھر ابن العربیؒ کے کلام میں دو طرح کا صریح تناقض لازم آئے گا۔اوّل یہ کہ اس

---

[۱] نُزل الابرار بالعلم المأثور من الادعية والأذكار (ص ۳۰۳) طبع دار المعرفة بيروت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

عبارت میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ گیارہ رکعت پڑھی جائیں، یہی نبی کریم ﷺ کی نماز (تراویح ۔ علیٰ زعم غیر المقلدین) اور قیام ہے، حالانکہ پہلے انہوں نے اس بات سے انکار کیا کہ: وَاَمَّا صَلٰوۃُ النَّبِیِّ ﷺ فَلَمْ یَکُنْ لَھَا حَدٌّ کہ نبی ﷺ کی نماز تراویح میں کوئی حد مقرر نہیں۔

ثانیاً: یہاں علامہ ابن العربیؒ نے فرمایا ہے کہ گیارہ کے علاوہ جتنے اعداد ہیں ان کی کوئی اصل نہیں، حالانکہ پہلے انہوں نے اقرار کیا ہے کہ امام مالکؒ وغیرہ نے اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے گیارہ، اکیس اور تیئیس رکعت نقل کی ہیں، اور ان میں سے بعض کی صحت کا خود غیر مقلدین کو بھی اقرار ہے۔

لہٰذا علامہ موصوف کی عبارت کو اس صریح تناقض سے بچانے کے لیے لازماً ماننا پڑے گا کہ عبارت کے پہلے حصے کا تعلق تو نماز تراویح سے ہے، جبکہ دوسرے حصے (وَالصَّحِیْحُ اَنْ یُّصَلِّیَ اِحْدیٰ عَشَرَ رَکْعَۃً سے آخر عبارت تک) کا تعلق نماز تہجد سے ہے۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کی نماز تراویح میں تو (گیارہ وغیرہ رکعات کی) کوئی حد مقرر نہیں، لیکن آپ ﷺ کی نماز تہجد کی تعداد گیارہ رکعات ہے، اور یہی پڑھنا بہتر ہے۔ گویا علامہ موصوف کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تراویح کی تعداد مقرر نہیں، لیکن نماز تہجد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گیارہ رکعت مروی ہیں۔ فَلَا تَنَاقُضَ فِیْھِمَا۔

اور بالفرض اگر غیر مقلدین کی یہ بات مان ہی لی جائے کہ "وَالصَّحِیْحُ اَنْ یُّصَلِّیَ اِحْدیٰ عَشَرَ رَکْعَۃً" کا تعلق بھی نماز تراویح سے ہے تو پھر بھی اس سے غیر مقلدین کا مدعیٰ ثابت نہیں ہوسکتا، کیونکہ اس عبارت میں آگے یہ الفاظ بھی ہیں "وَلَا حَدَّ فِیْہِ" کہ اس میں رکعات کی کوئی حد مقرر نہیں، حالانکہ غیر مقلدین اس میں حد کے قائل ہیں اور وہ گیارہ رکعت سے زیادہ پڑھنے کو خلافِ سنت، ناجائز اور بدعت تک کہتے ہیں۔

بنابریں غیر مقلدین حضرات کا علامہ ابن العربیؒ کو صرف گیارہ رکعت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

تراویح کے قائلین میں کھڑا کرنا باطل ہوگیا، اور یہ بات ثابت ہوگئی کہ وہ ہرگز صرف گیارہ رکعت کے قائل نہیں، بلکہ وہ امام مالکؒ کے مقلد ہونے کی وجہ سے بیس یا چھتیس رکعت کے قائل ہیں۔

اس ساری تفصیل سے غیر مقلدین کے اس اعتراض کی حقیقت واضح ہوگئی کہ تراویح کے مسئلہ میں ائمہ کرام کا بڑا اختلاف ہے۔ لہٰذا بیس تراویح پر اجماع یا تعامل کا دعویٰ باطل ہے۔ نیز یہ بات بھی اچھی طرح سے ثابت ہوگئی کہ امتِ مسلمہ میں کوئی مقتدر ہستی ایسی نہیں گزری جو بیس تراویح سے کم کی قائل ہو۔

الحاصل، علامہ عینیؒ (م ۸۵۵ھ) نے جو تین اقوال بیس رکعت تراویح سے کم کے نقل کئے ہیں، ان کی کوئی اصل نہیں، اور دیگر جو اختلافی اقوال انہوں نے بیس رکعت سے زائد کے ذکر کئے ہیں، ان سے بیس تراویح پر اجماع صحابہؓ اور تعامل امت پر کوئی زد نہیں پڑتی۔ کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد جو لوگ کچھ عرصہ کے لیے بیس رکعت سے زائد رکعتیں پڑھتے رہے، ان کے نزدیک بھی اصل تراویح بیس رکعات تھیں، اور بیس سے زائد رکعتیں بطور نوافل تھیں، اور وہ بھی کچھ عرصہ کے لیے، آخر کار پھر پوری امت کا عمل نسلاً بعد النسل بیس رکعات تراویح ہی قرار پایا، جیسا کہ کبار علمائے محدثین اور فقہاء کے اقوال کثیر تعداد میں ذکر ہو چکے ہیں۔ نیز شیخ الاسلام امام تقی الدین سبکیؒ (م ۷۵۶ھ) تصریح کرتے ہیں کہ امام شافعیؒ (م ۲۰۴ھ) کے زمانے تک دو قسم کے لوگ پائے جاتے تھے:

(۱) صرف اہل مدینہ جو تین وتر سمیت انتالیس رکعات پڑھتے تھے۔

(۲) مدینہ منورہ کے علاوہ مکہ مکرمہ وغیرہ تمام بلاد اسلامیہ کے رہنے والے جو کہ بیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر پڑھتے تھے۔

امام مالکؒ کا مذہب اہلِ مدینہ کی اتباع میں انتالیس رکعات ہے، جب کہ دیگر

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

تمام ائمہ کا مذہب تیئس رکعات ہیں۔

اور پھر لکھتے ہیں:

"وَاَمَّا الْیَوْمَ فَلَا یُعْرَفُ بَلَدٌ مِنَ الْبِلَادِ، لَا الْمَدِیْنَةُ وَلَا غَیْرُهَا، حَتّٰی بِلَادُ الْمَغْرِبِ الَّذِیْ هُمْ مَالِکِیَّةٌ اِلَّا عَلٰی ثَلَاثٍ وَعِشْرِیْنَ، لَایَزِیْدُوْنَ عَنْهَا وَلَا یَنْقُصُوْنَ۔" [۱]

"آج کے زمانہ میں مدینہ منورہ سمیت کوئی ایسا شہر معلوم نہیں، جہاں صرف، تیئس رکعات (بیس تراویح اور تین وتر) نہ پڑھی جاتی ہوں، حتی کہ بلادِ مغربیہ جہاں مالکی المذہب آباد ہیں، وہاں بھی یہ لوگ صرف تیئس رکعات ہی پڑھتے ہیں، نہ اس سے زیادہ کرتے ہیں اور نہ اس سے کم۔"

شیخ احمد دیر مالکیؒ (م ۱۲۰۱ھ) نے بھی تیئس رکعات کے متعلق لکھا ہے:

"کَانَ عَلَیْهِ الْعَمَلُ۔" [۲]

"کہ (آج کل) اسی پر عمل درآمد جاری ہے۔"

لہٰذا یہ دعوی کرنا حق بجانب ہے کہ بیس تراویح پر اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم ہے، اور اسی پر تعامل امت رہا ہے۔

آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ غیر مقلدین کے اس اشکال کا جائزہ لیں کہ امام احمد بن حنبلؒ (م ۲۴۱ھ) اور حافظ ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) تو رکعاتِ تراویح میں سرے سے کسی حد کے ہی قائل نہیں ہیں تو پھر یہ کیسا اجماع اور تعامل ٹھہرا؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ (م ۲۴۱ھ) کا مسلک تو دیگر ائمہ کرام کی

---

[۱] ضوء المصابیح (ص ۳۵۰)

[۲] الشرح الکبیر (۱:۳۱۵)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

طرح بیس رکعت مسنون ہونے کا ہے، جیسا کہ مختصراً گزر چکا ہے، اور اس کی مزید تفصیل ان شاءاللہ آگے آرہی ہے۔ہم یہاں قارئین کے سامنے صرف حافظ ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) کی اس مسئلہ میں تحقیق پیش کرتے ہیں، تاکہ ان کا صحیح مؤقف اور نظریہ قارئین کو معلوم ہو جائے، چنانچہ اس کے لیے ہم ان کے فتاویٰ وغیرہ سے بطور اختصار صرف چند اقتباسات نظر قارئین کرتے ہیں۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

حافظ ابن تیمیہؒ کی تحقیق بابت رکعاتِ تراویح

① حافظ ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) کی تحقیق میں رسول اللہ ﷺ سے رکعاتِ تراویح کے متعلق کوئی عدد ثابت نہیں۔ چنانچہ وہ اپنے فتاویٰ میں ارقام فرماتے ہیں:

"اَنَّ نَفْسَ قِيَامِ رَمَضَانَ لَمْ يُوَقِّتْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْهِ عَدَدًا مُّعَيَّنًا"۔[۱]

"رسول اللہ ﷺ نے تراویح میں کوئی خاص عدد مقرر نہیں فرمایا"

② جو حضرات یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ تراویح سے متعلق نبی کریم ﷺ سے کوئی خاص عدد (گیارہ وغیرہ) ثابت ہے، جیسا کہ آج کل کے غیر مقلدین کا نظریہ ہے، ان کا رد کرتے ہوئے حافظ صاحبؒ فرماتے ہیں:

" وَمَنْ ظَنَّ اَنَّ قِيَامَ رَمَضَانَ فِيْهِ عَدَدٌ مُّعَيَّنٌ مُوَقَّتٌ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ لَايَزِيْدُ وَلَا يَنْقُصُ فَقَدْ اَخْطَأَ"۔[۲]

"جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ تراویح میں کوئی تعداد معین ہے، جو نبی ﷺ نے مقرر فرمائی ہے کہ جسے آدمی نہ زیادہ کر سکتا ہے اور نہ کم تو وہ شخص غلطی پر ہے"

③ بعض حضرات گیارہ یا تیرہ رکعت تراویح کو سنت ثابت کرنے کے لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کا سہارا لیتے ہیں، لیکن حافظ ابن تیمیہؒ کو اس حدیث سے یہ استدلال پسند نہیں۔ اس لیے اس نظریہ کا رد کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

---

[۱] مجموعۃ الفتاویٰ (۲۰:۱۱ ۸) طبع ریاض ثانی ایڈیشن

[۲] ایضاً

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

”وَقَالَ طَائِفَةٌ: قَدْ ثَبَتَ فِي الصَّحِيحِ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يَكُنْ يَزِيْدُ فِيْ رَمَضَانَ وَلَا فِيْ غَيْرِهٖ مِنْ ثَلَاثَةِ عَشَرَةِ رَكَعَاتٍ ،وَاضْطَرَبَ قَوْمٌ فِيْ هٰذَا الْاَصْلِ لِمَا ظَنُّوْهُ مِنْ مُعَارَضَةِ الْحَدِيْثِ الصَّحِيْحِ لِمَا ثَبَتَ مِنْ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ وَعَمَلِ الْمُسْلِمِيْنَ“[۱]

”ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ ”صحیح بخاری“ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں تیرہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، حالانکہ (محدثین کی) ایک جماعت نے اس کو مُضطرب قرار دیا ہے، کیونکہ ان کے خیال میں یہ روایت اس صحیح حدیث کے معارض ہے جس میں خلفائے راشدین کی سنت اور دیگر مسلمانوں کا عمل (بیس رکعت تراویح) ثابت ہے۔“

(۴) امام ابن تیمیہ ؒ کا نظریہ بھی دیگر ائمہ کی طرح یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بیس تراویح پر جمع فرمایا تھا، اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بلا اختلاف حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں بیس تراویح پڑھتے رہے، اور یوں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بیس تراویح پر اجماع ہو گیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

”فَلَمَّا جَمَعَهُمْ عُمَرُ رضی اللہ عنہ عَلٰى اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رضی اللہ عنہ كَانَ يُصَلِّيْ بِهِمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً ثُمَّ يُوْتِرُ بِثَلَاثٍ۔“[۲]

”جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ پر جمع فرمایا تو وہ انہیں پہلے بیس تراویح اور پھر تین وتر پڑھایا کرتے تھے۔“

نیز حافظ صاحب ؒ تحریر فرماتے ہیں:

---

[۱] الفتاویٰ الکبریٰ (۱:۲۲۷) طبع بیروت

[۲] مجموعۃ الفتاویٰ (۱۱:۵۲۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

"قَدْ ثَبَتَ اَنَّ اُبَیَّ بْنَ کَعْبٍ رضی اللہ عنہ کَانَ یَقُوْمُ بِالنَّاسِ عِشْرِیْنَ رَکْعَةً فِیْ قِیَامِ رَمَضَانَ وَیُوْتِرُ بِثَلَاثٍ، فَرَأَی کَثِیْرٌ مِّنَ الْعُلَمَاءِ اَنَّ ذٰلِكَ هُوَ السُّنَّةُ ، لِاَنَّهٗ قَامَ بَیْنَ الْمُهَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَلَمْ یُنْکِرْهُ مُنْکِرٌ ۔"[۱]

"یہ بات ثابت شدہ ہے کہ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ لوگوں (صحابہؓ اور تابعینؒ) کو رمضان المبارک میں بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے۔ اس لیے اکثر علماء کے نزدیک یہی سنت ہے، کیونکہ یہ فعل (بیس تراویح کا) انہوں نے مہاجرین اور انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے کیا اور کسی صحابیؓ نے اس سے انکار نہیں کیا۔

(۵) حافظ ابن تیمیہ کے نزدیک حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کی طرح بیس تراویح پڑھی جاتی رہیں۔ چنانچہ جب رافضیوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر یہ الزام لگایا کہ انہوں نے بیس تراویح کی جماعت قائم کر کے بدعت کا ارتکاب کیا، تو حافظ صاحبؒ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دفاع کرتے ہوئے رافضیوں کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"لَوْ کَانَ قَبِیْحًا مَنْهِیًّا عَنْهُ لَکَانَ عَلِیٌّ رضی اللہ عنہ اَبْطَلَهٗ لَمَّا صَارَ اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَهُوَ بِالْکُوْفَةِ، فَلَمَّا کَانَ جَارِیًا فِیْ ذٰلِكَ مَجْرٰی عُمَرَ رضی اللہ عنہ دَلَّ عَلَی اسْتِحْبَابِ ذٰلِكَ، بَلْ رُوِیَ عَنْ عَلِیٍّ رضی اللہ عنہ اَنَّهٗ قَالَ: نَوَّرَ اللّٰهُ عَلٰی عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَبْرَهٗ کَمَا نَوَّرَ عَلَیْنَا مَسَاجِدَنَا ۔"[۲]

"اگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بیس تراویح کی جماعت قائم کرنا قبیح اور مَنْهِی عَنْهُ ہوتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کو ختم کر دیتے، جب وہ

[۱] الفتاویٰ الکبریٰ (۱:۲۲۷)

[۲] منہاج السنۃ (۴:۲۲۴) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

امیر المؤمنین تھے، اور کوفہ میں مقیم تھے۔ پس جب ان کے دور میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طریقہ جاری رہا تو یہ اس عمل کے اچھا ہونے پر دلالت کرتا ہے، بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ عمر رضی اللہ عنہ کی قبر کو روشن کرے جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (بیس تراویح کی جماعت شروع کر کے) ہمارے لیے ہماری مساجد کو روشن کر دیا۔

پھر حافظ صاحبؒ نے اس کے ثبوت میں ابوعبدالرحمٰن سلمیؒ (م ۸۵ھ) کے طریق سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پوری روایت نقل فرمائی، جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک شخص کو بیس تراویح پڑھانے کا حکم مذکور ہے۔ یہ پوری روایت مع السند پہلے نقل ہو چکی ہے۔

(٦) حافظ ابن تیمیہؒ تراویح کی مختلف صورتیں ذکر کرنے کے بعد اپنی رائے کا یوں اظہار کرتے ہیں:

”وَالْاَفْضَلُ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ اَحْوَالِ الْمُصَلِّيْنَ، فَاِنْ كَانَ فِيْهِمْ احْتِمَالٌ لِطُوْلِ الْقِيَامِ فَالْقِيَامُ بِعَشَرَةِ رَكَعَاتٍ وَّثَلَاثٍ بَعْدَهَا، كَمَا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّيْ لِنَفْسِهٖ فِيْ رَمَضَانَ وَغَيْرِهٖ هُوَ الْاَفْضَلُ، وَاِنْ كَانُوْا لَا يَحْتَمِلُوْنَهٗ فَالْقِيَامُ بِعِشْرِيْنَ، هُوَ الْاَفْضَلُ، وَهُوَ الَّذِيْ يَعْمَلُ بِهٖ اَكْثَرُ الْمُسْلِمِيْنَ، فَاِنَّهٗ وَسَطٌ بَيْنَ الْعَشْرِ وَبَيْنَ الْاَرْبَعِيْنَ، وَاِنْ اَقَامَ بِاَرْبَعِيْنَ وَغَيْرِهَا جَازَ ذٰلِكَ وَلَا يُكْرَهُ شَيْءٌ مِنْ ذٰلِكَ۔“[۱]

”افضل صورت تراویح پڑھنے کی ان سب طریقوں میں نمازیوں کے احوال کے اعتبار سے مختلف ہے۔ پس اگر نمازیوں میں لمبا قیام کرنے کی طاقت ہو کہ جس طرح آنحضرت ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں رات کی نماز پڑھا کرتے تھے،

[۱] مجموعۃ الفتاویٰ (۱۱:۵۲۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

تب تو افضل یہ ہے کہ دس رکعتیں تراویح کی اور تین رکعتیں وتر کی پڑھی جائیں۔اور اگر نمازیوں میں لمبا قیام کرنے کی طاقت نہ ہو تو پھر بیس پڑھنا ہی افضل ہے،اور اسی پر اکثر مسلمانوں کا عمل ہے،اور یہ دس اور چالیس کا درمیانی عدد ہے،اور اگر چالیس وغیرہ رکعتیں پڑھی جائیں تو تب بھی جائز ہے،اور ان میں سے کوئی صورت بھی بری نہیں ہے۔"

حافظ ابن تیمیہؒ کی مذکورہ عبارت کو اگر سامنے رکھا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان کی تحقیق میں آج کے دور میں بیس تراویح پڑھنا ہی افضل ہے،اور دس تراویح پڑھنا تب افضل ہے جب نمازیوں میں اتنے لمبے قیام کی طاقت ہو جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ لمبا قیام کرتے تھے،اور رسول اللہ ﷺ کا رات کی نماز میں کتنا لمبا قیام ہوتا تھا؟ اس کے بارے میں حافظ ابن تیمیہؒ خود ہی لکھتے ہیں:

"فَإِنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُطِيلُ الْقِيَامَ بِاللَّيْلِ حَتَّى قَدْ ثَبَتَ عَنْهُ فِي الصَّحِيحِ مِنْ حَدِيثِ حُذَيْفَةَ رضي الله عنه أَنَّهُ كَانَ يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَةِ بِالْبَقَرَةِ وَالنِّسَاءِ وَآلِ عِمْرَانَ فَكَانَ طُولُ الْقِيَامِ يُغْنِي عَنْ تَكْثِيرِ الرَّكَعَاتِ۔"[1]

"نبی کریم ﷺ رات کی (نفلی) نماز میں طویل قیام کیا کرتے تھے،یہاں تک "صحیح بخاری" میں بروایت حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ صرف ایک رکعت میں سورۃ البقرہ،سورۃ النساء اور سورۃ آل عمران (تقریباً سوا پانچ پارے) تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ پس آپ ﷺ کا طولِ قیام ہی رکعات کے زیادہ کرنے کا بدل ہو جاتا تھا۔"

ظاہر ہے کہ اب اتنے طویل قیام کی کس میں ہمت اور طاقت ہے کہ صرف ایک

---

[1] الفتاوی الکبریٰ (۱:۲۲۸)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

رکعت میں سوا پانچ پاروں کی مقدار تلاوت کر سکے؟ کیا غیر مقلدین جو صرف آٹھ تراویح پر ہی اکتفا کر بیٹھے ہیں وہ اتنا لمبا قیام کرتے ہیں کہ جتنا حافظ ابن تیمیہ ؒ نبی ﷺ کا قیام بحوالہ حدیث بتلا رہے ہیں؟ حالانکہ ان کے قیام کی حالت تو یہ ہے کہ غیر مقلدین کے ہی ایک بزرگ عالم حافظ عبد المنان نور پوری صاحب ؒ (م ۱۴۳۳ھ) اپنے لوگوں کی نمازِ تراویح کے قیام کی کیفیت بتلاتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

> ہمارے علاقے میں آج کل عملی صورت یہی ہے کہ جو لوگ گیارہ یا تیرہ رکعت پڑھتے ہیں ان کی قرأت تیئیس رکعت پڑھنے والوں کی قرأت کے برابر ہوتی ہے۔[۱]

پس حافظ ابن تیمیہ ؒ کی تحقیق کی رُو سے آج کے دور میں بیس تراویح پڑھنا ہی افضل ہے، اور دس رکعات پڑھنا تب افضل ہو گا جب نمازیوں میں طولِ قیام کرنے کی ہمت ہو، اور وہ غیر مقلدین کے ہاں ندارد۔

[۱] تعداد تراویح (ص ۱۷۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بیس تراویح پر ائمہ اربعہ کا اتفاق

پچھلے صفحات میں دیگر مباحث کے ضمن میں ائمہ اربعہ کی رکعاتِ تراویح سے متعلق آراء پر کچھ نہ کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اس باب میں چاروں ائمہ میں سے ہر ایک امام کے مسلک پر سیر حاصل بحث کی جائے گی۔ وَاللّٰہُ الْمُوَفِّقُ لِلصَّوَابِ۔

(۱) امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مسلک:

امام حسن بن زیادؒ (م ۲۰۴ھ) اپنے استاذ امام اعظم ابو حنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

"اَلْقِیَامُ فِیْ شَھْرِ رَمَضَانَ سُنَّۃٌ لَا یَنْبَغِیْ تَرْکُھَا، یُصَلِّیْ اَھْلُ کُلِّ مَسْجِدٍ فِیْ مَسْجِدِھِمْ کُلَّ لَیْلَۃٍ سِوَی الْوِتْرِ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً خَمْسَ تَرْوِیْحَاتٍ بِعَشْرِ تَسْلِیْمَاتٍ یُسَلِّمُ فِیْ کُلِّ رَکْعَتَیْنِ"۔[۱]

"رمضان المبارک میں تراویح پڑھنا سنت (مؤکدہ) ہے، اس کا ترک کرنا جائز نہیں۔ ہر مسجد والے اپنی اپنی مسجد میں ہر رات وتر کے علاوہ بیس رکعتیں پڑھیں۔ یہ بیس رکعتیں پانچ ترویحوں اور دس سلاموں کے ساتھ ہوں کہ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرا جائے۔"

سپوتِ احناف امام سرخسیؒ (م ۴۹۰ھ) ارقام فرماتے ہیں:

---

[۱] فتاویٰ قاضی خان (ص ۲۰۵) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت، مجموعۃ رسائل العلامۃ قاسم بن قطلوبغا (ص ۲۴۱) طبع دار النوادر دمشق۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

"قَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ: يُصَلِّيْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً كَمَا هُوَ السُّنَّةُ "[۱]

"امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ آدمی تراویح کی بیس رکعتیں پڑھے، جیسا کہ سنت ہے۔"

امام ابو یوسفؒ (م ۱۸۲ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امام ابوحنیفہؒ سے تراویح اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے (بیس تراویح کی جماعت قائم کرنے کے) فیصلے سے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب میں فرمایا:

"اَلتَّرَاوِيْحُ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ، وَلَمْ يَتَخَرَّصْهُ عُمَرُ رضی اللہ عنہ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِهٖ وَلَمْ يَكُنْ فِيْهِ مُبْتَدِعًا وَلَمْ يَأْمُرْ بِهَا اِلَّا عَنْ اَصْلٍ لَدَيْهِ وَعَهْدٍ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ "۔[۲]

"تراویح سنت مؤکدہ ہیں، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (بیس تراویح مقرر کرکے) اپنی طرف سے اختراع نہیں کیا، اور نہ ہی وہ اس معاملہ میں کوئی بدعت ایجاد کرنے والے تھے۔ انہوں نے جو بھی حکم دیا وہ کسی دلیل کی بناء پر تھا جو ان کے پاس موجود تھی، اور ان کا یہ حکم رسول اللہ ﷺ کے کسی عہد پر مبنی تھا۔"

سید الاحناف امام ابوجعفر طحاویؒ (م ۳۲۱ھ) جن کے متعلق حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) نے لکھا ہے:

"فَاِنَّهٗ اَعْلَمُ مِنْ غَيْرِهٖ بِاَقْوَالِ اَصْحَابِهٖ "[۳]

"وہ اپنے اصحاب کے اقوال کو دیگر لوگوں سے زیادہ جانتے ہیں"

ارقام فرماتے ہیں:

---

[۱] المبسوط (۲: ۱۴۴) للسرخسی طبع دار المعرفہ بیروت

[۲] مراقی الفلاح شرح نور الایضاح (ص ۲۲۴) مع حاشیۃ الطحطاوی

[۳] فتح الباری (۴: ۶۹۵)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

"قَالَ اَصْحَابُنَا وَالشَّافِعِیُّ: يَقُوْمُوْنَ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً سِوَى الْوِتْرِ "[1]

" ہمارے اصحاب اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ لوگ وتر کے علاوہ بیس رکعات (تراویح) پڑھیں"

امام ابوحنیفہؒ کا یہ مسلک فقہ حنفی کی تمام کتب[2]۔ اور فتاویٰ[3] میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ فَلْيُرَاجِعْ اِلَيْهَا مَنْ شَاءَ۔

(۲) امام شافعیؒ کا مسلک:

حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ (م ۲۰۴ھ) فرماتے ہیں:

"فَاَمَّا قِيَامُ شَهْرِ رَمَضَانَ اَحَبُّ اِلَیَّ عِشْرُوْنَ، لِاَنَّهٗ رُوِیَ عَنْ عُمَرَ رضی اللہ عنہ وَكَذٰلِكَ يَقُوْمُوْنَ بِمَكَّةَ وَيُوْتِرُوْنَ بِثَلٰثٍ۔"[4]

"رمضان المبارک کے قیام (تراویح) میں مجھے بیس رکعت پڑھنا پسند ہے، کیوں کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، اور مکہ مکرمہ میں بھی لوگ بیس رکعت

---

[1] مختصر اختلاف الفقهاء (۱:۳۱۲) طبع دار البشائر الاسلامیۃ بیروت

[2] مثلاً دیکھئے مختصر القدوری (ص ۱۰۷) طبع مؤسسۃ الریان بیروت، الهدایۃ (۱:۱۵۷) طبع مکتبہ رحمانیہ لاہور، کنز الدقائق (ص ۱۷۸) طبع دار البشائر الاسلامیۃ بیروت، شرح الوقایۃ (۲:۲۳۳) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت، مجمع البحرین (ص ۱۶۹) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت، الاختیار لتعلیل المختار (۱:۲۳۸) طبع دار الرسالۃ العالمیۃ دمشق۔

[3] مثلاً دیکھئے رد المحتار (۱:۵۲) طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، الفتاوی الهندیہ (۱:۱۲۷) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت، فتاوی قاضی خان (ص ۲۰۵) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت، النتف فی الفتاوی (ص ۷۰) طبع المکتبۃ الحقانیہ پشاور۔

[4] کتاب الام (۱:۱۴۲) طبع مکتبۃ الکلیات الازهریۃ قاہرہ، مختصر المزنی (ص ۳۴) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

(تراویح) اور تین وتر پڑھتے ہیں۔"

محدث کبیر امام ترمذیؒ (م ۲۷۹ھ) لکھتے ہیں:

"وَاَكْثَرُ اَهْلِ الْعِلْمِ عَلٰى مَارُوِيَ عَنْ عَلِيٍّ وَعُمَرَ وَ غَيْرِهِمَا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ عِشْرُوْنَ رَكْعَةً ، وَ هُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ وَابْنِ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِيِّ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: وَهٰكَذَا اَدْرَكْتُ بِبَلَدِنَا بِمَكَّةَ يُصَلُّوْنَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً۔"[۱]

"اکثر اہل علم بیس رکعت تراویح کے قائل ہیں، جیسا کہ حضرت علی، حضرت عمر اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے، اور یہی امام سفیان ثوریؒ، امام عبداللہ بن مبارکؒ اور امام شافعیؒ کا قول ہے، اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شہر مکہ مکرمہ میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھتے ہی پایا ہے۔"

امام شافعیؒ کا یہ مسلک (بیس رکعت) ان کی فقہ کی تمام معتبر کتب میں مذکور ہے[۲] اور بیس تراویح کے علاوہ ان سے کچھ بھی ثابت نہیں۔

③ امام احمدؒ بن حنبلؒ کا مسلک:

امام احمد بن حنبلؒ (م ۲۴۱ھ) کے نزدیک بھی بیس تراویح پڑھنا ہی مسنون ہے، جیسا کہ ان کی اپنی تصریح پہلے گزر چکی ہے۔ نیز یہی مسلک ان کا فقہ حنبلی کی معتبر کتب میں مذکور ہے۔ چنانچہ پہلے ہم حنبلی کتب سے ان کا صحیح مسلک نقل کرتے ہیں، اور اس کے بعد

---

[۱] جامع الترمذی (۱:۱۵۹) طبع دار الغرب الاسلامی بیروت

[۲] مثلاً دیکھئے المجموع شرح المہذب (۳:۵۲۷) طبع مکتبۃ الرشد جدہ، التھذیب فی فقہ الامام الشافعی (۲:۲۳۲) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت، اسنی المطالب شرح روضۃ الطالب (۱:۲۰۰)، بحر المذھب فی فروع المذھب الشافعی (۲:۲۳۱) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت، المعتمد فی الفقہ الشافعی (۱:۳۹۸) طبع دار القلم دمشق، التنبیہ فی الفقہ الشافعی (ص ۳۴) طبع عالم الکتب بیروت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

دیگر فقہ کے علمائے کرام کے حوالوں سے اس پر بحث کریں گے۔

فقہ حنبلی کی سب سے معتبر کتاب المغنی (جس کے بارے میں امام سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں: وَھُوَ اَجَلُّ کُتُبِ الْحَنَابِلَةِ ۔[۱] کہ یہ کتاب حنابلہ کی سب سے زیادہ جلیل القدر کتاب ہے۔ مولانا عبداللہ روپڑی (م ۱۳۸۴ھ) لکھتے ہیں: حنبلی مذہب کی اصلی کتاب مغنی ابن قدامہ[۲]) میں امام احمدؒ کا مسلک یوں نقل کیا گیا ہے۔

"وَالْمُخْتَارُ عِنْدَ اَبِیْ عَبْدِاللهِ رَحِمَهُ اللهُ فِیْهَا عِشْرُوْنَ رَکْعَةً"۔[۳]

"امام ابوعبد اللہ احمد بن حنبلؒ کے نزدیک تراویح میں مختار (پسندیدہ) قول بیس رکعت تراویح پڑھنا ہے۔"

فقہ حنبلی کی دوسری مستند کتاب "الاقناع" میں امام احمدؒ کا مسلک یوں مذکور ہے:

"اَلتَّرَاوِیْحُ عِشْرُوْنَ رَکْعَةً فِیْ رَمَضَانَ یُجْهَرُ فِیْهَا بِالْقِرَاءَةِ وَفِعْلُهَا جَمَاعَةً اَفْضَلُ، وَلَا یُنْقَصُ مِنْهَا، وَلَا بَأْسَ بِالزِّیَادَةِ۔"[۴]

"رمضان المبارک میں تراویح کی بیس رکعتیں ہیں، جن میں جہر سے قرأت کی جائے، اور ان کو جماعت سے پڑھنا افضل ہے۔ بیس سے کم نہ کی جائیں اور بیس سے زیادہ رکعات پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

فقہ حنبلی کی کتاب "المقنع" میں ہے:

"ثُمَّ التَّرَاوِیْحُ وَهِیَ عِشْرُوْنَ رَکْعَةً یَقُوْمُ بِهَا فِیْ رَمَضَانَ فِیْ

---

[۱] الحاوی للفتاوی (۱:۱۶۸) مطبوعہ فاروقی کتب خانہ ملتان۔

[۲] تحقیق التراویح (ص ۴۹)

[۳] کتاب المغنی لابن قدامۃ (۲:۶۰۴) طبع دار عالم الکتب بیروت

[۴] کتاب الاقناع (۱:۱۴۷) طبع دار المعرفۃ بیروت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

جَمَاعَةٍ۔"[۱]

"تراویح کی بیس رکعات ہیں۔ان کو رمضان المبارک میں باجماعت ادا کیا جائے۔"

اس کتاب کے مصنف امام موفق الدین ابن قدامہ مقدسی حنبلیؒ (م ۶۲۰ھ) خود اپنی اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں:

"فَهٰذَا كِتَابٌ فِي الْفِقْهِ عَلٰى مَذْهَبِ الْإِمَامِ اَبِيْ عَبْدِ اللهِ اَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ حَنْبَلٍ الشَّيْبَانِيِّ۔"[۲]

"کہ یہ کتاب امام احمد بن حنبلؒ کی فقہ پر مشتمل ہے"۔

فقہ حنبلی کی مشہور و متداول کتاب "عمدۃ الفقہ" میں ہے:

"اَلتَّرَاوِيْحُ، وَهِيَ عِشْرُوْنَ رَكْعَةً بَعْدَ الْعِشَاءِ فِيْ رَمَضَانَ۔"[۳]

"تراویح کی بیس رکعات ہیں، جن کو رمضان المبارک میں عشاء کے بعد پڑھا جاتا ہے۔"

"کشف القناع" (جس کے متعلق مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ (م ۱۳۲۹ھ) نے تصریح کی ہے کہ یہ فقہ الحنابلہ میں بڑی معتبر کتاب ہے[۴]۔میں حنبلی مذہب یوں لکھا گیا ہے:

"وَهِيَ عِشْرُوْنَ رَكْعَةً فِيْ رَمَضَانَ "۔[۵]

"رمضان میں تراویح کی بیس رکعات ہیں"

---

[۱] کتاب المقنع (ص ۵۸) طبع مکتبۃ السوادی جدہ

[۲] ایضاً (ص ۲۱)

[۳] عمدۃ الفقہ مع حاشیۃ نیل الکرامۃ (ص ۱۰۶) طبع دار البشائر الاسلامیۃ بیروت

[۴] مجموعہ مقالات وفتاوی (ص ۲۶۴)

[۵] کشف القناع عن متن الاقناع (۱:۴۲۵) طبع عالم الکتب بیروت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

فقہ حنبلی کی کتاب ''منتہی الارادات'' (یہ کتاب بھی مولانا عظیم آبادی کے نزدیک فقہ حنبلی کی معتبر کتب میں سے ہے[۱]) میں ہے:

''وَهِيَ عِشْرُوْنَ رَكْعَةً فِيْ رَمَضَانَ''[۲]

''رمضان میں تراویح کی بیس رکعات ہیں''

فقہ حنبلی کی کتاب ''نیل المآرب'' (مولانا بدیع الدین راشدی (م ۱۴۱۶ھ) نے اس کتاب سے استدلال کرتے ہوئے اس کو فقہ حنبلی کی مشہور کتب میں گردانا ہے[۳]) میں ہے:

''(اَلتَّرَاوِيْحُ) سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ وَهِيَ (عِشْرُوْنَ رَكْعَةً)...وَالْاَصْلُ فِيْ مَسْنُوْنِيَّتِهَا الْاِجْمَاعُ''۔[۴]

''بیس رکعت تراویح سنت مؤکدہ ہیں، اور ان کی مسنونیت اجماع سے ثابت ہے''

حافظ ابن تیمیہ حنبلیؒ (م ۷۲۸ھ) جن کو مولانا بدیع الدین راشدی (م ۱۴۱۶ھ) جیسے انتہائی متعصب غیر مقلد نے بھی حنبلی قرار دیا ہے۔[۵] بھی امام احمدؒ کا مسلک بیس رکعت تراویح بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے ایک فتوی میں رقم طراز ہیں:

''وَالتَّرَاوِيْحُ اِنْ صَلَّاهَا كَمَذْهَبِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَالشَّافِعِيِّ وَاَحْمَدَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً''۔[۶]

''کہ امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب میں تراویح کی بیس

---

[۱] مجموعہ مقالات وفتاوی (ص ۲۶۵)

[۲] منتہی الارادات (۱:۷۱)۔ لابن النجارؒ طبع مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت

[۳] مقالاتِ راشدیہ (۲:۲۲۵)

[۴] نیل المآرب بشرح دلیل الطالب (۱:۱۶۲) طبع مکتبۃ الفلاح کویت

[۵] مقالاتِ راشدیہ (۲:۲۶۱)

[۶] الفتاوی الکبری (۴:۲۲۷) مطبوعہ مصر۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

رکعات ہیں"

محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ المتوفی ۵۶۱ھ (جو بتصریح مولانا اسماعیل سلفی ؒ (م ۱۳۸۷): فروع میں حنبلی تھے[۱]) کی کتاب "غنیۃ الطالبین" میں بھی بیس تراویح کے مسنون ہونے کی تصریح ہے۔[۲]

امام شرف الدین موسیٰ بن احمد حجاوی حنبلی ؒ (م ۹۶۸ھ) لکھتے ہیں:

" وَالتَّرَاوِيحُ عِشْرُونَ رَكْعَةً، تُفْعَلُ فِي جَمَاعَةٍ مَعَ الْوِتْرِ بَعْدَ الْعِشَاءِ فِي رَمَضَانَ وَيُوتِرُ الْمُتَهَجِّدُ بَعْدَهُ۔"[۳]

"تراویح کی بیس رکعتیں ہیں جن کو رمضان المبارک میں عشاء کی نماز کے بعد وتر کے ساتھ پڑھا جائے، اور اگر کسی نے وتر پڑھنے ہوں تو وہ وتروں کو تہجد کے بعد پڑھے"

امام شرف الدین ؒ کی محولہ کتاب کا نام ہے:

"مَتْنُ زَادِ الْمُسْتَقْنِعِ فِي الْفِقْهِ مِنَ الرَّاجِحِ فِي مَذْهَبِ الْإِمَامِ أَحْمَدَ"

"یعنی یہ کتاب امام احمد ؒ بن حنبل ؒ کے مذہب کے راجح اقوال پر مشتمل ہے۔"

شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی حنبلی ؒ (م ۱۲۰۶ھ) جن کو دیگر اکابر علمائے غیر مقلدین کے ساتھ ساتھ مولانا بدیع الدین راشدی (م ۱۴۱۶ھ) بھی حنبلی قرار دیتے ہیں۔[۴] امام احمد ؒ کا مسلک بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[۱] تحریک آزادی فکر (ص ۸۲)
[۲] الغنیۃ لطالبی طریق الحق (۲:۲۵) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت
[۳] زاد المستقنع (ص ۳۹) طبع مطبعۃ الاستقامۃ قاہرہ
[۴] مقالات راشدیہ (۲:۲۷۹)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

”وَالْمُخْتَارُ عِنْدَ أَحْمَدَ عِشْرُوْنَ رَكْعَةً۔“[۱]

”امام احمدؒ کے نزدیک مختار بیس رکعات تراویح ہیں“

ان بلند مرتبت حنبلی علماء کے علاوہ دیگر علمائے محققین کے ہاں بھی امام احمدؒ کا مسلک بیس تراویح ہی ہے۔ چنانچہ شارح بخاری علامہ شہاب الدین قسطلانیؒ (م ۹۲۳ھ) ”حنبلی علماء“ سے امام احمدؒ کا مسلک یوں نقل کرتے ہیں:

”وَالتَّرَاوِیْحُ عِشْرُوْنَ ،وَلَا بَأْسَ بِالزِّيَادَةِ نَصًّا، أَیْ ،عَنِ الْإِمَامِ أَحْمَدَ۔“[۲]

”تراویح کی بیس رکعتیں ہیں، اور بیس سے زائد پڑھنے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ یہی امام احمد بن حنبلؒ کی تصریح ہے۔“

امام ابن رشد مالکیؒ (م ۵۹۵ھ) لکھتے ہیں:

” فَاخْتَارَ مَالِكٌ فِیْ أَحَدِ قَوْلَيْهِ وَأَبُوْ حَنِيْفَةَ وَالشَّافِعِیُّ وَأَحْمَدُ وَدَاوٗدُ الْقِيَامَ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً سِوَى الْوِتْرِ۔“[۳]

”امام مالکؒ نے اپنے ایک قول میں اور امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور علامہ داؤد ظاہریؒ نے وتر کے علاوہ بیس رکعت تراویح کو اختیار کیا ہے۔“

شارح مسلم امام نووی شافعیؒ (م ۶۷۶) فرماتے ہیں:

” هٰذَا مَذْهَبُنَا، وَبِهٖ قَالَ أَبُوْ حَنِيْفَةَ وَأَصْحَابُهٗ وَأَحْمَدُ وَدَاوٗدُ

---

[۱] مجموعۃ مؤلفات الشیخ محمد بن عبد الوہابؒ (۴:۱۱۷) طبع دار القاسم ریاض

[۲] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری (۴:۱۲۱) طبع دار الفکر، بیروت

[۳] بدایۃ المجتہد (ص ۲۰۲) طبع مؤسسۃ الرسالۃ ناشرون بیروت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

وَغَيْرُهُمْ۔"[۱]

"بیس تراویح ہی ہمارا مذہب ہے، اور امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب، نیز امام احمدؒ، علامہ داؤد ظاہریؒ اور دیگر علماء بھی اسی کے قائل ہیں۔"

صوفی صافی امام عبدالوہاب شعرانیؒ (م ۹۷۳ھ) رقم طراز ہیں:

"وَمِنْ ذٰلِكَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَالشَّافِعِيِّ وَاَحْمَدَ، رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنَّ صَلٰوةَ التَّرَاوِيْحِ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ عِشْرُوْنَ رَكْعَةً، وَاَنَّ فِي الْجَمَاعَةِ اَفْضَلُ۔"[۲]

"اور اسی قبیل سے امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا قول ہے کہ نماز تراویح ماہ رمضان المبارک میں بیس رکعات ہیں، اور تراویح کو جماعت سے ادا کرنا افضل ہے۔"

علامہ محمد بن عبدالرحمٰن دمشقی شافعیؒ (م ۷۸۰ھ) فرماتے ہیں:

"وَمِنَ السُّنَنِ صَلٰوةُ التَّرَاوِيْحِ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَالشَّافِعِيِّ وَاَحْمَدَ، وَهِيَ عِشْرُوْنَ رَكْعَةً۔" [۳]

"امام ابوحنیفہ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک مسنون نمازوں میں سے ایک تراویح بھی ہے" جس کی بیس رکعات ہیں۔

قارئین! حنبلی وغیر حنبلی علمائے محققین کے مذکورہ بالا بیانات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ امام احمدؒ کے مسلک میں بھی دیگر ائمہ کرام کی طرح بیس تراویح پڑھنا ہی مسنون ہے، اور ان کے نزدیک بیس سے کم تراویح پڑھنا جائز نہیں، ان کا یہی قول ان کی تمام کتب فقہ میں مذکور ہے، اور تمام حنبلی المسلک علماء بھی اپنے امام کی اتباع میں بیس تراویح کے ہی قائل

---

[۱] کتاب المجموع شرح المہذب (۳:۵۲۷) طبع مکتبۃ الارشاد جدہ

[۲] المیزان الکبریٰ (۱:۲۱۷۔۲۱۸) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

[۳] رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ (ص ۴۳) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ہیں، اور آج بھی حرمین شریفین کے ائمہ جو حنبلی المسلک ہیں، رمضان المبارک میں بیس تراویح ہی پڑھاتے ہیں۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِكَ۔

امام احمدؒ کے مذہب سے متعلق امام ترمذیؒ کے ذکر کردہ قول کی وضاحت

غیر مقلدین کی ہٹ دھرمی ملاحظہ کیجیے کہ وہ ان ٹھوس اور کثیر حوالہ جات کے باوجود امام احمدؒ کا مسلک بیس تراویح ماننے کے لیے تیار نہیں، اور یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ امام احمدؒ تو سرے سے کسی حد کے قائل ہی نہیں تھے، اور اس کے استدلال میں وہ امام احمدؒ سے منسوب ایک مجمل قول پیش کرتے ہیں جس کو امام ترمذیؒ (م ۲۷۹ھ) نے ان الفاظ سے ذکر کیا ہے۔

"قَالَ اَحْمَدُ: رُوِيَ فِيْ هٰذَا اَلْوَانٌ، وَلَمْ يَقْضِ فِيْهِ بِشَيْءٍ۔"[۱]

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ رکعات تراویح میں مختلف روایات ہیں۔ اور انہوں نے اس میں کوئی خاص فیصلہ نہیں کیا۔"

لیکن غیر مقلدین کا اپنے مؤقف پر اس قول سے استدلال کرنا باطل ہے، کیونکہ:

(۱) امام ترمذیؒ کا امام احمدؒ سے متعلق یہ نقل کردہ قول تحدید رکعات کے بیان سے ساکت ہے، جب کہ اس کے بالمقابل دیگر بہت سے ائمہ ناقلین کے اُن سے نقل کردہ اقوال تحدید رکعات (بیس رکعات) میں ناطق ہیں، اور یہ مشہور اور مسلمہ قاعدہ ہے کہ ناطق کو ساکت پر ترجیح ہوتی ہے۔

(۲) ہم نے ماقبل تفصیل سے فقہ حنبلی کی معتبر کتابوں سے ثابت کیا ہے کہ امام احمدؒ کا مختار قول بیس رکعت کا ہی ہے۔ اب اس کے مقابلے میں امام ترمذیؒ جو غیر حنبلی المسلک ہیں، کے ایک مجمل قول کی کوئی حیثیت نہیں رہتی، کیوں کہ کسی صاحبِ مذہب کے متعلق وہی قول معتبر سمجھا جاتا ہے جو اس کے اہل مذہب کی کتابوں میں منقول

---

[۱] جامع الترمذی (۱:۱۶۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ہو۔ اس کے مقابلے میں کسی غیر اہلِ مذہب کا نقل کردہ قول خواہ وہ ناقل کتنا ہی ثقہ کیوں نہ ہو، غیر معتبر اور شاذ سمجھا جاتا ہے، کیوں کہ ”صَاحِبُ الْبَيْتِ اَدْرٰى بِمَا فِيْهِ“

غیر مقلدین کے مسلمہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) اسی نکتہ کو سمجھاتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى هُوَ الْحَفِيْظُ يَحْفَظُ هٰذَا الدِّيْنَ كَمَا قَالَ تَعَالٰى: ”اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ“ وَهٰذَا مِثْلُ غَالِبِ الْمَسَائِلِ الَّتِيْ تُوْجَدُ فِي الْكُتُبِ الْمُصَنَّفَةِ فِيْ مَذْهَبِ الْاَئِمَّةِ، مِثْلُ الْقُدُوْرِيِّ وَالتَّنْبِيْهِ وَالْخُوْفِيِّ وَالْجَلَّابِ، غَالِبُ مَافِيْهَا اِذَا قِيْلَ: ذَكَرَهٗ فُلَانٌ، عُلِمَ اَنَّهٗ مَذْهَبُ ذٰلِكَ الْاِمَامِ، وَقَدْ نَقَلَ ذٰلِكَ سَائِرُ اَصْحَابِهٖ ،وَهُمْ خَلْقٌ كَثِيْرٌ يَنْقُلُوْنَ مَذْهَبَهٗ بِالتَّوَاتُرِ، وَهٰذِهِ الْكُتُبُ فِيْهَا مَسَائِلُ انْفَرَدَ بِهَا بَعْضُ اَهْلِ الْمَذْهَبِ وَفِيْهَا نِزَاعٌ بَيْنَهُمْ لٰكِنَّ غَالِبَهَا هُوَ قَوْلُ اَهْلِ الْمَذْهَبِ۔[۱]

”اللہ سبحانہ وتعالیٰ حفیظ ہیں، اور وہ (اپنے) اس دین کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ (قرآن مجید میں) فرماتے ہیں: ہم نے ہی اس ذکر (دین) کو اتارا ہے، اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ اور اس کی مثال فقہ کے وہ اکثر مسائل ہیں جو ائمہ کے مذاہب سے متعلق لکھی گئی کتب میں پائے جاتے ہیں، جیسا کہ ”قدوری“، ”تنبیہ“، ”خوفی“، اور ”جلاب“ ہیں۔ ان کتب میں اکثر جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں امام نے یہ ذکر کیا ہے تو اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہی اس امام کا مذہب ہے، اس لیے کہ اس قول کو اس سے اس کے تمام اصحاب (مقلدین) نقل کر رہے ہیں، اور ہر امام کے مقلدین بکثرت ہیں جو اپنے امام کا مذہب اس سے تواتر سے نقل کرتے ہیں۔ اگرچہ ان کتب میں بعض منفرد مسائل بھی ہیں کہ

---

[۱] منہاج السنۃ (۴:۵۹) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

جن میں اہل مذہب کا آپس میں اختلاف ہے۔لیکن ان میں زیادہ تر وہی مسائل درج ہیں جوکہ اہلِ مذہب (امام فقہ) کے ہیں۔"

فقہ حنبلی کی کتب میں چونکہ بیس تراویح کے متعلق امام احمدؒ سے کوئی اختلاف منقول نہیں۔لہٰذا حافظ ابن تیمیہؒ کی تصریح کے مطابق فقہ حنبلی کی کتب میں امام احمدؒ سے بیس تراویح کے متعلق منقول قول ہی ان کا مذہب ہے، اور یہ ان سے بالتواتر ثابت ہے۔اور اس پر طرّہ یہ کہ حافظ ابن تیمیہؒ جو خود بھی حنبلی المسلک ہیں، وہ بھی امام احمدؒ کا مذہب بیس رکعت تراویح ہی نقل کر رہے ہیں، جیسا کہ پہلے بحوالہ گزرا ہے۔

(۳) اور بالفرض اگر امام ترمذیؒ کے اس نقل کردہ قول کو معتبر مان لیا جائے تو بھی اس سے بیس تراویح پر اجماع پر زد نہیں پڑتی کیونکہ اس سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام احمدؒ نے رکعات تراویح میں سکوت کیا ہے،اور کسی قول کو اختیار نہیں کیا۔چنانچہ مولانا بدیع الدین راشدی (م ۱۴۱۶ھ) امام ترمذی کے اس قول کے بارے میں لکھتے ہیں:

ترمذی کی عبارت میں اختیار کا ذکر نہیں، بلکہ عبارت یوں ہے کہ:

"فِيْهِ اَلْوَانٌ لَمْ يَقْضِ فِيْهِ بِشَيْءٍ۔"

"جب کوئی فیصلہ ہی نہیں دیا تو پھر اختیار کیسا؟ اور شاہ ولی اللہ کے حوالہ (المسوی ۱:۲۱۸) میں ہے: فَخَيَّرَ اَحْمَدُ۔حالانکہ شاہ ولی اللہ تو کئی صدیوں بعد آئے۔"

اور پھر آگے جا کر لکھتے ہیں:

بلکہ اگر شاہ (ولی اللہ) صاحب کا قول ترمذی کے حوالے سے ماخوذ ہے تو اس میں اختیار کا ذکر نہیں۔[۱]

پس جب اس قول میں اختیار کا ذکر ہی نہیں، بلکہ محض سکوت ہے، تو پھر غیر مقلدین

---

[۱] مقالاتِ راشدیہ (۱۰:۲۰۹،۲۱۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کیسے اس قول سے یہ معنیٰ کشید کر کے کہ: امام احمدؒ نے رکعاتِ تراویح میں (جتنی بھی پڑی جائیں) اختیار دیا ہے، اس کو اجماع امت کے معارض قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ پہلے بحوالہ غیر مقلدین گزرا ہے کہ بیان اور سکوت میں کوئی معاوضہ نہیں ہے۔

④ اور اگر بالفرض اس قول سے رکعاتِ تراویح میں اختیار ثابت ہے، تو پھر اس قول کا تعلق بیس تراویح سے زائد رکعات سے ہوگا، کیوں کہ پہلے حنبلی علماء کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ امام احمدؒ بیس تراویح سے کم پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتے، البتہ بیس سے زائد جتنی بھی رکعات پڑھی جائیں وہ ان میں اختیار دیتے ہیں۔

اب امام ترمذیؒ کے قول کا مطلب یہ ہوگا کہ: امام احمدؒ نے فرمایا (بیس رکعت سے زائد) تراویح میں مختلف روایات (۲۰ سے لے کر ۴۱ رکعات تک) مروی ہیں اور انہوں نے (بیس سے زائد رکعت مقرر کرنے) میں کوئی فیصلہ نہیں کیا۔

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ امام ترمذیؒ نے بیس سے لے کر اکتالیس تک مختلف اقوال ذکر کئے ہیں، لیکن بیس سے کم کا ایک قول بھی ذکر نہیں کیا۔ معلوم ہوا کہ امام ترمذیؒ کے نزدیک بھی امام احمدؒ کے قول کا تعلق بیس سے زائد رکعات کے متعلق ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

⑤ اور اگر اس قول کو عام رکھا جائے، اور بیس سے کم اور بیس سے زائد سب کو اس اختیار میں شامل مان لیا جائے جیسا کہ غیر مقلدین اس سے ثابت کرنا چاہتے ہیں تو پھر ان کو خود اپنے دلائل سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا۔ جیسا کہ مولانا عبداللہ روپڑی (م ۱۳۸۴ھ) نے ایک مسئلہ کی تحقیق میں لکھا ہے:

امام احمد بن حنبلؒ کا مذہب اس مسئلہ میں یہ ہے کہ رکوع کے بعد ہاتھ چھوڑنے اور باندھنے دونوں طرح جائز ہے۔

اور پھر اس کے ثبوت میں حوالجات نقل کر کے لکھتے ہیں:

قارئین کرام کو جب معلوم ہو گیا کہ امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب میں دونوں باتوں کا

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اختیار ہے، اور یہ بھی قارئین کو معلوم ہو چکا کہ حدیث مذکور جس سے فریق ثانی کا استدلال ہے یہ مسند احمد بن حنبل کی ہے، تو اگر واؤ اس میں ترتیب کے لیے ہوتی تو امام احمد بن حنبل کا مذہب صرف رکوع کے بعد ہاتھ باندھنا ہوتا، لیکن امام احمد کے مذہب میں دونوں باتوں کا اختیار ہے۔[۱]

بنابریں مسئلہ ہذا میں بھی اگر غیر مقلدین کے مستدلات خصوصاً ان کی مرکزی دلیل روایت عائشہؓ جو مسند احمد بن حنبل (۲۴۴۵۷، ۲۴۹۵۰) میں بھی مروی ہے، سے صرف آٹھ تراویح کا اثبات ہوتا تو پھر امام احمد بھی رکعاتِ تراویح میں اختیار نہ دیتے، بلکہ صرف آٹھ رکعات کو مسنون کہتے۔ اِذلیس فلیس۔ غیر مقلدین نے یہ قول ہمارے خلاف پیش کیا تھا لیکن ان کی بدقسمتی کہ یہ قول خود ان کے اپنے گلے پڑ گیا۔

ع چلی تھی برچھی کسی پر کسی کے آن لگی

(۴) امام مالک کا مسلک:

امام مالک بن انس (م ۱۷۹ھ) سے رکعاتِ تراویح کی بابت دو روایتیں منقول ہیں:

نمبر ۱: بیس رکعات، جیسا کہ دیگر ائمہ ثلاثہ وغیرہم کا مذہب ہے، چنانچہ ماقبل امام احمد (م ۲۴۱ھ) کے مذہب کے بیان میں مشہور مالکی عالم علامہ ابن رشد (م ۵۹۵ھ) کی تصریح گزر چکی ہے کہ ایک قول کے مطابق امام مالک کا مذہب دیگر ائمہ ثلاثہ کی طرح بیس رکعت ہے۔

امام شہاب الدین عبدالرحمٰن بن محمد مالکی بغدادی (م ۷۳۲ھ) نے بھی امام مالک کا ایک قول یہی بیس رکعت کا نقل کیا ہے۔[۲]

---

[۱] مسئلہ ارسال الید بن بعد الرکوع (ص ۱۴، ۱۵)

[۲] ارشاد السالک فی فقہ الامام مالک (ص ۲۴۵) طبع دار الفضیلۃ قاہرہ۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

مالکیہ میں سے امام ابو محمد عبد اللہ قیروانی ؒ (م ۳۸۶)، امام ابن عبد البر قرطبی ؒ (م ۴۶۳ھ)، اور علامہ احمد دردیر عدوی ؒ (م ۱۲۰۱ھ) نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔[۱]

نمبر ۲: چھتیس رکعات، یہ امام مالک ؒ کا مشہور اور معتبر قول ہے۔ اور اس قول کو امام مالک ؒ سے ان کے جلیل القدر شاگرد علامہ عبد الرحمٰن ؒ بن قاسم ؒ (م ۱۹۱ھ) نے براہ راست نقل کیا ہے۔

چنانچہ علامہ ابن رشد مالکی ؒ (م ۵۹۵ھ) اور علامہ ابوبکر ابن العربی مالکی ؒ (م ۵۴۳ھ) لکھتے ہیں:

"وَذَكَرَ ابْنُ الْقَاسِمِ عَنْ مَالِكٍ، اَنَّهُ كَانَ يَسْتَحْسِنُ سِتًّا وَثَلٰثِيْنَ رَكْعَةً وَالْوِتْرُ ثَلٰثٌ۔"[۲]

"علامہ ابن القاسم ؒ نے امام مالک ؒ سے نقل کیا ہے کہ وہ چھتیس رکعات (تراویح) اور تین رکعات وتر پڑھنے کو پسند کرتے تھے۔"

امام عبد الرحمٰن بن قاسم ؒ (م ۱۹۱ھ) سے امام مالک ؒ کا یہ قول ان کے شاگرد امام عبد السلام بن سعید قیروانی مالکی ؒ المعروف "سحنون" (م ۲۴۰ھ) جو کہ بتصریح امام ابو العرب قیروانی ؒ (م ۳۳۳ھ): ثقہ، حافظ للعلم، فقیہ البدن اور تمام اچھی خصلتوں کے جامع تھے[۳]۔ نے براہ راست نقل کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب "مدونہ" میں اپنے استاذ امام ابن القاسم (م ۱۹۱ھ) کے واسطے سے امام مالک ؒ کا قول نقل کیا ہے کہ:

---

[۱] الرسالۃ فی فقہ الامام مالک (ص ۴۶) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت، الاستذکار (۲: ۷۰) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت، الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدسوقی (۱: ۳۱۵) طبع دار احیاء الکتب العربیۃ قاہرہ۔

[۲] بدایۃ المجتہد (ص ۲۰۲)، عارضۃ الاحوذی (۴: ۱۹)

[۳] الدیباج المذہب (ص ۲۶۴) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

”بَعَثَ إِلَيَّ الْأَمِيْرُ وَأَرَادَ أَنْ يُّنْقِصَ مِنْ قِيَامِ رَمَضَانَ الَّذِيْ يَقُوْمُهُ النَّاسُ بِالْمَدِيْنَةِ۔ قَالَ ابْنُ الْقَاسِمِ: وَهِيَ تِسْعٌ وَثَلَاثُوْنَ رَكْعَةً بِالْوِتْرِ، سِتٌّ وَثَلَاثُوْنَ رَكْعَةً وَالْوِتْرُ ثَلَاثٌ، قَالَ مَالِكٌ: فَنَهَيْتُهُ أَنْ يُّنْقِصَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا۔ قُلْتُ لَهُ: هٰذَا مَا أَدْرَكْتُ النَّاسَ عَلَيْهِ، وَهُوَ الْأَمْرُ الْقَدِيْمُ الَّذِيْ لَمْ يَزَلِ النَّاسُ عَلَيْهِ“۔[۱]

”میری طرف امیر شہر (جعفر بن سلیمان) نے پیغام بھیجا کہ مدینہ منورہ میں لوگ جو تراویح پڑھتے ہیں، میں ان کی مقدار میں کمی کرنا چاہتا ہوں۔امام ابن القاسمؒ فرماتے ہیں کہ: اس وقت پڑھی جانے والی تراویح کی تعداد وتر سمیت انتالیس اور بغیر وتر چھتیس تھی۔امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امیر کو اس سے منع کر دیا، اور اس کو کہا کہ: میں نے لوگوں کو اسی (وتر سمیت انتالیس رکعت) پر پایا ہے، اور لوگ پہلے سے اسی طریقے پر چلے آرہے ہیں۔“

امام تقی الدین سُبکی (م ۷۵۶ھ) اس روایت کی بنیاد پر لکھتے ہیں:

”وَأَمَّا الْمَالِكِيَّةُ، فَيَكْفِيْ أَنَّ إِمَامَهُمْ مَالِكًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَرَادَ أَمِيْرَ الْمَدِيْنَةِ أَنْ يُّنْقِصَ التَّرَاوِيْحَ عَنْ سِتٍّ وَّثَلَاثِيْنَ، فَنَهَاهُ مَالِكٌ۔“[۲]

”مالکیوں کے لیے (چھتیس رکعات پر بطور دلیل) یہی کافی ہے کہ ان کے امام مالک رضی اللہ عنہ نے امیر مدینہ کو چھتیس (۳۶) رکعات میں کمی کرنے سے منع

[۱] المدونۃ الکبریٰ (۱: ۲۲۲) طبع وزارۃ الاوقاف سعودیہ، مختصر قیام اللیل (ص ۲۲۱) طبع حدیث اکادمی فیصل آباد۔
[۲] ضوء المصابیح (ص ۹۵)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کر دیا تھا"

(ف) امام عبد الرحمٰن بن قاسمؒ[۱] امام مالکؒ کے براہ راست اور جلیل القدر شاگرد ہیں، اور یہ فقہ مالکی کے مدون بھی ہیں۔ تمام ائمہ رجال (امام نسائیؒ، امام حاکمؒ، امام خطیبؒ، امام ابن حبانؒ، امام یحییٰ بن معینؒ، وغیرہ) نے ان کی توثیق وتعریف کی ہے۔[۲]

شارح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ)، امام ابن القاسم کی بخاری شریف میں موجود حدیث کے ذیل میں ان کا تعارف کراتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

"اَلْفَقِیْهُ الْمَشْهُوْرُ صَاحِبُ مَالِكٍ وَرَاوِیُ الْمُدَوَّنَةِ مِنْ عِلْمِ مَالِكٍ"[۳]

آں موصوف مشہور فقیہ، امام مالکؒ کے خصوصی شاگرد، اور ان کے علم "مدوّنہ" کے

---

[۱] اعتراض: حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں: ابن القاسم اگرچہ ثقہ ہے، لاشک فیہ، لیکن اس نے امام مالکؒ سے جو مسائل نقل کیے ہیں، ان میں نظر ہے، امام ابو زرعہ اپنی کتاب الضعفاء میں ص ۵۳۴ پر فرماتے ہیں: فَالنَّاسُ یَتَكَلَّمُوْنَ فِیْ هٰذِهِ الْمَسَائِلِ، پس لوگ (ابن القاسم کے) ان مسائل میں کلام کرتے ہیں۔ (تعداد رکعات قیام رمضان ص ۶۷)

جواب: امام ابو زرعہؒ سے یہ قول اگر بالفرض ثابت بھی ہو تو پھر بھی خود معترض (زبیر علی زئی) کے نزدیک بھی مردود ہے۔ چنانچہ موصوف ایک راوی سے متعلق امام ابن ابی حاتمؒ کے اسی طرح کے قول کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

ابن ابی حاتم کا قول تَكَلَّمُوْا فِیْهِ کئی لحاظ سے مردود ہے۔

(۱) یہ اکثریت کی توثیق کے خلاف ہے۔

(۲) یہ جرح غیر مفسر ہے۔ (۳) اس کا جارح نامعلوم ہے۔ (نور العینین ص ۱۰۷)۔

یہ ہے ان غیر مقلدین کا انصاف

[۲] دیکھئے "تھذیب التھذیب (۴۰۹:۳) طبع دار احیاء التراث العربی بیروت

[۳] فتح الباری (۴۶۷:۸)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

راوی ہیں۔

مالکیوں کے نزدیک امام مالکؒ کی سب سے معتبر روایت وہی سمجھی جاتی ہے جو ان سے امام ابن القاسمؒ نقل کرتے ہیں، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

''اِعْتِمَادُهُمْ فِي الْأَحْكَامِ وَالْفَتْوٰى عَلٰى مَا رَوَاهُ ابْنُ الْقَاسِمِ عَنْ مَالِكٍ سَوَاءٌ وَافَقَ الْمُوَطَّأَ أَمْ لَا''۔[۱]

''مالکیوں کے نزدیک اعتماد اور دارومدار احکام اور فتاویٰ میں اس روایت پر ہوتا ہے جو امام ابن القاسمؒ (م ۱۹۱ھ)، امام مالکؒ سے روایت کرتے ہیں، چاہے وہ روایت ''موطا امام مالک'' کے موافق ہو یا نہ ہو۔

امام ابن القاسمؒ کے امام مالکؒ سے روایت کردہ ان مسائل کو امام ابن القاسمؒ کے جلیل القدر شاگرد امام سحنونؒ (م ۲۴۰ھ) جن کا تعارف پہلے گزر چکا ہے، نے کتابی صورت میں جمع کر دیا ہے جو کہ ''المدونہ'' کے نام سے متداول ہے۔(اور اسی کتاب سے ہم امام مالکؒ کا تراویح کے متعلق قول بحوالہ نقل کر آئے ہیں)۔

اور یہ (المدونہ) فقہ مالکی کی معتبر ترین کتاب ہے۔ چنانچہ عنقریب حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) کا بیان گزرا ہے، جس میں انہوں نے اس کتاب کو ''علم مالک'' سے تعبیر کیا ہے۔ نیز امام ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) نے امام مالکؒ کے ترجمہ میں ''المدونہ'' کو امام مالکؒ کے مسائل اور فتاویٰ وغیرہ کا خزانہ قرار دیا ہے۔[۲]

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) نے ''شرح بخاری'' میں جا بجا اس کتاب سے امام مالکؒ کے اقوال نقل کیے ہیں، اور صراحتاً اس کتاب کے مسائل کی نسبت امام مالکؒ کی طرف کی ہے۔[۳]

---

[۱] تعجیل المنفعۃ (ص ۴) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

[۲] سیر اعلام النبلاء (ترجمہ امام مالکؒ)

[۳] مثلاً دیکھئے فتح الباری (۱۰:۳۶۷، ۱۵/۷) طبع قدیمی کتب خانہ کراچی:

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

دیگر کبار اہل علم بھی "مدونہ" میں مندرجہ مسائل کو بالجزم امام مالکؒ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ مثلاً امام ابن عبدالبر مالکیؒ (م ۴۶۳ھ) "شرح موطا" میں ایک مسئلہ کی تحقیق میں لکھتے ہیں:

" فَقَالَ مَالِكٌ فِي الْمُدَوَّنَةِ ... "[۱]

امام مالکؒ "مُدوّنہ" میں فرماتے ہیں...

اسی طرح علامہ ابن حزم ظاہریؒ (م ۴۵۶ھ) بھی ایک مسئلہ کی تحقیق میں لکھتے ہیں:

"فَذَكَرَ مَالِكٌ فِي الْمُدَوَّنَة...[۲]

امام مالکؒ نے "مُدوّنہ" میں ذکر کیا ہے...

نیز محدثین خصوصاً مغربی ممالک سے تعلق رکھنے والے مالکی المذہب محدثین نے اپنی اثبات (مجموعاتِ اسانید) میں "مدوّنہ" کو بڑے اہتمام کے ساتھ ذکر کرکے اس کتاب کے مؤلف تک اپنا سلسلۂ اسناد ذکر کیا ہے۔[۳]

امام ابن القاسمؒ کی طرح علامہ ابن الایمنؒ (م ۳۰۳ھ) نے بھی امام مالکؒ سے انتالیس رکعات وترسمیت نقل کی ہیں۔ چنانچہ علامہ عینیؒ (م ۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:

---

[۱] الاستذکار شرح الموطا (۳: ۱۳) طبع دارالکتب العلمیۃ بیروت۔

[۲] المحلی (۶: ۱۷۱) طبع داراحیاء التراث العربی بیروت۔

[۳] مثلاً دیکھئے قاضی عیاضؒ (م ۵۴۱ھ) کی ثبت "الغنیۃ" (ص ۴۱) طبع دارالغرب الاسلامی بیروت، امام قاضی عبدالحق بن عطیہ اندلسیؒ (م ۵۴۱ھ) کی ثبت "فہرس ابن عطیۃ" (ص ۷۲، ۹۲، ۱۱۳، ۱۲۵، ۱۳۸) طبع دار الغرب الاسلامی بیروت، امام ابوجعفر احمد بن علوی بلوی آشی اندلسیؒ (م ۹۳۸ھ) کی ثبت (ص ۱۸۷) طبع دارالغرب الاسلامی بیروت۔
نیز دیکھئے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) کی ثبت معجم المفہرس (ص ۴۰۷) طبع موسسۃ الرسالۃ بیروت، قاضی شوکانیؒ (م ۱۲۵۰ھ) غیر مقلد کی ثبت اتحاف الاکابر (ص ۲۰۹) طبع دار ابن حزم بیروت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

”وَرَوَى ابْنُ الْاَيْمَنِ عَنْ مَالِكٍ قَالَ: يَسْتَحِبُّ اَنْ يَّقُوْمَ النَّاسُ فِيْ رَمَضَانَ بِثَمَانٍ وَثَلٰثِيْنَ رَكْعَةً. يُسَلِّمُ الْاِمَامُ وَالنَّاسُ ثُمَّ يُوْتِرُ بِهِمْ وَاحِدَةً“۔

”علامہ ابن ایمنؒ نے امام مالکؒ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: مستحب یہ ہے کہ لوگ رمضان المبارک میں اڑتیس رکعت پڑھیں، پھر امام اور مقتدی دونوں سلام پھیر دیں، اور پھر امام انہیں ایک رکعت وتر پڑھائے۔“

علامہ عینیؒ اس قول کو نقل کرنے کے بعد ارقام فرماتے ہیں:

”وَكَاَنَّهٗ جَمَعَ رَكْعَتَيْنِ مِنَ الْوِتْرِ مَعَ قِيَامِ رَمَضَانَ وَسَمَّاهَا مِنْ قِيَامِ رَمَضَانَ . وَاِلَّا فَالْمَشْهُوْرُ عَنْ مَالِكٍ سِتٌّ وَ ثَلَاثُوْنَ، وَالْوِتْرُ بِثَلَاثٍ، وَالْعَدَدُ وَاحِدٌ۔“[۱]

”معلوم ہوتا ہے کہ ابن ایمنؒ نے وتر کی دو رکعت بھی تراویح کے ساتھ شامل کر دی ہیں، اور ان سب اڑتیس رکعات کو قیام رمضان (تراویح) کا نام دے دیا ہے، ورنہ امام مالکؒ سے مشہور روایت میں چھتیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر ہیں (جیسا کہ ابن القاسمؒ نے ان سے نقل کیا ہے)۔ بہر حال دونوں صورتوں میں تعداد ایک ہی ہے یعنی انتالیس رکعات مع الوتر۔“

شارحین موطا: امام ابن عبدالبر مالکیؒ (م ۴۶۳ھ)، امام ابو الولید باجی مالکیؒ (م ۴۷۴ھ)، علامہ ابوبکر ابن العربی مالکی (م ۵۴۳ھ) اور علامہ محمد بن عبدالباقی زرقانی مالکیؒ (م ۱۱۲۲ھ) نے بھی ۳۶ رکعت کو امام مالکؒ کا مختار مذہب قرار دیا ہے۔[۲]

---

[۱] عمدۃ القاری (۸: ۲۴۵) طبع دار الفکر بیروت، (۱۱: ۱۷۹) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

[۲] الاستذکار شرح الموطأ (۳: ۱۳) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت، التمھید شرح الموطا (۳: ۴۰۲) طبع دار احیاء التراث العربی بیروت، المنتقی شرح الموطا (۲: ۱۴۹) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت، المسالک فی شرح موطأ الامام مالک (۲: ۴۸۱) طبع دار الغرب الاسلامی بیروت، شرح الزرقانی علی الموطأ (۱: ۳۳۶) طبع دار الحدیث قاہرہ۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

نیز فقہ مالکی کی بنیادی اور معتبر کتب میں بھی اسی قول کو امام مالکؒ کا معتبر اور مختار قول قرار دیا گیا ہے۔[۱]

مالکی علماء کے علاوہ دیگر مذاہب کے علمائے محققین نے بھی امام مالکؒ سے یہی چھتیس رکعات کا قول نقل کیا ہے۔ چنانچہ

(۱) علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ (م ۶۲۰ھ) لکھتے ہیں:

"وَقَالَ مَالِكٌ: سِتَّةٌ وَثَلَاثُوْنَ۔"[۲]

"امام مالکؒ چھتیس رکعات تراویح کے قائل ہیں"۔

امام نووی شافعیؒ (م ۶۷۶) فرماتے ہیں:

"وَقَالَ مَالِكٌ: اَلتَّرَاوِيْحُ تِسْعُ تَرْوِيْحَاتٍ وَهِيَ سِتَّةٌ وَثَلَاثُوْنَ رَكْعَةً غَيْرَ الْوِتْرِ"۔[۳]

"امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ تراویح کے نو ترویحے ہیں، اور یہ وتر کے علاوہ چھتیس رکعتیں بنتی ہیں"

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) لکھے ہیں:

"وَعَنْ مَالِكٍ سِتٌّ وَّ ثَلَاثُوْنَ، وَثَلَاثُ الْوِتْرِ، وَهٰذَا هُوَ الْمَشْهُوْرُ

---

[۱] مثلاً دیکھئے: الکافی فی فقہ اہل المدینۃ المالکی (۲۵۶) طبع مکتبۃ الریاض الحدیثیۃ ریاض، مختصر خلیل (ص ۳۹) طبع دارالحدیث قاہرہ، ارشاد السالک فی فقہ الامام مالک (ص ۲۴۵) طبع دارالفضیلۃ قاہرہ، التفریع فی فقہ الامام مالک (ص ۱۲۹) طبع دارالکتب العلمیۃ بیروت، عقد الجواہر الثمینۃ فی مذھب عالم المدینۃ (ص ۱۳۴) طبع دارالغرب الاسلامی بیروت۔

[۲] المغنی (۲:۶۰۴) طبع دارعالم الکتب بیروت

[] المجموع شرح المھذب (۳:۵۲۷) طبع مکتبۃ الارشاد جدہ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

عَنْهُ"۔[۱]

"امام مالکؒ سے چھتیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر منقول ہیں، اور یہی ان کا مشہور قول ہے۔"

علامہ ابن عبد الرحمٰن شافعیؒ (م ۷۸۰ھ) لکھتے ہیں:

"وَحُكِيَ عَنْ مَالِكٍ اَنَّ التَّرَاوِيْحَ سِتٌّ وَثَلٰثُوْنَ۔"[۲]

"امام مالک سے چھتیس رکعات تراویح منقول ہیں۔"

امام سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں:

"وَعَنْ مَالِكٍ: اَلتَّرَاوِيْحُ سِتٌّ وَّثَلٰثُوْنَ رَكْعَةً غَيْرَ الْوِتْرِ۔"[۳]

"امام مالکؒ سے روایت ہے کہ تراویح کی وتر کے علاوہ چھتیس رکعتیں ہیں"

علامہ بدرالدین عینیؒ (م ۸۵۵ھ) تحریر کرتے ہیں:

"وَعِنْدَ مَالِكٍ تِسْعُ تَرْوِيْحَاتٍ بِسِتَّةٍ وَّثَلَاثِيْنَ رَكْعَةً غَيْرَ الْوِتْرِ۔"[۴]

"امام مالکؒ کے نزدیک نو ترویحے یعنی وتر کے علاوہ چھتیس رکعات ہیں۔

نیز علامہ عینیؒ لکھتے ہیں:

"فَالْمَشْهُوْرُ عَنْ مَالِكٍ سِتٌّ وَثَلَاثُوْنَ وَالْوِتْرُ بِثَلَاثٍ۔"[۵]

"امام مالک کا مشہور قول چھتیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر کا ہے۔"

---

[۱] فتح الباری (۳۱۹:۴) طبع قدیمی کتب خانہ کراچی

[۲] رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ (ص ۴۳) طبع دار الکتب العلمیۃ، بیروت

[۳] المصابیح (ص ۳۲) طبع دار القبس عمّان۔

[۴] البنایۃ شرح ہدایۃ (۱۰۱:۳) طبع مکتبہ حقانیہ ملتان

[۵] عمدۃ القاری شرح بخاری (۲۴۵:۸) طبع دار الفکر بیروت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

برصغیر کے مشہور محدث شیخ عبدالحق دھلویؒ (م ۱۰۵۲ھ) لکھتے ہیں:

''وَقَالَ مَالِكٌ: سِتٌّ وَّ ثَلٰثُوْنَ اَوْتِسْعٌ وَّ ثَلٰثُوْنَ مَعَ الْوِتْرِ ۔''[۱]

''امام مالکؒ (بغیر وتر کے) چھتیس اور وتر سمیت انتالیس رکعت تراویح کے قائل ہیں''

علامہ ابن عابدین شامیؒ (م ۱۲۵۲ھ) فرماتے ہیں:

''وَعَنْ مَالِكٍ سِتٌّ وَثَلَاثُوْنَ ''[۲]

''امام مالک سے (تراویح کی) چھتیس رکعات نقل کی گئی ہیں''

علامہ شوکانیؒ غیر مقلد (م ۱۲۵۰ھ) لکھتے ہیں:

''وَقَالَ مَالِكٌ: اَلْاَمْرُ عِنْدَنَا تِسْعٌ وَّثَلَاثُوْنَ ۔''[۳]

''امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ تراویح ہمارے نزدیک تین وتر سمیت انتالیس رکعات ہیں''

مولانا میاں غلام رسول صاحبؒ غیر مقلد (م ۱۲۹۱ھ) فرماتے ہیں:

''سند امام مالك درست وثلاثين عمل اهل المدينة نوشته ''[۴]

''امام مالکؒ کی دلیل چھتیس رکعات کے بارے میں اہل مدینہ کا عمل لکھا گیا ہے''۔

قارئین: علمائے کرام کے ان کثیر بیانات کے بعد یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ مالکی علماء کی طرح غیر مالکی علماء کے نزدیک بھی امام مالکؒ کا صحیح اور مشہور قول چھتیس رکعات تراویح کا ہے، اور یہ بات خود غیر مقلدین کے دو چوٹی کے بزرگوں کو بھی تسلیم ہے، لیکن اس کے باوجود بعض غیر مقلدین ان سب حوالہ جات سے بالکل آنکھیں چرا کر کے امام مالکؒ کا مذہب آٹھ تراویح بتلاتے ہیں۔

---

[۱] ماثبت بالسنۃ مع ترجمہ مؤمن کے ماہ وسال (ص ۲۱۷)

[۲] ردالمحتار (۱: ۵۲۱) طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

[۳] نیل الاوطار (۱: ۵۱۴) طبع دارالمعرفۃ بیروت

[۴] رسالہ تراویح مع ترجمہ ینابیع (ص ۳۷) طبع مکتبہ صفدریہ گوجرانوالہ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ع بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

غیر مقلدین امام مالکؒ کا مذہب گیارہ رکعات ثابت کرنے کے لیے پانچ حوالوں سے استدلال کرتے ہیں۔

① علامہ عینیؒ (م ۸۵۵ھ) کا ذکر کردہ ایک بلا سند قول۔

② علامہ سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) کا ذکر کردہ ایک منقطع قول۔

③ علامہ عبدالحق اشبیلیؒ (م ۵۸۱ھ) کا ذکر کردہ ایک ضعیف قول۔

④ علامہ عبدالحق اشبیلیؒ کا ذکر کردہ بلا سند قول۔

⑤ امام مالکؒ نے اپنی ''مؤطا'' میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی گیارہ رکعات والی روایت ذکر کی ہے جو کہ بقول ان غیر مقلدین کے اس بات کی دلیل ہے کہ امام مالکؒ کے نزدیک گیارہ رکعات تراویح پڑھنا ہی سنت ہے۔

ذیل میں ترتیب وار ان پانچوں حوالوں کی حقیقت ملاحظہ ہو۔

① علامہ عینیؒ کے امام مالکؒ سے ذکر کردہ گیارہ رکعات والے قول کی حقیقت:

اول: علامہ عینیؒ (م ۸۵۵ھ) نے عمدۃ القاری میں امام مالکؒ سے جو گیارہ رکعات کا قول نقل کیا ہے اس کی کوئی سند یا حوالہ انہوں نے پیش نہیں کیا۔[۱] اس کے

---

[۱] حافظ زبیر علی زئی جنہوں نے بڑے طمطراق سے علامہ عینیؒ کے اس بلا سند قول سے استدلال کیا ہے، تعداد رکعات قیام رمضان (ص ۸۰،) امین اوکاڑوی کا تعاقب (ص ۳۴) لیکن دوسری طرف جب علامہ عینیؒ نے ان کے مؤقف کے خلاف امام شافعیؒ سے ایک قول نقل کیا تو یہی علی زئی اس کے جواب میں لکھتے ہیں: عینی حنفی، امام شافعی کی وفات کے صدیوں بعد پیدا ہوئے، لہٰذا عینی سے امام شافعی تک صحیح یا حسن سند مطلوب ہے، ورنہ یہ متابعت کالعدم ہے۔ (نور العینین ص ۱۶۶)۔

تم لوگ بھی غضب ہو دل پہ یہ اختیار

شب موم کر لیا سحر آہن بنا لیا!

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بالمقابل انہوں نے امام مالکؒ سے جو انتالیس رکعات مع الوتر کا قول ذکر کیا ہے وہ انہوں نے امام مالکؒ کے براہِ راست شاگرد سے نقل کیا ہے، اور ان تک اس کی سند متصل ہے۔ نیز اس کی تائید میں انہوں نے علامہ ابن ایمنؒ کا قول ذکر کرکے ان دونوں میں تطبیق بھی دی ہے۔ لہٰذا گیارہ رکعات والا قول انتالیس رکعات والے قول کے مقابلے میں مرجوح ہے۔

ثانیاً: علامہ عینیؒ نے خود "عمدۃ القاری"، "البنایۃ شرح ہدایہ" وغیرہ اپنی کتابوں میں تصریح کی ہے کہ امام مالکؒ کا مذہب چھتیس رکعات ہے، بلکہ انہوں نے "عمدۃ القاری" میں تو اسی قول کو ان کا مشہور قول قرار دیا ہے۔ جیسا کہ یہ حوالے پہلے گزر چکے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ خود علامہ عینیؒ کے ہاں بھی امام مالکؒ کی طرف منسوب گیارہ رکعات کا قول غیر مشہور اور شاذ ہے۔ اب جو قول خود ناقل کے نزدیک غیر مشہور اور شاذ ہے، اس قول سے امام مالکؒ کا مذہب گیارہ رکعات ثابت کرنا "مدعی سست گواہ چست" کا مصداق ہے۔

ثالثاً: علامہ عینیؒ جو مالکی نہیں بلکہ حنفی المذہب ہیں، نے جن الفاظ (وَهُوَ اِخْتِيَارُ مَالِكٍ لِنَفْسِه) سے امام مالکؒ کا مذہب گیارہ رکعات بیان کیا ہے، ان ہی الفاظ میں مالکی علماء امام مالکؒ کا مذہب چھتیس رکعات بیان کرتے ہیں۔

مثلاً امام ابن عبدالبرؒ (م ۴۶۳ھ)، امام ابوالولید باجیؒ (م ۴۷۴ھ)، علامہ ابوبکر ابن العربی (م ۵۴۳ھ) اور حافظ ابوالعباس قرطبیؒ (م ۶۵۶ھ) لکھتے ہیں:

"وَهُوَ الَّذِي اخْتَارَهُ مَالِكٌ"[۱]

"اسی عدد (چھتیس رکعات) کو امام مالک نے اختیار کیا ہے"

اب یہ چاروں حضرات جو فقہ مالکی کے جید اور چوٹی کے علماء ہیں، اور علامہ عینیؒ

---

[۱] الکافی (ص ۲۵۶)، المنتقیٰ (۲:۱۴۹)، المسالک (۲:۴۸۱)، المفہم (۲:۲۹۹)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

سے بہت متقدم بھی ہیں، بیک زبان ہو کر علامہ عینیؒ کے برعکس چھتیس رکعات کو امام مالکؒ کا اختیار کردہ قول قرار دے رہے ہیں، اور فقہ مالکی کی دیگر معتبر کتب میں بھی اسی کو امام مالکؒ کا مختار قول قرار دیا گیا ہے، اور خود علامہ عینیؒ بھی اسی کو امام مالکؒ کا مشہور قول قرار دے چکے ہیں۔ ان سب حقائق سے چشم پوشی کر کے علامہ عینیؒ کے ذکر کردہ ایک شاذ قول کو ترجیح دینا عدل وانصاف کا خون کرنے کے مترادف ہے۔

(۲) علامہ سیوطیؒ کے ذکر کردہ قول کی حقیقت

علامہ سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) نے امام مالکؒ سے گیارہ رکعات کا قول ان الفاظ سے نقل کیا ہے:

"قَالَ الْجُوْرِيُّ مِنْ اَصْحَابِنَا عَنْ مَالِكٍ اَنَّهُ قَالَ: الَّذِيْ جَمَعَ عَلَيْهِ النَّاسَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ اَحَبُّ اِلَيَّ وَهُوَ اِحْدٰی عَشْرَةَ رَكْعَةً۔" [۱]

لیکن غیر مقلدین کا اس قول سے بھی استدلال باطل ہے۔

اولاً: علامہ سیوطیؒ نے اس قول کو بے سند نقل کیا ہے، اور حافظ زبیر علی زئی نے لکھا ہے کہ:

سیوطی کے بے سند حوالوں سے دھوکا نہیں کھانا چاہئے۔ [۲]

ثانیاً: اس قول کے ناقل علامہ سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) نے خود تصریح کی ہے کہ امام مالکؒ کا مذہب چھتیس رکعات تراویح ہے۔ سیوطیؒ کا یہ حوالہ پہلے گزر چکا ہے۔ لہٰذا یہ قول خود ناقل کے نزدیک بھی غیر معتبر ہے۔ اب جو قول خود ناقل کے ہاں بھی غیر معتبر ہو اس سے استدلال کرنا چہ معنی دارد؟

---

[۱] المصابیح (ص ۴۲، ۴۳)، الحاوی (۱: ۳۴۷)

[۲] ماہنامہ الحدیث (۹۷: ۱۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ثالثاً: امام مالک ؒ سے اس قول کو نقل کرنے والے جوری یہ کون ہیں؟ امام سیوطیؒ نے نہ ان کا نام لیا ہے، اور نہ ہی ان کا کوئی علمی تعارف کرایا ہے، البتہ امام سیوطیؒ کی کتاب "المصابیح" کے محقق شیخ ابو الحارث علی بن حسن غیر مقلد نے حاشیہ میں لکھا ہے کہ یہ علی بن حسین جُوریؒ ہیں، جو کہ شافعی المذہب ہیں۔[۱]

اگر واقعی جُوری مذکور سے مراد علی بن حسین جوری نیشاپوریؒ ہیں، جن کو علامہ تاج الدین سبکیؒ (م ۷۷۱ھ) نے چوتھی صدی ہجری کے ائمہ شافعیہ میں ذکر کیا ہے[۲]۔ تو یہ امام مالکؒ (م ۱۷۹ھ) سے بہت متأخر ہیں، اور ان کے اور امام مالکؒ کے درمیان کئی نامعلوم واسطوں کا انقطاع ہے۔

بعض غیر مقلدین اس سند کے انقطاع پر پردہ ڈالنے کے لیے جوری کی جگہ جوزی یا ابن الجوزی کہہ دیتے ہیں، حالانکہ یہ نہ جوزی ہے اور نہ ابن الجوزی ہے، بلکہ یہ جُوری ہے، چنانچہ علامہ تاج الدین سبکیؒ (م ۷۷۱ھ) لکھتے ہیں:

"علی بن الحسین القاضی ابوالحسین الجُوری بِضَمِّ الْجِیْمِ ثُمَّ الْوَاوُ السَّاکِنَة، ثُمَّ الرَّاءُ، نِسْبَةٌ اِلٰی جُوْرٍ بَلْدَةٍ مِنْ بِلَادِ فَارِس"[۳]

نیز جُوریؒ (جو چوتھی صدی کے ہیں) سے اس قول کو نقل کرنے والے علامہ سیوطیؒ کی ولادت نویں صدی کے وسط (۸۴۹ھ) میں ہوئی[۴]۔ اس اعتبار سے جُوریؒ اور ان سے ناقل علامہ سیوطیؒ کے درمیان تقریباً پانچ سو سال کا طویل عرصہ ہے، اور درمیان میں سند کی کئی کڑیاں غائب ہیں۔ حافظ زبیر علی زئی، امام سیوطیؒ کے حافظ ابن حجرؒ سے نقل کردہ ایک قول کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[۱] حاشیۃ المصابیح (ص ۴۲)
[۲] طبقات الشافعیۃ الکبریٰ (۳:۴۵۷، ۴۵۸) طبع احیاء الکتب العربیۃ قاہرہ
[۳] ایضاً
[۴] شذرات الذھب (۸:۵۵)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

حافظ ابن حجر ۸۵۲ھ میں وفات پا گئے تھے، اور سیوطی ۸۴۹ھ میں پیدا ہوئے، لہٰذا حافظ ابن حجر سے سیوطی کا سماع ثابت نہیں ہے۔ یعنی سیوطی کی یہ نقل منقطع اور بے سند ہے۔[۱]

پس جب سیوطیؒ کی حافظ ابن حجر (جن کی وفات اور سیوطیؒ کی ولادت کے درمیان صرف تین سال کا فاصلہ ہے) سے نقل کا اعتبار نہیں، تو پھر ان کی جوریؒ (جن کی وفات اور سیوطیؒ کی ولادت کے درمیان تقریباً پانچ سو سال کا ایک طویل عرصہ ہے) سے نقل کا اعتبار کیسے ہو سکتا ہے؟

اب جیسے امام مالکؒ اور جُوریؒ کے درمیان کئی واسطوں کا انقطاع ہے، ایسے ہی جُوریؒ اور سیوطیؒ کے مابین بھی بہت سے واسطے منقطع ہیں۔ گویا نہ اس قول کے راوی کی ملاقات اپنے مَرْوِیُّ عَنْہ سے ہے، اور نہ ہی ناقل کی ملاقات مَنْقُوْل عَنْہ سے ہے۔ لہٰذا ایسے منقطع السند قول جو امام مالکؒ کے مستند اور مفتیٰ بہ قول سے متصادم بھی ہے، پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے؟

حافظ زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

منقطع اور بے سند روایات کو انتہائی اہم مسئلہ میں پیش کرنا آخر کون سے دین کی خدمت ہے؟[۲]

نیز لکھتے ہیں: ضعیف و منقطع روایات کو وہی پیش کرتا ہے جو خود ضعیف اور "منقطع" ہوتا ہے۔[۳]

گویا علی زئی وغیرہ غیر مقلدین امام سیوطیؒ وغیرہ علماء کے ان منقطع اقوال کو پیش کر کے

---

[۱] ماہنامہ الحدیث (۶۹:۱۰)

[۲] تعداد رکعات قیام رمضان (ص ۲۷)

[۳] ایضاً (ص ۲۳)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بزبان خود: ضعیف اور منقطع ثابت ہو رہے ہیں۔

ع ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

④ علامہ عبدالحق اشبیلیؒ کے ذکر کردہ قول کی حقیقت:

حافظ زبیر علی زئیؒ لکھتے ہیں:

اشہب بن عبدالعزیز (شاگرد امام مالکؒ) نے کہا۔ امام مالک نے کہا: میں اپنے لیے قیام رمضان یعنی تراویح کا عدد (۱۱) رکعات لیتا ہوں، جس پر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جمع کیا تھا، اور یہی رسول اللہ ﷺ کی نماز ہے، مجھے یہ معلوم نہیں کہ بہت سی رکعتیں کس نے ایجاد کر دی ہیں، اسے ابن مغیث مالکی نے ذکر کیا ہے۔ (کتاب التہجد ص ۱۷۶، نمبر ۸۹۰، مطبوعہ بیروت: ص ۲۸۶، مطبوعہ مصر، مصنف عبدالحق اشبیلی (متوفی ۵۸۱)

اشہب بن عبدالعزیز ثقہ فقیہ تھے، ۲۰۴ھ میں فوت ہوئے (تقریب وغیرہ) پیدائش ۱۴۰ھ ہے۔ الامام الفقیہ المحدث، شیخ الاندلس ابوالولید یونس بن عبداللہ بن محمد بن مغیث القرطبی ۳۳۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۲۹ھ میں فوت ہوئے، آپ ”کتاب المتہجدین“ کے مصنف ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء، ج ۱۷، ص ۵۷۰)

ظن غالب یہی ہے کہ یہ قول ان کی کتاب المتہجدین میں مذکور ہوگا۔[۱]

جواب: یہ استدلال کئی وجوہ سے باطل ہے۔

اوّل: یہ قول دو اعتبار سے منقطع ہے:

① اس قول کے ناقل علامہ اشبیلیؒ ۵۱۴ھ میں پیدا ہوئے[۲]۔ جب کہ امام ابن مغیثؒ

---

[۱] امین اوکاڑوی کا تعاقب (ص ۳۴)

[۲] سیر اعلام النبلاء (۲۱:۱۹۸)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ان کی ولادت سے تقریباً ۸۵ سال پہلے ۴۲۹ھ میں وفات پا چکے تھے، جیسا کہ خود علی زئی نے بحوالہ ''سیر اعلام النبلاء'' لکھا ہے، پھر علامہ اشبیلی ؒ کو یہ قول کہاں سے معلوم ہوا، اس کا کوئی حوالہ انہوں نے ذکر نہیں کیا، اور نہ ہی اس کا کوئی ثبوت ہے کہ یہ قول امام ابن مغیثؒ (جن سے علامہ اشبیلی ؒ نے یہ قول نقل کیا ہے) کی ''کتاب المتھجدین'' میں موجود ہے، علی زئی وغیرہ جیسے لوگوں کے ظن غالب کچھ وقعت نہیں رکھتے، بلکہ یہاں دلائل درکار ہیں، جن سے یہ لوگ تہی دامن ہیں۔

اور پھر علی زئی صاحب کی بددیانتی ملاحظہ کریں کہ یہاں تو وہ اپنے ظن غالب سے کام چلا رہے ہیں، لیکن دوسری طرف امام بوصیریؒ (م ۸۴۰ھ) جیسے ثقہ امام نے جب ایک حدیث امام احمد بن منیعؒ (م ۲۴۴ھ) کی مُسند سے بہ سند نقل کی تو علی زئی صاحب نے ان کی نقل کو یوں کہہ کر رد کر دیا:

احمد بن منیع کی اصل کتاب کہیں بھی نہیں ملی، اور بوصیری اس کی وفات کے صدیوں بعد پیدا ہوا تھا۔[۱]

اسی طرح بالاتفاق ثقہ محدث امام زیلعیؒ (م۷۶۲ھ) نے امام دارقطنیؒ (م ۳۸۵ھ) کی کتاب ''غرائب مالک'' سے ایک عبارت نقل کی کہ جس سے امام محمد بن حسنؒ (م ۱۸۹ھ) کی توثیق ثابت ہوتی ہے، تو علی زئی نے ان کی اس نقل کو یوں کہہ کر رد کر دیا: اصل کتاب غرائب مالک موجود نہیں ہے تا کہ زیلعی کے دعوے کی تصدیق کی جا سکے۔[۲]

یہ ہے ان غیر مقلدین کا انصاف

(۲) یہ قول امام ابن مغیثؒ اور امام اشہبؒ کے درمیان بھی منقطع ہے، کیونکہ خود علی زئی

---

[۱] نصر الباری (ص ۷۴)

[۲] ماہنامہ الحدیث (۵۵:۲۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

نے نقل کیا ہے کہ امام اشہب ۲۰۴ھ میں فوت ہوئے، جب کہ امام ابن مغیث ؒ ان کی وفات کے ۱۳۴ سال بعد ۳۳۸ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ان دونوں کے درمیان سند کی کئی کڑیاں غائب ہیں، لہٰذا اس قول سے استدلال کیسے کیا جا سکتا ہے؟ اور خود علی زئی صاحب کا اپنا بیان پہلے گزر چکا ہے کہ منقطع سے استدلال کرنے والا خود منقطع ہوتا ہے۔

(۲) اور اگر بالفرض یہ قول ثابت بھی ہو تو پھر بھی اس سے ۲۳ رکعات کی نفی ثابت نہیں ہوتی۔ چنانچہ امام تقی الدین سبکی ؒ (م ۷۵۶ھ) اس قول کو نقل کر کے لکھتے ہیں:

”لَیْسَ نَفْیًا الثَّلَاثَ وَالْعِشْرِیْنَ، وَاِنَّمَا قَصَدَ الَّذِیْ جَمَعَ عَلَیْهِ عُمَرُ، کَمَا دَلَّ عَلَیْهِ اَوَّلُ کَلَامِهٖ، وَعَبَّرَ عَنْهُ بِاِحْدٰی عَشَرَةَ، لِاَنَّهَا اِحْدَی الرِّوَایَتَیْنِ۔“

”امام مالک ؒ کے اس قول میں تیئیس رکعات کی نفی نہیں ہے، بلکہ اس سے امام مالک ؒ کا مقصد صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جس چیز پر (لوگوں کو) جمع کیا تھا وہ بیان کرنا ہے، جیسا کہ ان کے کلام کا ابتدائی حصہ اس پر دلالت کر رہا ہے۔ اور چونکہ (حضرت عمر ؓ سے) دو روایتوں (گیارہ اور تیئیس) میں سے ایک روایت میں گیارہ کا عدد مذکورہ ہے، اس لیے انہوں نے اسی ایک عدد سے اپنی بات بیان کر دی ہے۔“

اور پھر آگے جا کر لکھتے ہیں:

”اَمَّا الثَّلَاثَ وَالْعِشْرِیْنَ مَعَ الْعِلْمِ بِاَنَّهَا عَنْ عُمَرَ، فَمَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ یَرْغَبَ عَنْهَا مَالِكٌ، اَوْ اَنْ یَّاْخُذَ بِنَفْسِهٖ غَیْرَهَا، وَهُوَ مِنْ اَشَدِّ النَّاسِ اِتِّبَاعًا لِعُمَرَ۔“[۱]

رہی تیئیس رکعات والی روایت، تو امام مالک ؒ کو یہ معلوم ہونے کے باوجود کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (کیونکہ انہوں نے اپنی ”موطا“ میں اس کو روایت کیا ہے) وہ کیسے اس سے منہ پھیر سکتے ہیں، یا وہ کیسے اس کو چھوڑ کر تراویح کا کوئی اور عدد اختیار کر

[۱] ضوء المصابیح (ص ۳۴۱، ۳۴۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

سکتے ہیں، حالانکہ وہ سب سے زیادہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اتباع کرنے والے ہیں۔

یہ قول امام مالکؒ کے سب سے بڑے شاگرد امام ابن القاسمؒ (المتوفی ۱۹۱ھ) جن کی نقل پر فقہ مالکی کا مدار ہے، جیسا کہ بحوالہ حافظ ابن حجرؒ گزرا ہے، کی روایت سے متصادم ہونے کی وجہ سے بھی باطل ہے۔

④ عبد الحق اشبیلیؒ کے بلا سند ذکر کردہ قول کی حقیقت:

کفایت اللہ سنابلی نے علامہ عبد الحق اشبیلیؒ (م ۵۸۱ھ) کی کتاب "الصلوۃ والتہجد" (ص ۲۸۷) سے نقل کیا ہے کہ امام ابن القاسمؒ فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ نے مسجد نبوی میں جاری عمل، ۳۹ رکعات کی تعداد میں کمی کرنے کو ناپسند کیا، لیکن انہوں نے خود اپنے لیے گیارہ رکعات کو اختیار کیا۔

سنابلی صاحب نے اس حوالہ کو نقل کرنے کے بعد بڑے طمطراق سے کہا ہے:

اس حوالے سے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوگیا۔[۱]

جواب: یہ قول علامہ اشبیلیؒ نے بلا سند ذکر کیا ہے، اور پہلے بحوالہ علمائے غیر مقلدین گزر چکا ہے کہ بلا سند روایت مردود ہوتی ہے۔ اور خود سنابلی صاحب بھی بلا سند قول کو مردود قرار دیتے ہیں۔[۲]

لہٰذا اس حوالے میں تو کچھ دودھ ہی نہیں ہے، اس لیے سنابلی صاحب کا موقف پانی پانی ہوگیا۔

اور پھر اس قول کے بطلان کے لیے یہی کافی ہے کہ اس کو صحیح سمجھنے کی صورت میں خود امام مالکؒ کی ذات بری طرح مجروح ہو رہی ہے کہ وہ دیگر لوگوں کو تو زیادہ عبادت کا

---

[۱] انوار التوضیح (ص ۲۹۱)

[۲] ایضاً (ص ۱۳۳، ۲۰۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

حکم کر رہے ہیں، اور ان کے لیے اس میں کمی کو غیر مناسب سمجھ رہے ہیں، جب کہ خود چھپ کر اس سے بہت کم عبادت پر اکتفا کر رہے ہیں، یا یوں کہہ لیں کہ وہ خود جس کام کو سنت سمجھ کر کر رہے ہیں، دیگر لوگوں کو اس سے منع کر رہے ہیں۔ یہ کسی عام عالم کو بھی زیب نہیں دیتا، چہ جائیکہ امام مالک ؒ جیسی عظیم ہستی کے لیے اس کا تصور کر لیا جائے۔

سنابلی صاحب نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ امام مالک ؒ نے فتنے کے خوف سے انتالیس رکعات میں کمی سے منع کیا ہے۔ اِنا للہ وانا الیہ راجعون

اندازہ کریں کہ یہ لوگ کس طرح محض اپنا الو سیدھا کرنے کے لیے امام مالک ؒ کی شخصیت کو ایک بزدل اور ڈرپوک شخص کے روپ میں پیش کر رہے ہیں۔ یعنی امام صاحب ؒ محض لوگوں کے ڈر سے حق بات کہنے سے کتراتے تھے۔ بالخصوص جب امیر شہر بھی رکعات کم کروانے کے لیے ان سے مشورہ مانگ رہا ہے، اور وہ محض اس ڈر سے اس کو اس (بقول شما: سنت) پر عمل کروانے سے روک رہے ہیں کہ کہیں لوگ کوئی فتنہ نہ کھڑا کر دیں۔ گویا امیر شہر تو سنت پر عمل کروانے کے لیے لوگوں سے نہیں ڈر رہا، لیکن امام صاحب ؒ اس سے ڈر رہے ہیں۔ العیاذ باللہ ...

اور پھر دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ غیر مقلدین بیس تراویح کی تعداد کم کروانے کے لیے سعودی حکمرانوں کی منتیں کرتے ہیں، جب کہ اُس وقت کا امیر مدینہ منورہ خود اس پر عمل کروانے کے لیے امام مالک ؒ سے مشورہ مانگ رہا ہے، اور امام صاحب ؒ آگے سے اس کو اس سے منع کر رہے ہیں۔ گویا امام صاحب ؒ سنت کے معاملے میں ان غیر مقلدین سے بھی گئے گزرے ہیں۔

ع بریں عقل و دانش بباید گریست

موطا میں گیارہ رکعات والی روایت سے امام مالک ؒ کا مذہب کشید کرنے کی حقیقت:

زبیر علی زئی نے ''موطا'' میں گیارہ رکعات والی روایت کی وجہ سے یہ ثابت کرنے کی

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کوشش کی ہے کہ امام مالکؒ گیارہ رکعات کے قائل وفاعل تھے۔ [۱]

جواب: موطا میں گیارہ رکعات والی روایت سے یہ باور کرانا کہ امام مالکؒ کے مذہب میں گیارہ رکعات تراویح ہی پڑھنا سنت ہے، یہ بھی غلط ہے، کیونکہ ما قبل حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ فقہ مالکی کا مدار امام مالکؒ کے تلمیذ رشید امام ابن القاسمؒ (م ۱۹۱ھ) کی روایات پر ہے، نہ کہ موطا پر، نیز مشہور غیر مقلد مولانا ابوالاشبال احمد شاغف (م ۱۴۴۰ھ) نے بھی غیر مقلدین کے اس نظریہ کو "عذر لنگ" سے تعبیر کیا ہے، چنانچہ موصوف لکھتے ہیں:

بعض مخالفین نے اس حدیث کے عدم صحت کی دلیل یہ بھی دی ہے کہ مؤمل اس روایت کو سفیان ثوری سے روایت کرتے ہیں، اور ان کا مذہب ہے کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا چاہیے۔ اگر یہ روایت ان کے نزدیک صحیح ہوتی تو وہ اس کے خلاف عمل نہ کرتے، لیکن یہ عذر ہی سرے سے صحیح نہیں بلکہ یہ عذر لنگ ہے، اس قسم کی مثالیں کتب حدیث میں موجود ہیں۔ مثلاً امام مالک نے موطا میں "وضع الیمین علی الشمال" کا باب منعقد کرنے کے بعد دو حدیثیں اس باب کے تحت لا کر اس مسئلہ کو صحیح ثابت کر دیا ہے، لیکن ان کا آخری عمل ارسال الیدین فی الصلوۃ ہے۔ [۲]

اس اقتباس سے واضح ہو گیا کہ امام مالکؒ کا اپنی موطا میں کسی مسئلہ کے اثبات میں کوئی باب قائم کر کے اس کے ذیل میں احادیث لانا اس بات کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ وہی ان کا مذہب ہے۔

نیز خود علی زئیؒ کے شیخ مولانا بدیع الدین راشدی (م ۱۴۱۶ھ) کا بیان حصہ دوم میں آرہا ہے کہ امام مالکؒ نے "موطا" میں کئی ایسی احادیث ذکر کی ہیں جن پر اُن کا اپنا

---

[۱] تعداد رکعات قیام رمضان (ص ۶۸)

[۲] مقالات شاغف (ص ۱۸۰) طبع بیت الحکمت لاہور

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

عمل نہیں ہے۔

ثانیاً: اگر یہ اصول تسلیم بھی کر لیا جائے کہ امام موصوف "موطا" میں جو حدیث لاتے ہیں ان کا مذہب بھی اسی حدیث کے مطابق ہوتا ہے، تو پھر بھی اس سے ان کا مذہب صرف گیارہ رکعات تراویح مسنون ہونا ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ وہ جیسے گیارہ رکعات والی حدیث لائے ہیں، ایسے ہی انہوں نے بیس والی حدیث بھی ذکر کی ہے، جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ان کے نزدیک صرف گیارہ رکعات (آٹھ تراویح اور تین وتر) ہی سنت نہیں، بلکہ کم از کم بیس تراویح اور تین وتر پڑھنا سنت ہے، کیونکہ ظاہر ہے کہ آٹھ بیس میں شامل ہیں۔

الغرض امام مالکؒ کا مذہب راجح قول کے مطابق چھتیس رکعات تراویح ہے، اور گیارہ رکعات والے قول کی نسبت ان کی طرف غلط ہے۔ اور یہ بات پہلے بھی گزر چکی ہے کہ امام مالکؒ اور دیگر اہل مدینہ کے نزدیک تراویح کی اصل رکعات بیس ہی تھیں، لیکن پھر انہوں نے اہلِ مکہ کے ساتھ ثواب میں برابری حاصل کرنے کے لیے سولہ نوافل کا اضافہ کر لیا، جس کی وجہ سے تراویح کی تعداد چھتیس رکعات ہوگئی، چنانچہ امام نوویؒ (م ۶۷۶ھ) علامہ ابن قدامہؒ (م ۶۲۰ھ) اور دیگر محققین "اہل مدینہ" کے ان سولہ رکعات کے اضافہ کی وجہ میں لکھتے ہیں:

"وَسَبَبُهٗ اَنَّ اَهْلَ مَكَّةَ كَانُوْا يَطُوْفُوْنَ بَيْنَ كُلِّ تَرْوِيْحَتَيْنِ طَوَافًا وَيُصَلُّوْنَ رَكْعَتَيْنِ، وَلَا يَطُوْفُوْنَ بَيْنَ التَّرْوِيْحَةِ الْخَامِسَةِ فَاَرَادُوْا اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ مُسَاوَاتَهُمْ، فَجَعَلُوْا مَكَانَ كُلِّ طَوَافٍ اَرْبَعَ رَكْعَاتٍ فَزَادُوْا سِتَّ عَشَرَةَ رَكْعَةً، وَاَوْتَرُوْا بِثَلَاثٍ، فَصَارَ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اَلْمَجْمُوْعُ تِسْعًا وَثَلَاثِيْنَ۔"[۱]

"امام مالکؒ اور دیگر اہل مدینہ کا چھتیس رکعات پڑھنے کا سبب یہ ہے کہ اہل مکہ ہر دو ترویحوں کے درمیان یعنی ہر چار رکعات کے بعد کعبۃ اللہ کا طواف کرتے تھے، اور دو رکعت طواف کی پڑھتے تھے، جب کہ پانچویں ترویحہ کے بعد طواف نہیں کرتے تھے۔ لہٰذا اہلِ مدینہ نے ان کے ساتھ (ثواب میں) برابری (حاصل کرنے) کے لیے ہر طواف کی جگہ چار رکعات زائد پڑھنا مقرر کرلیں، اور سولہ رکعات کا اضافہ کر دیا، اور وہ تین رکعتیں وتر کی بھی پڑھتے تھے۔ اس طرح ان کی تراویح کی مجموعی تعداد وتر سمیت انتالیس رکعات ہوگئی۔"

علامہ سبکیؒ (م ۷۵۶ھ) اور علامہ عینیؒ (م ۸۵۵ھ) وغیرہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان چھتیس رکعات میں بھی اصل تراویح بیس ہی تھیں، اور ان میں سولہ رکعات زائد بطور نوافل تھیں۔[۲]

محدث ہند شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ (م ۱۲۳۹ھ) رقمطراز ہیں:

یہ زیادتی رکعتوں کی جو نوافل کے ملا دینے سے ہوئی، تو یہ امر عمر بن عبد العزیزؒ کے زمانے میں ہوا۔ یعنی جب وہ مدینہ منورہ میں امیر تھے، تو اُن کی امارت کے زمانے میں ایسا ہوا تھا، اس واسطے کہ اس وقت عبادت میں لوگوں کی رغبت بہت زیادہ ہوگئی تھی، جس قدر عبادت سابق سے ماثور و منقول تھی صرف اس قدر

[۱] المجموع شرح المہذب للنوویؒ (۳:۵۲۷)، المغنی لابن قدامہؒ (۲:۶۰۴) المصابیح للسیوطیؒ (ص ۳۲)، ارشاد الساری شرح صحیح البخاری للقسطلانیؒ (۴:۱۲۰)، البنایۃ فی شرح الہدایۃ للعینی (۳:۱۰۲)، ضوء المصابیح (ص ۳۴۸) للسبکیؒ ماثبت بالسنۃ مترجم للشیخ عبدالحق دھلوی (۳۶۴) فتاوٰی عزیزی مترجم (ص ۴۸۶) وغیرہ

[۲] ضوء المصابیح (ص ۳۷۵)، البنایۃ (۳:۱۰۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

سے ان کو آسودگی نہ ہوتی تھی واللہ اعلم۔[۱]

اس سے معلوم ہوگیا کہ امام مالکؒ کے نزدیک بھی دیگر ائمہ ثلاثہ کی طرح اصل تراویح بیس رکعات ہی تھیں، اس طرح بیس تراویح پر چاروں ائمہ کرام کا اتفاق ہے، اور ان میں سے کوئی بھی امام بیس رکعات سے کم تراویح کا قائل نہیں ہے۔

ائمہ اربعہؒ کی اتباع سوادِ اعظم کی اتباع ہے

ائمہ اربعہؒ کے مقلدین چونکہ ہر دور میں اکثریت میں رہے ہیں، اور اب تو تمام عالم کے مسلمان سوائے شرذمہ قلیلہ (غیر مقلدین) کے سب ائمہ اربعہ کے ہی مقلد ہیں، اور دیگر تمام مذاہب ختم ہو چکے ہیں۔ اس لیے اب ائمہ اربعہ کی اتباع ہی سوادِ اعظم کی اتباع ہے، اور ان کے مذاہب سے خروج سوادِ اعظم سے خروج ہے۔ چنانچہ امام الھند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (م ۱۱۷۶ھ) فرماتے ہیں:

”قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: اِتَّبِعُوْا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ - وَلَمَّا انْدَرَسَتِ الْمَذَاهِبُ الْحَقَّةُ اِلَّاهٰذِهِ الْاَرْبَعَةَ، كَانَ اِتِّبَاعُهَا اِتِّبَاعًا لِلسَّوَادِ الْاَعْظَمِ، وَالْخُرُوْجُ عَنْهَا خُرُوْجًا عَنِ السَّوَادِالْاَعْظَمِ۔“[۲]

”رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سوادِ اعظم کی پیروی کرو، اور جب کہ ان مذاہب اربعہ کے سوا باقی مذاہبِ حقہ مٹ چکے ہیں تو اب ان مذاہب کا اتباع سوادِ اعظم کا اتباع ہوگا، اور ان سے خروج سوادِ اعظم سے خروج ہوگا“

اور پہلے گزر چکا ہے کہ بیس تراویح پر چاروں ائمہ کرام متفق ہیں، اور ان میں سے کوئی بھی بیس تراویح سے کم کا قائل نہیں۔ لہٰذا جو شخص بیس تراویح سے کم کا قائل ہوگا وہ بقول

---

[۱] فتاویٰ عزیزی مترجم (ص ۴۸۶)

[۲] عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید (ص ۴۱) طبع دار الفتح شارقہ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

حضرت شاہ ولی اللہؒ: سوادِ اعظم سے نکلنے والا شمار ہوگا، اور جو آدمی اپنے آپ کو سوادِ اعظم سے نکالتا ہے، اس کے بارے میں ارشاد نبوی ﷺ ہے: ”فَإِنَّهُ مَنْ شَذَّ شَذَّ فِي النَّارِ[۱]“ کہ جو شخص سوادِ اعظم سے جدا ہوا وہ آگ میں داخل ہوا۔

اللہ تعالیٰ تمام اہلِ اسلام کو ہمیشہ سوادِ اعظم کی اتباع میں ہی رکھے، اور سوادِ اعظم سے نکلنے کے وبال سے ہر ایک کو بچائے، آمین۔

✿✿✿✿✿

[۱] المستدرک (۱:۲۰۱، ح ۳۹۵، ۳۹۶) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بیس تراویح

ائمہ اربعہؒ کے علاوہ دیگر علمائے امت کی نظر میں

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بیس تراویح ائمہ اربعہؒ کے
علاوہ دیگر علمائے امت کی نظر میں

جس مسئلہ پر ائمہ اربعہ رَحِمَهُمُ اللهُ کا اتفاق ہو جائے اس پر مزید کسی شخص کا حوالہ دینے کی ضرورت تو نہیں کیونکہ" فِيهِ كِفَايَةٌ لِّمَنْ لَّهُ هِدَايَة "لیکن چونکہ ہمارا مقصد اپنے قارئین کی ہر ممکن تسلی کرانا ہے، اس لیے ائمہ اربعہ کے ارشادات عالیہ کے بعد بیس تراویح پر دیگر علمائے امت (جو اگرچہ ائمہ اربعہ کے ہی مقلد ہیں، لیکن بایں ہمہ وہ اپنا ایک ذاتی تشخص اور مقام بھی رکھتے ہیں) میں سے بھی چیدہ چیدہ اور متفق علیہ شخصیات کی آراء حوالہ قرطاس کی جاتی ہیں تاکہ یہ اجماعی مسئلہ قارئین کے سامنے بالکل واضح ہو جائے۔

قطب ربانی، محبوب سبحانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (م ۵۶۱ھ) فرماتے ہیں:

"صَلٰوةُ التَّرَاوِيحِ سُنَّةُ النَّبِيِّ ﷺ... وَهِيَ عِشْرُوْنَ رَكْعَةً "۔[۱]

"نمازِ تراویح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے..... اور تراویح بیس رکعات ہیں۔"[۲]

---

[۱] الغنیۃ لطالبی طریق الحق (۲:۵۲) طبع دارالکتب العلمیۃ بیروت

[۲] تنبیہ: غیر مقلدین کے مطبع مکتبہ سعودیہ کراچی نے جو غنیۃ الطالبین طبع کی ہے، اس میں انہوں نے تحریف کر کے شیخ جیلانیؒ کے رکعاتِ تراویح کے متعلق الفاظ: وَهِيَ عِشْرُوْنَ رَكْعَةً (تراویح کی بیس رکعتیں ہیں) کو وَهِيَ اِحْدٰى عَشْرَةَ مَعَ الْوِتْرِ (تراویح کی وتر سمیت گیارہ رکعتیں ہیں) سے بدل دیا ہے۔ انا للہ... غیر مقلدین کی اس بے رحمانہ تحریف پر بہت سے دلائل پیش کیے جا سکتے ہیں، لیکن بطور اختصار صرف ایک حوالہ جو ان کے محدث اعظم مولانا عبداللہ روپڑیؒ (م ۱۳۸۴ھ) کا ہے، پیش خدمت ہے۔ چنانچہ مولانا روپڑی لکھتے ہیں: غنیۃ الطالبین کی عبارت "وَهِيَ عِشْرُوْنَ رَكْعَةً" حدیث کے الفاظ نہیں بلکہ یہ "غنیۃ الطالبین" والے کی اپنی عبارت ہے۔ فتاویٰ اہل حدیث (۱:۶۶۱)۔ اب غیر مقلدین کی اس تحریف پر اس سے بڑی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے؟

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

قطب العارفین امام عبدالوہاب شعرانیؒ (م ۹۷۳ھ) فرماتے ہیں:

"اَنَّ صَلٰوۃَ التَّرَاوِیْحِ فِیْ شَھْرِ رَمَضَانَ عِشْرُوْنَ رَکْعَۃً وَاَنَّھَا فِی الْجَمَاعَۃِ اَفْضَلُ"۔[۱]

"بے شک نماز تراویح رمضان المبارک میں بیس رکعات ہیں، اور ان کو جماعت سے ادا کرنا افضل ہے۔"

حجۃ الاسلام امام ابوحامد محمد غزالیؒ (م ۵۰۵ھ) تحریر کرتے ہیں:

"اَلتَّرَاوِیْحُ وَھِیَ عِشْرُوْنَ رَکْعَۃً، وَ کَیْفِیَّتُھَا مَشْھُوْرَۃٌ، وَھِیَ سُنَّۃٌ مُؤَکَّدَۃٌ"۔[۲]

"تراویح بیس رکعات ہیں جن کی کیفیت مشہور ہے، اور یہ سنت مؤکدہ ہیں"

صاحب تصانیف کثیرہ، شارح مسلم امام محی الدین نوویؒ (م ۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:

"اِعْلَمْ اَنَّ صَلٰوۃَ التَّرَاوِیْحِ سُنَّۃٌ بِاتِّفَاقِ الْمُسْلِمِیْنَ وَھِیَ عِشْرُوْنَ رَکْعَۃً یُسَلِّمُ مِنْ کُلِّ رَکْعَتَیْنِ"۔[۳]

"جان لو کہ نماز تراویح تمام مسلمانوں کے نزدیک سنت ہے، اور یہ بیس رکعات ہیں جن میں ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرا جاتا ہے۔"

مشہور محدث اور فقیہ، حافظ المغرب علامہ ابن عبدالبرؒ (م ۴۶۳ھ) بیس تراویح کے متعلق فرماتے ہیں:

"وَھٰذَا الْاِخْتِیَارُ عِنْدَنَا"[۴]

"یہ بیس تراویح کا قول ہی ہمارے نزدیک پسندیدہ ہے"

---

[۱] المیزان الکبریٰ (۱:۲۱۷، ۲۱۸) طبع دارالکتب العلمیۃ بیروت

[۲] احیاء علوم الدین (۱:۷۴۷، ۷۴۸) طبع دارالمنہاج جدہ

[۳] کتاب الاذکار (ص ۱۷۸) طبع دارالحدیث قاہرہ

[۴] الاستذکار (۲:۷۰) طبع دارالکتب العلمیۃ بیروت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

مشہور محقق، شارح حدیث امام بکیؒ (م ۷۵۶ھ) فرماتے ہیں:

وَقَدْ تَقَرَّرَ اَنَّهٗ عِشْرُوْنَ وَيُوْتِرُ بِثَلَاثٍ۔[۱]

"یہ بات ثابت شدہ ہے کہ تراویح بیس رکعات اور وتر تین ہیں۔"

نیز فرماتے ہیں:

"اِنْ كَانَ تَرْكُهٗ لِلْعِشْرِيْنَ اِعْرَاضًا عَنْهَا، فَيُكْرَهُ، لِاِعْتِمَادِهٖ تَرْكَ السُّنَّةِ الْمَجْمَعِ عَلَيْهَا۔"[۲]

"اگر آدمی بیس رکعات سے اعراض (ناپسندیدگی) کرتے ہوئے اس کو ترک کر دے تو یہ ایک برا عمل ہے، کیونکہ وہ ایک ایسی سنت پر عدم اعتماد کر رہا ہے جو کہ مجمع علیہ (متفق علیہ) ہے۔"

شیخ الاسلام امام زکریا انصاریؒ (م ۹۲۶ھ) جو مرجع الاسانید ہیں، تراویح کی بحث میں رقمطراز ہیں:

"وَهِيَ عِشْرُوْنَ رَكْعَةً بِعَشْرِ تَسْلِيْمَاتٍ فِيْ كُلِّ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ"[۳]

"تراویح رمضان المبارک کی ہر رات میں دس سلاموں کے ساتھ بیس رکعتیں ہیں"

شیخ احمد دردیر مالکیؒ (م ۱۲۰۱ھ) لکھتے ہیں:

"وَهِيَ ثَلَاثٌ وَعِشْرُوْنَ رَكْعَةً بِالشَّفْعِ وَالْوِتْرِ كَمَا كَانَ عَلَيْهِ الْعَمَلُ[۴]

"تراویح وتر سمیت تیئس رکعات ہیں، جیسا کہ اسی پر عمل جاری ہے"

---

[۱] ضوء المصابیح فی صلوۃ التراویح (ص ۳۷۲)

[۲] ایضاً (ص ۳۸۰)

[۳] اسنی المطالب فی شرح روضۃ الطالب (۱:۲۰۰) طبع مصر، المطبعۃ المیمنیۃ قاہرہ

[۴] الشرح الکبیر (۱:۳۱۵) طبع دار احیاء الکتب العربیۃ قاہرہ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ (م ۱۱۷۶ھ) ارقام فرماتے ہیں:

"وَعَدَدُهٗ عِشْرُوْنَ رَكْعَةً وَ ذٰلِكَ اَنَّهُمْ رَأَوُا النَّبِيَّ ﷺ شَرَّعَ لِلْمُحْسِنِيْنَ اِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً فِيْ جَمِيْعِ السَّنَةِ فَحَكَمُوْا اَنَّهٗ لَايَنْبَغِيْ اَنْ يَّكُوْنَ حَظُّ الْمُسْلِمِ فِيْ رَمَضَانَ عِنْدَ قَصْدِهٖ الْاِقْتِحَامَ فِيْ لُجَّةِ التَّشَبُّهِ بِالْمَلَكُوْتِ اَقَلَّ مِنْ ضِعْفِهَا ـ"[۱]

"قیام رمضان (تراویح) کی بیس رکعتیں ہیں، اور یہ اس لیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دیکھا کہ نبی ﷺ نے نیکو کاروں کے لیے (تہجد) کی گیارہ رکعتیں پورے سال مقرر کی ہیں، تو انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ رمضان المبارک میں جب مسلمان تشبہ بالملکوت کے دریا میں غوطہ لگانے کا ارادہ رکھتا ہے تو اس کا حصہ سال بھر والی نماز کی رکعتوں کے دوگنا سے کم نہیں ہونا چاہیے۔"

حضرت شاہ صاحب کے خلف الرشید مسند الہند حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ (م ۱۲۳۹ھ)[۲] لکھتے ہیں:

جب صحابہ کرامؓ کے نزدیک یقیناً ثابت ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ ماہ رمضان شریف میں اس (آٹھ رکعت) سے زیادہ نماز پڑھتے تھے۔ یعنی تراویح کی نماز آنحضرت ﷺ بیس رکعت پڑھتے تھے۔ تو پھر صحابہ کرامؓ نے آنحضرت ﷺ کا یہی فعل اختیار کیا کہ تراویح کی نماز بیس رکعت پڑھا کرتے تھے۔ اور تراویح کی بیس رکعت ہونے پر صحابہؓ کا اجماع ثابت ہے۔ تو یہ امر بھی ضروریات دین سے ہے کہ یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ تراویح کی نماز بیس رکعت ہے، اور اسی پر عمل کرنا چاہیے، اور اسی وجہ سے فقہاء کرام اس بارے میں نہایت

---

[۱] حجۃ اللہ البالغۃ (۲:۱۸) مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی۔

[۲] زبیر علی زئی غیر مقلد نے حضرت شاہ صاحب "کو محدث قرار دیا ہے، اور ان کے متعلق لکھا ہے: "فتاویٰ عزیزی" کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ معتدل قسم کے مقلد تھے۔ (امین اکاڑوی کا تعاقب ص ۴۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

تاکید کرتے ہیں کہ تراویح کی نماز بیس رکعت پڑھنا چاہیے۔[۱]

علامہ سید منصور بن علی ناصف (من علماء الازھر) لکھتے ہیں:

صحابہ کرامؓ نے تراویح کی بیس رکعات مقرر کی ہیں، اور پھر اس پر مداومت کی۔ پس یہ صحابہ کرامؓ کی اجماعی رائے ہوئی جس کو انہوں نے فعل حسن سمجھ کر اختیار کیا۔ فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ (صحابہؓ کا یہ عمل عند اللہ بھی اچھا عمل ہے) اس حدیث کی رو سے جس کو امام مالکؒ نے نقل کیا ہے کہ جس چیز کو مؤمنین اچھا سمجھیں وہ عند اللہ بھی اچھا ہے، الحدیث[۲]

[۱] فتاوی عزیزی مترجم (ص ۴۸۵) طبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

[۲] التاج الجامع للاصول فی احادیث الرسول (۲:۶۶) بحوالہ الدر المنضود شرح اردو سنن ابی داؤد (۲:۵۶۳)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بیس تراویح کا ثبوت
علمائے غیر مقلدین سے

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بیس تراویح کا ثبوت علمائے غیر مقلدین سے

احادیثِ رسول اللہ ﷺ ، آثارِ صحابہؓ، آثارِ تابعین و تبع تابعین، اجماعِ صحابہؓ، توارثِ امت اور ارشاداتِ ائمہ اربعہؒ و دیگر علمائے امت کے بعد اب بیس تراویح کے اثبات میں خود غیر مقلدین کے اپنے اکابر کے کچھ اقوال و ارشادات بھی نقل کیے جاتے ہیں تاکہ اصاغر غیر مقلدین جو ہر طرف بیس تراویح کے خلاف مورچہ زن ہیں، ان پر حجت تام ہو جائے نیز "اَفْضَلُ الشَّهَادَاتِ مَاشَهِدَتْ بِهِ الْأَعْدَاء"۔ (سب سے بہتر گواہی وہ ہے جس کی دشمن بھی گواہی دے)

علامہ داؤد بن علی ظاہریؒ (م ۲۷۰ھ) جو فرقہ ظاہریہ کے امام اور غیر مقلدین کے ہاں نہایت قدر و منزلت کے مالک ہیں، یہ بھی بیس تراویح کے قائل تھے اور ان کے مذہب میں بیس تراویح پڑھنا ہی مسنون ہے۔[۱]

غیر مقلدین کے مجدد العصر اور رئیس المحققین نواب صدیق حسن خان صاحبؒ (م ۱۳۰۷ھ) بھی بیس تراویح کو مسنون کہتے ہیں چنانچہ موصوف لکھتے ہیں:

"پس آں بزیادت عامل بسنت هم باشد"[۲]

"پس حضرت عمرؓ کی بڑھائی ہوئی تعداد یعنی بیس تراویح پر عمل کرنے والا بھی سنت پر عمل کرنے والا ہے۔"

---

[۱] دیکھئے بدایۃ المجتہد (ص ۲۰۲)، شرح المھذب للنوویؒ (۳:۵۲۷)

[۲] ہدایۃ السائل (ص ۱۳۸) مطبوعہ مطبع شاہجہانی بھوپال، فتاویٰ نواب صدیق حسن خانؒ (۱:۳۴۷) مطبوعہ دار ابی الطیب گوجرانوالہ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

جو غیر مقلدین بیس تراویح کو بدعت قرار دیتے ہیں، ان کا رد کرتے ہوئے نواب صاحب لکھتے ہیں:

"اما آنکه جمعی از اهل علم این نماز بست رکعات قرار ده اند، ودرهر رکعت قراءتی معین رامستحسین داشته، این عدد مخصوصه ثابت نشده، ولیکن منجمله چیزے است که بران این معنیٰ صادق است: اَنَّهٗ صَلٰوةٌ وَاَنَّهٗ جَمَاعَةٌ وَاَنَّهٗ رَمَضَانَ پس حکم مبتدیع آں چه معنیٰ؟"[۱]

"اہل علم کی ایک جماعت نے اس نماز کی بیس رکعتیں قرار دی ہیں، اور ہر رکعت کے اندر قرأت کی متعین مقدار کو اچھا سمجھا ہے، تو یہ عدد مخصوص اگر چہ (حضور ﷺ سے) ثابت نہیں ہے، لیکن یہ ایک ایسی چیز ہے کہ اس پر صادق آتا ہے کہ یہ نماز ہے، اور یہ جماعت ہے، اور یہ رمضان المبارک میں ہے، پھر اس کو بدعت کہنے کا کیا مطلب ہے؟"

مشہور غیر مقلد عالم اور نواب صاحب کے صاحبزادے مولانا نور الحسن خان صاحبؒ (م ۱۳۳۶ھ) تحریر کرتے ہیں۔

"پس منع از بست وزیادہ چیزے نیست"[۲]

"پس بیس رکعت تراویح یا اس سے زیادہ رکعات سے منع کرنا کوئی چیز نہیں رکھتا"

اہل عرب کی مشہور علمی شخصیت شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ (م ۱۲۰۶ھ) بھی بیس تراویح کے قائل تھے، چنانچہ شیخ موصوف تحریر کرتے ہیں۔

"وَلَنَا اَنَّ عُمَرَ رضی اللہ عنہ جَمَعَ النَّاسَ عَلٰی اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ رضی اللہ عنہ کَانَ یُصَلِّیْ

---

[۱] بدور الاہلۃ (ص ۸۳) مطبوعہ مطبع شاہجہانی بھوپال

[۲] عرف الجادی (ص ۸۷) مطبوعہ مطبع شاہجہانی بھوپال

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بِهِمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً۔"[۱]

"بیس تراویح کے اثبات میں ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پر جمع کیا تو وہ لوگوں کو بیس تراویح پڑھاتے تھے"

(ف) شیخ موصوف اگرچہ حنبلی المسلک ہیں، جیسا کہ ان کی تصنیفات سے ظاہر ہے، لیکن چونکہ پاک و ہند کے غیر مقلدین ان کو غیر مقلد ہونے کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں، اور اپنے آپ کو ان کا متبع اور تابعدار ٹھہرا کر اہلِ عرب سے ان کی تعلیمات پھیلانے کے نام پر پیسے بٹورتے ہیں۔ لہٰذا ان کا یہ فتوی غیر مقلدین پر حجت ہے اور اس کا ماننا ان پر فرض بھی ہے اور قرض بھی۔

بزرگ غیر مقلد عالم حافظ محمد عبد اللہ غازی پوری (م ۱۳۳۷ھ) جو مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری وغیرہ اکابر علمائے غیر مقلدین کے استاذ ہیں، اور جن کی کتاب "رکعات التراویح" آٹھ رکعات کے اثبات میں لکھی گئی ابتدائی کتب میں سے ہیں، انہوں نے تسلیم کیا ہے کہ لوگ (صحابہؓ وتابعینؒ) حضرت عمرؓ کی رضامندی سے بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔[۲]

نیز آں موصوف لکھتے ہیں:

اگر کوئی کبھی بیس رکعت پڑھ لے تو اس پر انکار نہیں پہنچتا۔[۳]

مولانا نذیر احمد رحمانی صاحبؒ (م ۱۳۸۵ھ) کہ جن کی کتاب "انوار المصابیح" پر غیر مقلدین کی رکعاتِ تراویح میں ساری تحقیقات کا مدار ہے، اور اس کے بعد غیر مقلدین

---

[۱] مجموعہ مؤلفات شیخ محمد بن عبد الوہاب (۴:۱۱۷) طبع دار القاسم ریاض

[۲] مجموعہ فتاوی مولانا عبد اللہ غازی پوری (ص ۲۴۲) مطبوعہ دار ابی الطیب گوجرانوالہ۔

[۳] ایضاً (ص ۲۴۳)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کی جتنی کتابیں "نور المصابیح" "انوار التوضیح" وغیرہ، لکھی گئی ہیں وہ سب اسی کا سرقہ اور چربہ ہیں) آں موصوف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بیس تراویح پڑھے جانے کے متعلق لکھتے ہیں:

فاروق اعظمؓ اس سے روکتے کیوں؟ یہ کوئی معصیت اور منکر کام تو تھا نہیں۔[۱]

نیز لکھتے ہیں:

حضرت عمرؓ نے بیس پر نکیر نہیں فرمائی یہی اہل حدیث کا مذہب بھی ہے۔[۲]

غیر مقلدین کے محدث اعظم مولانا عبد اللہ روپڑیؒ (م ۱۳۸۴ھ) نے بھی تسلیم کیا ہے کہ: ہاں حضرت عمرؓ وغیرہ کے زمانہ میں بیس (تراویح) پڑھی گئی ہیں۔[۳]

نیز لکھتے ہیں: غرض کسی پر کوئی اعتراض نہیں۔ خواہ کوئی بیس پڑھے، خواہ چوبیس پڑھے، خواہ چھتیس پڑھے، خواہ اڑتالیس پڑھے، خواہ چالیس۔[۴]

غیر مقلدین کے مشہور مرکز مدرسہ رحمانیہ کے مدرسین اور محدث نے اپنے رسالہ "محدث" میں یہ بیان دیا تھا کہ آٹھ سے زیادہ (بیس) تراویح پڑھنا درست اور باعث اجر ہے۔[۵]

غیر مقلدین کے شیخ الکل مولانا نذیر حسین دھلویؒ (م ۱۳۲۰ھ) کے شاگرد خاص اور غیر مقلدین کے بزرگ عالم دین مولانا میاں غلام رسول صاحبؒ (م ۱۲۹۱ھ) بھی بیس تراویح کے زبردست حامی اور صرف آٹھ تراویح کو مسنون کہنے والوں کے سخت مخالف تھے، اور جب مفتی محمد حسین بٹالویؒ غیر مقلد (م ۱۳۳۸ھ) نے آٹھ تراویح کے سنت اور بیس تراویح

---

[۱] انوار المصابیح (۲۳۲) مطبوعہ اشاعت قرآن وحدیث پاکستان

[۲] ایضاً (ص ۲۳۳)

[۳] اہل حدیث کے امتیازی مسائل (ص ۹۹) مطبوعہ مکتبہ عزیزیہ لاہور

[۴] ایضاً (ص ۱۰۲)

[۵] فتاویٰ ستاریہ (۱۹:۳)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کے بدعت ہونے کا فتویٰ دیا تو اس فتوی کا رد سب سے پہلے میاں صاحبؒ نے ہی ایک رسالہ کی صورت میں لکھا، چنانچہ وہ اپنے اس رسالہ میں مفتی بٹالوی کے فتوی کا رد کرنے کے بعد آخر میں بڑی دلسوزی سے فرماتے ہیں:

یہ مفتی سینہ زوری کے ساتھ سنت کی پیروی کرنے والوں کے عمل (بیس تراویح) کو بدعت کہتا ہے، اور حضرت عمرؓ کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک حضرات صحابہ کرامؓ، تابعین، ائمہ مجتہدین اور مشرق و مغرب کے علماء کی بہت بڑی جماعت کو مخالفِ سنت قرار دیتا ہے۔ العیاذ باللہ[۱]

مشہور غیر مقلد عالم مولانا وحید الزمانؒ (م ۱۳۳۸ھ) مترجم صحاح ستہ ارقام فرماتے ہیں:

کوئی یہ وہم نہ کرے کہ حضرت عمرؓ نے اپنی طرف سے (تراویح کی جماعت مقرر کر کے۔ ناقل) دین میں ایک بات شریک کر دی جس کا اختیار ان کو نہ تھا، اسی طرح بیس رکعت کا حکم اپنی رائے سے دے دیا۔ حاشا وکلا۔ کہ حضرت عمرؓ ایسا کرتے، بلکہ انہوں نے طریقہ نبوی ﷺ کا اتباع کیا... حضرت عمرؓ نے ضرور آنحضرت ﷺ کو بیس رکعتیں تراویح کی بھی پڑھتے دیکھا ہوگا، گو ہم تک یہ روایت بہ سند صحیح نہیں پہنچی۔

اس کی سند میں ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان منکر الحدیث ہے۔ مگر حضرت عمرؓ کا زمانہ اس سے بہت پہلے تھا ان کو بہ سند صحیح یہ (روایت) پہنچ گئی ہو گی، یا انہوں نے خود (رسول اللہ ﷺ کو بیس رکعات تراویح پڑھتے۔ ناقل) دیکھا ہوگا۔[۲]

غیر مقلد عالم اور شاعر مولانا حافظ محمد لکھوی صاحبؒ (م ۱۳۱۱ھ) اپنی پنجابی کی ایک نظم میں بیس تراویح کو آٹھ تراویح پر ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

---

[۱] ینابیع ترجمہ رسالہ تراویح (ص ۵۶، ۵۷) مطبوعہ مکتبہ صفدریہ گوجرانوالہ

[۲] لغات الحدیث، (جلد چہارم، کتاب واؤ، مادہ "وزع") مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بعض آٹھ رکعاتاں پڑھدے بعضے ویہ (۲۰) رکعاتاں
جتنی ودھ عبادت رب دی اتنیاں ہی ودھ براتاں [۱]

"کچھ لوگ آٹھ رکعات تراویح پڑھتے ہیں، اور کچھ بیس رکعات، جتنی زیادہ اللہ کی عبادت کی جائے اتنا زیادہ فائدہ حاصل ہوگا"

۞۞۞۞۞

[۱] محامد الاسلام (ص ۱۰) بحوالہ خزائن السنن (۲:۴۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

——— حصہ دوم ———

رکعات تراویح ایک تحقیقی جائزہ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

باسمہ سبحانہ

حصہ دوم

حصہ اول میں احادیثِ رسول ﷺ، آثارِ صحابہؓ، آثارِ تابعین وتبع تابعین، اجماع صحابہؓ توارثِ امت، اقوالِ ائمہ اربعہؒ و دیگر علمائے کرام (بشمول علمائے غیر مقلدین) سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ تراویح کا مسنون عدد بیس ہے، اور بیس تراویح سے کم تراویح پڑھنا قطعاً جائز نہیں ہے۔ ان دلائل پر غیر مقلدین کی طرف سے وارد تقریباً تمام اعتراضات کے مسکت اور ٹھوس جوابات بھی قارئین ملاحظہ کر چکے ہیں۔ حصہ دوم میں ہم غیر مقلدین حضرات کے اس دعوٰی کہ تراویح صرف آٹھ رکعات ہی مسنون ہیں، کا جائزہ لیں گے، اور اس دعوٰی کے اثبات میں وہ جتنے دلائل پیش کرتے ہیں، ان کی حقیقت بھی تفصیل کے ساتھ قارئین کے سامنے واضح کریں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ لیکن اس سے پہلے رکعاتِ تراویح سے متعلق غیر مقلدین کے مختلف نظریات ملاحظہ فرمائیں۔

غیر مقلدین کے تراویح اور رکعاتِ تراویح سے متعلق مختلف نظریات

(۱) غیر مقلدین کے سنجیدہ حضرات جیسے نواب صدیق حسن خان صاحبؒ (م ۱۳۰۷ھ) مولانا میاں غلام رسول صاحبؒ (م ۱۲۹۱ھ) وغیرہ جمہور امت کی طرح بیس تراویح کے مسنون ہونے کے قائل ہیں، جیسا کہ آپ حصہ اوّل میں ان کے اقوال ملاحظہ کر چکے ہیں۔

(۲) غیر مقلدین میں جو سخت اور متعصب قسم کے لوگ ہیں وہ صرف گیارہ رکعات کو ہی مسنون کہتے ہیں، اور ان کا دعوٰی ہے کہ صرف گیارہ رکعات ہی رسول اللہ ﷺ اور

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہیں، اور گیارہ کے علاوہ کوئی اور عدد تراویح کا نہ نبی ﷺ سے ثابت ہے، اور نہ ہی کسی خلیفہ راشد سے بہ سند صحیح منقول ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری (م ۱۳۵۳ھ) لکھتے ہیں:

"وَهُوَ الثَّابِتُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بِالسَّنَدِ الصَّحِيْحِ ،وَبِهَا اَمَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رضي الله عنه، وَاَمَّا الْاَقْوَالُ الْبَاقِيَةُ فَلَمْ يَثْبُتْ وَاحِدٌ مِنْهَا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بِسَنَدٍ صَحِيْحٍ ، وَلَا يَثْبُتُ الْاَمْرُ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ بِسَنَدٍ صَحِيْحٍ خَالٍ مِّنَ الْكَلَامِ ۔"[۱]

"صرف گیارہ رکعات کا مسنون ہونا ہی نبی ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے، اور اسی کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم فرمایا تھا، گیارہ رکعات کے علاوہ باقی جتنے اقوال ہیں ان میں سے ایک بھی صحیح سند کے ساتھ جس میں کلام نہ ہو، نہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، اور نہ ہی خلفائے راشدین میں سے کسی ایک خلیفہ کے امر سے ثابت ہے۔"

(۳) غیر مقلدین میں بعض ایسے حضرات بھی ہیں جو گیارہ رکعات سے زائد تراویح پڑھنے کو بدعت تک کہہ دیتے ہیں اَلْعِيَاذُ بِاللّٰہِ۔

مولوی محمد عثمان دہلوی لکھتے ہیں:

مقلدین کی ایک بڑی جماعت نے بیس رکعت مقرر کر کے بدعت شنیعہ کا ارتکاب کیا ہے۔[۲]

مولوی یونس قریشی دہلوی (م ۱۳۸۷ھ) لکھتے ہیں:

البتہ بیس یا تیئس کی تعداد معین اور خاص کرنا درست نہیں، کیونکہ اس عمل کے بدعت

---

[۱] تحفۃ الاحوذی (۳: ۵۲۳) طبع دار الفکر بیروت

[۲] رفع الاختلاف (ص ۵۴) بحوالہ تحقیق مسئلہ تراویح (ص ۸)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ہو جانے کا خوف ہے۔[۱]

(۴) بعض حضرات غیر مقلدین جو سنت تو صرف آٹھ رکعات تراویح کو کہتے ہیں، البتہ آٹھ سے زائد رکعات کو وہ بدعت نہیں کہتے، بلکہ مستحب قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ مشہور غیر مقلد مصنف مولانا محمد صادق سیالکوٹی صاحبؒ لکھتے ہیں:

رسول اللہ کی سنت پاک تو آٹھ رکعات تراویح ہی ہے، اور اس سے زائد پڑھنا سنت نہیں بلکہ نافلہ عبادت ہے۔[۲]

مولانا نذیر احمد رحمانیؒ (م ۱۳۸۵ھ) لکھتے ہیں:

اہل حدیث بھی یہی کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کے فعل سے جو تعداد بسند صحیح ثابت ہے، وہ سنت اور بہتر ہے۔ باقی نفلی نماز کی حیثیت سے اس کی کوئی تحدید و تعیین نہیں ہے، جس سے جتنی ہو سکے پڑھے۔[۳]

مولانا محمد داؤد غزنویؒ (م ۱۳۸۳ھ) سابق امیر جماعت اہل حدیث پاکستان، بھی تصریح کرتے ہیں کہ آٹھ تراویح سنت رسول اللہ کی ہے، اور باقی بارہ رکعت مستحب ہیں۔[۴]

مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ (م ۱۳۶۷ھ) لکھتے ہیں:

ہم کہتے ہیں کہ گیارہ رکعتیں تو سنت ہیں، ہاں اگر کسی سے ہو سکے کہ باطمینان خاطر بیس پڑھے تو آٹھ سے زیادہ نوافل کے حکم میں ہو کر موجب ثواب ہوں گی۔[۵]

مولانا عبد الغفور رمضان پوری بہاریؒ سے سوال کیا گیا کہ کیا آٹھ ہی رکعت تراویح

---

[۱] دستور المتقی (ص ۱۴۲)

[۲] صلوٰۃ الرسول (ص ۳۸۵) ناشر نعمانی کتب خانہ لاہور

[۳] انوار المصابیح (ص ۴۴) ناشر ادارہ قرآن و حدیث پاکستان

[۴] فتاویٰ علمائے حدیث (۶:۲۶۵) ناشر مکتبہ اصحاب الحدیث لاہور

[۵] رسائل ثنائیہ (ص ۹۱) ناشر مکتبہ محمدیہ لاہور

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

سنت ہے، تو انہوں نے جواب میں فرمایا: ہاں مگر باقی مستحب ہے۔[۱]

⑤ کفایت اللہ سنابلی صاحب لکھتے ہیں:

ہمارا موقف یہی ہے کہ گیارہ سے زائد رکعات پڑھنا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے، نہ رمضان میں نہ غیر رمضان میں، البتہ گیارہ سے کم رکعات کی ہم نفی نہیں کرتے۔[۲]

⑥ اس کے برعکس مولانا بدیع الدین راشدی (م ۱۴۱۶ھ) لکھتے ہیں:

مسنون آٹھ ہی رکعتیں ہیں، نہ اس سے کم نہ اس سے زیادہ[۳]۔

⑦ ان دونوں (سنابلی، راشدی) صاحبان کے بیانات سے معلوم ہو رہا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آٹھ رکعات تراویح سے زیادہ پڑھنا ثابت نہیں ہے، نیز مولانا عبید اللہ عفیف (م ۱۴۴۳ھ) نے لکھا ہے کہ: آپ ﷺ ہمیشہ آٹھ ہی پڑھتے تھے۔[۴] جب کہ ان کے برعکس مولانا عبد اللہ غازیپوری (م ۱۳۳۷ھ) اور مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری (۱۳۵۳ھ) وغیرہ علمائے غیر مقلدین تصریح کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کبھی آٹھ رکعات سے زیادہ بھی تراویح پڑھی ہیں۔[۵]

⑧ غیر مقلدین میں ایک جماعت ایسے لوگوں کی بھی ہے جو نماز تراویح کو جماعت سے ہی پڑھنے کے مخالف ہیں، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قائم کردہ اس طریقہ جماعت کو اَلْعِیَاذُ بِاللہ بدعت عمری اور بدعت ضلالہ گردانتے ہیں۔ چنانچہ جماعت غیر مقلدین

---

[۱] فتاویٰ علمائے حدیث (۶:۳۴۲)

[۲] انوار التوضیح (ص ۱۴۹)

[۳] مقالات راشدیہ (۳:۵۰۱)

[۴] فتاویٰ علمائے حدیث (۶:۳۷۴)

[۵] رکعات التراویح (ص ۵)، تحفۃ الاحوذی (۳:۵۲۴)، فتاویٰ علمائے حدیث (۶:۳۰۶)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کے سرخیل اور ان کے مشہور محقق علامہ امیر یمانی صاحبؒ (م ۱۱۸۲ھ) جماعتِ تراویح کے متعلق لکھتے ہیں:

"وَالْمُحَافَظَةُ عَلَيْهَا هُوَ الَّذِيْ نَقُوْلُ اَنَّهُ بِدْعَةٌ"۔[۱]

"تراویح کی جماعت کے ساتھ باقاعدگی سے ادائیگی کو ہم (غیر مقلدین) بدعت کہتے ہیں۔"

اس سے چند سطور قبل امیر یمانی صاحب لکھتے ہیں:

"اَنَّ عُمَرَ رضی اللہ عنہ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَهُ جَمَاعَةً عَلٰى مُعَيَّنٍ وَسَمَّاهَا بِدْعَةً، وَاَمَّا قَوْلُهُ: نِعْمَ الْبِدْعَةُ، فَلَيْسَ فِي الْبِدْعَةِ مَا يُمْدَحُ، بَلْ كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ"۔[۲]

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہی تراویح کو ایک معین امام کے ساتھ جماعت کی صورت دی، اور اس کا نام بدعت رکھا، آپ کا یہ قول کہ یہ اچھی بدعت ہے تو بدعت کوئی بھی قابل تعریف نہیں، بلکہ ہر بدعت ضلالہ (گمراہی) ہے۔" نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ قَوْلِهٖ

نامور غیر مقلد عالم نواب نور الحسن بن نواب صدیق حسن خاں (م ۱۳۳۶ھ) کا بھی یہی موقف ہے۔[۳]

(۹) جماعت غیر مقلدین کے بعض علماء تراویح کی جماعت کو سنت نہیں سمجھتے، لیکن یہ سابقہ جماعت کی نسبت تھوڑے نرم ہیں، اور اس کو بدعت ضلالہ کی بجائے بدعت حسنہ کہتے ہیں۔

چنانچہ مشہور غیر مقلد مولانا عبد القادر حصاروی صاحب (م ۱۴۰۱ھ) لکھتے ہیں:

مسجد میں جماعت سے عشاء کے بعد ہمیشہ تراویح پڑھنا بدعت حسنہ ہے، سنت مؤکدہ

---

[۱] سبل السلام (۲:۱۱) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

[۲] ایضاً

[۳] فتح العلام لشرح بلوغ المرام (ص ۲۳۳، ۲۳۴) طبع دار ابن حزم بیروت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

نہیں، بلکہ سنت نبوی اور سنت خلفاء اربعہ بھی نہیں ہے۔[۱]

(۱۰) بعض دوسرے غیر مقلدین سابقہ غیر مقلدین کے بالمقابل تراویح کے لیے جماعت کو صرف جائز ہی نہیں بلکہ ضروری قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ بزرگ غیر مقلد عالم حافظ عبداللہ غازی پوریؒ (م ۱۳۳۷ھ) نے تراویح کے لیے جماعت کو شرط قرار دیا ہے۔[۲]

(۱۱) نامور غیر مقلد عالم مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی (م ۱۳۶۹ھ) تراویح مسجد میں باجماعت پڑھنے کو مسنون قرار دیتے ہیں، اور اس کے اثبات میں انہوں نے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے، جس کا نام ہے: حسن الصناعة فی صلوة التراویح بالجماعة، یہ رسالہ ادارۃ البحوث الاسلامیہ بنارس سے طبع ہو چکا ہے۔

(۱۲) قاضی شوکانیؒ (م ۱۲۵۰ھ) وغیرہ غیر مقلدین تراویح کو جماعت اور بلاجماعت دونوں صورتوں میں ادا کرنے کو جائز کہتے ہیں۔[۳]

حضرات! یہ ہیں علمائے غیر مقلدین کے تراویح اور رکعاتِ تراویح سے متعلق بارہ قسم کے مختلف نظریات، ان میں سے ہر ایک نظریہ دوسرے سے بالکل جدا اور مختلف ہے۔ اب ہم موجودہ جماعت اہل حدیث (غیر مقلدین) کی خدمت میں بصد ادب عرض کرتے ہیں کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں وہ فیصلہ کریں کہ ان مذکورہ نظریات میں سے کون کون سا نظریہ درست اور کون کون سا غلط ہے؟ اور موجودہ جماعت اہل حدیث (غیر مقلدین) کا اب کون سا نظریہ ہے؟ نیز یہ بھی بتلایا جائے کہ آپ کے جن اکابر نے بدعت کو سنت اور مستحب یا سنت اور مستحب کو بدعت کہا ہے، قرآن وحدیث کی رو سے ان کے

---

[۱] صحیفہ اہل حدیث کراچی یکم رمضان ۱۳۹۲ھ بحوالہ رسالہ تحقیق مسئلہ تراویح (ص ۴۲)

[۲] دیکھئے مجموعہ رسائل حافظ عبداللہ غازی پوری (ص ۲۷۳) مطبوعہ دار ابی الطیب گوجرانوالہ، فتاوی علمائے حدیث (۶:۲۴۳)

[۳] نیل الاوطار (۱:۵۱۴) طبع دار المعرفہ بیروت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بارے میں آپ کا کیا فیصلہ ہے؟ جب تک جماعت یہ فیصلہ نہیں کر پاتی اس وقت تک ہم یہی کہیں گے۔ ؎

کس کا یقین کیجیے کس کا یقین نہ کیجیے

لائے ہیں بزم دوست سے یار خبر الگ الگ

آٹھ اور بیس تراویح کے دلائل میں موازنہ

حصہ اول میں بیس تراویح کے اثبات میں ٹھوس اور صریح دلائل آپ نے ملاحظہ کر لیے ہیں، اب آپ صرف آٹھ تراویح کے اثبات میں غیر مقلدین کے ذکر کردہ دلائل مع جوابات ملاحظہ کریں، تاکہ تصویر کے دونوں رخ آپ کے سامنے آجائیں، اور آپ دونوں قسم کے دلائل میں صحیح طور پر موازنہ کرسکیں، کیونکہ مشہور ہے کہ:

ع وَبِضِدِّهَا تَتَبَيَّنُ الْأَشْيَاءُ

تنبیہ ضروری:

یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ ہم حصہ دوم میں بھی یہی کوشش کریں گے کہ جو بات بھی لکھی جائے وہ مُدلّل اور باحوالہ ہو۔ ان شاء اللہ العزیز یہاں بھی حصہ اول کی طرح تمام حوالہ جات غیر مقلدین کے مستند اور مسلمہ علماء کی تصریحات کی روشنی میں ہونگے۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

آٹھ تراویح کے اثبات میں
غیر مقلدین کے دلائل کا جائزہ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

آٹھ تراویح کے اثبات میں

غیر مقلدین کے دلائل کا جائزہ

پہلی دلیل: حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رمضان ہو یا غیر رمضان رسول اللہ ﷺ گیارہ رکعات سے زائد نہیں پڑھتے تھے، آپ ﷺ چار رکعات پڑھتے ان کی خوبی اور درازی کے بارے میں نہ پوچھو، پھر آپ ﷺ چار رکعات پڑھتے پس ان کی خوبی اور درازی کے بارے میں نہ پوچھو، پھر آپ تین رکعات (وتر) پڑھتے، الخ۔ [۱]

جب کہ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز کے فارغ ہونے کے بعد صبح تک گیارہ رکعات پڑھتے تھے، اور ہر دو رکعتوں پر سلام پھیرتے تھے، اور ایک وتر پڑھتے تھے، الخ۔ [۲]

جواب:

غیر مقلدین کی اپنے دعویٰ (آٹھ تراویح) کے اثبات میں اس مرکزی دلیل کے متعدد جوابات میں سے صرف دس جوابات ہدیہ ناظرین ہیں۔

جواب اول: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بیان کردہ یہ دونوں حدیثیں باقرار غیر مقلدین:

---

[۱] صحیح بخاری (۱:۲۶۹)

[۲] صحیح مسلم (۱:۲۵۴) ماخوذ از تعداد رکعات قیام رمضان (ص ۱۲، ۱۳) از حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کیفیت اور عدد دونوں لحاظ سے ایک دوسرے سے معارض ہیں۔ چنانچہ کیفیت کے لحاظ سے یہ دونوں حدیثیں باہم معارض اس طرح ہیں کہ مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر دو رکعتوں پر سلام پھیرتے تھے، اور ایک وتر پڑھتے تھے، جب کہ بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ رکعاتیں چار چار کر کے پڑھتے تھے، یعنی ہر چار رکعتوں کے بعد سلام پھیرتے تھے، اور تین وتر (ایک سلام کے ساتھ) پڑھتے تھے۔

چنانچہ علامہ امیر یمانی صاحب ؒ غیر مقلد (م ۱۱۸۲ھ) اس حدیث کے الفاظ "یُصَلِّی اَرْبَعًا" کے ذیل میں تحریر کرتے ہیں:

"یَحْتَمِلُ اَنَّهَا مُتَّصِلَاتٌ وَهُوَ الظَّاهِرُ، وَیَحْتَمِلُ اَنَّهَا مُنْفَصِلَاتٌ وَهُوَ بَعِیْدٌ۔"[۱]

"احتمال ہے کہ یہ چار رکعتیں اکٹھی یعنی ایک سلام کے ساتھ تھیں، اور یہی اس کے ظاہری معنی ہیں، اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ چار رکعتیں علیحدہ علیحدہ یعنی دو سلاموں کے ساتھ ہوں، لیکن یہ احتمال (حقیقت سے) بعید ہے۔"

غیر مقلدین کے مشہور محدث اور مصنف مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری صاحب ؒ (م ۱۳۵۳ھ)، علامہ امیر یمانی ؒ کے مذکورہ قول کو نقل کرنے کے بعد ارقام فرماتے ہیں:

"وَالْاَمْرُ کَمَا قَالَ"۔ اصل بات وہی ہے جو علامہ امیر یمانی ؒ نے کہی ہے۔

نیز مبارکپوری صاحب اس حدیث کے الفاظ: ثُمَّ یُصَلِّی ثَلَاثًا (آپ ﷺ پھر تین رکعات (وتر) پڑھتے تھے) کی شرح میں لکھتے ہیں:

---

[۱] سبل السلام (۲:۱۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

"وَالظَّاهِرُ اَنَّهَا مُتَّصِلَاتٌ ۔"[۱]

"ظاہر یہی ہے کہ یہ تین رکعات بھی ایک سلام کے ساتھ تھیں"

غیر مقلدین کے مجلہ ہفت روزہ الاعتصام لاہور کے مفتی اور غیر مقلدین کے مشہور شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی (م ۱۴۴۲ھ) اس سوال کے جواب میں کہ کیا چار نوافل اکٹھے ایک سلام کے ساتھ پڑھے جاسکتے ہیں، لکھتے ہیں:

صحیح بخاری وغیرہ میں تہجد کے بیان میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے:" كَانَ يُصَلِّيْ اَرْبَعًا " کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم چار رکعات پڑھتے تھے، اور ظہر کے فرض سے پہلے بھی بخاری میں چار رکعات کی تصریح ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ چار نوافل اکٹھے پڑھنے کا جواز ہے۔[۲]

مولانا محمد صادق سیالکوٹی صاحبؒ اپنی مشہور کتاب "صلوۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم" میں اس حدیث کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کا غالب معمول یہ تھا کہ آپ آٹھ رکعت تہجد چار چار رکعات کی نیت سے دو سلام میں پڑھتے تھے، اور پھر تین وتر۔[۳]

بزرگ غیر مقلد عالم مولانا میاں غلام رسول صاحبؒ (م ۱۲۹۱ھ)، مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ (م ۱۳۲۹ھ)، نواب صدیق حسن خانؒ (م ۱۳۰۷ھ) اور ان کے صاحبزادے نواب نور الحسن (م ۱۳۳۶ھ) نے بھی ان چار رکعتوں کو ایک سلام کے

---

[۱] تحفۃ الاحوذی (۲: ۵۱۷، ۵۱۸)

[۲] ہفت روزہ الاعتصام (ص ۵، ۱۲ تا ۱۸ فروری ۱۹۹۹ء)

[۳] صلوٰۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم (ص ۳۷۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ساتھ قرار دیا ہے۔[1]

اکابر علمائے غیر مقلدین کی ان تصریحات سے ثابت ہو گیا کہ بخاری شریف والی روایت میں یہ چار چار رکعتیں ایک سلام کے ساتھ مراد ہیں۔یعنی رسول اللہ ﷺ ہر چار رکعات کے بعد سلام پھیرتے تھے، اور یہ صحیح مسلم کی روایت سے معارض ہے، جس میں تصریح ہے کہ آپ ﷺ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرتے تھے۔اسی طرح بخاری والی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین وتر (ایک سلام کے ساتھ) پڑھتے تھے، جب کہ صحیح مسلم میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک وتر پڑھتے تھے۔

نیز یہ دونوں روایتیں عدد کے لحاظ سے بھی ایک دوسرے کے مخالف ہیں، کیونکہ بخاری شریف کی روایت میں آٹھ رکعات (قیام اللیل) اور تین رکعات (وتر) کا ذکر ہے، جب کہ مسلم شریف کی روایت میں (بقول غیر مقلدین) صرف ایک وتر اور دس رکعات قیام اللیل کا ذکر ہے۔

اب یہ دونوں روایتیں باقرار غیر مقلدین عدد اور کیفیت دونوں اعتبار سے ایک دوسرے سے معارض ہیں، لہٰذا دو باہم معارض روایتوں سے غیر مقلدین کا حجت پکڑنا باطل ہو گیا کیونکہ ”إِذَا تَعَارَضَا تَسَاقَطَا“ (جب دو روایتیں باہم معارض ہوں تو دونوں ساقط ہو جاتی ہیں)۔

اور اس اصول کو علمائے غیر مقلدین بھی تسلیم کرتے ہیں، چنانچہ مولانا محمد بشیر سہسوانی (م ۱۳۲۶ھ) لکھتے ہیں:

سفیان و شریک کی روایت جب مختلف ہے تو موافق قاعدہ إِذَا تَعَارَضَا تَسَاقَطَا

---

[1] رسالہ تراویح مع ترجمہ ینابیع (ص ۵۸)، عون المعبود (۳:۱۲۵)، عون الباری (۳:۴۴۵)، فتح العلام (ص ۲۳۶)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کے ساتھ ساقط ہو جائیں گے۔[۱]

نیز لکھتے ہیں:

روایت ابونعیم بقاعدہ: ''اِذَا تَعَارَضَا تَسَاقَطَا'' ہوگئی۔[۲]

مولانا محمد شرف الدین دہلویؒ (م ۱۳۸۱ھ) ارقام فرماتے ہیں:

برابر اور ایک درجے کی دو روایتیں آپس میں متعارض اور مخالف ہوں تو دونوں گر جاتی ہیں، کسی پر عمل نہیں کیا جاتا۔[۳]

اور بزرگ غیر مقلد عالم مولانا محمد گوندلویؒ (م ۱۴۰۵ھ) کی تصریح کے مطابق ''صحیح بخاری'' و ''صحیح مسلم'' کی ان احادیث کی صحت قطعی ہے کہ جن کے معانی میں تعارض نہ ہو۔[۴]

اب جب کہ مذکورہ دونوں حدیثوں کے معانی میں نہ صرف تعارض ہے، بلکہ ان دونوں کے الفاظ بھی باقرار علمائے غیر مقلدین باہم متعارض ہیں تو پھر ان کی صحت قطعی طور پر کیسے ثابت ہو سکتی ہے؟

اس تفصیل سے بعض غیر مقلدین کا یہ عذر لنگ بھی باطل ہو گیا کہ ''صحیح مسلم'' کی روایت ''صحیح بخاری'' کی روایت کے لیے مفسر ہے[۵]، کیونکہ جب خود علمائے غیر مقلدین کے مسلمات کی روشنی میں ثابت ہو گیا کہ یہ دونوں حدیثیں عدد اور کیفیت دونوں اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف اور معارض ہیں تو پھر ایک دوسرے کے لیے مفسر کیسے ہو گئیں؟

جوابِ ثانی: اس حدیث سے رکعاتِ تراویح پر استدلال ہی فضول ہے،

---

[۱] البرهان العُجاب (ص ۲۷۴)

[۲] ایضاً (ص ۲۸۲)

[۳] کشف الحجاب (ص ۲۸۲)

[۴] دوام حدیث (ص ۴۰۲) ناشر ام القریٰ پبلی کیشنز گوجرانوالہ

[۵] تعداد رکعات قیام رمضان (ص ۷۵)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس حدیث میں جس نماز کا تذکرہ فرما رہی ہیں وہ تہجد کی نماز ہے، اس کا تراویح کی نماز سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ چنانچہ روایت مسلم میں تو سرے سے رمضان کا ذکر ہی نہیں، لہٰذا یہ روایت تو موضوع (رکعات تراویح) سے ہی خارج ہے، کفایت اللہ سنابلی صاحب اسی طرح کی ایک روایت کو خارج از تراویح قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں: اور صحیح مسلم میں اس واقعہ میں رمضان کا لفظ نہیں ہے۔[۱] اور بخاری کی روایت میں اگرچہ رمضان کا ذکر ہے، لیکن اس میں ساتھ غیر رمضان کا لفظ بھی صریح ہے جو کہ اس کے نماز تہجد ہونے پر دال ہے۔ کیونکہ غیر رمضان میں تراویح نہیں ہوتیں، بلکہ جو نماز پورا سال (رمضان و غیر رمضان میں) پڑھی جاتی ہے وہ نماز تہجد کہلاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کئی بڑے بڑے محدثین نے اس حدیث کو تہجد سے متعلق قرار دیا ہے۔ مثلاً

شارح ترمذی علامہ ابوبکر ابن العربیؒ (م ۵۴۳ھ) ارقام فرماتے ہیں:

”فَمَا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ زَادَ فِيْ رَمَضَانَ وَلَا فِيْ غَيْرِهٖ إِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً، وَهٰذِهٖ هِيَ قِيَامُ اللَّيْلِ فَوَجَبَ أَنْ يُّقْتَدٰى فِيْهَا بِالنَّبِيِّ ﷺ۔“[۲]

”نبی اکرم ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ یہ آپ ﷺ کی نماز ”قیام اللیل“ (تہجد) تھی۔ پس واجب ہے کہ اس میں آپ ﷺ کی اقتداء کی جائے۔“

شارح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) اس روایت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تہجد سے متعلق قرار دے کر گیارہ رکعات (تہجد مع الوتر) کی حکمت یہ بیان فرماتے ہیں:

”وَظَهَرَ لِيْ أَنَّ الْحِكْمَةَ فِيْ عَدَمِ الزِّيَادَةِ عَلٰى إِحْدٰى عَشْرَةَ أَنَّ التَّهَجُّدَ وَالْوِتْرَ مُخْتَصٌّ بِصَلٰوةِ اللَّيْلِ، وَفَرَائِضُ النَّهَارِ: الظُّهْرُ

---

[۱] انوار التوضیح (ص ۱۴۸)

[۲] عارضۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی (۹:۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

وَهِيَ اَرْبَعٌ، وَالْعَصْرُ وَهِيَ اَرْبَعٌ، وَالْمَغْرِبُ وَهِيَ ثَلَاثٌ وِتْرُ النَّهَارِ، فَنَاسَبَ اَنْ تَكُوْنَ صَلٰوةُ اللَّيْلِ كَصَلٰوةِ النَّهَارِ فِي الْعَدَدِ جُمْلَةً وَّ تَفْصِيْلاً۔"[۱]

"مجھ پر یہ ظاہر ہوا ہے کہ گیارہ رکعات سے زائد رکعت نہ ہونے کی حکمت یہ ہے کہ تہجد اور وتر رات کی نماز کے ساتھ خاص ہیں، اور دن کے فرائض گیارہ ہیں، ظہر کے چار فرض، عصر کے چار فرض، اور مغرب کے تین فرض جو دن کے وتر ہیں، پس مناسب ہوا کہ رات کی نماز بھی اجمال اور تفصیل دونوں میں دن کی نماز کے مشابہ ہو جائے۔

قاضی عیاض مالکیؒ (م ۵۴۲ھ) نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ان تمام روایات کہ جن میں رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز کا ذکر ہے، کو تراویح کی بجائے صلوٰۃ اللیل (نماز تہجد) سے متعلق قرار دیا ہے۔[۲]

محدث علامہ ملا علی قاریؒ (م ۱۰۱۴ھ) نے بھی اس حدیث کو تہجد سے متعلق قرار دیا ہے، چنانچہ وہ حدیث ابن عباسؓ (بابت بیس تراویح) اور مذکورہ حدیثِ عائشہؓ میں تطبیق دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

" ثُمَّ الظَّاهِرُ مِنْ كَلَامِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا اَنَّهُ كَانَ يُصَلِّيْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً فِيْ لَيَالِيْ رَمَضَانَ مِنْ اَوَّلِهَا وَكَلَامُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا مُصِيْرٌ اِلٰى صَلَاتِهِ التَّهَجُّدِ كَمَا بَيَّنَتْهُ بِقَوْلِهَا: يُصَلِّيْ اَرْبَعًا. ظَاهِرُهٗ اَنَّهٗ بِسَلَامٍ وَّاحِدٍ۔"[۳]

" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا کلام (حدیث) کہ نبی ﷺ رمضان کی

---

[۱] فتح الباری شرح صحیح بخاری (۳:۲۶،۲۷)

[۲] دیکھئے شرح صحیح مسلم للنووی (۶:۲۵)

[۳] فتح المغطی شرح کتاب الموطا (۱:۲۹۴) طبع البشری پبلشرز کراچی

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

راتوں میں بیس رکعات پڑھتے تھے، یہ اوّل رات کی نماز (تراویح) پر محمول ہے، جب کہ حضرت عائشہ رَضِیَ اللہ عَنْہَا کی حدیث آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نمازِ تہجد پر محمول ہے، جیسا کہ حضرت عائشہ رَضِیَ اللہ عَنْہَا نے خود اپنے اس قول میں بیان کر دیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس نماز کو چار چار رکعت کر کے پڑھتے تھے، جس کا ظاہری مطلب یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر چار رکعات کے بعد سلام پھیرتے تھے۔"

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (م ۱۰۵۲ھ) اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

وصحیح آنست کہ آنچہ آنحضرت ﷺ گزاردہمان نماز تہجد دے بود کہ یازدہ رکعت باشد۔[۱]

"صحیح یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو گیارہ رکعات پڑھتے تھے وہ تہجد کی نماز تھی۔"

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ (م ۱۲۳۹ھ) فرماتے ہیں:

آن روایت محمول بر نماز تہجد است کہ در رمضان وغیر رمضان یکساں بود۔[۲]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت تہجد پر محمول ہے کہ وہ رمضان وغیر رمضان میں برابر تھی۔

قاضی محمد بن علی شوکانیؒ (م ۱۲۵۰ھ) غیر مقلد تحریر کرتے ہیں:

"وَقَدْ وُرِدَ عَنْ عَائِشَةَ فِي الْأَخْبَارِ عَنْ صَلٰوتِهٖ بِاللَّيْلِ رِوَايَاتٌ مُخْتَلِفَةٌ... وَمِنْهَا عِنْدَ الشَّيْخَيْنِ أَنَّهٗ مَا كَانَ يَزِيْدُ ﷺ فِيْ رَمَضَانَ وَلَا فِيْ غَيْرِهٖ عَلٰى إِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُصَلِّيْ أَرْبَعًا۔"[۳]

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رات کی نماز (تہجد) کے

---

[۱] اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ (۱:۵۸) مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

[۲] فتاوی عزیزی (۱:۱۱۹) مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی

[۳] نیل الاوطار (۱:۵۰۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

متعلق مختلف روایات مروی ہیں، ان میں سے ایک بخاری اور مسلم کی روایت بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔"

مشہور غیر مقلد عالم و مصنف مولانا محمد صادق سیالکوٹی صاحبؒ کا حوالہ حضرت عائشہؓ کی روایت کی وضاحت میں گزر چکا ہے جس میں انہوں نے اس حدیث کو تہجد سے متعلق قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز کا غالب معمول یہ تھا کہ آپ ﷺ آٹھ رکعات تہجد چار چار رکعات کی نیت سے دو سلام میں پڑھتے تھے۔

اسی طرح مولانا ثناء اللہ مدنی غیر مقلد کا حوالہ بھی گزر چکا ہے جس میں انہوں نے اس حدیث کو تہجد سے متعلق قرار دیتے ہوئے لکھا تھا کہ:

صحیح بخاری وغیرہ میں تہجد کے بیان میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

كَانَ يُصَلِّيْ اَرْبَعًا کہ نبی ﷺ چار رکعات پڑھتے تھے۔

پس جب محدثین کرام اور خود علمائے غیر مقلدین کے نزدیک بھی اس حدیث کا تعلق نمازِ تہجد سے ہے، اور مقدمہ میں تفصیل سے یہ بحث گزر چکی ہے کہ تراویح اور تہجد دو علیحدہ علیحدہ نمازیں ہیں۔ لہٰذا غیر مقلدین کا اس تہجد والی حدیث سے آٹھ تراویح پر استدلال کرنا خود بخود باطل ہو گیا۔

جوابِ ثالث: ہماری اس بات کی تائید کہ مذکورہ حدیث کا تعلق تراویح سے نہیں بلکہ تہجد سے ہے، اس سے بھی ہوتی ہے کہ ائمہ حدیث نے تراویح اور تہجد کے الگ الگ باب باندھے ہیں، اور اس حدیث کو تراویح کے باب میں ذکر کرنے کی

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بجائے تہجد کے باب میں ذکر فرمایا ہے۔ مثلاً امام مالکؒ (م۱۷۹ھ) نے اپنی موطا[۱] میں، امام مسلمؒ (م۲۶۱ھ) نے اپنی صحیح [۲] میں، امام ترمذیؒ (م۲۷۹ھ) نے اپنی جامع [۳] میں، امام ابوداوٗدؒ (م۲۷۵ھ) نے اپنی سُنن [۴] میں، امام نسائیؒ (م۳۰۳ھ) نے اپنی سُنن [۵] میں، امام خطیب تبریزیؒ (م۷۴۱ھ) نے مشکوٰۃ المصابیح [۶] میں، حافظ ابن القیمؒ (م۷۵۱ھ) نے زاد المعاد [۷] میں، امام محمد بن نصر مروزیؒ (م۲۹۴ھ) نے قیام اللیل [۸] میں، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م۸۵۲ھ) نے بلوغ المرام [۹] میں، اور اسی طرح دیگر محدثین نے بھی اپنی اپنی کتبِ حدیث میں اس حدیث کو تہجد کے باب میں ذکر کیا ہے۔ اور تراویح کا باب الگ قائم کیا ہے، اور اس میں اس حدیث کو ذکر کرنا تو کجا اس کی طرف ادنیٰ سا اشارہ بھی نہیں کیا۔ اسی طرح مولانا محمد صادق سیالکوٹیؒ صاحب غیر مقلد نے بھی اپنی کتاب صلوٰۃ الرسول [۱۰] میں اس حدیث کو تہجد کے باب میں ذکر کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ اس حدیث کا تعلق تراویح کی بجائے تہجد سے ہے۔

اشکال: بعض غیر مقلدین نے اس حدیث کو تراویح سے متعلق قرار دینے کے لیے یہ

---

[۱] (ص۴۳)
[۲] (۱:۲۵۴)
[۳] (۱:۵۸)
[۴] (۱:۱۹۶)
[۵] (۱:۲۵۴)
[۶] (۱:۱۰۶)
[۷] (۱:۸۶)
[۸] (ص۱۲۰)
[۹] (۱:۱۳)
[۱۰] (ص۴۰۶)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

دلیل پیش کی ہے کہ امام بخاریؒ، امام بیہقیؒ اور علامہ نیمویؒ نے اس حدیث کو تراویح کے باب کے ذیل میں ذکر کیا ہے۔[1]

لیکن یہ اشکال محض غلط ہے، ذیل میں ترتیب وار اس اشکال کی حقیقت ملاحظہ ہو:

(۱) امام بخاریؒ (م ۲۵۶ھ) نے بخاری شریف میں اس حدیث کو کئی ابواب میں ذکر فرمایا ہے۔ مثلاً کتاب التہجد میں بابُ قِیَامِ النَّبِیِّ ﷺ بِاللَّیْلِ فِیْ رَمَضَانَ وَغَیْرِہٖ کے تحت بھی اس کو ذکر کیا ہے۔ اب ''التہجد'' کے علاوہ ''رمضان وغیرہ'' کے الفاظ بھی صراحتاً اس پر دال ہیں کہ امام بخاریؒ کی مراد یہاں تہجد کی نماز بیان کرنا ہے، کیونکہ غیر رمضان میں نماز تراویح نہیں پڑھی جاتی۔ اسی طرح امام بخاریؒ نے اس حدیث کو ''بَابُ فَضْلِ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ'' کے تحت بھی ذکر فرمایا ہے۔ اس باب سے امام بخاریؒ کا مقصد صرف رمضان میں قیام کرنے کی فضیلت بیان کرنا ہے، اس کی تعدادِ رکعات بیان کرنا ان کا مقصود نہیں، جیسا کہ غیر مقلدین کا دعویٰ ہے، کیونکہ اگر امام بخاریؒ کا مقصد قیام رمضان کی تعداد بیان کرنا ہوتا تو وہ باب کا عنوان ''فَضْلِ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ'' کی بجائے ''عَدَدِ قِیَامِ رَمَضَانَ'' قائم کرتے۔ اِذْ لَیْسَ فَلَیْسَ۔

نیز یہ کہنا بھی غلط ہے کہ امام بخاریؒ نے اس حدیث پر تراویح کا باب باندھا ہے، کیونکہ انہوں نے یہاں باب کا عنوان ''قیام رمضان'' (قَامَ رَمَضَانَ) قائم کیا ہے، اور بزرگ غیر مقلد عالم مولانا عبد اللہ غازیپوریؒ (م ۱۳۳۷ھ) بحوالہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

قیام رمضان سے رمضان کی راتوں میں مطلق نماز پڑھنا مراد ہے، اور جو امام نووی نے فرمایا کہ قیام رمضان سے نماز تراویح مراد ہے، اس سے ان کا مطلب یہ ہے کہ نماز

[1] نور المصابیح (ص ۱۳) وغیرہ۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

تراویح سے بھی قیام رمضان حاصل ہو جاتا ہے، نہ یہ کہ نماز تراویح ہی سے قیام رمضان حاصل ہوتا ہے، بغیر اس کے قیام رمضان حاصل نہیں ہوتا۔ یعنی قیام رمضان تراویح سے اعم ہے، کیونکہ نمازِ تراویح میں جماعت بھی شرط ہے..... اور جو کرمانی نے کہا ہے کہ: قیام رمضان سے بالاتفاق نمازِ تراویح مراد ہے، یہ انہوں نے انوکھی بات کہی ہے۔

اور پھر بحوالہ علامہ قسطلانیؒ (م ۹۲۳ھ) لکھتے ہیں:

قیام رمضان سے رمضان کی راتوں میں نماز پڑھنا مراد ہے، خواہ نمازِ تراویح ہو یا کوئی اور طاعت (تہجد وغیرہ۔ناقل)[۱]

پس جب خود غیر مقلدین کے نزدیک قیام رمضان کا لفظ عام ہے جو تراویح اور تہجد دونوں کو شامل ہے۔ تو پھر اگر امام بخاریؒ نے قیام رمضان والے عمومی باب میں اس تہجد والی حدیث کو بھی ذکر کر دیا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے نزدیک بھی اس حدیث کا تعلق تراویح سے ہے۔

واضح رہے کہ ''صحیح بخاری'' کے تمام نسخوں میں ''فَضْلِ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ '' کا عنوان ہے، صرف ایک کسی نسخہ میں ''تراویح'' کا عنوان قائم ہے، جس کی نسبت امام بخاریؒ کی طرف مشکوک ہے، چنانچہ غیر مقلد عالم مولانا محمد عبید اللہ عفیف (م ۱۴۴۳ھ) نے لکھا ہے: صحیح بخاری کے ایک نسخے میں ''کتاب صلوۃ التراویح'' عنوان ملتا ہے، باقی نسخوں میں وہ بھی نہیں، شائد شہرت کی وجہ سے کسی ناسخ نے لکھ دیا ہوگا۔[۲]

نیز مولانا عبد اللہ روپڑیؒ غیر مقلد (م ۱۳۸۴ھ) لکھتے ہیں: اکثر محدثین قیام رمضان کا باب باندھتے ہیں۔ اور امام بخاری نے بھی ''فَضْلِ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ '' کا باب باندھا ہے، اور ایک نسخہ میں تراویح کا باب بھی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ نسخہ والے نے بعد کو

---

[۱] فتاویٰ علمائے حدیث (۶: ۲۴۲، ۲۴۳)

[۲] ایضاً (۶: ۲۷۳)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

مشہور ہونے کی وجہ سے یہ عنوان باندھ دیا ہو، یا بخاریؒ نے ہی باندھا ہو۔[1]

ان بیانات میں مولانا عفیفؒ اور مولانا روپڑیؒ دونوں یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ امام بخاریؒ کا "فَضْلِ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ" کا عنوان باندھنا حتمی ہے، جب کہ جس نسخہ میں تراویح کا عنوان ملتا ہے اس کی نسبت امام بخاریؒ کی طرف مشکوک ہے، کہ ہو سکتا ہے کہ ناسخ نے یہ عنوان خود قائم کیا ہو۔ فَإِذَا جَاءَ الْإِحْتِمَالُ بَطَلَ الْإِسْتِدْلَال۔

(۲) امام بیہقیؒ (م ۴۵۸ھ) نے اپنی کتاب "السنن الکبریٰ" میں اس حدیث پر "بَابُ مَارُوِيَ فِيْ عَدَدِ رَكَعَاتِ الْقِيَامِ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ" (ماہ رمضان میں رکعات قیام کی تعداد سے متعلق مروی احادیث کا بیان) کا عنوان قائم کیا ہے، لیکن امام بیہقیؒ کے اس عنوان میں اجمال ہے کہ قیام سے یہاں مراد قیام اللیل ہے یا قیام رمضان؟ عین ممکن ہے کہ ان کی مراد یہاں قیام سے عام ہو جو قیام اللیل اور قیام رمضان دونوں کو شامل ہے۔ پھر اس عام عنوان کے تحت انہوں نے قیام اللیل اور قیام رمضان دونوں قسم کی احادیث کو ذکر کر فرما دیا۔ بالفرض اگر یہاں قیام سے صرف قیام رمضان ہی مراد ہے تو پھر بھی امام بیہقیؒ کے نزدیک اس حدیث کا تعلق تراویح سے ہونا لازم نہیں آتا، کیونکہ ابھی "فتاویٰ علمائے حدیث" کے حوالہ سے گزرا ہے کہ قیام رمضان تراویح سے اَعَمّ ہے، جو تراویح اور تہجد دونوں کو شامل ہے۔ فلا اشکال۔

(۳) امام محمدؒ بن حسن شیبانیؒ (م ۱۸۹ھ) نے اس حدیث عائشہؓ کو اپنی کتاب موطا میں "بَابُ قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ وَ مَافِيْهِ مِنَ الْفَضْلِ" کے تحت ذکر فرمایا ہے۔ اس باب سے امام محمدؒ دو چیزوں پر استدلال کرنا چاہتے ہیں۔ اول: قیام شہر رمضان کا اثبات بلا عدد رکعات، اس کے لیے انہوں نے "قیام شہر رمضان" کا عنوان قائم کیا۔ ثانی: رمضان المبارک میں عبادت (تہجد وغیرہ) کرنے کی

---

[1] فتاویٰ اہلحدیث (۱:۶۶۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

فضیلت کا بیان، اس کے لیے انہوں نے " وَمَا فِيْهِ مِنَ الْفَضْلِ "(یعنی رمضان المبارک میں (عبادت کی) جو فضیلت ہے اس کا بیان) کا عنوان قائم کیا ہے۔ اس باب کے تحت انہوں نے پہلے نمبر پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث ذکر کی ہے جس میں نبی کریم ﷺ کا رمضان المبارک میں تین دن نماز پڑھنے کا ذکر ہے، اور تعدادِ رکعات کا اس میں کوئی تعین نہیں ہے۔ اور دوسرے نمبر پر انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ روایت نقل کی جس میں رسول اللہ ﷺ کا نماز تہجد کی گیارہ رکعات پڑھنا مذکورہ ہے۔ اب باب کی پہلی حدیث کا تعلق عنوان کے پہلے حصے " قیام شہر رمضان " سے ہے، اور دوسری حدیث کا تعلق عنوان کے دوسرے حصے " وَمَا فِيْهِ مِنَ الْفَضْلِ " سے ہے، کیونکہ رمضان المبارک میں دیگر عبادات کی طرح نماز تہجد پڑھنے کی بھی بہت زیادہ فضیلت ہے، اس لیے امام موصوف نے اس تہجد والی حدیث کو باب کے دوسرے عنوان " وَمَا فِيْهِ مِنَ الْفَضْلِ " کے تحت ذکر فرمایا۔ لہٰذا اس سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے نزدیک حدیث مذکورہ کا تعلق نماز تراویح سے ہے۔

(۴) علامہ نیموی ؒ (م ۱۳۲۲ھ) نے اگرچہ اس حدیث پر " اَلتَّرَاوِيْحُ بِثَمَانِ رَكَعَاتٍ " کا باب باندھا ہے، لیکن ان کی اس تبویب سے یہ استدلال کرنا کہ ان کے نزدیک اس حدیث کا تعلق تراویح سے ہے، غلط ہے، کیونکہ ان کی کتاب " آثار السنن " کا مطالعہ کرنے والے پر مخفی نہیں کہ ان کی پوری کتاب کی ترتیب یہ ہے کہ وہ اکثر اختلافی مسائل میں پہلے اپنے مخالف مسلک کے مطابق باب قائم کرتے ہیں، اور اس کے تحت وہ دلائل ذکر کرتے ہیں جن سے مخالف نے استدلال کیا ہے، خواہ ان مستدلات کا تعلق ان کے نزدیک مذکورہ باب سے ہو یا نہیں، اس کے بعد وہ اپنے مسلک کے مطابق باب قائم کر کے اپنے مستدلات ذکر فرماتے ہیں۔ صرف ابواب الوتر

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

میں ان کی بیان کردہ ترتیب کو دیکھ لیں کہ رکعاتِ وتر کی تعداد بیان کرتے وقت انہوں نے پہلے باب "اَلْوِتْرُ بِخَمْسٍ اَوْ اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ" کا عنوان قائم کر کے اس قسم کی احادیث کو جمع کیا ہے۔ پھر "بَابُ الْوِتْرِ بِرَكْعَةٍ" قائم کر کے اس کے تحت اس موضوع کی احادیث ذکر فرمائیں، اور پھر اس کے بعد اپنے مسلک کے مطابق "اَلْوِتْرُ بِثَلَاثِ رَكَعَاتٍ" کا باب قائم کر کے اس کے تحت اپنی مستدل احادیث کو جمع فرمایا۔ حالانکہ ان کے نزدیک صرف تین رکعات وتر پڑھنا ہی راجح ہے، بعینہ اسی طرح انہوں نے رکعاتِ تراویح بیان کرتے وقت پہلے غیر مقلدین کے مسلک کے مطابق "بَابُ التَّرَاوِيْحِ بِثَمَانِ رَكَعَاتٍ" قائم کر کے ان کے مستدلات کو ذکر کیا، اور اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیث کو بھی ذکر کیا، اور پھر آخر میں اپنے مسلک کے مطابق "بَابٌ فِي التَّرَاوِيْحِ بِعِشْرِيْنَ رَكَعَاتٍ" قائم کر کے اپنے مستدلات ذکر کیے۔ لہٰذا اگر انہوں نے غیر مقلدین کے مسلک کے مطابق حدیثِ عائشہؓ کو تراویح کے باب میں ذکر کیا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ خود علامہ نیمویؒ کے نزدیک بھی اس حدیث کا تعلق تراویح سے ہے۔

پس غیر مقلدین کا یہ کہنا غلط ثابت ہو گیا کہ امام بخاریؒ (م ۲۵۶ھ)، امام بیہقیؒ (م ۴۵۸ھ)، امام محمدؒ (م ۱۸۹ھ) اور علامہ نیمویؒ (م ۱۳۲۲ھ) کے نزدیک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا تعلق تراویح کے باب سے ہے۔

جوابِ رابع: اگر اس صحیح السند حدیث کا تعلق تراویح سے ہوتا جیسا کہ غیر مقلدین کا دعویٰ ہے تو پھر بڑے بڑے محدثین اور فقہاء کرام کبھی بھی یہ نہ فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ سے رکعاتِ تراویح کی بابت کوئی بھی عدد کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں، حالانکہ بخاری شریف کی یہ روایت ان کے بھی زیرِ نظر اور زیرِ مطالعہ تھی، اور وہ حضرات آج کل کے غیر مقلدین سے احادیث کو جاننے اور سمجھنے میں زیادہ ماہر تھے، کیونکہ عصرِ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

حاضر کا کوئی غیر مقلد عالم ان کے علم و فضل کے پاسنگ بھی نہیں ہو سکتا۔ اس کے باوجود یہ جبالِ علم صاف صاف اقرار کرتے ہیں کہ کسی بھی صحیح روایت میں نبی ﷺ کی نماز تراویح کی تعداد منقول نہیں۔

چنانچہ امام جلال الدین سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) ارقام فرماتے ہیں:

"اَنَّ الْعُلَمَاءَ اخْتَلَفُوْا فِیْ عَدَدِهَا وَلَوْ ثَبَتَ مِنْ فِعْلِ النَّبِیِّ ﷺ لَمْ یُخْتَلَفْ فِیْهَا"۔[۱]

"علمائے کرام نے تراویح کے عدد میں اختلاف کیا ہے، اور اگر تراویح کا کوئی خاص عدد نبی ﷺ کے عمل سے ثابت ہوتا تو اس میں اختلاف نہ ہوتا"۔

نیز سیوطیؒ لکھتے ہیں:

"وَاِنَّمَا صَلّٰی لَیَالِیَ صَلٰوۃً لَمْ یُذْکَرْ عَدَدُهَا"۔[۲]

"نبی ﷺ نے صرف چند راتیں تراویح کی نماز پڑھی ہے جس کا کوئی عدد (صحیح احادیث میں) مذکور نہیں"۔

نیز تراویح کی تعداد کے بارے میں علمائے کرام کے مختلف اقوال ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"وَلَوْ ثَبَتَ عَدَدُهَا بِالنَّصِّ لَمْ تَجُزِ الزِّیَادَۃُ عَلَیْهِ"[۳]

"اگر تراویح کا کوئی عدد کسی نص سے ثابت ہوتا تو اس پر زیادتی جائز نہ ہوتی"

امام سیوطیؒ کی ان عبارات سے جہاں غیر مقلدین کے اس دعویٰ کی تردید ہوتی

---

[۱] المصابیح (ص ۳۰) الحاوی للفتاوی (۱:۴۱۵)، (۱:۳۳۶)

[۲] المصابیح (ص ۱۴)، الحاوی (ص ۱:۴۱۳)

[۳] الحاوی (۱:۴۱۵)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے صرف آٹھ رکعات تراویح کا عدد ثابت ہے، وہیں ان کا امام سیوطیؒ کی ان عبارات کی یہ تاویل کرنا بھی باطل ہو جاتا ہے کہ امام سیوطیؒ کی مراد ان عبارات سے بیس تراویح کی نفی کرنا ہے۔ اس لیے کہ وہ تو مطلق عدد کی نفی فرمارہے ہیں جو آٹھ، بیس وغیرہ سب کو شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسئلہ رکعاتِ تراویح میں غیر مقلدین کے سب سے بڑے وکیل مولانا نذیر احمد رحمانی صاحبؒ (م ۱۳۸۵ھ) نہ مانتے مانتے بھی یہ حقیقت ماننے پر مجبور ہو گئے کہ:

اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ امام سیوطیؒ کے نزدیک بجائے بیس کے اگر آٹھ رکعات بلا وتر ثابت ہیں، جیسا کہ "صحیح بخاری" اور "صحیح ابن حبان" وغیرہ کے حوالے سے انہوں نے بیان کیا ہے تو اس پر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ (انہوں نے یہ بھی فرمایا) "لَوْ ثَبَتَ ذٰلِكَ مِنْ فِعْلِ النَّبِيِّ ﷺ لَمْ يُخْتَلَفْ فِيْهِ" تو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہ معارضہ اس وقت صحیح ہوتا جب امام سیوطیؒ اس عدد کو تحدید و تضییق کے ساتھ ثابت مانتے۔[1]

معلوم ہوا کہ امام سیوطیؒ رسول اللہ ﷺ کی کسی حدیث کو رکعات تراویح کی تحدید (کہ صرف آٹھ تراویح ہی سنت ہیں) میں ثابت نہیں مانتے۔ وَالْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْأَعْدَاءُ۔

اسی طرح امام تاج الدین سبکیؒ (م ۷۵۶ھ) "شرح منہاج" میں لکھتے ہیں:

"اِعْلَمْ اَنَّهٗ لَمْ يُنْقَلْ كَمْ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تِلْكَ اللَّيَالِي هَلْ هُوَ عِشْرُوْنَ اَوْ اَقَلُّ، قَالَ: وَمَذْهَبُنَا اَنَّ التَّرَاوِيْحَ عِشْرُوْنَ رَكْعَةً۔"[2]

"جان لو کہ یہ منقول نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جن راتوں میں نماز تراویح پڑھی تھی

---

[1] انوار المصابیح (ص ۵۰)

[2] المصابیح (ص ۴۱) الحاوی (۱:۴۱۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ان کی تعداد بیس رکعات تھی، یا اس سے کم (آٹھ وغیرہ) اور ہمارا مذہب یہ ہے کہ تراویح کی بیس رکعتیں ہیں"[۱]

غیر مقلدین کے مسلمہ شیخ الاسلام امام حافظ ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

"وَمَنْ ظَنَّ اَنَّ قِیَامَ رَمَضَانَ فِیْهِ عَدَدٌ مُعَیَّنٌ مُوَقَّتٌ عَنِ

---

[۱] بعض غیر مقلدین (مولانا نذیر رحمانی صاحب وغیرہ) نے امام سبکیؒ کی مذکورہ بالا عبارت کی یہ توجیہ کی ہے کہ: اِعْلَمْ اَنَّهٗ لَمْ یُنْقَلْ اِلخ... سے ان کا مقصد یہ ہے کہ صحیحین یا سنن کی جن روایتوں میں تین راتوں کی تفصیلات مذکور ہیں ان روایتوں میں کوئی عدد منقول نہیں ہے کہ رکعات کی تعداد بیس ہے یا اس سے کم۔ یہ منشا نہیں کہ مطلقاً فعل نبوی سے تراویح کا کوئی عدد منقول ہی نہیں۔ انوار المصابیح (ص ۴۶) وغیرہ۔ لیکن غیر مقلدین کی بیان کردہ یہ توجیہ محض دفع الوقتی ہے۔ کیونکہ امام سبکیؒ نے اپنی اس عبارت میں نہ تو صحیحین یا سنن کی روایات کی طرف اشارہ کیا ہے، اور نہ ہی انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تین دن والی تراویح کی جماعت کا تذکرہ کیا ہے، بلکہ انہوں نے تو مطلق عدد تراویح کی نفی فرمائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جتنی بھی راتیں نماز تراویح پڑھی ہے، خواہ جماعت کے ساتھ یا بلا جماعت، ان کی رکعات کی تعداد کسی بھی صحیح روایت میں منقول نہیں ہے، نہ صحیحین و سنن کی روایات میں اور نہ ہی "صحیح ابن حبان" یا "قیام اللیل" وغیرہ کی کسی روایت میں۔ چنانچہ وہ دوسری جگہ روایت ابی شیبہ (بیس رکعات) اور روایت ابن جاریہ (گیارہ رکعات) دونوں کو ذکر کر کے لکھتے ہیں فَهٰذَانِ الْحَدِیْثَانِ مُتَكَافِئَانِ فِی الضَّعْفِ بَلْ هٰذَا اَضْعَفُ وَاَنْكَرُ مِنْ حَدِیْثِ اَبِیْ شَیْبَةَ۔ وَرَجَعْنَا اِلٰی اَنَّهٗ لَیْسَ مَعَنَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ یَدُلُّ عَلٰی عَدَدِ الرَّكَعَاتِ الَّتِیْ صَلَّاهَا النَّبِیُّ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ (ضوء المصابیح ص ۲۰۴) یہ دونوں حدیثیں ضعیف ہیں، بلکہ یہ حدیث (روایت ابن جاریہ) ابو شیبہ والی روایت سے زیادہ ضعیف اور منکر ہے، لہٰذا ہم اسی طرف رجوع کرتے ہیں کہ ہمارے پاس کوئی ایسی صحیح حدیث نہیں، جو اس پر دلالت کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی رکعات تراویح پڑھی ہیں۔

نیز جب اُن کو معلوم ہوا کہ ایک ظاہری المذہب شخص نے روایت حضرت عائشہؓ سے گیارہ رکعات تراویح پر استدلال کیا ہے، تو انہوں نے اس کا سختی سے رد کیا، اور اس کے اس استدلال کو غلط قرار دیا۔ دیکھئے ضوء المصابیح (ص ۱۲۰)

نیز انہوں نے حدیث عائشہؓ کے متعدد جوابات دیے ہیں، اور یہ ثابت کیا ہے کہ اس حدیث سے صرف گیارہ رکعات مسنون ہونے پر استدلال باطل ہے۔ دیکھئے کتاب مذکور (ص ۲۳۱۔ ۲۳۷)

معلوم ہوا کہ امام موصوف کے نزدیک حدیث عائشہؓ و حدیث جابرؓ یا کسی اور حدیث سے گیارہ رکعات پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

النَّبِيِّ ﷺ لَا يَزِيدُ وَلَا يَنْقُصُ فَقَدْ أَخْطَأَ۔"[۱]

"جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ تراویح میں کوئی عدد معین ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے مقرر فرمایا ہے کہ جسے نہ زیادہ کیا جا سکتا ہے اور نہ کم تو وہ شخص غلطی پر ہے"

نیز فرماتے ہیں:

"وَإِنَّهُ لَا يُتَوَقَّتُ فِي قِيَامِ رَمَضَانَ فَإِنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يَتَوَقَّتْ فِيهَا عَدَدًا۔"[۲]

تراویح میں کوئی عدد مقرر نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس میں کوئی عدد مقرر

(بقیہ صفحہ گزشتہ) اسی طرح مولانا رحمانی صاحب کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ علامہ سبکیؒ نے جوریؒ کے حوالہ سے امام مالکؒ کا یہ قول بلا ردو انکار نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جس عدد تراویح پر جمع کیا، وہ مجھے پسندیدہ ہے، اور وہ گیارہ رکعات ہیں، اور یہی رسول اللہ ﷺ کی نماز ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ گیارہ رکعات کی بابت ان کو امام مالکؒ کا یہ قول تسلیم ہے کہ: هِيَ صَلٰوةُ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ انوار المصابیح (ص ۴۵) اول اس وجہ سے کہ اس ضعیف قول کو نقل کرنے والے امام سیوطیؒ ہیں، نہ کہ امام سبکیؒ، جیسا کہ خود رحمانی صاحب کے ہم مسلک غیر مقلدین کو بھی یہ بات تسلیم ہے۔ چنانچہ مشہور غیر مقلد عالم مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی صاحبؒ (م ۱۳۷۵ھ) ، مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری (م ۱۳۵۳ھ) اور حافظ زبیر علی زئی (م ۱۴۳۵ھ) وغیرہ نے اس قول کا ناقل امام سیوطیؒ کو قرار دیا ہے۔ دیکھئے انارۃ المصابیح (ص ۴۳،۳۷)، تحفۃ الاحوذی (۳:۵۲۳)، صلوٰۃ التراویح (ص ۱۳)

پس جب علامہ سبکیؒ نے اس قول کو نقل ہی نہیں کیا تو پھر رحمانی صاحب یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے اس قول کو تسلیم بھی کر لیا ہے۔

ع بسوخت عقل زحیرت ایں چہ بوالعجبیست

ثانیاً: اگر بالفرض مان بھی لیا جائے کہ امام سبکیؒ نے ہی اس قول کو نقل کیا ہے، تو پھر بھی یہ کہنا غلط ہے کہ انہوں نے اس قول کی صحت کو بھی تسلیم کر لیا ہے، کیونکہ انہوں نے تو اس ضعیف اور منکر قول کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ: وَمَذْهَبُنَا أَنَّهَا عِشْرُوْنَ رَكْعَةً۔ (ہمارا مذہب یہ ہے کہ تراویح کی بیس رکعتیں ہیں) کیا رحمانی صاحب یا کوئی بھی غیر مقلد عالم امام سبکیؒ جیسے متبع سنت اور عاشق صادق عالم کے بارے میں یہ تصور کر سکتا ہے کہ وہ یہ کہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت عمرؓ کی نماز تراویح تو گیارہ رکعت تھیں، لیکن میرا مذہب بیس رکعات کا ہے۔ إِذْ لَيْسَ فَلَيْسَ

[۱] مجموعۃ الفتاویٰ (۱۱:۵۲۰)

[۲] الفتاویٰ الکبریٰ (۱:۲۲۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

نہیں فرمایا۔[۱]

[۱] مولانا رحمانی صاحب نے اپنی عادت مستمرہ کے موافق حافظ ابن تیمیہؒ کی ان واضح اور صریح عبارتوں سے جان چھڑانے کے لیے وہی روش اختیار کی جو وہ امام سبکیؒ وغیرہ علماء کی عبارتوں کے ساتھ انجام دے چکے ہیں۔ چنانچہ رحمانی صاحب حافظ موصوفؒ کی مذکورہ بالا عبارت کی یوں توجیہ بیان کرتے ہیں: حافظ ابن تیمیہؒ کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ کے فعل سے اگرچہ گیارہ یا تیرہ رکعات ثابت ہیں، لیکن ان کی تحدید کسی حدیث میں نہیں ہے۔ گویا انہوں نے نبی ﷺ کے فعل سے گیارہ رکعات کی نفی نہیں بلکہ اس کی تحدید و تعیین کی نفی کی ہے، یعنی نبی ﷺ کی کسی قولی یا فعلی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس بارے میں آپ ﷺ نے رکعات کی کوئی حد مقرر فرمائی ہو کہ اس میں نہ کوئی کمی ہو سکے اور نہ زیادتی، اور یہی بات ہم اہل حدیث بھی کہتے ہیں کہ گیارہ رکعات نبی ﷺ کے فعل سے ثابت ہے اور یہی سنت اور بہتر ہے، لیکن اس کے ساتھ اگر کوئی شخص اس سے کم و بیش بطور نوافل پڑھنا چاہے تو اس کی کوئی ممانعت نہیں۔ محصلہ انوار المصابیح (ص ۴۴)

لیکن رحمانی صاحب کی یہ ساری توجیہ محض حافظ ابن تیمیہؒ کی عبارت سے جان چھڑانے کے لیے ایک ناکام حیلہ اور بے سود تدبیر ہے، کیونکہ غیر مقلدین کے مذہب اور حافظ ابن تیمیہؒ کے مذہب میں زمین اور آسمان کا فرق ہے، غیر مقلدین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے استدلال کرتے ہوئے صرف گیارہ رکعات کو مسنون کہتے ہیں، نہ گیارہ سے کم اور نہ ہی گیارہ رکعات سے زائد کو وہ سنت سمجھتے ہیں، اور یہی تحدید اور تضییق ہے جس کو حافظ ابن تیمیہؒ غلطی اور خطاء بتلا رہے ہیں، تو پھر غیر مقلدین اور حافظ ابن تیمیہؒ کا موقف ایک جیسا کیسے ہو سکتا ہے؟ کیا عصر حاضر کے غیر مقلدین جو صرف گیارہ رکعات کے قائل ہیں وہ گیارہ رکعات سے کم یا اس سے زائد رکعات پڑھنے کو سنت کہنے کے لیے تیار ہیں؟ ہرگز نہیں، بلکہ ان میں سے بعض تو گیارہ رکعات سے زائد تراویح پڑھنے کو بدعت اور حرام تک کہہ دیتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

اگر یہ تحدید اور تضییق نہیں کہ جس کا ابن تیمیہؒ سختی سے رد کر رہے ہیں تو پھر نہ جانے یہ تحدید کس چیز کا نام ہے؟ رہا یہ کہنا کہ حافظ ابن تیمیہؒ نے تسلیم کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ گیارہ یا تیرہ رکعات سے زائد نہیں پڑھتے تھے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر انہوں نے اس گیارہ یا تیرہ والی روایت کو ذکر کیا ہے تو ساتھ یہ بھی فرمایا ہے کہ اس حدیث میں اضطراب ہے، اور یہ کہ یہ حدیث خلفائے راشدین کی سنت کے خلاف ہے، اور انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے اگر کوئی گیارہ یا تیرہ رکعات پڑھنا چاہے بھی تو اس کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ اتنا لمبا قیام کرے جتنا کہ رسول اللہ ﷺ لمبا قیام کرتے تھے۔ یعنی صرف ایک رکعت میں تقریباً سوا پانچ پارے (حافظ صاحبؒ کی یہ تمام عبارتیں حصہ اول میں گزر چکی ہیں۔ فَلْيُرَاجِعْ اِلَيْهَا)۔ کیا غیر مقلدین حافظ ابن تیمیہؒ کی ان باتوں کو تسلیم کرتے ہیں؟

الغرض غیر مقلدین حافظ ابن تیمیہؒ کی عبارات کی جو بھی تاویل کرنا چاہیں کر لیں لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ ثابت ہے کہ وہ ایسے شخص کو خطا کار کہتے ہیں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے صرف گیارہ رکعات کو مسنون سمجھتا ہے۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

خود غیر مقلدین کے اپنے بڑے بڑے علماء بھی یہ حقیقت کھلے دل سے تسلیم کرتے ہیں کہ رکعاتِ تراویح کی بابت رسول اللہ ﷺ سے کوئی عدد کسی صحیح روایت میں مروی نہیں ہے۔ علمائے غیر مقلدین کی یہ عبارات مقدمہ میں گزر چکی ہیں۔ یاد دہانی کے لیے دوبارہ نذر قارئین ہیں۔

قاضی محمد بن علی شوکانیؒ (م ۱۲۵۰ھ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ روایت سمیت اس موضوع سے متعلق متعدد روایات ذکر کرنے کے بعد ارقام فرماتے ہیں:

"وَالْحَاصِلُ اَنَّ الَّذِيْ دَلَّتْ عَلَيْهِ اَحَادِيْثُ الْبَابِ وَمَا يُشَابِهُهَا هُوَ مَشْرُوْعِيَّةُ الْقِيَامِ فِيْ رَمَضَانَ وَالصَّلٰوةُ فِيْهِ جَمَاعَةً وَفُرَادٰى، فَقَصْرُ الصَّلٰوةِ الْمُسَمَّاةِ بِالتَّرَاوِيْحِ عَلٰى عَدَدٍ مُّعَيَّنٍ وَتَخْصِيْصُهَا بِقِرَاءَةٍ مَّخْصُوْصَةٍ لَمْ يَرِدْ بِهٖ سُنَّةٌ۔"[۱]

"خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس باب میں ذکر کردہ احادیث اور ان جیسی دوسری احادیث سے جو بات ثابت ہوتی ہے، وہ صرف رمضان المبارک میں قیام اور اس کو باجماعت یا اکیلے ادا کرنے کی مشروعیت ہے۔ پس اس نماز کہ جس کا نام تراویح ہے، کو کسی عدد معین پر بند کر دینا (جیسا کہ آج کل کے غیر مقلدین صرف آٹھ رکعات کو سنت نبوی کہتے ہیں۔ ناقل) اور کسی مخصوص قرأت کے ساتھ خاص کر دینا رسول اللہ ﷺ کی سنت میں وارد نہیں ہے۔"

گویا شوکانی صاحبؒ کے نزدیک رکعاتِ تراویح کی بابت جتنی بھی مرفوع احادیث ذکر کی جاتی ہیں وہ یا تو ضعیف ہیں، یا وہ تراویح سے غیر متعلق ہیں۔ نیز شوکانیؒ نے یہاں مطلق سنت کی نفی کی ہے جو سنت قولی، سنت فعلی اور سنت تقریری تینوں کو شامل

---

[۱] نیل الاوطار (۱: ۵۱۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ہے۔ لہٰذا اس سے غیر مقلدین کی تینوں دلیلیں (سنت فعلی بروایت عائشہؓ و بروایت جابرؓ اور سنت تقریری بروایت اُبی بن کعبؓ) کی نفی اور ان کے دعویٰ کا باطل ہونا ثابت ہوگیا۔ [۱]

اسی طرح علامہ نواب صدیق حسن خان صاحبؒ (م ۱۳۰۷ھ، جن کو غیر مقلدین چودھویں صدی کے مجدد اور محقق اعظم کے لقب سے پکارتے ہیں) فرماتے ہیں:

''وَلَمْ يَأْتِ تَعَيُّنُ الْعَدَدِ فِي الرِّوَايَاتِ الصَّحِيحَةِ الْمَرْفُوعَةِ'' [۲]

''تراویح کے عدد (گیارہ یا تیرہ رکعات وغیرہ) کی تعیین صحیح مرفوع روایتوں میں نہیں آئی ہے۔''

نواب صاحبؒ کے صاحبزادے اور مشہور غیر مقلد نواب نور الحسن خان صاحبؒ

---

[۱] مولانا نذیر رحمانی صاحبؒ نے علامہ شوکانیؒ کی مذکورہ بالا عبارت کی یہ توجیہ کی ہے کہ علامہ موصوف نے حضرت عائشہؓ کی حدیث لا کر اس کے بارے میں لکھا ہے کہ آٹھ رکعات کا عدد آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے۔ لہٰذا وہ آٹھ رکعات فعل نبوی سے تسلیم کرتے ہیں، لیکن اس پر حصر کر دینا کہ نفلی طور پر اس سے زیادہ نہیں پڑھ سکتے۔ اس کو وہ صحیح نہیں سمجھتے۔ انوار المصابیح (ص ۵۳، ۵۴) حالانکہ رحمانی صاحبؒ کی یہ توجیہ بھی محض ''خوئے بد را بہانہ بسیار'' کا مصداق ہے، کیونکہ اس میں تو کسی کا اختلاف نہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے رات کی نماز میں (خواہ رمضان ہو یا غیر رمضان) آٹھ رکعات کا عدد ثابت ہے۔ لیکن کیا اس کا تعلق تراویح سے ہے بھی یا نہیں؟ اور کیا اس کی وجہ سے صرف آٹھ رکعات کو مسنون کہنا اور سنت کو اس عدد میں محصور کرنا اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟ علامہ شوکانیؒ اسی سوال کا جواب نفی میں دے رہے ہیں کہ سنت سے یہ چیز ثابت نہیں ہوتی۔ جس کا صاف مطلب ہے کہ وہ اس حدیث کو تراویح کے متعلق نہیں سمجھتے، بلکہ اس کو تہجد کے متعلق قرار دے رہے ہیں۔ لہٰذا رحمانی صاحبؒ کی اس توجیہ کا بھی باطل ہونا ظاہر ہے۔

[۲] الانتقاد الرجیح (ص ۱۸۵) طبع دار ابن حزم بیروت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

(م ۱۳۳۶ھ) ارقام فرماتے ہیں:

"وبالجملة عددے معین در مرفوع نیامده"[۱]

"خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی مرفوع روایت میں تراویح کا کوئی معین عدد مذکور نہیں"

غیر مقلدین کے معتبر اور مستند عالم، مترجم صحاح ستہ علامہ وحید الزمان (م ۱۳۳۸ھ) جن کے بارے میں مشہور غیر مقلد مولانا بدیع الدین شاہ راشدی (م ۱۴۱۶ھ) یہ القاب بیان کرتے ہیں: نواب عالی جناب، عالم باعمل، فقیہ وقت، محب السنۃ وحید الزمان بن مسیح الزمان الدکنی[۲]) بھی اس حقیقت کو کھلے دل سے تسلیم کرتے ہیں:

"وَلَا يُتَعَيَّنُ لِصَلٰوةِ لَيَالِي رَمَضَانَ يَعْنِي التَّرَاوِيحَ عَدَدٌ مُعَيَّنٌ."[۳]

"رمضان المبارک کی رات کی نماز یعنی تراویح کے لیے (احادیث میں) کوئی عدد معین نہیں ہے"

مولانا میاں غلام رسول صاحب (م ۱۲۹۱ھ، جو غیر مقلدین کے شیخ الکل مولانا نذیر حسین دھلوی کے خصوصی تلامذہ میں سے ہیں۔[۴]) حضرت ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"اِعْلَمْ اَنَّهٗ لَمْ يُوَقِّتْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِي التَّرَاوِيحِ عَدَدًا مُعَيَّنًا"[۵]

"جان لو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تراویح میں کوئی تعداد مقرر نہیں فرمائی"

قارئین! محدثین کرام اور علمائے غیر مقلدین کے ان مذکورہ بالا بیانات سے یہ

---

[۱] عرف الجادی (ص ۸۷) مطبوعہ مطبع شاہجہانی بھوپال

[۲] ہدایۃ المستفید (۱:۱۰۴)

[۳] نزل الابرار (۱:۱۲۶) مطبوعہ مطبع سعید المطابع بنارس ۱۳۲۸ھ

[۴] تاریخ اہلحدیث (ص ۴۳۳)

[۵] ینابیع ترجمہ رسالہ تراویح (ص ۴۹، ۵۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بات واضح ہوگئی کہ رسول اللہ ﷺ سے رکعات تراویح کی بابت کوئی معین عدد منقول نہیں۔لہٰذا عصر حاضر کے غیر مقلدین کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت جو دراصل نماز تہجد سے متعلق ہے، سے رکعاتِ تراویح پر استدلال کرنا بالکل غلط، اور اپنے ہی اکابر کی تصریحات کی خلاف ورزی ہے۔ ؎

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

جوابِ خامس:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس حدیث میں جس نماز کا تذکرہ فرما رہی ہیں، وہ آپ ﷺ آخر شب میں پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ اس نماز کے وقت کی بابت جب ان سے پوچھا گیا تو جنابہ صدیقہؓ نے فرمایا: كَانَ يَنَامُ اَوَّلَهٗ وَيَقُوْمُ آخِرَهٗ فَيُصَلِّيْ۔ [۱] یعنی آپ ﷺ رات کے پہلے حصہ میں آرام فرماتے تھے اور آخری حصہ میں اٹھ کر نماز پڑھتے تھے۔

اسی طرح ایک اور سوال کے جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"كَانَ يَقُوْمُ اِذَا سَمِعَ الصَّارِخَ۔" [۲]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے اس وقت کھڑے ہوتے تھے جب (آخر شب) مرغ کی آواز سنتے تھے۔"

بزرگ غیر مقلد عالم مولانا میاں غلام رسول صاحبؒ (م ۱۲۹۱ھ) لکھتے ہیں:

آنحضرت ﷺ سونے کے بعد (آخر شب) یہ نماز پڑھتے تھے۔ [۳]

---

[۱] صحیح بخاری (۱:۱۵۴) بحوالہ حی علی الصلوۃ (ص ۳۶) از خواجہ محمد قاسم غیر مقلد

[۲] صحیح بخاری (۱:۱۵۲ رقم الحدیث: ۱۱۳۲، ۶۴۶۱)

[۳] رسالہ تراویح (ص ۵۹)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اور آخر شب میں جو نماز پڑھی جاتی ہے وہ تہجد کی نماز ہے نہ کہ تراویح کی۔

غیر مقلدین کے شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ (م ۱۳۶۷ھ) اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں:

تہجد کا وقت ہی صبح سے پہلے کا ہے، اول شب میں تہجد نہیں ہوتی۔[۱]

مولانا صلاح الدین یوسف غیر مقلد (سابق ایڈیٹر ہفت روزہ الاعتصام) لکھتے ہیں:

بہر حال تہجد کا مفہوم رات کے پچھلے پہر اٹھ کر نوافل پڑھنا ہے، ساری رات قیام اللیل کرنا خلاف سُنت ہے۔ نبی ﷺ رات کے پہلے حصے میں سوتے اور پچھلے حصے میں اٹھ کر تہجد پڑھتے۔[۲]

بنابریں غیر مقلدین کا رسول اللہ ﷺ کی آخر شب کی نماز (تہجد) سے اول شب کی نماز (تراویح) پر استدلال کرنا خود اپنے طے شدہ اصولوں کی روشنی میں باطل ہو گیا۔

بزرگ غیر مقلد عالم مولانا میاں غلام رسول صاحبؒ (م ۱۲۹۱ھ) اپنے ان ہم مسلک غیر مقلدین پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اگر تحقیق کی نگاہ سے دیکھا جائے تو آٹھ رکعات والے حضرات کئی وجوہ سے سنت کو بدلتے ہیں، اور شور وغل صرف بیس کے عدد پر برپا کرتے ہیں۔ اولاً وقت کو بدلتے ہیں کہ وہ رات کے ابتدائی حصہ میں پڑھتے ہیں، اور "سفر سعادت" میں ہے کہ آنحضرت ﷺ وتر کبھی رات کے اول حصہ میں، کبھی درمیان میں، اور اکثر رات کے آخری حصہ میں ادا کرتے تھے۔[۳]

---

[۱] فتاویٰ ثنائیہ (۱: ۶۸۲) ناشر: ادارہ ترجمان السنۃ لاہور

[۲] تفسیری حواشی (ص ۷۸۹) مطبوعہ شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ پریس سعودی عرب

[۳] ینابیع ترجمہ رسالہ تراویح (ص ۵۸)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

جواب سادس:

اگر بالفرض غیر مقلدین کا یہ دعوٰی مان ہی لیا جائے کہ اس حدیث کا تعلق تراویح سے ہے، اور تراویح اور تہجد ایک ہی نماز ہے، تو پھر بھی ان کا اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے صرف آٹھ رکعت پر اکتفا کرنا اور اسی عدد کو سنت کہنا غلط ہے۔ کیونکہ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آٹھ رکعات پڑھنا ثابت ہے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آٹھ رکعات سے کم اور آٹھ رکعات سے زائد پڑھنا بھی ثابت ہے۔ اور خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رات کی نماز کی متعدد صورتیں منقول ہیں جن کی صحت خود علمائے غیر مقلدین کو بھی تسلیم ہے۔

چنانچہ علامہ شوکانی ؒ (م ۱۲۵۰ھ) لکھتے ہیں:

"وَقَدْ وُرِدَ عَنْ عَائِشَةَ فِي الْاِخْبَارِ عَنْ صَلَاتِهٖ ﷺ بِاللَّيْلِ رِوَايَاتٌ مُخْتَلِفَةٌ ....۔

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رات کی نماز سے متعلق مختلف احادیث روایت کی گئی ہیں۔"

اس کے بعد شوکانی صاحب ؒ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قیام اللیل کی مختلف صورتیں (دس رکعات، آٹھ رکعات، نو رکعات مع الوتر، سات رکعات مع الوتر وغیرہ) بلا ردو انکار نقل کی ہیں۔[۱]

اسی طرح اکابر علمائے غیر مقلدین میں سے علامہ امیر یمانی ؒ (م ۱۱۸۲ھ) لکھتے ہیں:

" اِعْلَمْ اَنَّهٗ قَدِ اخْتَلَفَتِ الرِّوَايَاتُ عَنْ عَائِشَةَ فِيْ كَيْفِيَّةِ

---

[۱] نیل الاوطار (۱:۵۰۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

صَلَاتِهِ ﷺ فِي اللَّيْلِ وَعَدَدِهَا، فَقَدْ رُوِيَ عَنْهَا سَبْعٌ وَتِسْعٌ وَإِحْدٰى عَشْرَةَ سِوٰى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ وَمِنْهَا هٰذِهِ الرِّوَايَةُ: كَانَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ عَشْرَ رَكْعَاتٍ وَيُوْتِرُ سَجْدَةً اَیْ رَكْعَةً وَيَرْكَعُ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فَتِلْكَ ثَلَاثُ عَشْرَةَ رَكْعَةً۔ الخ۔"[1]

"جان لو کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز کی کیفیت اور تعداد میں روایات مختلف ہیں، چنانچہ آپ ﷺ سے (وتر سمیت) سات رکعات، نو رکعات، گیارہ رکعات علاوہ دو رکعات سنت فجر کے، مروی ہیں، اوران روایات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کی نماز میں دس رکعات پڑھتے تھے، اور ایک رکعت وتر اور دو رکعات سنت فجر پڑھتے تھے، یہ کل تیرہ رکعات ہوئیں، ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ صبح کی دو سنتوں سمیت پندرہ رکعات پڑھتے تھے۔ الخ"

مولانا میاں غلام رسول صاحبؒ (م ۱۲۹۱ھ) لکھتے ہیں:

امام قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کی روایت میں جو حضرت سعد بن ہشامؒ کی سند سے آتی ہے، ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نو رکعت (مع الوتر) پڑھتے تھے، اور بسند عروہؒ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ گیارہ رکعت پڑھتے تھے جن میں وتر بھی ہوتے تھے، جن کی ہر دو رکعت کے بعد سلام کہتے تھے، اور جب آپ کے پاس مؤذن آچکتا تو آپ ﷺ صبح کی دو سنتیں پڑھتے تھے۔ اور حضرت ہشامؒ بن عروہؒ کی روایت میں جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے، یہ آتا ہے کہ آپ ﷺ تیرہ رکعت ادا کرتے جن میں صبح کی دو سنتیں بھی

---

[1] سبل السلام (۲:۱۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ہوتی تھیں، اور حضرت عائشہؓ سے یہ روایت بھی آتی ہے کہ آپ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، اور ان سے یہ روایت بھی ہے کہ آپ ﷺ تیرہ رکعت پڑھتے تھے، آٹھ اور پھر تین وتر اور پھر بیٹھ کر دو رکعت پڑھتے تھے۔ اور ان سے بخاری میں یہ بھی ہے کہ آپ کی رات کی نماز سات اور نو رکعت (مع الوتر) ہوتی تھی۔[۱]

نیز میاں صاحبؒ فرماتے ہیں:

مصنف سفر سعادت نے (رسول اللہ ﷺ کی) رات کی نماز کے باب میں آٹھ صورتیں لکھی ہیں جو سب کی سب صحیح ہیں۔ پس جو کچھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات پڑھتے تھے، یہ خبر دینا بھی ان کا اپنی باری کے دنوں کا ہے جو سال کے چھتیس دن ان کی باری کے ہوتے تھے۔ خود حضرت عائشہؓ اور اس طرح دوسرے حضرات سے گیارہ سے کم اور زیادہ کی روایات گزر چکی ہیں۔[۲]

غیر مقلدین کے محقق اعظم مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ (م ۱۳۵۳ھ) حافظ عینیؒ (م ۸۵۵ھ) کے بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اَنَّهٗ قَدْ ثَبَتَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ قَدْ يُصَلِّيْ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً سِوَى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ۔“[۳]

”یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کبھی فجر کی دو رکعات کے علاوہ بھی تیرہ

---

[۱] ینابیع ترجمہ رسالہ تراویح (ص ۴۸، ۴۹)

[۲] ایضاً (ص ۵۱)

[۳] تحفۃ الاحوذی (۳:۵۲۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

رکعات پڑھی ہیں۔"[۱]

مبارکپوری کے استاذ مولانا عبد اللہ غازی پوریؒ (م ۱۳۳۷ھ) اور مولانا محمد یحییٰ منڈی عثمانوالہ نے بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ:

لیکن حق یہ ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی کبھی سنتِ فجر کے علاوہ بھی تیرہ رکعتیں پڑھی ہیں۔[۲]

مولانا عبد اللہ روپڑیؒ (م ۱۳۸۴ھ) نے بھی تسلیم کیا ہے کہ:

ہاں شاذ و نادر آپ نے فجر کی سنتوں کے بغیر بھی تیرہ پڑھی ہیں، اور اخیر عمر میں آپ

---

[۱] کفایت اللہ سنابلی صاحب نے اس روایت کی یہ توجیہ پیش کی ہے کہ ان تیرہ رکعات میں عشاء کی دو سنتیں بھی شامل ہیں۔ انوار التوضیح (ص ۳۸۔۴۰)

جواب: یہ توجیہ خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تصریح کے خلاف ہے، چنانچہ امام ابن خزیمہؒ (م ۳۱۱ھ) اور امام ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ) نے اپنی اپنی صحیح (جن کی صحت خود سنابلی صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں۔ انوار التوضیح (ص ۷۵) میں حضرت عائشہؓ سے بہ سند متصل نقل کیا ہے کہ آپ فرماتی ہیں: كَانَ يُصَلِّي ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً مِنَ اللَّيْلِ، ثُمَّ إِنَّهُ صَلَّى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً، تَرَكَ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ قُبِضَ حِينَ قُبِضَ وَهُوَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ بِتِسْعِ رَكَعَاتٍ۔ صحیح ابن خزیمہ (۲: ۴۲ ح ۱۱۶۸)، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان (۳: ۳۶۲ ح ۲۶۱۶)

اس حدیث میں حضرت عائشہؓ صاف بتلا رہی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے رات کو تیرہ رکعات قیام اللیل (تہجد) کی پڑھتے تھے، اور پھر ان میں سے دو رکعات ترک کرکے گیارہ رکعات پڑھنے لگے، اور پھر آخر عمر میں صرف سات رکعات (تین وتر سمیت) پڑھنے پر ہی اکتفا کرتے رہے۔ حضرت عائشہؓ کی اس وضاحت کے بعد سنابلی صاحب کی ذکر کردہ تمام تاویلات ھباءً منثورًا ہو جاتی ہیں، کیونکہ مولانا مبارکپوری وغیرہ علمائے غیر مقلدین نے تصریح کی ہے کہ راوی خصوصاً مجتہد صحابیؓ (جیسے حضرت عائشہؓ ہیں) اپنی روایت کے مطلب کو دوسروں سے بہتر جانتا ہے۔ ابکار المنن (ص ۴۴، ۱۴۷)، مقالات راشدیہ (۵: ۱۹۴)

[۲] رکعات التراویح (ص ۵)، مجموعہ رسائل حافظ عبد اللہ غازی پوری (ص ۳۳۵)، فتاویٰ علمائے حدیث (۶: ۲۱۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

نے کمزوری کی وجہ سے گیارہ سے بھی کم کردی تھیں۔[۱]

مولانا محمد صادق سیالکوٹی ؒ لکھتے ہیں:

حضرت مسروق ؒ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے متعلق پوچھا تو جنابہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ: کبھی سات رکعتیں، کبھی نو اور کبھی گیارہ رکعتیں مع وتر پڑھتے۔[۲]

نیز سیالکوٹی صاحب ؒ لکھتے ہیں:

سات رکعت تہجد میں اگر وتر ایک رکعت پڑھیں تو تہجد چھ رکعت ہوئی۔ اور اگر وتر تین رکعت پڑھیں تو نماز تہجد چار رکعت ہوئی۔[۳]

مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی ؒ (م ۱۳۷۵) رقمطراز ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام لیل کی رکعات حضرت عائشہؓ سے مختلف مروی ہیں، ۱۳ بھی، ۱۱ بھی، ۹ بھی، اور ۷ بھی۔[۴]

مولوی محمد قاسم خواجہ لکھتے ہیں:

عائشہ صدیقہؓ قیام نبوی کے بارے میں فرماتی ہیں: یہ سات یا نو یا گیارہ رکعتیں ہوتی تھیں، علاوہ فجر کی دو سنتوں کے۔[۵]

اسی طرح مولانا نذیر احمد صاحب (م ۱۳۸۵ھ) تحریر کرتے ہیں:

---

[۱] اہلحدیث کے امتیازی مسائل (ص ۹۴)

[۲] صلوۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم (ص ۳۶۹)

[۳] ایضاً

[۴] انارۃ المصابیح (ص ۶۷)

[۵] حیّ علی الصلوۃ (ص ۳۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

حضرت عائشہؓ کا خود بخاری شریف (۱:۱۵۳) میں بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ سات بھی پڑھتے تھے نو بھی اور گیارہ بھی۔[۱]

اکابر علمائے غیر مقلدین میں سے مولانا عبدالجبار غزنوی (م ۱۳۳۱ھ) لکھتے ہیں:

تہجد کی نماز دو رکعت سے بارہ رکعت تک ہے، یہ نماز بطور تراویح کے پڑھنا چاہیے۔[۲]

ان مذکورہ بالا بیانات میں اکابر علمائے غیر مقلدین یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رات کی نماز میں دو رکعات سے لے کر بارہ رکعات تک ثابت ہے۔[۳]

پس جب خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز کی

---

[۱] انوار المصابیح (ص ۷۳)

[۲] فتاوی غزنویہ (۱:۴۱۶)، فتاوی علمائے حدیث (۴:۲۴۱)

[۳] بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چودہ اور سولہ رکعات پڑھنا بھی ثابت ہے، جیسا کہ ذیل کی دو روایات سے معلوم ہو رہا ہے:

(۱) عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ ابْنِ طَاوٗسٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ سَبْعَ عَشْرَةَ رَكْعَةً مِنَ اللَّيْلِ۔ مصنف عبدالرزاق (۲:۴۰۹ ح ۴۷۲۲) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو (۳ وتر سمیت) سترہ رکعات پڑھا کرتے تھے۔ اس روایت کی سند بالکل صحیح ہے، البتہ یہ روایت مرسل ہے، اور حصہ اول میں بحوالہ محدثین وعلمائے غیر مقلدین گزر چکا ہے کہ مرسل ائمہ ثلاثہ سمیت جمہور علماء کے نزدیک مطلقاً حجت ہے، اور امام شافعیؒ کے نزدیک مرسل معتضد (جس کی تائید کسی دوسری روایت سے ہوتی ہو، اگرچہ وہ ضعیف ہی کیوں نہ ہو) حجت ہے، اور یہ روایت بھی اگلی حدیث سے مؤید ہونے کی وجہ سے مرسل معتضد ہے، جو کہ بالاتفاق حجت ہے۔

(۲) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ، حَدَّثَنِي الْعَبَّاسُ بْنُ وَلِيْدٍ، حَدَّثَنَا اَبُوْ عَوَانَةَ، عَنْ اَبِيْ اِسْحَاقَ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ ضَمْرَةَ، قَالَ، سُئِلَ عَلِيٌّ عَنْ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ سِتَّ عَشْرَةَ رَكْعَةً۔ مسند احمد بن حنبل (زیادات عبد اللہ، ح ۱۲۳۴، ۱۲۴۱) پیشوائے غیر مقلدین علامہ ابن حزمؒ (۴۵۶ھ) نے اس روایت کے راوی ابو اسحاق سبعیؒ کی تدلیس کو غیر مضر قرار دیا ہے۔ احکام الاحکام (۱:۱۳۶) اسی طرح اس روایت کے بعض طُرق میں ''النہار'' کے الفاظ کا مذکور ہونا بھی کوئی مضر نہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات اور دن دونوں میں سولہ سولہ رکعات نفل پڑھتے ہوں۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

تعداد میں مختلف روایات مروی ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آٹھ سے کم اور آٹھ سے زائد رکعات پڑھنا بھی ثابت ہے، اور ان سب روایات کی صحت خود علمائے غیر مقلدین کو بھی تسلیم ہے تو پھر غیر مقلدین حضرات یہ کیسے دعویٰ کر سکتے ہیں کہ صرف آٹھ رکعات تراویح پڑھنا ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے۔

ع بسوخت عقل ز حیرت ایں چہ بوالعجبیست

جواب سابع:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث میں اس قدر اختلافات (جن کا صرف ہلکا سا نمونہ آپ نے علمائے غیر مقلدین کے مذکورہ بالا بیانات میں ملاحظہ کیا ہے) کو دیکھتے ہوئے بعض محدثین نے اس حدیث کو ہی مضطرب قرار دیا ہے۔

مثلاً شیخ الاسلام امام ابن عبد البرؒ (م ۴۶۳ھ) ارقام فرماتے ہیں:

"وَأَلْفَاظُ الْأَحَادِيثِ عَنْ عَائِشَةَ فِي ذٰلِكَ مُضْطَرِبَةٌ جِدًّا۔"[۱]

"رات کی نماز سے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی احادیث کے الفاظ میں بہت زیادہ اضطراب ہے۔"

نیز امام موصوف لکھتے ہیں:

"فَلَمَّا اخْتَلَفَتِ الْآثَارُ عَنْ عَائِشَةَ فِي كَيْفِيَّةِ صَلَاةِ النَّبِيِّ ﷺ بِاللَّيْلِ هٰذَا الْاِخْتِلَاف، وَتَدَافَعَتْ وَاضْطَرَبَتْ، لَمْ يَكُنْ فِي شَيْءٍ مِّنْهَا حُجَّةٌ عَلٰى غَيْرِهٖ"[۲]

"پس جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رات کی نماز سے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی

---

[۱] التمہید شرح الموطأ (۵:۱۸۲)

[۲] ایضاً (۷:۲۱۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

احادیث میں یہ اس قدر اختلاف ہے، اور یہ روایات باہم اتنی مخالف اور مضطرب ہیں تو پھر ان میں سے کوئی بھی روایت دوسری کے مقابلے میں حجت نہیں ہے۔"

علامہ محمد شوکانی" غیر مقلد (م ۱۲۵۰ھ) لکھتے ہیں:

"وَلِاَجْلِ هٰذَا الْاِخْتِلَافِ نَسَبَ بَعْضُهُمْ حَدِيْثَهَا اِلَى الْاِضْطِرَابِ۔"[۱]

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ان اختلافات کی وجہ سے بعض علمائے محدثین نے ان کی حدیث کو اضطراب کی طرف منسوب کیا ہے۔"

علامہ امیر یمانی" (م ۱۱۸۲ھ) غیر مقلد تحریر کرتے ہیں:

"وَلَمَّا اخْتَلَفَتْ اَلْفَاظُ حَدِيْثِ عَائِشَةَ زَعَمَ الْبَعْضُ اَنَّهٗ حَدِيْثٌ مُضْطَرِبٌ۔"[۲]

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے الفاظ میں اختلاف کی وجہ سے بعض محدثین کے خیال میں یہ حدیث مضطرب ہے۔"

غیر مقلدین کے مسلمہ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ" (م ۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

"وَاضْطَرَبَ قَوْمٌ فِيْ هٰذَا الْاَصْلِ۔"[۳]

"محدثین کی ایک جماعت نے اس اصل (حدیث عائشہؓ) کو مضطرب قرار دیا ہے۔"

حافظ ابن حجر عسقلانی" (م ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

"قَالَ الْقُرْطُبِيُّ: اُشْكِلَتْ رِوَايَاتُ عَائِشَةَ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ اَهْلِ

---

[۱] نیل الاوطار (۱:۵۰۰)

[۲] سبل السلام (۲:۱۴)

[۳] الفتاویٰ الکبریٰ (۱:۱۲۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

الْعِلْمِ حَتّٰی نَسَبَ بَعْضُهُمْ حَدِیْثَهَا اِلَی الْاِضْطِرَابِ۔“[۱]

”علامہ ابو عباس قرطبیؒ (م ۶۵۶ھ) فرماتے ہیں کہ بہت سے اہل علم کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایات (میں تطبیق دینے میں) مشکل پیش آئی ہے، یہاں تک کہ بعض اہلِ علم نے ان کی اس حدیث کو ہی اضطراب کی طرف منسوب کر دیا ہے۔“

اب جن محدثین نے اس حدیث کو مضطرب قرار دیا ہے، ان کی تحقیق کی رو سے تو یہ حدیث ہی نا قابل حجت ہے۔ جیسا کہ امام ابن عبد البرؒ (م ۴۶۳ھ) کی تصریح گزر چکی ہے۔ مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری صاحبؒ (م ۱۳۵۳ھ) نے بھی تصریح کی ہے کہ:

حدیث مضطرب قابل احتجاج نہیں ہو سکتی۔[۲]

جواب ثامن:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایات میں اختلاف کی وجہ سے جن علماء نے اس حدیث کو مضطرب قرار دیا ہے، اُن کے نزدیک تو یہ حدیث قابل احتجاج ہے ہی نہیں، لیکن ان کے بالمقابل دیگر علمائے کرام جنہوں نے اس کو مضطرب کہنے کی بجائے اس کی سب روایات میں تطبیق کا راستہ اختیار کیا ہے، ان کی تحقیق کی رُو سے بھی اس حدیث سے صرف آٹھ رکعات تراویح پر استدلال کرنا غلط ہے۔ کیونکہ ان علماء کے نزدیک اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام راتوں کی نماز کا حال مذکور نہیں، بلکہ ان کے نزدیک یا تو اس روایت میں اکثر راتوں کا ذکر ہے، اور یا یہ تمام روایات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعدد اوقات اور مختلف احوال سے متعلق ہیں۔ چنانچہ امام نوویؒ (م ۶۷۶ھ)، قاضی عیاض مالکیؒ (م ۵۴۴ھ) سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایات میں تطبیق نقل کرتے

---

[۱] فتح الباری شرح صحیح البخاری (۳: ۲۶)

[۲] تحقیق الکلام (۲: ۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ہوئے فرماتے ہیں:

”وَاَمَّا الْاِخْتِلَافُ فِيْ حَدِيْثِ عَائِشَةَ فَقِيْلَ هُوَ مِنْهَا، وَقِيْلَ مِنَ الرُّوَاةِ عَنْهَا، فَيَحْتَمِلُ اَنَّ اِخْبَارَهَا بِإِحْدَى عَشْرَةَ هُوَ الْاَغْلَبُ، وَبَاقِيْ رِوَايَاتِهَا اِخْبَارٌ مِنْهَا بِمَا كَانَ يَقَعُ نَادِرًا فِيْ بَعْضِ الْاَوْقَاتِ، فَاَكْثَرُهُ خَمْسَ عَشْرَةَ بِرَكْعَتَيِ الْفَجْرِ، وَاَقَلُّهُ سَبْعٌ، وَذٰلِكَ بِحَسَبِ مَا كَانَ يَحْصُلُ مِنِ اتِّسَاعِ الْوَقْتِ اَوْضَيْقِهِ بِطُوْلِ قِرَاءَةٍ كَمَا جَاءَ فِيْ حَدِيْثِ حُذَيْفَةَ رضی اللہ عنہ وَابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ اَوْلِنَوْمٍ اَوْعُذْرِ مَرَضٍ اَوْغَيْرِهٖ، اَوْفِيْ بَعْضِ الْاَوْقَاتِ عِنْدَ كِبَرِ السِّنِّ، كَمَا قَالَتْ: فَلَمَّا اَسَنَّ ﷺ صَلّٰى سَبْعَ رَكَعَاتٍ۔“[1]

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں جو اختلاف ہے، اس کے متعلق یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اختلاف خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے منقول ہے، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ اختلاف ان سے نقل کرنے والے راویوں کی طرف سے ہے ، چنانچہ احتمال ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے گیارہ رکعات کے بارے میں جو خبر دی ہے وہ رسول اللہ ﷺ کی اکثر عادت ہو، اور انہوں نے اپنی دیگر روایات میں جو خبر دی ہے وہ ان صورتوں پر محمول ہو جو آپ ﷺ سے بعض اوقات میں صادر ہوئیں۔ پس یہ دو رکعات سنت فجر ملا کر زیادہ سے زیادہ پندرہ رکعات، اور کم سے کم سات رکعات ہیں، یا یہ وقت کی فراخی اور تنگی کے پیش نظر قرأت میں طول (یا اختصار) ہوتا تھا، جیسا کہ حضرت حذیفہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی حدیث میں آتا ہے، یا نیند یا بیماری وغیرہ کے عذر یا بڑھاپے کی وجہ سے بعض اوقات ایسا ہوتا رہا، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

---

[1] شرح صحیح مسلم للنووی“ (۶:۲۵) طبع مؤسسۃ قرطبۃ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ بوڑھے ہو گئے تو آپ ﷺ سات رکعتیں پڑھتے تھے[۱]... وغیرہ وغیرہ

آخر میں قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ:

''وَلَا خِلَافَ اَنَّهٗ لَيْسَ فِيْ ذٰلِكَ حَدٌّ لَايُزَادُ عَلَيْهِ وَلَا يُنْقَصُ

---

[۱] (ف) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا آخری معمول رات کی نماز میں تین وتر سمیت سات رکعتیں پڑھنے کا تھا۔ مولانا عبداللہ روپڑیؒ (م ۱۳۸۴ھ) نے بھی تسلیم کیا ہے کہ: اخیر عمر میں آپ ﷺ نے کمزوری کی وجہ سے گیارہ (رکعات) سے بھی کم کر دی تھیں۔ اہلحدیث کے امتیازی مسائل (ص ۹۴)

اب غیر مقلدین جو اپنے آپ کو قرآن و حدیث کا بلاشرکت غیرے عامل اور محدثین کا متبع سمجھتے ہیں، ان کو چاہیے کہ وہ گیارہ رکعات کو سنت کہنے کی بجائے سات رکعات کو سنت کہیں، کیونکہ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ دونوں نے اپنی اپنی صحیح میں احادیث نبویہ پر عمل پیرا ہونے کے لیے یہ ضابطہ بیان کیا ہے کہ اِنَّمَا يُؤْخَذُ بِالْاٰخِرِ فَالْاٰخِرِ مِنْ فِعْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (صحیح بخاری رقم الحدیث: ۶۸۹، ۴۲۷۶)، صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۵۷۴، ۲۵۷۵) کہ نبی ﷺ کا جو بالکل آخری عمل ہوگا وہ لیا جائے گا۔ اس ضابطہ کو مولانا محمد گوندلویؒ (م ۱۴۰۵ھ) اور ان کے شاگرد مولانا عبدالمنان نور پوریؒ (م ۱۴۳۳ھ) نے بھی تسلیم کیا ہے۔ مقالات مولانا گوندلوی (ص ۴۷۸)، مکالمات نور پوری (ص ۷۰۳)

مولانا محمد ابوالقاسم بنارسی (م ۱۳۶۹ھ) لکھتے ہیں: اصولِ حدیث کا متفقہ مسئلہ ہے کہ ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری فعل لیا جاتا ہے۔ حسن الصناعۃ (ص ۱۴)۔ اس ضابطہ کی رُو سے رسول اللہ ﷺ کی سنت تین وتر سمیت سات رکعات بنتی ہے، لیکن غیر مقلدین اس کے برخلاف صرف گیارہ رکعات کو سنت کہتے ہیں، نہ گیارہ سے کم اور نہ گیارہ سے زائد کو۔ معلوم ہوا کہ غیر مقلدین نہ تو قرآن و حدیث پر عمل پیرا ہونے کے دعویٰ میں سچے ہیں اور نہ وہ (امام بخاریؒ وغیرہ) محدثین کرام کی تصریحات کو مانتے ہیں۔ ہم اس موقع پر غیر مقلدین حضرات کو ان ہی کے ایک مشہور عالم مولانا محمد جونا گڑھی (م ۱۳۶۰ھ) کا ایک شعر یاد دلاتے ہیں۔

بنتے ہو وفادار تو وفا کر کے دکھاؤ
کہنے کی وفا اور ہے کرنے کی وفا اور

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

مِنْهُ، وَاَنَّ صَلَاةَ اللَّيْلِ مِنَ الطَّاعَاتِ الَّتِيْ كُلَّمَا زَادَ فِيْهَا زَادَ الْاَجْرُ، وَاِنَّمَا الْخِلَافُ فِيْ فِعْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا اخْتَارَهُ لِنَفْسِهِ، وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔"[۱]

"اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ رات کی نماز میں (رسول اللہ ﷺ کی طرف سے) کوئی ایسی حد مقرر نہیں کہ جس میں کمی یا زیادتی نہ کی جاسکے، اور رات کی نماز ان نیکیوں میں سے ہے کہ وہ جتنی بھی زیادہ کی جائے ثواب بڑھتا جائے گا۔ اختلاف تو صرف اس بات میں ہے کہ نبی ﷺ کا عمل کیا تھا اور انہوں نے اپنے لیے کیا پسند فرمایا۔" واللہ اعلم۔

شارح بخاری و ہدایہ امام بدرالدین عینیؒ (م ۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:

" قَدْ وَقَعَ اِخْتِلَافٌ كَثِيْرٌ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فِيْ اَعْدَادِ الرَّكَعَاتِ فِيْ صَلَاتِهِ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ فِي اللَّيْلِ، فَهٰذَا اِمَّا عَنِ الرُّوَاةِ عَنْهَا، وَاِمَّا عَنْهَا بِاِعْتِبَارِ اَنَّهَا اَخْبَرَتْ عَنْ حَالَاتٍ مِنْهَا مَا هُوَ الْاَغْلَبُ عَنْ فِعْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ، وَمِنْهَا مَا هُوَ نَادِرٌ، وَمِنْهَا مَا هُوَ بِحَيْثُ اتِّسَاعِ الْوَقْتِ وَضِيْقِهِ۔"[۲]

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی کریم ﷺ کی رات کی نماز کے متعلق بیانات میں بہت زیادہ اختلاف واقع ہوا ہے، یہ اختلاف یا تو ان راویوں کی وجہ سے ہے جنہوں نے اس حدیث کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے، یا یہ اختلاف خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے وارد ہوا ہے، جس کی صورت یہ ہے کہ انہوں نے بعض دفعہ نبی ﷺ کے عمل کی اکثر حالت بیان

[۱] ایضاً

[۲] البنایہ فی شرح الہدایہ (۶۱:۳)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کی، اور کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی نادر صورت کو بتایا، اور بسا اوقات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے وسعتِ وقت اور کبھی تنگی وقت کی نشاندہی فرمائی۔ یعنی جب آپ ﷺ کے پاس وقت زیادہ ہوتا تو آپ ﷺ زیادہ رکعات پڑھتے، اور جب وقت تنگ ہوتا تو آپ ﷺ رکعات کی تعداد کم کر دیتے"۔

شارح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانی ؒ (م ۸۵۲ھ) نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ان مختلف روایات میں یوں تطبیق بیان فرمائی ہے:

"وَالصَّوَابُ اَنَّ كُلَّ شَيْءٍ ذَكَرَتْهُ مِنْ ذٰلِكَ مَحْمُوْلٌ عَلٰى اَوْقَاتٍ مُتَعَدِّدَةٍ وَاَحْوَالٍ مُخْتَلِفَةٍ۔"[۱]

"درست بات یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت ﷺ کی نماز سے متعلق جتنی روایات بیان فرمائی ہیں وہ متعدد اوقات اور مختلف احوال پر محمول ہیں۔"

اسی طرح علمائے غیر مقلدین میں سے قاضی شوکانی (م ۱۲۵۰ھ) اور علامہ امیر یمانی (م ۱۱۸۲ھ) نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ان روایات میں یہی تطبیق دی ہے کہ یہ سب روایتیں رسول اللہ ﷺ کے متعدد اوقات اور مختلف احوال سے متعلق ہیں، اور یہ سب صورتیں جائز ہیں۔[۲]

بزرگ غیر مقلد عالم مولانا میاں غلام رسول صاحب ؒ (م ۱۲۹۱ھ) نے بھی اپنے رسالہ "تراویح" میں ان روایات میں مختلف تطبیقات ذکر کی ہیں، اور اس دعوے کو غلط ثابت کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گیارہ رکعات والی روایت میں رسول

---

[۱] فتح الباری (۳:۲۶)

[۲] نیل الاوطار (۱:۵۰۰)، سبل السلام (۲:۱۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اللہ ﷺ کا دائمی عمل مذکور ہے۔[۱]

اب جن علمائے کرام نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایات میں اضطراب کی تصریح کرنے کے بجائے ان سب روایات میں یہ تطبیقات ذکر کی ہیں، ان کے نزدیک بھی آٹھ رکعات (یا گیارہ رکعات مع الوتر) نبی کریم ﷺ کا دائمی عمل نہیں تھا، بلکہ ان کے ہاں مختلف موقعوں پر آپ ﷺ سے آٹھ سے زائد اور آٹھ سے کم رکعات پڑھنا بھی ثابت ہے۔

اور مولانا نذیر احمد رحمانیؒ (م ۱۳۸۵ھ) لکھتے ہیں کہ:

جس عدد کا پڑھنا ایک دفعہ بھی ثابت ہو وہ بے شک سنت ہے۔[۲]

مولانا ابو القاسم بنارسی (م ۱۳۶۹ھ) لکھتے ہیں:

کوئی کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اگر ایک بار بھی ثابت ہو جائے تو اس پر مواظبت کی جا سکتی ہے۔[۳]

چہ جائیکہ جس عدد کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد بار پڑھنا ثابت ہو۔ لہٰذا ان علمائے کرام کی تحقیق میں بھی صرف آٹھ رکعات پڑھنا ہی سنت نہیں، بلکہ کبھی آٹھ سے کم اور کبھی آٹھ سے زائد رکعات پڑھنا اور آٹھ رکعات پڑھنے کی ہیئت کو بدلنا بھی سنت ہے۔

اور یہ بات صرف ہم نہیں کہتے بلکہ یہ بات خود غیر مقلدین کے بہت بڑے عالم مولانا میاں غلام رسول صاحبؒ (م ۱۲۹۱ھ) بھی تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ میاں صاحبؒ فرماتے ہیں:

پس جو کچھ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ رمضان اور غیر

---

[۱] ینابیع ترجمہ رسالہ تراویح (ص ۴۸۔۵۳)

[۲] انوار المصابیح (ص ۶۴)

[۳] حسن الصناعۃ (ص ۵۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

رمضان میں گیارہ رکعات پڑھتے تھے، یہ خبر دینا بھی ان کا اپنی باری کے دنوں کا ہے جو سال میں چھتیس دن ان کی باری کے ہوتے تھے، اور خود حضرت عائشہؓ اور اس طرح دوسرے حضرات (صحابہ کرامؓ) سے (گیارہ رکعات سے) کمی بیشی کی روایات پہلے گزر چکی ہیں۔ لہٰذا گیارہ رکعات کی ہیئت کو بدلنا اور اس کا تغیر کرنا بھی سنت ہوا۔"[۱]

بنابریں موجودہ غیر مقلدین کا حدیثِ عائشہؓ سے استدلال کرتے ہوئے صرف آٹھ رکعات پر اقتصار کرنا اور اسی عدد کو سنت کہنا خود بخود باطل ہو گیا۔

جواب تاسع:

اگر بالفرض مان لیا جائے کہ صرف آٹھ رکعات کا پڑھنا ہی رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے، لیکن جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بحیثیت خلیفہ راشد ان میں اضافہ فرما دیا، اور تراویح کی بیس رکعات مقرر کر دیں، تو اب صرف آٹھ رکعات کا پڑھنا سنت نہیں، بلکہ پوری بیس رکعات کا پڑھنا ہی سنت ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اپنے فرمان " عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ۔" الحدیث۔[۲] "تم پر میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء کی سنت لازم ہے" میں اپنی سنت کی طرح اپنے خلفائے راشدین کی سنت کو بھی امت کے لیے لازمی اور ضروری قرار دیا ہے۔

شیخ الاسلام امام تقی الدین سُبکی شافعیؒ (م ۷۵۶ھ) اس حدیث کے جواب میں لکھتے ہیں:

" فَلَوْلَمْ يَكُنْ فِيْ هٰذَا الْعَدَدِ الْخَاصِ اِلَّا اجْتِهَادَ عُمَرَ، وَاَخَذَ

[۱] ینابیع ترجمہ رسالہ تراویح (ص ۵۴، ۵۵)

[۲] جامع الترمذی (۲: ۹۴، رقم الحدیث ۲۶۷۶)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

جَمِيعُ النَّاسِ بِهٖ لَدَلَّ عَلَى حُسْنِهٖ وَاسْتِحْبَابِهٖ وَعَدَمِ إِنْكَارِهٖ، فَالْتَحَقَ بِالسُّنَنِ لِذٰلِكَ، وَلِقَوْلِهٖ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ مِنْ بَعْدِيْ۔"[1]

"سو اگر اس عدد خاص (۲۳ رکعات) میں کوئی اور دلیل نہ بھی ہو، سوائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کے، اور سب لوگوں (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کے اس کو قبول کرنے کے، تو یہی اس کے اچھا، مستحب، اور منکر نہ ہونے کے لیے بطور دلیل کافی ہے، چنانچہ اس وجہ سے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: تم پر میری اور میرے بعد آنے والے خلفائے راشدین کی سنت لازم ہے، کی وجہ سے یہ عدد (۲۳ رکعات) مسنون اعمال میں شمار ہوتا ہے۔

اور پھر اس پر سیر حاصل بحث کرنے کے بعد ارقام فرماتے ہیں:

"فَإِذَا رَأَيْنَا شَخْصًا فِيْ هٰذَا الزَّمَانِ أَخَذَ بِإِحْدٰى عَشْرَةَ فِيْ حَقِّ نَفْسِهٖ، لَمْ يُنْكَرْ عَلَيْهِ فِيْ فِعْلِهٖ، لِأَنَّ ذٰلِكَ مِنَ النَّوَافِلِ، مَنْ شَاءَ زَادَ وَمَنْ شَاءَ نَقَصَ أَوْ تَرَكَ، لٰكِنَّا نُحَذِّرُهٗ مِنَ الرَّغْبَةِ عَمَّا فَعَلَهٗ عُمَرُ أَوْ اِعْتِقَادِ أَنَّهٗ لَيْسَ مِنَ السُّنَّةِ، لِأَنَّ فِيْ ذٰلِكَ إِزْرَاءً عَلَيْهِ وَعَلٰى سَائِرِ الصَّحَابَةِ وَعَلَى السَّلَفِ وَالْخَلَفِ۔"[2]

"سو اگر اس زمانے میں ہم کسی ایسے شخص کو دیکھیں کہ وہ ذاتی طور پر گیارہ رکعات اختیار کرتا ہے، تو اس کے اس انفرادی فعل پر اس کو کچھ نہیں کہا جائے گا، کیونکہ یہ نفلی عبادت ہے (فرض نہیں) جو چاہے زیادہ پڑھے، جو چاہے کم پڑھے، یا بالکل نہ پڑھے، لیکن اگر اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عمل (تیئس رکعات) سے بے رغبتی

---

[1] ضوء المصابیح (ص ۳۳۷)

[2] ایضاً (ص ۳۴۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

دکھائی، یا یہ اعتقاد رکھا کہ یہ سنت نہیں ہے، تو پھر اس کو تنبیہ کی جائے گی، کیونکہ اس میں حضرت عمر سمیت تمام صحابہ رضی اللہ عنہم، اور سب سلف وخلف کی توہین ہے۔"

اور پھر امام موصوف نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص مساجد میں تئیس رکعات کو گیارہ رکعات سے بدلنے کی کوشش کرے گا تو اس کو ہم سختی سے منع کریں گے، اور اس کو آثار سلف سے جاہل، اور خلفائے راشدین کی سنت سے بے رغبتی کرنے کی وجہ سے بدعتی قرار دیں گے۔[۱]

نیز غیر مقلدین کے معتدل اور انصاف پسند علماء بھی صرف آٹھ رکعات تراویح کو ہی سنت نہیں کہتے، بلکہ وہ بیس رکعات کو بھی سنت سمجھتے ہیں۔ چنانچہ غیر مقلدین کے مجدد العصر نواب صدیق حسن خان صاحبؒ (م ۱۳۰۷ھ) اس نکتہ کو یوں بیان کرتے ہیں:

"مقصود آنکہ یازدہ رکعت از آنحضرت ﷺ مروی گشتہ وبست رکعت زیادت عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب ست وسنت نبویہ در زیادت عمریہ مغمور پس آتی یزیادت عامل بسنت ہم باشد۔"[۲]

"مقصود یہ ہے کہ گیارہ رکعتیں آنحضرت ﷺ سے منقول ہیں، اور بیس رکعتیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اضافہ سے ہوئی ہیں۔ اضافہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مقرر کردہ تعداد میں سنت نبوی داخل وشامل ہے، لہٰذا بڑھائی ہوئی تعداد (بیس رکعات) پر عمل کرنے والا بھی (رسول اللہ ﷺ کی) سنت پر عمل کرنے والا ہے۔"

مولانا میاں غلام رسول صاحبؒ (م ۱۲۹۱ھ) اپنے رسالہ "تراویح" کے خطبہ میں ارقام فرماتے ہیں:

بیس رکعات تراویح ادا کرنے سے آنحضرت ﷺ کی سنت بھی ادا ہو جاتی ہے،

---

[۱] ایضاً

[۲] ہدایۃ السائل (ص ۱۳۸) مطبوعہ مطبع شاہجہانی بھوپال، فتاویٰ نواب صدیق حسن خان مترجم (۱:۳۴۷) مطبوعہ دار ابی الطیب گوجرانوالہ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اور حضرات خلفائے راشدین کی سنت بھی، اور اس میں اجر بھی زیادہ ہے۔"[۱]

اب اگر غیر مقلدین حضرات اپنے اکابر کا یہ فیصلہ تسلیم کرلیں تو تراویح کے مسئلہ میں اختلافات کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔ دیدہ باید!

جواب عاشر:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیث پر غیر مقلدین کا خود اپنا عمل نہیں، بلکہ ان کا عمل تو اس حدیث کے سراسر خلاف ہے، کیونکہ:

① اس حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ پورا سال یہ نماز پڑھتے تھے، جب کہ غیر مقلدین اس نماز کو صرف ماہ رمضان میں التزام کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

② حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ یہ آٹھ رکعت چار چار رکعت کی نیت سے دو سلام میں پڑھتے تھے۔[۲]

جب کہ غیر مقلدین ان آٹھ رکعتوں کو دو دو کرکے چار سلاموں میں پڑھتے ہیں۔

③ اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ تین وتر پڑھتے تھے۔ اور مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب (م ۱۳۵۳ھ) لکھتے ہیں کہ:

ظاہر یہی ہے کہ وتر کی یہ تین رکعتیں ایک سلام کے ساتھ تھیں۔[۳]

جب کہ غیر مقلدین صرف ایک وتر پڑھتے ہیں، اور اگر کوئی تین وتر پڑھتا بھی ہے تو دو سلام کے ساتھ[۴]

---

[۱] ینابیع ترجمہ رسالہ تراویح (ص ۲۳)

[۲] صلوٰۃ الرسول ﷺ (ص ۳۷۰)

[۳] تحفۃ الاحوذی (۲:۵۱۸)

[۴] زبیر علی زئی لکھتے ہیں: تین رکعت وتر ایک سلام سے پڑھنے نبی ﷺ سے باسند صحیح ثابت نہیں ہیں۔ ھدیۃ المسلمین (ص ۵۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

④ اس حدیث میں ہے کہ پیغمبر عالم ﷺ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے تھے، جب کہ غیر مقلدین وتر سونے سے پہلے ہی پڑھ لیتے ہیں۔

⑤ مذکورہ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ یہ آٹھ رکعتیں نہایت خوبی اور درازی کے ساتھ پڑھتے تھے، لیکن غیر مقلدین یہ آٹھ رکعتیں مختصر اور ہلکی پھلکی پڑھتے ہیں۔

⑥ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس حدیث میں جس نماز کا تذکرہ کر رہی ہیں وہ آپ ﷺ آخر شب (سحری کے وقت) پڑھتے تھے۔[1] لیکن غیر مقلدین تراویح نماز عشاء کے متصل بعد پڑھتے ہیں۔

⑦ آنحضرت ﷺ یہ نماز سونے کے بعد پڑھتے تھے۔ جب کہ غیر مقلدین یہ نماز سونے سے پہلے ہی پڑھ لیتے ہیں۔

مولانا میاں غلام رسول صاحبؒ (م ۱۲۹۱ھ) اس حدیث سے متعلق اپنے ہم مسلکوں کے دوغلہ پن کو آشکارا کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سونے کے بعد یہ نماز پڑھتے تھے، اور یہ (غیر مقلدین) سونے سے پہلے پڑھ لیتے ہیں، پس اتنے تغیرات کو یہ مخالف سنت نہیں سمجھتے، بس صرف بیس (۲۰) کے عدد کو مغیّر سنت قرار دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو انصاف سے کام لے، اور تعصب نہ کرے۔[2]

⑧ اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کا یہ نماز گھر میں پڑھنا مذکور ہے (کیونکہ حدیث ھذا میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور آپ ﷺ کے درمیان بات چیت کرنے کا جو ذکر ہے۔ یہ دلیل ہے کہ یہ نماز آپ ﷺ گھر میں ہی پڑھتے تھے) بلکہ ایک روایت میں تو رسول اللہ ﷺ نے نماز تراویح کو گھر میں پڑھنے کا حکم فرمایا۔[3]

---

[1] حی علی الصلوۃ (ص ۳۶) بحوالہ صحیح البخاری (۱:۱۵۴) از خواجہ محمد قاسم غیر مقلد۔

[2] رسالہ تراویح (ص ۵۹) از مولانا غلام رسول صاحب غیر مقلد

[3] صحیح البخاری رقم الحدیث: (۷۳۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

لیکن غیر مقلدین اس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے تراویح مسجدوں میں پڑھتے ہیں۔

مولانا میاں غلام رسول صاحبؒ (م ۱۳۱۹ھ) نے اس پر بھی اپنے ان ہم مسلکوں کے اس دوغلہ پن کی مذمت میں لکھا ہے:

انہوں نے جگہ کو بدل دیا ہے، کیونکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آدمی کے لیے بہتر یہ ہے کہ (غیر فرضی) نماز گھر میں ہو، حالانکہ وہ مسجدوں میں جمع ہو کر پڑھتے ہیں۔[۱]

(۹) حدیث میں مذکورہ نماز کو آپ ﷺ نے بلا جماعت ادا فرمایا لیکن غیر مقلدین اس کو جماعت کے ساتھ ادا کرتے ہیں، بلکہ ان کے "فتاویٰ علمائے حدیث" (۶: ۲۴۳) میں تو تراویح کے لیے جماعت کو شرط قرار دیا گیا ہے۔

(۱۰) اس حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ آٹھ رکعات پڑھنے کے بعد وتر بھی بلا جماعت پڑھتے تھے، لیکن غیر مقلدین پورا رمضان وتر کو تراویح کے ساتھ باجماعت پڑھتے ہیں۔

غیر مقلدین حضرات نے اس حدیث کی صرف ایک شق (آٹھ رکعات) کو تو لے لیا لیکن اس حدیث کی دیگر شقوں کو جو ان کے مؤقف کے خلاف تھیں، ٹھکرا دیا۔ گویا

ع میٹھا میٹھا ہپ ہپ کڑوا کڑوا تھو تھو

اسی طرح وہ حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا سے استدلال کرنے کی وجہ سے اپنے اوپر وارد شدہ اعتراضات کا جواب دینے کے لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قائم کردہ طریقۂ جماعت سے تو استدلال کرتے ہیں، لیکن ان کی مقرر کردہ بیس رکعات والی سنت کو ترک کر دیتے ہیں۔ ؎

یہ لوگ بھی غضب ہیں، دل پر یہ اختیار!
شب موم کر لیا سحر آہن بنا لیا

---

[۱] ینابیع (ص ۵۸)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

حضرات! یہ ہے غیر مقلدین کی آٹھ تراویح کے اثبات میں پہلی اور مرکزی دلیل جس کو وہ اپنے زعم میں ایک غیر متزلزل پہاڑ سمجھتے ہیں، لیکن بحمد اللہ! ہمارے ذکر کردہ ان دس جوابات (جو غیر مقلدین کے اپنے مسلّمات اور ان کے اکابر کی تصریحات کی روشنی میں ذکر کیئے گئے ہیں) سے یہ ثابت ہوگیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیث کا غیر مقلدین کے دعوی سے کوئی تعلق نہیں ہے، اور اس حدیث سے ان کا مدعا ہرگز ثابت نہیں ہوسکتا۔ ان دس جوابات کے علاوہ اس دلیل کے اور بھی کئی جوابات ہمارے پیش نظر ہیں، لیکن طوالت کے خوف سے ان ہی دس جوابات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ انصاف پسند کے لیے یہی دس جوابات کافی ہیں۔

تلك عشرة كاملة۔ وفيه كفاية لمن له هداية

دلیل نمبر ۲: حدیث جابر انصاری رضی اللہ عنہ

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رمضان میں نماز پڑھائی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آٹھ رکعتیں اور وتر پڑھے۔[۱]

جواب نمبر ۱:

یہ حدیث غیر مقلدین کے بیان کردہ قاعدہ کے موافق منقطع ہے، کیونکہ اس روایت کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے راوی عیسی بن جاریہؒ ہیں، جن کے متعلق حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

"مِنَ الرَّابِعَة"[۲] "کہ وہ چوتھے طبقہ کے راوی ہیں"

---

[۱] تعداد رکعات قیام رمضان (ص ۱۶) بحوالہ صحیح ابن خزیمہ (۲:۱۳۸)، صحیح ابن حبان (۴:۶۴)

[۲] تقریب التھذیب (۱:۷۶۹)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اور چوتھے طبقہ کے متعلق مولانا نذیر احمد رحمانی ؒ (م ۱۳۸۵ھ) لکھتے ہیں:

چوتھا طبقہ وہ ہے جو تابعین کے طبقہ وسطیٰ کے قریب ہے، جن کی اکثر روایتیں کبار تابعین سے لی گئی ہیں، صحابہؓ سے نہیں۔ [۱]

سو جب عیسیٰ بن جاریہ چوتھے طبقہ کے راوی ہیں، اور بقول مولانا رحمانی ؒ: اس طبقہ والوں کی احادیث صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی نہیں ہیں [۲]۔ لہٰذا غیر مقلدین کے اصول کے مطابق عیسیٰ کی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کردہ یہ روایت منقطع

---

[۱] انوار المصابیح (ص ۲۸۰)

[۲] اشکال: کفایت اللہ سنابلی صاحب طبقہ رابعہ سے متعلق حافظ ابن حجرؒ کی تصریح نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: حافظ ابن حجرؒ نے صحابہؓ سے اس طبقے کی روایات کا یکسر انکار نہیں کیا، بلکہ صرف یہ کہا ہے کہ ان کی اکثر روایات کبار تابعین سے ہیں۔ یعنی بعض روایات صحابہؓ سے بھی ہیں، اور یہ تعداد میں بہت کم ہیں۔ یہی بات معنوی طور پر علامہ نذیر احمد املویؒ نے بھی کہی ہے، بلکہ یہ بات کہہ کر انہوں نے آگے حافظ ابن حجرؒ کی اسی کتاب تقریب ہی کا حوالہ دیا ہے... انوار التوضیح (ص ۱۴۱)۔

جواب: مولانا املوی نے بے شک تقریب کا حوالہ دیا ہے، لیکن یہ جملہ: صحابہؓ سے نہیں'' انہوں نے اپنی طرف سے کہا ہے، تاکہ وہ یہ ثابت کرسکیں کہ اس طبقہ سے تعلق رکھنے والے عبد العزیز بن رفیعؒ کی صحابہؓ سے احادیث مروی ہی نہیں ہیں، بلکہ مولانا املوی، تو ابو سعد بقالؒ جیسے مشہور تابعی کی دوسرے تابعی سے عَن والی روایت کو قبول کرنے کے لیے بھی تیار نہیں ہیں، اور اس کے لیے وہ معاصرت اور ملاقات کا ثبوت مانگتے ہیں۔ انوار المصابیح (ص ۳۰۰، ۳۰۱) کیا سنابلی صاحب اس اصول کی بنیاد پر ابن جاریہ کی حضرت جابرؓ سے معاصرت اور ملاقات کا ثبوت پیش کرسکتے ہیں؟

علاوہ ازیں مولانا محمد بشیر سہسوانی (م ۱۳۲۶ھ) جو اکابر علمائے غیر مقلدین میں سے ہیں، وہ بھی طبقہ رابعہ سے تعلق رکھنے والے تابعین کی صحابہؓ سے مروی احادیث کو اتصال پر محمول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ چنانچہ موصوف، امام زہریؒ (م ۱۲۴ھ) کی ایک روایت کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: زہری طبقہ رابعہ میں سے ہیں، اکثر روایات اُن کی تابعین سے ہیں، پس ممکن ہے کہ زہری وصحابی کے درمیان میں کوئی واسطہ غیر ثقہ ہو۔ اسی وجہ سے تو محققین علماء مرسل کو حجت نہیں کہتے ہیں۔ البرهان العجاب (ص ۲۲۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ٹھہری، اور منقطع روایت غیر مقلدین کے نزدیک حجت نہیں، بالخصوص جب عیسیٰ نے یہ روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے لفظ عَنْ کے ساتھ بیان کی ہے، اور لفظ عَنْ کے متعلق مولانا نذیر رحمانی لکھتے ہیں:

> عَنْ میں احتمال معاصرت اور امکان لقاء کی گنجائش ہے، مگر حافظ ابن حجر کے قول کے بموجب صرف احتمال اور امکان کافی نہیں، بلکہ معاصرت کا ثبوت شرط ہے، اور حافظ ابن الصلاح کے قول کے بموجب تو ملاقات کا ثبوت بھی شرط ہے۔ [۱]

بنابریں غیر مقلدین حضرات کا فرض ہے کہ وہ اس روایت کا اتصال ثابت کرنے کے لیے کسی ٹھوس دلیل سے عیسیٰ بن جاریہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے درمیان ملاقات کا ثبوت یا کم از کم معاصرت کا ثبوت ہی پیش کر دیں، ورنہ وہ اس روایت سے استدلال کرنا چھوڑ دیں۔ [۲]

---

[۱] ایضاً (ص ۲۹۵۔۲۹۶)

[۲] اشکال: حافظ زبیر علی زئی نے اس کے جواب میں لکھا ہے: مسند ابی یعلیٰ کی سند یہ ہے: حدثنا عبد الاعلی، حدثنا یعقوب عن عیسی بن جاریۃ، حدثنا جابر بن عبد اللہ... اس سند سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عیسیٰ بن جاریہ کی سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت ہے، لہٰذا اس سند پر بعض الناس کی طرف سے انقطاع کا اعتراض باطل ہے، ماہنامہ الحدیث (۹۷:۴۵)

جواب: علی زئی نے جس روایت کے سہارے ابن جاریہ کی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ملاقات وسماعت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، وہ روایت ہی سرے سے ضعیف ہے، چنانچہ آگے کتاب میں بحوالہ آرہا ہے کہ محدثین نے اس روایت کو خود عیسیٰ بن جاریہؒ اور اس کے شاگرد یعقوب قمیؒ کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔ اور علی زئی کے شیخ وممدوح مولانا محب اللہ راشدی (م ۱۴۱۵ھ) تصریح کرتے ہیں کہ: غیر صحیح حدیث سے معاصرت کی دلیل لینا صحیح نہیں۔ مقالاتِ راشدیہ (۹:۱۴۵) مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں: بلاشبہ ثبوتِ سماع کے لیے سند کی صحت ضروری ہے۔ مقالات (۲:۲۷۸) اور خود علی زئی نے بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ: سماع کا ثبوت ضعیف سند سے ثابت نہیں ہوتا۔ تحفۃ الاقویاء (ص ۹۴) پس جب مذکورہ حدیث کی سند ہی صحیح نہیں ہے، تو پھر اس کے بل بوتے ابن جاریہ کی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ملاقات وسماعت کیسے ثابت ہو سکتی ہے؟

ثانیاً: مولانا محب اللہ راشدی لکھتے ہیں: (بقیہ اگلے صفحے پر)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

جوابِ نمبر ۲:

اس حدیث کی سند کے اتصال و انقطاع سے قطع نظر بھی اس حدیث سے استدلال کرنا غلط ہے، کیونکہ یہ حدیث نہایت ضعیف سند سے مروی ہے، چنانچہ اس حدیث کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے میں عیسیٰ بن جاریہ متفرد ہیں[۱] اور عیسیٰ روایتِ حدیث میں نہایت ضعیف اور مجروح راوی ہیں۔ پھر عیسیٰ بن جاریہ سے بھی اس روایت کو صرف ایک راوی یعقوب قمی نے نقل کیا ہے، اور یعقوب قمی بھی ضعیف راوی ہیں۔ "قیام اللیل" وغیرہ میں اس روایت کا ایک تیسرا راوی محمد بن حمید رازی بھی ضعیف، بلکہ عند البعض کذاب ہے۔ لہٰذا ایسی روایت جس کی سند "ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ" کا مصداق ہو، اس سے حجت لینا ہرگز جائز نہیں۔

(بقیہ گزشتہ صفحہ) اصول حدیث کے ماہرین پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ ان سب الفاظ (حَدَّثَنَا وغیرہ) میں راوی کبھی کبھی مجاز سے کام لیتے ہیں، یعنی ان الفاظ کے استعمال کرنے والے کا واقعتاً سماع اس شیخ سے ثابت نہیں ہوتا، بلکہ مجاز کی وجوہات میں سے کسی نہ کسی وجہ کو کام میں لا کر یہ الفاظ کام میں لائے ہیں، کبھی ضعیف راوی کی غلطی کے سبب اصلی الفاظ میں تصرف اور ہیر پھیر ہو جاتا ہے، اور سماع کے غیر محتمل الفاظ غلطی کے سبب محتمل بن جاتے ہیں۔ مقالات راشدیہ (۹:۱۴۹)

اور پھر موصوف اپنے اس مؤقف پر متعدد مثالیں پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں: لہٰذا اگرچہ ایسے صیغے وارد ہوتے ہیں جو کہ صریح تحدیث پر دلالت کرتے ہیں، تب بھی جہابذہ فن اس کے عدم سماع کے قائل رہتے ہیں، اور صریح تحدیث کا صیغہ (اگر مبحوث فیہ راوی ثقہ ہے) کسی نیچے والے راوی کی کارستانی سمجھتے ہیں۔ ایضاً (۹:۱۵۳) اب چونکہ علی زئی کی مستدل روایت میں خود عیسیٰ بن جاریہ اور اس کا شاگرد یعقوب دونوں ضعیف ہیں، اس لیے ممکن ہے کہ یہ "حَدَّثَنَا" کا صیغہ خود ابن جاریہ کا تصرف ہو، یا پھر اس سے نیچے کے راوی قمی کی کارستانی ہو۔ الغرض دونوں صورتوں میں یہ الفاظ قابل استدلال نہیں ہیں۔ سنابلی صاحب لکھتے ہیں: ہر جگہ سماع و تحدیث اتصال کی دلیل نہیں، بلکہ کبھی کبھار وہم کے نتیجے میں بھی سماع یا تحدیث کی صراحت ہو جاتی ہے۔ یزید بن معاویہؓ (ص ۲۴۹)

[۱] المعجم الصغیر (۱:۱۹۰) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ذیل میں اس روایت کے تینوں راویوں کا حال ملاحظہ ہو۔

(۱) عیسیٰ بن جاریہ کا تعارف:

ائمہ حدیث ورجال نے عیسیٰ بن جاریہ پر جو جرح وتنقید کی ہے، ذیل میں اس کی تفصیل پیشِ خدمت ہے:

(۱) شیخ الاسلام علامہ تقی الدین علی بن عبدالکافی سبکیؒ (م ۷۵۶ھ) جن کو غیر مقلدین کے شیخ العرب والعجم مولانا بدیع الدین راشدی (م ۱۴۱۶ھ) نے آٹھویں صدی ہجری کے نامور علمائے اہلحدیث میں ذکر کیا ہے۔[۱] آں موصوف مذکورہ بالا حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وَهٰذَا حَدِيْثٌ ضَعِيْفٌ"

"یہ حدیث ضعیف ہے"

اور پھر انہوں نے اس کے راوی عیسیٰ بن جاریہ اور اس کے شاگرد یعقوب قُمی پر جرح نقل کی ہے۔[۲]

نیز امام موصوف مذکورہ حدیث اور حدیث ابی شیبہؒ بابت بیس تراویح میں موازنہ کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

"بَلْ هٰذَا اَضْعَفُ وَاَنْكَرُ مِنْ حَدِيْثِ اَبِيْ شَيْبَةَ ـ"[۳]

"بلکہ یہ حدیث، ابوشیبہؒ کی حدیث سے زیادہ ضعیف اور منکر ہے"

غیر مقلدین ابوشیبہؒ کی روایت کو انتہائی ضعیف اور موضوع تک قرار دیتے ہیں، تو پھر جو روایت بتصریح امام سبکیؒ: اس سے زیادہ ضعیف اور منکر ہے، وہ کس قدر واہی تباہی روایت ہوگی؟

(۲) امام الجرح والتعدیل حضرت یحییٰ بن معینؒ (م ۲۳۳ھ) نے ابن جاریہ کو

---

[۱] مقالاتِ راشدیہ (۲:۵۲۸)

[۲] ضوء المصابیح فی صلاۃ التراویح (ص ۲۰۴) طبع مکتبۃ عبق المسک عمان اردن

[۳] ایضاً

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ضعیف قرار دیا ہے۔ چنانچہ حافظ نور الدین ہیثمیؒ (م ۸۰۷ھ) اس کے متعلق لکھتے ہیں:

”وَضَعَّفَهُ ابْنُ مَعِيْنٍ ۔“[۱]

”امام یحییٰ بن معینؒ نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔“

امام ابن معینؒ سے عیسیٰ بن جاریہ کے خلاف متعدد اقوال منقول ہیں۔ مثلاً ان کے شاگرد رشید امام ابوبکر ابن ابی خیثمہؒ (م ۲۷۹ھ) نے ان سے نقل کیا ہے کہ:

”لَيْسَ حَدِيْثُ عِيْسَى بْنِ جَارِيَةَ بِذَاكَ ۔“[۲]

مولانا محمد شرف الدین دہلویؒ (م ۱۳۸۱ھ) جو اکابر علمائے غیر مقلدین میں سے ہیں، نے ”لَيْسَ بِذَاكَ“ کا ترجمہ کیا ہے:

وہ اس درجہ کا نہیں۔ یعنی ضعیف ہے۔[۳]

نیز موصوف، امام ابن معینؒ کے ایک راوی سے متعلق مذکورہ الفاظ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

اور یحییٰ بن معین نے کہا: وہ ضعیف ہے۔[۴]

غیر مقلدین کے ذہبی العصر شیخ عبدالرحمٰن معلمی (م ۱۳۸۶ھ) بھی اس کلمہ کو معتبر الفاظِ جرح میں شمار کرتے ہیں۔[۵]

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری (م ۱۳۵۳ھ) نے تو یہاں تک تصریح کی ہے کہ:

”لِاَنَّ قَوْلَهُمْ: لَيْسَ بِذَاكَ مِنْ اَلْفَاظِ الْجَرْحِ اِتِّفَاقًا ۔“[۶]

”محدثین کا قول: ”لَيْسَ بِذَاكَ“ بالاتفاق الفاظِ جرح میں سے ہے۔“

---

[۱] مجمع الزوائد (۳: ۱۷۳) طبع دار الفکر بیروت

[۲] الجرح والتعدیل (۶: ۲۷۳) طبع دار الفکر بیروت

[۳] کشف الحجاب ترجمہ البرہان العجاب (ص ۱۹۷)

[۴] ایضاً (ص ۲۷۸)

[۵] حاشیہ الفوائد المجموعۃ (ص ۳۵۷، ۳۶۳)

[۶] تحفۃ الاحوذی (۱: ۳۵۹)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اس سے بعض غیر مقلدین کا یہ کہنا باطل ہوگیا کہ: اس صیغہ سے حدیث کی تضعیف نہیں ہوتی، بلکہ اعلیٰ درجے کی صحت کی نفی ہے۔[۱]

نیز امام ابن معینؒ کے دوسرے شاگرد امام ابراہیم بن الجنیدؒ (م ۲۶۰ھ تقریباً) فرماتے ہیں کہ میں نے امام یحییٰ بن معینؒ سے عیسیٰ بن جاریہ کے بارے میں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

''لَيْسَ بِشَيْءٍ''[۲]

مولانا شرف الدینؒ (م ۱۳۸۱ھ) نے امام ابن معینؒ کے ایک راوی سے متعلق مذکورہ قول: ''لَيْسَ بِشَيْءٍ'' کا ترجمہ کیا ہے: وہ کارآمد نہیں۔[۳]

مولانا محب اللہ راشدیؒ (م ۱۴۱۵ھ) ایک راوی سے متعلق امام ابن معینؒ کے مذکورہ الفاظ کا ترجمہ کرتے ہیں:

مترجم لہ کوئی چیز نہیں ہے۔ یعنی واہی ہے۔[۴]

علامہ شوکانیؒ (م ۱۲۵۰ھ) اور مولانا بدیع الدین راشدی (م ۱۴۱۶ھ) وغیرہ علمائے غیر مقلدین بھی امام ابن معینؒ کے اس قول کو جرح پر محمول کرتے ہیں۔[۵]

حافظ زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

امام ابن معینؒ ''لَيْسَ بِشَيْءٍ'' سے ضعیف مراد لیتے ہیں۔[۶]

مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں:

صحیح یہ ہے کہ بسا اوقات وہ (امام ابن معینؒ) اس (لَيْسَ بِشَيْءٍ) سے قلیل

---

[۱] انوار التوضیح (ص ۱۲۷)

[۲] سؤالات ابراہیم بن الجنید للامام یحییٰ بن معین (ص ۸۸ ت، ۱۲۲) ناشر: الفاروق الحدیثیۃ قاھرہ۔

[۳] کشف الحجاب (ص ۵۰۱)

[۴] مقالات راشدیہ (۹:۱۶۷)

[۵] الفوائد المجموعۃ (ص ۷۷)، نقض قواعد فی علوم الحدیث (ص ۲۹۶)

[۶] ماہنامہ الحدیث حضرو (۱۶:۵۵)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

الحدیث مراد لیتے ہیں، اور کبھی جرح ہی مطلوب ہوتی ہے، جب کہ دیگر محدثین کی شدید جرح پائی جائے۔[1]

اور چونکہ ابن جاریہ کے بارے میں دیگر محدثین کے علاوہ خود امام ابن معینؒ سے بھی شدید جرح پائی جاتی ہے، لہٰذا یہاں امام ابن معینؒ کے مذکورہ قول سے جرح ہی متعین ہے۔

کفایت اللہ سنابلی صاحب ایک قلیل الروایت راوی کے متعلق امام ابن معینؒ کے اس قول ''لیس بشیء'' سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

واضح رہے کہ ''لیس بشیء'' یہ سخت قسم کی جرح ہے، جیسا کہ متعدد محدثین نے صراحت کی ہے... اور ابن معین کے نزدیک بھی عام حالات میں یہ اس معنی میں ہے، بلکہ بسا اوقات آپ نے کذاب اور وضاع راویوں پر بھی انہیں الفاظ میں جرح کی ہے مثلاً...[2]

بلکہ سنابلی صاحت نے نضر بن شیبان، جن سے صرف ایک ہی حدیث مروی ہے، ان کے خلاف بھی امام ابن معینؒ سے لیس حدیثہ بشیء کی جرح نقل کی ہے۔[3]

ان تصریحات کے باوجود ان کا ابن جاریہ کے متعلق ابن معینؒ کی اس جرح کو قلیل الحدیث پر محمول کر کے ٹالنا عجیب وغریب ہے۔[4]

امام ابن معینؒ کے تیسرے شاگرد امام عباس دوریؒ (م ۲۷۱ھ) نے ان سے ابن جاریہؒ کے متعلق یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

---

[1] توضیح الکلام (۱:۴۹۷)

[2] ربنا لک الحمد آہستہ پڑھیں یا باآواز بلند (ص ۵۹، ۶۰)

[3] انوار التوضیح (ص ۳۹۲)

[4] ایضاً (ص ۱۲۷، ۱۲۸)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

"عِنْدَهٗ اَحَادِيْثُ مُنْكَرَةٌ۔"[۱]

"اس کے پاس منکر حدیثیں ہیں"

مولانا محمد شرف الدین دہلویؒ (م ۱۳۸۱ھ) نے "مناکیر" کا ترجمہ واہیات سے کیا ہے۔[۲]

یعنی عیسیٰ بن جاریہ کی روایت کردہ احادیث واہیات ہیں۔

مولانا بدیع الدین راشدی (م ۱۴۱۶ھ) نے "عندہ مناکیر" کو شدید (سخت) جرح قرار دیا ہے۔[۳]

(۳) صاحب سنن امام ابوداودؒ (م ۲۷۵ھ) نے بھی ابن جاریہؒ کی تضعیف کی ہے، چنانچہ امام ہیثمیؒ (م ۸۰۷ھ) ابن جاریہ کے متعلق فرماتے ہیں:

"ضَعَّفَهُ ابْنُ مَعِيْنٍ وَ اَبُوْدَاوٗدَ۔"[۴]

"امام یحییٰ بن معینؒ اور امام ابوداودؒ نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔"

امام ابوداودؒ سے ان کے شاگرد ابوعبید آجریؒ نے نقل کیا ہے کہ انہوں نے عیسیٰ بن جاریہ کے بارے میں فرمایا: "رَوَی مَنَاكِيْر"[۵] کہ ابن جاریہ نے منکر (بقول مولانا شرف الدین: واہیات) روایتیں نقل کی ہیں۔

مولانا بدیع الدین راشدی غیر مقلد (م ۱۴۱۶ھ) نے ایک راوی کے متعلق وارد جرح: رَوَی حدیثاً منکرًا، کا مطلب بیان کیا ہے:

---

[۱] ترتیب تاریخ ابن معین (۲: ۴۶۲، ت: ۴۸۲۵) طبع مکتبہ جامعۃ الملک عبدالعزیز مکۃ المکرمۃ

[۲] کشف الحجاب (ص ۳۹۵)

[۳] مقالاتِ راشدیہ (۷: ۲۹)

[۴] مجمع الزوائد (۲: ۷۲)

[۵] تھذیب الکمال (۱۴: ۵۳۳)، تھذیب التھذیب (۴: ۴۴۸)، میزان الاعتدال (۳: ۳۱۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

باوجود ضعیف ہونے کے ثقہ راویوں کی مخالفت کرتے ہیں۔[۱]
نیز موصوف نے "رَوَی مناکیر" کو واضح اور جرح مفسر قرار دیا ہے۔[۲]
امام ابوداؤدؒ اس کے بارے میں یہ بھی فرماتے ہیں: "منکر الحدیث"[۳] کہ یہ منکر حدیثیں روایت کرنے والا ہے۔[۴]

(۴) صاحب السنن امام احمد بن شعیب نَسائیؒ (م ۳۰۳ھ) نے بھی عیسیٰ بن جاریہ کو ضعیف اور متروک راویوں پر مشتمل اپنی کتاب میں ذکر کرتے ہوئے اس کو "مُنکر" قرار دیا ہے۔[۵]
یعنی وہ امام نسائیؒ کے نزدیک بھی منکر الحدیث ہے۔[۶]

---

[۱] مقالاتِ راشدیہ (۳:۴۵۳)
[۲] ایضاً (۷:۱۲۶)
[۳] تہذیب الکمال (۱۴:۵۳۳)، تہذیب التہذیب (۴:۴۲۸)، میزان الاعتدال (۳:۳۱۱)
[۴] مولانا نذیر رحمانی صاحب لکھتے ہیں کہ: امام ابوداؤد اور حافظ ابن حجر ہی دو حضرات ایسے ہیں جن کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ نہ متشدد ہیں اور نہ متساہل۔ امام ابوداؤد نے بے شک عیسیٰ بن جاریہ کو منکر الحدیث کہا ہے۔ یہی جرح امام نسائی نے بھی کی ہے۔ انوار المصابیح (ص ۱۱۲)۔ اس اقتباس سے حافظ زبیر علی زئی کا یہ کہنا غلط ثابت ہو گیا کہ: ابوداؤد کی جرح ثابت نہیں ہے۔ رسالہ تعداد رکعات قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ (ص ۶۴) اس کی مزید تفصیل آگے آرہی ہے۔
[۵] کتاب الضعفاء والمتروکین (ص ۱۷۶، ت ۴۴۴) طبع مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ بیروت۔
[۶] امام ابن عدیؒ (م ۳۶۵ھ) اور امام ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) وغیرہ محدثین نے امام نسائیؒ سے عیسیٰ بن جاریہ کے متعلق یہی الفاظ "منکر الحدیث" نقل کیے ہیں۔ الکامل (۵:۱۸۸۸)، میزان الاعتدال (۳:۳۱۱) نیز غیر مقلدین کے ذہبی العصر شیخ عبدالرحمٰن معلمیؒ (م ۱۳۸۶) کی تصریح کے مطابق جب محدثین کسی راوی کو منکر کہتے ہیں، تو اس سے وہ اس راوی کا منکر الحدیث ہونا مراد لیتے ہیں۔ حاشیہ الفوائد المجموعہ (ص ۲۷) اس سے بعض غیر مقلدین کا یہ عذر لنگ باطل ہو جاتا ہے کہ امام نسائیؒ سے ابن جاریہ کے بارے میں منکر الحدیث کے الفاظ ثابت نہیں ہیں۔ انوار التوضیح (ص ۱۳۳)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

منکر الحدیث راوی کون سا ہوتا ہے؟[1] اس کی بابت مولانا ارشاد الحق اثری، حافظ ابن

---

[1] اعتراض: امام نسائی تفرد کے معنیٰ میں بھی منکر بول دیتے ہیں، اور عیسیٰ بن جاریہ کئی روایات میں منفرد ہیں، اس لیے بہت ممکن ہے کہ امام نسائی نے تفرد کے معنیٰ میں نکارت کی جرح کی ہو۔ انوار التوضیح (ص ۱۲۹)

جواب: امام نسائی نے اس کو اگر تفرد کے معنیٰ میں منکر الحدیث کہا ہوتا تو پھر اس کو متروک کیوں قرار دیتے، اور اس کو ضعفاء میں کیوں ذکر کرتے، حالانکہ خود معترض نے لکھا ہے: تفرد فی نفسہ عیب نہیں۔ (ایضاً ص ۱۳۲) تو پھر کیا امام نسائی بے عیب اور ثقہ راویوں کو ضعیف و متروک قرار دیتے ہیں؟

ثانیاً: یزید بن خصیفہ بھی کئی روایات میں منفرد ہیں، لیکن اس کے باوجود ان کے متعلق امام احمد سے منسوب قول "منکر الحدیث" کو معترض تفرد کے معنیٰ میں قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں، اور لکھتے ہیں: ایسے کسی بھی قول میں تفرد کا معنیٰ خاص کرنے کے لیے دلائل یا قرائن درکار ہیں (ایضاً ص ۱۹۲)

حالانکہ یزید بن خصیفہ سے متعلق امام احمد کے قول میں تفرد کا معنیٰ خاص کرنے کے لیے دلائل و قرائن موجود ہیں، وہ یہ کہ موصوف بالاتفاق ثقہ راوی ہیں، خود امام احمد نے بھی ان کی مکرر توثیق کی ہے، امام مالک وغیرہ تمام ائمہ کبار نے ان سے حجت پکڑی ہے، اور حافظ ابن حجر جیسے محدث نے امام احمد کے تمام اقوال کا استقراء (احاطہ) کرنے کے بعد اس قول کو تفرد کے معنیٰ پر محمول کیا ہے۔ (ھدی الساری ص ۶۳۱)

اس کے برعکس ابن جاریہ سے متعلق امام نسائی وغیرہ کے قول "منکر الحدیث" کو تفرد کے معنیٰ میں خاص کرنے کے لیے کوئی دلیل وقرینہ موجود نہیں ہے، بلکہ اس کے برعکس موجود ہے کہ جنہوں نے اس کو منکر الحدیث کہا ہے، انہوں نے اس کی تضعیف کی ہے۔ اور آج تک کسی محدث نے امام نسائی وغیرہ کے ابن جاریہ سے متعلق اس قول کو تفرد کے معنیٰ میں محمول نہیں کیا، ورنہ دلیل پیش کی جائے، دیدہ باید۔

اور پھر سنابلی صاحب نے یہاں اپنے مؤقف کی تائید میں حافظ ابن حجر کا جو قول: فَقَدْ اَطْلَقَ الْاِمَامُ اَحْمَدُ وَالنَّسَائِیُّ وَغَیْرُ وَاحِدٍ مِنَ النُّقَّادِ لَفْظَ الْمُنْکَرِ عَلٰی مُجَرَّدِ التَّفَرُّدِ (امام احمد، امام نسائی اور دیگر ناقدین لفظ منکر کا اطلاق محض تفرد پر کرتے ہیں) نقل کیا ہے، اس میں بھی حسبِ عادت ڈنڈی ماری ہے، کیونکہ حافظ صاحب یہاں "منکر الحدیث" راوی کے متعلق بحث نہیں کر رہے، بلکہ وہ "منکر" روایت کے بارے میں بحث کر رہے ہیں، اور سنابلی صاحب خود ان دونوں میں تفریق کے قائل ہیں۔ انوار التوضیح (ص ۱۹۵) نیز حافظ صاحب کے مذکورہ قول میں آگے عبارت یوں ہے لٰکِنْ حَیْثُ لَا یَکُوْنُ الْمُتَفَرِّدُ فِیْ وَزْنِ مَنْ یُّحْکَمُ لِحَدِیْثِهٖ بِالصِّحَّةِ بِغَیْرِ عَاضِدٍ یَعْضُدُہٗ۔ (لیکن یہ اس وقت جب متفرد راوی اس پایہ کا نہ ہو کہ اس کی حدیث بغیر کسی مؤید کے صحیح قرار پائے) دیکھئے "النکت علی کتاب ابن الصلاح (ص ۲۷۴) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت۔ سنابلی صاحب نے یہ عبارت اس لیے نقل نہیں کی، کیونکہ اس سے اُن کے مؤقف کے خلاف ثابت ہو رہا ہے کہ: امام نسائی وغیرہ محدثین منکر کا اطلاق ضعیف راوی کی منفرد روایت پر کرتے ہیں۔ نیز حافظ صاحب اسی بحث میں آگے جا کر لکھتے ہیں: وَالصَّوَابُ فِیْهِ مَا قَالَ النَّسَائِیُّ وَتَبِعَهُ ابْنُ الصَّلَاحِ. اِنَّهٗ مُنْکَرٌ بِاِعْتِبَارِ تَفَرُّدِ الضَّعِیْفِ بِهٖ۔ ایضاً (ص ۲۷۷) کہ امام نسائی اور حافظ ابن الصلاح نے اس حدیث کو جو منکر قرار دیا ہے وہی درست ہے، کیونکہ ایک ضعیف راوی اس کو روایت کرنے میں متفرد ہے۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

حجرؒ (م ۸۵۲ھ) سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جس کی غلطیاں زیادہ ہوں یا غفلت بکثرت ہو یا فسق ظاہر ہو، اس کی حدیث منکر ہے۔[۱]

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحبؒ (م ۱۳۵۳ھ) اور مولانا شمس الحق عظیم آبادی صاحب (م ۱۳۲۹ھ) "منکر الحدیث" راوی کی تعریف میں لکھتے ہیں:

"حَتّٰی تَکْثُرَ الْمَنَاکِیْرُ فِیْ رِوَایَتِہٖ وَیَنْتَہِیَ اِلٰی اَنْ یُّقَالَ فِیْہِ: مُنْکَرُ الْحَدِیْثِ، لِاَنَّ مُنْکَرَ الْحَدِیْثِ وَصْفٌ فِی الرَّجُلِ یَسْتَحِقُّ بِہِ التَّرْکَ بِحَدِیْثِہٖ۔"[۲]

"منکر الحدیث وہ راوی ہے جو منکر روایتیں اتنی کثرت سے بیان کرے کہ بالآخر اس کو منکر الحدیث کہا جانے لگے، کیونکہ منکر الحدیث ہونا آدمی کا ایسا وصف ہے کہ اس کی وجہ سے وہ اس بات کا مستحق ہو جاتا ہے کہ اس کی حدیث ترک کر دی جائے۔"

شیخ البانیؒ (م ۱۴۲۰ھ) "منکر الحدیث" کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فَمَعْنَاہُ اَنَّہٗ کَثِیْرُ الْمَنَاکِیْرِ، فَھٰذَا لَا یُحْتَجُّ بِہٖ"[۳]

"اس (منکر الحدیث) کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ راوی کثرت سے منکر حدیثیں روایت کرنے والا ہے، لہٰذا ایسے راوی کی حدیث ناقابل حجت ہے۔"

غیر مقلدین کے شیخ العرب والعجم مولانا بدیع الدین راشدی (م ۱۴۱۶ھ) منکر الحدیث راوی کا مطلب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ باوجود ضعیف راوی ہونے کے ثقہ راویوں کی مخالفت کرتا ہے۔[۴]

---

[۱] توضیح الکلام (۲:۶۲۸)

[۲] ابکار المنن (ص ۱۹۹)، مجموعہ مقالات وفتاویٰ (ص ۶۰۰)

[۳] سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ (۲:۲۸، ح ۵۰۳)

[۴] مقالاتِ راشدیہ (۶:۱۳۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

نیز موصوف لکھتے ہیں:

”فَقَوْلُهُمْ: مُنْكَرُ الْحَدِيْثِ جَرْحٌ شَدِيْدٌ مُفَسَّرٌ“[۱]

”محدثین کا قول: ”منکر الحدیث“ شدید اور مفسر جرح ہے۔“

مولانا بدیع الدین کے بڑے بھائی مولانا محب اللہ راشدیؒ (م ۱۴۱۵ھ) نے بھی ان الفاظ (منکر الحدیث) کو جرح مفسر اور شدید جرح قرار دیا ہے۔[۲]

مولانا عبداللہ روپڑیؒ (م ۱۳۸۴ھ) بھی منکر الحدیث کو جرح مفسر قرار دیتے ہیں۔[۳]

مولانا محمد گوندلوی صاحبؒ (م ۱۴۰۵ھ) سابق امیر جماعت اہلحدیث پاکستان لکھتے ہیں:

دوسری عبارت یعنی منکر الحدیث سے قابل اعتبار جرح ثابت ہوتی ہے۔[۴]

نیز مولانا گوندلویؒ نے اس کو جروحاتِ مفسرہ میں سے قرار دیا ہے۔[۵]

حافظ محمد اسحٰق صاحب غیر مقلد (مدرس جامعہ رحمانیہ لاہور) ایک حدیث کی تحقیق میں لکھتے ہیں:

ان دونوں راویوں کے ضعیف بلکہ اول الذکر کے منکر الحدیث ہونے کی بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ حدیث ضعیف جدًا، یا منکر کے درجہ تک پہنچی ہوئی ہے۔[۶]

مولانا ارشاد الحق اثری تحریر فرماتے ہیں:

البتہ منکر الحدیث کے الفاظ راوی کے ضعف پر دلالت کرتے ہیں۔[۷]

---

[۱] نقض قواعد فی علوم الحدیث (ص ۳۴۸، ۱۷۱، ۲۲۴) نیز دیکھئے مقالاتِ راشدیہ (۷: ۱۲۶)

[۲] فتاویٰ راشدیہ (ص ۲۷۵)

[۳] فتاویٰ اہلحدیث (۱: ۵۰۷)

[۴] خیر الکلام (ص ۱۶۰)

[۵] الاصلاح (ص ۳۹۸)

[۶] ہفت روزہ الاعتصام (ص ۲۰) ۱۷ اگست ۱۹۹۲ء

[۷] توضیح الکلام (۱: ۴۹۹)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

نیز اثری صاحب بحوالہ ''الرفع والتکمیل'' لکھتے ہیں:

پہلے الفاظ قابل اعتبار جرح نہیں، برعکس دوسرے منکر الحدیث کے کہ وہ راوی پر ایسی جرح ہے جس کا اعتبار کیا جاتا ہے۔[۱]

حافظ زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

سوار منکر الحدیث یعنی سخت ضعیف ہے۔[۲]

نیز موصوف ایک حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

اس کی سند میں ایوب بن ناہیک راوی منکر الحدیث (یعنی سخت ضعیف ہے)۔[۳]

ان اقتباسات سے ثابت ہوگیا کہ لفظ منکر الحدیث خود علمائے غیر مقلدین کے نزدیک بھی انتہائی سخت، قابل اعتبار اور مفسر جرح ہے۔

ابن جاریہ پر وارد جرح ''منکر الحدیث'' اور مولانا رحمانی کا عذر لنگ

مولانا نذیر احمد رحمانی ؒ (م ۱۳۸۵ھ)، ابن جاریہ ؒ پر وارد اس جرح ''منکر الحدیث'' سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ محدثین کے اطلاقات میں ''منکر الحدیث'' کا لفظ مختلف معانی میں مستعمل ہے، بعض معنیٰ کے لحاظ سے تو یہ سرے سے کوئی جرح کا لفظ ہی نہیں، چہ جائیکہ یہ کوئی شدید جرح ہو، چنانچہ:

(۱) حافظ عراقی لکھتے ہیں: بسا اوقات محدثین کسی راوی پر منکر الحدیث کا اطلاق اس لیے کر دیتے ہیں کہ اس نے صرف ایک ہی حدیث روایت کی ہے۔ الرفع والتکمیل (ص ۱۴)

(۲) حافظ سخاوی ''فتح المغیث'' میں لکھتے ہیں کہ یہ لفظ ثقہ راوی پر بھی بول دیتے ہیں، جب اس نے ضعیف راویوں سے منکر حدیثیں روایت کی ہوں۔

(۳) حافظ ذہبی ؒ ''میزان'' میں لکھتے ہیں کہ: محدثین جب کسی راوی کی بابت منکر

---

[۱] ایضاً (۱:۴۹۸)

[۲] ماہنامہ الحدیث (ص ۱۵، ستمبر ۲۰۰۴ء)

[۳] ایضاً (۲۴:۴۱۔۴۲) نیز دیکھئے (۱۵:۲۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

الحدیث کا لفظ بولتے ہیں تو اس سے ان کی مراد یہ نہیں ہوتی کہ اس کی جتنی روایتیں ہیں وہ سب منکر ہیں، بلکہ اس کی جملہ روایتوں میں سے اگر بعض بھی منکر ہوں تو اس کو منکر الحدیث کہہ دیتے ہیں۔ (الرفع والتکمیل)

دیکھئے ان اطلاقات کے مفہوموں میں باہم کتنا فرق ہے۔ اس لیے جب تک کسی معتبر دلیل سے ثابت نہ ہو جائے کہ امام ابوداودؒ وغیرہ نے عیسیٰ بن جاریہ کو کسی معنی کے اعتبار سے منکر الحدیث کہا ہے، اس وقت تک قطعی طور پر یہ حکم لگا دینا کہ اس کی یہ روایت قابل قبول نہیں ہو سکتی، نری زبردستی ہے۔ [۱]

لیکن رحمانی صاحب کی یہ ساری کاوش (حسبِ معمول) محض دفع الوقتی اور عذر لنگ ہے، کیونکہ انہوں نے لفظ "منکر الحدیث" کے اصل معنیٰ (جو علمائے غیر مقلدین کو بھی تسلیم ہے) کو چھوڑ کر جتنے بھی اس کے ضمنی معانی یہاں ذکر کیے ہیں، ان میں سے ایک معنیٰ بھی یہاں ابن جاریہ پر منطبق نہیں ہو سکتا۔

اول معنیٰ کا منطبق نہ ہونا تو بالکل ظاہر ہے، کیونکہ ابن جاریہ سے صرف ایک ہی حدیث مروی نہیں، بلکہ اس سے کئی اور روایات بھی مروی ہیں۔ مثلاً مذکورہ روایت کے متصل بعد مذکور حدیث (روایت جابرؓ عَنْ اُبَی بن کعبؓ) کا راوی بھی یہی عیسیٰ بن جاریہ ہے، لہٰذا پہلے معنیٰ کا یہاں مراد نہ ہونا تو بالکل واضح ہو گیا۔ [۲]

---

[۱] محصلہ انوار المصابیح (ص ۱۱۸)

[۲] کفایت اللہ سنابلی صاحب اس کے جواب میں یہ تاویل پیش کرتے ہیں کہ: عرض ہے کہ ضروری نہیں کہ جن جن ائمہ نے منکر کی بات کہی ہے، ان سب کے پاس بھی اس کی ساری احادیث پہنچ گئی ہوں، ممکن ہے کسی کے پاس اس کی صرف ایک ہی حدیث پہنچی ہوں۔ انوار التوضیح (ص ۱۳۰) سنابلی صاحب کے عرض پر عرض ہے کہ جن ائمہ نے ابن جاریہ کو منکر الحدیث کہا ہے، ان میں امام ابوداؤد سجستانیؒ (م ۲۷۵ھ) بھی ہیں، اور انہوں نے اس کے بارے میں "رَوَی مَنَاکِیر" بھی کہا ہے۔ "مناکیر" جمع کا صیغہ ہے، یعنی اس نے کئی منکر حدیثیں روایت کی ہیں۔ لہٰذا اس تاویل کا باطل ہونا تو اظہر من الشمس ہے۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اسی طرح لفظ"منکر الحدیث" کا دوسرا معنیٰ جو رحمانی صاحب نے حافظ سخاویؒ (م ۹۰۲ھ) سے نقل کیا ہے، وہ بھی یہاں مراد نہیں ہوسکتا، کیونکہ عیسیٰ بن جاریہ نے ان راویوں سے (بشرطِ ثبوت) روایات نقل کی ہیں: حضرت جابر بن عبد اللہ، حضرت جبیر بن عبد اللہ بجلی، حضرت شریک رضی اللہ عنہم، سالمؒ بن عبد اللہؓ، سعیدؒ بن المسیبؒ، اور ابو سلمہؒ بن عبد الرحمٰنؓ بن عوف۔[۱]

اور یہ سب راوی عادل وثقہ ہیں، ان میں سے اول الذکر تین حضرات تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں شمار ہوتے ہیں، اور دیگر سب حضرات مشہور وثقہ تابعین میں سے ہیں۔

اب منکر الحدیث کا یہ معنیٰ یہاں عیسیٰ بن جاریہ پر کیسے منطبق ہوسکتا ہے کہ وہ خود تو ثقہ ہے، لیکن العیاذ باللہ اُس نے اپنے ضعیف شیوخ (جو صحابہؓ اور ثقہ تابعین ہیں) سے منکر حدیثیں روایت کی ہیں۔[۲]

اور لفظ منکر الحدیث کے تیسرے معنی جو رحمانی صاحب نے حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) سے" الرفع والتکمیل "کے حوالہ سے ذکر کئے ہیں، اس کی کوئی اصل نہیں ہے، کیونکہ

---

[۱] تہذیب الکمال (۱۴: ۵۳۳)، تہذیب التھذیب (۴: ۴۴۸)

[۲] سنابلی صاحب اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

عرض ہے کہ یہ روایتیں ان لوگوں کی نہیں ہیں، جنہوں نے منکر کا صیغہ استعمال کیا ہے، ممکن ہے جنہوں نے منکر کا صیغہ استعمال کیا ہے، ان کے پاس اس کی اور روایات بھی رہی ہوں۔ انوار التوضیح (ص ۱۳۱)

سبحان اللہ! سنابلی صاحب ہمارے دلائل قاطعہ سے اس قدر حواس باختہ ہوگئے ہیں کہ ان کو یہ پتہ ہی نہیں لگ رہا کہ وہ کیا لکھ رہے ہیں، پہلے یہ کہا کہ: ممکن ہے کہ جنہوں نے ابن جاریہ کو منکر الحدیث کہا ہے، ان کے پاس اس کی صرف ایک ہی حدیث پہنچی ہو، اور اب کہہ رہے ہیں کہ: ممکن ہے کہ اس کو منکر الحدیث کہنے والوں کے پاس اس کی اور روایات بھی رہی ہوں۔ اب یہ دونوں باتیں بیک وقت کیسے ممکن ہیں۔ سنابلی صاحب کی اس" تاویل در تاویل" کے جواب میں ہم اُن کی خدمت میں یہی عرض کرتے ہیں کہ ؎

تیری بات کو بت حیلہ گر نہ قرار ہے نہ قیام ہے
کبھی شام ہے کبھی صبح ہے، کبھی صبح ہے کبھی شام ہے

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

''الرفع والتکمیل'' میں مولانا عبدالحی لکھنویؒ (م ۱۳۰۴ھ) نے حافظ ذہبیؒ کا یہ قول یوں نقل کیا ہے: حافظ ذہبیؒ نے ''میزان الاعتدال'' میں عبد اللہ بن معاویہ زبیری کے ترجمہ میں لکھا ہے: قَوْلُهُمْ: مُنْكَرُ الْحَدِيْثِ لَا يَعْنُوْنَ بِهٖ اَنَّ كُلَّ مَارَوَاهُ مُنْكَرٌ...[۱] لیکن حافظ ذہبیؒ کے یہ الفاظ عبداللہ زبیری کے ترجمہ میں ''میزان الاعتدال'' کے کسی مطبوعہ نسخے میں موجود نہیں ہیں، جیسا کہ شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ (م ۱۴۱۷ھ) نے ''الرفع والتکمیل'' کے حاشیہ میں اس کی تصریح کی ہے۔[۲] اور میزان الاعتدال کا جو نسخہ خود غیر مقلدین کے مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ نے شائع کیا ہے، اس میں بھی عبد اللہ زبیریؒ کے ترجمہ میں حافظ ذہبیؒ کے یہ الفاظ موجود نہیں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا لکھنویؒ کا یہ الفاظ نقل کرنا ان کے سہو قلم کا نتیجہ ہے[۳]۔ واللہ اعلم۔

اور بالفرض اگر حافظ ذہبیؒ کے یہ الفاظ میزان کے کسی نسخہ میں ہوں بھی تو پھر بھی یہ الفاظ عیسیٰ بن جاریہ کے حق میں کچھ بھی مفید نہیں، کیونکہ کسی بھی محدث نے یہ تصریح نہیں کہ عیسیٰ کی مروی روایات میں سے صرف بعض روایات منکر ہیں اور باقی صحیح ہیں، اور یہ کہ اس

---

[۱] الرفع والتکمیل (ص ۲۰۱)

[۲] دیکھئے حاشیہ الرفع والتکمیل (ص ۲۰۱ ح ۳) طبع مکتبۃ الدعوۃ الاسلامیۃ پشاور

[۳] سنابلی صاحب لکھتے ہیں: امام ذہبیؒ نے اسی مفہوم کی بات اپنی کتاب تاریخ الاسلام میں عبداللہ بن معاویہ الزبیری کے ترجمے میں کہی ہے۔ انوار التوضیح (ص ۱۳۱)
جواب: سنابلی صاحب امام ذہبیؒ کی جس بات کا حوالہ دے رہے ہیں، وہ انہوں نے زبیری موصوف سے متعلق امام بخاریؒ کے دو اقوال میں تطبیق دینے کے لیے کہی ہے۔ چنانچہ امام بخاریؒ الضعفاء الصغیر (۱۹۴) اور التاریخ الکبیر (۶۶۳) میں اس کو منکر الحدیث قرار دیتے ہیں، اور الضعفاء الکبیر میں اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: اس کی بعض احادیث منکر ہیں۔ اس پر ذہبیؒ تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جس شخص کی بعض احادیث منکر ہوں وہ بھی منکر الحدیث ہوتا ہے، کیونکہ جب ہم کسی راوی کو منکر الحدیث کہتے ہیں تو ہمارا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس کی ہر ایک روایت منکر ہے، بلکہ کسی شخص کی روایت کردہ احادیث میں بعض احادیث بھی منکر ہوں تو وہ منکر الحدیث کہلاتا ہے۔ تاریخ الاسلام (۴:۹۰۲) (بقیہ اگلے صفحے پر)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کی یہ مذکورہ روایت ان منکر روایتوں میں شامل نہیں ہے۔ اِذْلَیْسَ فَلَیْسَ۔

الغرض رحمانی صاحب نے جتنے معانی بھی لفظ منکر الحدیث کے ذکر کیے ہیں، ان میں سے کوئی معنی بھی عیسیٰ بن جاریہ جیسے منکر الحدیث راوی کے بارے میں مراد نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس کے حق میں وہی معنیٰ مراد ہے جو ہم نے علمائے غیر مقلدین سے نقل کیا ہے۔ اور اس پر دلیل اور قرینہ یہ ہے کہ امام الجرح والتعدیل حضرت یحییٰ بن معینؒ (م ۲۳۳ھ) نے اس کے بارے میں "عِنْدَهٗ مَنَاكِيْرُ" اور امام ابو داوٗدؒ (م ۲۷۵ھ) نے "رَوَى مَنَاكِيْرَ" فرمایا ہے، مولانا محب اللہ شاہ راشدیؒ (م ۱۴۱۵ھ) نے "لہٗ مناکیر" کا ترجمہ کیا ہے: اس کے پاس بہت منکر احادیث ہیں[۱]

(بقیہ گزشتہ صفحہ) اس اقتباس سے بھی ہمارے مؤقف کی تائید ہو رہی ہے، کیونکہ یہ بات امام ذہبیؒ اس شخص کے متعلق کہہ رہے ہیں کہ جس کی بابت کسی امام نے منکر الحدیث کے ساتھ یہ بھی کہا ہو کہ اس کی بعض احادیث منکر ہیں۔ اور یہ بات ابن جاریہ پر منطبق نہیں ہوتی، کیونکہ اس کو منکر الحدیث کہنے والوں میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ اس کی بعض احادیث منکر ہیں، بلکہ ان میں سے ہر ایک مطلق اس کی احادیث کو منکر کہہ رہا ہے۔ نیز امام عدیؒ (جن کو غیر مقلدین معتدل امام قرار دیتے ہیں) نے عیسیٰ بن جاریہ کے ترجمہ میں امام نسائیؒ وغیرہ کی جرح (منکر الحدیث وغیرہ) نقل کرنے کے بعد اس کی تمام احادیث کو غیر محفوظ یعنی منکر قرار دیا ہے، جیسا کہ آگے بحوالہ آ رہا ہے۔

اور پھر سنابلی صاحب یہ گتھی بھی سلجھا دیں کہ آپ خود اور آپ کے اکابر علماء تو امام بخاریؒ کی جرح "منکر الحدیث" کو بہت سخت جرح قرار دیتے ہیں، حتیٰ کہ اس جرح کے حامل شخص کے بارے میں امام بخاریؒ سے ناقل ہیں کہ اس سے روایت لینا حلال نہیں۔ دیکھئے خیر الکلام (ص ۴۵)، التعلیق المغنی (۴:۴۶۲)، رفع یدین اور آمین (ص ۳۲)، مقالات راشدیہ (۱:۳۵۱، ۲:۱۷۴) ابکار المنن (ص ۲۰۱)، اثبات الدلیل (ص ۸)، یزید بن معاویہؓ (ص ۵۱۲) لیکن مذکورہ بالا حوالہ سے تو ثابت ہو رہا ہے کہ امام بخاریؒ تو بعض منکر احادیث روایت کرنے والے کو بھی منکر الحدیث کہہ دیتے ہیں۔ حالانکہ مولانا ارشاد الحق اثری نے لکھا ہے: راوی اگر بکثرت مناکیر روایت کرے تو مُوجبِ قدح ہے، ورنہ نہیں۔ توضیح الکلام (۱:۲۶۱) نیز کیا اب اس کے بعد امام بخاریؒ کی اس جرح کی شدت ختم ہو چکی ہے، یا اسی طرح برقرار ہے؟ اور اگر اسی طرح برقرار ہے تو پھر کیا آپ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ بعض منکر احادیث روایت کرنے والا بھی ضعیف ہوتا ہے؟ دیدہ باید [۱] آئینہ نماز نبوی (ص ۱۰۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اور یہ بعینہٖ ''عندہ مناکیر'' کا ترجمہ ہے۔

اور خود مولانا نذیر احمد رحمانیؒ (م ۱۳۸۵ھ) نے ''لہٗ احادیث مناکیر'' کا ترجمہ کیا ہے۔ اس کی بہت سی حدیثیں منکر ہیں[۱]۔

مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹیؒ (م ۱۳۷۵ھ) اور مولانا عبد اللہ روپڑیؒ (م ۱۳۸۴ھ) نے ''عِنْدَہٗ مَنَاکِیْرُ'' اور ''لَہٗ مَنَاکِیْرُ'' کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اس کی کئی (یعنی بکثرت) احادیث منکر ہیں۔[۲]

اسی طرح امام ابن معینؒ (م ۲۳۳ھ) کا قول ''عِنْدَہٗ مَنَاکِیْرُ'' جملہ اسمیہ ہے جس میں دوام اور استمرار ہوتا ہے۔ اب ''عِنْدَہٗ مَنَاکِیْرُ'' کا مطلب ہوگا کہ اس راوی نے بکثرت منکر روایتیں نقل کی ہیں۔[۳]

اور بعینہٖ یہی معنی لفظ منکر الحدیث کا مولانا مبارکپوری صاحب وغیرہ علمائے غیر مقلدین

---

[۱] انوار المصابیح (ص ۳۴۵)

[۲] سیرت المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم (ص ۱۳۸)، فتاویٰ اہلحدیث (۱: ۳۱۴)

[۳] اشکال: سنابلی صاحب اس پر لکھتے ہیں:

اور ''عندہ مناکیر'' والا ہر راوی ضعیف نہیں ہوتا۔ امام حاکم امام دارقطنی سے اپنا سوال جواب نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''فَسُلَیْمَانُ بْنُ بِنْتِ شُرَحْبِیْلَ؟ قَالَ: ثِقَۃٌ۔ قُلْتُ: أَلَیْسَ عِنْدَہٗ مَنَاکِیْرُ؟ قَالَ: یُحَدِّثُ بِھَا عَنْ قَوْمٍ ضُعَفَاءَ، فَأَمَّا ھُوَ فَھُوَ ثِقَۃٌ۔ سوالات الحاکم للدارقطنی (ص ۲۱۷)

میں نے پوچھا: سلیمان بن بنت شرحبیل کیسا ہے؟ امام دارقطنی نے جواب دیا: یہ ثقہ ہے۔ میں نے کہا: اس کے پاس مناکیر نہیں ہیں؟ امام دارقطنی نے جواب دیا: ان مناکیر کو یہ ضعیف لوگوں سے روایت کرتا ہے، لیکن یہ خود ثقہ ہے۔ انوار التوضیح (ص ۱۳۲، ۱۳۳)

سنابلی صاحب کا عیسیٰ بن جاریہؒ کو سلیمان بن بنت شرحبیلؒ پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ اس لیے کہ سلیمان مذکور کے متعلق تو امام دارقطنیؒ نے تصریح کردی ہے کہ وہ بذاتہ تو ثقہ ہے لیکن اس نے اپنے ضعیف شیوخ سے منکر احادیث روایت کی ہیں۔ جب کہ ابن جاریہؒ کا معاملہ بالکل اس کے برعکس ہے۔ کیونکہ نہ تو اس کے متعلق ''عندہ مناکیر'' کہنے والے امام ابن معینؒ نے اس کو ذاتی طور پر ثقہ قرار دیا ہے (بلکہ انہوں نے اس کی تضعیف کی ہے) اور نہ ہی اس کے شیوخ میں سے کسی کا ضعیف ہونا ثابت ہے کہ جس کی بنیاد پر یہ کہا جاسکے کہ یہ خود تو ثقہ ہے، لیکن اس نے فلاں اپنے ضعیف شیخ سے منکر احادیث روایت کی ہیں۔ اَفَلَیْسَ فَلَیْسَ

نیز خود امام دارقطنیؒ نے متعدد رواۃ کے متعلق تصریح کی ہے کہ ان کے پاس منکر احادیث ہیں علاوہ ساتھ ان پر جرح بھی کی ہے۔ مثلاً ابو الطاہر قاسم بن عبد اللہ الخمیسی کو لین (کمزور) لَیْسَ ھُوَ بِشَیْءٍ، متہم بوضع الحدیث بھی قرار دیا ہے، اور ساتھ یہ بھی فرمایا ہے: وَلَہٗ اَحَادِیْثُ مُنْکَرَۃٌ، اس کے پاس منکر حدیثیں ہیں۔ (بقیہ اگلے صفحہ)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

نے نقل کیا ہے کہ جو راوی بکثرت منکر روایتیں نقل کرے، لہٰذا رحمانی صاحب کا یہ شکوہ دور ہو گیا کہ لفظ منکر الحدیث کا یہ معنیٰ لینے پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

کیا "منکر الحدیث" جرح مبہم ہے

مولانا نذیر رحمانی صاحب لکھتے ہیں:

لفظ منکر الحدیث جرح مبہم ہے، کیونکہ مستند علماء نے اس کے جرح مبہم ہونے کی تصریح کی ہے۔ چنانچہ علامہ ابو المحاسن سندھی لکھتے ہیں:

محدث کا کسی راوی کے حق میں منکر الحدیث کہنا ایسی جرح ہے جو بیان سبب سے خالی ہے۔ کیونکہ اس جرح کا حاصل یہ ہے کہ یہ راوی ضعیف ہے، اور اس کے ساتھ اس نے ثقات کی مخالفت کی ہے، لہٰذا ضعیف کہنا بلا شبہ جرح مبہم ہے.... [۱]

جواب: رحمانی صاحب نے دعوٰی تو یہ کیا ہے کہ مستند علماء نے اس کے جرح مبہم

(بقیہ گزشتہ صفحہ) (سؤالات السھمی للدارقطنی ص ۱۸۶، ت ۳۹۹، نیز دیکھئے ت ۱۸۹،۳۷) نیز عبدالواحد بن میمون کے متعلق فرماتے ہیں: متروک، صاحب مناکیر۔ (سؤالات ابی بکر البرقانی للدارقطنی ص ۱۰۲، ت ۳۰۸) نیز امام موصوف دینار ابوسعید عَقیصی کے متعلق فرماتے ہیں: عَنْ عَلِيٍّ مَنَاكِيْر، رَمَاهُ اَبُوْبَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ بِالْكَذِبِ۔ کتاب الضعفاء والمتروکین (ص ۸۸، ت ۲۱۱) اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منکر حدیثیں روایت کی ہیں، اور امام ابوبکر بن عیاشؒ نے اس پر دروغ گوئی کا الزام لگایا ہے۔ زید بن حسن بصری کے بارے میں فرماتے ہیں: يُحَدِّثُ عَنْ مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ مَنَاكِيْر۔ ایضاً (ص ۹۳) اس نے امام مالکؒ سے منکر احادیث روایت کی ہیں۔ امام ابوحاتم رازیؒ (م ۲۷۷ھ) محمد بن حسن بن زبالہ کے متعلق فرماتے ہیں: واھی الحدیث، ضعیف الحدیث، ذاھب الحدیث، منکر الحدیث، عندہ مناکیر۔ الجرح والتعدیل (۷: ۲۲۸) لہٰذا اصولاً عیسیٰ بن جاریہؒ کو سلیمان بن شرحبیل کے بجائے خود اس جیسے ان مذکورہ رُوات پر قیاس کیا جانا چاہیے۔ باقی رہا امام ذہبیؒ کا قول: مَا كُلُّ مَنْ رَوَى الْمَنَاكِيْرَ يُضَعَّفُ تو ان کا یہ قول احمد بن متاب مروزیؒ سے متعلق ہے، جس کے بارے میں احمد بن سعید معدانؒ نے کہا ہے: شَيْخٌ صَالِحٌ، رَوَى الْفَضَائِلَ وَالْمَنَاكِيْرَ۔ شیخ اور صالح دونوں باقرار غیر مقلدین الفاظ توثیق میں سے ہیں۔ توضیح الکلام (۱: ۴۸۰): مقالات مبارکپوری (ص ۲۱۹) اس لیے اس ثقہ راوی پر بھی ابن جاریہ کو قیاس کرنا غلط ہے۔

نیز خود سنابلی صاحب نے ایک راوی کے خلاف امام ذہبیؒ سے جرح نقل کرتے ہوئے لکھا ہے: لہ مناکیر۔ ان کے پاس مناکیر ہیں۔ انوار التوضیح (ص ۶۹۳)

اب جس دلیل کی بنیاد پر سنابلی صاحب نے "لہ مناکیر" کو جرح پر محمول کیا ہے، وہی دلیل "عندہ مناکیر" کے جرح ہونے پر وہ ہماری طرف سے تصور کر لیں۔

[۱] انوار المصابیح (ص ۱۱۹، ۱۲۰) بحوالہ الرفع والتکمیل (ص ۱۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ہونے کی تصریح کی ہے، لیکن ان کو کافی کوشش وبسیار کے بعد اپنے دعویٰ کے اثبات میں صرف علامہ سندھیؒ کا ہی حوالہ مل سکا ہے، ورنہ رحمانی صاحب کا اپنی پوری کتاب میں یہ طرز ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں کوئی ضعیف سے ضعیف قول بھی اُن کے ہاتھ لگ جائے تو وہ اس کو بھی ذکر کرنے سے دریغ نہیں کرتے، یہاں انہوں نے علامہ سندہیؒ کا حوالہ ذکر کرنے پر جو اکتفا کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منکر الحدیث کو جرح مبہم قرار دینے کے اثبات میں اُن کے دلائل کی کل کائنات یہی علامہ سندھیؒ کا حوالہ ہے۔لیکن ہم نے بحمداللہ اس کلمہ کا سخت اور مفسر جرح ہونا خود غیر مقلدین کے مستند اور چوٹی کے علماء سے ثابت کر دیا ہے، باقی رحمانی نے علامہ سندھیؒ کا جو قول نقل کیا ہے کہ یہ جرح مبہم ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر انہوں نے لفظ منکر الحدیث کو جرح مبہم کہا ہے، تو ساتھ انہوں نے یہ بھی وضاحت کر دی ہے کہ جب یہ اس معنیٰ میں ہو کہ یہ راوی ضعیف ہے، اور اس نے ثقہ راوی کی مخالفت کی ہے۔ چنانچہ علامہ سندھیؒ فرماتے ہیں: اِذْ حَاصِلُهٗ اَنَّهٗ ضَعِيْفٌ خَالَفَ الثِّقَةَ[1]۔

لیکن جس معنیٰ میں علامہ سندھیؒ نے لفظ منکر الحدیث کو جرح مبہم کہا ہے، وہ معنیٰ عیسیٰ بن جاریہ کے بارے میں مراد نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس کو منکر الحدیث کے ساتھ ساتھ "عِنْدَهٗ مَنَاكِيْرٌ" بھی کہا گیا ہے، اور پہلے بحوالہ علماء غیر مقلدین گزر چکا ہے کہ یہ لفظ اس راوی کے حق میں بولا جاتا ہے جس نے کثرت سے منکر حدیثیں روایت کی ہوں، اور یہ جرح مفسر ہے۔خود علامہ سندھیؒ بھی اس معنیٰ میں لفظ منکر الحدیث کو جرح مفسر مانتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: وَاِنَّمَا تَضُرُّ كَثْرَةُ الْمَنَاكِيْرِ وَ كَثْرَةُ مُخَالَفَةِ الثِّقَاتِ۔[2] راوی کا کثرت سے منکر حدیثیں روایت کرنا اور کثرت سے ثقات کی مخالفت کرنا مضر یعنی جرح مفسر ہے۔

لہٰذا جس معنیٰ میں عیسیٰ بن جاریہ منکر الحدیث ہے، اس معنیٰ میں یہ لفظ خود علامہ سندھیؒ کے نزدیک بھی مضر اور جرح مفسر ہے، اس طرح غیر مقلدین کا آخری سہارا علامہ سندھیؒ کا حوالہ بھی ان کے ہاتھ سے نقل گیا....

---

[1] الرفع والتکمیل (ص ۲۰۴)

[2] ایضاً

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ع جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

امام نسائیؒ (م ۳۰۳ھ) نے عیسیٰ بن جاریہ کو منکر الحدیث کہنے کے ساتھ ساتھ اس کو متروک بھی قرار دیا ہے۔ [۱] یعنی وہ امام نسائیؒ کے نزدیک متروک الحدیث بھی ہے۔ [۲]

مشہور غیر مقلد عالم مولانا ارشاد الحق اثری صاحب لکھتے ہیں:

---

[۱] میزان الاعتدال (۱:۳۱۱)، کتاب الضعفاء والمتروکین (۲:۲۳۸)، ضوء المصابیح (ص ۲۰۴)

[۲] اشکال: سنابلی صاحب لکھتے ہیں: متروک کا لفظ امام نسائی سے ثابت نہیں، انہوں نے اپنی کتاب (الضعفاء والمتروکین (ص ۱۷۶)) میں متروک کا لفظ اس سے قبل والے راوی عیسیٰ بن عبدالرحمٰن کے بارے میں کہا ہے۔ بعض لوگوں نے سبقت نظر کے سبب اس جرح کو بعد والے راوی عیسیٰ بن جاریہ کے بارے میں سمجھ لیا ہے۔ انوار التوضیح (ص ۱۳۳) جواب: امام نسائیؒ نے کتاب الضعفاء میں عیسیٰ بن عبدالرحمٰن کے بارے میں صرف متروک الحدیث کہا ہے، جب کہ محدثین (امام ذہبیؒ وغیرہ) نے عیسیٰ بن جاریہ کے بارے میں امام نسائیؒ سے متروک کے ساتھ منکر الحدیث کے الفاظ بھی نقل کیے ہیں۔ لہٰذا سنابلی صاحب کا یہ حیلہ ان کے لیے کچھ کارگر نہیں۔

ثانیاً: متعدد محدثین نے امام نسائیؒ سے متروک کی جرح بالجزم نقل کی ہے، اس لیے ممکن ہے کہ ان محدثین کے پاس موجود "کتاب الضعفاء" کے نسخہ میں "منکر الحدیث" کے ساتھ "متروک" کے الفاظ بھی ہوں، اور خود سنابلی صاحب نے امام ابن کثیرؒ کے امام بخاریؒ سے نقل کردہ قول پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے: اگر کوئی کہے کہ امام ابن کثیرؒ کا نقل کردہ قول امام بخاری کی "التاریخ الاوسط" میں ہے، لیکن اصل کتاب میں "والحدیث معلول" کے الفاظ نہیں ہیں، تو عرض ہے کہ اس کا زیادہ سے زیادہ مطلب یہ ہوا کہ "التاریخ الاوسط" کے بعض نسخوں میں یہ عبارت ناقص ہے، اور امام ابن کثیرؒ کے سامنے "التاریخ الاوسط" کا جو نسخہ تھا، اس میں یہ عبارت مکمل تھی، اور نسخوں کا اختلاف عام بات ہے آج بھی مخطوطات کی تحقیق کے وقت کتاب کے دیگر نسخوں سے ناقص عبارت کو مکمل کیا جاتا ہے، بلکہ دیگر اہل علم کے منقولات سے بھی نسخوں کی ناقص عبارتیں درست کی جاتی ہیں، لہٰذا امام ابن کثیرؒ کے سامنے جو نسخہ تھا، اس نسخے میں یہ قول مکمل تھا، اور بعض دیگر نسخوں میں یہ قول ناقص ہے، لہٰذا تمام نسخوں کو دیکھتے ہوئے یہ عبارت مکمل ہوگی اور حجت ہوگی۔ یزید بن معاویہؓ (ص ۱۰۱) بنا بریں ہم بھی یہ کہتے ہیں کہ "کتاب الضعفاء" کے مطبوعہ نسخوں میں امام نسائیؒ کی عبارت نامکمل ہے، جب کہ امام ذہبیؒ وغیرہ محدثین کے سامنے اس کا جو نسخہ تھا، وہ مکمل تھا، تو سب نسخوں کو دیکھتے ہوئے یہ عبارت (منکر الحدیث و متروک) (بقیہ اگلے صفحے پر)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کذاب، متروک، لیس بثقة کے الفاظ شدید جرح میں شمار ہوتے ہیں۔ [۱]

نیز اثری صاحب "لَیْسَ بِثِقَةٍ" جس لفظ کو انہوں نے متروک کے ہم درجہ شمار کیا ہے، کے متعلق لکھتے ہیں:

یہ الفاظ جرحی کلمات میں دوسرے طبقہ میں شمار ہوتے ہیں جن کی روایت قابل استشہاد و اعتبار نہیں۔ [۲]

حافظ زبیر علی زئی نے "متروک الحدیث" کا مطلب یہ بیان کیا ہے: سخت مجروح۔ [۳]

مولانا عبداللہ روپڑیؒ (م ۱۳۸۴ھ) لکھتے ہیں:

متروک وہ راوی ہے جس کی روایت بالکل ردی ہو۔ [۴]

(بقیہ گزشتہ صفحہ) مکمل اور قابل حجت ہوگی۔ اور اگر یہ ان کی کتاب الضعفاء کے کسی نسخہ میں بھی نہ ہو تو ممکن ہے ان کی کسی دوسری کتاب میں یہ جرح موجود ہو۔ چنانچہ مولانا بدیع الدین راشدی نے روایت ابن مسعودؓ پر امام ابوداودؒ سے منسوب جرح کے اثبات میں لکھا ہے: اگر بالفرض والتقدیر تسلیم کیا جائے کہ "سنن ابی داود" میں یہ عبارت موجود نہیں ہے، تب بھی جب اس قدر علماء ان سے نقل کرتے ہیں تو اس سے یقیناً ظاہر ہے کہ امام ابوداود نے ابن مسعود کی حدیث کو ضرور غیر صحیح کہا ہے۔ پھر وہ سنن یا کسی اور کتاب میں، بہر حال اس روایت کو غیر صحیح کہنے والوں میں وہ شمار ہیں۔ وَھُوَ الْمَطْلُوب۔ مقالات راشدیہ (۶: ۳۸۳)

بنا بریں عیسیٰ بن جاریہ کے بارے میں امام نسائیؒ کی جرح متروک اُن سے اس قدر محدثین نقل کر رہے ہیں، تو اس سے یقیناً ظاہر ہے کہ امام موصوف نے اس کو ضرور متروک کہا ہے، خواہ کتاب الضعفاء کے کسی نسخے میں (جو ان ناقلین کے سامنے تھا) خواہ اپنی کسی دوسری کتاب میں، بہر حال اس جرح کی نسبت اُن کی طرف بالکل صحیح ہے۔ وَھُوَ الْمَطْلُوب۔

اور خود سنابلی صاحب نے یہ اصول بیان کیا ہے کہ صاحب تصنیف محدث سے کوئی روایت یا قول نقل کیا جائے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ناقل نے اسے صاحب تصنیف کی کسی کتاب سے نقل کیا ہے۔ یزید بن معاویہؓ (ص ۳۴۲، ۷۱۴)

[۱] توضیح الکلام (۲: ۶۰۸)

[۲] ایضاً (۲: ۷۱۷)

[۳] ماہنامہ الحدیث (ش ۱۵، ص ۱۸)

[۴] فتاویٰ اہلحدیث (۱: ۶۶۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

شیخ البانی (م ۱۴۲۰ھ) نے متروک کو مفسر اور شدید جرح قرار دیا ہے۔[۱]

مولانا بدیع الدین راشدی (م ۱۴۱۶ھ) ایک راوی پر امام نسائیؒ کی جرح متروک الحدیث نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بقول امام نسائی متروک الحدیث یعنی متہم بالکذب ہے۔[۲]

نیز مولانا بدیع الدین نے "متروک" کو واضح اور مفسر جرح قرار دیا ہے۔[۳]

نیز لکھتے ہیں: اور ایسے راوی کی روایت کسی طرح بھی قابل قبول نہیں ہوتی، خواہ احتجاجاً ہو، خواہ استشہاداً۔[۴]

مولانا بدیع الدین کے بڑے بھائی مولانا محب اللہ راشدی (م ۱۴۱۵ھ) لکھتے ہیں:

اصولِ حدیث کے ماہر جانتے ہیں کہ متروک راوی کی روایت نہ دوسری کسی روایت کی مؤید بن سکتی ہے، اور نہ ہی کوئی دوسری حدیث اس کی تائید کر سکتی ہے۔[۵]

اب باقرار غیر مقلدین عیسیٰ بن جاریہ پر امام نسائیؒ نے اتنی شدید اور مفسر جرح کی ہے کہ ایسے راوی کی روایت بالکل ردی ہے، اور ایسے راوی سے استدلال تو کجا اس کی روایت متابعت اور استشہاد میں بھی پیش کرنے کے قابل نہیں۔ لیکن اس کے باوجود غیر مقلدین حضرات خود اپنے طے شدہ اصولوں کی بھی ذرا برابر پروا نہیں کرتے، اور عیسیٰ بن جاریہ کی روایت سے صرف استشہاد ہی نہیں بلکہ استدلال کیے بیٹھے ہیں۔

ع ایں چہ بوالعجبیست

⑤ امام ابو احمد عبد اللہ بن عدیؒ (م ۳۶۵ھ) جن کو حافظ زبیر علی زئی اور ان کے شیخ بدیع

---

[۱] سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ (۶: ۱۰۱۸، ح ۲۹۲۲)

[۲] مقالاتِ راشدیہ (۶: ۴۲۹)

[۳] ایضاً (۸: ۱۲۶)، نقض قواعد فی علوم الحدیث (ص ۱۷۱، ۲۲۴)

[۴] ایضاً (۲: ۲۰۷)

[۵] مقالاتِ راشدیہ (۱: ۳۵۶)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

الدین راشدی (م ۱۴۱۶ھ) نے جرح و تعدیل میں معتدل قرار دیا ہے۔[۱]
امام موصوف ابن جاریہ کے ترجمہ میں اس کے خلاف جرح نقل کرنے کے بعد اس کی چند احادیث (بشمول مذکورہ بالا حدیث اور اس کے متصل بعد مذکور حدیث) کو ذکر کر کے فرماتے ہیں:

''وَكُلُّهَا غَيْرُ مَحْفُوظَةٍ ''[۲]

اس کی ساری حدیثیں غیر محفوظ ہیں۔[۳]

---

[۱] مقالات راشدیہ (۳:۱۱۷)، ماہنامہ الحدیث حضرو (۶:۱۸)

[۲] الکامل فی ضعفاء الرجال (۵:۱۸۸۸، ۱۸۸۹) طبع دار الفکر بیروت

[۳] کفایت اللہ سنابلی صاحب امام ابن عدیؒ کی اس جرح کے جواب میں لکھتے ہیں: امام ابن عدی نے یہ تبصرہ کرنے سے قبل بعض محدثین سے نکارت کی جرح نقل کی ہے، جو ثابت نہیں ہے، جس سے معلوم ہوا کہ امام ابن عدی کی جرح کی بنیاد غیر ثابت اقوال ہیں، لہٰذا امام ابن عدی کی جرح غیر مسموع ہے۔ انوار التوضیح (ص ۱۳۳) لیکن سنابلی صاحب کا یہ جواب ''خوئے بدرا بہانہ بسیار'' کا مصداق ہے، کیونکہ امام ابن عدیؒ نے ابن جاریہ کے بارے میں امام ابن معینؒ، امام نسائیؒ وغیرہ محدثین سے نکارت کی جو جرح نقل کی ہے، اس کا ان محدثین سے ثابت ہونا خود سنابلی صاحب پہلے تسلیم کر کے اس کی تاویل بھی کر چکے ہیں۔

ع دروغ گو را حافظہ نباشد

سنابلی صاحب یہاں تو امام ابن عدیؒ کی جرح کو غیر ثابت اقوال پر مبنی قرار دے کر رد کر رہے ہیں، لیکن جب زبیر علی زئی نے امام بخاریؒ کے اسی طرح کے ایک قول کو غیر ثابت شدہ باتوں پر مبنی قرار دے کر رد کیا تو سنابلی صاحب نے ان کے رد میں لکھا ہے کہ:

ہم محترم زبیر علی زئی سے پوچھتے ہیں کہ کیا آپ کسی روایت پر جرح کرتے ہوئے اپنے نزدیک ثابت شدہ چیزوں کو بنیاد بناتے ہیں، یا فضائل اعمال جیسے مشہور قصوں جیسی بے اصل باتوں کی بنیاد پر جرح کرتے ہیں؟ اگر آپ نفی میں جواب دیتے ہیں، اور اپنی شان یہ بتلاتے ہیں کہ آپ صرف ثابت شدہ چیزوں ہی کی بنیاد پر جرح کرتے ہیں تو کیا امام بخاریؒ آپ سے بھی گئے گزرے ہیں کہ وہ بے اصل قصوں اور کہانیوں کی بنیاد پر ایک حدیث پر ذمے دارانہ کلام کریں؟ آپ کی بات مان لینے کی صورت میں معاملہ یہیں پر ختم نہیں ہو جاتا، بلکہ جرح و تعدیل اور علل حدیث سے متعلق امام بخاریؒ کے تمام تر اقوال محل نظر ٹھرتے ہیں۔ (بقیہ اگلے صفحے پر)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

حافظ زبیر علی زئی نے امام ابن عدیؒ کے اس قول کا مطلب یہ بیان کیا ہے:

اور (عیسیٰ بن جاریہ) کی تمام حدیثیں بشمول آٹھ رکعات تراویح والی حدیث غیر محفوظ (شاذ) ہے۔[۱]

اور زبیر صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ شاذ مردود (حدیث) کی ایک قسم ہے۔[۲]

مذکورہ بالا بیانات میں زبیر علی زئی نے تسلیم کرلیا ہے کہ ابن جاریہ کی آٹھ رکعات والی روایت سمیت تمام احادیث ضعیف اور مردود ہیں۔ الحمدللہ!

نیز مولانا نذیر رحمانی صاحب (م ۱۳۸۵ھ) امام ابن عدیؒ کے اس قول کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

یعنی محفوظ کا مقابل اور اس کا غیر ہیں، جن کو اصطلاحاً شاذ کہتے ہیں۔[۳]

(بقیہ گزشتہ صفحہ پر) اور ان کے ہر قول کے ثبوت کی دلیل فراہم ہونا ضروری قرار پاتا ہے، کیونکہ احتمال ہے کہ کسی اور حدیث کو معلول کہنے یا کسی راوی کو ضعیف و مجروح کہنے پر بھی اسی طرح کی بے بنیاد باتوں کا سہارا امام بخاریؒ نے لیا ہو۔ یاد رہے کہ محدثین جب کسی حدیث کو معلول کہتے ہیں، یا کسی راوی کو ضعیف یا مجروح کہتے ہیں تو اس کی بنیاد دیگر روایات ہی ہوتی ہیں۔

پھر یہ خطرہ صرف امام بخاریؒ ہی کے اقوال سے متعلق نہیں ہوگا، بلکہ جرح و تعدیل کے تمام ائمہ کے اقوال تعلیل و تضعیف محترم زبیر علی زئی کے یہاں ان کی ذاتی تصدیق کے محتاج ہوں گے، کیونکہ جب امام بخاریؒ جیسے سلطان المحدثین بے اصل قصوں اور کہانیوں کی بنیاد پر جرح کر رہے ہیں، تو دیگر ائمہ فن سے بھی یہ چنداں مستبعد نہیں۔ واللہ المستعان۔ یزید بن معاویہؓ (ص ۱۰۸)

سنابلی صاحب جس چیز کی نصیحت زبیر علی زئی کو کر رہے ہیں، کاش خود بھی اس پر عمل کر لیتے۔

ع دیگروں کو نصیحت خود میاں فضیحت

اور پھر امام ابن عدیؒ کے اس ایک بیان سے سنابلی صاحب وغیرہ غیر مقلدین کی منکر الحدیث وغیرہ جرح سے متعلق جتنی بھی تاویلیں تھیں وہ سب کی سب دھری کی دھری رہ گئی ہیں۔

[۱] ماہنامہ الحدیث (ش ۷۴، ص ۱۶)

[۲] نور العینین (ص ۱۶۰)

[۳] انوار المصابیح (ص ۱۱۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بحمد اللہ! غیر مقلدین کے وکیل اعظم مولانا رحمانی صاحبؒ نے بھی تسلیم کرلیا ہے کہ ابن جاریہ کی بیان کردہ حدیثیں غیر محفوظ اور شاذ ہیں۔ اور جس راوی کی روایتیں شاذ ہوں وہ راوی کیسا ہوتا ہے؟ ایسے راوی کا تعارف بھی رحمانی صاحب کے قلم سے ملاحظہ کریں۔ چنانچہ موصوف ارقام فرماتے ہیں:

اگر حفظ کے اعتبار سے بہت گراہوا راوی نہ ہو تو اس کی حدیث حسن ہوگی، اور اگر اس کے خلاف ہو یعنی حفظ کے اعتبار سے بہت گراہوا راوی ہو تو البتہ (اس کی) وہ روایت شاذ و منکر کہی جائے گی۔[۱]

اور زبیر علی زئی نے بھی ایک راوی ابوبکر بن عیاشؒ کے خرابیٔ حافظہ کی وجہ سے اس کی روایت کو شاذ قرار دیا ہے۔[۲]

گویا عیسیٰ بن جاریہ حفظ کے اعتبار سے اتنا گراہوا راوی ہے کہ بقول رحمانی و علی زئی صاحبان: اس کی وجہ سے اس کی حدیثیں غیر محفوظ اور شاذ ہیں۔

مولانا محمد بشیر سہسوانی (م ۱۳۲۶ھ) جو اکابر علمائے غیر مقلدین میں سے ہیں، لکھتے ہیں:

وجود متابعت سے انجبار اُس ضُعف کا نہیں ہوتا ہے، جو شذوذ سے پیدا ہوتا ہے۔[۳]

یعنی شاذ حدیث کا ضُعف ایسا شدید ہے کہ کسی دوسری حدیث کی متابعت سے بھی وہ ختم نہیں ہوسکتا۔

یہ تفصیل تو اس بنیاد پر تھی کہ ''غیر محفوظ'' کا مطلب: ''شاذ'' ہے، لیکن امام ابن عدیؒ بسا اوقات ''غیر محفوظ'' کا اطلاق منکر احادیث پر بھی کرتے ہیں[۴]۔ اور یہاں بھی

---

[۱] ایضاً (ص ۱۲۳)

[۲] نور العینین (ص ۱۶۰)

[۳] البرھان العُجاب (ص ۲۷۷،۲۳۷) طبع مکتبہ سعیدیہ خانیوال۔

[۴] مثلاً دیکھئے ''الکامل'' (۵: ۱۳۶۷) اس کی مزید تفصیل آگے آرہی ہے۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

"غیر محفوظ" سے ان کی مراد منکر ہی ہے۔ یعنی ابن جاریہ کی روایت کردہ سب حدیثیں منکر ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اپنی اس تصریح سے پہلے عیسیٰ بن جاریہ پر ائمۂ حدیث سے نکارت کی جرح نقل کی ہے، اور اس بات کا اقرار کفایت اللہ سنابلی صاحب نے بھی کیا ہے، جیسا کہ ان کا حوالہ عنقریب گزرا ہے۔

نیز سنابلی صاحب لکھتے ہیں:

امام ابن عدی کا اس کتاب (الکامل) میں عمومی منہج یہی ہے کہ وہ اس کتاب میں منکر روایات ہی ذکر کرتے ہیں۔ یہ بات خود امام ابن عدیؒ اور دیگر اہلِ علم کی تصریحات سے ثابت ہیں۔[۱]

اور منکر روایت شاذ سے بھی زیادہ ضعیف ہوتی ہے، جیسا کہ نواب صدیق حسن خانؒ (م ۱۳۰۷ھ) نے تصریح کی ہے۔[۲]

مولانا محمد یونس قریشی (م ۱۳۸۷ھ) ارقام فرماتے ہیں:

منکر روایت محدثین کے نزدیک انتہائی درجہ کی ضعیف ہوتی ہے۔[۳]

مولانا بشیر سہسوانی (م ۱۳۲۶ھ) تصریح کرتے ہیں کہ قوی الضعیف راوی کی روایت منکر کہلاتی ہے۔[۴]

اور یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ امام ابن عدیؒ جنہوں نے عیسیٰ بن جاریہ کی تمام روایتوں کو غیر محفوظ قرار دیا ہے، انہوں نے ہی حدیث ابن عباسؓ کے راوی ابراہیم بن عثمان ابو شیبہؒ کی روایتوں کو صالح اور درست کہا ہے۔[۵]

---

[۱] یزید بن معاویہؓ (ص ۲۰۱)

[۲] دلیل الطالب (ص ۲۹۵)

[۳] فتاوی علمائے حدیث (۳:۳۷۳)

[۴] البرهان العجاب (ص ۲۷۵)

[۵] تہذیب الکمال (۱:۳۹۳)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اب ابوشیبہ کی بیان کردہ حدیث تو غیر مقلدین کے نزدیک موضوع اور نہایت ضعیف ہے، لیکن جس راوی (عیسیٰ بن جاریہ) کی ساری روایات ابن عدیؒ کے نزدیک غیر محفوظ ہیں، اس کی بیان کردہ یہ حدیث غیر مقلدین کے ہاں قابل استدلال ہے۔

ع ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

(٦) امام محمد بن طاہر مقدسی المعروف بہ "ابن القیسرانیؒ" (م ۵۰۷ھ) عیسیٰ بن جاریہ کی مابعد حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وَعِيسَى لَيْسَ بِذَاكَ ....وَالْحَدِيْثُ غَيْرُ مَحْفُوْظٍ۔"[۱]

"عیسیٰ بن جاریہ روایتِ حدیث میں کچھ نہیں ہے۔ یعنی محض ضعیف ہے، اور اس کی حدیث غیر محفوظ ہے۔"

(٧) محدث ناقد امام ابوجعفر محمد بن عمرو عقیلیؒ (م ۳۲۲ھ) نے ابن جاریہ کو اپنی "کتاب الضعفاء" میں ذکر کر کے اس کے خلاف ائمہ حدیث سے جرح نقل کی ہے۔[۲]

اور باقرار علمائے غیر مقلدین امام عقیلیؒ کا کسی راوی کو محض اپنی اس کتاب میں ذکر کرنا ہی اُن کے نزدیک اس راوی کے ضعیف ہونے کی دلیل ہے۔ چنانچہ مولانا محب اللہ راشدیؒ (م ۱۴۱۵ھ) ابن جاریہ کے متعلق لکھتے ہیں:

ہاں اس کی چند دوسرے ائمہ مثلاً ابوداؤد، ابن معین، ساجی، عقیلی اور ابن عدی نے تضعیف کی ہے۔[۳]

غیر مقلدین کے ذہبی العصر شیخ عبدالرحمٰن معلمی (م ۱۳۸۶ھ) ایک راوی اسماعیل بن رجاء حصنی، جن کو امام عقیلیؒ نے محض "کتاب الضعفاء" میں ذکر کیا ہے۔[۴] کے متعلق لکھتے ہیں:

---

[۱] ذخیرۃ الحفاظ (ص ۱۱۹۴، ح ۲۵۴۷) طبع دار السلف ریاض

[۲] کتاب الضعفاء الکبیر (۳: ۳۸۳، ت ۱۴۲۱) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

[۳] مقالاتِ راشدیہ (۱: ۲۰۲)

[۴] لسان المیزان (۱: ۵۲۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

”ضَعَّفَهُ السَّاجِيُّ وَالْعُقَيْلِيُّ“[1]

”ساجی اور عقیلی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے“

مولانا بدیع الدین راشدی (م ۱۴۱۶ھ)، یحییٰ بن ابی سلیمان (جس کو امام عقیلیؒ نے محض کتاب الضعفاء میں ذکر کر کے اس کے خلاف جرح نقل کی ہے۔[2]) کو ضعیف قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

اور امام عقیلی (نے اس کو) کتاب الضعفاء ص ۸۹ ج ۲ قلمی میں داخل کیا ہے۔ اس لیے یہ روایت ضعیف کہی جائے گی۔[3]

اسی طرح مولانا بدیع الدین نے اسماعیل بن مسلم مکیؒ کے جارحین میں امام عقیلیؒ کو بھی ذکر کیا ہے، اور اس پر دلیل یہی ذکر کی ہے کہ امام عقیلی اور امام ساجیؒ وغیرہ نے اس کو ضُعفاء میں ذکر کیا ہے۔[4] حالانکہ امام عقیلیؒ نے اس راوی کو کتاب الضعفاء میں ذکر کر کے اپنی طرف سے کوئی جرح نہیں کی[5]۔ خلف بن ایوبؒ کو بھی انہوں نے محض اس لیے ضعیف قرار دے دیا کہ امام عقیلیؒ نے اس کو ضعفاء میں ذکر کیا ہے[6]، حالانکہ امام عقیلیؒ نے اُن پر کوئی جرح نہیں کی۔[7]

اس سے بعض غیر مقلدین کا یہ عذر لنگ باطل ہو گیا کہ امام عقیلیؒ کا کسی کو محض کتاب الضُعفاء میں ذکر کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ان کے نزدیک ضعیف ہے۔[8]

---

[1] حاشیہ الفوائد المجموعۃ (ص ۶۴)

[2] الضعفاء الکبیر (۴:۴۰۷)

[3] مقالاتِ راشدیہ (۲:۱۶۵، ۱۶۶)

[4] ایضاً (۷:۳۸)

[5] الضعفاء الکبیر (۱:۹۱۔ ۹۳)

[6] نقض قواعد فی علوم الحدیث (ص ۲۵۸)

[7] الضعفاء الکبیر (۲:۲۴)

[8] انوار التوضیح (ص ۱۳۵)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

(۸) امام زکریا بن یحییٰ ساجیؒ (م ۳۰۷ھ) نے بھی ابن جاریہؒ کو اپنی ''کتاب الضعفاء'' میں ذکر کیا ہے۔ [۱]

یعنی امام ساجیؒ کے نزدیک بھی ابن جاریہ کا شمار ضعیف راویوں میں ہوتا ہے۔ [۲] جیسا کہ ابھی علمائے غیر مقلدین کے بیانات میں گزرا ہے کہ کسی راوی کو امام عقیلیؒ اور امام ساجیؒ کا محض اپنی اپنی کتاب الضعفاء میں ذکر کرنا ہی اس کے ضعیف ہونے کی دلیل ہے۔

(۹) نامور صاحب تصانیف محدث امام عبد الرحمٰن ابن الجوزیؒ (م ۵۹۷ھ) نے بھی ابن جاریہؒ کو ضعیف اور متروک راویوں میں شمار کر کے اس کے خلاف جرح

---

[۱] تھذیب التھذیب (۴:۴۴۸)

[۲] اشکال: مولانا نذیر رحمانی (م ۱۳۸۵ھ) لکھتے ہیں: عیسیٰ بن جاریہ کے جارحین میں چار حضرات: ابن معین، نسائی، عقیلی، ابن عدی کا متعنتین میں شمار ہونا تو بالکل واضح ہے، اسی طرح ساجی جرح وتعدیل کے باب میں مثبت اور متیقظ نہ تھے، بلکہ متساہل یا متشدد تھے، اور ایسے لوگوں کی جرح وتعدیل مقبول نہیں۔ محصلہ انوار المصابیح (ص ۱۱۲)۔ جواب: رحمانی صاحب کا یہ اشکال بالکل بے وقعت ہے، کیونکہ اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ سب حضرات متشدد اور متعنت تھے تو پھر بھی انکی جرح مقبول ہے، کیونکہ ابن جاریہ کے جارحین میں امام ابو داؤدؒ اور حافظ ابن حجرؒ بھی ہیں، جن کے متعلق خود رحمانی صاحب لکھتے ہیں کہ: یہ نہ متشدد ہیں اور نہ متساہل۔ ایضاً (ص ۱۱۲)
اور رحمانی صاحب یہ اصول بھی کھلے دل سے تسلیم کرتے ہیں کہ: جب متشدد جارح کی موافقت کوئی معتدل جارح کر دے تو پھر متشدد جارح کی جرح بھی مقبول ہو جاتی ہے۔ انوار المصابیح (۱۱۳) بحوالہ الرفع و التکمیل (ص ۱۸)۔
مولانا رحمانی صاحب کے استاذ مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوریؒ (م ۱۳۵۳ھ) نے تصریح کی ہے کہ: متعنتین اور متشددین کی تعدیل معتبر ہوتی ہے، اور ان کی جرح غیر معتبر، مگر جب کہ کوئی منصف (متعدل) غیر متشدد ان کا موافق ہو۔ مقالات مبارکپوری، (ص ۲۲۰)
نیز مولانا مبارکپوری صاحب، امام نسائیؒ کے تعنت کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:
مانا ہم نے کہ نسائی متعنت فی الجرح ہیں، مگر متعنت کی جرح اس صورت میں ناقابل اعتماد ہوتی ہے، جب کہ وہ متفرد ہو۔ تحقیق الکلام (۲:۱۵۱) پس جب امام نسائیؒ اور امام ابن معینؒ وغیرہ کی موافقت امام ابو داؤدؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے کی ہے، جو بقول رحمانی صاحب جرح وتعدیل میں نہایت معتدل ہیں، تو پھر رحمانی صاحب کا امام نسائیؒ، امام ابن معینؒ، امام ابن عدیؒ، امام ساجیؒ اور امام عقیلیؒ کو متشدد کہہ کر ان کی جرح کو رد کرنا انصاف و دیانت سے جی چرانے والی بات ہے۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

نقل کی ہے۔ [۱]

اور یہ بھی باقرار غیر مقلدین اس کے ضعیف ہونے کی دلیل ہے۔ [۲]

(۱۰) جلیل المرتبت محدث، شارح بخاری امام زین الدین عبد الرحمٰن ابن رجب حنبلیؒ (م ۷۹۵ھ)، جن کے تعارف میں مولانا بدیع الدین راشدی (م ۱۴۱۶ھ) لکھتے ہیں: حنبلی مذہب کے زبردست عالم حافظ ابن رجب [۳]۔ امام موصوف نے عیسیٰ بن جاریہ کی ایک روایت پر نقد کرتے ہوئے لکھا ہے:

"وَعِيسَى بْنُ جَارِيَةَ، تُكُلِّمَ فِيهِ۔" [۴]

عیسیٰ بن جاریہ متکلم فیہ ہے۔

مولانا بدیع الدین راشدی لکھتے ہیں:

متکلم فیہ راوی کی روایت سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔ [۵]

(۱۱) مشہور محدث ناقد حافظ شمس الدین ابو عبد اللہ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) جن کو مولانا مبارکپوری صاحب وغیرہ علمائے غیر مقلدین نے بحوالہ حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) "أَهْلِ اِسْتِقْرَاءِ التَّامِ فِيْ نَقْدِ الرِّجَالِ (رجال حدیث کو پرکھنے میں مکمل عبور رکھنے والوں) میں سے قرار دیا ہے۔ [۶] نے بھی اس کو ضعیف اور متروک راویوں پر مشتمل اپنی دو کتابوں: دیوان الضعفاء والمتروکین" اور "المغنی فی الضعفاء" میں ذکر

[۱] کتاب الضعفاء والمتروکین (۲۳۸:۲) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

[۲] مقالات راشدیہ (۱۶۷:۲، ۲۰۴:۷)، الحدیث (۱۷:۷۷)

[۳] مقالات راشدیہ (۲۹۴:۶)

[۴] فتح الباری فی شرح صحیح البخاری (۳۸۸:۳) طبع دار ابن الجوزی السعودیہ

[۵] مقالات راشدیہ (۲۶۵:۶)

[۶] تحفۃ الاحوذی (۵۲۵:۳)، مقالات راشدیہ (۲۹۹:۱، ۱۳۵:۹)، فتاویٰ علمائے حدیث (۳۷۵:۶)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کر کے ائمہ حدیث سے اس کے خلاف جرح نقل کی ہے۔[۱]

مولانا ارشاد الحق اثری نے امام ذہبیؒ کی ان دونوں کتب کے تعارف میں لکھا ہے کہ یہ دونوں ضعفاء اور مجہولین پر مشتمل ہیں۔[۲]

(۱۲) شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) جو بتصریح مولانا ارشاد الحق اثری: ائمہ فن میں شمار ہوتے ہیں۔[۳] عیسیٰ بن جاریہ کے بارے میں لکھتے ہیں: فِيهِ لِيْنٌ۔[۴]۔

عیسیٰ بن جاریہ میں کمزوری ہے۔ یعنی وہ ضعیف الحدیث ہے۔

حافظ ابن حجرؒ جس راوی کو "تقریب" میں "فیہ لین" کہتے ہیں، وہ باقرار علمائے غیر مقلدین ضعیف ہوتا ہے۔ مثلاً ابو ہلال راسبیؒ جس کو انہوں نے فیہ لین کے ساتھ ساتھ صدوق (جو خود غیر مقلدین کے نزدیک بھی الفاظِ توثیق میں سے ہے) بھی کہا ہے[۵]۔ لیکن اس کے باوجود یہ راوی علمائے غیر مقلدین کے نزدیک ضعیف ہے، کیونکہ ابن حجرؒ نے اس کو "فیہ لِیْن" کہا ہے۔ چنانچہ مولانا بدیع الدین راشدی (م ۱۴۱۶ھ) نے ابو ہلالؒ کی ایک حدیث کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے:

وَاَبُوْ هِلَالٍ فِيْهِ لِيْنٌ۔[۶]

"اس روایت کی سند میں ایک راوی ابو ہلال ہے، جس میں کمزوری ہے"

---

[۱] دیوان الضعفاء والمتروکین (۲۱۹:۲) طبع دار القلم بیروت، المغنی فی الضعفاء (۱۶۴:۲) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت۔

[۲] تنقیح الکلام (ص ۲۲۵)

[۳] توضیح الکلام (۲۳۹:۱)

[۴] تقریب التھذیب (۷۶۹:۱) طبع قدیمی کتب خانہ کراچی

[۵] ایضاً (۸۱:۲)

[۶] مقالات راشدیہ (۲۵۱:۸)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اب جس راوی کو "تقریب" میں صدوق قرار دیے جانے کے باوجود محض "فیہ لین" کی وجہ سے ضعیف قرار دیا جارہا ہے، تو عیسیٰ بن جاریہ کو تو صرف "فیہ لین" کہا گیا ہے، لہٰذا وہ بطریق اولیٰ ضعیف ہے۔

نیز مولانا نواب صدیق حسن خانؒ (م ۱۳۰۷ھ) ایک حدیث کی سند پر نقد کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

اس کی سند میں خصیف جریری ایک ایسا راوی ہے، جس میں "لِین" (کمزوری) ہے۔[۱]

کفایت اللہ سنابلی صاحب بھی ابن حجرؒ کے "فیہ لین" قرار دیے جانے والے راوی کو ضعیف الحدیث قرار دیتے ہیں۔[۲]

علاوہ ازیں حافظ ابن حجرؒ نے "فِیهِ لِینٌ" کو الفاظ جرح وتعدیل کے چھٹے طبقہ میں شمار کیا ہے۔[۳]

علامہ احمد شاکرؒ غیر مقلد (م ۱۳۷۷ھ) فرماتے ہیں کہ: حافظ ابن حجرؒ کے بیان کردہ طبقات میں سے صرف پہلے چار طبقوں کی روایات حجت ہیں۔ اور چوتھے طبقہ کے بعد والے طبقات والوں کی روایت مردود ہے۔ الا یہ کہ وہ روایت کثرتِ طرق سے مروی ہو[۴]۔

اور مذکورہ روایت بھی چونکہ صرف ابن جاریہ کے طریق سے ہی مروی ہے، لہٰذا یہ مردود ہے۔

حافظ ابن حجرؒ کی جرح پر مولانا رحمانی کے اعتراض کی حقیقت

مولانا نذیر رحمانی صاحب (م ۱۳۸۵ھ) لکھتے ہیں: حافظ ابن حجرؒ کی جرح سے عیسیٰ کی

---

[۱] فتاویٰ نواب صدیق حسن خان (۱:۶۳۸)

[۲] انوار البدر (ص ۲۵۴)

[۳] انوار المصابیح (ص ۱۱۶) بحوالہ تقریب (ص ۱)

[۴] الباعث الحثیث (ص ۱۰۷) طبع دار السلام ریاض

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

روایت کا ترک ہونا لازم نہیں آتا، انہوں نے تقریب میں صرف "فِیۡهِ لِیۡنٌ" کہا ہے۔ محدثین نے "فِیۡهِ لِیۡنٌ" اور "لَیِّنُ الۡحَدِیۡث" کو بہت ہلکے اور معمولی درجہ کے الفاظ جرح میں شمار کیا ہے۔ الخ....[۱]۔

نیز لکھتے ہیں کہ امام دارقطنی جیسے ناقد رجال کے نزدیک ایسا راوی نہ ساقط العدالت ہے، اور نہ اس کی حدیث قابل ترک۔[۲]

جواب: غیر مقلدین حضرات کی عادت شریفہ ہے کہ جب کوئی روایت ان کے مسلک اور خواہش کے موافق ہو تو وہ اسے سر آنکھوں پر رکھتے ہیں، چاہے اس میں کوئی کتنا ہی ضعیف راوی کیوں نہ ہو، اور پھر اس راوی پر کی گئی جرح کو وہ طرح طرح کی رکیک تاویلوں اور مختلف بہانوں سے ٹال دیتے ہیں۔ لیکن اسی قسم کی جرح جب کسی ایسے راوی پر ہو، جس کی روایت سے ان کے مسلک پر زد پڑتی ہو تو پھر یہ حضرات اس جرح کو آنکھیں بند کر کے قبول کر لیتے ہیں، اور اس جرح کے سہارے وہ اس راوی اور اس کی مروی روایت کو ضعیف سے ضعیف قرار دیتے ہیں۔

یہی حال مولانا نذیر رحمانی صاحب کا ہے کہ یہاں یہ روایت ان کے مسلک کے موافق آئی تو اس کے راوی عیسیٰ بن جاریہ پر حافظ ابن حجرؒ کی جرح "فِیۡهِ لِیۡنٌ" کو یوں کہہ کر ٹال دیا کہ یہ بہت ہلکی اور معمولی درجہ کی جرح ہے۔ اس سے راوی کا ضعیف ہونا اور اس کی روایت کا قابل ترک ہونا لازم نہیں آتا۔ لیکن ان کا دوغلا پن ملاحظہ کریں کہ جب حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) کی یہی جرح غیر مقلدین کے مسلک کے مخالف روایت کے راوی (نضر بن شیبان) پر وارد ہوئی تو اسے فوراً قبول کر لیا، اور اس روایت کے راوی کو سخت ضعیف قرار دے دیا۔ چنانچہ رحمانی صاحب نضر بن شیبان کی روایت کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ورنہ حق تو یہ ہے کہ یہ روایت ہی صحیح نہیں ہے، اس کا ایک

---

[۱] انوار المصابیح (ص ۱۱۵)

[۲] ایضاً (ص ۱۱۶)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

راوی نضر بن شیبان بالکل ضعیف ہے،[1]

حالانکہ نضر بن شیبان کے بارے میں بھی حافظ ابن حجرؒ نے ''تقریب التھذیب'' (۲۴۵:۲) میں ''لَیِّنُ الْحَدِیْث'' کہا ہے جو بقول رحمانی صاحب نہایت ہلکی اور معمولی درجہ کی جرح ہے۔ اب رحمانی صاحب کا انصاف دیکھیں کہ عیسیٰ بن جاریہؒ اور نضر بن شیبانؒ پر حافظ ابن حجرؒ نے ایک ہی قسم کی جرح کی ہے، لیکن عیسیٰ بن جاریہ تو اس جرح کی وجہ سے رحمانی صاحب کے نزدیک ضعیف نہ ہوا، بلکہ بدستور ثقہ ہی ہے، اور اس کی روایت بھی صحیح اور قابل احتجاج ہے، لیکن اسی کا ہم درجہ راوی نضر بن شیبانؒ، رحمانی صاحب کی نظروں میں بالکل ضعیف ٹھہرا اور اس کی حدیث بھی ان کی جناب سے ضعیف قرار پائی۔ والی اللہ المشتکی۔ ؎

تیری بات کو بت حیلہ گر نہ قرار ہے نہ قیام ہے
کبھی شام ہے کبھی صبح ہے، کبھی صبح ہے کبھی شام ہے

سنابلی صاحب کی بددیانتی

کفایت اللہ سنابلی صاحب نے مولانا رحمانی کے دفاع اور راقم الحروف کے رد میں ''مقبول'' سے متعلق حافظ ابن حجرؒ کی عبارت ذکر کرکے لکھا ہے:

یہاں (طبقہ سادسہ کے بیان میں) حافظ ابن حجرؒ اپنی ایک خاص اصطلاح ''مقبول'' کی وضاحت کر رہے ہیں، اور یہ بتلا رہے ہیں کہ اس نوع کے رواۃ کی جہاں متابعت نہ ملے وہاں یہ ''لین الحدیث'' ہوگا۔ لیکن عیسیٰ بن جاریہ کو ابن حجرؒ نے نہ تو ''مقبول'' کہا ہے، اور نہ ''لین الحدیث'' ہی کہا ہے، بلکہ صرف ''فیہ لین'' کہا ہے، جو ان دونوں سے الگ ہے، اور صرف معمولی ضُعف پر دال ہے، جو توثیق کے منافی نہیں، اسی لیے حافظ ابن حجرؒ نے دوسرے مقام پر انہیں ثقہ کہا ہے۔

---

[1] ایضاً (ص ۸۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

حافظ ظہور صاحب ''لین الحدیث'' اور ''فیہ لین'' کے فرق پر دھیان نہیں دے سکے۔اس فرق کی وضاحت کے بعد اس ضمن میں ان کی ساری تفصیلات بے معنی ہو جاتی ہیں،اور آگے آنجناب نے علامہ املوی کا جو تضاد دکھلانے کی کوشش کی ہے، اس کی حقیقت بھی نمایاں ہو جاتی ہے۔[۱]

دھوکہ دینا تو کوئی سنابلی صاحب سے سیکھے، کتنی تکنیک سے وہ بات کو کیا سے کیا بنا دیتے ہیں۔ چنانچہ یہاں بھی انہوں نے اپنی اس روایت کو برقرار رکھتے ہوئے مولانا رحمانی املوی ؒ کی بات کو راقم الحروف کی بات بنا کر پیش کر دیا ہے۔انا للہ....

راقم الحروف نے جو کچھ لکھا ہے، وہ مولانا املوی ؒ کے حوالے سے لکھا ہے،انہوں نے ہی ''فیہ لین'' کو ''لین الحدیث'' کے ہم معنی قرار دے کر اس کو بحوالہ تقریب چھٹے طبقے میں سے قرار دیا ہے۔اور راقم نے املوی صاحب کی کتاب کے محولہ صفحہ (۱۱٦) کا باقاعدہ حوالہ دیا ہے۔سنابلی صاحب نے راقم کے ذکر کردہ اس حوالہ کو دانستہ نظر انداز کر کے کوئی علمی دیانت کا ثبوت نہیں دیا۔

سنابلی صاحب کی اس بددیانتی کو آشکارا کرنے کے لیے رحمانی صاحب کی محولہ عبارت پیش خدمت ہے:

یہی حال حافظ ابن حجر کی جرح کا بھی ہے،اس سے بھی عیسیٰ کی روایت کا قابل ترک ہونا لازم نہیں آتا۔انہوں نے تقریب التہذیب میں صرف ''فیہ لِیْن مِنَ الرَّابعة'' کہا ہے۔محدثین نے ''فیہ لین'' اور ''لین الحدیث'' کو بہت ہلکے اور معمولی درجہ کے الفاظ جرح میں شمار کیے ہیں۔[۲]

اور پھر مولانا املوی اس پر چند حوالجات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

---

[۱] انوار التوضیح (ص ۱۳۵)

[۲] انوار المصابیح (ص ۱۱۵)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

حافظ ابن حجر نے ''تقریب التہذیب'' میں ہی اس کی وضاحت کر دی ہے کہ ''لین الحدیث'' کا لفظ وہ ایسے راوی کے حق میں بولتے ہیں جس کا اگرچہ کوئی متابع نہ ہو، تاہم اس کے بارے میں کوئی ایسی بات بھی ثابت نہیں ہے، جس کی وجہ سے اس کی حدیث قابل ترک ہو۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

السَّادِسَةُ مَنْ لَيْسَ لَهُ مِنَ الْحَدِيْثِ إِلَّا الْقَلِيلِ.... [۱]

دیکھیں رحمانی صاحب خود ہی'' فیہ لین'' کو'' لین الحدیث'' کے ہم درجہ قرار دے کر اس پر حافظ ابن حجرؒ کی طبقہ سادسہ سے متعلق عبارت کو منطبق کر رہے ہیں، لیکن سنابلی صاحب بد دیانتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے رحمانی صاحب کی اس بات کو راقم الحروف کے کھاتے میں ڈال رہے ہیں۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

علاوہ ازیں مولانا عبداللہ روپڑی (م ۱۳۸۴ھ) جو غیر مقلدین کے ہاں'' محدث اعظم'' کے درجے پر فائز ہیں، بھی اس بارے میں مولانا رحمانی املوی کے ہم زبان ہیں۔ چنانچہ آں موصوف لکھتے ہیں:

> عیسیٰ بن جاریہ کی بابت اس (تقریب التھذیب) میں لکھا ہے: فیہ لین۔ (اس میں کچھ نرمی ہے) اور شروع میں لکھا ہے کہ'' لین'' کا لفظ میں اس راوی کے متعلق استعمال کروں گا جو قلیل الحدیث ہو، اور اپنی روایت میں منفرد ہو، مگر جس میں کوئی ایسی جرح ثابت نہ ہو، جس کی وجہ سے اس کی حدیث ترک کر دی جائے۔
>
> یہ تو حافظ ابن حجرؒ کا فیصلہ ہوا۔ [۲]

---

[۱] ایضاً (ص ۱۱۶)
[۲] تحقیق التراویح (ص ۶۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اس بیان میں مولانا روپڑی بھی مولانا رحمانی کی طرح واضح الفاظ میں ''فیہ لین'' کو ''لین الحدیث'' کے ہم درجہ قرار دے کر اس پر حافظ ابن حجرؒ کی عبارت جو انہوں نے ''طبقہ سادسہ'' کے ذیل میں لکھی ہے، منطبق کر رہے ہیں۔ ان دونوں حوالوں سے ہمارا موقف بحمداللہ پوری طرح ثابت ہو گیا، اور ہمیں غلط ثابت کرنے کے لیے سنابلی صاحب نے جو ہاتھ پاؤں مارے تھے اس سے ان کو کچھ حاصل نہیں ہوا۔

بات تو تو نے بنائی تھی یہاں خوب مگر
تھی جو بگڑی ہوئی قسمت تو بنی خوب نہیں

ثانیاً: اگر بالفرض ''فیہ لین'' اور ''لین الحدیث'' دونوں ہم معنی اور ہم درجہ نہیں ہیں، تو پھر سنابلی صاحب ان دونوں میں معنوی اور فنی مغایرت پر کوئی دلیل پیش کریں، نرا دعویٰ ناقابل مسموع ہے۔

اور یہ بھی بتلائیں کہ ''فیہ لین'' اگر چھٹے درجے میں نہیں تو پھر حافظ ابن حجرؒ کی درجہ بندی کے لحاظ سے یہ کس درجہ میں ہے؟

نیز یہ بھی بتلایا جائے کہ علامہ احمد شاکرؒ غیر مقلد نے جو یہ کہا ہے کہ حافظ ابن حجرؒ کے بیان کردہ طبقات میں صرف پہلے چار طبقوں کی روایات حجت ہیں، تو پھر ''فیہ لین'' ان پہلے چار طبقوں میں سے کس طبقے میں ہے؟

رہا سنابلی صاحب کا یہ کہنا کہ ''فیہ لین'' معمولی ضعف پر دال ہے، جو توثیق کے منافی نہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ سنابلی صاحب خود دوسری جگہ ''فیہ لین'' والے راوی کو ضعیف قرار دے چکے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

عرض ہے کہ یہ محمد بن قدامہ الجوھری بھی زیر بحث راوی کے علاوہ دوسرا شخص ہے جو ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے زیر بحث راوی کا تذکرہ کرنے کے بعد کہا: محمد بن

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

قدامۃ الجوھری الانصاری ابوجعفر البغدادی فیہ لین...[۱]

سنابلی صاحب

ع آپ کو عادت ہے لکھ کر بھول جانے کی

باقی سنابلی صاحب کا یہ استدلال کہ حافظ ابن حجرؒ نے ابن جاریہ کو ثقہ کہا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ خود سنابلی صاحب نے لکھا ہے: بعض ناقدین کبھی کبھی دیانت داری اور سچائی کے لحاظ سے کسی کو ثقہ کہہ دیتے ہیں، جس سے ناقدین کا مقصد اصطلاحی معنیٰ میں ثقہ کہنا نہیں ہوتا۔[۲] لہٰذا ابن حجرؒ کے ان دونوں قولوں میں تطبیق ممکن ہے۔ وہ اس طرح کہ انہوں نے ابن جاریہ کو جو "فیہ لین" کہا ہے وہ اس کے حافظے کے اعتبار سے ہے، اور انہوں اس کو جو ثقہ کہا ہے وہ اس کی دیانت داری اور سچائی کے لحاظ سے ہے۔

نیز غیر مقلدین کے ذہبی العصر شیخ عبدالرحمٰن معلمی (م ۱۳۸۶ھ) نے تصریح کی ہے کہ حافظ ابن حجرؒ کبھی کبھی "تقریب التھذیب" میں ایک راوی کو ضعیف کہتے ہیں، اور پھر تسامح کا شکار ہو کر اپنی دیگر کتب (فتح الباری وغیرہ) میں اس کو ثقہ کہہ دیتے ہیں۔[۳]

حضرات! عیسیٰ بن جاریہ پر مشہور اور کبار ائمۂ حدیث و رجال کی طرف سے یہ وارد جرح آپ نے ملاحظہ کر لی ہے، اور ان اقوالِ جرح کے سنگین اور قابلِ اعتبار ہونے پر اکابر علمائے غیر مقلدین کی آراء اور آج کل کے غیر مقلدین کے ان پر اشکالات کا کھوکھلا پن بھی آپ دیکھ چکے ہیں۔ اس سے آپ پر یہ حقیقت اچھی طرح آشکارا ہو چکی ہوگی ہے کہ عیسیٰ بن جاریہ کے خلاف اکثر جرحیں (عِنْدَہٗ مَنَاکِیْر، مُنْکَرُ الحدیث اور متروک

---

[۱] انوارالبدر (ص ۲۵۴)

[۲] انوارالتوضیح (ص ۱۲۱)

[۳] حاشیہ المطالب العالیۃ (ص ۳۶۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

وغیرہ) مفسر اور نہایت سخت ہیں۔ان میں سے اگر ایک جرح بھی عیسیٰ بن جاریہ پر عائد ہوتی تو یہ اس کی اس روایت کے ضعیف اور ناقابل استدلال ہونے کے لیے کافی تھی، چہ جائیکہ عیسیٰ ان تمام جرحوں کے ساتھ مجروح ہے،لیکن غیر مقلدین کی ہٹ دھرمی ملاحظہ ہو کہ ان کو عیسیٰ بن جاریہ پر کی گئی ان جرحوں کے سنگین ہونے کا اقرار بھی ہے،لیکن اس کے باوجود وہ اس کو ثقہ ٹھہرانے اور اس کی مذکورہ روایت کو قابلِ استدلال بنانے میں سرتاپا غرق ہیں۔انا للہ....

عیسیٰ بن جاریہ کو ثقہ ثابت کرنے کی ایک کوشش اور اس کا جواب:

حافظ زبیر علی زئی (م ۱۴۳۵ھ) لکھتے ہیں: عیسیٰ بن جاریہ جمہور علماء کے نزدیک ثقہ، صدوق یا حسن الحدیث ہے۔چنانچہ (۱) ابوزرعہ نے اس کے بارے میں کہا: لَا بَأْسَ بِهٖ۔(۲) ابن حبان نے ''الثقات'' میں ذکر کیا۔(۳) ابن خزیمہ نے اس کی حدیث کی تصحیح کی۔(۴) الہیثمی نے اس کی حدیث کی تحسین کی۔مجمع الزوائد (ج ۲ ص ۷۲) اور اسے ثقہ کہا۔ ایضاً (ج ۲ ص ۱۸۵)۔(۵) البوصیری نے زوائد سنن ابن ماجہ میں اس کی حدیث کی تحسین کی۔(۶) حافظ منذری نے اس کی ایک حدیث کو باسناد جید کہا۔(۷) الذھبی نے اس کی منفرد حدیث کے بارے میں ''اِسْنَادُهٗ وَسَطٌ'' کہا۔(۸) بخاری نے ''التاریخ الکبیر'' میں اسے ذکر کیا اور اس پر طعن نہیں کیا۔(۹) حافظ ابن حجرؒ نے ''فتح الباری'' میں اس کی حدیث پر سکوت کیا۔یہ سکوت اس کی حدیث کی تحسین یا تصحیح کی دلیل ہے۔قواعد علوم الحدیث (ص ۵۵)۔(۱۰) ابو حاتم الرازی نے اسے ذکر کیا اور اس پر کوئی جرح نہیں کی۔ابو حاتم کا سکوت راوی کی توثیق ہوتی ہے۔حوالہ سابق۔لہٰذا یہ سند حسن ہے۔[1]

جواب:

زبیر صاحب نے عیسیٰ بن جاریہ کو ثقہ اور حسن الحدیث ثابت کرنے کے لیے یہ جتنی شقیں

---

[1] نور المصابیح (ص ۱۸)، تعداد رکعات قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ (ص ۱۸، ۱۹)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ذکر کی ہیں، باقرار علمائے غیر مقلدین ان میں سے کسی ایک شق سے بھی اس کا ثقہ ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ زبیر صاحب کی ذکر کردہ ہر ہر شق کا جواب خود ان کے اور ان کے ہم مسلک مستند علماء کے حوالہ جات سے ملاحظہ کریں۔

(۱) امام ابوزرعہ کا ابن جاریہ کو "لاباس بہ" کہنا اس کے لیے کچھ مفید نہیں

جس راوی کو کم از کم بارہ بڑے بڑے اور نامور آئمہ رجال نے ضعیف، منکر الحدیث اور متروک وغیرہ قرار دیا ہو، ان کے مقابلے میں صرف امام ابوزرعہ (م ۲۶۴ھ) کے "لَا بَأْسَ بِہٖ" کہنے سے کیا فرق پڑتا ہے؟ کیونکہ عنقریب علمائے غیر مقلدین کے حوالہ سے یہ بحث آنے والی ہے کہ جرح تعدیل پر مقدم ہوتی ہے، بالخصوص جب جرح مفسر ہو۔

نیز "لَا بَأْسَ بِہٖ" کا لفظ خود علمائے غیر مقلدین کے نزدیک بھی الفاظِ تعدیل میں نہایت ہلکا اور کمزور ہے، اس سے اس کے حامل راوی کی روایت کا قابل احتجاج ہونا لازم نہیں آتا۔ چنانچہ بزرگ غیر مقلد عالم مولانا محب اللہ راشدی (م ۱۴۱۵ھ) لکھتے ہیں: یہ (لاباس بہ) اگرچہ توثیق کے ضعف (قسم) میں سے ہے، لیکن توثیق کے آخری مراتب میں سے ہے۔ [۱]

مولانا محب اللہ کے بھائی اور علی زئی صاحب کے شیخ مولانا بدیع الدین (م ۱۴۱۶ھ) نے بھی "لاباس بھا" کا مطلب بیان کیا ہے:

"يُعْتَبَرُ بِهَا فِي الشَّوَاهِدِ۔" [۲]

"یعنی ان الفاظ کے حامل راوی کی روایات صرف شواہد میں معتبر ہیں"

نیز موصوف لکھتے ہیں:

---

[۱] مقالاتِ راشدیہ (۱: ۳۵۲)

[۲] نقض قواعد فی علوم الحدیث (ص ۱۵۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ثابت ہوا کہ پانچویں مرتبے والے لفظ جن میں ''لا بأس بہ'' بھی ہے، ایسے راویوں کی روایت سے حجت نہیں لی جاتی، بلکہ شاہد کے طور پر استعمال کی جا سکتی ہے، یہ امام ابن معین کے لیے خاص ہے جو جس کے لیے ''لا بأس'' کہے تو وہ راوی ثقہ اور حجت ہے، یا امام دوحیم کے لیے ہے۔ (جیسا کہ) حافظ عراقی نے فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث صفحہ ۳۹ ج ۲ میں بیان کیا ہے، لہٰذا مولوی صاحب کو اس پر خوش نہیں ہونا چاہیے۔ [۱]

بنا بریں علی زئی صاحب کو بھی امام ابوزرعہؒ کے اس قول کو امام ابن معینؒ کے قول پر قیاس کر کے خوش نہیں ہونا چاہیے۔

شیخ البانی (م ۱۴۲۰ھ) بھی اس لفظ کے حامل راوی کی روایت کو قابل حجت نہیں سمجھتے۔ [۲]

مولانا بشیر سہسوانی (م ۱۳۲۶ھ) نے اَرْجُوْ اَنَّهٗ لَا بَأْسَ بِهٖ [۳] اور صالح الحدیث کے متعلق لکھا ہے:

توثیق کے لیے جب یہ دو جملے استعمال ہوتے ہیں تو ایسے آدمی کی روایت اعتبار (متابعت) کے لیے ہوتی ہے، دلیل کے لیے نہیں۔ [۴]

نیز مشہور غیر مقلد عالم مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں:

اَرْجُوْ اَنَّهٗ لَا بَأْسَ بِهٖ، یُکْتَبُ حَدِیْثُهٗ، یُعْتَبَرُ بِهٖ ایسے الفاظ ہیں کہ ان

---

[۱] مقالاتِ راشدیہ (۶:۳۸۷)

[۲] سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ (۱:۶۶۵)

[۳] مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری (م ۱۳۵۳ھ) نے اَرْجُوْ اَنَّهٗ لَا بَأْسَ بِهٖ اور لَا بَأْسَ بِهٖ کو ہم درجہ وہم معنی قرار دیا ہے۔ تحقیق الکلام (۲:۱۶۳)

[۴] اظہارِ حق ترجمہ صیانۃ الانسان (ص ۷۳)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کے حاملین کی روایت قابل احتجاج نہیں ہو سکتی۔[۱]

نیز لکھتے ہیں: ایسے راوی کی روایات صرف متابعات میں قبول ہوتی ہیں۔[۲]

لہٰذا علی زئی وغیرہ غیر مقلدین کا امام ابو زرعہؒ کے مذکورہ قول کی وجہ سے ابن جاریہ کی روایت سے استدلال واحتجاج کرنا باطل ہے۔[۳]

نیز غیر مقلدین کے ذہبی العصر شیخ عبدالرحمٰن معلمی (م۱۳۸۶ھ) نے تو اس لفظ کو الفاظِ توثیق سے ہی خارج قرار دے دیا ہے۔ چنانچہ وہ امام ابن عدیؒ (م۳۶۵ھ) کے قول: اَرْجُوْ اَنَّهٗ لَابَأْسَ بِهٖ کی بابت لکھتے ہیں:

---

[۱] توضیح الکلام(۱:۱۳۲)

[۲] ایضاً

[۳] اشکال: کفایت اللہ سنابلی، مولانا اثری کے مذکورہ بالا قول (اَرْجُوْ اَنَّهٗ لَابَأْسَ بِهٖ.... ایسے الفاظ ہیں کہ....) کے جواب میں لکھتے ہیں: عرض ہے کہ یہ بات صرف "لَابَأْسَ بِهٖ" سے متعلق نہیں کی گئی، بلکہ ایسے "لَابَأْسَ بِهٖ" سے متعلق کہی گئی ہے جس کے ساتھ آگے یُكْتَبُ حَدِيْثُهٗ، يُعْتَبَرُ بِهٖ، کے الفاظ بھی صادر کیے گئے ہیں، لہٰذا اس سیاق نے یہاں "لَابَأْسَ بِهٖ" کی وضاحت کر دی کہ یہاں یہ محض دیانت کے معنی میں ہیں، اور ضبط کی گواہی کو شامل نہیں ہے۔ انوار التوضیح (ص۱۲۰،۱۲۱)۔

لیکن سنابلی صاحب کا یہ جواب توجیہ بِمَا لَا یَرْضَی بِهِ الْقَائِل کے قبیل سے ہے، کیونکہ مولانا اثری کی مراد یہ نہیں کہ جب یہ تینوں الفاظ اکٹھے کسی راوی پر وارد ہوں تو پھر وہ راوی ناقابل احتجاج ہو گا، بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک لفظ کے حامل کی روایت کو ناقابل احتجاج سمجھا جائے گا۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ان کا یہ کلام جعفر بن میمونؒ سے متعلق ہے، اور ان کے بارے میں یہ تینوں مذکورہ الفاظ اکٹھے کسی ایک شخص نے نہیں کہے ہیں، بلکہ ان میں سے يُعْتَبَرُ بِهٖ امام دار قطنیؒ کے الفاظ ہیں، اور باقی دو الفاظ: اَرْجُوْ اَنَّهٗ لَابَأْسَ بِهٖ اور يُكْتَبُ حَدِيْثُهٗ امام ابن عدیؒ کے ہیں، اور يُكْتَبُ حَدِيْثُهٗ کو خود مولانا اثری نے صراحتاً الفاظِ تعدیل میں سے قرار دیا ہے۔ توضیح الکلام: (۱:۵۴۷)

نیز ابن عدیؒ نے اپنے ان مذکورہ الفاظ سے پہلے جعفر بن میمونؒ سے متعلق یہ بھی کہا ہے: لَمْ اَرَ اَحَادِیْثَهٗ مُنْكَرَةً کہ میں نے ان کی کوئی بھی حدیث منکر نہیں دیکھی۔ توضیح الکلام (۱:۱۳۲، بحوالہ تھذیب التھذیب: ۲:۱۰۹) (بقیہ اگلے صفحہ پر)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

"لَیْسَ ھٰذَا بِتَوْثِیْقٍ" "کہ یہ توثیق نہیں ہے"
اور پھر اس کی توضیح میں لکھتے ہیں:

"یَعْنِیْ بِالْبَأْسِ تَعَمُّدَ الْکَذِبِ [1]۔" "بأس" سے امام ابن عدیؒ کی مراد تعمد کذب

(بقیہ صفحہ گزشتہ) اب اس سیاق (لَمْ اَرَ اَحَادِیْثَہٗ مُنْکَرَۃً، وَ اَرْجُوْ اَنَّہٗ لَابَأْسَ بِہٖ وَ یُکْتَبُ حَدِیْثُہٗ) میں کس لفظ میں یہ تصریح ہے کہ جس کی بنیاد پر سنابلی صاحب یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ لَابَأْسَ بِہٖ یہاں محض دیانت کے معنی میں ہے، اور ضبط کو شامل نہیں؟
رہا حافظ ہیثمیؒ کا ابن جاریہؒ سے متعلق: وَثَّقَہٗ اَبُوْ زُرْعَۃَ (ابوزرعہؒ نے اس کی توثیق کی ہے) کہنا، تو عرض ہے کہ حافظ ہیثمیؒ باقرار غیر مقلدین اس طرح کے الفاظ کی تعبیر میں بسا اوقات غلطی کر جاتے ہیں۔ چنانچہ مولانا ارشاد الحق اثری ایک راوی سے متعلق ہیثمیؒ کے مذکورہ الفاظ کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اسی طرح جیسے انہوں (ہیثمیؒ) نے وَوَثَّقَہٗ اَبُوْ حَاتِمٍ کہا ہے کہ ابو حاتم نے اس کی توثیق کی ہے، حالانکہ امام ابو حاتمؒ نے بھی صرف صالح الحدیث کہا ہے۔ جیسا کہ الجرح والتعدیل اور تہذیب وغیرہ میں ہے، ورنہ کہنا پڑے گا کہ امام ابو حاتمؒ نے اسے ثقہ کہا ہے، حالانکہ یہ خلاف واقعہ ہے، اور علامہ ہیثمیؒ کی یہ تعبیر صحیح نہیں ہے۔ تنقیح الکلام (ص ۱۵۵)
نیز یہاں بحث یہ نہیں ہے کہ ابوزرعہؒ نے ابن جاریہ کی توثیق کی ہے، یا نہیں؟ بلکہ بحث یہ ہے کہ کیا ان کے مذکورہ الفاظ سے ابن جاریہ کا قابل حجت ہونا ثابت ہوتا ہے، یا یہ الفاظ اس کی روایت کو صرف متابعت میں پیش کرنے کے لیے کافی ہیں، مولانا اثری اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نہیں، ایسے راوی کی روایت صرف متابعت میں قابل قبول ہے۔
نیز حافظ ہیثمیؒ کے کلام میں آگے یہ بھی مذکور ہے: وَضَعَّفَہٗ ابْنُ مَعِیْنٍ وَاَبُوْدَاوٗدَ (امام ابن معینؒ اور امام ابوداودؒ نے اس کی تضعیف کی ہے) لیکن سنابلی صاحب ان کے اس فیصلے کو قبول نہیں کرتے، جیسا پہلے گزرا ہے۔ اس کو کہتے ہیں۔

ع میٹھا میٹھا ہپ کڑوا کڑوا تھو

اور پھر مولانا محب اللہ راشدی، مولانا بدیع الدین، شیخ البانی اور مولانا سہوانی جو چاروں اکابر علمائے غیر مقلدین میں سے ہیں، کے مذکورہ بالا بیانات کے بعد تو سنابلی صاحب کے لیے تاویل کے سب دروازے بند ہو چکے ہیں، اور شیخ معلمی وغیرہ کے بیانات (جو آگے ذکر ہو رہے ہیں) سے تو ان کے موقف کی جڑ ہی کٹ گئی ہے۔ "البتہ" "میں نہ مانوں" کا علاج ہمارے پاس نہیں ہے۔

[1] حاشیہ الفوائد المجموعۃ (ص ۴۵۹)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ہے۔یعنی یہ راوی قصداً جھوٹ نہیں بولتا۔

مولانا عبدالمنان نور پوریؒ (م ۱۴۳۲ھ) نے بھی تصریح کی ہے کہ "لیس بہ بأس" کے الفاظ راوی کے صرف صدق وسچائی کے لحاظ سے بولے جاتے ہیں۔[۱]

اور خود علی زئی کے نزدیک بھی یہ لفظ الفاظِ توثیق میں سے نہیں ہے۔ چنانچہ امام یحییٰ بن معینؒ (م ۲۳۳ھ) نے ایک راوی ابراہیم بن ہارون صُنعانیؒ کے متعلق "لَيْسَ بِهٖ بَأْسٌ" جوکہ بقول علی زئی: "لَابَأْسَ بِهٖ" کے ہم درجہ ہے۔[۲] اور "يُكْتَبُ حَدِيْثُهٗ" فرمایا ہے، لیکن اس کے باوجود علی زئی اس راوی کو ضعیف قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> حافظ ابن عدی فرماتے ہیں: اور یحییٰ بن معین کے قول "يُكْتَبُ حَدِيْثُهٗ" کا مطلب یہ ہے کہ یہ راوی ان ضعیف راویوں میں شامل ہے جن کی حدیث لکھی جاتی ہے۔(الکامل: ۱: ۳۹۴، ترجمہ ابراہیم بن ہارون الصنعانی) یعنی ضعیف تو ہے اور متروک نہیں ہے، یاد رہے کہ اگر "يُكْتَبُ حَدِيْثُهٗ" سے پہلے یا بعد توثیق لکھی ہوئی ہوتو وہ مستثنیٰ ہے۔یعنی وہاں توثیق سمجھی جائے گی۔[۳]

زبیر علی زئی کے اس اقتباس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک "لَيْسَ بِهٖ بَأْسٌ" کلماتِ توثیق میں سے نہیں ہے، کیونکہ انہوں نے یہاں یہ اقرار کیا ہے کہ اگر "يُكْتَبُ حَدِيْثُهٗ" سے پہلے یا بعد میں توثیق لکھی ہوئی ہوتو وہاں "يُكْتَبُ حَدِيْثُهٗ" سے توثیق سمجھی جائے گی ورنہ نہیں۔لیکن وہ مذکورہ راوی کے بارے میں امام یحییٰ بن معینؒ کے قول "لَيْسَ بِهٖ بَأْسٌ" کے باوجود اس کو ضعیف کہہ رہے ہیں، جس کا صاف مطلب یہی ہے کہ علی زئی صاحب کے نزدیک یہ کلمہ "لَيْسَ بِهٖ بَأْسٌ" الفاظِ توثیق میں سے نہیں ہے۔لہٰذا خود علی زئی

---

[۱] مکالماتِ نور پوری (ص ۶۵۲)

[۲] ماہنامہ الحدیث (۴۷: ۱۷)

[۳] ایضاً (۱۹: ۵۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

سے بھی "لَا بَأْسَ بِہٖ" (جو کہ بتصریح علی زئی: لَیْسَ بِہٖ بَأْسٌ کے مترادف ہے) کا الفاظِ توثیق میں سے نہ ہونا ثابت ہوگیا ہے۔ الحمد للہ

(۲) امام ابن حبانؒ کا کسی راوی کو ثقات میں ذکر کرنا غیر مقلدین کے نزدیک غیر معتبر ہے۔

امام ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ) نے اگرچہ عیسیٰ بن جاریہ کو ثقات میں ذکر کیا ہے، لیکن امام ابن حبانؒ کا کسی راوی کو ثقات میں ذکر کرنا خود علمائے غیر مقلدین کے نزدیک غیر معتبر ہے، اور وہ اس سلسلہ میں ان کے ہاں متساہل شمار ہوتے ہیں، چنانچہ مولانا محمد گوندلوی صاحب (م ۱۴۰۵ھ) ایک راوی کو ابن حبانؒ کے ثقات میں شمار کرنے پر لکھتے ہیں:

ابن حبان نے اس کو ثقات میں شمار کیا ہے، مگر ابن حبان کا تساہل مشہور ہے۔[۱]

نیز لکھتے ہیں

ابن حبان کا تساہل اور تشدد دونوں معروف ہیں۔[۲]

مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری صاحب (م ۱۳۵۳ھ) لکھتے ہیں:

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ابن حبان متساہل ہیں۔[۳]

مولانا محب اللہ راشدیؒ (م ۱۴۱۵ء) لکھتے ہیں:

امام ابن حبان اگرچہ بلند پایہ محدث و امام ہیں، لیکن موصوف جرح وتعدیل کے معاملے میں انتہائی متساہل درجے کے آدمی ہیں۔[۴]

---

[۱] خیر الکلام (ص ۲۵۲)

[۲] الاصلاح (ص ۴۰۲)

[۳] تحقیق الکلام (۱:۷۷)

[۴] مقالاتِ راشدیہ (۱:۳۴۹)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

نیز لکھتے ہیں:

ابن حبان کا تساہل مشہور اور معروف ہے، یعنی تعدیل خواہ جرح میں نہایت تساہل سے کام لیتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ کئی دفعہ ایسے راوی جو کہ متروک اور متہم بالکذب ہوتے ہیں، ان کی توثیق کر جاتے ہیں۔ [۱]

مولانا بدیع الدین راشدی (م ۱۴۱۶ھ) امام ابن حبانؒ وغیرہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

ان کا اس باب (توثیق) میں تساہل مشہور ہے، کیونکہ کئی ضعیف راویوں کو ثقہ کہہ دیتے ہیں۔ [۲]

مولانا عبدالرؤف سندھو ایک راوی کے بارے میں لکھتے ہیں:

واضح رہے کہ ابن حبان کا اس کو ثقات میں ذکر کرنا معتبر نہیں، کیونکہ وہ مجاہیل کو ثقات میں شمار کرتے ہیں۔ [۳]

مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں: ابن حبان متساہل ہیں۔ [۴]

شیخ ناصر الدین البانی (م ۱۴۲۰ھ) امام ابن حبانؒ اور ان کے شیخ امام ابن خزیمہؒ (م ۳۱۱ھ) کے متعلق لکھتے ہیں:

"وَهُمَا مُتَسَاهِلَانِ فِي التَّوْثِيقِ۔"[۵]

"یہ دونوں راویوں کو ثقہ قرار دینے میں تساہل (سستی) برتتے ہیں۔"

---

[۱] ایضاً (۳۹:۹) نیز دیکھئے فتاوی راشدیہ (ص ۵۴۵)

[۲] مقالاتِ راشدیہ (۲۵۳:۵)

[۳] القول المقبول (ص ۳۲۵)

[۴] توضیح الکلام (۲۶۹:۲)

[۵] سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ (۴۶۶:۳) طبع مکتبۃ المعارف الریاض

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

نیز البانیؒ لکھتے ہیں:

''وَقَدْ ذَكَرْنَا مِرَارًا اَنَّ ابْنَ حِبَّانَ مُتَسَاهِلٌ فِي التَّوْثِيْقِ فَلَا يُعْتَمَدُ عَلَيْهِ، لَاسِيَّمَا إِذَا عَارَضَهُ غَيْرُهُ مِنَ الْأَئِمَّةِ ۔''[۱]

''ہم متعدد بار یہ ذکر کر چکے ہیں کہ امام ابن حبانؒ توثیق میں متساہل ہیں، لہٰذا اُن پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، بالخصوص جب ان کی توثیق دیگر ائمہ (کی جرح) سے معارض ہو۔ (جیسا کہ یہاں ابن جاریہؒ سے متعلق ان کی توثیق کم از کم بارہ ائمہ کی جرح سے متصادم ہے)

مولانا رفیق سلفی لکھتے ہیں:

ابن حبان کی توثیق کو ائمۂ رجال کچھ وقعت نہیں دیتے۔[۲]

غیر مقلدین کے محدث اعظم مولانا عبداللہ روپڑیؒ (م ۱۳۸۴ھ) لکھتے ہیں:

ابن حبان کا تساہل مشہور ہے۔ ذرا سے سہارے پر ثقوں میں شمار کر لیتے ہیں۔[۳]

مولانا محمد بشیر سہسوانی (م ۱۳۲۶ھ) لکھتے ہیں:

تساہل ابن حبان کا توثیق میں معروف ہے۔[۴]

اور خود علی زئی نے ابن حبانؒ کے ایک راوی کو کتاب الثقات میں ذکر کرنے پر ردعمل دیتے ہوئے لکھا ہے:

جمہور کے نزدیک اس مجروح راوی کو کتاب الثقات میں ذکر کرنا غلط ہے۔[۵]

---

[۱] إرواء الغليل (۲:۲۴۲) طبع المكتب الاسلامی بیروت

[۲] ہفت روزہ الاعتصام (ص ۹،۱۸ ستمبر ۱۹۹۴ء)

[۳] فتاویٰ اہل حدیث (۲:۵۰۸)

[۴] البرہان العجاب (ص ۲۹۱)

[۵] ماہنامہ الحدیث (۴۷:۷۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

لہٰذا جب خود علی زئی اور دیگر علمائے غیر مقلدین کے نزدیک بھی امام ابن حبانؒ کا کسی راوی کو ثقات میں شمار کرنا غیر معتبر ہے۔ تو پھر اگر ابن حبانؒ نے عیسیٰ بن جاریہ کو بھی تساہل برتتے ہوئے ثقات میں شمار کر دیا ہے تو اس سے ابن جاریہ کا ثقہ ہونا کیسے لازم آئے گا؟[۱]

بالخصوص جب کہ امام ابن حبانؒ کی یہ توثیق، ابن جاریہؒ پر کی گئی جرح ''منکر الحدیث'' سے بھی متصادم ہے، اور خود علی زئی ایسی صورت میں ابن حبانؒ کی توثیق کو کچھ وقعت نہیں دیتے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

بشر العجلی کے بارے میں حافظ ابو حاتم الرازی نے کہا، هُوَ مُنْكَرُ الْحَدِيثِ۔ (الجرح والتعدیل: ۲:۳۵۸) اس شدید جرح کے مقابلے میں حافظ ابن حبان کا اس راوی کو'' کتاب الثقات'' (۸:۱۴۳) میں ذکر کرنا مردود ہے۔[۲]

بنابریں عیسیٰ بن جاریہ کے بارے میں بھی امام ابو داؤدؒ وغیرہ نے منکر الحدیث کہا ہے، جس کے مقابلے میں ابن حبانؒ کی توثیق مردود ہے۔

---

[۱] کفایت اللہ سنابلی لکھتے ہیں: یہاں ابن حبان کے تساہل کی بات کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ ابن حبانؒ اس توثیق میں منفرد نہیں، بلکہ دیگر ائمہ سے بھی ان کی معتبر توثیق ثابت ہے۔ انوار التوضیح (ص ۱۲۲)

جواب: جن علمائے غیر مقلدین کے حوالجات ہم نے ابن حبانؒ کے تساہل سے متعلق ذکر کیے ہیں، وہاں بھی وہ اپنی توثیق میں منفرد نہیں ہیں! پھر ان علمائے غیر مقلدین نے کیوں ان کو متساہل کہہ کر ان کی توثیق کو رد کیا ہے؟ فَمَا هُوَ جَوَابُكُمْ فَهُوَ جَوَابُنَا۔

ثانیاً: کسی ایک امام سے بھی ابن جاریہ کی معتبر توثیق (جس سے اس کا قابل احتجاج ہونا لازم آئے) ثابت نہیں ہے، چنانچہ اس کے موثقین میں سے بعض کے اقوال کی وضاحت ہو چکی ہے، اور دیگر بعض کے اقوال کی وضاحت آگے آ رہی ہے۔

[۲] ماہنامہ الحدیث (۲۱:۱۵)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اور پھر علمائے غیر مقلدین کے نزدیک جیسے امام ابن حبانؒ کا کسی راوی کو "کتاب الثقات" میں ذکر کرنا اس راوی کے ثقہ ہونے کو متلزم نہیں ہے، ایسے ہی ان کا کسی حدیث کو اپنی "صحیح" میں روایت کرنا بھی اس حدیث کے صحیح ہونے پر دال نہیں۔

چنانچہ مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری (م ۱۴۱۴ھ) ایک حدیث جس کو امام ابن حبانؒ نے اپنی "صحیح" میں ذکر کیا ہے، کے متعلق لکھتے ہیں: تیسری وجہ جناب مجیب نے یہ لکھی ہے کہ ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ (بلوغ المرام)

بلوغ المرام ص ۱۵۵ میں حافظ کا اصل لفظ یہ ہے:

وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ۔ اس کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ: اور ابن حبان نے اس حدیث کو اپنی صحیح "کتاب التقاسیم والانواع" میں روایت کیا ہے۔

اس مطلب کی بناء پر یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ابن حبان نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے، اور اگر بالفرض وہی ترجمہ اور مطلب متعین ہو جو مجیب نے لکھا ہے، تو سند کی حقیقت حال منکشف ہو جانے کے بعد ہمارے لیے ان کی تصحیح پر اعتماد کرنا مشکل ہے، بلکہ درست ہی نہیں۔[۱]

مولانا محب اللہ راشدی (م ۱۴۱۵ھ) "صحیح ابن حبان" کی ایک حدیث پر نقد کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

ابن حبان اس روایت کو اپنی صحیح میں لائے ہیں، ناظرین کرام غور فرمائیں کہ جس صورت میں یہ روایت ضعیف ہے، اور (اس میں) ضعف کی علتیں نمایاں ہیں، تو اس صورت میں ابن حبان کا اس روایت کو اپنی صحیح میں لانا اس کا صحیح ہونا اہل علم کے نزدیک ہرگز حجت نہیں ہوسکتا۔ صحیح ابن حبان کی کئی روایات پر ائمہ حدیث نے کلام کیا ہے، اور ان کو معلول یا ضعیف قرار دیا ہے، پھر یہ کون سی بڑی بات ہے کہ یہ حدیث

---

[۱] فتاوی عبید اللہ مبارکپوری (۱:۴۴۸)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ضعیف بھی ان میں سے ہے، کیا مجیب حضرات یہ کہنے کے لیے تیار ہوں گے کہ "صحیح ابن حبان" میں جو بھی احادیث ہیں وہ سب صحیح ہیں" اگر نہیں تو اس حدیث کا اس میں ہونے پر کوئی بھی خواہ مخواہ اس کی صحت کا سرٹیفکیٹ نہیں دیتا۔ اہل علم حضرات جانتے ہیں کہ چھ مشہور کتب حدیث جنہیں صحاح یعنی صحیح کہا جاتا ہے، یہ سب کو علم ہے کہ بخاری اور مسلم کے علاوہ دوسری (کتب) میں ضعاف کے علاوہ منکر احادیث بھی موجود ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ صحاح کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کتب میں سب احادیث صحیح ہیں، اسی طرح "صحیح ابن حبان" کو بھی تصور کیا جائے، اس میں بھی کچھ صحیح احادیث ہیں تو کچھ ضعیف۔[1]

نواب صدیق حسن خانؒ (م ۱۳۰۷ھ) "صحیح ابن حبان" کی ایک حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

امام ابن حبانؒ اور بیہقیؒ نے بھی ضعیف سند کے ساتھ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس طرح کی حدیث بیان کی ہے۔[2]

مولانا محمد گوندلویؒ (م ۱۴۰۵ھ) لکھتے ہیں:

امام حاکمؒ اور امام ابن حبانؒ سے سرزد صحت کے فیصلہ جات تحقیق کے بغیر قبول نہیں کیے جاسکتے، کیونکہ انھوں نے کئی ایک غیر صحیح احادیث کو بھی صحیح کہہ دیا ہے۔[3]

شیخ البانی (م ۱۴۲۰ھ) اور مولانا عبدالمنان نور پوری (م ۱۴۳۳ھ) نے بھی ابن حبانؒ کو تصحیح حدیث میں متساہل قرار دیا ہے۔[4]

---

[1] مقالاتِ راشدیہ (۹:۵۳)

[2] فتاویٰ نواب صدیق حسن خان (۳:۵۱۳)

[3] مقالاتِ مولانا گوندلوی (۱:۵۲۰۔۵۲۱)

[4] ارواء الغلیل (۶:۳۲۴)، تعدادِ تراویح (ص ۳۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

(۲) تصحیح ابن خزیمہؒ کی حقیقت

امام ابن خزیمہؒ (م ۳۱۱ھ) نے اگرچہ عیسیٰ بن جاریہؒ کی مذکورہ حدیث کو اپنی ''صحیح'' میں ذکر کیا ہے، لیکن باقرار علمائے غیر مقلدین ان کا بھی اپنے شاگرد امام ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ) کی طرح کسی حدیث کو اپنی صحیح میں روایت کرنا اس حدیث کے صحیح ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ امام ابن حبانؒ کے متعلق تو علمائے غیر مقلدین کی آراء آپ ملاحظہ کر چکے ہیں، اب امام ابن خزیمہؒ سے متعلق علمائے غیر مقلدین کی آراء ملاحظہ ہو، چنانچہ مولانا بشیر سہسوانی (م ۱۳۲۶ھ) صحیح ابن خزیمہ کی ایک حدیث کی تضعیف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جہاں تک بات ہے ابن خزیمہ کی، تو ابن خزیمہ کا کسی حدیث کو اپنی کتاب (صحیح) میں روایت کرنا اس کے مطلقاً صحیح ہونے کا تقاضا نہیں کرتا۔[۱]

مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں:

جس طرح سنن نسائی کو اور جامع الترمذی کو بعض نے صحیح کہا ہے، مگر ان کی تمام روایات صحیح نہیں، یا جیسے ''صحیح ابن خزیمہ'' اور ''صحیح ابن حبان'' ہیں، مگر ان کی بھی تمام روایات صحیح نہیں۔[۲]

اس سے معلوم ہوا کہ امام ابن خزیمہؒ اور امام ابن حبانؒ کا محض کسی حدیث کو اپنی اپنی صحیح میں لانے سے اس حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا۔ رہا یہ اشکال کہ ان دونوں کتب کے مصنفین نے اپنی کتب پر صحیح کا اطلاق کیا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ محدثین نے ان کے اس دعویٰ کو کلی طور پر تسلیم نہیں کیا۔ چنانچہ اثری صاحب کے استاذ اور بزرگ غیر مقلد عالم مولانا محمد گوندلویؒ (م ۱۴۰۵ھ) طبقاتِ کتب حدیث کے تعارف میں ''طبقہ ثالثہ'' سے متعلق

---

[۱] اظہار حق ترجمہ صیانۃ الانسان (ص ۱۴۸)

[۲] توضیح الکلام (۲: ۲۶۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

لکھتے ہیں:

اسی طبقہ میں بعض ایسی کتابیں بھی ہیں، جن کے مصنفین نے صحت کا التزام کیا ہے. مگر محدثین نے ان کے حکم کو تسلیم نہیں کیا، بلکہ ان کی احادیث کو محققین محدثین کے حوالے کیا، جنہوں نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ ایسی کتاب میں کوئی حدیث ہو، اور کسی محقق نے ان پر کلام نہیں کی، تو صاحب کتاب کا فیصلہ معتبر ہے (ورنہ نہیں۔ناقل)

اور پھر مولانا موصوف نے اس کے ذیل میں ''صحیح ابن خزیمہ'' اور ''صحیح ابن حبان'' کو بھی ذکر کیا ہے۔ [۱]

اور چونکہ ابن جاریہ ؒ کی مذکورہ حدیث پر امام ابن عدیؒ (م ۳۶۵ھ) جن کو علی زئی وغیرہ علمائے غیر مقلدین بھی معتدل مانتے ہیں، اور دیگر محدثین نے نقد کیا ہے، اور اس کو ''غیر محفوظ'' قرار دیا ہے، جیسا کہ پہلے بحوالہ گزرا ہے، لہٰذا اس حدیث کو محض ''صحیح ابن خزیمہ'' یا ''صحیح ابن حبان'' میں ہونے کی وجہ سے صحیح قرار دینا، اور اس سے ابن جاریہ کی توثیق ثابت کرنا غلط ہے۔

اور جو لوگ ''صحیح ابن خزیمہ'' میں کسی حدیث کا ہونا ہی اس حدیث کی تصحیح سمجھتے ہیں، وہ بھی ان کی اس تصحیح پر کلی طور پر اعتماد نہیں کرتے، حتیٰ کہ خود زبیر علی زئی ''صحیح ابن خزیمہ'' کی تمام احادیث کو صحیح نہیں سمجھتے، اور وہ بانگ دہل یہ اعلان کرتے ہیں کہ:

''صحیح ابن خزیمہ'' کی بعض روایات ہماری تحقیق میں ضعیف ہیں۔ [۲]

نیز انہوں نے اس کتاب کی متعدد احادیث کو صراحتاً ضعیف قرار دیا ہے۔ [۳]

---

[۱] دوامِ حدیث (ص ۴۹۱)

[۲] ماہنامہ الحدیث (ج ۶۷ ص ۷)

[۳] مثلاً دیکھئے ماہنامہ الحدیث (۵۳: ۱۴، ۶۷: ۶۹، ۶۸: ۱۰، ۸۰: ۴، نصر الباری (ص ۲۳۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری (م ۱۳۵۳ھ) "صحیح ابن خزیمہ" کی ایک حدیث پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وَفِيْ تَصْحِيْحِ ابْنِ خُزَيْمَةَ نَظَرٌ "[۱]

"امام ابن خزیمہؒ کی تصحیح محلِ نظر ہے۔"

نیز مولانا "مبارکپوری" نے "صحیح ابن خزیمہ" کی ایک اور حدیث پر نقد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ اس قدر ضعیف ہے کہ دوسری حدیث کے لیے شاہد بننے کے بھی قابل نہیں۔[۲]

غیر مقلد محقق مولانا عبدالروف سندھو ایک حدیث کی تخریج میں لکھتے ہیں:

ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا ہے: ملاحظہ ہوں صحیح ابن خزیمہ (۲:۲۷) مگر یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔[۳]

نیز مولانا سندھو ایک اور حدیث کی تخریج میں لکھتے ہیں:

اس کو ابن خزیمہ اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے، مگر اس کی سند میں ایک راوی ابو مروان اسلمی ہے جس کے بارے میں نسائی نے کہا ہے کہ یہ معروف نہیں ہے۔[۴]

اس تفصیل سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہوگئی کہ محض کسی روایت کا "صحیح ابن خزیمہ" یا "صحیح ابن حبان" میں ہونا اس روایت کے صحیح اور اس کے راویوں کے ثقہ ہونے کو متلزم نہیں ہے۔

ثانیاً: اگر تسلیم بھی کرلیا جائے کہ ابن خزیمہؒ اور ابن حبانؒ کا اپنی اپنی صحیح میں محض کسی حدیث کو ذکر کرنا ہی اس حدیث کے صحیح ہونے کی دلیل ہے، تو پھر بھی اس سے ابن جاریہؒ کا ثقہ

---

[۱] ابکار المنن (ص ۱۰۰)

[۲] ایضاً (ص ۲۳۲)

[۳] القول المقبول (ص ۳۶۶)

[۴] ایضاً (ص ۳۵۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اور اس کی مذکورہ حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا۔ کیونکہ باقرار علمائے غیر مقلدین یہ دونوں استاذ و شاگرد تصحیح حدیث میں متساہل ہیں۔ جیسا کہ امام ابن حبانؒ کی توثیق کے جواب میں بحوالہ شیخ ناصر الدین البانیؒ (م ۱۴۲۰ھ) گزرا ہے۔

مولانا عبد المنان نور پوری صاحب (م ۱۴۳۳ھ) جن کو زبیر علی زئی اپنا استاذ تسلیم کرتے ہیں۔ [۱]) کا بھی اگرچہ یہی نظریہ ہے کہ ابن خزیمہؒ اور ابن حبانؒ کا اپنی اپنی صحیح میں محض کسی حدیث کو ذکر کرنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ ان دونوں کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے، لیکن اس کے باوجود نور پوری صاحب کو اس حدیث کی صحت میں توقف ہے۔

چنانچہ مولانا موصوف اس مذکورہ حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

حضرت جابرؓ کی حدیث کو حافظ ابن حبان اور حافظ ابن خزیمہ نے اپنی اپنی صحیح میں بیان کیا ہے جو اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ یہ حدیث ان دونوں جلیل القدر وسیع العلم کے نزدیک صحیح ہے، مگر تصحیح میں ان کا تساہل مشہور ہے، اور اس کی سند میں عیسیٰ بن جاریہ ہے، جس پر کلام کتب رجال میں مذکور ہے۔ [۲]

اب زبیر صاحب کو اپنے استاذ محترم کا یہ فیصلہ کھلے دل سے تسلیم کر لینا چاہیے ؎

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

(۴) علامہ ہیثمی کی تصحیح و تحسین بھی غیر مقلدین کے ہاں معتبر نہیں

زبیر صاحب نے علامہ ہیثمیؒ (م ۸۰۷ھ) کی مجمع الزوائد کی جلد نمبر ۲ سے روایت عیسیٰ بن جاریہ کی تحسین اور خود اس کی توثیق نقل کی ہے، لیکن علامہ موصوف نے اپنی اس

---

[۱] ماہنامہ الحدیث (۲۳: ۱۰)

[۲] تعداد تراویح (ص ۳۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کتاب میں آگے جا کر جلد نمبر ۴ میں اس کے برعکس لکھا ہے، چنانچہ ایک حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"وَفِيْ اِسْنَادِ الْجَمِيْعِ يَعْقُوْبُ الْقُمِّيُّ وَعِيْسَى بْنُ جَارِيَةَ، وَفِيْهِمَا كَلَامٌ، وَقَدْ وُثِّقَا۔"[۱]

"اس حدیث کے تمام طُرق کی سند میں یعقوب قمی اور عیسیٰ بن جاریہ ہیں، اور ان دونوں میں کلام ہے، اگرچہ ان کی توثیق بھی کی گئی ہے۔

علی زئی نے "فیہ کلام" کا مطلب بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

اس میں جرح ہے۔[۲]

نیز ان کے شیخ بدیع الدین راشدی (م ۱۴۱۶ھ) کا حوالہ پہلے گزر چکا ہے کہ متکلم فیہ راوی کی روایت ناقابل حجت ہوتی ہے۔

نیز علامہ ہیثمیؒ نے آگے ان دونوں کے متعلق جو لکھا ہے کہ: وَقَدْ وُثِّقَا، تو یہ بھی باصول زبیر علی زئی اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک ان دونوں کی توثیق مردود ہے۔ چنانچہ ایک راوی سے متعلق علامہ ہیثمیؒ کے بعینہٖ اسی طرح کے کلام وَقَدْ وُثِّقَ کے بارے میں زبیر صاحب لکھتے ہیں:

یعنی یہ توثیق مردود ہے، اس لیے حافظ ہیثمی نے اس کے لیے صیغہ تمریض استعمال کیا ہے۔[۳]

اب علی زئی اور ان کے شیخ کے ان اقتباسات کی روشنی میں علامہ ہیثمیؒ کے مذکورہ بیان

---

[۱] مجمع الزوائد (۴:۸۹)

[۲] ماہنامہ الحدیث (۷۴:۴۵،۴۷)

[۳] نور العینین (ص ۱۳۹ طبع سوم)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کا مطلب ہوگا کہ ابن جاریہ اور قُمی دونوں کی روایت نا قابل احتجاج (غیر حسن) اور ان کی توثیق مردود ہے۔ گویا انہوں نے پہلے ان دونوں کی روایت کی جو تحسین کی تھی، اور ان دونوں کو جو ثقہ کہا تھا، ان دونوں باتوں سے انہوں نے رجوع کر لیا ہے۔

ثانیاً: علامہ ہیثمیؒ کی تصحیح اور تحسین غیر مقلدین کی نظروں میں غیر معتبر اور نا قابل اعتماد ہے۔

چنانچہ مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری صاحب (م ۱۳۵۳ھ) لکھتے ہیں:

"وَلَا يَطْمَئِنُّ الْقَلْبُ بِتَحْسِيْنِ الْهَيْثَمِيِّ لَهُ أَوْهَامٌ فِي مَجْمَعِ الزَّوَائِدِ۔"[۱]

"ہیثمیؒ کی تحسین سے دل مطمئن نہیں ہے، کیونکہ ان کو "مجمع الزوائد" میں بہت وہم ہوئے ہیں۔"

نیز مبارکپوری صاحب، علامہ ہیثمیؒ کے ایک حدیث کو صحیح کہنے پر گرفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وَلَا يَطْمَئِنُّ الْقَلْبُ عَلٰى تَصْحِيْحِ الْهَيْثَمِيِّ۔"[۲]

علامہ ہیثمیؒ کی تصحیح پر دل مطمئن نہیں ہے۔

مولانا محمد گوندلوی (م ۱۴۰۵ھ) جن کے بارے میں زبیر صاحب لکھتے ہیں: شیخ الاسلام، حجۃ الاسلام، شیخ القرآن و الحدیث، الامام الثقۃ المتقن الحجۃ، المحدث الفقیہ، الاصولی محمد گوندلوی رحمہ اللہ۔[۳]

زبیر صاحب کے یہ انتہائی ممدوح غیر مقلد عالم علامہ ہیثمیؒ کی تصحیح پر اپنا ردِ عمل یوں ظاہر کرتے ہیں:

---

[۱] ابکار المنن (ص۷۶، ۸۳)

[۲] ایضاً (۱۹۹)

[۳] الکواکب الدریہ (ص۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ہیثمی کی تصحیح میں نظر ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ''فَاِنَّ لَهٗ اَوْهَامًا '' (کہ ان کے بہت سے وہم ہیں) کذافی تاج المکلل (تصنیف: نواب صدیق حسن خان غیر مقلد)[۱]

زبیر صاحب کے دوسرے ممدوح مولانا ارشاد الحق اثری رقمطراز ہیں:

اور جہاں تک کسی حدیث کے متعلق علامہ ہیثمیؒ کے حکم کا تعلق ہے تو یقین جانئیے مجمع الزوائد میں بیسوں ایسے مقامات ہیں جہاں ائمہ فن نے علامہ ہیثمیؒ کے حکم سے اتفاق نہیں کیا۔[۲]

شیخ عبدالروف سندھو لکھتے ہیں:

دوسری بات علامہ ہیثمی پر کلیۃً اعتماد کرنا بھی صحیح نہیں کیونکہ ان کے بہت سے اوہام ہیں۔ کما لا یخفی۔[۳]

نیز سندھو صاحب ایک حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

حافظ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں اس کی سند کو حسن کہا ہے، مگر ان کا یہ کہنا درست نہیں۔ اس کی سند میں عاصم بن عبیداللہ ہے جو ضعیف ہے۔[۴]

خود زبیر علی زئی کے نزدیک بھی امام ہیثمیؒ کی تصحیح و تحسین نا قابلِ اعتماد ہے، چنانچہ موصوف ایک حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

اس روایت کے بارے میں نیموی صاحب نے حافظ ہیثمی سے نقل کیا ہے:

اِسْنَادُهٗ حَسَنٌ (آثار السنن: ۱۲۵) حالانکہ اس کی سند میں ابراہیم بن محمد البصری

---

[۱] التحقیق الراسخ (ص ۵۸)

[۲] توضیح الکلام (۲:۴۰۹)

[۳] القول المقبول (ص ۳۳۵)

[۴] ایضاً (۴۷۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

نامعلوم ومجہول ہے۔[۱]

اب یہاں امام ہیثمیؒ کے اس روایت کو حسن قرار دینے کے باوجود زبیر علی زئی اس کے ایک راوی کو مجہول ونامعلوم کہہ رہے ہیں، حالانکہ انہوں نے خود متعدد جگہ یہ تصریح کی ہے کہ:

محدثین کا حدیث کو حسن یا صحیح قرار دینا، ان کی طرف سے ہر ہر راوی کی توثیق ہوتی ہے۔[۲]

اس سے معلوم ہوا کہ زبیر علی زئی کے نزدیک حافظ ہیثمیؒ محدثین میں سے ہی نہیں ہیں، اور ان کی تصحیح وتحسین کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

اسی طرح زبیر علی زئی نے دیگر متعدد مقامات پر بھی حافظ ہیثمیؒ کی تصحیح وتحسین کا مذاق اڑایا ہے۔[۳]

پس جب علمائے غیر مقلدین اور خود علی زئی کے نزدیک بھی علامہ ہیثمیؒ کی کسی حدیث کی تحسین یا تصحیح سے اس حدیث کا صحیح یا حسن ہونا لازم نہیں آتا، تو پھر اگر انہوں نے عیسیٰ بن جاریہ جیسے ضعیف راوی کی روایت کو بھی حسن کہہ دیا ہے تو انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ غیر مقلدین کو اپنے مسلّمات کی روشنی میں ان کے اس حکم پر بھی اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔

غیر مقلدین کے نزدیک جیسے حافظ ہیثمیؒ کی تصحیح وتحسین محل نظر ہیں، ایسے ہی ان کا کسی راوی کو ثقہ کہنا بھی غیر معتبر ہے۔ مثلاً حافظ ہیثمیؒ نے "مجمع الزوائد (۱۶۹،۱۰) میں ایک حدیث کے راویوں کو ثقہ کہا ہے، اس پر علی زئی ان کی توثیق کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حافظ ہیثمیؒ نے اس کے راویوں کو ثقہ کہا ہے۔ مگر ہمیں اس کی سند نہیں ملی تا کہ حافظ

---

[۱] الحدیث (۲۸:۵۱)

[۲] مثلاً دیکھئے نصر الباری (ص ۱۸)

[۳] مثلاً دیکھئے حاشیہ جزء رفع الیدین (ص ۹۶)، ماہنامہ الحدیث (۴:۱۳)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

صاحب کے بیان کی تحقیق کی جا سکے۔[۱]

گویا علی زئی کے نزدیک حافظ ہیثمیؒ کی توثیق کچھ وقعت نہیں رکھتی، بلکہ وہ علی زئی جیسے لوگوں کی تحقیق کی محتاج ہے۔[۲]

---

[۱] حدیۃ المسلمین (ص ۴۶)

[۲] کفایت اللہ سنابلی صاحب لکھتے ہیں: حافظ ظہور احمد صاحب نے اس مناسب سے بعض اہل حدیث واہل علم کے ایسے حوالے دیے ہیں، جہاں انہوں نے امام ہیثمیؒ سے اختلاف کیا ہے۔ عرض ہے کہ اہل علم نے بے شک قوی تر دلائل کی روشنی میں بعض مقامات پر علامہ ہیثمی رحمہ اللہ سے اختلاف کیا ہے لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ امام ہیثمی رحمہ اللہ سے ہر مسئلے میں اختلاف کیا جائے گا، اور ان کی کسی بھی بات پر اعتماد نہیں کیا جائے گا۔

اگر اہل حدیث نے چند مقامات پر ان سے اختلاف کیا ہے، تو بے شمار مقامات ہیں جہاں ان پر اعتماد بھی کیا ہے۔ انوار التوضیح (ص ۱۲۳۔۱۲۴)

لیکن سنابلی صاحب نے یہاں بھی حسب عادت ڈنڈی ماری ہے، ہم نے امام ہیثمیؒ سے متعلق علمائے غیر مقلدین کے جو حوالجات پیش کیے ہیں، ان میں وہ امام موصوف سے قوی تر دلائل کی روشنی میں اختلاف نہیں کر رہے، بلکہ وہ ان کو ناقابل اعتماد اور صاحب اوہام کثیرہ کہہ کر ان کی تحقیقات کا مذاق اُڑا رہے ہیں، حتیٰ کہ وہ رُوات جن کی کسی محدث نے تضعیف نہیں کی، ان سے متعلق بھی امام موصوف کی توثیق کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ہاں یہ بات سنابلی صاحب کی صحیح ہے کہ ان کے علماء بے شک کئی مقامات پر امام ہیثمیؒ پر (اندھا دھند) اعتماد بھی کرتے ہیں لیکن یہ تب جب ان کا اُن سے مفاد وابستہ ہو۔

ع میٹھا میٹھا ہپ کڑوا کڑوا تھو

یہی حال ان کا امام بوصیری، امام منذریؒ وغیرہ کے ساتھ بھی ہے کہ ان کی جو بات اپنے مفاد میں ہو اس کو قبول کر لیتے ہیں، اور جس بات سے مفاد وابستہ نہ ہو وہاں ان کو ناقابل اعتماد کہہ کر ان کی بات کو ٹھکرا دیتے ہیں۔

ع شب موم کر لیا سحر آہن بنا لیا

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اسی طرح حافظ ہیثمیؒ نے ایک اور حدیث کے راویوں کو ثقہ کہا تو علی زئی اس پر ان کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ روایت موضوع ہے جسے غلطی سے حافظ ہیثمیؒ نے ''رِجَالُہٗ ثِقَاتٌ'' لکھ دیا ہے۔[۱]

اب اگر بقول علی زئی: حافظ ہیثمیؒ ایسے گئے گزرے ہیں کہ وہ ایک موضوع حدیث کے راویوں کو بھی ثقہ کہہ دیتے ہیں، تو پھر انہوں نے اگر ابن جاریہ کو بھی ثقہ کہہ دیا ہے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟

علاوہ ازیں شیخ البانیؒ (م ۱۴۲۰ھ) اور مولانا ارشاد الحق اثری نے تصریح کی ہے کہ:

حافظ ہیثمیؒ ''مجمع الزوائد'' میں زیادہ تر امام ابن حبانؒ پر اعتماد کرتے ہیں۔[۲]

اور چونکہ امام ابن حبانؒ نے ابن جاریہ کو ''کتاب الثقات'' میں، اور اس کی مذکورہ حدیث کو اپنی ''صحیح'' میں ذکر کیا ہے، اس لیے قرین قیاس یہی ہے کہ حافظ ہیثمیؒ نے ان پر اعتماد کرتے ہوئے ابن جاریہ کو ثقہ، اور اس کی حدیث کو حسن کہہ دیا ہے، اور ما قبل ابن حبانؒ کا متساہل، اور توثیق و تصحیح میں ناقابل اعتماد ہونا بحوالہ علمائے غیر مقلدین ذکر ہو چکا ہے، لہٰذا جب ہیثمیؒ کے اس فیصلے کی بنیاد ہی غلط ہے، تو پھر اس پر اعتماد کیسے کیا جا سکتا ہے؟

⑤ علامہ بوصیریؒ کی تحسین بھی غیر مقلدین کے نزدیک کچھ وقعت نہیں رکھتی۔

علامہ بوصیریؒ (م ۸۴۰ھ) نے عیسیٰ بن جاریہ کی مذکورہ روایت کو حسن نہیں کہا، بلکہ انہوں نے اس کی مذکورہ تراویح والی حدیث کو اس کے شاگرد یعقوب قمی کی وجہ سے ضعیف کہا ہے، جیسا کہ آگے بحوالہ آرہا ہے۔ البتہ انہوں نے اس کی ایک دوسری حدیث کی تحسین کی ہے، لیکن ان کی اس تحسین سے ابن جاریہ کی مذکورہ تراویح والی حدیث کو کیا

---

[۱] ماہنامہ الحدیث (۵۱:۳۴)

[۲] سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ (۷:۱/۷۰۱، ۸۰۱)، مقالات (۱:۲۹۵)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

فائدہ پہنچ سکتا ہے، جب وہ خود اس حدیث کو ضعیف کہہ رہے ہیں۔

اور پھر انہوں نے اس کی جس حدیث کی تحسین کی ہے، وہ بھی اس وجہ سے کہ یہ حدیث ایک دوسری حدیث سے مؤید ہے، چنانچہ آں موصوف اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں:

قُلْتُ: شَاهِدُهُ شَاهِدُ الْحَدِيْثِ قَبْلُ۔ [۱] میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کا شاہد بھی وہی ہے جو ماقبل حدیث کا ہے۔

گویا ان کے نزدیک بھی ابن جاریہ کی یہ حدیث اپنے شاہد کی وجہ سے حسن ہے۔ اور مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری (م ۱۳۵۳ھ)، امام ترمذی (م ۲۷۹ھ) کے ایک حدیث کو حسن قرار دینے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

شواہد کی وجہ سے ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے، اور کسی روایت ضعیف کو بوجہ اس کے شواہد کے حسن کہنا صحیح ہے۔ [۲]

لہٰذا حافظ بوصیری کا ابن جاریہ کی کسی دوسری روایت کو اُس کے شواہد کی وجہ سے حسن کہنا، اس کی تراویح والی مذکورہ حدیث جس کو روایت کرنے میں وہ متفرد ہے، اور پھر آگے اس سے اس حدیث کو روایت کرنے میں یعقوب قمی بھی متفرد ہے، نیز اس روایت کا کوئی صحیح شاہد بھی موجود نہیں ہے، کے لیے کچھ مفید نہیں ہے۔ بالخصوص جب حافظ بوصیری خود اس حدیث کو ضعیف قرار دے چکے ہیں۔

رہا حافظ موصوف کا ابن جاریہ وغیرہ کو ثقات کہنا، تو یہ بھی ان کو کچھ مفید نہیں، کیونکہ آگے بحوالہ مولانا گوندلوی (م ۱۴۰۵ھ) آرہا ہے کہ مجروح بالخصوص جس پر جرح مفسر وارد ہو، اس کو صرف ثقہ کہہ دینا کافی نہیں ہے۔

---

[۱] زوائد ابن ماجہ (ص ۵۵۱، ح ۱۴۲۲) طبع دارالکتب العلمیۃ بیروت

[۲] مقالات مبارکپوری (ص ۲۲۶)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

غیر مقلدین کے ذہبی العصر شیخ عبدالرحمٰن معلمی (م ۱۳۸۶ھ) کے حوالہ سے بھی آگے آرہا ہے کہ محدثین بسااوقات ثقہ کا لفظ اصلاحی معنی میں استعمال کرنے کی بجائے اس کو دین داری وغیرہ کے معنی میں بول دیتے ہیں۔

نیز حافظ موصوف کی توثیق اور تحسین و تصحیح پر غیر مقلدین کو اعتماد نہیں ہے، اور وہ ان کے نزدیک فنِ حدیث میں قابلیت نہیں رکھتے۔ چنانچہ زبیر علی زئی کے ممدوح مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں:

علامہ بوصیری اگرچہ حفاظِ حدیث میں شمار ہوتے ہیں، مگر علامہ سخاوی فرماتے ہیں: ''لَا خِبْرَةَ بِالْفَنِّ کَمَا یَنْبَغِیْ '' کہ انہیں فنِ حدیث سے کما حقہ، لگاؤ نہ تھا۔ (الضوء اللامع: ص ۲۵۱ ج ۱)[۱]

کفایت اللہ سنابلی، امام بوصیریؒ کے ایک قول کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اور پانچویں امام بوصیری ہیں، جو بہت بعد کے اور متاخر عالم ہیں۔[۲]

نیز علامہ بوصیریؒ نے ''زوائد سنن ابن ماجہ'' میں کئی احادیث کے متعلق صحیح یا حسن کا حکم لگایا ہے، لیکن غیر مقلدین حضرات ان کے ان فیصلوں کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ مثلاً سنن ابن ماجہ (۱۷۹) کی ایک حدیث کے متعلق علامہ بوصیریؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے، شیخ البانی (م ۱۴۲۰ھ) نے اس پر ان کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے ''وَعِنْدِیْ فِیْ ذٰلِكَ وَقْفَةٌ''[۳] کہ مجھے اس میں توقف ہے۔

اور خود علی زئی کے ہاں تو علامہ بوصیریؒ کسی حدیث کو نقل کرنے میں بھی ناقابل اعتماد

---

[۱] توضیح الکلام (ص ۵۲۲) طبع دوم

[۲] یزید بن معاویہؓ (ص ۶۶۷)

[۳] تحقیق مشکوۃ المصابیح (۱: ۳۵۳)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ہیں، چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب ''اتحاف الخیرۃ المھرۃ'' (۲:۲۱۶) میں امام احمد بن منیعؒ (م ۲۴۴ھ) کی ''مسند'' سے ایک حدیث بہ سند نقل کی ہے، جو کہ علی زئی کے مسلک کے خلاف ہے، اس لیے علی زئی نے ان کی اس نقل کو ناقابل اعتماد قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

احمد بن منیع کی اصل کتاب کہیں بھی نہیں ملی، اور بوصیری اس کی وفات کے صدیوں بعد پیدا ہوا تھا۔ [۱]

اب جب بقول علی زئی: علامہ بوصیریؒ نقلِ حدیث میں بھی ناقابلِ اعتماد ہیں تو پھر حدیث کی تصحیح وتحسین میں ان پر اعتماد کیسے کیا جاسکتا ہے؟

علاوہ ازیں مولانا ارشاد الحق اثری صاحب نے یہ بات بھی صاف کر دی ہے کہ:

حدیث کی صحت کا دارومدار رُواۃ (راویوں) پر ہوتا ہے۔ اگر کوئی راوی ضعیف ہے تو اسے کوئی صحیح کہتا ہے، تو کہتا رہے، اس سے روایت صحیح نہیں ہو جاتی۔ بے خطا ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے اور بس۔ [۲]

لہٰذا اگر علامہ بوصیریؒ یا علامہ ہیثمیؒ وغیرہ نے عیسیٰ بن جاریہؒ جیسے ضعیف راوی کی کسی روایت کو حسن کہہ بھی دیا ہے تو بقول اثری صاحب: اس سے اس کی حدیث کا حسن یا صحیح ہونا لازم نہیں آتا، جب تک کہ عیسیٰ کی توثیق ثابت نہیں ہو جاتی، اور عیسیٰ کی توثیق ثابت کرنا زبیر صاحب کے بس میں تو کیا پوری دنیائے غیر مقلدیت بھی اگر اپنا سارا زور صرف کرلے تو بھی اس کی توثیق ثابت نہیں کرسکتی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

⑥ حافظ منذریؒ غیر مقلدین کی نظر میں اہل فنِ رجال میں سے نہیں

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ حافظ منذریؒ (م ۶۵۶ھ) نے ابن جاریہؒ کی جس

---

[۱] نصر الباری (ص ۴۷)

[۲] توضیح الکلام (۲:۶۳)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

روایت کو مُسند ابی یعلیٰ (۱۷۹۳) اور صحیح ابن حبان (۲۷۸۹) سے نقل کر کے اس کی سند کو جید کہا ہے، انہوں نے ساتھ اس کے کئی شواہد بھی ذکر کیے ہیں۔ [۱]

اور باقرار غیر مقلدین: محدثین بسا اوقات شواہد کی بنا پر کسی ضعیف حدیث کی سند کو جید کہہ دیتے ہیں۔ چنانچہ غیر مقلدین کے استاذ العلماء مولانا محمد گوندلوی (م ۱۴۰۵ھ) نے امام بیہقی (م ۴۵۸ھ) کے ایک ضعیف حدیث کی سند کو جید قرار دینے پر ان کے دفاع میں لکھا ہے:

امام بیہقی کی طرف سے یہ جواب ہوسکتا ہے کہ کثرت شواہد کی بنا پر سند کو جید کہا ہے۔ [۲]

لہٰذا حافظ منذری نے اگر ابن جاریہ کی شواہد والی حدیث کی سند کو جید کہا ہے، تو اس کی بنیاد پر اس کی تراویح والی منفرد حدیث کو حسن اور خود اس کو ثقہ ثابت کرنا غلط ہے۔

ثانیاً: حافظ منذری کی شخصیت بھی غیر مقلدین کے ہاں فن جرح وتعدیل میں کچھ زیادہ قابل اعتماد نہیں ہے۔ چنانچہ حافظ منذری نے اپنی اسی کتاب "الترغیب" (۱۲۹:۳) میں ایک روایت کو حسن قرار دیا ہے۔ اس پر شیخ البانی (م ۱۴۲۰ھ) جن کو زبیر علی زئی: محدث العصر، امام المحدثین اور محقق امام قرار دیتے ہیں۔ [۳] نے ان کا رد بلیغ کیا ہے، اور ان کو تصحیح وتحسین میں امام ابن حبان (م ۳۵۴ھ) اور حافظ سیوطی (م ۹۱۱ھ) وغیرہ کی طرح متساہل قرار دیا ہے۔ [۴]

نیز امام منذری نے ایک اور حدیث کے متعلق لکھا ہے: وَرِجَالُهٗ ثِقَاتٌ (اس حدیث کے سارے راوی ثقہ ہیں) اس پر شیخ البانی، ان کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[۱] الترغیب والترھیب (ص ۳۲۸، ح ۱۰۴۷) طبع مکتبۃ المعارف ــــ ریاض

[۲] خیر الکلام (ص ۲۰۶)

[۳] عبادات میں بدعات (ص ۱۲۸)، ماہنامہ الحدیث (ش ۲، ص ۳۵)

[۴] سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ (۱: ۳۱۱، ح ۱۶۸)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

”اِسْنَادُهٗ ضَعِيْفٌ، فِيْهِ عَنْعَنَةُ الْوَلِيْدِ بْنِ مُسْلِمٍ، وَعُبَيْدُ اللهِ بْنُ اَبِيْ بُرْدَةَ وَلَمْ يُوَثِّقْهُ اَحَدٌ حَتّٰى وَلَا ابْنُ حِبَّانَ فَلَا يُغْتَرّ بِقَوْلِ الْمُنْذِرِيِّ: وَرِجَالُهٗ ثِقَاتٌ۔“[۱]

اس کی سند ضعیف ہے، اس میں ولید بن مسلمؒ کا عنعنہ ہے، اور عبید اللہ بن ابی بردہؒ کی کسی نے توثیق نہیں کی، حتیٰ کہ ابن حبانؒ نے بھی نہیں، لہٰذا منذریؒ کے قول سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے کہ اس روایت کے سارے راوی ثقہ ہیں۔

یعنی امام منذریؒ کے اس راوی کو ثقہ کہنے کے باوجود اس کا ثقہ ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ سبحان اللہ!

مولانا عبد الرؤف سندھو ایک حدیث کی تخریج میں لکھتے ہیں:

اس کی سند کو اگرچہ منذری نے ترغیب (۱:۴۷۴) میں جید کہا ہے، مگر یہ سند منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔[۲]

نیز خود علی زئی صاحب نے امام منذریؒ وغیرہ محدثین کی توثیق بلا کسی وجہ و دلیل کے رد کرتے ہوئے لکھا ہے:

اس روایت کے راوی طریف بن عیسیٰ العنبری کی توثیق صرف حافظ ابن حبان (الثقات: ۸:۳۲۷)، منذری (الترغیب والترهیب: ۳:۱۵۱) اور ہیثمی (مجمع الزوائد: ۹:۱۷۳) سے ثابت ہے، لیکن اس توثیق میں نظر ہے۔[۳]

نیز علی زئی امام منذریؒ کی تصحیح کا مذاق اڑاتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[۱] تحقیق مشکوۃ المصابیح (۱:۸۷)

[۲] القول المقبول (ص ۲۵۶) طبع رابع

[۳] ماہنامہ الحدیث (۹۵:۹۵)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

حافظ منذری کا ''رُوَاتُهٗ ثِقَاتٌ اَثْبَاتٌ'' کی وجہ سے اسے صحیح کہنا بھی ناقابل فہم ہے۔ مدلس کے عَن اور عدم تصریح سماع کے باوجود اس کی ''تصحیح'' کیونکر صحیح ہوسکتی ہے۔[۱]

پس جب غیر مقلدین بشمول زبیر علی زئی کے نزدیک حافظ منذریؒ کے کسی راوی کو ثقہ کہنے کے باوجود وہ راوی بدستور غیر ثقہ اور مجہول ہی رہتا ہے، اور ان کے کسی سند کو حسن یا جید کہنے کے باوجود بھی وہ سند ضعیف ہی رہتی ہے، تو پھر اگر انہوں نے ابن جاریہؒ کی کسی سند کو بھی جید کہہ دیا ہے تو اس سے ابن جاریہ کا ثقہ ہونا کیسے ثابت ہوگیا۔

ع بسوخت عقل زحیرت ایں چہ بوالعجبی است

⑦ حافظ ذہبیؒ کے نزدیک ابن جاریہ کی مذکورہ حدیث منکر ہے

پہلے گزر چکا ہے کہ حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) نے عیسیٰ بن جاریہ کو ضعیف اور متروک راویوں میں شمار کیا ہے۔ نیز حافظ موصوف نے ''میزان الاعتدال'' (۳۱۱:۳) میں عیسیٰ بن جاریہ پر ائمہ رجال سے سخت جرح نقل کی ہے، اور اس کے تذکرہ میں اس کی مذکورہ روایت کو بھی ذکر کیا ہے۔ اور باقرار غیر مقلدین ذہبیؒ کی عادت ہے کہ وہ ''میزان الاعتدال'' میں جب کسی مجروح راوی کا تذکرہ کرتے ہیں تو اگر اس کی روایات میں کوئی منکر روایت ہوتی ہے تو ساتھ وہ اس روایت کو بھی ذکر کر دیتے ہیں۔ چنانچہ غیر مقلد محقق شیخ عبدالرؤف سندھو ایک حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث سخت ضعیف ہے، کیونکہ بخاری اور ابو حاتم نے ابوالزعیزعہ کو منکر الحدیث جدا کہا ہے، ذہبی نے اس کے ترجمہ میں اس حدیث کا بھی ذکر کیا ہے۔[۲]

سندھو صاحب ایک اور حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں:

---

[۱] ایضاً (۱۵:۳۲)

[۲] القول المقبول (ص ۵۲۷) طبع اول بحوالہ میزان الاعتدال (۵۴۸۳)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

یہ حدیث نہایت ضعیف ہے۔اس کی سند میں عمرو بن معین متروک ہے۔ذہبیؒ نے اس کے ترجمہ میں جن احادیث کا ذکر کیا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔[۱]

معلوم ہوا کہ حافظ ذہبیؒ کا کسی مجروح راوی کی روایت کو اس کے ترجمہ میں ذکر کرنا اس روایت کے منکر ہونے کی دلیل ہے۔

لہٰذا اگر انہوں نے عیسیٰ بن جاریہ کے تذکرہ میں اس کی مذکورہ روایت کو بھی ذکر کیا ہے تو یہ ابن جاریہ کے ضعیف اور اس حدیث کے منکر ہونے کی دلیل ہے، نہ کہ اس کے ثقہ ہونے کی۔رہا غیر مقلدین کا یہ شبہ کہ علامہ ذہبیؒ نے ابن جاریہ کے تذکرہ میں اس کی مذکورہ حدیث کے بارے میں ''اِسْنَادُهُ وَسَطٌ'' کہا ہے جو اس کی مذکورہ حدیث کے صحیح یا حسن ہونے کی دلیل ہے، تو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ غیر مقلدین کے پاس اس کی کیا دلیل ہے کہ حافظ ذہبیؒ جس روایت کی سند کو ''وسط'' کہیں وہ روایت ان کے نزدیک حسن ہوتی ہے، اور اس کے راوی ثقہ ہوتے ہیں؟

نیز علامہ ذہبیؒ نے تو ''ابو یوسف عَنْ اَبِیْ حَنِیْفَة'' کی سند کو ''سند عالی'' سے تعبیر کیا ہے،[۲] لیکن غیر مقلدین اس عظیم المرتبت اور عالی شان امام کی روایت کو صحیح نہیں سمجھتے۔ چنانچہ مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں:

علامہ ذہبیؒ ''انا ابو یوسف انا ابو حنیفہ'' کی سند کو عالی کہتے ہیں، مگر ہر عالی سند صحیح نہیں ہوتی۔[۳]

نیز لکھتے ہیں: مؤلف احسن الکلام کا یہاں ایک دوسری سند کو عالی ثابت کر دینا اس طریق

---

[۱] ایضاً (ص ۵۲۳)

[۲] تذکرۃ الحفاظ (۱:۲۱۵)

[۳] توضیح الکلام (۲:۶۶۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کے صحت کی قطعاً دلیل نہیں۔[۱]

قارئین: غیر مقلدین کی ستم ظریفی ملاحظہ کریں کہ علامہ ذہبیؒ، امام ابوحنیفہؒ کی سند کو عالی کہہ رہے ہیں، لیکن اس کے باوجود غیر مقلدین امام صاحبؒ کی سند کو صحیح ماننے کے لیے تیار نہیں، اس کے برعکس وہ عیسی بن جاریہ کی سند کو علامہ ذہبیؒ کے محض وسط (جو عالی سے کم درجہ ہے) کہنے پر ابن جاریہ کو ثقہ اور اس کی حدیث کو صحیح ماننے کا ہم سے مطالبہ کر رہے ہیں۔ ؎

یہ سب سوچ کر دل لگایا ہے ناصح
نئی بات کیا آپ فرما رہے ہیں

ثانیاً: اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حافظ ذہبیؒ کا ابن جاریہ کی سند کو وسط کہنا اس کے ثقہ ہونے کی دلیل ہے، تو پھر بھی یہ اس کے لیے کچھ مفید نہیں ہے۔ کیونکہ حافظ ذہبیؒ نے اس کو "دیوان الضعفاء" (۲:۲۱۹) میں ذکر کر کے اس کے خلاف جرح نقل کی ہے، اور اس کا کچھ دفاع نہیں کیا، جیسا کہ پہلے بحوالہ گزر چکا ہے۔ اور خود زبیر علی زئی نے امام ابویوسفؒ کی بابت یہ اصول بیان کیا ہے کہ:

ذہبی نے "دیوان الضعفاء" میں ابویوسف کا کوئی دفاع نہیں کیا۔ جب کہ "تلخیص المستدرک" میں اسے حسن الحدیث کہا ہے۔ یہ دونوں تحقیقات باہم متعارض ہو کر ساقط ہو گئیں۔[۲]

بنابریں ابن جاریہ کے متعلق بھی حافظ ذہبیؒ کی یہ دونوں تحقیقات باہم متعارض ہو کر ساقط ہو گئی ہیں، لہٰذا خود علی زئی کے اصول کی روشنی میں بھی حافظ ذہبیؒ کا ابن جاریہؒ کی سند کو وسط کہنا اس کے لیے کچھ مفید نہ رہا۔

---

[۱] ایضاً (۲:۶۶۸)

[۲] الحدیث (۱۹:۵۳)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ثالثاً: مقدمہ میں گزرا ہے کہ حافظ ذہبیؒ نے ایک راوی نظر بن شیبانؒ کو متوسط قرار دیا ہے۔لیکن اس کے باوجود غیر مقلدین اس کو ثقہ ماننے کے بجائے اس کو انتہائی درجہ کا ضعیف قرار دیتے ہیں۔اب اگر حافظ ذہبیؒ کا کسی راوی کو متوسط کہنا اس کے ثقہ ہونے کی دلیل نہیں، تو پھر ان کا عیسیٰ بن جاریہ کی روایت کو وسط کہنا کیسے اس کے ثقہ ہونے کی دلیل بن گیا؟

ع بندہ پرور منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر

(۸) کیا امام بخاریؒ کا کسی راوی کو"التاریخ الکبیر" میں ذکر کرنا اس کی توثیق ہے؟

زبیر صاحب نے مولانا ظفر احمد عثمانیؒ (م ۱۳۹۴ھ) کے حوالہ سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ امام بخاریؒ (م ۲۵۶ھ) کا کسی راوی کو اپنی "تاریخ کبیر" میں ذکر کرکے اس پر جرح سے سکوت کرنا، یہ اس راوی کے ثقہ ہونے کو مستلزم ہے، اور چونکہ ابن جاریہ کو بھی امام بخاریؒ نے "تاریخ کبیر" میں ذکر کرکے سکوت کیا ہے، اس لیے یہ اس کے ثقہ ہونے کی دلیل ہے، حالانکہ یہ علی زئی کا سراسر دھوکہ ہے، مولانا عثمانیؒ نے یہ اصول اپنی طرف سے نہیں لکھا ہے، بلکہ اس کو قاضی شوکانیؒ (م ۱۲۵۰ھ) کی کتاب "نیل الاوطار" سے نقل کیا ہے۔چنانچہ مولانا موصوف اس اصول کو ذکر کرکے لکھتے ہیں:

"قَالَهُ ابْنُ تَيْمِيَّةَ، كَذَا فِيْ نَيْلِ الْأَوْطَارِ۔"[۱]

"یہ بات (ابوالبرکات مجد) ابن تیمیہؒ (م ۶۲۱ھ) نے کہی ہے، جیسا کہ نیل الاوطار (۱:۶۲۶) میں ہے۔"

اور قاضی شوکانیؒ غیر مقلد ہیں۔ان کا حوالہ ہمارے خلاف حجت نہیں ہے۔

نیز خود علمائے غیر مقلدین نے اس اصول کا سختی سے رد کیا ہے چنانچہ علی زئی کے

---

[۱] قواعد فی علوم الحدیث (ص ۲۲۳، ۲۲۴) طبع مکتب المطبوعات الاسلامیۃ حلب

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

شیخ مولانا بدیع الدین راشدی (م ۱۴۱۶ھ) اس کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”يَكْفِيْ لِبُطْلَانِ هٰذَا الْأَصْلِ أَنَّ الْإِمَامَ الْبُخَارِيَّ نَفْسَهٗ سَكَتَ عَنْ عِدَّةٍ مِّنَ الرُّوَاةِ فِيْ تَارِيْخِهٖ، وَجَرَحَهُمْ فِيْ كُتُبٍ أُخْرٰى“۔

”اس اصول کے باطل ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ خود امام بخاریؒ نے ”تاریخ کبیر“ میں متعدد راویوں پر سکوت کیا ہے، جب کہ اپنی دوسری کتب میں اُن پر جرح کی ہے۔“

اور پھر ایسے راویوں کی ایک لمبی فہرست ذکر کی ہے۔ [۱]

دیگر علمائے غیر مقلدین کے نزدیک بھی امام بخاریؒ کا کسی راوی کو اپنی کتاب ”تاریخ کبیر“ میں بلا جرح وتعدیل ذکر کرنا اس راوی کی توثیق کو مستلزم نہیں۔

مثلاً مولانا عبد الرؤف سندھو ایک حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

یہ روایت نہایت گھٹیا درجہ کی ہے۔ اس روایت کا پہلا راوی عبد الوارث مولیٰ انس بن مالکؓ ہے۔ اسے امام بخاریؒ نے ”التاریخ الکبیر“ (۶:۱۱۸) میں ذکر کیا، مگر اس کے بارے میں کوئی جرح وتعدیل ذکر نہیں کی الخ۔ [۲]

سندھو صاحب ایک اور حدیث کی تحقیق میں لکھتے ہیں:

ابو مسلم کو بخاری نے الکنیٰ (ص ۶۸) میں اور ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل میں ذکر کیا ہے، مگر دونوں میں سے کسی نے بھی اس کے بارے میں کوئی جرح وتعدیل ذکر نہیں کی ہے۔ احمد البناء نے اس کی سند کو جید کہا ہے۔ قُلْتُ (میں کہتا ہوں) اس کی سند کو جید قرار دینے کے لیے ابو مسلم کی ثقاہت کا علم ضروری ہے، ورنہ سند ضعیف

---

[۱] نقض قواعد فی علوم الحدیث (ص ۲۱۴) طبع دار غراس کویت

[۲] القول المقبول (ص ۵۲۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ہے۔[۱]

مولانا ارشاد الحق اثری صاحب ایک حدیث کی تحقیق میں رقمطراز ہیں:

ابن بجاد، محمد بن بجاد ہے، اور وہ موسیٰ بن سعد کا پوتا ہے، جب کہ بجاد موسیٰ کے صاحبزادے ہیں، ان کا امام بخاری نے التاریخ الکبیر (۱:۴۴) میں، امام ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل (۳:۲۱۳) میں ذکر کیا ہے، مگر کوئی جملہ توثیق وتوصیف کا نقل نہیں کیا۔[۲]

پھر آخر میں ان کی روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:

محمد بن بجاد اور موسیٰ بن سعد دونوں مجہول و مستور ہیں، لہٰذا اس کی سند کو صحیح کہنا درست نہیں۔[۳]

اور خود زبیر علی زئی نے بھی اس اصول کہ: امام بخاریؒ اور امام ابو حاتمؒ کا کسی راوی کو بلا جرح وتعدیل ذکر کرنا اس کی توثیق ہے، کو مرجوح قرار دیا ہے۔[۴]

اندازہ لگائیں کہ جس اصول کو خود علی زئی اور ان کے اکابرین مرجوح کہہ رہے ہیں، اسی کے سہارے وہ ابن جاریہ کو ثقہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔

اور پھر علی زئی کا تجاہلِ عارفانہ ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں کہ میں نے یہ قول (بحوالہ مولانا عثمانی) بطور الزام ذکر کیا ہے۔[۵]

سبحان اللہ! کیا اصول پسندی ہے؟ جو قول مولانا عثمانیؒ، قاضی شوکانیؒ غیر مقلد کی

---

[۱] ایضاً (ص ۱۷۰)

[۲] توضیح الکلام (۲:۷۴۱)

[۳] ایضاً (۲:۷۴۳)

[۴] نور العینین (ص ۱۸۹)

[۵] ماہنامہ الحدیث (۴۷:۲۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کتاب سے نقل کر رہے ہیں، اس کو وہ ہمارے خلاف بطور الزام پیش کر رہے ہیں۔ جب یہ قول تمہارا، کتاب تمہاری تو صرف مولانا عثمانی ؒ کے اس کو وہاں سے نقل کرنے سے یہ ہمارے خلاف دلیل الزامی کیسے بن گئی؟

ع بریں عقل و دانش بباید گریست

⑨ حافظ ابن حجرؒ کے سکوت کے ساتھ غیر مقلدین کا دوغلا پن

حافظ ابن حجر عسقلانی ؒ (م ۸۵۲ھ) نے اگرچہ "فتح الباری" میں عیسیٰ بن جاریہ کی مذکورہ روایت پر سکوت کیا ہے، لیکن حافظ موصوف کا "فتح الباری" میں کسی روایت پر سکوت کرنا خود علی زئی کے نزدیک بھی اس حدیث کے حجت ہونے کی دلیل نہیں ہے، چنانچہ انہوں نے اپنے ماہنامہ الحدیث میں ایک مضمون لکھا ہے: کیا فتح الباری میں حافظ ابن حجر کا سکوت حجت ہے؟

اس مضمون میں وہ لکھتے ہیں: تحقیق یہ ہے کہ فتح الباری میں حافظ ابن حجر کا سکوت حدیث کے حسن یا صحیح ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر العسقلانی ؒ نے جن احادیث و روایات پر فتح الباری میں سکوت کیا ہے، اُن میں ضعیف اور ضعیف جداً بلکہ موضوع روایات بھی ہے۔

اور پھر اس کی کئی مثالیں ذکر کی ہیں۔[۱]

زبیر صاحب کے شیخ مولانا محب اللہ راشدی (م ۱۴۱۵ھ) ایک روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اور باقی یہ کہنا کہ حافظ ابن حجر اس روایت کو بخاری کی شرح (فتح الباری) میں لائے

---

[۱] ایضاً (۴۷:۹۔۱۳)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ہیں، اور اس پر کلام نہیں کی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عبدالجبار کی ماں معروفہ تھی، ورنہ ضرور کلام کرتے، کیونکہ کتاب کے آغاز میں تصریح کی ہے کہ جن (روایات) پر کلام نہ کروں گا وہ روایات صحیح ہوں گی، یا حسن۔ چونکہ یہاں بھی کلام نہیں کیا، لہٰذا کم از کم حسن کہلائے گی، اگر عبدالجبار کی ماں مجہولہ ہوتی تو حدیث حسن نہ ہو سکتی تھی، لیکن یہ ساری بات محض خوش فہمی اور خوش اعتقادی سے زیادہ کوئی وقعت نہیں رکھتی، اس سے ایک تحقیق پسند کی پیاس ہرگز نہیں بجھ سکتی....

حافظ صاحب معصوم تھے کہ ان سے ساری کتاب میں کوئی نسیان یا غلطی سرزد نہیں ہو سکتی۔ یا یہ کہنا کیا صحیح ہوگا کہ حافظ صاحب (نے) بخاری کی مکمل شرح میں جو آغاز میں کہا ہے، ان شرائط کی مکمل ایفاء کی ہے۔ ایک سطحی شخص تو اس کا جواب اثبات میں دے گا، لیکن جو شخص حافظ صاحب کی کتاب کو مکمل دیکھ چکا ہے وہ ضرور کہے گا کہ نہیں، بلکہ کئی جگہوں پر حافظ صاحب سے سہو ہو گیا ہے.....[۱]

مولانا عبدالرؤف سندھو ایک حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

یہ نہایت ضعیف ہے۔ ابن حجر نے اس حدیث کو "مصنف سعید" سے منسوب کیا ہے، اور اس پر سکوت کیا ہے۔ لہٰذا حافظ کا سکوت درست نہیں۔[۲]

پس جب خود علی زئی اور ان کے علماء کی تصریحات سے ثابت ہو گیا کہ حافظ ابن حجرؒ نے "فتح الباری" میں جن احادیث پر سکوت کیا ہے، ان میں سے ہر ایک کا صحیح اور قابل حجت ہونا ضروری نہیں، تو پھر ان کا ابن جاریہؒ کی حدیث پر سکوت کرنا بھی اس کی صحت کی دلیل نہیں ہے۔ لیکن علی زئی کے دوغلاپن کی انتہاء ہے کہ وہ یہاں مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے حوالہ کی اوٹ لے کر حافظ صاحبؒ کے سکوت کو اس حدیث کے صحیح ہونے کی دلیل بنا رہا ہے۔

---

[۱] مقالات راشدیہ (۹: ۱۷۲، ۱۷۳)

[۲] القول المقبول (ص ۴۳۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اناللہ.... اور پھر اپنے مضمون میں بڑی ڈھٹائی سے کہتا ہے کہ:

آل دیوبند کا یہ اصول راقم الحروف نے اپنی کتاب ”تعداد رکعات قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ“ میں بطور الزام پیش کیا ہے[۱]

حالانکہ اس کو دلیل الزامی نہیں، بلکہ بے شرمی کہتے ہیں، کیونکہ حافظ صاحبؒ کے سکوت والی بات مولانا عثمانیؒ نے قاضی شوکانیؒ غیر مقلد سے نقل کی ہے، جیسا کہ خود علی زئی نے بھی اپنے اسی مضمون میں اس کا حوالہ بھی ذکر کیا ہے۔[۲]

اور اسی طرح حصہ اول میں ہم نے غیر مقلدین کے شیخ الکل مولانا نذیر حسین دہلویؒ سے لے کر خود زبیر علی زئی تک بیسوں علمائے غیر مقلدین کے حوالجات ذکر کیے ہیں، جن میں انہوں نے تصریح کی ہے کہ حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں جس حدیث پر سکوت کرتے ہیں وہ ان کے نزدیک کم از کم حسن ضرور ہوتی ہے۔ تو اب اپنے اس اصول کو ہمارا اصول بنا کر اس کو ہمارے خلاف بطورِ الزام ذکر کرنا بے شرمی نہیں تو اور کیا ہے؟ لیکن

ع بے حیاش باش ہر آنچہ خواہی کن

نیز حافظ ابن حجرؒ نے اسی ”فتح الباری“ (۴:۳۱۸) میں حضرت یزید بن خصیفہؒ اور یزید بن رومانؒ کی بیس رکعات والی روایات پر بھی سکوت کیا ہے۔ تو پھر ان روایتوں کی صحت غیر مقلدین کو کیوں تسلیم نہیں؟

اگر مولانا عثمانیؒ کے حوالہ کی وجہ سے ہم سے ابن جاریہؒ کی حدیث کو صحیح ماننے کا مطالبہ کیا جاتا ہے، تو پھر غیر مقلدین اپنے اکابر کے حوالجات کی روشنی میں حضرت یزید بن خصیفہؒ اور یزید بن رومانؒ کی روایات کا قابل حجت ہونا تسلیم کیوں نہیں کرتے؟

---

[۱] الحدیث (۷۴:۹)

[۲] ایضاً

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ٹھوکریں مت کھائیے چلیے سنبھل کر
چال سب چلتے ہیں مگر بندہ پرور دیکھ کر

خیر یہ تو حافظ ابن حجرؒ کے سکوت کا غیر مقلدین کا ہاں حال ہے، کہ اپنے مطلب کی روایات پر ان کا سکوت ان روایات کے صحیح یا حسن ہونے کی دلیل ہے، اور اپنے مسلک کے خلاف روایات پر ان کے سکوت کو ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا جاتا ہے۔لیکن حافظ صاحبؒ کے سکوت سے قطع نظر انہوں نے جن روایات کو "فتح الباری" وغیرہ میں صراحتاً صحیح یا حسن قرار دیا ہے، وہ روایات بھی اگر ان غیر مقلدین کے منشا کے خلاف ہو تو یہ حضرات حافظ صاحبؒ پر بداعتمادی اور ان کی سخت مخالفت شروع کر دیتے ہیں۔غیر مقلدین حضرات کے ایسے صرف چند حوالے بطور "مشتے نمونہ از خروارے" پیش کیے جاتے ہیں، تاکہ قارئین پر واضح ہو جائے کہ یہ لوگ حافظ ابن حجرؒ کے بارے میں کسی قدر دوغلی پالیسی پر گامزن ہیں۔

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری (م ۱۳۵۳ھ)، حافظ ابن حجرؒ کے ایک حدیث کی سند کو حسن قرار دینے کے جواب میں لکھتے ہیں:

"قُلْتُ: فِيْ تَحْسِيْنِ إِسْنَادِهٖ نَظَرٌ "[۱]

"میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کی سند کی تحسین (حافظ ابن حجرؒ کا اس کو حسن قرار دینا) محل نظر ہے۔"

نیز مبارکپوری صاحب، ایک اور حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

---

[۱] ابکار المنن (ص ۹۸)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

"وَفِيْ تَحْسِيْنِ الْحَافِظِ نَظَرٌ"[1]

"حافظ ابن حجرؒ کا اس حدیث کو حسن کہنا محل نظر ہے۔"

اس طرح جب حافظ صاحبؒ نے ایک حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا، تو مولانا مبارکپوری نے اس پر اپنا ردعمل دیتے ہوئے لکھا ہے:

"فَفِيْ قَوْلِ الْحَافِظِ بِإِسْنَادٍ صَحِيْحٍ أَيْضًا نَظَرٌ"[2]

"حافظ ابن حجرؒ کے قول: اس کی سند صحیح ہے، میں بھی نظر ہے۔"

قاضی محمد شوکانیؒ (۱۲۵۰ھ) ایک حدیث کے بارے میں رقمطراز ہیں:

"وَحَسَّنَهُ الْحَافِظُ فِي الْفَتْحِ، وَفِيْ إِسْنَادِهِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ مُقِيْلٍ وَفِيْهِ مَقَالٌ۔"[3]

"حافظ ابن حجرؒ نے "فتح الباری" میں اس کو حسن کہا ہے، حالانکہ اس کی سند میں عبداللہ بن محمد بن مقیل راوی ہے جس میں کلام ہے"

اسی طرح قاضی شوکانیؒ نے حافظ صاحبؒ کی دیگر کئی احادیث کی تصحیح وتحسین پر بھی اعتراض کیا ہے۔[4]

مشہور غیر مقلد عالم شیخ ناصر الدین البانی (م ۱۴۲۰ھ) حافظ ابن حجرؒ کی ایک حدیث کی تحسین کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"أَنَّ قَوْلَ الْحَافِظِ فِي الْفَتْحِ: إِسْنَادُهُ حَسَنٌ غَيْرُ حَسَنٍ۔"[5]

"بے شک حافظ ابن حجرؒ کا فتح الباری میں اس حدیث کی سند کو حسن کہنا غیر حسن (ناپسندیدہ) ہے۔"

---

[۱] ایضاً (ص ۷۲)

[۲] ایضاً (ص ۹۸)

[۳] نیل الاوطار (۱:۶۸۹)

[۴] مثلاً دیکھئے نیل الاوطار (۱:۱۰۲۴، ۲:۱۰۵۸)

[۵] سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ (۱:۵۱۵، ح ۳۴۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

مولانا ارشاد الحق اثری ایک حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری (۴:۱۰) میں اس کی سند کو قوی کہا ہے، مگر یہ درست نہیں۔[۱]

نیز مولانا اثری ایک اور حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری (ج ۲ ص ۲۶۹) میں اس کی سند حسن کہا ہے، حالانکہ اس کی سند میں ابن عجلانؒ مدلس ہے، اور روایت معنعن ہے۔ علامہ البانیؒ نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔[۲]

حافظ ابن حجرؒ نے ایک حدیث کی سند کو صالح قرار دیا، تو زبیر علی زئی نے اس پر ان کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

حالانکہ اس کی سند میں ابراہیم بن العلاء الحمصی بھی ہے، جس کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے خود لکھا ہے:

منکر الحدیث (تقریب التھذیب: ۵۶۹۸)[۳]

قارئین: صرف ان چند مثالوں کو ہی سامنے رکھ کر آپ ان غیر مقلدین کے دوغلا پن کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے مطلب برآری کے لیے کیسے حافظ ابن حجرؒ کی تحقیق کو اتنی فوقیت دیتے ہیں کہ اپنے مسلک کی تائید میں واردشدہ کسی روایت پر ان کے صرف سکوت کو ہی اس روایت کے صحیح یا حسن ہونے کی دلیل گردانتے ہیں، لیکن جب کوئی روایت ان کے مسلک کے خلاف جاتی ہو تو پھر وہاں حافظ ابن حجرؒ کا سکوت کرنا تو کیا ان کا صراحتاً اس روایت کو صحیح یا حسن کہنا بھی ان غیر مقلدین کی نظروں میں ناقابل

---

[۱] مولانا سرفراز صاحب اپنی تصانیف کے آئینے میں (ص ۱۶۹)

[۲] تنقیح الکلام (ص ۱۸۸)

[۳] ماہنامہ الحدیث (۹۷:۱۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اعتماد اور مشکوک ٹھرتا ہے۔ حتی کہ ان کے ذہبی العصر شیخ عبدالرحمٰن معلمی (م ۱۳۸۶ھ) نے حافظ صاحبؒ کی ایک تحقیق (جو معلمی صاحب کی منشا کے خلاف تھی) کی وجہ سے ان پر عصبیت کی پھبتی کس دی ہے۔[۱]

یہ لوگ بھی غضب ہیں، دل پر یہ اختیار!

شب موم کر لیا سحر آہن بنا لیا

ثانیاً: اگر بالفرض یہ مان ہی لیں کہ حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) کا ''فتح الباری'' میں اس روایت پر سکوت کرنا ابن جاریہؒ کے صحیح الحدیث اور ثقہ ہونے کی دلیل ہے، تو پھر بھی ان کی یہ توثیق ان کی اس پر ''تقریب التھذیب'' (۱:۷۶۹) میں کی گئی جرح سے متصادم ہونے کی وجہ سے مرجوح ہے۔ کیونکہ خود علی زئی اور دیگر کئی علمائے غیر مقلدین مثلاً مولانا مبارکپوری (م ۱۳۵۳ھ)، مولانا بدیع الدین راشدی (م ۱۴۱۶ھ) وغیرہ نے یہ اقرار کیا ہے کہ حافظ ابن حجرؒ ''تقریب'' میں راوی کے متعلق ''اَعْدَلُ الْاَقْوَال'' (سب سے زیادہ عدل وانصاف والا) قول ذکر کرتے ہیں۔[۲]

لہٰذا حافظ ابن حجرؒ کی عیسیٰ بن جاریہؒ پر جرح ان کی توثیق پر راجح ہے۔

⑩ امام ابو حاتم کا سکوت غیر مقلدین کی نظر میں:

زبیر علی زئی نے امام ابو حاتمؒ (م ۲۷۷ھ) کے سکوت کو ابن جاریہ کے ثقہ ہونے کی جو دلیل بنانے کی کوشش کی ہے، وہ بھی باطل ہے۔

اولاً: خود علی زئی اس اصول کہ: امام بخاریؒ اور امام ابو حاتمؒ کا کسی راوی کو بلا جرح و تعدیل ذکر کرنا ان کے ہاں اس کے ثقہ ہونے کی دلیل ہے، کو مرجوح قرار دے چکے

---

[۱] حاشیہ الفوائد المجموعۃ (ص ۴۸۴)

[۲] ماہنامہ الحدیث (۴:۱۰)، ابکار المنن (ص ۹۹، ۱۸۶)، مقالات راشدیہ (۵:۴۱۳)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ہیں۔ جیسا کہ امام بخاریؒ کے حوالہ میں گزرا ہے۔

ثانیاً: علی زئی نے یہ اصول مولانا ظفر احمد عثمانیؒ (م ۱۳۹۴ھ) کے حوالے سے ذکر کیا ہے، حالانکہ مولانا موصوف نے تو یہ اصول بیان کیا ہے کہ ابو حاتمؒ کا کسی راوی سے حدیث لکھنا، اور پھر اس پر جرح کرنے سے سکوت کرنا اس راوی کے ثقہ ہونے کی دلیل ہے۔

چنانچہ مولانا لکھتے ہیں:

"وَكِتَابَةُ اَبِيْ زُرْعَةَ اَوْ اَبِيْ حَاتِمٍ عَنْ اَحَدٍ مَعَ سُكُوْتِهٖ عَنِ الْجَرْحِ فِيْهِ، تَوْثِيْقٌ لَهٗ۔"[۱]

"امام ابو زرعہؒ یا امام ابو حاتمؒ کا کسی راوی سے حدیث لکھنا، اور اس پر جرح کرنے سے سکوت کرنا یہ اس راوی کی توثیق ہے۔"

علی زئی نے دھوکہ دیتے ہوئے یہ کتابت والی بات اس لیے چھپالی ہے کیونکہ امام ابو حاتم کا ابن جاریہ سے حدیث لکھنا ثابت ہی نہیں، بلکہ وہ تو ابن جاریہ کے زمانے میں پیدا بھی نہیں ہوئے ہونگے۔

ثالثاً: امام ابو حاتمؒ کا کسی راوی پر سکوت اور جرح نہ کرنا علمائے غیر مقلدین کے نزدیک بھی اس راوی کی توثیق کو مقتضی نہیں ہے۔ چنانچہ مولانا ارشاد الحق اثری صاحب لکھتے ہیں:

بعض حضرات نے جو یہ کہا ہے کہ امام ابن ابی حاتم جس راوی پر سکوت کریں وہ ثقہ ہوتا ہے، تو یہ قاعدہ بھی صحیح نہیں۔ خود امام ابن ابی حاتم نے صراحت کردی ہے کہ جس راوی کے متعلق کوئی جرح یا تعدیل نہیں کی گئی تو ان کا ذکر محض تکمیلاً ہے، اگر کوئی

---

[۱] قواعد فی علوم الحدیث (ص ۴۰۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کلمہ (اپنے والد ابو حاتمؒ وغیرہ سے) مل گیا تو بالآخر اس کو نقل کر دیں گے۔[۱]

علی زئی کے شیخ مولانا سید محب اللہ شاہ پیر آف جھنڈا (م ۱۴۱۵ھ) لکھتے ہیں:

اور امام ابن ابی حاتم اور ابن حبان کے متعلق جو فرمایا یہ بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ اس کا مقتضیٰ تو یہ ہوا کہ جس راوی کا بھی امام ابن ابی حاتم اپنی ''الجرح والتعدیل'' میں ذکر کریں، اور اس پر کچھ بھی حکم۔ جرح وتعدیلاً۔ نہ لگائیں اس کے متعلق یہی کہنا چاہیے کہ اس میں طعن یا عیب ہوتا تو امام ابن ابی حاتم سے پوشیدہ نہ رہتا، حالانکہ کسی طعن یا توثیق کے عدم ذکر سے یہی عیاں ہوتا ہے کہ امام موصوف کو ان کے متعلق (اپنے والد امام ابو حاتمؒ یا دیگر ائمہ سے۔ ناقل) کچھ معلوم نہ ہوسکا۔ یہی وجہ ہے کہ ایسی حالت میں علمائے حدیث یہی فرماتے ہیں کہ یہ راوی مجہول الحال، غیر معروف اور مستور ہے۔[۲]

بنا بریں اگر امام ابن ابی حاتم (م ۳۲۷ھ) نے ''الجرح والتعدیل'' میں عیسیٰ بن جاریہ کے متعلق اپنے والد امام ابو حاتمؒ سے کوئی جرح نقل نہیں فرمائی، تو مذکورہ علمائے غیر مقلدین کی تصریحات کی روشنی میں اس سے ابن جاریہ کی توثیق ثابت نہیں ہوسکتی۔

الحاصل: حافظ زبیر علی زئی نے عیسیٰ بن جاریہ کو ثقہ ثابت کرنے کے لیے جتنی بھی شقیں ذکر کی تھیں، ان میں سے ہر ایک شق کا بطلان خود علی زئی اور غیر مقلدین کے مستند علماء کے اقوال کی روشنی میں ثابت ہوگیا، اور یہ بات اچھی طرح سے ثابت ہوگئی کہ زبیر علی زئی نے ایک ضعیف راوی کو ثقہ ثابت کرنے کے لیے جتنا خس وخاشاک اکٹھا کیا تھا، اس سے ابن جاریہ کی ذرا بھی توثیق ثابت نہیں ہوسکتی۔

---

[۱] حاشیہ توضیح الکلام (۲:۷۴۱)

[۲] ہفت روزہ الاعتصام (ص ۱۱) ۲۵ نومبر ۱۹۹۴ء

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ابن جاریہ کے بارے میں جرح ہی راجح ہے:

اور بالفرض اگر عیسیٰ بن جاریہؒ کی کوئی معمولی سی توثیق ثابت بھی ہو جائے تو پھر بھی اس پر محدثین کرام کی کی گئی سخت اور مفسر جرح کے مقابلے میں یہ معمولی سی توثیق کچھ حیثیت نہیں رکھتی۔ کیونکہ خود علمائے غیر مقلدین نے تصریح کی ہے کہ جرح بالخصوص مفسر تعدیل پر مقدم ہوتی ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالقادر حصاروی (م ۱۴۰۱ھ) لکھتے ہیں:

جرح تعدیل پر مقدم ہے۔[۱]

غیر مقلدین کے محدث اعظم مولانا عبداللہ روپڑیؒ (م ۱۳۸۴ھ) لکھتے ہیں:

محدثین کا اصول ہے کہ جرح تعدیل پر مقدم ہے۔[۲]

نامور غیر مقلد عالم مولانا شمس الحق عظیم آبادی (م ۱۳۲۹ھ) ارقام فرماتے ہیں:

محدثین کے نزدیک مفصل جرح تعدیل پر مقدم ہوتی ہے۔

نیز بحوالہ حافظ سخاویؒ (م ۹۰۲ھ) لکھتے ہیں:

اگر ایک راوی کے بارے میں جرح و تعدیل کے کلمات موجود ہوں تو جمہور علماء کے نزدیک جرح، تعدیل پر مقدم ہوگی، خواہ دونوں کی تعداد برابر ہو یا نہ ہو۔ ابن الصلاح اس کو صحیح کہتے ہیں۔[۳]

شیخ البانیؒ (م ۱۴۲۰ھ) بھی جرح مفسر کو تعدیل پر مقدم قرار دیتے ہیں۔[۴]

غیر مقلدین کے استاذ العلماء اور محدث مولانا محمد گوندلوی صاحب (م ۱۴۰۵ھ) لکھتے ہیں:

---

[۱] فتاوی علمائے حدیث (۱۲: ۱۷۳)

[۲] فتاوی اہلحدیث (۱: ۵۰۷)

[۳] مجموعہ مقالات وفتاوی (ص ۵۹۳۔ ۵۹۵)

[۴] سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ (۳: ۱۱۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

جرح تعدیل پر مقدم ہوا کرتی ہے خصوصاً جب مفسر ہو۔[۱]

نیز لکھتے ہیں:

راجح اور صحیح نقادانِ فن کی نظر میں یہی ہے کہ جرح مفسر اور تعدیل کا تعارض ہو تو جرح کو ترجیح ہے، عام اس سے کہ معدلین زائد ہوں یا کم۔[۲]

مولانا محب اللہ راشدی (م ۱۴۱۵ھ) لکھتے ہیں:

جرح خصوصاً مبین اور مفسر تعدیل پر مقدم ہوتی ہے۔[۳]

مولانا بدیع الدین راشدی (م ۱۴۱۶ھ) لکھتے ہیں:

جرح مفسر ہر حال میں تعدیل پر مقدم ہوتی ہے، جیسا کہ عام اہل فن نے ذکر کیا ہے۔[۴]

مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں: جب کہ جرح مفسر کی موجودگی میں توثیق معتبر نہیں۔[۵]

خود زبیر علی زئی لکھتے ہیں: اگر جرح مفسر اور تعدیل مفسر باہم برابر ہو تو جرح مقدم ہوگی۔[۶]

پس جب علمائے غیر مقلدین (بشمول زبیر علی زئی) کے اصولوں کی روشنی میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ عیسیٰ بن جاریہ پر کی گئی ائمۂ حدیث کی جرح مفسر اور نہایت سخت ہے، تو پھر اس کے مقابلے میں اگر اس کی کچھ تھوڑی بہت توثیق ثابت بھی ہو جائے تو وہ بقول علمائے غیر مقلدین جرح مفسر کے مقابلے میں غیر معتبر ہے۔ لہٰذا عیسیٰ بن جاریہ اصولاً ضعیف ٹھہرے۔

---

[۱] التحقیق الراسخ (ص ۱۱۴)

[۲] التحقیق الراسخ (ص ۱۷۲)، خیر الکلام (ص ۴۵)

[۳] فتاویٰ راشدیہ (ص ۳۲۶)

[۴] مقالاتِ راشدیہ (۶: ۴۳۴)

[۵] توضیح الکلام (۲: ۲۷۱)

[۶] نور العینین (ص ۴۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ابن جاریہ ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ متفرد بھی ہے:

یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ عیسیٰ بن جاریہ ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ اس حدیث کو روایت کرنے میں منفرد بھی ہے، اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا راوی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس زیادت (آٹھ رکعات) کو نقل نہیں کرتا۔ چنانچہ امام طبرانیؒ (م ۳۶۰ھ) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"لَا يُرْوَى عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رضي الله عنه إِلَّا بِهٰذَا الْإِسْنَادِ۔"[۱]

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے یہ آٹھ رکعات کی حدیث اس (عیسیٰ بن جاریہ کی) سند کے علاوہ کسی اور سند سے مروی نہیں ہے۔"

اور اصولِ حدیث کا یہ قاعدہ (جس کو غیر مقلدین بھی تسلیم کرتے ہیں[۲]) ہے کہ ضعیف راوی کی منفرد حدیث قابل قبول نہیں ہوتی، بالخصوص جب کہ آنحضرت ﷺ کی تین راتوں کی باجماعت نماز کو نقل کرنے والے (حضرت ابوذر، حضرت انس، حضرت زید بن ثابت، حضرت عائشہ، حضرت جابر اور حضرت نعمان بن بشیر و دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم) متعدد حضرات ہیں، لیکن ان میں سے کسی ایک کی بھی روایت میں رسول اللہ ﷺ کی نمازِ تراویح کی تعداد گیارہ رکعات منقول نہیں، اب اس زیادت (گیارہ رکعت) کو روایت کرنے والا عیسیٰ بن جاریہ اگر بالفرض ثقہ ہے تو بھی باقرار غیر مقلدین اس کی یہ روایت شاذ ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے، اور اگر وہ ضعیف ہے (جو کہ یقیناً ہے) تو پھر اس کی یہ روایت منکر ہونے کی وجہ سے پرلے درجے کی ضعیف ہے۔ چنانچہ غیر مقلدین کے محقق اعظم مولانا نواب صدیق حسن خانؒ (م ۱۳۰۷ھ) نے بعض روایات میں دو سجدوں کے درمیان رفع یدین کی جو زیادت منقول ہے، اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

اگر ثقہ کی روایت بھی ہے تو وہ شاذ ہے، اور شاذ ضعیف کی اقسام سے ہے، اور اگر غیر ثقہ کی

---

[۱] المعجم الصغیر (۱:۱۹۰)

[۲] مجموعہ فتاوی مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری (ص ۵۲۴)، فتاوی حصاریہ (۱:۱۲۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

روایت ہے تو وہ منکر ہے، اور منکر کا ضعف تو شاذ سے بھی اشد ہے۔[۱]

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری (م ۱۳۵۳ھ) بحوالہ امام ابن عدیؒ (م ۳۶۵ھ) امام اعظم ابوحنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) کی ایک روایت کے متعلق لکھتے ہیں:

اس حدیث میں ابوحنیفہ نے جابر بن عبداللہؓ کو زیادہ کیا ہے۔[۲]

امام اعظمؒ جیسے جلیل المرتبت شخص کی اس زیادت کو مولانا مبارکپوری ضعیف قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

پس امام ابوحنیفہ اگر ثقہ ہیں تو یہ طریق شاذ ہوا، اور اگر ضعیف ہیں تو یہ طریق منکر ہوا۔ اور شاذ اور منکر اقسام ضعاف سے ہیں۔[۳]

مولانا بشیر سہسوانی (م ۱۳۲۶ھ) نے یہ اصول کہ: جب ارسال اور وصل کے دونوں راوی ثقہ ہوں تو دونوں روایتیں صحیح سمجھی جائیں گی، اور وصل کو ترجیح دی جائے گی، اس لیے کہ وصل زیادت ہے۔[۴] بیان کرنے کے باوجود امام اعظمؒ کی موصول (مُسند) روایت کو ضعیف قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

اور اگر ثقہ ہونا اُن (امام اعظمؒ) کا تسلیم کر لیا جاوے، تو بھی یہ حدیث جابر ضعیف ہے۔ بسبب شذوذ کے، کیونکہ امام صاحب نے ثقات اثبات کے خلاف اس حدیث کو مُسند (موصول بیان) کیا ہے۔[۵]

بنابریں عیسیٰ بن جاریہ اگر بالفرض ثقہ ہے تو بھی اس کی یہ روایت شاذ ہونے کی وجہ

---

[۱] دلیل الطالب (ص ۲۹۵)، فتاویٰ علمائے حدیث (۳:۲۲۸)

[۲] تحقیق الکلام (۲:۱۳۹)

[۳] ایضاً (۲:۱۳۸)

[۴] البرھان العجاب (ص ۱۶۵)

[۵] ایضاً (ص ۲۷۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

سے ضعیف ہے، اور اگر ضعیف ہے (جوکہ یقیناً ہے) تو پھر اس کی یہ روایت منکر ہونے کی وجہ سے نہایت ضعیف ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ:

مولانا نذیر احمد رحمانی (م ۱۳۸۵ھ) لکھتے ہیں:

عیسیٰ بن جاریہ کا تفرد غیر مقبول نہیں، کیونکہ اس کے تفرد کی صورت یہ ہے کہ اس نے ایک ایسی بات بیان کی ہے جس کے بیان سے دوسرے راوی ساکت ہیں، اور محدثین (حافظ ابن الصلاح وغیرہ) نے تصریح کی ہے کہ منفرد راوی جو حفظ وضبط کے اعلیٰ درجہ پر اگرچہ فائز نہ ہو، لیکن وہ حفظ وضبط کے اعتبار سے بہت گرا ہوا بھی نہ ہو تو اس منفرد راوی کی زیادتی، بشرطیکہ اپنے سے اَوثق راوی کی روایت کے مخالف نہ ہو تو وہ مقبول ہے۔ اس بیان کے لحاظ سے عیسیٰ کا یہ تفرد غیر مقبول نہیں کہا جا سکتا۔ اس لیے کہ جو جرحیں اس پر کی گئی ہیں وہ سب غیر مقبول اور غیر ثابت ہیں، اور ان کے مقابلے میں اس کی تعدیل وتوثیق معتبر ہے۔ لہٰذا حفظ وضبط کے اعتبار سے اگر وہ بہت اعلیٰ درجہ پر نہ ہو تو بہت گرا ہوا بھی نہیں ہے۔ بنا بریں اس کی یہ حدیث کم سے کم حسن ہوگی، ضعیف یا منکر نہیں۔ نیز جب یہ ثابت ہو چکا کہ عیسیٰ ثقہ راوی ہے، اور اس نے ایک زائد بات بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے آٹھ رکعات با جماعت پڑھی تھی، اور یہ بات دوسرے راوی بیان نہیں کرتے تو حافظ ابن حجر کے بیان کے مطابق اس کی یہ زیادت راجح اور مرجوح کا مقابلہ کئے بغیر مقبول ہو گی، اور اس زیادت میں اس کا متفرد ہونا ہرگز اس کی روایت کے لیے کسی قدح کا موجب نہیں ہے۔[۱]

جواب:

رحمانی صاحب کا یہ نرا وہم اور مغالطہ ہے کہ عیسیٰ بن جاریہ ثقہ راوی ہے، اور اس پر کی

---

[۱] محصلہ انوار المصابیح (ص ۱۲۱ تا ۱۲۵)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

گئی تمام جرحیں غیر مقبول ہیں۔ابن جاریہ جس پایہ کا ثقہ راوی ہے اس کی حقیقت تو ہم اچھی طرح تشت از بام کر آئے ہیں، اور یہ بات بھی خود علمائے غیر مقلدین کے تسلیم شدہ اصولوں کی روشنی میں ہم ثابت کر چکے ہیں کہ اس پر ائمہ حدیث کی طرف سے اتنی سخت اور معتبر جرحیں کی گئی ہیں کہ ایسے راوی کی روایت سے استدلال تو کجا اس کی روایت متابعت میں پیش کرنے کے بھی قابل نہیں۔لہٰذا ایسے راوی کا تفرد قبول نہیں کیا جا سکتا۔

ثانیا: بالفرض اگر مان لیا جائے کہ عیسیٰ بن جاریہ ثقہ راوی ہے، لیکن یہ بات تو رحمانی صاحب کو بھی تسلیم ہے کہ وہ حفظ وضبط کے اعلیٰ درجہ پر فائز نہیں ہے۔[۱] تو پھر ایسے راوی کی زیادتی کیسے معتبر ہو سکتی ہے؟ کیونکہ خود علمائے مقلدین نے ثقہ راوی کی زیادت اور تفرد کے قبول ہونے کے لیے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ راوی احفظ واتقن (اعلیٰ درجہ کا حافظ الحدیث اور انتہائی پختہ کار محدّث) ہو۔چنانچہ رحمانی صاحب کے ہم مسلک اور ہم استاذ مولانا ارشاد الحق اثری صاحب لکھتے ہیں:

صحیح قول یہ ہے کہ ثقہ کی زیادتی مطلقاً قبول نہیں، بلکہ اس کا مدار قرائن پر ہے، اور قبولیت میں شرط اول یہ ہے کہ زیادت کرنے والا احفظ واتقن ہو۔[۲]

مولانا محمد گوندلوی صاحب (م ۱۴۰۵ھ) جو رحمانی صاحب کے استاذ ہیں، فرماتے ہیں:

باقی رہا زیادتی ثقہ کا قبول وعدم قبول، سو ثقہ کی زیادتی مطلقاً قبول نہیں ہوتی، کسی جگہ ہوتی ہے اور کسی جگہ نہیں۔کیوں کہ ثقہ غلطی کر جاتا ہے: ''اِنَّ الثِّقَةَ قَدْ یَغْلُطُ'' مشہور مقولہ ہے۔[۳]

نیز گوندلوی صاحبؒ علامہ ابن عبد البرؒ (م ۴۶۳ھ) سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[۱] انوار المصابیح (ص ۱۲۳)

[۲] توضیح الکلام (۲:۲۶۱)

[۳] التحقیق الراسخ (ص ۱۲۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

"اِنَّمَا تُقْبَلُ اِذَا كَانَ رَاوِيْهَا اَحْفَظَ وَاَتْقَنَ الخ۔"[۱]

"یعنی ثقہ راوی کی زیادتی اس وقت قبول کی جاتی ہے جب اس زیادتی کا راوی احفظ اور اتقن (اعلیٰ درجہ کا حافظ و نہایت پختہ کار) ہو۔"

اور مولانا رحمانیؒ نے حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) وغیرہ کا جو حوالہ دیا ہے، اس کا رد کرتے ہوئے بزرگ غیر مقلد عالم مولانا بشیر سہسوانی (م ۱۳۲۶) نے لکھا ہے:

اور یہ مخالفت اعم ہے اس سے کہ مُنافیہ ہو یا غیر منافیہ، اور حافظ ابن حجر وغیرہ متاخرین نے جو قید منافیہ کی بڑھائی ہے، یہ قید متقدمین سے منقول نہیں ہے۔[۲]

اور پھر اس پر بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

یہاں سے معلوم ہوا کہ متقدمین محدثین کے نزدیک شذوذ میں صرف مخالفت معتبر ہے، نہ (کہ) منافات، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ متقدمین کے نزدیک اعتبار ترجیح کا ہے، اور مقتضائے دلیل بھی یہی ہے۔[۳]

مولانا محب اللہ راشدی (م ۱۴۱۵ھ) لکھتے ہیں:

محدثین کرامؒ عام طور پر ایسی روایات کو شاذ وغیر محفوظ قرار دیتے ہیں جن کا سیاق ان سے زیادہ روایات کے مخالف ہو، یا اس راوی کا سیاق اپنے سے احفظ واوثق سے مخالف ہو، گو ان میں ایسی منافات نہ ہو کہ ان کا جمع بھی نہ ہو سکتا ہو۔[۴]

مولانا عبید اللہ مبارکپوری (م ۱۴۱۴ھ) اس موضوع پر محدثین کی عبارات ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

معلوم ہوا کہ عدمِ منافاۃ کی شرط کے ساتھ زیادت والے ثقہ راوی کا احفظ، یا حافظ ضابط

---

[۱] ایضاً (ص ۱۴)

[۲] البرھان العجاب (ص ۲۳۵)

[۳] ایضاً (ص ۲۳۷)

[۴] مقالاتِ راشدیہ (۹: ۳۸۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

متقن ہونا ضروری ہے، صرف صدوق ہونا کافی نہیں، لیکن ان دونوں شرطوں کے تحقق کی صورت میں بھی زیادتِ ثقہ مطلقاً مقبول نہیں ہوا کرتی، اگر مطلقاً مقبول ہو تو کسی حدیث میں زیادت پر معلول کا حکم لگانا صحیح نہ ہو۔[۱]

غیر مقلدین حضرات کی ناانصافی اور ان کا دوغلا پن ملاحظہ کریں کہ مسئلہ رفع یدین اور قرأت خلف الامام میں تو وہ سفیان ثوریؒ[۲]، وَکیع بن الجراح[۳] اور سلیمان تیمیؒ[۴] جیسے بالاتفاق ثقہ راویوں کی زیادت کو قبول نہیں کرتے، اور یہاں مسئلہ تراویح میں اپنے مطلب برآری کے لیے ابن جاریہ جیسے ضعیف و متروک راوی کی زیادت کو بڑے طمطراق سے قبول کر رہے ہیں۔

مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری (م ۱۴۱۴ھ) صاحب ''مرعاۃ المفاتیح'' لکھتے ہیں:

جناب مجیب نے ''شرح نخبہ'' اور ''مقدمہ ابن الصلاح'' کی عبارات متعلقہ قبول زیادتِ ثقہ غیر معارض (مولانا نذیر رحمانی نے بھی ان ہی عبارات سے استدلال کیا ہے۔ناقل) سے جن کو انہوں نے اپنے جواب میں نقل کیا ہے، یہ سمجھ رکھا ہے کہ ثقہ

---

[۱] فتاوی عبیداللہ مبارکپوری (۱:۳۵۸)

[۲] مولانا محمد گوندلوی ؒ(م ۱۴۰۵ھ)، امام سفیان ثوریؒ کی روایت کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

سفیان اس لفظ میں اپنے جملہ ساتھیوں سے متفرد ہیں۔التحقیق الراسخ (ص ۱۱۰)

اور پھر آگے جا کر لکھتے ہیں: زیادتی ثقہ کی مطلقاً مقبول نہیں ہوا کرتی، اگر مطلقاً مقبول ہو تو کسی حدیث کی زیادتی پر معلل کا حکم لگانا صحیح نہ ہو۔ایضاً (ص ۱۱۱)

[۳] مولانا عبدالمنان نور پوری (م ۱۴۳۳ھ) لکھتے ہیں: چند منٹ کے لیے ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ جملہ: ''ثُمَّ لَا یَعُوْدُ'' حضرت وکیع کی زیادت کے باب سے ہی ہے، لیکن ثقہ کی زیادت کا مقبول ہونا کوئی قاعدہ کلیہ نہیں، چنانچہ اصول حدیث میں اس کی تفصیل موجود ہے۔مکالمات نور پوری (ص ۶۰۹)

[۴] مولانا سہسوانیؒ (م ۱۳۲۶ھ) سلیمان تیمیؒ کی زیادت کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

سلیمان نے ذکر اس زیادت کا کیا ہے (جس کو) اور ثقات نے نہیں کیا، اور مخالفت کو بمعنی منافات کے لینا جیسا کہ متاخرین نے کیا ہے، غلط ہے۔البرھان العجاب (ص ۲۳۸)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کی ہر غیر معارض زیادت مطلقاً محفوظ و مقبول ہوتی ہے، حالانکہ یہ غلط ہے۔ اگر یہ قاعدہ کلیہ بغیر کسی استشہاد تخصیص و قید کے ہے تو پھر عبادہ بن صامت (رضی اللہ عنہ) کی حدیث بابت قراءۃ خلف الامام میں "فَصَاعِدًا" (عند مسلم والنسائی) کی زیادت، اور ابو ہریرہ اور ابو موسیٰ اشعری (رضی اللہ عنہما) کی حدیث میں وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوْا (عند مسلم وابی داود وغیرھما) کی زیادت محفوظ و مقبول ہونی چاہیے، کیونکہ یہ دونوں زیادات ثقہ سے مروی ہیں، اور دوسرے ثقات کی روایات کے معارض نہیں ہیں، لیکن یہ معلوم ہے کہ یہ دونوں زیادات ائمہ نقاد شافعی، احمد، ابن معین، بخاری، دارقطنی وغیرہم کے نزدیک غیر مقبول ہیں۔ [۱]

اندازہ لگائیں کہ "صحیح مسلم" وغیرہ میں بالاتفاق ثقہ راویوں کی غیر معارض زیادات تو ان غیر مقلدین کے نزدیک مقبول نہیں ہیں، لیکن عیسیٰ بن جاریہ جیسے منکر الحدیث اور متروک راوی کی زیادت ان کے ہاں قابل قبول ہے۔

خامہ انگشت بدنداں ہے کہ اسے کیا لکھیے
ناطقہ سر بہ گریباں کہ اسے کیا کہیے

ثالثاً: مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری (م ۱۳۵۳ھ) ارقام فرماتے ہیں:

"وَكُلُّ زِيَادَةٍ حَكَمَ عَلَيْهَا النُّقَّادُ بِأَنَّهَا غَيْرُ مَحْفُوْظَةٍ فَهِيَ غَيْرُ مَقْبُوْلَةٍ۔" [۲]

(ثقہ راوی کی) ہر وہ زیادت جس پر نقاد محدثین غیر محفوظ ہونے کا حکم لگائیں وہ غیر مقبول ہوتی ہے۔

اور چونکہ عیسیٰ بن جاریہ کی مذکورہ حدیث پر امام ابن عدی (م ۳۶۵ھ) جیسے محدث

---

[۱] فتاوی عبید اللہ مبارکپوری (۱:۴۴۵)

[۲] ابکار المنن (ص ۲۱۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ناقد (جن کو خود غیر مقلدین بھی قابل اعتماد اور معتدل امام قرار دیتے ہیں) اور نامور محدث امام محمد بن طاہر مقدسیؒ (م ۵۰۷ھ) نے غیر محفوظ ہونے کا حکم لگایا ہے، لہٰذا اگر بالفرض ابن جاریہ ثقہ ہے بھی تو پھر بھی اس کی یہ حدیث ناقابلِ قبول ہے۔

روایت جابرؓ کے دوسرے راوی یعقوب قُمی کا تعارف

عیسیٰ بن جاریہ سے اس حدیث کو روایت کرنے والا یعقوب بن عبداللہ اشعری قُمی (م ۱۷۴ھ) بھی اپنی روایت میں منفرد ہے، اور وہ ایک ضعیف اور شیعہ راوی ہے، چنانچہ

① امام احمد بن ابوبکر بوصیریؒ (م ۸۴۰ھ) مابعد حدیث جس کی سند بعینہٖ وہی ہے جو مذکورہ حدیث کی ہے، کے متعلق ارقام فرماتے ہیں:

”وَمَدَارُ اِسْنَادِ حَدِيْثِ جَابِرٍ هٰذَا عَلٰى يَعْقُوْبَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْاَشْعَرِيِّ، وَهُوَ ضَعِيْفٌ۔“[۱]

”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کا دارومدار یعقوب بن عبد اللہ اشعری پر ہے، اور وہ ضعیف ہے۔“

② شیخ الاسلام امام تقی الدین علی بن عبدالکافی سُبکیؒ (م ۷۵۶ھ) نے مذکورہ حدیث کو عیسیٰ بن جاریہ اور اس کے شاگرد یعقوب قُمی مذکور کی وجہ سے انتہائی درجہ کی ضعیف قرار دیا ہے۔ جیسا کہ عیسیٰ بن جاریہؒ کے تعارف میں بحوالہ گزرا ہے۔

③ محدث شہیر امام علی بن عمر دار قُطنیؒ (م ۳۸۵ھ) جن کو مولانا مبارکپوری (م ۱۳۵۶ھ) اور مولانا بدیع الدین راشدی (م ۱۴۱۶ھ) وغیرہ علمائے غیر مقلدین نے معتدل امام قرار دیا ہے[۲]۔ آں موصوف یعقوب قُمی کی ایک روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

---

[۱] اتحاف الخیرۃ المہرۃ (۲: ۴۲۳) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

[۲] ابکار المنن (ص ۱۷۰)، مقالاتِ راشدیہ (۵: ۴۲۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

”وَيَعْقُوبُ الْقُمِّيُّ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ۔“[۱]

”یعقوب قمی (روایت حدیث میں) قوی نہیں ہے۔“ [۲]

---

[۱] کتاب العلل (۱:۲۱۱) طبع مؤسسة الریان بیروت۔

[۲] اشکال: کفایت اللہ سنابلی صاحب لکھتے ہیں: لیس بالقوی جرح قادح نہیں ہے، اور اس سے راوی کا عام معنیٰ میں ضعیف ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ انوار التوضیح (ص ۱۳۷)۔

جواب: مولانا عبد اللہ غازی پوریؒ (م ۱۳۳۷ھ) جو مبارکپوری صاحب وغیرہ کبار علمائے غیر مقلدین کے استاذ ہیں، ایک راوی کے متعلق لکھتے ہیں: حاکم نے دار قطنی سے روایت کی ہے کہ یہ راوی (لیس بالقوی) قوی نہیں ہے، اور صحت حدیث کے لیے اس کے کل راویوں کا قوی (عادل وضابط) ہونا ضروری ہے۔ پس جب اس حدیث کا راوی قوی نہیں تو یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ مجموعہ فتاویٰ غازی پوری (ص ۳۱۷، نیز دیکھئے ص ۳۷۵)

مولانا مبارکپوری (م ۱۳۵۳ھ) ایک روایت کے بارے میں لکھتے ہیں: مگر یہ روایت ضعیف ہے، اس کا ایک راوی ابو معشر قوی نہیں ہے، چنانچہ خود دار قطنی اس حدیث کے بعد لکھتے ہیں: أَبُوْ مَعْشَرٍ هُوَ نَجِيْحٌ، لَيْسَ بِالْقَوِيِّ۔ مجموعہ فتاویٰ مبارکپوری (ص ۳۰۶) نیز دیکھئے (ص ۵۹۸)

شیخ عبد الرحمٰن معلمی (م ۱۳۸۶ھ) بھی امام دار قطنیؒ کی اس جرح کو راوی کے ضعیف ہونے کا موجب سمجھتے ہیں۔ حاشیہ الفوائد المجموعۃ (ص ۱۰۴)

مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ (م ۱۳۲۹ھ) بھی اس جرح کے حامل راوی کی حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ مجموعہ مقالات و فتاویٰ (ص ۵۸۴)

مولانا بدیع الدین راشدی (م ۱۴۱۶ھ) ایک راوی کے بارے میں ”لیس بالقوی“ کی جرح نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: یعنی اس سے حجت نہیں لی جا سکتی۔ مقالاتِ راشدیہ (۷:۱۸۵) نیز دیکھئے نقض قواعد فی علوم الحدیث (ص ۳۳۶، ۳۴۷)

مولانا محب اللہ راشدی (م ۱۴۱۵ھ) نے بھی ایک راوی کے متعلق یہ جرح نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: وہ راوی قوی نہیں، بلکہ ضعیف ہے۔ مقالات راشدیہ (۹:۱۷۱)

نیز لکھتے ہیں: اس روایت کی سند میں سعید بن عبد الجبار ہے، یہ بھی امام نسائی کے بقول قوی نہیں ہے، یہی سبب ہے کہ حافظ ابن حجر نے بھی تقریب التہذیب میں اس کو ضعیف کہا ہے۔ ایضاً (ص ۱۷۲)

اور خود سنابلی صاحب نے امام ابن عبد البرؒ سے ابو شیبہؒ کے متعلق ”لَيْسَ بِالْقَوِيِّ“ کی جرح نقل کرتے ہوئے لکھا ہے: اس حدیث کا دارومدار ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان پر ہے، اور وہ قوی نہیں ہے۔ انوار التوضیح (ص ۳۲۱)

نیز ایک روایت پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اسی طرح اس میں بھی ایک بہت مشہور اور سخت ضعیف راوی احمد بن عیسی الخشاب موجود ہے۔ خود حافظ ابن حجر نے اس کے بارے میں کہا: احمد بن عیسیٰ التنیسی المصری لیس بالقوی... چار دن قربانی کی مشروعیت (ص ۲۱)

لہٰذا سنابلی صاحب کا اس جرح کو غیر قادح قرار دینا خود اپنی اور اپنے اکابر کی تصریحات کی روشنی میں باطل ہو گیا۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

نیز امام موصوف اس کی ایک اور روایت کے متعلق لکھتے ہیں:

”وَيَعْقُوبُ وَأَبُو سَيْفٍ ضَعِيفَانِ، وَلَا يَصِحُّ هٰذَا عَنِ الْأَعْمَشِ“[۱]

”اس حدیث کے دونوں راوی یعقوب قمی اور ابو سیف ضعیف ہیں، لہٰذا یہ حدیث اعمشؒ سے صحیح (سند سے ثابت) نہیں ہے۔“[۲]

---

[۱] کتاب العلل (۱۱۶:۷)

[۲] اشکال: سنابلی صاحب امام دارقطنیؒ کے مذکورہ قول کے متعلق لکھتے ہیں: ضعیف غیر مفسر جرح ہے، اور امام دارقطنی ہی کے دوسرے قول میں اس کی تفسیر بھی آگئی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں: لیس بالقوی۔ یہ بہت زیادہ قوی نہیں ہے...

الغرض امام دارقطنیؒ کے اس دوسرے قول سے معلوم ہوا کہ ضعیف کہنے سے امام دارقطنیؒ کی مراد حافظے میں معمولی کمی بتلانا ہے، نہ کہ عام معنیٰ میں ضعیف بتلانا۔ انوار التوضیح (ص ۱۴۷)

جواب: ”لیس بالقوی“ سے متعلق خود سنابلی صاحب اور ان کے اکابر کی تصریحات گزر چکی ہیں کہ یہ ایک وزنی جرح ہے، اور اس سے راوی مطلقاً (عدل وضبط دونوں اعتبار سے) ضعیف قرار پاتا ہے، سنابلی صاحب کا انصاف ملاحظہ ہو کہ انہوں نے ابو شیبہؒ کے خلاف وارد ”لَيْسَ بِالْقَوِي“ کا ترجمہ کیا ہے: وہ قوی نہیں ہے، اور اس جرح کے حامل احمد خشاب کو سخت ضعیف قرار دیا ہے، جب کہ یہاں وہ اپنے پسندیدہ راوی قمی کے متعلق اس قول کا ترجمہ کر رہے ہیں: یہ بہت زیادہ قوی نہیں ہے، اور پھر اس کی بنیاد پر امام دارقطنیؒ کے قمی سے متعلق دوسرے قول: ”ضعیف“ کو عام معنی سے پھیر کر اس کو حافظے کی معمولی کمی پر محمول کر رہے ہیں۔ واعجبا۔

نیز سنابلی صاحب یہاں تو امام دارقطنیؒ کے قول ”ضعیف“ کو ان کے دوسرے قول ”لیس بالقوی“ کی وجہ سے اس کے عام معنی سے خارج قرار دے رہے ہیں۔ جب کہ آنجناب نے دوسری جگہ اپنے ایک پسندیدہ راوی کے متعلق امام بیہقیؒ کے قول ”لیس بالقوی“ کو ان کے اس راوی کے متعلق دوسرے قول ”ضعیف“ کی وجہ سے ضعیف کے عام معنی پر محمول کر دیا ہے، اور لکھا ہے کہ: صحیح بات یہی ہے کہ امام بیہقیؒ نے بھی اسے ضعیف ہی کہا ہے۔ انوار البدر (ص ۲۸۴)

ایک جا رہتے نہیں عاشق بدنام کہیں
شام کہیں صبح کہیں، صبح کہیں شام کہیں

نیز امام دارقطنیؒ نے قمی کو ضعیف قرار دے کر اس کی حدیث کو بھی غیر صحیح (ضعیف) کہا ہے، تو اب سنابلی صاحب خود ہی از روئے انصاف بتلائیں کہ کیا معمولی حافظے کی کمی والے راوی کی حدیث ضعیف ہوتی ہے؟

نیز امام ابن عبد البرؒ (م ۴۶۳ھ) نے ابو شیبہؒ کی بیس رکعات والی حدیث کو نقل کر کے لکھا ہے:

وَلَيْسَ أَبُو شَيْبَةَ بِالْقَوِيِّ عِنْدَهُمْ۔ الاستذکار (۶۹:۲) تو کیا اب سنابلی صاحب اس کا ترجمہ یہ کریں گے کہ:

ابو شیبہؒ محدثین کے ہاں بہت زیادہ قوی نہیں ہے۔

اور پھر اس کی بنیاد پر یہ کہیں گے کہ محدثین نے اس پر جو جرح کی ہے، اس سے ان کی مراد حافظے میں معمولی کمی بتلانا ہے، نہ کہ عام معنیٰ میں ضعیف بتلانا۔

ع بندہ پرور منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر

رہا ان کا ضعیف کو جرح غیر مفسر قرار دینا، تو عرض ہے کہ یعقوب قمی اس حدیث کو روایت کرنے میں متفرد ہیں، اور عنقریب بحوالہ علمائے غیر مقلدین گزرا ہے کہ ضعیف راوی کا تفرد ناقابل حجت ہوتا ہے۔ نیز خود سنابلی صاحب نے ابو شیبہؒ کے خلاف امام ابن سعدؒ، امام ابوزرعہؒ، اور امام ابن عدیؒ سے یہی ضعیف کی جرح نقل کی ہے۔ انوار التوضیح (ص ۳۱۰، ۳۱۱) اب اس کا جو جواب وہ دیں گے وہی جواب وہ یہاں ہماری طرف سے بھی تصور کر لیں۔ فما هو جوابكم فهو جوابنا۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

④ نامور صاحب تصانیف محدث امام ابوالفرج عبدالرحمٰن ابن الجوزیؒ (م ۵۹۷ھ) نے یعقوب قمی کو ضعیف اور متروک راویوں میں ذکر کر کے اس کے خلاف جرح نقل کی ہے۔[۱]

⑤ محدث کبیر، مؤرخ شہیر امام عماد الدین ابن کثیرؒ (م ۷۷۴ھ) یعقوب قمی کی روایت کردہ ایک حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

"وَهٰذَا غَرِيْبٌ جِدًّا، وَاِسْنَادُهٗ وَرِجَالُهٗ ثِقَاتٌ اِلَّا يَعْقُوْبُ، فَاِنَّهُ الْقُمِّيُّ فِيْمَا يُغْلَبُ عَلَى الظَّنِّ وَهُوَ شِيْعِيٌّ، فَلَعَلَّ الْاٰفَةَ مِنْهُ۔"[۲]

"یہ بہت زیادہ غریب روایت ہے، اور اس کے سارے راوی ثقہ ہیں، سوائے یعقوب کے، جو کہ غالب گمان میں قمی ہے، اور شاید یہ آفت (غلط روایت) بھی اسی کی وجہ سے ہے۔"

یعنی امام ابن کثیرؒ کے نزدیک یہ شیعہ ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی درجے کا ضعیف بھی ہے۔

نیز امام ابن کثیرؒ نے یہاں اس کی روایت کو غریب جداً (انتہائی درجہ کی غریب) کہا ہے، جب کہ ایک روایت کے متعلق امام موصوف نے صرف وَهٰذَا غَرِيْبٌ کہا، تو زبیر علی زئی نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا کہ:

حافظ ابن کثیر نے وَهٰذَا غریب کہہ کہ اس کے غلط و باطل ہونے کی طرف اشارہ کر دیا۔[۳]

اب بقول زبیر صاحب: ابن کثیرؒ کے کسی روایت کو صرف غریب کہنے سے وہ

---

[۱] کتاب الضعفاء والمتروکین (۲:۲۱۶)

[۲] البدایۃ والنھایۃ (۵:۲۶۸) طبع دار الفکر بیروت

[۳] نور العینین (ص ۳۸)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

روایت غلط و باطل سمجھی جاتی ہے، تو پھر جس راوی کی روایت کو انھوں نے ''غریب جدا'' قرار دیا ہے، اس کی روایت کتنی زیادہ غلط اور باطل ہوگی۔ اور وہ خود راوی کس قدر ضعیف ہوگا، اس کا فیصلہ خود غیر مقلدین کر لیں۔

ع بندہ پرور منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر

نیز مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ (م ۱۳۲۹ھ) ایک حدیث سے متعلق امام زیلعیؒ (م ۷۶۲ھ) کے قول (غریب) کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

وہ غریب یعنی ضعیف ہے۔[۱]

شیخ البانی (م ۱۴۲۰ھ) ''غریب'' کا مطلب بیان کرتے ہیں: لَا اَصْلَ لَهٗ[۲]۔ کہ اس کوئی اصل نہیں۔

بنابریں امام ابن کثیرؒ کے مذکورہ قول کا مطلب ہوگا: اس کی حدیث بہت زیادہ ضعیف اور بے اصل ہے۔

علاوہ ازیں امام ابن کثیرؒ نے قُمی کی مذکورہ حدیث کے متعلق یہ بھی لکھا ہے:

''وَهٰذَا الْحَدِيْثُ مُنْكَرٌ جِدًّا، وَفِيْ اِسْنَادِهٖ ضَعْفٌ، يَعْقُوْبُ هٰذَا هُوَ الْقُمِّيُّ وَفِيْهِ تَشَيُّعٌ، وَمِثْلُ هٰذَا لَا يُقْبَلُ تَفَرُّدُهٗ بِهٖ۔''[۳]

''یہ روایت انتہائی منکر ہے، اور اس کی سند میں ضعف ہے، اور (اس کا راوی) یعقوب جو کہ قُمی ہے، (ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ) شیعہ بھی ہے، اور ایسے راوی کا تفرد نا قابل قبول ہوتا ہے۔''

---

[۱] مجموعہ مقالات وفتاوی (ص ۵۶۴)

[۲] ارواء الغلیل (۵:۱۰۳)

[۳] البدایۃ والنھایۃ (۶:۱۰۶)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اور چونکہ یعقوب قُمی مذکورہ روایت میں بھی متفرد ہے، اور اس کی یہ روایت اجماع صحابہؓ وتعاملِ امت کے بھی خلاف ہے، لہٰذا اس کی یہ روایت بھی منکر اور غیر معتبر ہے۔

(٦) محدث ناقد امام شمس الدین ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) نے اس کو ضعیف ومتروک راویوں میں ذکر کر کے اس کے خلاف جرح نقل کی ہے۔[۱]

نیز امام ذہبیؒ نے اس کی روایت (جس پر حافظ ابن کثیرؒ نے بھی نقد کیا ہے) کے متعلق لکھتے ہیں:

"وَفِي إِسْنَادِهِ مَقَالٌ"[۲]

"اس کی سند میں کلام ہے"

نامور غیر مقلد عالم مولانا ابوالحسن سیالکوٹی نے فِيهِ مَقَالٌ کا مطلب بیان کیا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔[۳]

شیخ البانیؒ (م ۱۴۲۰ھ) نے تصریح کی ہے کہ حافظ ذہبیؒ کے اس روایت پر نقد کرنے کی وجہ اس کی سند میں دو راویوں جعفر بن ابی المغیرہ اور یعقوب قُمی کا ہونا ہے، اور یہ دونوں اگرچہ صدوق ہیں، لیکن وہمی ہیں۔[۴]

(٧) شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) قُمی کے متعلق لکھتے ہیں:

"صَدُوقٌ يَهِمُ"[۵]

"سچا ہے، لیکن (روایت کرنے میں) وہم کا شکار ہو جاتا ہے"

---

[۱] دیوان الضعفاء والمتروکین (۲:۴۶۷)

[۲] سیر اعلام النبلاء (۳:۳۷۵، ترجمہ حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ)

[۳] الظفر المبین (ص ۹۳)

[۴] سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ (۷:۲۹۶)

[۵] تقریب التھذیب (۲:۳۳۸)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

شیخ البانیؒ (م ۱۴۲۰) نے قُمی کی وجہ سے اس کی روایت کردہ ایک حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، اور قُمی کے ضُعف کے ثبوت میں انہوں نے حافظ ابن حجرؒ کا یہ مذکورہ قول پیش کیا ہے، چنانچہ البانیؒ لکھتے ہیں:

"وَيَعْقُوْبُ الْقُمِّيُّ، وَهُوَ ابْنُ عَبْدِ اللهِ صَدُوْقٌ يَهِمُ، كَمَا فِي التَّقْرِيْبِ۔"[۱]

"یعقوب بن عبد اللہ قُمی سچا ہے، لیکن وہمی ہے، جیسا کہ "تقریب التھذیب" میں ہے۔"

(۸) علامہ محمد بن علی شوکانیؒ (م ۱۲۵۰ھ) جن کے تعارف میں مولانا عبد اللہ روپڑیؒ (م ۱۳۸۴ھ) لکھتے ہیں: امام محمد بن علی شوکانی، متاخرین اہل حدیث میں یہ عالم بھی ایک بے مثل، جامع و ماہر جمیع فنون اصول و فروع، معقول و منقول اور مجتہد مطلق گزرے ہیں... ان کا ایک رسالہ "القول المفید فی رد التقلید" بھی ہیں، ان کے اکتساب سے ہزارہا لوگ اہل حدیث ہوئے[۲]

غیر مقلدین کے یہ بڑے امام بھی یعقوب قُمی کو ضعیف سمجھتے ہیں، چنانچہ اس کی ایک روایت سے متعلق لکھتے ہیں:

" وَفِيْ إِسْنَادِهِ يَعْقُوْبُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْقُمِّيُّ وَجَعْفَرُ بْنُ أَبِي الْمُغِيْرَةِ الْقُمِّيُّ وَفِيْهِمَا مَقَالٌ۔"[۳]

"اس روایت کی سند میں یعقوب بن عبد اللہ قُمی، اور جعفر بن ابی المغیرہ قُمی ہیں، اور ان دونوں میں کلام ہے۔"

اور ایسے متکلم فیہ راوی کا ضعیف ہونا خود علی زئی اور ان کے شیخ مولانا بدیع

---

[۱] سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ (۴:۳۴۴)

[۲] تعریف اہل حدیث (ص ۸۸)

[۳] نیل الاوطار (۱:۹۰۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

الدین (م ۱۴۱۶ھ) کے حوالہ سے پہلے ثابت ہو چکا ہے۔

یعقوب قمی کو ثقہ ثابت کرنے کی ایک کوشش کا جواب:

حافظ زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

یعقوب القمی ثقہ ہے، اسے جمہور علماء نے ثقہ قرار دیا ہے۔ (۱) ابن خزیمہ نے اس کی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ (۲) ابن حبان نے اسے کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔ (۳) نورالدین الھیثمی نے اس کی حدیث کو حسن قرار دیا۔ (۴) حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس کی منفرد حدیث پر سکوت کیا اور یہ سکوت اس کی حدیث کی تحسین یا تصحیح کی دلیل ہے۔ (۵) جریر بن عبدالحمید اسے مؤمن آل فرعون کہتے تھے۔ (۶) ابن مھدی نے اس سے روایت بیان کی، اور ابن مھدی صرف ثقہ سے روایت کرتے ہیں۔ (۷) بخاری نے تعلیقات میں اس سے روایت لی، اور اپنی "التاریخ الکبیر" میں اس پر طعن نہیں کیا لہٰذا وہ ان کے نزدیک بقول (ظفر احمد) تھانوی ثقہ ہے۔ (۸) حافظ ذہبی نے کہا: صدوق (۹) نسائی نے کہا: لَيْسَ بِهٖ بَأْسٌ۔ (۱۰) ابوالقاسم الطبرانی نے کہا: ثقہ۔ [۱]

جواب:

یعقوب قمی کو ثقہ ثابت کرنے کے لیے زبیر صاحب کی ذکر کردہ یہ تمام شقیں بھی محض ڈوبتے کو تنکے کا سہارا دینے کے مترادف ہیں۔ ان میں سے پہلی چار شقوں کا جواب تو عیسیٰ بن جاریہ کے تذکرہ میں دیا جا چکا ہے، دیگر شقوں کی صورت حال ملاحظہ فرمائیں۔

مؤمن آل فرعون کا لفظ راوی کی توثیق نہیں:

"مؤمن آلِ فرعون" کوئی توثیق وتعدیل کا کلمہ نہیں ہے کہ اس سے یعقوب قمی کا ثقہ ہونا لازم آئے۔ زبیر صاحب کا حق بنتا ہے کہ وہ پہلے اس کلمہ کو الفاظِ توثیق میں سے ہونا

---

[۱] محسلہ نورالمصابیح (ص ۱۷)، تعداد رکعات قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ (ص ۱۷، ۱۸)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ثابت کریں، اس کے بعد اس کو یعقوب قمی کی توثیق کے دلائل میں بھرتی کریں۔

نیز اس قول کے قائل جریر بن عبد الحمیدؒ (م ۱۸۸ھ) کو مولانا محمد شرف الدین دہلویؒ غیر مقلد (م ۱۳۸۱ھ) نے وہمی قرار دیا ہے۔[۱]

لہٰذا ایسے وہمی شخص نے محض اپنے وہم سے اگر یعقوب قمی کی تعریف کر بھی دی ہے تو اس کی کچھ وقعت نہیں۔

ابن مہدیؒ کا یعقوب قمی سے روایت کرنا اس کو کچھ مفید نہیں:

امام عبد الرحمٰن بن مہدیؒ (م ۱۹۸ھ) نے اگر بالفرض یعقوب قمی سے کوئی حدیث روایت کی ہے، تو کیا ان کا اس سے روایت کرنا اس کے ثقہ ہونے کی دلیل ہے؟ اس بارہ میں خود علمائے غیر مقلدین کی آراء ملاحظہ ہو:

مولانا ارشاد الحق اثری صاحب لکھتے ہیں:

یحییٰ بن سعید قطان کے متعلق جو عموماً معروف ہے کہ وہ ثقات ہی سے روایت لیتے ہیں، اور حسن بن عمارہ سے بھی انہوں نے روایت لی ہے، تو بھی یہ حسن کی توثیق کے لیے کافی نہیں، جب کہ امام یحییٰ کے متعلق دوسرے محدثین (امام ابن مہدی وغیرہ۔ ناقل) کی طرح یہ قاعدہ بھی کوئی کلی اصول نہیں بلکہ اکثریتی ہے۔[۲]

غیر مقلدین کے استاذ العلماء مولانا محمد گوندلوی صاحب (م ۱۴۰۵ھ) ایک راوی کے متعلق لکھتے ہیں:

بعض نے لکھا ہے کہ بڑے بڑے لوگوں نے اس سے روایت لی ہے۔ سو یہ توثیق کی کوئی دلیل نہیں، کیونکہ جرح کے باوجود ائمہ کا روایت لینا ثابت ہے۔[۳]

---

[۱] فتاویٰ نذیریہ (۱:۵۹۶)

[۲] توضیح الکلام (۲:۶۱۸)

[۳] التحقیق الراسخ (ص ۱۱۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

علاوہ ازیں امام ابن مہدیؒ نے خود تصریح فرمادی ہے کہ وہ فضائل اعمال وغیرہ کی روایات میں تساہل برتتے ہیں، اور ضعیف راویوں سے بھی روایت لے لیتے ہیں۔ چنانچہ امام حاکم نیشاپوریؒ (م ۴۰۵ھ) وغیرہ نے ان سے بہ سند نقل کیا ہے کہ:

"إِذَا رَوَيْنَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ وَالْأَحْكَامِ شَدَّدْنَا فِي الْأَسَانِيدِ وَانْتَقَدْنَا الرِّجَالَ، وَإِذَا رَوَيْنَا فِي فَضَائِلِ الْأَعْمَالِ وَالثَّوَابِ وَالْعِقَابِ وَالْمُبَاحَاتِ وَالدَّعَوَاتِ تَسَاهَلْنَا فِي الْأَسَانِيدِ۔"[۱]

"ہم جب آنحضرت ﷺ سے حلال وحرام اور احکام کی روایات نقل کرتے ہیں تو اسانید اور ان کے راویوں کی تنقید میں تشدد سے کام لیتے ہیں، اور جب فضائل اعمال، ثواب وعقاب، مباحات اور دعاؤں کے بارہ میں روایات نقل کرتے ہیں تو اسانید میں تساہل (نرمی) برت لیتے ہیں۔"

خود زبیر علی زئی نے بھی اس بات کا اقرار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

امام عبدالرحمٰن بن مہدی فضائل میں تساہل فی الاسانید (یعنی فضائل والی احادیث میں وہ ضعیف راویوں سے روایت لینے کے) قائل تھے۔ (المدخل الی کتاب الاکلیل للحاکم ص ۲۹، و دلائل النبوۃ ۱: ۳۴ وسندہٗ صحیح)[۲]

بنابریں اگر امام ابن مہدیؒ نے یعقوب قمی سے بھی روایت بیان کی ہے تو یہ اس کی توثیق کی دلیل نہیں ہے، کیونکہ ممکن ہے کہ امام موصوف نے اس سے فضائل وغیرہ میں روایت لی ہو، اور وہ فضائل وغیرہ میں ضُعفاء سے بھی روایت لے لیتے ہیں: فَإِذَا جَاءَ الْاِحْتِمَالُ بَطَلَ الْاِسْتِدْلَالُ۔

بلکہ مشہور غیر مقلد عالم مولانا محمد حنیف ندوی صاحبؒ (م ۱۴۰۷ھ) نے تو امام ابن

---

[۱] المستدرک (۱: ۶۶۶)

[۲] ماہنامہ الحدیث (ش ۴، ص ۵، حاشیہ نمبر ۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

مہدیؒ کو مطلق متساہل قرار دیا ہے، چنانچہ موصوف لکھتے ہیں:

متساہلین میں الترمذی، الحاکم اور ابن مہدی کا شمار ہوتا ہے۔ [۱]

لہٰذا علی زئی کی یہ دلیل سرے سے ہی باطل ہوگئی کہ ابن مہدی کا ابن جاریہ سے روایت لینا اس کی توثیق ہے۔ نیز زبیر علی زئی نے امام بخاریؒ سے منسوب ''کتاب الضعفاء'' کو اپنے حاشیہ کے ساتھ شائع کیا ہے، اس کتاب میں ایک راوی ابو ہلال راسبیؒ کے بارے میں لکھا ہوا ہے کہ: عبدالرحمٰن بن مہدیؒ اس سے روایت کرتے تھے، لیکن اس کے باوجود علی زئی نے نیچے حاشیہ میں اس راوی کو حافظے کے اعتبار سے ضعیف قرار دیا ہے۔ [۲] اب خود علی زئی کی اپنی تصریح سے ثابت ہوگیا کہ ابن مہدیؒ کا کسی راوی سے روایت کرنا اس راوی کے ثقہ ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

امام بخاریؒ کا ابن جاریہ سے مُعلّق روایت لینا بھی اس کی توثیق نہیں:

عیسی بن جاریہ کے تذکرہ میں علمائے غیر مقلدین اور خود علی زئی کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ امام بخاریؒ (م ۲۵۶ھ) کا کسی راوی کو ''تاریخ کبیر'' میں بلاطعن ذکر کرنا اس راوی کی توثیق پر دال نہیں ہے۔

رہا امام بخاریؒ کا اپنی صحیح میں کسی راوی سے تعلیقاً (بلاسند) حدیث روایت کرنا تو یہ بھی باقرار علمائے غیر مقلدین اس روایت کے صحیح ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ چنانچہ مولانا عبداللہ روپڑیؒ (م ۱۳۸۴ھ) ارقام فرماتے ہیں:

جیسے بخاری میں تعلیقات ہیں، اور ان کی صحت ضروری نہیں۔ [۳]

نیز لکھتے ہیں: بخاری ''اَصَحُّ الکتب'' ہے، لیکن تعلیقات بخاری (جن کی سند بالکل یا

---

[۱] مطالعۂ حدیث (ص ۷۸) مطبوعہ علم وعرفان پبلشرز لاہور

[۲] تحفۃ الاقویاء (ص ۹۸)

[۳] رفع یدین اور آمین (ص ۱۳۰) مطبوعہ مکتبہ تنظیم اہلحدیث لاہور

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

پوری ذکر نہیں ہوتی) ان میں کئی محل گفتگو ہیں۔ [۱]

مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں:

صحیح بخاری میں معلق روایات امام بخاری کا موضوع اور مقصود نہیں، لہٰذا ان سے کسی سند کے بارے میں استدلال صحیح نہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے اپنے "النکت" میں صحیح بخاری کی معلق روایات کے بارے میں بڑی نفیس بحث کی ہے، اور اس کی تعلیقات کی اقسام بیان کرتے ہوئے ایک قسم ذکر کی ہے کہ امام بخاری کبھی بالجزم ایسی معلق روایت بھی لاتے ہیں جو انقطاع کی بنا پر ضعیف ہوتی ہے۔ [۲]

نیز لکھتے ہیں: معلق روایات امام بخاری کے مقصود سے خارج ہیں۔ ان کو وہ بطور تنبیہ ذکر کرتے ہیں، ان سے استدلال مقصود نہیں۔ [۳]

مولانا نواب صدیق حسن خان ؒ (م ۱۳۰۷ھ) بحوالہ علامہ ابن حزم ظاہری ؒ (م ۴۵۶ھ) ایک حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

امام بخاری ؒ نے تو اسے صرف معلق ذکر کیا ہے، لہٰذا یہ حجت نہیں۔ [۴]

زبیر صاحب کے شیخ مولانا بدیع الدین راشدی (م ۱۴۱۶ھ) ایک راوی سے امام بخاری ؒ کے معلق روایت لینے کے جواب میں لکھتے ہیں:

امام بخاری ؒ کی تعلیقات ان کے اصول میں سے نہیں ہے، جیسا کہ یہ کسی پر مخفی نہیں ہے۔ [۵]

اور خود زبیر صاحب نے متعدد رُوات (ابراہیم بن اسماعیل انصاری، حریث بن ابی

---

[۱] فتاوی اہل حدیث (۱:۵۱۸)

[۲] توضیح الکلام (۲:۵۷۶)

[۳] ایضاً (۲:۵۷۷)

[۴] فتاوی نواب صدیق حسن خان (۴:۳۹۰)

[۵] مقالاتِ راشدیہ (۵:۱۷۶)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

مطر وغیرہ) کے بارے میں یہ اقرار کرنے کے باوجود کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں ان سے معلق روایات لی ہیں، ان راویوں کو ضعیف کہا ہے۔[۱]

لہٰذا علی زئی کا یہ اصول بھی کہ امام بخاری کا کسی راوی سے مُعلّق روایت لینا اس راوی کی توثیق ہے، خود اپنی اور اپنے اکابرین کی ان تصریحات سے باطل ہو گیا۔ اور یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ "صحیح بخاری" میں یعقوب قمی سے صرف ایک ہی معلق حدیث مروی ہے، جو اس نے لیث بن ابی سلیمؒ سے روایت کی ہے۔[۲] اور لیث بن ابی سلیم کو زبیر علی زئی ضعیف قرار دیتے ہیں۔[۳]

زبیر علی زئی کا دوغلا پن ملاحظہ کریں کہ وہ قمی کو تو "صحیح بخاری" میں موجود اس کی ایک معلق حدیث کی وجہ سے ثقہ ثابت کر رہے ہیں، لیکن قمی نے جس سے یہ حدیث روایت کی ہے وہ علی زئی کی نظر میں ضعیف ہے۔ سبحان اللہ! کیا خوب انصاف ہے۔

ذہبیؒ کا قمی کو صَدُوق کہنا غیر مقلدین کو مفید نہیں:

حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) کا یعقوب قمی کو صَدُوق کہنا بھی غیر مقلدین حضرات کو کچھ مفید نہیں۔ کیونکہ یہ لفظ ان کے نزدیک راوی کو ثقہ ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں۔ چنانچہ ان کے بہت بڑے عالم مولانا عبد الجبار غزنویؒ (م ۱۳۳۱ھ) لفظ "صَدُوق" کے متعلق لکھتے ہیں:

یہ لفظ مرتبہ خامسہ سے ہے، اور اہل مرتبہ خامسہ کے لائق احتجاج کے نہیں ہے۔[۴]

نیز ایک اور بزرگ غیر مقلد عالم مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی صاحبؒ (م ۱۳۷۵ھ) ارقام فرماتے ہیں کہ:

---

[۱] تحفۃ الاقویاء (ص ۹، ۴۴ وغیرہ)

[۲] صحیح البخاری (۵۶۸۰)، فتح الباری (۱۰:۱۷۰)

[۳] الحدیث (۵۱:۲۹)

[۴] فتاویٰ علمائے حدیث (۳:۱۴۸)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

صَدُوق کا لفظ مراتب تعدیل میں نہایت گھٹیا درجہ کا ہے۔[۱]

مولانا بدیع الدین راشدی (م ۱۴۱۶) لفظ صدوق کے حامل راوی کے بارے میں لکھتے ہیں:

جس کی روایت صرف شہادت (متابعت) کے لیے معتبر ہو سکتی ہے۔[۲]

مولانا عبد المنان نور پوری (م ۱۴۳۲ھ) ایک راوی کے متعلق لکھتے ہیں:

صدق وسچائی کے لحاظ سے حافظ ابن حبان کا اسے ثقات میں شامل کرنا، نیز حافظ ذہبی کا "لیس به بأس" فرمانا، پھر کبار حفاظ کا اس سے روایت کرنا، ان محدثین (جنہوں نے اس پر جرح کی ہے۔) کے فیصلہ کے خلاف نہیں، کیونکہ راوی کے ثقہ ہونے کے لیے اس کے سچا ہونے کے علاوہ اور صفات بھی درکار ہیں۔[۳]

بنا بریں صدق وسچائی کے لحاظ سے حافظ ذہبیؒ کا قمی کو صدوق کہنا، حافظ ابن حبانؒ کا اس کو ثقات میں ذکر کرنا، امام نسائیؒ کا اس کو لیس بہ بأس کہنا (جیسا کہ آگے آرہا ہے)، اور امام ابن مہدیؒ وغیرہ کا اس سے روایت کرنا، اس کے ثقہ ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

شیخ البانی غیر مقلد (م ۱۴۲۰) حضرت امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں امام ابن معینؒ (م ۲۳۳ھ) کے قول: "اَبُوْ حَنِيْفَةَ عِنْدَنَا مِنْ اَهْلِ الصِّدْقِ" نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"وَمِمَّا لَا شَكَّ فِيْهِ عِنْدَنَا اَنَّ اَبَا حَنِيْفَةَ مِنْ اَهْلِ الصِّدْقِ، وَلٰكِنَّ ذٰلِكَ لَا يَكْفِيْ لِيُحْتَجَّ بِحَدِيْثِهٖ حَتّٰى يَنْضَمَّ اِلَيْهِ الضَّبْطُ وَالْحِفْظُ وَذٰلِكَ مِمَّا لَمْ يَثْبُتْ فِيْ حَقِّهٖ۔"[۴]

"ہمارے نزدیک بلاشبہ امام ابو حنیفہؒ اہلِ صدق میں سے ہیں، لیکن یہ ان کی حدیث

---

[۱] انارۃ المصابیح (ص ۵۸)

[۲] مقالات راشدیہ (۶:۴۳۴)

[۳] مکالمات نور پوری (ص ۶۵۲)

[۴] سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ (۱:۶۶۵)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کے قابلِ احتجاج ہونے کے لیے کافی نہیں، جب تک کہ اس کے ساتھ ضبط اور حفظ نہ ملے ہوں، اور یہ امام صاحبؒ کے حق میں ثابت نہیں۔"

غیر مقلدین کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو، امام صاحبؒ، جن کی تعریف و توثیق میں تمام بڑے بڑے محدثین اور فقہاء رطب اللسان ہیں، ان کے حق میں لفظ صدوق وارد ہونا تو ان کے نزدیک آپ کی حدیث کے قابل احتجاج ہونے کے لیے کافی نہیں، لیکن یعقوب قمی جیسے ضعیف اور شیعہ راوی کے حق میں یہ لفظ اس کی حدیث کے قابل حجت ہونے کی دلیل ہے۔ واعجبا۔

نہ پہنچا ہے نہ پہنچے کا تمہاری ظلم کیشی کو
بہت سے ہو چکے ہیں گرچہ تم سے ستمگر پہلے

امام ذہبیؒ نے اگرچہ قمی کے بارے میں "صالح الحدیث" بھی کہا ہے۔[۱] لیکن شیخ البانی (م ۱۴۲۰ھ) اور مولانا بشیر سہسوانی (م ۱۳۲۶ھ) تصریح کرتے ہیں کہ اس لفظ کے حامل شخص کی روایت بھی قابل حجت نہیں ہوتی، صرف متابعت میں پیش کی جاسکتی ہے۔[۲]

اسی طرح ذہبیؒ کا اس کے متعلق: الامام، المحدث، المفسر[۳] کہنا بھی باقرار غیر مقلدین اس کو کچھ مفید نہیں، چنانچہ مولانا مبارکپوری (م ۱۳۵۳ھ)، ابو عثمان بصریؒ کے متعلق امام بکیؒ (م ۱۷۷ھ) کے الفاظ: كَانَ إِمَامَ الْمُحَدِّثِيْنَ وَالْفُقَهَاءِ فِيْ زَمَانِهٖ، وَكَانَ شَيْخًا... پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"لَا دَلَالَةَ فِيْ هٰذَا عَلٰى كَوْنِهٖ ثِقَةً قَابِلًا لِلْاِحْتِجَاجِ۔"[۴]

"اس سے ابو عثمانؒ کا ثقہ اور قابل حجت ہونا لازم نہیں آتا۔"

---

[۱] المغنی فی الضعفاء (۲: ۵۵۱)

[۲] سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ (۳: ۱۱۲)، اظہار حق (ص ۷۳)

[۳] سیر اعلام النبلاء (۸: ۲۹۹)

[۴] تحفۃ الاحوذی (۳: ۵۳۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

لہٰذا ذہبیؒ کے یہ تینوں کلمات قُمی کی حدیث کے قابل حجت ہونے کے لیے کافی نہیں ہیں۔

ثانیاً: امام ذہبیؒ نے قمی کو "دیوان الضعفاء والمتروکین (۲: ۴۶۷) میں ذکر کرکے اس کے خلاف جرح نقل کی ہے، اور اس کا کچھ دفاع نہیں کیا، اور خود علی زئی صاحب نے یہ اصول بیان کیا ہے کہ ذہبیؒ سے اگر کسی راوی کی توثیق ثابت ہو، اور وہ اس کو "دیوان الضعفاء" میں ذکر کرکے اس کے خلاف جرح نقل کریں، اور اس کا دفاع نہ کریں، تو ان کی یہ توثیق ان کی اس جرح سے متصادم ہو کر ساقط ہو جاتی ہے۔[۱]

اس علی زئی اصول کی روشنی میں اگر بالفرض قُمی کی امام ذہبیؒ سے توثیق (اس کا قابل حجت ہونا) ثابت بھی ہے تو وہ ان کی جرح سے متصادم ہو کر ساقط ہوگئی ہے۔

امام نسائیؒ کا قمی کو "لیس بہ بأس" کہنا بھی اس کو مفید نہیں:

کتب رجال "تھذیب" وغیرہ میں یہ قول بغیر کسی سند یا حوالہ کے مذکور ہے۔ اور اس طرح کا قول خود علی زئی وغیرہ غیر مقلدین کے نزدیک حجت نہیں ہے۔[۲]

اور بالفرض اگر یہ قول ان سے ثابت بھی ہے، تو عیسیٰ بن جاریہؒ کے تعارف میں گزرا ہے کہ علمائے غیر مقلدین کے نزدیک اس لفظ سے راوی کی حدیث کا قابل حجت ہونا ثابت نہیں ہوتا، بلکہ خود علی زئی اور ان کے ذہبی العصر شیخ معلمی (م ۱۳۸۶ھ) کے نزدیک تو یہ لفظ الفاظِ توثیق میں سے ہی نہیں ہے۔ نیز عنقریب مولانا عبد المنان نور پوری (م ۱۴۳۳ھ) کا بیان گزرا ہے کہ محدثین "لَیْسَ بِہٖ بَأس" راوی کے صدق وسچائی کے لحاظ سے بولتے ہیں، اس سے اس راوی کا قابل احتجاج ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

---

[۱] ماہنامہ الحدیث (۱۹: ۵۳)

[۲] مثلاً دیکھئے ماہنامہ الحدیث (۴۷: ۱۶)، انوار التوضیح (ص ۲۰۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

امام طبرانیؒ کی توثیق کا جواب

امام طبرانیؒ (م ۳۶۰ھ) نے گو کہ قمی کو ثقہ کہا ہے، لیکن غیر مقلدین کے استاذ العلماء مولانا محمد گوندلویؒ (م ۱۴۰۵ھ) لکھتے ہیں:

صرف ثقہ کہہ دینا کافی نہیں، خصوصاً ایسے موقع پر کہ جب جرح مفسر و مفصل ہو۔ [۱]

اور قمی کے خلاف بھی جرح مفسر وارد ہے، کیونکہ علامہ ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) نے اس کی روایت کو "منکرٌ اجداً" (انتہائی منکر) کہا ہے۔ اور مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں:

جس کی غلطیاں زیادہ ہوں، یا غفلت باکثرت ہو، یا فسق ظاہر ہو، اس کی حدیث منکر ہے۔ [۲]

اور یہ بقول شیخ البانی: جرح مفسر ہے۔ [۳]

نیز شیخ عبد الرحمٰن معلمی (م ۱۳۸۶ھ) لکھتے ہیں:

"اِنَّهُمْ رُبَّمَا يَتَجَوَّزُوْنَ فِيْ كَلِمَةِ "ثِقَةٍ" فَيُطْلِقُوْنَهَا عَلٰى مَنْ هُوَ صَالِحٌ فِيْ دِيْنِهٖ، وَاِنْ كَانَ ضَعِيْفَ الْحَدِيْثِ۔" [۴]

"محدثین بسا اوقات چشم پوشی کرتے ہوئے کسی نیکو کار شخص پر بھی ثقہ کا اطلاق کر دیتے ہیں، اگرچہ وہ ضعیف الحدیث ہی کیوں نہ ہو۔"

کفایت اللہ سنابلی صاحب لکھتے ہیں:

بعض ناقدین کبھی کبھی دیانت داری اور سچائی کے لحاظ سے کسی کو ثقہ کہہ دیتے ہیں، جس سے ناقدین کا مقصد اصطلاحی معنیٰ میں ثقہ نہیں ہوتا۔ [۵]

---

[۱] التحقیق الراسخ (ص ۱۲۶)

[۲] توضیح الکلام (۲: ۶۲۸)

[۳] سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ (۳: ۱۱۲)

[۴] التنکیل (۱: ۳۶۲)

[۵] انوار التوضیح (ص ۱۲۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اس لیے ممکن ہے کہ امام طبرانی ؒ نے بھی یعقوب قُمی کو اصطلاحی معنی میں ثقہ نہ کہا ہو، بلکہ دیانت داری اور سچائی کے لحاظ سے ثقہ کہا ہو۔

امام ابن معین ؒ کی توثیق کا جواب

کفایت اللہ سنابلی صاحب یعقوب قمی کے تعارف میں لکھتے ہیں:

امام ابن معین فرماتے ہیں: ثِقَةٌ۔ ثقہ ہیں۔ [۱]

جواب: امام طبرانی ؒ کی توثیق کے جواب میں ابھی بحوالہ غیر مقلدین گزرا ہے کہ راوی پر جب جرح مفسر وارد ہو تو پھر اس کی توثیق کے لیے صرف ثقہ کہہ دینا کافی نہیں ہے۔ نیز یہ بھی ان کے حوالہ سے گزرا ہے کہ محدثین بسا اوقات تساہل کا شکار ہو کر کسی ضعیف راوی کو بھی اس کی دیانت داری کی وجہ سے ثقہ کہہ دیتے ہیں۔ بالخصوص امام یحییٰ بن معین ؒ (م ۲۳۳ھ) جن کے متعلق خود سنابلی صاحب نے لکھا ہے:

ابن معین ؒ کبھی کبھی ثقہ کا لفظ بول کر محض دیانت داری مراد لیتے ہیں، جیسا کہ علامہ معلمی ؒ (غیر مقلد) ابن معین ؒ کے اقوال کا استقراء کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

” وَهٰذَا يَشْعَرُ بِاَنَّ ابْنَ مَعِيْنٍ كَانَ رُبَمَا يُطْلِقُ كَلِمَةَ ثِقَة، لَا يُرِيْدُ بِهَا اَكْثَرَ مِنْ اَنَّ الرَّاوِيَّ لَا يَتَعَمَّدُ الْكَذِبَ۔ “ التنکیل (۱:۶۴)

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ابن معین ؒ کبھی کبھی ثقہ بول کر صرف یہ مراد لیتے ہیں کہ یہ راوی جھوٹ نہیں بولتا۔

یعنی ضبط کے لحاظ سے توثیق مراد نہیں ہوتی تھی۔ [۲]

---

[۱] انوار التوضیح (ص ۱۳۶) بحوالہ سؤالات ابن الجنید (ص ۴۱۱)

[۲] ایضاً (ص ۲۰۳)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

نیز سنابلی صاحب لکھتے ہیں:

وہ (ابن معینؒ) اکثر دیانت داری کے معنی میں بھی راوی کو ثقہ کہہ دیتے ہیں۔ [۱]

نیز لکھتے ہیں: اصولِ حدیث کا بنیادی قانون ہے کہ غالب (اکثر) حالت ہی کا اعتبار ہوتا ہے۔ [۲]

لہٰذا یہاں ابن معینؒ کے قول ثقہ کا مطلب دیانت دار ہونا ہی متعین ہے۔

مولانا ارشاد الحق اثری نے تو امام ابن معینؒ کے بارے میں یہاں تک لکھا ہے کہ:

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابن معین اپنے معاصرین کی شکل وصورت سے متاثر ہو جاتے، اور ان کی چند احادیث کو درست پاتے تو اسے ثقہ کہہ دیتے، اور کبھی یوں بھی ہوتا کہ بعض غلط کار راوی ان کے سامنے تو روایت درست طور پر بیان کرتے، جس کی بنا پر وہ اس کی توثیق کر دیتے۔ [۳]

غیر مقلدین کے خود اپنے ان بیانات کے بعد ہمیں امام ابن معینؒ کی اس توثیق پر کسی قسم کا تبصرہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ۔

کیا لطف، جو غیر پردہ کھولے
جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے!

یعقوب قُمی کا تفرد حجت نہیں

یعقوب قُمی ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ متفرد بھی ہے، جیسا کہ امام بوصیریؒ (م ۸۴۰ھ) کے حوالہ سے گزرا ہے۔ اور امام ابن کثیرؒ (م ۷۷۴ھ) کا بیان بھی پہلے گزر چکا ہے کہ یہ حالتِ انفراد میں حجت نہیں، لہٰذا اس کی یہ منفرد حدیث ضعیف ہے۔ غیر مقلدین حضرات مسئلہ رفع یدین

---

[۱] یزید بن معاویہؓ (ص ۶۹۱)

[۲] انوار البدر (ص ۶۸)

[۳] مقالات (۲:۶۸)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

میں عاصم بن کلیبؒ (جو انتہائی ثقہ اور صحیح مسلم کا راوی ہے) کے تفرد کو محض امام علی بن مدینیؒ (م ۲۳۴ھ) سے منسوب قول: عاصم حالتِ انفراد میں حجت نہیں ہے، کی وجہ سے قبول نہیں کرتے، حالانکہ عاصمؒ کا ثقہ ہونا خود غیر مقلدین کو بھی تسلیم ہے۔ چنانچہ مولانا گوندلویؒ (م ۱۴۰۵ھ) اس کے بارے میں امام ابن المدینیؒ کا مذکورہ قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اگر کوئی کہے کہ عاصم کو حافظ صاحب (ابن حجرؒ) نے صدوق لکھا ہے، اور بہت سے ائمہ نے اس کی توثیق کی ہے، تو جواب یہ ہے کہ معدلین نے گو تعدیل کی ہے، لیکن ابن مدینی کے قول کی انہوں نے تردید نہیں کی، اور نہ ابن مدینیؒ نے اس کے ثقہ ہونے کی نفی کی ہے، لہٰذا اس میں تعارض نہیں، اور ابن مدینی کا قول اپنے مدلول پر بحال رہا۔ [۱]

اب عاصم بن کلیبؒ جو بالاتفاق ثقہ ہے، امام ابن المدینیؒ بھی اس کی توثیق کا انکار نہیں کر رہے، لیکن اس کے باوجود غیر مقلدین اس کے تفرد کو محض امام ابن المدینیؒ سے منسوب قول کی وجہ سے قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں، اس کے برعکس یعقوب قمی جو کئی محدثین کے نزدیک ضعیف ہے، امام ابن کثیرؒ بھی اس کے تفرد کو ناقابل قبول قرار دینے کے ساتھ ساتھ اس کو ضعیف بھی قرار دیتے ہیں، تو پھر غیر مقلدین حضرات کس اصول کی بنیاد پر اس کے تفرد کو قبول کرتے ہیں؟

ع   بریں عقل و دانش بباید گریست

روایتِ جابرؓ کے تیسرے راوی محمد بن حمید رازی کا تعارف

"قیام اللیل" وغیرہ کتب میں اس حدیث کو یعقوب قُمی سے روایت کرنے والے محمد بن حمید رازی (م ۲۴۸ھ) بھی ائمہ رجال کے نزدیک ضعیف، کذاب اور متروک راوی ہے۔ اگرچہ "مسند ابی یعلی" وغیرہ کتب میں اس حدیث کو ابن حمید رازی کے علاوہ دیگر راویوں نے بھی یعقوب قمی سے روایت کیا ہے، لیکن مابعد حدیث جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے، اس حدیث کو یعقوب قمی سے روایت کرنے میں محمد

---

[۱] التحقیق الراسخ (ص ۱۱۶)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بن حمید رازی متفرد ہے۔[۱] لہٰذا اس کا تعارف کتب رجال سے ملاحظہ ہو:

امام یعقوب بن شیبہ سدوسیؒ (م ۲۶۲ھ) اس کو کثیر المناکیر قرار دیتے ہیں۔ امام بخاریؒ (م ۲۵۶ھ) فرماتے ہیں: فِیْهِ نَظْرٌ۔ اس میں نظر ہے۔ امام ابوزرعہؒ (م ۲۶۴ھ) فرماتے ہیں کہ یہ جھوٹ بولتا ہے۔ عبدالرحمٰن بن یوسفؒ (م ۲۸۳) فرماتے ہیں: خدا کی قسم!

---

[۱] زبیر علی زئی کے الزام کی حقیقت: راقم الحروف کی اس مذکورہ عبارت پہ زبیر علی زئی عنوان: ظہور احمد دیوبندی کا ایک بہت بڑا جھوٹ، قائم کرکے اس کے ذیل میں لکھتے ہیں:

اس عبارت میں ظہور احمد نے صریح جھوٹ بولا ہے، کیونکہ مابعد آنے والی حدیث بحوالہ مسند ابی یعلیٰ اور المعجم الاوسط للطبرانی منقول ہے، اور ان دونوں کتابوں میں اس حدیث کی سندوں میں محمد بن حمید رازی کا نام ونشان تک نہیں.... الحدیث (۹۷:۴۵)

حالانکہ یہ راقم الحروف کا جھوٹ نہیں، بلکہ خود علی زئی کا جھوٹ اور صریح دھوکہ ہے، کیونکہ راقم الحروف نے چند صفحات بعد ہی ان دونوں روایات سے متعلق وضاحت کردی تھی کہ:

طبرانی کی روایت میں تو سرے سے "رمضان" کا لفظ ہی نہیں، اور "مسند ابی یعلیٰ" کی روایت میں "یعنی رمضان" کے الفاظ ہیں، جو روایت کا حصہ نہیں، بلکہ راوی کا اپنا فہم ہے، "قیام اللیل" میں (بروایت محمد بن حمید رازی) اگرچہ رمضان کا لفظ ہے.... دیکھئے ص ۲۴۰ طبع اول، ص ۳۴۹ طبع ثانی۔ زبیر علی زئی کا دجل وفریب ملاحظہ ہو کہ وہ جن دو روایتوں کے بل بوتے راقم الحروف پہ جھوٹ کا الزام لگا رہے ہیں، راقم ان دونوں کا جواب پہلے ہی دے کر سبکدوش ہو چکا ہے کہ یہ دونوں روایتیں موضوع سے ہی خارج ہیں، کیونکہ ان میں رمضان کا لفظ صریح نہ ہونے کی وجہ سے یہ نمازِ تراویح سے ہی غیر متعلق ہیں۔ اب صرف "قیام اللیل" وغیرہ کی روایت (جس کی سند میں محمد بن حمید رازی ہے) بچتی ہے، جس میں رمضان کی تصریح ہے۔ لہٰذا ہمارا یہ دعویٰ کہ: اس حدیث کو محمد بن حمید رازی روایت کرنے میں متفرد ہے، اپنی جگہ برقرار ہے۔ الحمدللہ

زبیر صاحب کو چاہیے تو یہ تھا کہ وہ الزام لگانے سے پہلے ہمارے دعوے پہ غور کرتے، اور پھر محمد بن حمید رازی کی متابعت میں کوئی صحیح روایت پیش کرتے، جس میں "رمضان" کی تصریح ہوتی، لیکن چونکہ یہ ان کے بس کی بات نہیں تھی، اس لیے انہوں نے راقم الحروف پہ جھوٹ بولنے کا الزام لگا کر اپنے دل کی بھڑاس نکالی ہے۔

ع وہ الزام ہم کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

محمد بن حمید رازی جھوٹا ہے۔اسحاق بن منصورؒ (م ۲۵۱ھ) فرماتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد بن حمید اور عبید بن اسحاق عطار دونوں کذاب ہیں۔امام نسائی (م ۳۰۳ھ) اور امام ابن وارہؒ (م ۲۷۰ھ) وغیرہ نے بھی اس کو کذاب قرار دیا ہے۔

امام ابو علی نیشاپوریؒ (م ۳۴۹ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابن خزیمہؒ (م ۳۱۱ھ) سے عرض کیا کہ آپ محمد بن حمید رازی سے حدیث بیان کرتے تو اچھا ہوتا، کیونکہ امام احمدؒ نے اس کی تعریف کی ہے،اس پر ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: امام احمدؒ نے اس کو پہچانا نہیں۔اگر وہ ہماری طرح اس کو پہچان لیتے تو وہ اس کی بالکل تعریف نہ کرتے۔امام ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ) نے بھی اس پر جرح کی ہے۔ اسی طرح دیگر کئی محدثین بھی اس پر جرح کرتے ہیں۔ [۱]

ناظرین: آپ نے ملاحظہ کرلیا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منسوب اس حدیث کے یہ تینوں راوی نہایت ضعیف اور متروک ہیں۔

لہٰذا جو روایت ایسے ضعیف راویوں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ، کا مصداق ہو اس کو تراویح جیسے اہم مسئلہ میں کیسے پیش کیا جاسکتا ہے؟

روایتِ جابرؓ علمائے غیر مقلدین کی نظر میں

غالباً یہی وجہ ہے کہ غیر مقلدین کا ایک سنجیدہ طبقہ اس حقیقت کو محسوس کرتے ہوئے اس روایت کو معرضِ استدلال میں پیش کرنے سے دستبردار ہوگیا ہے۔چنانچہ غیر مقلدین کے ایک بڑے عالم مولانا عبدالمنان نور پوری صاحب (م ۱۴۳۳ھ) لکھتے ہیں:

یاد رہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تراویح کی تعدادِ رکعات کے اثبات کا مدار حضرت جابرؓ کی یہ حدیث نہیں۔ [۲]

نیز نور پوری صاحب کا بیان پہلے گزر چکا ہے کہ عیسیٰ بن جاریہ متکلم فیہ ہے،اور ابن خزیمہؒ

---

[۱] دیکھئے تھذیب الکمال (۱۶:۲۲۱۔۲۲۶)،تھذیب التھذیب (۵:۸۵،۸۶)

[۲] تعداد تراویح (ص ۴۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اور ابن حبانؒ کا اس کی حدیث کو اپنی اپنی صحیح میں ذکر کرنا یہ ان کا تساہل ہے۔

غیر مقلدین کے شیخ العرب والعجم مولانا بدیع الدین راشدی (م ۱۴۱۶ھ) جن کے متعلق زبیر علی زئی لکھتے ہیں: اگر مجھے رکن و مقام کے درمیان کھڑا کر کے قسم دی جائے تو یہی کہوں گا کہ میں نے... شیخ بدیع الدین شاہ سے زیادہ عالم و فقیہ انسان کوئی نہیں دیکھا[۱] بھی تصریح کرتے ہیں کہ علماءِ اہل حدیث اس روایت کو قابل حجت نہیں سمجھتے چنانچہ ایک حدیث کی بحث میں لکھتے ہیں:

سوال: بقول صاحب مجمع الزوائد اس کی سند میں یسع بن طلحہ منکر الحدیث ہے؟

جواب: ہم نے ایسا ہی اس روایت کو دوسری روایات کے ساتھ (بطور شاہد) ذکر کیا ہے، جیسا کہ علماء اہل حدیث دوسری روایات کے ساتھ ایسی روایات کی شہادتیں لاتے ہیں۔

مثال اول: آٹھ تراویح کی جابر رضی اللہ عنہ والی روایت، اس کی سند میں عیسیٰ بن جاریہ ہے جس کو نسائی نے منکر الحدیث کہا ہے۔[۲]

اس بیان میں مولانا موصوف نے صاف تصریح کر دی ہے کہ ہم علماء اہل حدیث اس روایت کو قابل حجت نہیں سمجھتے، بلکہ اس کو صرف بطور استشہاد پیش کرتے ہیں۔

ع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

مولانا محمد ایوب صابر مدرس جامعہ محمدیہ خانپور، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منسوب مذکورہ روایت اور مابعد روایت ذکر کرنے کے بعد تحریر کرتے ہیں:

مذکورہ بالا دونوں حدیثیں ہم نے بطور شواہد پیش کی ہیں۔[۳]

---

[۱] ماہنامہ الحدیث (۲:۴۰)

[۲] مقالات راشدیہ (۲:۲۰۶)

[۳] تحقیق تراویح (ص ۲۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

گویا ان علماء کے نزدیک یہ دونوں حدیثیں استدلال میں پیش کرنے کے قابل ہی نہیں ہیں۔ مولانا عبدالرؤف سندھو نے تو انصاف پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے صاف لکھ دیا ہے کہ:

ان دونوں حدیثوں کی سند عیسیٰ بن جاریہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔[۱]

شیخ احمد مجتبیٰ مدنی اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

ہیثمی نے اس کی سند کے بارے میں "حسن" کا حکم لگایا ہے، حالانکہ اس کے راویوں میں عیسیٰ بن جاریہ ہیں جو بقول ائمہ جرح وتعدیل ضعیف ہیں (دیکھئے تہذیب و دیگر کتب رجال)[۲]۔

تیرے رندوں پہ کھل گئے سارے اسرار دین ساقی
ہوا جب علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین ساقی

جواب نمبر ۳: اگر بالفرض اس حدیث کو باعتبار سند صحیح بھی تسلیم کرلیں تو پھر بھی اس حدیث کی وجہ سے صرف گیارہ رکعات پر اقتصار کرنا غلط ہے، کیونکہ اس میں صرف ایک رات کا ذکر ہے، جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کم از کم تین رات صحابہؓ کو جماعت سے تراویح پڑھائی، اس لیے ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی راتوں میں اس تعداد سے زیادہ رکعات پڑھائی ہوں، کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بیس رکعات پر اجماع ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف گیارہ رکعات پر اکتفاء نہیں کیا۔ چنانچہ امام حافظ ابوعبداللہ حسین بن حسن حلیمیؒ (م ۴۰۳ھ) جن کے متعلق مولانا روپڑی (م ۱۳۸۴ھ) نے لکھا ہے: حلیمی ایک

---

[۱] دیکھئے القول المقبول (ص ۶۰۷، ۶۱۰) طبع رابع

[۲] حاشیہ احسن الصناعۃ فی صلوٰۃ التراویح بالجماعۃ (ص ۲۷) ناشر: ادارۃ البحوث الاسلامیہ جامعہ سلفیہ بنارس۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بڑے محدث گزرے ہیں۔[۱]

اس مذکورہ حدیث کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وَرُوِيَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: صَلّٰى فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ لَيْلَةً ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ ثُمَّ اَوْتَرَ۔ وَلٰكِنَّهُمْ لَمْ يَرَوْا هٰذَا حَدًّا، لِاَنَّهٗ خَبَرٌ عَنْ لَيْلَةٍ وَاحِدَةٍ، وَقَدْ صَلّٰى بِهِمْ ثَلَاثَ لَيَالٍ، فَقَدْ يَجُوْزُ اَنْ يَكُوْنَ زَادَ فِيْ غَيْرِهَا عَلٰى مَا صَلّٰى مِنْهَا، وَاِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ عَلَى الزِّيَادَةِ دَلِيْلٌ عَلٰى اَنَّهُمْ عَقَلُوْا عَنْهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ فِعْلَهٗ لَمْ يَكُنْ حَدًّا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔“[۲]

”مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک میں ایک رات آٹھ رکعات پڑھائیں، اور پھر (تین) وتر پڑھائے۔ لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کو حد (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف اس عدد پر اکتفاء کرنا) نہیں سمجھا، کیونکہ اس حدیث میں صرف ایک رات کی خبر ہے، جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو تین راتیں یہ نماز پڑھائی، اس لیے ممکن ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی دو راتوں میں اس سے زیادہ رکعات پڑھائی ہوں، اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس عدد (گیارہ) سے زیادہ (بیس رکعات) پر اجماع ہونا یہ دلیل ہے کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل (گیارہ رکعات) کو ایک حد (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف گیارہ رکعات پر اکتفاء کرنا) نہیں سمجھا۔ واللہ اعلم۔“

لہٰذا اس حدیث کی وجہ سے صرف گیارہ رکعات تراویح پر اقتصار کرنا غلط ہے۔

غیر مقلدین کی دلیل نمبر ۳ واقعہ ابی بن کعبؓ بروایت جابرؓ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ

---

[۱] تحقیق التراویح (ص ۱۰۰)

[۲] المنهاج فی شعب الایمان (۲:۳۰۲) طبع دار الفکر بیروت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ رات کو یعنی رمضان میں مجھے ایک واقعہ پیش آگیا۔ آنحضرت ﷺ نے پوچھا اے اُبی! کیا بات ہوئی؟ حضرت اُبی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میرے گھر کی عورتوں نے مجھ سے کہا کہ ہمیں قرآن یاد نہیں، اس لیے ہم آپ کی اقتداء میں نماز پڑھیں گی، تو میں نے ان کو آٹھ رکعتیں اور وتر پڑھا دیں۔ آنحضرت ﷺ نے سن کر سکوت فرمایا، گویا کہ آپ نے اس کو پسند فرمایا۔

حافظ زبیر علی زئی نے اس حدیث کو بحوالہ مسند ابی یعلی (۳:۲۳۶، ح ۸۰۱) نقل کر کے لکھا ہے:

امام ہیثمی نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا:

اسے ابو یعلی نے روایت کیا، اور اسی طرح طبرانی نے "اوسط" میں روایت کیا، اور اس کی سند حسن ہے۔ (مجمع الزوائد: ۲:۱۷۴)

جناب مولوی سرفراز صفدر دیوبندی لکھتے ہیں:

اپنے وقت میں اگر علامہ ہیثمی کو صحت اور سقم کی پرکھ نہیں، تو اور کس کو تھی؟ (احسن الکلام: ۱:۲۳۳)[۱]

جواب: اس حدیث کی سند بھی سابق حدیث کی طرح عیسیٰ بن جاریہ اور یعقوب قمی جیسے ضعیف راویوں پر مشتمل ہے، بلکہ اس کے ایک طریق (جو غیر مقلدین کی اصل مستدل روایت ہے) میں محمد بن حمید رازی بھی ہے، جس کو متعدد ائمہ نے کذاب اور وضاع قرار دیا ہے، جیسا کہ بحوالہ گزرا ہے۔

مولانا محمد گوندلوی ؒ (م ۱۴۰۵ھ) لکھتے ہیں:

جس (حدیث) کو کسی شخص وضاع یا کذاب نے بیان کیا ہو، وہ موضوع (بناوٹی) ہے۔[۲]

ماشاء اللہ! ایسے ہی کذاب راویوں کی روایت کردہ موضوع احادیث پر غیر مقلدین کے

---

[۱] نور المصابیح (ص ۱۹)، تعداد رکعاتِ قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ (ص ۱۹)

[۲] التحقیق الراسخ (ص ۱۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

مذہب کا مدار ہے۔ وَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی۔

محدث ناقد امام ابن عدیؒ (م ۳۶۵ھ) نے سابق حدیث کی طرح اس کو بھی عیسیٰ بن جاریہؒ کی غیر محفوظ (منکر) حدیثوں میں شمار کیا ہے۔ [۱]

امام محمد بن طاہر مقدسی (م ۵۰۷ھ) نے بھی اس حدیث کو غیر محفوظ قرار دیا ہے۔ [۲]

امام احمد بن ابوبکر بوصیریؒ (م ۸۴۰ھ) اس کو یعقوب قمی کی وجہ سے ضعیف قرار دیتے ہیں۔ [۳]

علامہ ہیثمیؒ (۸۰۷ھ) نے اگرچہ "مجمع الزوائد" میں اس حدیث کی سند کو حسن کہا ہے، لیکن اسی کتاب میں آگے جا کر انہوں نے اس سے رجوع کرلیا ہے، جیسا کہ پہلے بحوالہ گزرا ہے۔

نیز سابق روایت کے ذیل میں یہ بھی تفصیل سے گزرا ہے کہ علامہ ہیثمیؒ خود غیر مقلدین کے نزدیک توثیق اور تصحیح و تحسین میں غیر معتبر ہیں۔

باقی حضرت الاستاذ شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ (م ۱۴۳۰ھ) نے علامہ ہیثمیؒ کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے، تو ان کی مذکورہ عبارت کا مطلب یہ ہے کہ:

علامہ ہیثمیؒ علوم حدیث کی ایک مسلّمہ شخصیت ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے ان کو حدیث کی صحت و سقم پرکھنے کا قوی ملکہ نصیب فرمایا ہے۔ ان کی ہر بات کو "لَہٗ اَوْھَامٌ" کہہ کر بلا دلیل رد کر دینا (جیسا کہ غیر مقلدین کا ان کے بارے میں رویہ ہے) بالکل غلط ہے۔ حضرت کی عبارت کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ علامہ ہیثمیؒ کی ہر تصحیح و تحسین کو بلا دلیل قبول کرلیا جائے، خواہ سند میں محمد بن حمید رازی جیسے کذاب اور عیسیٰ بن جاریہ جیسے متروک اور منکر الحدیث راوی موجود ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ صفدر صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ، علامہ ہیثمیؒ کو علل

---

[۱] الکامل فی الضعفاء (۵:۱۸۸۸، ۱۸۸۹)

[۲] ذخیرۃ الحفاظ (ص ۱۱۹۴، ح ۲۵۴۷)

[۳] اتحاف الخیرۃ المھرۃ (۲:۴۲۳)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

حدیث کا ماہر ماننے کے باوجود ان کی اگر کوئی بات دلائل سے غلط ثابت ہو جائے تو اس کا رد فرماتے ہیں۔ چنانچہ جب مولانا مبارکپوری صاحب (م ۱۳۵۳ھ) نے علامہ ہیثمیؒ کے حوالے سے ایک ضعیف حدیث کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی تو حضرت اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

اگر محض بلا دلیل کہنے سے روایت صحیح ہو سکتی تو یہ صحیح ہے، ورنہ اس کی صحت پر کوئی دلیل موجود نہیں، اور یہ روایت بھی ضعیف ہے۔[۱]

معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ نہ تو مطلق علامہ ہیثمیؒ کی تصحیح و تحسین کو رد کرتے ہیں، اور نہ ہی ان کی ہر بات کو جو قرائن کی روشنی میں غلط ثابت ہو، قبول کرتے ہیں۔ لہٰذا غیر مقلدین کا ایک حنفی مقلد عالم کی آڑ لے کر اس موضوع روایت کو حسن ثابت کرنا باطل ہے۔

جواب ثانی:

اس حدیث کو بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والا عیسیٰ بن جاریہ ہے، جس کو حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) نے "تقریب" (۱:۷۶۹) میں طبقہ رابعہ کا راوی بتلایا ہے، اور گزشتہ روایت میں مولانا نذیر رحمانی (م ۱۳۸۵ھ) کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ طبقہ رابعہ والوں کی روایات صحابہ کرام سے مروی نہیں ہیں۔ لہٰذا غیر مقلدین کے اصول کے مطابق ابن جاریہ کی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث بھی منقطع ٹھہری، اور منقطع روایت غیر مقلدین کے نزدیک حجت نہیں۔

جواب ثالث:

اس روایت کی سند سے قطع نظر بھی اس سے آٹھ تراویح پر استدلال نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس روایت سے تو یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے حضرت اُبی رضی اللہ عنہ کا بیان کردہ یہ واقعہ ضرور رمضان یا تراویح میں پیش آیا۔ اس لیے کہ "مسند احمد" (۲۱۴۵، ۲۱۰۹۸) اور المعجم الاوسط (۳:۱۶ ح ۳۷۳۱) کی روایت میں تو سرے سے رمضان کا لفظ ہی

[۱] احسن الکلام (۲:۱۲۷) طبع پنجم

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

نہیں[۱]، اور مسند ابی یعلیٰ (۲: ۱۹۸ ح ۱۷۹۵) میں "یعنی رمضان" کے الفاظ ہیں[۲] جو

[۱] اشکال: سنابلی صاحب نے ان دونوں روایتوں پر نقد کرتے ہوئے کہا ہے کہ "مسند احمد" کی سند میں ایک راوی مبہم ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے، اور "المعجم الاوسط" کی سند میں عثمان بن عبید اللہ طلحی کی کوئی معتبر توثیق نہیں ملی۔ انوار التوضیح (ص ۱۵۸، ۱۵۹) جواب: "مسند احمد" والی روایت پر اعتراض کا جواب تو آگے آرہا ہے۔ جب کہ عثمان طلحی کی ایک روایت علامہ ہیثمیؒ نے بحوالہ المعجم الاوسط (۳۷۱۶) نقل کرکے اس کے سارے راویوں کو ثقہ کہا ہے۔ مجمع الزوائد (۴: ۴۳)
علامہ ہیثمیؒ کی توثیق اگر ابن جاریہ وغیرہ کے حق میں معتبر ہے، تو پھر عثمان طلحیؒ کے حق میں معتبر کیوں نہیں؟ نیز عثمان طلحیؒ، امام طبرانیؒ کے اُن شیوخ میں سے ہیں، جن کا امام ذہبیؒ نے "میزان الاعتدال" میں ترجمہ نہیں لکھا، اور مولانا ارشاد الحق اثری بحوالہ مجمع الزوائد (۱: ۸) لکھتے ہیں:
امام طبرانیؒ کے شیوخ جن کا ذکر میزان میں نہیں، وہ تمام عادل اور ثقہ ہیں۔ توضیح الکلام (۱: ۳۹۴) نیز دیکھئے سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ (۶: ۵۳۱)، مقالاتِ راشدیہ (۵: ۳۶۵) نیز امام ذہبیؒ نے میزان (۳: ۳۱۱) میں ابن جاریہ کے ترجمہ میں اس کی جس روایت کی سند کو اِسْنَادُہٗ وَسَطٌ کہا ہے (اور پھر اس کے بل بوتے سنابلی صاحب وغیرہ غیر مقلدین ابن جاریہ کی توثیق ثابت کرتے ہیں) وہ اسی عثمان طلحی کے طریق سے ہے۔ دیکھئے مجموعہ رسائل عبداللہ غازیپوری (ص ۳۴۰)
[۲] علامہ ہیثمیؒ (م ۸۰۷ھ) اور علامہ بوصیری (م ۸۴۰ھ) نے بھی "مسند ابی یعلیٰ" کے حوالہ سے یہ حدیث "یعنی رمضان" کے الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے۔ مجمع الزوائد (۲: ۴۷)، اتحاف الخیرۃ المھرۃ (۲: ۱۳۸)
امام ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ) نے بھی اپنی صحیح میں اس حدیث کو امام ابو یعلیٰؒ سے نقل کیا ہے۔ "الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان" (۳: ۳۴۲، ح ۲۵۴۶، ۲۵۴۷) میں یہ حدیث مکرر ذکر ہے۔ پہلی جگہ (حدیث ۲۵۴۶) میں صرف "فی رمضان" کے الفاظ ہیں، جب کہ اس کے متصل بعد (حدیث ۲۵۴۷ میں) مکمل الفاظ: یعنی فی رمضان مذکور ہیں۔ اب یہ ایک ہی حدیث ہے، "الاحسان" کے نسخے میں ایک جگہ غلطی سے اس میں "یعنی" کے الفاظ گر گئے ہیں، لیکن دوسری جگہ پورے الفاظ ذکر ہیں، نیز اس کے اصل مأخذ (مسند ابی یعلی) میں بھی "یعنی" موجود ہے، ہیثمیؒ وغیرہ نے بھی وہاں سے اسی طرح نقل کیا ہے، لیکن سنابلی صاحب کی دیانت داری دیکھیں کہ وہ ان سب حقائق سے دانستہ چشم پوشی کرتے ہوئے "الاحسان" سے یہ حدیث "یعنی" کے الفاظ کے بغیر نقل کرکے یہ تاثر دے رہے ہیں کہ یہ حدیث "یعنی" کے الفاظ کے بغیر مروی ہے۔ انوار التوضیح (ص ۱۵۵، ۱۵۹)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

روایت کا حصہ نہیں، بلکہ راوی کا اپنا فہم ہے، اور قیام اللیل (ص ۲۱۷) میں (بروایت محمد بن حمید رازی) اگرچہ رمضان کا لفظ ہے، لیکن بوجہ قرینہ سابقہ اس میں رمضان کا لفظ مدرج ہے۔

اب ممکن ہے کہ یہ لفظ خود حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا فرمودہ ہو جو اس روایت کے پہلے راوی ہیں، یا پھر نیچے کے ضعیف راویوں (عیسیٰ بن جاریہ، یعقوب قمی اور محمد بن حمید رازی) میں سے کسی ایک کا تصرف ہو۔ فَإِذَا جَاءَ الْإِحْتِمَالُ بَطَلَ الْإِسْتِدْلَالُ۔

بنابریں جب اس روایت میں رمضان کا لفظ ثابت ہی نہیں، تو پھر اس سے آٹھ تراویح پر استدلال کیسے کیا جا سکتا ہے؟[۱] کیونکہ نماز تراویح تو صرف خاص رمضان میں ہی پڑھی جاتی ہے نہ کہ پورا سال، اور یہاں روایت میں رمضان کا لفظ ثابت ہی نہیں تو پھر اس عام دلیل سے خاص رمضان کی نماز (تراویح) پر استدلال کرنا چہ معنی دارد؟۔

بعض غیر مقلدین نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر اس روایت کا تعلق تراویح سے نہیں تو پھر تہجد سے ہوگا، اس صورت میں تہجد کا جماعت کے ساتھ پڑھنا ثابت ہوتا ہے، حالانکہ عندالاحناف تہجد کی جماعت مکروہ ہے۔[۲]

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ احناف کے نزدیک تہجد وغیرہ نوافل کی جماعت مطلق مکروہ نہیں ہے، بلکہ اس کو تداعی کے ساتھ ادا کرنا مکروہ ہے۔ اگر چند آدمی اتفاقی طور پر اکٹھے ہو جائیں اور بلا تداعی نوافل کی جماعت کرا لیں۔ (جیسا کہ مذکورہ بالا روایت میں حضرت اُبَی بن کعب رضی اللہ عنہ کا اپنے گھر کی عورتوں کو بلا تداعی نوافل کی جماعت کرانا مذکورہ ہے) تو ایسی صورت میں عندالاحناف بھی تہجد کی جماعت بلا کراہت جائز ہے۔[۳]

---

[۱] کفایت اللہ سنابلی صاحب اپنے مؤقف کے خلاف ایک حدیث کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: لہٰذا راجح روایت وہی قرار پائے گی جو "صحیح مسلم" میں ہے، اور "صحیح مسلم" میں اس واقعہ میں رمضان کا لفظ نہیں ہے۔ انوار التوضیح (ص ۱۴۸)

[۲] انوار المصابیح (ص ۱۵۸) وغیرہ

[۳] دیکھئے فتاوی شامی (۱:۴ ۵۳)، فتاوی بزازیہ (۴:۳۱)، فتاوی ھندیہ (۱:۹۲) وغیرہ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

جواب رابع:

اس روایت میں اضطراب بھی ہے، جیسا کہ ابھی گزرا ہے کہ بعض روایتوں میں رمضان کا لفظ ہے، اور بعض روایتوں میں یعنی رمضان کا لفظ ہے، اور بعض روایتوں میں تو سرے سے رمضان کا ذکر ہی نہیں ہے۔ نیز "مُسند حارث بن اسامہ" میں صرف حضرت اُبیؓ کے نماز پڑھانے کا ذکر ہے، اس میں رکعات کی تعداد ذکر نہیں ہے۔ [۱] اسی طرح "قیام اللیل" وغیرہ میں حضرت اُبیؓ کا رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنا واقعہ بیان کرنا مذکورہ ہے، جب کہ "زیادات مسند احمد" کی روایت میں حضرت اُبی رضی اللہ عنہ اپنا واقعہ بیان نہیں کر رہے، بلکہ یہ واقعہ کسی دوسرے نامعلوم شخص کا نقل فرما رہے ہیں۔

چنانچہ "زیادات مسند احمد" کی روایت [۲] کے الفاظ یوں ہیں:

"عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: عَمِلْتُ اللَّيْلَةَ، قَالَ: مَاهُوَ، قَالَ: نِسْوَةٌ مَعِيَ فِي الدَّارِ...الخ" [۳]

لہٰذا یہ روایت مضطرب ہے، اور علمائے غیر مقلدین بھی مانتے ہیں کہ حدیث

---

[۱] اتحاف الخیرۃ المھرۃ (۲:۱۳۸، ۲۲۳)، للبوصیریؒ، بغیۃ الباحث عن زوائد مسند الحارث (ص۲۶۶ ح۱۴۶) للھیثمیؒ

[۲] کفایت اللہ سنابلی صاحب اس روایت پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اس کی سند میں ایک راوی "رجل" کے ذکر کے ساتھ مبہم ہے۔ انوار التوضیح (ص۱۵۷)

جواب: بزرگ غیر مقلد عالم مولانا محب اللہ راشدی (م۱۴۱۵ھ) ایک حدیث کی تحقیق میں لکھتے ہیں: اگر چہ ایک راوی کے مبہم ہونے کی وجہ سے اس میں کچھ ضعف ہے، لیکن یہ ضعف یسیر ہے۔ مقالات راشدیہ (۱:۳۶۴)

لہٰذا محمد بن حمید رازی، یعقوب قمی، اور عیسیٰ بن جاریہ جیسے راویوں کے ضعف کے مقابلے میں اس رجل مبہم کا ضعف انتہائی کم تر ہے، اس لیے مبہم کی وجہ سے یہ اعتراض مردود ہے۔

[۳] مسند احمد (ح۲۱۰۹۸)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

مضطرب قابل احتجاج نہیں ہو سکتی۔[۱]

الغرض اس روایت سے استدلال اور احتجاج کرنا کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہے۔

غیر مقلدین کی دلیل نمبر ۴:

امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعات پڑھائیں۔[۲]

جواب:

غیر مقلدین کا اس روایت سے استدلال کرنا بھی کئی وجوہ سے باطل ہے۔

جواب اول: (بشرطِ ثبوت) ایک صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلیفہ راشد کا قول ہے، جب کہ غیر مقلدین حضرات کے نزدیک صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول ہی حجت ہے۔ باقی کسی صحابی یا تابعی وغیرہ کا قول ان کے نزدیک حجت نہیں ہے۔ چنانچہ غیر مقلدین کے شیخ الکل مولانا نذیر حسین صاحب دہلوی (م ۱۳۲۰ھ) لکھتے ہیں:

"زیرا کہ قول صحابی حجت نیست"[۳]

"صحابی کا قول حجت نہیں ہے۔"

مولانا نذیر حسین صاحب کے نامور شاگرد مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری (م ۱۳۵۳ھ) بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے آثار پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اور اگر یہ آثار صحیح بھی فرض کر لیے جائیں تو بھی حجت نہیں ہو سکتے، کیونکہ یہ صحابہ کے افعال ہیں۔[۴]

---

[۱] تحقیق الکلام (۲:۷)

[۲] موطا امام مالک (ص ۱۱۴)، السنن الکبریٰ للبیہقی (۲:۴۹۶)

[۳] فتاویٰ نذیریہ (۱:۳۴۰)

[۴] مقالات مبارکپوری (ص ۲۵۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

مولانا نذیر حسین کے ایک اور شاگرد مولانا محمد ابوالحسن سیالکوٹی (م   ) حضرت ابوبکرو حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ایک فیصلے پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قولِ صحابی اصح مذہب میں حجت نہیں ہے۔[۱]

نیز لکھتے ہیں:

اگر کوئی حدیث بھی صحابی کے قول کے مخالف نہ ہو تو جب بھی صحابی کا قول حجت نہیں۔[۲]

نواب صدیق حسن خان (م ۱۳۰۷ھ) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ایک قول پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ موقوف یعنی صحابی کا قول ہے، اس سے تو معارض سے خالی ہونے کی صورت میں بھی حجت نہیں پکڑی جا سکتی۔[۳]

علامہ شوکانیؒ (م ۱۲۵۰ھ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک فیصلے (امر) پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وَقَدْ تَقَرَّرَ اَنَّ اَفْعَالَ الصَّحَابَةِ وَاَقْوَالَهُمْ لَاحُجَّةَ فِيْهَا۔"[۴]

"یہ بات طے شدہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کے افعال اور ان کے اقوال حجت نہیں ہیں۔"

غیر مقلدین کے استاذ العلماء اور محدث حافظ محمد گوندلوی صاحبؒ (م ۱۴۰۵ھ) ارقام فرماتے ہیں:

---

[۱] الظفر المبین (ص ۴۳۹) طبع مکتبہ محمدیہ ساہیوال

[۲] ایضاً (ص ۳۶۶)

[۳] فتاوی نواب صدیق حسن (۴:۴۸۸) نیز دیکھئے (۴:۶۹)

[۴] نیل الاوطار (۱:۸۱۳)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

تابعین کے اقوال بلکہ صحابہؓ کے اقوال اختلافی امور میں حجت نہیں ہوتے۔ [۱]

نیز لکھتے ہیں: آثار صحابہ کے مطلقاً مرجح نہ ہونے کی وجہ ظاہر ہے۔ [۲]

مولانا نواب صدیق صاحبؒ (م ۱۳۰۷ھ) کے صاجزادے اور مشہور غیر مقلد عالم نواب نور الحسن خان صاحب (م ۱۳۳۶ھ) تحریر فرماتے ہیں:

"قول صحابی حجت نباشد" [۳]

"صحابی کا قول حجت نہیں ہے"

مولانا عبد الرؤف سندھو لکھتے ہیں:

قول صحابی حجت نہیں ہے۔ [۴]

کفایت اللہ سنابلی صاحب بحوالہ شیخ مقبل وداعی غیر مقلد لکھتے ہیں:

یہ روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے، اور موقوف حجت نہیں ہے۔ [۵]

مولانا عبدلقادر حصاروی (م ۱۴۰۱ھ): حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ایک قول کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ حدیث موقوف ہے، اور موقوف محققین کے نزدیک حجت نہیں ہے۔ [۶]

مولانا بشیر سہسوانی (م ۱۳۲۶ھ) جو اکابر علمائے غیر مقلدین میں سے ہیں، لکھتے ہیں:

اور یہ مطلب اس (حدیث) کا نہیں ہے کہ اللہ نے ہر موقع اور واقعہ میں عمر رضی اللہ عنہ

---

[۱] خیر الکلام (ص ۲۴۸)

[۲] التحقیق الراسخ (ص ۱۶۶)

[۳] عرف الجادی (ص ۳۹، ۴۵ وغیرہ)

[۴] القول المقبول (ص ۴۴۷)

[۵] یزید بن معاویہؓ (ص ۲۵۵)

[۶] فتاوی حصاریہ (۱: ۱۳۵)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کی زبان پر حق جاری کر دیا ہے، اور ان کا قول وفعل شریعت میں حجت ہے، اور ان سے کبھی غلطی نہیں ہو سکتی، اور اگر ایسا ہوتا تو صحابہ و تابعین، ان کے بعد فقہاء اور محدثین کبھی بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مخالفت نہ کرتے، جب کہ صحابہ و تابعین کا عمر رضی اللہ عنہ سے اختلاف بہت سے مواقع پر ہوا ہے، اس کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ اس مختصر جگہ اسے قلمبند کرنا ممکن نہیں، کتب احادیث و تاریخ سے واقفیت رکھنے والے اس سے بخوبی آگاہ ہیں، تعجب کی بات ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے فعل کو بنیاد بنا کر عمومی طور پر اس کو حجت بنالیا جائے؟ جیسا کہ مؤلف کا خیال ہے، حالانکہ عمر رضی اللہ عنہ سے متعدد مسائل میں خطا ہوئی ہے۔ [۱]

جن احادیث میں حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی اقتدا کا حکم دیا گیا ہے، ان کے بارے میں سہسوانی صاحب لکھتے ہیں:

اگر مراد یہ ہوتا کہ ان دونوں کے افعال حجت ہیں، تو صرف یہ کہنا کافی ہوتا کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی اقتدا کرو، مگر جب آپ ﷺ نے میرے بعد کا لفظ کہا تو اس سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد ہے۔ آپ ﷺ کی زندگی میں ان کی اقتدا نہیں ہے، آپ ﷺ کے بعد خلافت و امارت ہی ہے، اس کی مثال وہ حدیث بھی ہے، جس میں بیوی کو شوہر کی اطاعت، اور اولاد کو والدین کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، حالانکہ کوئی مسلمان یہ نہیں کہتا کہ شوہر کا فعل، قول یا تقریر بیوی کے لیے، اور والدین کا عمل اولاد کے لیے حجت ہے، لہٰذا یہی حال مذکورہ حدیث میں بھی ہے۔ [۲]

مولانا عبداللہ روپڑی (م ۱۳۸۴ھ) لکھتے ہیں:

ابھی یہ نزاع باقی ہے کہ خلیفے اور امیر کی اطاعت صرف سیاسی اور انتظامی امور میں

[۱] اظہار حق ترجمہ صیانۃ الانسان (ص ۱۶۷)

[۲] ایضاً (ص ۱۶۹)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ہوتی ہے، یا شرعی امور میں بھی ہوتی ہے، صحیح یہ ہے کہ صرف سیاست میں اطاعت ہوتی ہے، اور دیگر احکام شرعیہ میں صحابہ امیروں کے خیالات کے پابند نہ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جُنبی کے لیے تیمم کے قائل نہ تھے، باقی اکثر صحابہ اس مسئلہ میں ان کے خلاف تھے....[۱]

غیر مقلدین کے شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری ؒ (م ۱۳۶۷ھ) لکھتے ہیں:

اہل حدیث کے مذہب میں خدا اور رسول کے کلام کے علاوہ کسی کے قول و فعل کو حجتِ شرعیہ کی حیثیت سے جگہ نہیں ہے۔[۲]

بلکہ فرقہ غیر مقلدین میں تو ماشاء اللہ! ایسے لوگوں کی بھی کوئی کمی نہیں جو حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے جاری کردہ طریقہ اور ان کی سنت کو بدعت ضلالہ اور گمراہی تک کہنے سے بھی نہیں چونکتے، چنانچہ ان کے مشہور اور مستند عالم شیخ امیر یمانی ؒ (م ۱۱۸۲ھ) خلیفہ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جاری کردہ جماعتِ تراویح کو بدعت ضلالہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”إِذَا عَرَفْتَ هٰذَا عَرَفْتَ اَنَّ عُمَرَ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَهٗ جَمَاعَةً عَلٰى مُعَيَّنٍ وَسَمَّاهَا بِدْعَةً، وَاَمَّا قَوْلُهٗ: ” نِعْمَ الْبِدْعَةُ“ فَلَيْسَ فِي الْبِدْعَةِ مَا يُمْدَحُ، بَلْ كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔“[۳]

”جب تم نے یہ جان لیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہی تراویح کو اپنے مقرر کردہ امام کے ساتھ جماعت کی صورت دی، اور خود ہی اس کو بدعت سے موسوم کیا، رہا آپ کا یہ قول کہ: یہ اچھی بدعت ہے، تو بدعت کوئی بھی قابل تعریف نہیں، بلکہ ہر بدعت گمراہی ہے۔“

---

[۱] تحقیق التراویح (ص ۹۱)

[۲] مظالم روپڑی (ص ۵۰)

[۳] سبل السلام (۲:۱۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

نیز امیر یمانی صاحب حضرات خلفاء راشدین کے کسی قول و فعل کو حجت نہیں مانتے، چنانچہ اپنے اس مؤقف کو ثابت کرنے کے لیے لکھتے ہیں:

"اَنَّ الصَّحَابَةَ خَالَفُوْا الشَّيْخَيْنِ فِيْ مَوَاضِعٍ وَمَسَائِلٍ، فَدَلَّ اَنَّهُمْ لَمْ يَحْمِلُوا الْحَدِيْثَ عَلَى اَنَّ مَا قَالُوْهُ اَوْفَعَلُوْهُ حُجَّةٌ۔"[۱]

"صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کئی مسائل میں شیخین (حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ) کی مخالفت کی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے حدیث کا مطلب یہ نہیں سمجھا کہ خلفائے راشدین جو کہیں یا کریں وہ حجت ہے۔"

مولانا عبیداللہ عفیف (م ۱۴۴۳ھ) نے بھی شیخ امیر یمانی کے مؤقف کی تائید کی ہے۔[۲]

اب جو لوگ صحابہ کرام خصوصاً خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے اقوال و افعال کو حجت نہیں مانتے، بلکہ ان کو بدعت اور گمراہی قرار دیتے ہیں۔ العیاذ باللہ! تو ایسے لوگوں کو یہ حق کیسے پہنچتا ہے کہ وہ ان نفوسِ قدسیہ میں سے کسی کے قول یا فعل سے حجت پکڑیں۔

جوابِ ثانی: اس روایت کی سند اگرچہ صحیح ہے، لیکن اس کے متن کا کچھ حصہ (بِإِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً) ضعیف ہے[۳]۔ کیونکہ محدثین کرام نے اس روایت کے راوی امام مالکؒ (م ۱۷۹ھ) کے قول: بِإِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً (گیارہ

---

[۱] ایضاً (۲:۱۲)

[۲] فتاویٰ علمائے حدیث (۶:۲۷۷)

[۳] مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری (م ۱۳۵۳ھ) ارقام فرماتے ہیں: قَدْ تَقَرَّرَ اَنَّ صِحَّةَ السَّنَدِ لَا تَسْتَلْزِمُ صِحَّةَ الْمَتْنِ۔ ابکار المنن (ص ۲۸، ۲۹)
یہ بات طے شدہ ہے کہ سند کا صحیح ہونا متن کے صحیح ہونے کو مستلزم نہیں ہے۔
مولانا محمد گوندلوی صاحبؒ (م ۱۴۰۵ھ) لکھتے ہیں:
صحت سند صحت متن کو مستلزم نہیں ہے۔ التحقیق الراسخ (ص ۱۱۷)
اور یہ بات دیگر علمائے غیر مقلدین کو بھی تسلیم ہے۔ مثلاً دیکھئے تعداد تراویح (ص ۵۳)، فتاویٰ عبیداللہ مبارکپوری (۱:۸۹)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

رکعات) کو وہم قرار دیا ہے[۱]۔ کیونکہ دیگر راویوں نے اسی روایت میں اِحْدَی عَشْرَۃ کے بجائے اِحْدَی وعِشْرِین کے الفاظ نقل کیے ہیں۔

شارح موطا وترمذی علامہ ابو بکر ابن العربی مالکیؒ (م ۵۴۳ھ) لکھتے ہیں:

" فَرَوَی مَالِکٌ اَنَّ اُبَیَّ بْنَ کَعْبٍ کَانَ یَقُوْمُ بِاِحْدَی عَشْرَۃَ رَکْعَۃً، وَخَالَفَہُ النَّاسُ فَقَالُوْا: اِحْدَی وَعِشْرِیْنَ رَکْعَۃً۔"[۲]

"امام مالکؒ نے روایت کیا ہے کہ حضرت اُبیؓ (حضرت عمرؓ کے حکم سے) گیارہ رکعت پڑھاتے تھے، جب کہ دیگر لوگوں نے ان کی مخالفت کرتے ہوئے اکیس رکعت نقل کی ہیں۔"

مشہور مالکی فقیہ، عظیم محقق علامہ ابن عبدالبر مالکیؒ (م ۴۶۳ھ) اس روایت کے متعلق لکھتے ہیں:

---

[۱] اگر یہ اشکال کیا جائے کہ امام مالکؒ جیسے جلیل القدر محدث اور ثقہ راوی سے کیسے وہم ہوسکتا ہے، تو مولانا مبارکپوری صاحب اسی اشکال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: قَدْ تَقَرَّرَ فِیْ مَقَرِّہٖ اَنَّ الثِّقَۃَ قَدْ یَھِمُ وَیَغْلَطُ۔ ابکار المنن (ص ۱۵۹)

یہ بات اپنی جگہ ثابت ہو چکی ہے کہ کبھی کبھی ثقہ راوی بھی وہم اور غلطی کا شکار ہو جاتا ہے۔

مولانا گوندلوی صاحبؒ لکھتے ہیں:

اِنَّ الثِّقَۃَ قَدْ یَغْلَطُ (ثقہ راوی بھی کبھی کبھی غلطی کر جاتا ہے) مشہور مقولہ ہے۔ التحقیق الراسخ (ص ۱۲۲)

مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں:

حدیث میں ایسی غلطیوں سے امام مالک، سفیان ثوری، شعبہ، یحییٰ بن سعید ایسے حفاظ واثبات بھی محفوظ نہ رہ سکے، تو وہ آخر انسان ہی ہیں، اور خطا ونسیان انسان کے خمیر میں ہے۔ امام ابن مبارک فرماتے ہیں کہ وہم سے کون محفوظ رہا ہے۔ توضیح الکلام (۲:۵۹۱)

ع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

[۲] عارضۃ الاحوذی (۴:۹)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

"هٰكَذَا قَالَ مَالِكٌ فِيْ هٰذَا الْحَدِيْثِ: إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً، وَغَيْرُ مَالِكٍ يُخَالِفُهُ فَيَقُوْلُ فِيْ مَوْضِعِ، إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً " إِحْدَى وَعِشْرِيْنَ "، وَلَا أَعْلَمُ أَحَدًا قَالَ فِيْ هٰذَا الْحَدِيْثِ: إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً غَيْرُ مَالِكٍ. وَاللّٰهُ أَعْلَمُ ـ"[۱]

"امام مالکؒ نے اس حدیث میں گیارہ رکعت کا عدد نقل کیا ہے، لیکن ان کے برخلاف دیگر لوگ گیارہ رکعت کے بجائے اکیس رکعت نقل کرتے ہیں، اور مجھے معلوم نہیں کہ امام مالکؒ کے علاوہ کسی اور نے (اُن کی طرح) اس (حضرت عمرؓ کے حکم والی) حدیث میں گیارہ رکعت کا عدد ذکر کیا ہو۔" واللہ اعلم

اور پھر دونوں قولوں میں تطبیق (حضرت عمرؓ نے پہلے گیارہ کا حکم دیا، اور پھر اکیس رکعت مقرر کر دیں) ذکر کرنے کے بعد ارقام فرماتے ہیں:

" إِلَّا أَنَّ الْأَغْلَبَ عِنْدِيْ فِيْ إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً الْوَهْمُ ـ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ ـ"

" وَذَكَرَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ دَاوٗدَ بْنِ قَيْسٍ وَغَيْرِهٖ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يُوْسُفَ، عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ: أَنَّ عُمَرَ جَمَعَ النَّاسَ فِيْ رَمَضَانَ عَلٰى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ وَعَلٰى تَمِيْمِ الدَّارِيِّ، عَلٰى إِحْدَى وَعِشْرِيْنَ ـ"[۲]

"لیکن میرے نزدیک اغلب یہ ہے کہ گیارہ رکعت کا قول (امام مالکؒ کا) وہم ہے۔ واللہ اعلم ـ"

---

[۱] الاستذکار شرح الموطأ (۲:۶۸)

[۲] ایضاً

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

”اور امام عبد الرزاقؒ نے (اپنی مصنف ۴: ۲۰۰ میں) داؤد بن قیسؒ وغیرہ[۱] سے نقل کیا ہے کہ، انہوں نے محمد بن یوسفؒ سے، انہوں نے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت اُبی بن کعب اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہما پر جمع کیا، اور (ان کو حکم دیا کہ) وہ ان کو اکیس رکعت پڑھائیں۔“

اور پھر علامہ موصوف اس کی تائید میں چند روایات ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”وَهٰذَا كُلُّهٗ يَشْهَدُ بِاَنَّ الرِّوَايَةَ بِاِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً وَهْمٌ وَغَلَطٌ. وَاَنَّ الصَّحِيْحَ ثَلَاثٌ وَعِشْرُوْنَ، وَاِحْدَى وَعِشْرُوْنَ رَكْعَةً. وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔“[۲]

”یہ سب کچھ اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ گیارہ رکعت کی روایت محض وہم اور

---

[۱] داؤد بن قیس مدنیؒ مشہور اور بالاتفاق ثقہ راوی ہے، تہذیب التھذیب (۲: ۱۱۸) اور غالباً اسی وجہ سے امام عبد الرزاقؒ (م ۲۱۱ھ) نے سند بیان کرتے وقت اسی کا نام لینے پر اکتفا کیا، اور اس کے متابع کا نام لینا ضروری نہیں سمجھا۔ اور یہ بات خود علمائے غیر مقلدین بھی تسلیم کرتے ہیں کہ متابعت میں راوی کا نام معلوم نہ ہونا مضر نہیں۔ چنانچہ غیر مقلدین کے استاذ العلماء مولانا محمد گوندلویؒ (م ۱۴۰۵ھ) اپنی تائید میں ایک حدیث ذکر کرنے کے بعد ارقام فرماتے ہیں:
اس حدیث کی سند میں مولی جابر ہے جو مجہول (غیر مذکور الاسم) ہے، مگر وہ عبید اللہ بن ابی رافع کا متابع ہے۔ اس لیے اس کی جہالت کوئی مضر نہیں۔ خیر الکلام (ص ۲۲۸)
مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری (م ۱۳۵۳ھ) اور مولانا ارشاد الحق اثری نے بھی تصریح کی ہے کہ مبہم راوی کی روایت متابعت کی صورت میں معتبر ہے۔ مجموعہ فتاوی مبارک پوری (ص ۹۲)، توضیح الکلام (۱: ۴۶۱)
کفایت اللہ سنابلی اسی طرح کی دو راویوں پر مشتمل روایت، جس میں ایک راوی مجہول ہے، پر اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: علم حدیث کا مبتدی طالب علم بھی دیکھ سکتا ہے کہ اس سند میں ابوحفص کی متابعت موجود ہے لہٰذا ابوحفص کی جہالت پر اعتراض کرنا بہت بڑا عجوبہ ہے۔ یزید بن معاویہؓ (ص ۴۷۳)
اس طرح کم از کم دو راوی امام مالکؒ کے مقابلے میں اکیس رکعت روایت کر رہے ہیں۔ اور سنابلی صاحب لکھتے ہیں: دو کے مقابلہ میں ایک کے بیان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ انوار البدر (ص ۱۶۷)
لہٰذا داؤد بن قیسؒ وغیرہ کی روایت امام مالکؒ کی روایت پر راجح ہے۔ اور اس پر طرہ یہ کہ اس روایت میں امام مالکؒ اور داؤد بن قیسؒ وغیرہ کے مشترکہ استاذ محمد بن یوسف مدنیؒ نے بھی پوری طرح تحقیق کرنے کے بعد بالآخر اکیس والے قول کو اختیار کیا ہے۔ جیسا کہ مابعد غیر مقلدین کی مستدل حدیث میں آرہا ہے۔

[۲] الاستذکار (۲: ۶۹)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

غلط ہے، اور صحیح روایات وہی ہیں جن میں تیئس اور اکیس رکعت کا ذکر ہے۔"

علامہ ابن عبد البرؒ باوجود مالکی ہونے کے کھلے دل سے اس حقیقت کو تسلیم کر رہے ہیں کہ اس حدیث میں گیارہ رکعت کا قول امام مالکؒ کا وہم اور ان کا تفرد ہے۔[1]

غیر مقلدین کے مشہور عالم حافظ محمد گوندلوی صاحبؒ (م ۱۴۰۵ھ) لکھتے ہیں:

جس حدیث کی سند کے رجال ثقات ہوں، بظاہر اس میں کوئی خرابی نہیں ہوتی لیکن

---

[1] اشکال: بعض حضرات نے لکھا ہے کہ امام مالکؒ کی طرف وہم کی نسبت کرنا غلط ہے، کیونکہ وہ گیارہ رکعات کے قول کو نقل کرنے میں متفرد نہیں ہیں، بلکہ عبد العزیز بن محمد دراوردیؒ اور یحیٰ بن سعید قطانؒ وغیرہ نے ان کی متابعت کی ہے، اور انہوں نے بھی امام مالکؒ کی طرح محمد بن یوسفؒ سے گیارہ کا عدد روایت کیا ہے۔

جواب: دراوردیؒ وغیرہ کی روایات میں جو اسنادی طور پر ضعف ہے (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے) اس سے قطع نظر بھی ان کی روایات امام مالکؒ کی روایت کے لیے متابعت بننے کے قابل نہیں ہیں۔ کیونکہ امام مالکؒ کی روایت میں حضرت عمرؓ کے (گیارہ رکعات سے متعلق) حکم دینے کا ذکر ہے، جب کہ باقیوں کی روایات حضرت عمرؓ کے حکم سے یکسر خالی ہیں، ان میں صرف لوگوں کا عمل مذکور ہے۔ اور خود غیر مقلدین ان دونوں میں فرق کرتے ہیں جیسا کہ اس کی کچھ تفصیل پہلے ذکر ہو چکی ہے، اور کچھ تفصیل آگے آرہی ہے ان شاء اللہ۔

البتہ "موطا امام مالکؒ" اور "مصنف عبد الرزاق" کے متون اور الفاظ تقریباً ایک جیسے ہیں، صرف عدد کے بیان میں اختلاف ہے۔ چنانچہ موطا کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت اُبی و تمیم رضی اللہ عنہما کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دیا تھا۔

اور "مصنف" کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اکیس رکعات کے لیے حضرت اُبی اور تمیم رضی اللہ عنہما پر جمع (ہونے کا حکم دیا) تھا۔ اور اسی وجہ سے علامہ ابو بکر ابن العربیؒ (م ۵۴۳ھ) اور علامہ ابن عبد البرؒ (م ۴۶۳ھ) نے ان دونوں کے متون (گیارہ و اکیس) میں موازنہ پیش کیا ہے، بلکہ علامہ ابن عبد البرؒ نے تو باقاعدہ موطا کی روایت کے مقابلے میں مصنف عبد الرزاق سے پوری روایت مع سند ذکر کر کے اس کو موطا کی روایت پر فوقیت دی ہے، اور روایت موطا کو وہم قرار دیا ہے۔ اس فرق کو ملحوظ نہ رکھ کر بعض حضرات غلط فہمی کا شکار ہو گئے، اور لکھ دیا کہ فلاں فلاں نے بھی امام مالکؒ کی متابعت کی ہے۔

ثانیاً: اگر تسلیم بھی کر لیں کہ یہ مذکورہ روایتیں امام مالکؒ کی روایت کے لیے متابع ہیں، اور علامہ ابن عبد البرؒ (م ۴۶۳ھ) نے موطا کی روایت پر وہم کا جو حکم لگایا ہے، اس کی نسبت میں غلطی کی ہے، تو پھر بھی ان کا اس روایت پر وہم کا حکم لگانا صحیح ہے، کیونکہ غیر مقلدین کے ایک بہت بڑے عالم مولانا محمد گوندلوی صاحبؒ (م ۱۴۰۵) نے تصریح کی ہے کہ: اگر کوئی محدث کسی حدیث پر بسبب مخالفت بقیہ احادیث کے وہم کا یقین کر لے لیکن نسبت وہم میں غلطی بھی کرلے تو بھی وہم کا حکم صحیح ہوگا۔ دیکھئے التحقیق الراسخ (ص ۱۲)

اور چونکہ علامہ ابن عبد البرؒ (جن کا محدث ہونا غیر مقلدین کو بھی تسلیم ہے) نے اس حدیث پر بسبب مخالفت بقیہ احادیث کے وہم کا حکم لگایا ہے، لہٰذا اگر بالفرض ان سے وہم کی نسبت میں غلطی بھی ہوگئی ہے، تو پھر بھی بقول مولانا محمد گوندلوی مرحوم ان کا اس حدیث پر وہم کا حکم لگانا صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کسی محدث کو کسی علت خفیہ (وہم وغیرہ۔ناقل) پر اطلاع ہو جائے، اور وہ کہے کہ اس میں علت ہے تو وہ معلّل ہے۔[۱]

نیز مولانا گوندلوی لکھتے ہیں:

ان دونوں کتابوں (بخاری ومسلم) میں قریب قریب کل احادیث باتفاق امت صحیح ہیں۔صرف دوسو کے قریب ایسی احادیث ہیں، جن میں علماء محققین نے بحث کی ہے، اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے قول کے مطابق یہ حدیثیں بھی صحیح ہیں۔صرف بعض احادیث کے چند کلمات ایسے ہیں، جو شاذ ہیں۔بعض محققین نے "موطا" کو بھی صحیحین کے ساتھ ملایا ہے (جیسا کہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔حجۃ اللہ البالغہ ۱:۱۰۵) اور تینوں کتابوں کو طبقہ اُولیٰ میں شمار کیا ہے۔[۲]

مولانا گوندلوی کے شاگرد مولانا ارشاد الحق اثری رقمطراز ہیں:

صحیح بخاری اور مسلم کے ہر ہر لفظ کی صحت کا دعوٰی کسی نے نہیں کیا، بلکہ صحت کا حکم پوری حدیث کے اعتبار سے ہے، بعض ثقات سے وہم وخطاء کی بنا پر کسی لفظ کو نفس روایت میں بیان کر دینا اور بات ہے، اور پوری روایت کا ضعیف ہونا دوسری بات ہے۔صحیحین میں حدیث معراج جو بواسطہ شریک بن عبداللہ بن ابی نمر ہے، کے الفاظ اور سیاق پر محدثین کا کلام مشہور ہے۔[۳]

ان بیانات سے واضح ہو رہا ہے کہ صحیحین اور موطا کی روایات کے بعض الفاظ شاذ ہیں، اور ان کے ثقہ راویوں نے وہم کا شکار ہو کر یہ الفاظ غلط روایت کر دیے ہیں، نیز ان بیانات سے یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ مذکورہ تین کتب کے ان شاذ الفاظ کو غلط یا ضعیف کہنے سے پوری روایت کی صحت پر زد نہیں پڑتی، اور نہ ہی اس سے ان کتب ثلاثہ کی مجموعی حیثیت

---

[۱] التحقیق الراسخ (ص ۱۲)

[۲] دوامِ حدیث (ص ۴۹۰)

[۳] توضیح الکلام (ص ۱۰۷، حاشیہ) طبع ثانی

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

متاثر ہوتی ہے۔

بنابریں ہم بھی ''موطا'' کی مذکورہ روایت کو بالکل ضعیف نہیں کہتے، بلکہ ہمارے نزدیک اس کی سند بھی بلاشبہ صحیح ہے، اس کے متن کے زیادہ تر الفاظ (حضرت عمرؓ کا حضرت اُبیؓ وتمیمؓ کو تراویح پڑھانے کا حکم دینا، اور قاری کا لمبی لمبی رکعات پڑھنا وغیرہ) بھی صحیح ہیں، صرف اس میں گیارہ رکعت کا قول وہم اور شاذ ہے، لہٰذا بعض غیر مقلدین کا حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ (م ۱۱۷۶ھ) کے قول (موطا کی سب احادیث صحیح ہیں) کو یہاں پیش کرنا غلط ہے۔[۱]

بلکہ ان کے شیخ العرب والعجم مولانا بدیع الدین راشدی (م ۱۴۱۶ھ) تو یہاں تک لکھتے ہیں کہ:

یہ دعویٰ کسی نے بھی نہیں کیا کہ موطا مالک میں تمام روایات صحیح ہیں۔[۲]

نیز لکھتے ہیں:

بلکہ ثابت ہوا کہ اکثر علماء ان کی کتنی احادیث کو ضعیف اور واہی کہتے ہیں۔[۳]

نیز لکھتے ہیں:

پھر جب ستر سے زائد موطا کی ایسی احادیث ہیں جن پر خود امام مالک عامل نہ تھے، پھر کس طرح کہتے ہو کہ ان کے ہاں سب حجت ہیں۔[۴]

جوابِ ثالث: اس روایت کے ناقابل استدلال ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس روایت کے متن میں اضطراب بھی ہے جس کی تفصیل ان شاءاللہ دلیل نمبر ۹ کے

---

[۱] تعداد رکعاتِ قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ (ص ۲۰)

[۲] مقالاتِ راشدیہ (۷:۱۴۶)

[۳] ایضاً (۷:۱۵۰)

[۴] ایضاً

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ذیل میں آئے گی۔

جوابِ رابع: اگر اس روایت کے متن کو وہم اور مضطرب نہ کہا جائے، بلکہ مذکورہ روایت اور بیس رکعات والی روایت میں تطبیق دی جائے، جس کو بعض محدثین نے اختیار کیا ہے، تو پھر بھی اس روایت پر عمل کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ ان محدثین کرام کے نزدیک گیارہ رکعات پر عمل چند روز تک ہی رہا، پھر یہ عمل منسوخ ہو کر بیس رکعات پر ہمیشہ کے لیے عمل قرار پایا۔

چنانچہ مشہور غیر مقلد عالم مولانا غلام رسول صاحبؒ (م ۱۲۹۱ھ) فرماتے ہیں:

ایک یہ حدیث ہے جو موطا (امام مالک) میں آتی ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت اُبیؓ اور تمیم داریؓ کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دیا، اور دوسری حدیث بیہقی کی ہے جس میں تیئس رکعت کا ذکر ہے، پھر عمل کس پر ہوگا؟ اس کا جواب خود صاحب محلی نے امام بیہقی کے قلم سے نقل کیا ہے وہ یہ کہ پہلی روایت اس کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ اولاً گیارہ پر عمل ہوا پھر معاملہ بیس پر مقرر ہو گیا۔[۱]

امام بیہقیؒ (م ۴۵۸ھ) کے علاوہ علامہ زرقانیؒ (م ۱۱۲۲ھ)، علامہ عینیؒ (م ۸۵۵ھ)، علامہ باجی مالکیؒ (م ۴۹۴ھ)، علامہ سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ)، حافظ ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ)، علامہ شوکانیؒ (م ۱۲۵۰ھ)، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۱ھ)، علامہ نیمویؒ (م ۱۳۲۲ھ) وغیرہم مشاہیر علمائے کرام نے بھی اسی تطبیق کو اختیار کیا ہے۔[۲]

اب مذکورہ علمائے کرام کی ذکر کردہ تطبیق کی وجہ سے بھی اس روایت پر عمل کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ منسوخ روایت ناقابلِ عمل ہوتی ہے۔

جوابِ خامس: اس روایت کے بنیادی راوی امام مالکؒ (م ۱۷۹ھ) کا اپنا

---

[۱] رسالہ تراویح مع ترجمہ ینابیع (ص ۴۰)

[۲] تعداد تراویح (ص ۱۶۵) از: مولانا عبد المنان نور پوری، انوار المصابیح (ص ۲۳۳) از: مولانا نذیر رحمانی۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

عمل بھی اس روایت کے خلاف ہے، کیونکہ حصہ اول میں تفصیل سے گزر چکا ہے کہ امام مالکؒ کا مذہب بیس یا چھتیس رکعات کا ہے۔

جوابِ سادس: اس روایت کے مرکزی راوی حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہما کا اپنا عمل بھی اس روایت کے خلاف ہے، کیونکہ حصہ اول میں صحیح السند روایات سے ان کا اپنا عمل ذکر ہو چکا ہے کہ ہم حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں بیس رکعت کے ساتھ قیام کیا کرتے تھے۔

جوابِ سابع: حضرت اُبَی بن کعب رضی اللہ عنہ (جن کو اس روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح پڑھانے کا حکم فرمایا) کا اپنا عمل بھی اس روایت کے خلاف ہے، کیونکہ وہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے، جیسا کہ ان کی روایات بہ سند صحیح حصہ اول میں گزر چکی ہیں۔

غیر مقلدین کے مسلمہ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) بھی تصریح کرتے ہیں:

"فَلَمَّا جَمَعَهُمْ عُمَرُ رضی اللہ عنہ عَلَى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رضی اللہ عنہ كَانَ يُصَلِّي بِهِمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً ثُمَّ يُوْتِرُ بِثَلَاثٍ۔"[۱]

"جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت اُبَی رضی اللہ عنہ کی امامت پر جمع کیا تو وہ ان کو بیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر پڑھایا کرتے تھے۔"

الغرض اس روایت کے تینوں راویوں کا عمل اپنی مروی روایت کے خلاف ہے، حالانکہ اگر کسی روایت کے ایک راوی کا عمل بھی اپنی مروی روایت کے خلاف ثابت ہو جائے تو وہ روایت ناقابلِ عمل ہوتی ہے۔ اور یہ قاعدہ خود غیر مقلدین کو بھی تسلیم ہے۔

---

[۱] مجموعۃ الفتاوی (۱۱: ۵۲۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بزرگ غیر مقلد عالم مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی صاحبؒ (م ۱۳۷۵) ایک روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:

اگر یہ روایت امام مالکؒ کے نزدیک ثابت ہوتی تو آپ کا عمل اس کے خلاف نہ ہوتا۔[۱]

نواب صدیق حسن خان صاحبؒ (م ۱۳۰۷ھ) لکھتے ہیں:

"ومخالفت راوی ازمروی دلیل است برآنکه راوی علم ناسخ دارد چه حمل آن برسلامت واجب است۔"[۲]

"راوی کا اپنی مروی روایت کے خلاف عمل کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ راوی اس روایت کو منسوخ کر دینے والی روایت کا علم رکھتا ہے، کیونکہ راوی کی عدالت کو سلامتی پر محمول کرنا واجب ہے۔"

مولانا محمد گوندلوی صاحبؒ (م ۱۴۰۵ھ) ایک روایت کو ناقابل عمل قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباسؓ کا خود اپنی مروی عنہ کے خلاف عمل کرنا، اس کے صاف معنی یہی ہیں کہ یہ روایت قبل مشروعیت کی ہے۔[۳]

نیز گوندلوی صاحب ایک اور روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:

اسی طرح مجاہد جسے آپ ابن عمرؓ کے فعل عدمِ رفع کا ناقل بتاتے ہیں، خود اس کا عمل اس کے مروی عنہ کے خلاف ہے۔ یہ ضرور بتلاتا ہے کہ یہ روایت (ترکِ رفع)

---

[۱] انارۃ المصابیح (ص ۴۳)
[۲] دلیل الطالب (ص ۴۷۶)
[۳] التحقیق الراسخ (ص ۱۳۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اس کے نزدیک معمول بہ نہیں۔ [۱]

مولانا عبداللہ روپڑی (م ۱۳۸۴ھ) لکھتے ہیں:

آئمہ اربعہ اور جمہور تین طلاق واقع ہونے کے قائل کیوں ہوئے؟ بڑی وجہ اس کی یہی ہے کہ راوی حدیث ابن عباس کا فتویٰ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل حدیث قول صحابی کو بے دھڑک نہیں چھوڑتے۔ [۲]

حافظ زبیر علی زئی نے ایک حدیث کے متعلق لکھا ہے کہ:

یہ روایت شواہد کے ساتھ صحیح ہے، لیکن راوی کے فتویٰ کی وجہ سے منسوخ ہے۔ [۳]

ان اقتباسات سے ثابت ہوگیا کہ روایت کے کسی ایک راوی کا عمل بھی اپنی مروی روایت کے خلاف ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ روایت قابل عمل نہیں، جب کہ اس مذکورہ روایت کے تینوں راویوں کا عمل اپنی مروی روایت کے خلاف ہے، تو پھر یہ روایت معمول بہ کیسے بن سکتی ہے؟

جواب ثامن: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جس طرح گیارہ رکعات نقل کی جاتی ہیں، اسی طرح ان سے بیس رکعات کی روایات بھی صحیح اسناد کے ساتھ ثابت ہیں، اور بیس والی روایات گیارہ والی روایات پر کئی وجوہ سے راجح ہیں۔

اولاً: بیس رکعات والی احادیث بہ نسبت گیارہ والی حدیث سے زیادہ ہیں۔ کیونکہ گیارہ رکعات والی حدیث صرف محمد بن یوسفؒ کے طریق سے مروی ہے، جب کہ بیس والی حدیث بہت سے طُرق سے مروی ہے۔

---

[۱] ایضاً (ص ۱۷۰)

[۲] فتاویٰ اہل حدیث (۱:۵۰۴)

[۳] نصر الباری (ص ۳۸۶)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

مولانا محب اللہ راشدی (م ۱۴۱۵ھ) لکھتے ہیں:

قاعدہ تو یہ ہے کہ جو لفظ تھوڑی روایات میں وارد ہو، اس کو اس لفظ کے مطابق بنایا جاتا ہے جو روایاتِ کثیرہ میں وارد ہو، کیونکہ ایک دو رُواۃ (راویوں) سے وہم بھی ہو جاتا ہے، لیکن بڑی جماعت سے یہ احتمال کافی بعید ہوتا ہے۔ [۱]

اس اصول کو دیگر علمائے غیر مقلدین مثلاً مولانا شمس الحق عظیم آبادی ؒ (م ۱۳۲۹ھ)، مولانا محمد گوندلوی ؒ (م ۱۴۰۵ھ) اور مولانا بدیع الدین راشدی (م ۱۴۱۶ھ) بھی تسلیم کرتے ہیں۔ [۲]

ثانیاً: تمام بڑے بڑے محدثین اور ائمہ کبار مثلاً امام شافعی ؒ (م ۲۰۴ھ)، امام نووی ؒ (م ۶۷۶ھ)، علامہ ابن قدامہ حنبلی ؒ (م ۶۲۰ھ)، حافظ ابن تیمیہ ؒ (م ۷۲۸ھ) وغیرہم، اور علمائے غیر مقلدین میں سے نواب صدیق حسن خان ؒ (م ۱۳۰۷ھ) اور مولانا میاں غلام رسول ؒ (م ۱۲۹۱ھ) وغیرہما نے بھی گیارہ رکعات والی روایات کے مقابلے میں بیس رکعات والی روایات کو ترجیح دی ہے۔ مذکورہ علماء کی یہ عبارات مقدمہ میں گزر چکی ہیں، لیکن کسی محدث سے یہ ثابت نہیں کہ اس نے بیس والی روایات کے مقابلے میں گیارہ والی روایات کو ترجیح دی ہو۔

رابعاً: مولانا میاں غلام رسول صاحب ؒ (م ۱۲۹۱ھ) نے مذکورہ گیارہ والی روایت کے مقابلے میں بیس والی روایت کی ایک وجہ ترجیح یہ بھی بیان کی ہے کہ:

یہ حدیث صحت اور قوت میں موطا کی (گیارہ رکعت والی) حدیث سے زیادہ بڑی ہوئی ہے، کیونکہ اس میں زیادت ہے (جو اصولِ حدیث کے لحاظ سے واجب

---

[۱] مقالاتِ راشدیہ (۱:۲۲۱)

[۲] مجموعہ مقالات وفتاوی (ص ۴۰۴)، التحقیق الراسخ (ص ۱۷۱)، مقالاتِ راشدیہ (۵:۲۵۶)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

القبول ہے)[۱]

ان مذکورہ بالا وجوہ ترجیح کی بنا پر بیس رکعت والی احادیث گیارہ رکعت والی حدیث پر راجح ہیں۔لہٰذا یہی قابل عمل ہیں۔

جواب تاسع: مذکورہ بالا روایت میں گیارہ رکعت کا ذکر ہے، اور یہ غیر مقلدین کے دعوٰی کے خلاف ہے، کیونکہ ان گیارہ رکعات میں اگر ایک رکعت وتر کی شمار کی جائے، جیسا کہ غیر مقلدین کا عمل ہے، تو پھر تراویح کی دس رکعت ہو جائیں گی، حالانکہ غیر مقلدین صرف آٹھ تراویح کی سنیت کے قائل ہیں، اور اگر گیارہ رکعات میں آٹھ رکعات تراویح اور تین رکعتیں وتر کی شمار کی جائیں تو یہ بھی غیر مقلدین کے موقف کے خلاف ہے، کیونکہ وہ تین وتر کی بجائے صرف ایک رکعت وتر کی پڑھتے ہیں۔ یا پھر تین رکعت دو سلام کے ساتھ پڑھتے ہیں، حالانکہ حضرت اُبی رضی اللہ عنہ سے یہ ثابت ہے کہ وہ وتر کی تین رکعتیں ایک سلام کے ساتھ پڑھایا کرتے تھے چنانچہ امام عبدالرزاقؒ (م ۲۱۱ھ) نے اپنی سند کے ساتھ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ:

”جَمَعَ عُمَرُ النَّاسَ عَلَى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ وَتَمِيمٍ الدَّارِيِّ، فَكَانَ أُبَيٌّ يُوتِرُ بِثَلَاثِ رَكَعَاتٍ۔“[۲]

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو (تراویح کے لیے) حضرت اُبی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہما پر جمع کیا، اور حضرت اُبی رضی اللہ عنہ تین رکعت وتر پڑھاتے تھے۔“

نیز امام عبدالرزاقؒ نے حضرت حسن بصریؒ سے روایت کیا ہے کہ:

---

[۱] دیکھئے رسالہ تراویح (ص ۴۲)

[۲] مصنف عبدالرزاق (۴:۲۰۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

”کَانَ اُبَیُّ بْنُ کَعْبٍ یُوْتِرُ بِثَلَاثٍ، لَا یُسَلِّمُ اِلَّا فِی الثَّالِثَۃِ، وِتْرًا مِثْلَ الْمَغْرِبِ۔“[۱]

”حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ تین وتر مغرب کے فرضوں کی طرح پڑھتے تھے، اور صرف تیسری رکعت کے بعد سلام پھیرتے تھے“

جواب عاشر: احتیاط بھی بیس رکعت والی روایات پر عمل کرنے میں ہے، کیونکہ بیس رکعات ادا کرنے سے آٹھ رکعات پر خود بخود عمل ہو جاتا ہے کہ آٹھ بیس میں داخل اور شامل ہیں، لیکن اس کے برخلاف آٹھ تراویح کے پڑھنے سے بیس رکعات والی روایات پر عمل نہ کرنا لازم آتا ہے۔ اس لیے احتیاط کا تقاضا بھی یہی ہے کہ آٹھ رکعات کی بجائے بیس رکعات تراویح ادا کی جائیں۔

غیر مقلدین کی دلیل نمبر ۵

اسماعیل بن امیہؒ نے محمد بن یوسفؒ سے نقل کیا ہے، وہ سائب بن یزید رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت اُبی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہما کے ساتھ تراویح پڑھنے کے لیے جمع کر دیا، تو یہ دونوں ایک رکعت میں سو آیات پڑھتے تھے، پھر جب ہم نماز سے فارغ ہوتے تو ہم کو لگتا کہ فجر طلوع ہو چکی ہے، سائب بن یزید رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ہم گیارہ رکعات پڑھتے تھے۔“[۲]

جواب:

اس حدیث کے ایک راوی حجاج بن محمد اعورؒ (م ۲۰۶ھ) ہیں، مولانا نذیر حسین دہلویؒ

[۱] ایضاً (۴:۱۹۹)

[۲] فوائد ابی بکر عبداللہ بن محمد بن زیاد النیسابوری (ق ۱۳۵/ب)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کے شاگرد مولانا محمد ابو الحسن سیالکوٹی (م   ) ان کی ایک روایت کو ضعیف قرار دیتے ہوئے ان کے متعلق لکھتے ہیں:

اخیر عمر میں ان کا حافظہ خلط ملط ہو گیا تھا۔[۱]

مولانا محب اللہ راشدی (م ۱۴۱۵ھ) نے بھی ان کو مختلط قرار دیا ہے۔[۲]

غیر مقلدین کے شیخ العرب والعجم مولانا بدیع الدین راشدی (م ۱۴۱۶ھ) ان کی ایک روایت پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حجاج بن محمد المصیصی الاعور ہے، جس کا آخر میں حافظہ تبدیل ہو چکا تھا۔ (تہذیب: ۲۰۵،۲۰۶) میں ہے کہ:

”قَالَ ابْنُ سَعْدٍ: وَكَانَ قَدْ تَغَيَّرَ فِيْ آخِرِ عُمُرِهٖ حِيْنَ رَجَعَ اِلٰى بَغْدَادَ۔“

(”امام محمد بن سعدؒ فرماتے ہیں کہ آخری عمر میں جب یہ بغداد واپس لوٹے تو ان کا حافظہ متغیر ہو گیا تھا“)

”وَرَوَى ابْرَاهِيْمُ الْحَرْبِيُّ :اَخْبَرَنِيْ صَدِيْقٌ لِيْ، قَالَ : لَمَّا قَدِمَ حَجَّاجٌ بَغْدَادَ آخِرَ مَرَّةٍ، خُلِّطَ، فَرَآهُ ابْنُ مَعِيْنٍ يُخَلِّطُ فَقَالَ لِابْنِهٖ: لَايَدْخُلُ عَلَيْهِ اَحَدٌ۔“

(”ابراہیم حربیؒ نے روایت کیا ہے کہ مجھے میرے ایک دوست نے بتلایا کہ حجاج جب آخری دفعہ بغداد آئے تو یہ حالت اختلاط میں مبتلا ہو گئے تھے، امام یحییٰ بن معینؒ نے جب ان کو اس حالت میں دیکھا تو آپ نے ان کے بیٹے سے فرمایا: ان

---

[۱] الظفر المبین (ص ۱۷۶)

[۲] فتاویٰ راشدیہ (ص ۳۷۹)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کے پاس (روایت حدیث کے لیے) کوئی نہ آنے پائے۔")

ایسے راوی کی روایت معتبر نہیں ہوگی اس وقت تک جب تک یہ ثبوت نہ ملے کہ اس نے یہ روایت اختلاط سے پہلے بیان کی ہے۔ اس لیے مولوی صاحب پر لازم ہے کہ اس روایت کو دلیل بنانے سے پہلے یہ ثابت کرے کہ حجاج بن محمد المصیصی نے یہ روایت اختلاط سے پہلے بیان کی ہے، ورنہ دوسری صورت میں اس سے ہاتھ اٹھائے۔ [۱]

نیز مولانا راشدی اس کی ایک اور حدیث جو اس سے یوسف بن سعید مصیصیؒ (جو مذکورہ روایت کا بھی راوی ہے) نے روایت کی ہے [۲]، پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لیکن اس کی سند میں وہی راوی حجاج ہے، جس کا حافظہ آخر میں خراب ہوگیا تھا۔ اس لیے مولوی صاحب کو ثابت کرنا ہوگا کہ ان کی یہ روایت اختلاط سے پہلے کی ہے، ورنہ ایسی روایت پیش کرنے سے باز رہے۔ [۳]

حضرات غیر مقلدین سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ وہ اپنے شیخ العرب والعجم کا چیلنج قبول کریں، اور یہ ثابت کریں کہ حجاج مذکور نے ان کی اس مستدل حدیث کو اختلاط سے پہلے روایت کیا تھا، ورنہ وہ اس روایت سے ہاتھ اٹھالیں۔

بالخصوص جب حجاج اعورؒ کی وفات (۲۰۶ ہجری [۴]) کے وقت ان سے یہ حدیث روایت کرنے والے یوسف بن سعید مصیصیؒ تقریباً پچیس ۲۵ سال کے نوجوان تھے۔ [۵]

اور باقرار غیر مقلدین یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے حجاجؒ سے حالتِ اختلاط کے بعد سنا ہے۔ چنانچہ حافظ زبیر علی زئی ایک روایت پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

آخری عمر میں محمد بن جابر اختلاط کا شکار ہو گئے تھے (کما تقدم) ان سے یہ حدیث ان

---

[۱] مقالاتِ راشدیہ (۳:۴۵۲)

[۲] سنن الدارقطنی (۴:۱۵، ح۳۸۸۱) طبع نشر السنۃ ملتان

[۳] مقالاتِ راشدیہ (۳:۴۵۲)

[۴] تھذیب التھذیب (۱:۴۴۶)

[۵] سیر اعلام النبلاء (۱۲:۶۲۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کے قدیم شاگرد روایت نہیں کرتے، بلکہ ایک متاخر راوی ہیں اسحاق بن ابی اسرائیل جو کہ ۱۵۱ھ میں پیدا ہوئے۔ محمد بن جابر تقریباً ۱۷۰ھ کے چند سال بعد فوت ہوئے۔ یعنی اس کی وفات کے وقت اسحاق مذکور تقریباً بیس یا کچھ زیادہ برس کے نوجوان تھے۔ لہٰذا انہوں نے یہ حدیث محمد بن جابر کے اختلاط کے بعد سنی ہے۔ [۱]

بنابریں یوسف مصیصی بھی حجاج کی وفات کے وقت تقریباً پچیس سال کے نوجوان تھے، اس لیے انہوں نے یہ حدیث حجاج کے اختلاط کے بعد سنی ہے، لہٰذا یہ حدیث قابل حجت نہیں ہے۔ رہا حافظ ابو بکر نیشاپوری (م ۳۲۴ھ) کا اس حدیث کو حسن کہنا، تو غیر مقلدین کے ذہبی العصر شیخ معلمی (م ۱۳۸۶ھ)، ان کے محدث العصر شیخ البانی (م ۱۴۲۰ھ) اور مولانا روپڑی (م ۱۳۸۴ھ) نے تصریح کی ہے کہ محدثین بسا اوقات کسی ضعیف حدیث کو لغوی لحاظ سے حسن کہہ دیتے ہیں، ان کی مراد اس سے حسن اصطلاحی نہیں ہوتی۔ [۲]

اس لیے ممکن ہے کہ حافظ ابو بکر نے اس حدیث کو لغوی لحاظ سے حسن کہا ہو۔

غیر مقلدین کا کھلم کھلا تضاد ملاحظہ ہو کہ وہ حجاج اعور جیسے راوی (جو بتصریح علمائے غیر مقلدین: نہ صرف یہ کہ متغیر الحفظ تھے، بلکہ اختلاط کا شکار بھی تھے) کی روایت سے تو استدلال کرتے ہیں، لیکن اپنے موقف کے خلاف اگر کسی ایسے راوی کی روایت آجائے کہ جس کا حافظہ آخر عمر میں معمولی سا بھی بدل گیا ہو تو اس کو بھی رد کر دیتے ہیں۔ مثلاً حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیس تراویح والی روایت پر نقد کرتے ہوئے مولانا عبد المنان نور پوری (م ۱۴۳۳ھ) لکھتے ہیں:

اس اثر کی سند میں حفص بن غیاث اور اعمش دو راوی ہیں۔ حفص بن غیاث سے متعلق تقریب میں ہے۔

"ثِقَةٌ فَقِيهٌ تَغَيَّرَ حِفْظُهٗ قَلِيلًا فِي الْآخِرِ"

"ثقہ فقیہ ہے، آخر عمر میں اس کا حافظہ تھوڑا سا متغیر ہو گیا تھا" [۳]

---

[۱] نور العینین (ص ۱۴۰)

[۲] حاشیۃ الفوائد المجموعۃ (ص ۲۵۵)، ارواء الغلیل (۴: ۳۶۳)، اطفاء الشمعۃ (ص ۱۲۳)

[۳] تعداد تراویح (ص ۷۱، ۷۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

یہ ہے ان لوگوں کا انصاف، خیر اس روایت کی سند سے قطع نظر بھی غیر مقلدین کا اس روایت سے استدلال کرنا غلط ہے، اس لیے کہ یہ روایت ان کے حق میں نہیں ہے، بلکہ یہ توان کے موقف کے سراسر خلاف ہے، کیونکہ اس روایت کے راوی محمد بن یوسف ؒ نے خود اپنی بیان کردہ روایت کو مشکوک قرار دے دیا ہے، چنانچہ انہوں نے جب یہ گیارہ رکعت کی روایت بیان کی تو ان کے اور ان کے شاگرد اسماعیل بن امیہ ؒ (م ۱۴۴ھ) کے درمیان ایک بڑا دلچسپ مکالمہ ہوا جو ذیل میں ملاحظہ ہو:

"قُلْتُ: اَوَ وَاحِدٌ وَعِشْرِيْنَ، قَالَ: لَقَدْ سَمِعَ ذٰلِكَ مِنَ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ ابْنُ خُصَيْفَةَ ۔ فَسَأَلْتُ يَزِيْدَ بْنَ خُصَيْفَةَ، فَقَالَ: حَسِبْتُ اَنَّ السَّائِبَ بْنَ يَزِيْدَ قَالَ: اَحَدَ وَعِشْرِيْنَ، قَالَ مُحَمَّدٌ: اَوْ قُلْتُ لِاَحْدٰى وَعِشْرِيْنَ ۔"[۱]

اس مکالمہ سے واضح طور پر یہ ثابت ہو رہا ہے کہ محمد بن یوسف ؒ اپنے بیان پر قائم نہیں رہے، چنانچہ انہوں نے جب گیارہ کا عدد بیان کیا تو ان کے شاگرد اسماعیل بن امیہ ؒ (جن کو معلوم تھا کہ محمد ؒ پہلے اپنے کئی شاگردوں (داؤد بن قیس ؒ وغیرہ) کے سامنے اکیس کا عدد بیان کر چکے ہیں، اس لیے انہوں نے ان کو یاد دہانی کے لیے) عرض کیا کہ: کیا یہ اکیس نہیں؟ اس پر محمد ؒ نے فرمایا: لَقَدْ سَمِعَ ذٰلِكَ.... اب اگر "ذٰلك" کا مُشارٌ الیہ "احد عشر" (گیارہ رکعات) ہے، تو اس کا مطلب ہے کہ: حضرت سائب ؓ سے (میرے ساتھی) یزید بن خصیفہ ؒ نے بھی گیارہ کا عدد سنا ہے، لیکن جب اسماعیل بن امیہ ؒ نے اُن سے پوچھا تو انہوں نے کہا: میں سمجھتا ہوں کہ حضرت سائب ؓ نے اکیس کہا ہے۔ اس پر محمد بن یوسف ؒ کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا، اور ان کو یاد آ گیا کہ میرے استاذ حضرت سائب ؓ نے اکیس ہی کہا تھا، اس لیے انہوں نے فرمایا: ہاں میں کہتا ہوں: یہ اکیس ہی ہے۔

---

[۱] فوائد ابی بکر النیسابوری (ق ۱۳۵)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اور اگر "ذٰلِكَ" کا مشار الیہ "وَاحِدٌ وَعِشْرِينَ" ہے، تو پھر اس عبارت کا مطلب ہو گا کہ: اسی طرح اکیس کا عدد حضرت سائب رضی اللہ عنہ سے یزید بن خصیفہ نے بھی سنا ہے۔

اور جب یزید بن خصیفہؒ نے بھی اس کی تصدیق کر دی کہ حضرت سائبؓ نے اکیس رکعت ہی کہا ہے، تو محمد بن یوسفؒ کو اپنی غلطی کا یقین ہو گیا، اور اپنے پہلے بیان سے رجوع کرتے ہوئے فرمایا: اَوْ قُلْتُ لِاِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ۔

یعنی میں بھی اکیس کا قائل ہو گیا ہوں۔ ان دونوں صورتوں (ذٰلک کا مشار الیہ احد عشر ہو، یا واحد وعشرین) میں یہ ثابت ہو رہا ہے کہ محمد بن یوسفؒ کو یزید بن خصیفہؒ کے سماع پر مکمل وثوق تھا، اس لیے انہوں نے ان کے سماع کو لَقَدْ سَمِعَ ذٰلِكَ جیسے تاکیدی جملہ سے ذکر کر کے ان کے سماع کو یقینی قرار دیا ہے۔[۱]

---

[۱] لَقَدْ سَمِعَ ذٰلِكَ میں لام اور کاف دونوں تاکید کے لیے ہیں، اس جملہ میں محمد بن یوسفؒ کس قدر تاکید کے ساتھ یزید بن خصیفہؒ کا سماع ثابت کر رہے ہیں، لیکن دوسری طرف سنابلی صاحب کی انوکھی منطق ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں کہ: محمد بن یوسفؒ اپنی طرف سے اس کی نسبت کی نفی کر کے اس کی نسبت پوری تاکید کے ساتھ یزید بن خصیفہ کی طرف کر رہے ہیں، جس کا واضح مفاد یہ ہے کہ وہ اس تعداد سننے میں یزید بن خصیفہ کو خطا کار ٹھہرا رہے ہیں... انوار التوضیح (ص ۲۵۳) اللہ تعالیٰ ایسی الٹی عقل کسی کو نہ دے، کس طرح وہ ایک سیدھی سادھی بات کو بھی غلط معنی میں پیش کر رہے ہیں، اگر محمد بن یوسفؒ کا مقصد یزیدؒ کو سننے میں خطا کار ٹھہرانا ہوتا تو وہ صاف لفظوں میں کہہ دیتے کہ یزیدؒ کو سننے میں غلطی لگی ہے، جیسا کہ خود سنابلی صاحب نے امام دارقطنیؒ کی ابن عبادؒ کے متعلق یہ عبارت پیش کی ہے:
وَهٰذَا وَهَمَ فِيْهِ ابْنُ عَبَّادٍ عَلَى الدَّرَاوَرْدِيِّ عَنْ حُمَيْدٍ حِيْنَ سَمِعَهُ ابْنُ عَبَّادٍ مِنْهُ۔
انوار التوضیح (ص ۲۵۴) بحوالہ الالزامات والتتبع (ص ۳۶۱) یعنی ابن عباد کو یہ روایت دراوردیؒ سے سننے میں وہم ہوا ہے کہ وہ ان کی بات پوری طرح نہیں سمجھ سکے۔ اس کے برعکس محمد بن یوسفؒ نہ تو یزید بن خصیفہؒ کے سننے کو ان کا وہم یا غلطی قرار دے رہے ہیں، اور نہ ہی ان کی بات کا انکار کر رہے ہیں، بلکہ وہ تو ان کے سماع پر اعتماد کر کے اپنے سابق موقف سے بھی دستبردار ہو رہے ہیں۔ اس لیے سنابلی صاحب نے ان کی بات کو جو غلط رنگ دینے کی کوشش کی ہے وہ قابل افسوس ہے۔ نیز انہوں نے امام دارقطنیؒ کا جو حوالہ اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے دیا تھا، اس سے تو الٹا ان کا اپنا موقف غلط ثابت ہو گیا ہے۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اور پھر اُن ہی کی بات پر اعتماد کرتے ہوئے صاف کہہ دیا کہ: اَوْ قُلْتُ: لَاِحْدَیٰ وَعِشْرِیْنَ۔ ’اَوْ‘ یہاں اضراب (پہلی بات سے اعراض کے لیے) ہے۔ اور بمعنی بَلْ ہے۔ یعنی میں کہتا ہوں کہ گیارہ نہیں بلکہ اکیس ہے۔ یا پھر ”اَوْ“ شک کے لیے ہے، یعنی میں کہتا ہوں کہ حضرت سائب رضی اللہ عنہ نے گیارہ رکعت کہا تھا، یا اکیس۔“[۱]

اور ان دونوں صورتوں میں غیر مقلدین اس روایت سے استدلال نہیں کر سکتے، پہلی صورت میں تو ظاہر ہے کہ جب راوی نے خود ہی اپنی روایت سے رجوع کر لیا تو پھر اس سے استدلال چہ معنیٰ دارد؟ اور دوسری صورت میں بھی استدلال نہیں ہو سکتا کیونکہ: اِذَا جَاءَ الْاِحْتِمَالُ بَطَلَ الْاِسْتِدْلَالُ۔ اور پھر اسماعیل بن امیہؒ نے محمد بن یوسفؒ کو گیارہ کا عدد بیان کرنے پر توٹوکا، لیکن انہوں نے اس کے بعد جب یزید بن خصیفہؒ سے اکیس کا عدد سنا تو اُن کو بالکل نہیں ٹوکا، بلکہ یہ سننے کے بعد ان کے حفظ و سماع پر اعتماد کرتے ہوئے خاموش ہو گئے۔ اس سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ اسماعیل بن امیہؒ کی نظر میں بھی اس روایت میں اکیس کا عدد ہی راجح ہے۔

بعض غیر مقلدین نے یزید بن خُصیفہؒ کے الفاظ حَسِبْتُ سے یہ مطلب کشید کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ اکیس کا عدد بیان کرنے میں شک وتردد کا شکار ہیں۔[۲]

حالانکہ یہ سراسر غلط ہے، کیونکہ ایسے مواقع پر اس طرح کے الفاظ تشکیک اور تردد کے لیے نہیں، بلکہ احتیاط کے لیے بولے جاتے ہیں، اور خود غیر مقلدین کو بھی اس کا اقرار ہے۔ مثلاً حضرت

---

[۱] سنابلی صاحب نے دعویٰ کیا ہے کہ ”اوقلتُ“ میں ”اَوْ“ واؤ کے فتحہ کے ساتھ ”اَوْ“ استفہامیہ انکاریہ ہے۔ انوار التوضیح (ص ۲۵۵) حالانکہ یہاں ”او استفہامیہ“ نہ سیاق کلام سے مطابقت رکھتا ہے، اور نہ ہی قواعد نحو کے لحاظ سے درست ہے۔ کیونکہ ”اَوْ استفہامیہ“ کے بعد اس کا جواب ہونا ضروری ہے، اور وہ یہاں ندارد۔ نیز سنابلی صاحب نے ”لاحدی وعشرین“ میں لام کو تاکید کا ماننے سے انکار کیا ہے، لیکن یہ نہیں بتایا کہ پھر یہ لام کون سا ہے؟ اور نحوی اعتبار سے اس کا ماقبل عبارت سے کیا تعلق ہے؟

[۲] انوار التوضیح (ص ۲۵۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کسی چیز کو قبضہ کرنے سے قبل بیچنے کے متعلق فرماتے ہیں:

”وَاَحْسَبُ كُلَّ شَيْءٍ بِمَنْزِلَةِ الطَّعَامِ “۔[۱]

میرے خیال میں ہر چیز کھانے کی طرح ہے۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے احسبُ سے بیان کردہ اس فتوی سے متعدد علمائے غیر مقلدین نے استدلال کیا ہے۔[۲]

امام دارقطنیؒ (م ۳۸۵ھ) جن کو غیر مقلدین امام بخاریؒ کے بعد علل حدیث کا سب سے بڑا عالم قرار دیتے ہیں[۳]۔

آں موصوف ایک حدیث کی تحقیق فرماتے ہیں:

”وَاَحْسَبُ اَنَّ شُعْبَةَ كَانَ اِذَا حَدَّثَ بِهٖ بِطُوْلِهٖ اَرْسَلَهٗ ، وَاِذَا اخْتَصَرَهٗ وَصَلَهٗ “۔[۴]

”میرا خیال ہے کہ امام شعبہؒ جب اس حدیث کو مکمل ذکر کرتے تو اس کو مرسل ذکر کرتے، اور اگر اس کو انہوں نے مختصر بیان کرنا ہوتا تو پھر اس کو موصولاً ذکر کرتے۔“

یہاں امام دارقطنیؒ جیسا شخص اپنی تحقیق کو اَحْسَبُ سے بیان کر رہا ہے۔

محدث کبیر امام ابوالقاسم بغویؒ (م ۳۱۷ھ) تو ”معجم الصحابۃ“ میں اپنی زیادہ تر تحقیقات کو اَحْسَبُ سے ہی بیان کرتے ہیں۔[۵]

---

[۱] صحیح البخاری (۲۱۳۵)، صحیح مسلم (۳۸۳۲)

[۲] مثلاً دیکھئے عون المعبود (۶:۳۴۶، ۳۵۲)

[۳] فتاوی راشدیہ (ص ۳۵۷، ۳۵۸)

[۴] الالزامات والتتبع (ص ۱۶۴) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

[۵] دیکھئے معجم الصحابۃ (۲:۱۱۷، ۱۳۰، ۲۲۷، ۲۲۹، ۳۱۹، ۳۴۲، ۴۹۱، ۵۱۲، ۳:۱۰۴، ۱۴۲، ۱۵۲، ۲۳۸، ۳۱۴، ۳۷۶، ۴۳۲، ۴۴۵، ۴:۳، ۱۴۴، ۱۵۰، ۱۷۵، ۲۴۵، ۲۶۶، ۴۳۰، ۴۴۵، ۵۲۷، ۵:۳۱، ۱۰۹، ۱۳۹، ۳۱۳، ۳۱۵، ۳۴۳) طبع مکتبۃ دار البیان کویت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

تو پھر کیا یہ کہا جائے کہ امام بغویؒ کی اس کتاب میں زیادہ تر تحقیقات تردد و تشکیک پر مشتمل ہیں، حالانکہ یہ کتاب حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) وغیرہ محدثین کی تصانیف (اصابہ وغیرہ) میں ایک اہم مراجع کی حیثیت رکھتی ہے۔

غیر مقلدین کے شیخ العرب والعجم مولانا بدیع الدین راشدی (م ۱۴۱۶ھ) ایک راوی سعید پر اختلاط کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

لیکن اختلاط کے بعد کسی نے اس سے حدیث نہیں سنی۔ حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے: مَا اَحْسَبُ اَحَدًا اَخَذَ عَنْهُ فِي الْاِخْتِلَاطِ۔ یعنی میرے گمان میں کوئی ایسا آدمی نہیں ہے جس نے اس سے بحالت اختلاط حدیث لی ہو۔ پس یہ اثر بوجہ قبل الاختلاط ہونے کے صحیح ہے۔[۱]

اندازہ لگائیں کہ اَحْسَبُ والے قول پر غیر مقلدین کے شیخ العرب والعجم کتنا اعتماد کر رہے ہیں، بلکہ غیر مقلدین، محدثین کے ظَنَنْتُ (جو حَسِبْتُ سے کم تر ہے) سے بیان کردہ اقوال سے بھی حجت پکڑتے ہیں۔ مثلاً حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی ترک رفع یدین سے متعلق حدیث کو غیر مقلدین اس لیے ضعیف قرار دیتے ہیں کہ اس کے راوی یزید بن ابی زیادؒ (م ۱۳۶ھ) کے بارے میں امام سفیان بن عیینہؒ (م ۱۹۸) کا قول ہے کہ: ان کو اس حدیث کے الفاظ: ثُمَّ لَا يَعُوْدُ کی تلقین کی گئی، تو انہوں نے اس تلقین کو قبول کر لیا، حالانکہ امام ابن عیینہؒ نے یہ قول: ظَنَنْتُ (میرا گمان ہے) سے بیان کیا ہے، اس کے باوجود غیر مقلدین اس سے استدلال کرتے ہیں۔[۲]

مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری (م ۱۳۵۳ھ) نے بھی امام ابو داودؒ (م ۲۷۵ھ) کے

---

[۱] مقالاتِ راشدیہ (۲:۲۱۰)

[۲] مثلاً دیکھئے التحقیق الراسخ (ص ۱۲۷)، مقالاتِ راشدیہ (۶:۴۰۵)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ایک قول جو انہوں نے اَظُنُّ سے بیان کیا ہے، سے استدلال کیا ہے۔[۱]

مولانا مبارکپوری کے استاذ مولانا عبداللہ غازیپوری (م ۱۳۳۷ھ) ایک حدیث سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

صاحب حصن حصین کے ان اقوال سے مظنون یہی ہے کہ یہ حدیث بھی صحیح ہو۔[۲]

بلکہ خود معترض (سنابلی صاحب) نے تو امام دارقطنیؒ (م ۳۸۵ھ) کے لَعَلَّ (شاید) جو ظَنَنْتُ سے بھی کم تر ہے، سے بیان کردہ ایک قول سے استدلال کیا ہے۔[۳]

لہٰذا ان کا یزید بن خصیفہؒ کی روایت پر ان کے قول: حَسِبْتُ کی وجہ سے اعتراض خود اپنے مسلمات کی روشنی میں باطل ہوگیا۔ وللہ الحمد

غیر مقلدین کی دلیل نمبر ۶:

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں گیارہ رکعات پڑھتے تھے، سنن سعید بن منصور۔

الجواب:

یہ روایت اور اس کے بعد عہد عمر رضی اللہ عنہ سے متعلق تمام روایات بھی حضرت سائب رضی اللہ عنہ سے محمد بن یوسف ہی روایت کر رہے ہیں، اور خود انہوں نے جب گیارہ کے عدد سے رجوع کرلیا ہے، تو پھر یہ سب روایات کالعدم ہوں گی۔

جواب ثانی: اس روایت میں صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں گیارہ رکعات پڑھنے کا ذکر ہے، اس میں نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کی

---

[۱] مجموعہ فتاوی مبارکپوری (ص ۴۱۶)

[۲] مجموعہ فتاوی غازیپوری (ص ۱۷۷)

[۳] یزید بن معاویہؓ (ص ۳۹۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

تصریح ہے، اور نہ ان کا اپنا عمل مذکور ہے، اور جب تک روایت میں خلیفہ راشد کا حکم یا ان کا عمل ذکر نہ ہو اس وقت تک غیر مقلدین اس روایت کو حجت ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ چنانچہ حافظ عبد اللہ صاحب غازی پوری (م ۱۳۳۷ھ)، حضرت یزید بن رُومانؒ کی روایت (جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعات پڑھے جانے کا ذکر ہے) کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس میں اس امر کی تصریح نہیں کہ جو لوگ بیس رکعت پڑھتے تھے وہ بحکم حضرت عمرؓ پڑھتے تھے۔[۱]

حافظ زبیر علی زئی (م ۱۴۳۵ھ) لکھتے ہیں:

ابن ابی ذہبؒ کی روایت تو فاروقی حکم سے یکسر خالی ہے۔ لہٰذا موضوع سے خارج ہے۔[۲]

مولانا عبد المنان نور پوری صاحب (م ۱۴۳۳ھ) لکھتے ہیں:

جس قدر آثار ذکر کیے گئے ہیں، ان میں صرف یہی بتایا گیا ہے کہ لوگ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بیس رکعت پڑھتے تھے، تو ظاہر بات ہے کہ اتنے سے لوگوں کے عہد فاروقی میں بیس پڑھنے سے بیس رکعات کا حضرت عمرؓ کی سنت ہونا لازم نہیں آتا۔[۳]

مولانا نذیر احمد رحمانی (م ۱۳۸۵ھ) لکھتے ہیں: سنن کبریٰ اور معرفۃ السنن کی جن روایتوں کو حنفی مذہب کی دلیل میں پیش کیا گیا ہے، ان میں تو عَلَى عَهْدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اور فِيْ زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ سے زیادہ کچھ نہیں ہے، نہ کسی شہر کا ذکر

---

[۱] رکعات تراویح (ص ۱۹)

[۲] تعداد رکعات قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ (ص ۷۰)

[۳] تعداد تراویح (ص ۶۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ہے، اور نہ کسی مسجد کا۔[۱]

غیر مقلدین کے ان اقتباسات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جب تک حضرت عمرؓ کے حکم یا عمل کی کوئی تصریح نہ ہو وہ روایت موضوع سے خارج اور نا قابل عمل ہوتی ہے، اور چونکہ مذکورہ حدیث میں بھی حضرت عمرؓ کے حکم یا عمل کی کوئی تصریح نہیں، لہٰذا یہ حدیث بھی خود غیر مقلدین کے مسلمات کی روشنی میں نا قابل حجت ہے۔

جواب ثالث:

اس حدیث کو امام سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) نے "سنن سعید بن منصور" سے نقل کیا ہے، اور اس کتاب کا مطبوعہ نسخہ، جو نامکمل ہے، میں یہ حدیث موجود نہیں ہے۔ اور ہماری معلومات کے مطابق اس کا مکمل نسخہ کہیں بھی نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔ گویا اس حدیث کا سارا دارومدار امام سیوطیؒ وغیرہ کی نقل پر ہے، جب کہ خود غیر مقلدین ایسی صورت میں اس حدیث کو نا قابل اعتماد قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ امام شہاب الدین بوصیریؒ (م ۸۴۰ھ) جو امام سیوطیؒ سے علم و عمر دونوں میں مقدم ہیں، نے قرأۃ خلف الامام سے متعلق ایک حدیث اپنی کتاب اتحاف الخیرۃ المھرۃ (۲۱۶:۲) میں امام احمد بن منیعؒ (م ۲۴۴ھ) کی مسند سے بہ سند نقل کی ہے، لیکن غیر مقلدین اس حدیث کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ مثلاً زبیر علی زئی نے اس کے عدم قبول کا یہ عذر پیش کیا ہے کہ:

> احمد منیع کی اصل کتاب کہیں بھی نہیں ملی، اور بوصیری اس کی وفات کے صدیوں بعد پیدا ہوا تھا۔[۲]

مولانا بشیر سہسوانی (م ۱۳۲۶ھ) لکھتے ہیں:

---

[۱] انوار المصابیح (ص ۲۳۱)

[۲] نصر الباری (ص ۷۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

"مسند احمد بن منیع" کتب متداولہ درسیہ میں سے نہیں ہے، اس لیے اس کے نسخوں میں زیادہ ونقصان وسہو کاتب کا احتمال قوی ہے۔ پس مدعی صحت کو چاہیے کہ کسی نسخہ صحیحہ "مسند احمد بن منیع" میں یہ روایت دکھلا دے۔[۱]

بنابریں ہم بھی غیر مقلدین کو کہتے ہیں کہ وہ امام سعید بن منصورؒ (م ۲۲۷ھ) کے صدیوں بعد پیدا ہونے والے امام سیوطیؒ (ولادت: ۸۴۹ھ) کا حوالہ دینے کے بجائے مذکورہ بالا روایت کو "سنن سعید بن منصور" کے کسی صحیح نسخے میں دکھلا دیں، ورنہ اس روایت سے دستبردار ہو جائیں۔ دیدہ باید

جواب رابع:

اس روایت سے استدلال باطل ہے، کیونکہ اس روایت کے مرکزی راوی عبدالعزیز بن محمد دراوردیؒ (م ۱۸۷ھ) پر ائمہ حدیث نے ایسی جرحیں کی ہیں جن کی وجہ سے خود غیر مقلدین کے نزدیک بھی اس کی حدیث سے احتجاج جائز نہیں ہے۔

دراوردیؒ ائمہ رجال وحدیث کی نظر میں:

امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن معینؒ (م ۲۳۳ھ) اس کی توصیف وتعریف کرنے کے باوجود یہ اقرار کرتے ہیں کہ:

"وَالدَّرَاوَرْدِيُّ حِفْظُهُ لَيْسَ بِشَيْءٍ"۔[۲]

"دراوردی کا حافظہ کچھ بھی نہیں ہے۔ یعنی محض ردی ہے"

---

[۱] البرھان العجاب (ص ۲۷۲)

[۲] من کلام یحیی بن معین فی الرجال روایۃ ابی خالد الدقاق (ص ۱۰۲ ت ۳۱۲) طبع الفاروق الحدیثیۃ قاہرہ۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

امام محمد بن سعدؒ (م ۲۳۰ھ) اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

"وَكَانَ كَثِيْرَ الْحَدِيْثِ، يَغْلَطُ۔"[۱]

"دراوردیؒ کثیر الحدیث تھا، لیکن غلطیاں کرتا تھا"

امام ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ) اس کو "کتاب الثقات" میں ذکر کرنے کے باوجود اس کے متعلق فرماتے ہیں:

"وَكَانَ يُخْطِئُ"[۲]

"یہ غلطیاں کرتا ہے"[۳]

امام ابن عبد البرؒ (م ۴۶۳ھ) ارقام فرماتے ہیں:

"وَالدَّرَاوَرْدِيُّ صَدُوْقٌ، وَلٰكِنَّ حِفْظَهٗ لَيْسَ بِالْجَيِّدِ عِنْدَهُمْ"[۴]

"دراوردیؒ سچا ہے، لیکن محدثین کے نزدیک اس کا حافظہ اچھا نہیں ہے"

غیر مقلدین حضرات امام اعظم ابو حنیفہؒ کی بابت امام ابن عبد البرؒ کے قول: وَهُوَ سَيِّئُ الْحِفْظِ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيْثِ کو بڑی اہمیت دیتے ہیں، اب ان کا دراوردیؒ سے متعلق امام موصوف کے اس قول کے بارے میں کیا خیال ہے؟

ع بندہ پرور منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر

---

[۱] الطبقات الکبریٰ (۵: ۴۹۲) طبع دار الکتب العلمیہ بیروت

[۲] کتاب الثقات (۷: ۱۱۶) طبع دار المعارف العثمانیۃ حیدر آباد دکن

[۳] شیخ معلمی (م ۱۳۸۶ھ) کی تصریح کے مطابق امام ابن حبانؒ کتاب الثقات میں جب کسی راوی کو یُخطِئُ وغیرہ کے الفاظ سے ذکر کریں، تو وہ راوی ضعیف ہوتا ہے، اگرچہ اس سے انہوں نے اپنی صحیح میں تخریج حدیث ہی کیوں نہ کی ہو۔ حاشیہ الفوائد المجموعۃ (ص ۴۹۲)

[۴] التمہید (۲: ۳۱۹)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

امام احمد بن حنبلؒ (م ۲۴۱ھ) سے ان کے شاگرد ابوبکر اثرمؒ (م ۲۶۱ھ) نے نقل کیا ہے کہ:

"اَلدَّرَاوَرْدِيُّ إِذَا حَدَّثَ مِنْ حِفْظِهٖ فَلَيْسَ بِشَيْءٍ۔"[۱]

"دراوردیؒ جب اپنے حافظے سے کوئی حدیث بیان کرتا ہے، تو وہ حدیث محض ہیچ ہوتی ہے۔"

ابوطالب مشکانیؒ (م ۲۴۴ھ) اپنے استاذ امام احمدؒ سے دراوردیؒ کے بارے میں ناقل ہیں کہ:

"وَإِذَا حَدَّثَ مِنْ كُتُبِ النَّاسِ وَهَمَ، وَكَانَ يَقْرَأُ مِنْ كُتُبِهِمْ فَيُخْطِئُ۔"[۲]

"جب دراوردیؒ لوگوں (محدثین) کی کُتب سے حدیث بیان کرتا ہے تو وہم کا شکار ہو جاتا ہے، اور وہ لوگوں کی کتابوں سے (احادیث) پڑھتے ہوئے غلطیاں کرتا ہے"

یعنی زبانی بھی وہ حدیث غلط بیان کرتا ہے، اور کتابوں سے دیکھ کر بھی وہ صحیح طور پر روایت نہیں بیان کر سکتا۔

نیز امام احمدؒ کے ایک اور شاگرد امام ابوالقاسم بغویؒ (م ۳۱۷ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمدؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

"إِنَّ الدَّرَاوَرْدِيَّ يَجِيءُ بِأَحَادِيثَ مَا أَدْرِي مَا هِيَ كَأَنَّهُ أَنْكَرَهَا۔"[۳]

"دراوردیؒ ایسی احادیث روایت کرتا ہے کہ مجھے نہیں معلوم کہ وہ کیا ہیں؟ گویا کہ امام

---

[۱] شرح علل الترمذی (ص ۲۳۴) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

[۲] الجرح والتعدیل (۵:۳۹۶)

[۳] مسائل الامام احمد بن حنبل روایۃ البغوی (ص ۵۳، ت ۳۳) طبع الفاروق الحدیثیۃ قاہرہ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

احمدؒ نے اس کی احادیث کو منکر قرار دیا ہے۔"

حافظ ابوالحجاج مزیؒ (م ۷۴۲ھ) لکھتے ہیں:

" وَقَالَ النَّسَائِيُّ فِيمَا قَرأْتُ بِخَطِّهِ: عَبْدُ الْعَزِيزِ الدَّرَاوَرْدِيُّ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ۔"[۱]

"امام نسائیؒ (م ۳۰۳ھ) فرماتے ہیں، جیسا کہ میں نے خود ان کے اپنے خط[۲] یعنی ان کے ہاتھ سے لکھی ہوئی تحریر میں پڑھا ہے کہ عبدالعزیز دراوردیؒ (روایت حدیث میں) قوی نہیں ہے۔"

امام ابوحاتمؒ (م ۲۷۷) فرماتے ہیں: "لَا يُحْتَجُّ بِهِ"[۳] "کہ یہ قابل حجت نہیں ہے"۔

---

[۱] تھذیب الکمال (۵۲۸:۱۱)

[۲] حافظ مزیؒ، امام نسائیؒ کے اس خط (تحریر) کی نسبت بالجزم اُن کی طرف کررہے ہیں۔اور مولانا عبد اللہ روپڑیؒ (م ۱۳۸۴ھ) لکھتے ہیں:
محدثین کتابت سے سماع کا زیادہ اعتبار کرتے ہیں، مگر جب خط وغیرہ کی اچھی طرح پہچان ہو، اور قرائن پختہ پائے جائیں کہ کسی غیر کا خط نہیں ہوسکتا تو اس صورت میں کتابت سماع کے حکم میں ہو جاتی ہے۔رفع یدین اور آمین (ص ۹۲، ۹۳)
غیر مقلدین کے محدث اعظم کے اس اقتباس کے بعد زبیر علی زئی کا امام نسائیؒ کے اس قول کے متعلق یہ اعتراض کہ: یہ قول باسند صحیح متصل نہیں ملا۔الحدیث (۶۹: ۴۶) خود بخود باطل ہو جاتا ہے۔رہا امام نسائیؒ سے منسوب دراوردی کے متعلق قول: لیس بہ بأس" تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ قول اُن سے ثابت بھی ہے تو اس سے دراوردیؒ کا قابل حجت ہونا ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ پہلے علی زئی کے استاذ مولانا عبدالمنان نور پوری (م ۱۴۳۳ھ) کا بیان گزرا ہے کہ یہ لفظ صرف راوی کے صدق وسچائی کے اعتبار سے بولا جاتا ہے، اور دراوردیؒ کے صدوق ہونے سے ہمیں کوئی انکار نہیں ہے۔

[۳] میزان الاعتدال (۲: ۶۳۴)، المغنی (۱: ۶۳۳) کلاھما للذھبیؒ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

امام عُقیلیؒ (م ۳۲۲ھ)، امام ابن الجوزیؒ (م ۵۹۷ھ) اور امام ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) نے اس کو ضُعفاء میں ذکر کیا ہے۔[۱]

امام بیہقیؒ (م ۴۵۸ھ) فرماتے ہیں:

"هِشَامُ بْنُ سَعْدٍ وَعَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ مُحَمَّدٍ لَيْسَا مِنَ الْحِفْظِ بِحَيْثُ يُقْبَلُ مِنْهُمَا مَا يَنْفَرِدَانِ بِهٖ كَيْفَ وَقَدْ خَالَفَهُمَا عَدَدٌ ثِقَاتٌ"[۲]

"ھشام بن سعدؒ اور عبدالعزیز بن محمد دراوردیؒ دونوں حفظِ حدیث میں اس مرتبے کے نہیں ہیں کہ ان کی وہ روایت بھی قبول کی جائے جس میں وہ (کسی ثقہ راوی کی مخالفت کئے بغیر) منفرد ہوں، چہ جائیکہ جب وہ کئی ثقہ راویوں کی مخالفت کریں۔"

امام ساجیؒ (م ۳۰۷ھ) اس کے متعلق فرماتے ہیں:

"كَانَ مِنْ أَهْلِ الصِّدْقِ وَالْأَمَانَةِ، إِلَّا أَنَّهُ كَثِيْرُ الْوَهْمِ۔"[۳]

"یہ اگرچہ سچے اور امانت دار لوگوں میں سے تھا، مگر کثیر الوہم ہے۔"

مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں کہ: کثیر الوہم جرح مفسر ہے۔"[۴]

سنابلی صاحب بھی "کثیر الوہم" کو جرح مفسر قرار دیتے ہیں۔[۵]

حافظ زبیر علی زئی لکھتے ہیں: جس شخص کی روایات میں خطا و اوہام زیادہ ہوں تو اس کی حدیث ترک کر دی جاتی ہے۔[۶]

---

[۱] الضعفاء الکبیر (۳: ۲۰، ۲۱)، الضعفاء والمتروکین (۲: ۱۱۱) مع الحاشیۃ، المغنی فی الضعفاء (۱: ۱۳۳)

[۲] معرفۃ السنن والآثار (۱: ۱۷۱)، طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

[۳] تھذیب التھذیب (۳: ۴۷۲)

[۴] دیکھئے توضیح الکلام (۱: ۴۷۹)

[۵] ربنا لک الحمد آہستہ پڑھیں یا بلند (ص ۶۰)

[۶] نور العینین (ص ۶۳)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

مشہور محدث اور امام الرجال امام ابوزرعہ رازیؒ (م ۲۶۴ھ) جن کی تعریف میں مولانا نذیر رحمانی لکھتے ہیں: وہ ابوزرعہ جن کی خصوصیات اور کمال فن کو حافظ ابن حجرؒ نے "تھذیب التھذیب" میں تقریباً تین صفحے میں ذکر کیا ہے۔ سب سے پہلا لفظ یہ ہے "اَبُوْزُرْعَةَ الرَّازِيُّ اَحَدُ الْاَئِمَّةِ الْحُفَّاظِ"۔ الخ [۱]

حافظ زبیر علی زئی لکھتے ہیں: امام ابوزرعہ تو انتہائی معتدل اور علل حدیث کے مسلم استاد تسلیم کیے جاتے ہیں۔ [۲]

یہ ابوزرعہؒ غیر مقلدین کے انتہائی ممدوح امام فرماتے ہیں:

"عَبْدُ الْعَزِيْزِ الدَّرَاوَرْدِيُّ سَيِّئُ الْحِفْظِ، فَرُبَّمَا حَدَّثَ مِنْ حِفْظِهٖ الشَّيْءَ فَيُخْطِئُ۔" [۳]

"عبدالعزیز دراوردیؒ سَیِّئُ الحفظ (برے حافظے والا) راوی ہے، اور بسا اوقات اپنے حافظہ سے کچھ بیان کرتا ہے تو غلطی کر جاتا ہے۔"

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ (م ۱۳۵۳ھ) لکھتے ہیں:

سوءِ حفظ وہ عارضہ ہے کہ جب کسی راوی کو عارض ہوتا ہے تو اس کی زبانی حدیثوں میں بھی گڑبڑ ہو جاتی ہے، اور یہ ایک ظاہر اور بدیہی بات ہے۔ [۴]

شیخ البانی (م ۱۴۲۰ھ) سیّئ الحفظ راوی کی روایت کو مردود قرار دیتے ہیں [۵]

---

[۱] انوار المصابیح (ص ۱۳۶)

[۲] نور العینین (ص ۱۲۸)

[۳] الجرح والتعدیل (۵:۳۹۶)

[۴] تحقیق الکلام (۲:۱۴۷)

[۵] سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ (۳:۱۶۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

مولانا سلطان محمود صاحب جلالپوری (م ۱۴۱۶ھ) لکھتے ہیں کہ: کاذب، سیء الحفظ وغیرہ جرح مفسر ہے۔ [۱]

مولانا محمد گوندلوی صاحب (م ۱۴۰۵ھ) لکھتے ہیں کہ: جرح تعدیل پر مقدم ہوا کرتی ہے، خصوصاً جب مفسر ہو سوء حفظ، الحاق، وضع سب جرحیں مفسر ہیں۔ [۲]

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری (م ۱۳۵۳ھ) اور مولانا ارشاد الحق اثری بھی سَیِّئُ الْحِفظ کو جرح مفسر کہتے ہیں۔ [۳]

مولانا محمد بشیر سہسوانی (م ۱۳۲۶ھ) نے بھی جا بجا تصریح کی ہے کہ سَیِّئُ الحِفظ جرح مفسر ہے۔ [۴]

اور عیسیٰ بن جاریہ کے تذکرہ میں علمائے غیر مقلدین کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ جرح مفسر تعدیل پر مقدم ہوتی ہے، اگرچہ تعدیل کرنے والے زیادہ ہوں۔ اور چونکہ باقرار غیر مقلدین عبدالعزیز دراوردی ؒ پر جرح مفسر کی گئی ہے۔ لہٰذا اس کی مذکورہ بالا حدیث ضعیف ٹھہری۔

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی ؒ (م ۸۵۲ھ) جن کے متعلق مولانا ارشاد الحق اثری اور حافظ زبیر علی زئی وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ وہ اپنی کتاب ''تقریب التھذیب'' میں اَعْدَلُ الْاَقْوَال (سب سے زیادہ عدل وانصاف والا قول) ذکر کرتے ہیں۔ [۵]

---

[۱] اصطلاحات المحدثین (ص ۲۰)

[۲] التحقیق الراسخ (ص ۱۱۴)

[۳] ابکار المنن (ص ۱۶۸، ۱۶۹)، تحقیق الکلام (۲: ۱۴۹)، مقالات مبارکپوری (ص ۳۶۴)، توضیح الکلام (۲: ۶۳۰)

[۴] مثلاً دیکھئے البرہان العجاب (ص ۲۶۷، ۲۶۸)

[۵] مقالات (۱: ۲۹۲)، ماہنامہ الحدیث (۴: ۱۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

حافظ موصوف اپنی مذکورہ کتاب میں دراوردیؒ کے متعلق لکھتے ہیں:

"صَدُوْقٌ، کَانَ یُحَدِّثُ مِنْ کُتُبِ غَیْرِہٖ فَیُخْطِیءُ۔"[1]

"سچا ہے، لیکن دیگر لوگوں کی کتابوں سے روایت کرتا تھا، اور غلطی کرتا تھا"

نیز خود علمائے غیر مقلدین نے بھی دراوردیؒ کو ضعیف ٹھرایا ہے، چنانچہ غیر مقلدین کے شیخ الکل مولانا نذیر حسین دہلویؒ (م ۱۳۲۰ھ) اس کی ایک روایت کو ناقابل اعتبار قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس طریق میں عبدالعزیز اگرچہ صدوق تھا، لیکن کتب غیر سے روایت کرتا تھا اور خطا کرتا تھا۔[2]

مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ (م ۱۳۲۹ھ) نے بھی بحوالہ "تقریب التھذیب" اس پر جرح کی ہے۔[3]

مولانا گوندلویؒ (م ۱۴۰۵ھ) ایک حدیث کی تحقیق میں لکھتے ہیں:

اس کی سند بھی ضعیف ہے، اس کی سند میں ابومحمد عبدالعزیز (دراوردی۔ ناقل) ہے، جس کا حافظہ ردی ہے، اور وہمی ہے، "تقریب" میں لکھا ہے:

دوسروں کی کتابوں سے روایتیں بیان کرنے کی بنا پر غلطی کر جاتا ہے۔[4]

شیخ ناصر الدین البانیؒ (م ۱۴۲۰ھ) دراوردیؒ کے متعلق لکھتے ہیں:

---

[1] تقریب التھذیب (۱:۶۰۷)

[2] فتاوی نذیریہ (۳:۲۹۸)

[3] التعلیق المغنی (۴:۹۳) طبع نشر السنۃ ملتان

[4] دوام حدیث (ص ۱۸۸)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

"فَإِنَّهُ وَإِنْ كَانَ ثِقَةً فِيْ نَفْسِهِ، فَفِيْ حِفْظِهِ شَيْءٌ ـ"[۱]

"یہ اگرچہ ذاتی طور پر ثقہ ہے، لیکن اس کے حافظے میں خرابی ہے"

شیخ عبدالرؤف سندھو کے نزدیک بھی دراوردیؒ کی روایت معتبر نہیں ہے۔ چنانچہ وہ اس کی ایک روایت کے متعلق لکھتے ہیں:

اور دراوردی غلطیاں کرتے ہیں، جیسا کہ ابن سعد، ابوزرعہ اور ابن حبان وغیرہ نے کہا ہے۔ لہٰذا ان کا اس حدیث کو مرفوعاً روایت کرنا معتبر نہیں۔ [۲]

نیز لکھتے ہیں: دراوردی ضعیف ہیں۔ [۳]

کفایت اللہ سنابلی صاحب اِس کی زیادت کو ضعیف و غیر ثابت قرار دینے کے بعد لکھتے ہیں:

کیونکہ اس کو بیان کرنے والے عبدالعزیز بن محمد الدراوردی ہیں، جو اگرچہ ثقہ ہیں، لیکن موصوف اغلاط و اوہام کا شکار بھی ہوا کرتے تھے، چنانچہ امام ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ) نے کہا: كَانَ يُخْطِئُ۔ یہ غلطیاں کرتے تھے۔

امام ابوزرعہ رازیؒ (م ۲۶۴ھ) نے کہا: عبدالعزیز دراوردی برے حافظے والے تھے۔ کبھی یہ اپنے حافظے سے کوئی چیز بیان کرتے تو غلطی کر جاتے۔

ان کے علاوہ اور بھی کئی محدثین نے ان کے حافظہ پر جرح کی ہے۔ دیکھیں عام کتب رجال[۴]

لہٰذا محدثین کے علاوہ خود علمائے غیر مقلدین سے بھی دراوردیؒ کا حافظے کے اعتبار

---

[۱] ارواء الغلیل (۸: ۸۴)

[۲] القول المقبول (ص ۵۵۸) طبع رابع

[۳] ایضاً (ص ۳۸۲)

[۴] یزید بن معاویہؓ (ص ۴۴۵)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

سے ضعیف اور نا قابل اعتماد ہونا ثابت ہوگیا۔

باقی رہا، امام سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) کا اس حدیث کی سند کو انتہائی درجہ کی صحیح قرار دینا، تو عرض ہے کہ امام سیوطیؒ خود غیر مقلدین کے نزدیک تصحیح و تحسین میں نا قابل اعتبار ہیں[۱]۔ چنانچہ مولانا عبداللہ معمار امرتسریؒ (م ۱۳۶۹ھ) لکھتے ہیں:

سیوطی کا تساہل اور قلتِ فہم مشہور ہے۔[۲]

---

[۱] کفایت اللہ سنابلی، امام سیوطیؒ پر تساہل کے اعتراض سے بچنے کے لیے لکھتے ہیں: یہ تصحیح امام سیوطی کی نہیں، بلکہ امام سبکی کی ہے، جسے سیوطی نے نقل کیا ہے۔ انوار التوضیح (ص ۲۳۲)

جواب: تقریباً تمام علمائے غیر مقلدین مثلاً مولانا عبد اللہ غازی پوری، مولانا مبارکپوریؒ مولانا ابراہیم سیالکوٹیؒ، مولانا عبداللہ روپڑیؒ، مولانا محب اللہ راشدی، مولانا بدیع الدین راشدی اور شیخ البانی وغیرہ نے اس تصحیح کی نسبت امام سیوطیؒ کی طرف کی ہے۔ دیکھئے مجموعہ رسائل غازی پوری (ص ۳۴۹)، تحفۃ الاحوذی (۳: ۵۳۰)، انارۃ المصابیح (ص ۴۲)، فتاویٰ اہلحدیث (۱: ۶۶۰)، انوار المصابیح (ص ۲۳۴)، تعداد تراویح (ص ۵۴)، مقالاتِ راشدیہ (۱: ۲۰۴، ۳: ۱۲۳)، صلوٰۃ التراویح (ص ۴۷) للالبانی۔

اور اگر بالفرض یہ قول امام تقی الدین سبکیؒ کا بھی ہو تو پھر بھی غیر مقلدین کے نزدیک معتبر نہیں، کیونکہ امام سبکیؒ کی شخصیت تو غیر مقلدین کی نظر میں امام سیوطیؒ سے بھی گئی گزری ہے۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خان (م ۱۳۰۷ھ) لکھتے ہیں:

سبکی فقہاء سے ہیں، محدثین سے نہیں۔ ہر فن میں اس فن کے لوگوں کے قول کا اعتبار ہوتا ہے، دوسرے لوگوں کا نہیں، اسی لیے مسئلہ زیارت نبویہ میں سبکیؒ نے ضعیف بلکہ موضوع احادیث کو تھام لیا ہے۔ فتاویٰ نواب صدیق حسن (۳: ۲۲۱)

مولانا بدیع الدین راشدی نے بھی امام سبکیؒ پر سخت الفاظ میں تنقید کی ہے، اور ان پر الزام لگایا ہے کہ وہ انتہائی ضعیف اور موضوع احادیث کی تصحیح کرتے ہیں۔ نقض قواعد فی علوم الحدیث (ص ۱۸۴)

حافظ زبیر علی زئی لکھتے ہیں: سبکی کو چاہیے تھا کہ اس موضوع روایت کے پیش کرنے سے حیا کرتے۔ ماہنامہ الحدیث (۷۷: ۲۷) الحاصل، دراوردیؒ کی اس روایت کی تصحیح امام سیوطیؒ نے کی ہو، یا امام سبکیؒ نے، دونوں صورتوں میں معتبر نہیں ہے۔

[۲] محمدیہ پاکٹ بک (ص ۵۹۳)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

شیخ البانیؒ (م ۱۴۲۰ھ) لکھتے ہیں:

"اَلسُّیُوْطِیُّ الْمَعْرُوْفُ تَسَاهُلُهُ فِي التَّحْسِيْنِ وَالتَّصْحِيْحِ۔"[۱]

"سیوطیؒ کا احادیث کی تحسین و تصحیح میں تساہل مشہور ہے۔"

مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں:

علامہ سیوطی جیسا متساہل (نرم رو)[۲]

مولانا محب اللہ راشدیؒ (م ۱۴۱۵ھ) لکھتے ہیں:

رہی علامہ سیوطی کی تحسین، وہ ہمیں علامہ موصوف کی تحسین کی حقیقت معلوم ہے۔ ذیل میں ہم ان کی الجامع الصغیر سے صرف ایک مثال لکھتے ہیں، اس سے انصاف پسند ناظرین علامہ موصوف کی تحسین بخوبی معلوم کر لیں گے، لیکن تلاش کرنے والوں کو ان کی مذکورہ کتاب میں، بلکہ علامہ موصوف کی دیگر کتب میں (بھی) ایسی کئی روایات مل جائیں گی، جن کی خود انہوں نے تحسین یا تصحیح کی ہے، لیکن حدیث ضعف کے انتہا کو پہنچی ہوئی ہے۔[۳]

لہذا سیوطیؒ کا اس حدیث کو "فی غایۃ الصحۃ" کہنا کچھ وقعت نہیں رکھتا۔

عبد العزیز دراوردی کو ثقہ ثابت کرنے کی ایک کوشش کا جواب

حافظ زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

عبد العزیز صحاح ستہ کا راوی ہے، اور جمہور کے نزدیک ثقہ وصدوق ہے۔ اس کی عبید اللہ

---

[۱] سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ (۷:۱۱۳۰)

[۲] مقالات (۲:۱۷۳)

[۳] مقالات راشدیہ (۹:۱۶۶، ۱۶۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

العمری سے روایت پر جرح ہے، اور ہماری پیش کردہ روایت عبید اللہ سے نہیں۔ [۱]

جواب:

زبیر علی صاحب کے اس قول کی تینوں شقیں باطل ہیں، ہر شق کا جواب نمبر وار ملاحظہ کریں۔

(۱) عبد العزیز دراوردیؒ صحاح ستہ کا راوی نہیں ہے، کیونکہ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں اس سے احتجاج نہیں کیا، بلکہ اس کی روایت کو مقرون بالغیر یعنی دوسرے ثقہ راوی کی روایت کے ساتھ ملا کر روایت کیا ہے۔ چنانچہ مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ (م ۱۳۲۹ھ) لکھتے ہیں:

''عَبْدُ الْعَزِیْزِ بْنُ مُحَمَّدٍ الدَّرَاوَرْدِيُّ قَدْ اَخْرَجَ لَهٗ مُسْلِمٌ فِيْ صَحِیْحِهٖ وَاحْتَجَّ بِهٖ، وَاَخْرَجَ لَهُ الْبُخَارِيُّ مَقْرُوْنًا بِعَبْدِ الْعَزِیْزِ بْنِ اَبِيْ حَازِمٍ۔'' [۲]

''امام مسلمؒ نے عبد العزیز دراوردیؒ کی حدیث سے ''صحیح مسلم'' میں احتجاج کیا ہے، جب کہ امام بخاریؒ نے اس کی روایت کو ابن ابی حازمؒ کی روایت کے ساتھ ملا کر روایت کیا ہے۔''

گویا صرف دراوردیؒ کی روایت پر اعتماد نہیں کیا۔ اور مولانا نذیر رحمانی صاحب (م ۱۳۸۵ھ) نے تصریح کی ہے کہ ایسے راوی کو بخاری کا راوی نہیں کہتے۔ [۳]

مولانا مبارکپوری صاحب (م ۱۳۵۳ھ) نے بھی دراوردیؒ کو بخاری کے راویوں میں شمار نہیں کیا۔ چنانچہ وہ اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

---

[۱] تعداد رکعات قیام رمضان (ص ۷۰)

[۲] التعلیق المغنی (۱:۳۴۵)

[۳] دیکھئے انوار المصابیح (ص ۲۲۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

"قَدِ احْتَجَّ بِهٖ مُسْلِمٌ وَاَصْحَابُ السُّنَنِ۔"[۱]

"امام مسلمؒ اور اصحابِ سنن نے اس سے احتجاج کیا ہے (نہ کہ بخاری نے)[۲]

اگرچہ امام مسلمؒ (م ۲۶۱ھ) نے اپنی صحیح میں اس کی روایت سے احتجاج کیا ہے، لیکن خود علمائے غیر مقلدین کے نزدیک "صحیح مسلم" میں ضعیف راویوں کی روایات بھی ہیں۔ چنانچہ زبیر علی زئی کے شیخ مولانا محب اللہ راشدی (م ۱۴۱۵ھ) ارقام فرماتے ہیں:

دوسرا امام مسلم کی "صحیح" پر محدثین کرام رحمہم اللہ وکثر سوادھم نے "صحیح" کا (جو) اطلاق کیا ہے یہ اس معنیٰ سے ہرگز نہیں ہے کہ اس میں سب احادیث بلا استثناء متصل اور صحیح ہیں، (اور) اس میں کوئی بھی راوی ضعیف یا مجروح نہیں ہے، یا ہر راوی کا سماع اپنے شیخ سے ثابت ہے۔ یہی سبب ہے کہ سلف سے لے کر خلف تک صحیح مسلم کی روایت پر کلام کرتے آئے ہیں، اسی طرح کسی نے بھی نہیں کہا کہ اس کی ہر ایک روایت بالکل صحیح اور ہر علت سے خالی ہے۔ متقدمین کی مثالیں کئی کتب میں دیکھی جا سکتی ہیں، لیکن

---

[۱] انکار المنن (۲۲۹)

[۲] ہماری اس گرفت کے بعد زبیر علی زئی نے پسپائی اختیار کرلی ہے، اور دبے لفظوں میں یہ حقیقت تسلیم کرلی ہے کہ: امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں دراوردیؒ سے احتجاج نہیں کیا ہے، بلکہ اس سے صرف استشہاد کیا ہے۔ (ماہنامہ الحدیث: ۶۹: ۳۸) اور پھر اس استشہاد سے توثیق ثابت کرنے کے لیے محمد بن طاہر مقدسیؒ (م ۵۰۷ھ) کا حوالہ پیش کیا ہے کہ: امام بخاری کا کسی راوی سے استشہاد اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ان کے نزدیک ثقہ ہے۔ (ایضاً)
حالانکہ خود علی زئی پہلے اس مؤقف کو رد کر چکے ہیں، اور یہ لکھ چکے ہیں کہ: صحیحین (بخاری ومسلم) کے اصول کے راویوں کا ثقہ وصدوق ہونا اس کی دلیل نہیں ہے کہ صحیحین کے شواہد ومتابعات والے راوی بھی ضرور بالضرور ثقہ وصدوق ہی ہیں۔ دلائل قطعیہ اور راجح دلائل سے ثابت ہے کہ صحیحین میں متابعات وشواہد میں ضعیف ومجروح راوی بھی موجود ہیں۔ مثلاً عمر بن حمزہ (مسلم)، ابوبکر بن عیاش (بخاری ومسلم)، یزید بن ابی زیاد (مسلم) اور ابراہیم بن اسماعیل بن مجمع (البخاری: ۳۲۹۹ متابعۃ) وغیرہ ضعیف راوی ہیں۔ الحدیث (۲۳: ۲۱)

ع دروغ گو را حافظہ نباشد

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

متاخرین میں سے مولانا شرف الدین دہلوی مرحوم (م ۱۳۸۱ھ، نامور و بزرگ غیر مقلد عالم) مسلم شریف کی طلاق ثلاثہ کا ایک مجلس میں ایک ہی وقت میں جو دی جائے اور اس کا ایک شمار ہونے والی حدیث پر کلام کیا کرتا تھا، اور صحیح قرار نہ دیتا تھا۔[۱]

اور پھر مولانا راشدی ''صحیح مسلم'' کے متعدد ضعیف اور متکلم فیہ راویوں کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''مسلم شریف'' کو تمام محدثین صحیح شمار کرتے ہیں، اگرچہ اس میں ضعیف راوی اور منقطع روایات بھی ہیں، جیسا کہ اس کی مثالیں گزر چکی ہیں، تجربہ بھی اس آخری صورت کا مؤید اور حامی ہے۔[۲]

انتہائی متعصب و بدبودار غیر مقلد مولانا عبدالقادر حصاروی (م ۱۴۰۱ھ) نے بھی ''صحیح مسلم'' کے ایک راوی کو ضعیف اور شیعہ قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

امام مسلم سے یہ عیب ہوا کہ انہوں نے اس سے ایک روایت ذکر کردی۔[۳]

لہٰذا دراوردی کا ''صحیح مسلم'' کا راوی ہونے سے اس کا ثقہ ہونا، یا اس کی مذکورہ حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا۔

نیز علمائے غیر مقلدین کو یہ بھی تسلیم ہے کہ اگر کسی راوی کی روایت سے صحیح مسلم میں احتجاج کیا گیا ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس نے صحیح مسلم کی روایت کے علاوہ جو بھی روایت کی ہو وہ بھی صحیح ہو۔

مثلاً دراوردی ؒ کو ہی لے لیجئے، شیخ البانی ؒ اس کی (علاوہ صحیح مسلم) ایک روایت پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[۱] مقالات راشدیہ (۹: ۱۴۳)

[۲] ایضاً (۹: ۱۴۸)

[۳] فتاوی حصاریہ (۱: ۱۸۶)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

”وَهُوَ صَدُوقٌ احْتَجَّ بِهِ مُسْلِمٌ، إِلَّا أَنَّهُ كَانَ يُحَدِّثُ مِنْ كُتُبِ غَيْرِهِ فَيُخْطِئُ۔“[۱]

”دراوردیؒ اگرچہ صدوق ہے، امام مسلمؒ نے اس سے احتجاج کیا ہے، لیکن یہ دیگر لوگوں کی کتب سے روایت کرتے ہوئے غلطی کر جاتا ہے۔“

عظیم غیر مقلد عالم قاضی شوکانی (م ۱۲۵۰ھ) اور مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ (م ۱۳۲۹ھ) ایک روایت کو ضعیف قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وَفِيهِ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ الْعُمَرِيُّ وَ فِيهِ مَقَالٌ، وَقَدْ أَخْرَجَ لَهُ مُسْلِمٌ۔“[۲]

”اس روایت میں عبد اللہ بن عمر العمری ایک راوی ہے جس میں کلام ہے، اگرچہ امام مسلمؒ نے اس سے (اپنی صحیح میں) تخریج کی ہے۔“

مولانا مبارکپوری (م ۱۳۵۳ھ) نے بھی اس کو متکلم فیہ قرار دیا ہے۔[۳]

معلوم ہوا کہ غیر مقلدین کے نزدیک صرف ”صحیح مسلم“ کا راوی ہونے سے اس کی ہر حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا۔ بلکہ علمائے غیر مقلدین کے نزدیک صحیح بخاری (جس کا درجہ صحیح مسلم سے بڑھ کر ہے) کے راوی کے لیے بھی یہ ضروری نہیں کہ اس کی روایت صحیح بخاری کے علاوہ بھی صحیح ہو۔ چنانچہ مولانا صلاح الدین یوسف (م ۱۴۴۱ھ)، محمد بن سابق تمیمی کے متعلق لکھتے ہیں:

اگر اس کو رجال بخاری میں شمار کر لیا جائے تب بھی یہ ضروری نہیں کہ اس راوی کی دیگر

---

[۱] ارواء الغلیل (۳:۱۰)

[۲] نیل الاوطار (۱:۶۸۲)، عون المعبود

[۳] تحفۃ الاحوذی (۳:۲۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

روایات جو بخاری کے علاوہ دوسری کتابوں میں ہوں لازماً صحیح ہوں۔[۱]

اور خود علی زئی بخاری شریف کے راوی علی بن الجعدؒ کو متکلم فیہ قرار دے کر ان کی روایت کو رد کر چکے ہیں۔ جیسا کہ حصہ اول میں گزرا ہے۔

لہٰذا عبد العزیز دراوردیؒ کا صحیح مسلم کا راوی ہونا اس کو کچھ مفید نہیں۔

(۲) عبد العزیز دراوردیؒ کو جمہور محدثین نے ثقہ اور صدوق نہیں کہا، صرف چند محدثین نے اس کی توثیق کی ہے[۲] اس کے بالمقابل اکثر ائمہ حدیث نے باقرار علمائے غیر مقلدین اس پر سخت اور مفسر جرح کی ہے، جیسا کہ بحوالہ گزر چکا ہے۔

اور اگر بالفرض مان ہی لیا جائے کہ اس کی توثیق کرنے والوں کی تعداد اس کے جارحین سے زیادہ ہے، لیکن یہ بات تو بہر حال غیر مقلدین کو بھی تسلیم ہے کہ اس پر جرح مفسر کی گئی ہے، اور عیسیٰ بن جاریہ کے تذکرہ میں علمائے غیر مقلدین اور خود علی زئی کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ جرح مفسر کو توثیق پر ترجیح ہوتی ہے، اگرچہ توثیق کرنے والے زیادہ ہوں۔ لہٰذا عبد العزیز دراوردیؒ باصول غیر مقلدین بھی ضعیف ٹھہرے۔

ثانیاً: غیر مقلدین عبد العزیز دراوردیؒ جیسے راویوں کے بارے میں عموماً یہ فیصلہ کیا

---

[۱] خلافت وملوکیت کی تاریخی وشرعی حیثیت (ص ۲۹۹) مطبوعہ مکتبہ ضیاء الحدیث لاہور

[۲] زبیر علی زئی نے دراوردیؒ کو ثقہ ثابت کے لیے ایک نیا مضمون لکھا ہے، جس میں انہوں نے تیس محدثین سے اس کی توثیق ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ (الحدیث ۶۹: ۷ ۳۔۴۴) لیکن اس سب تگ و دو کے باوجود وہ صرف چند محدثین سے ہی اس کی صراحتاً توثیق نقل کر سکے، باقی سب حوالجات ان محدثین کے ہیں جنہوں نے اس کی بعض احادیث کی تصحیح یا تحسین کی ہے۔
حالانکہ پہلے مولانا ارشاد الحق اثری کا حوالہ گزر چکا ہے کہ حدیث کی صحت کا دارومدار راویوں پر ہوتا ہے، اگر کوئی راوی ضعیف ہے تو اسے کوئی صحیح کہتا ہے تو کہتا رہے۔
نیز ما قبل علمائے غیر مقلدین کے بیانات گزر چکے ہیں کہ محدثین بسا اوقات ضعیف راویوں کی احادیث کو بھی اُن کے شواہد یا کثرتِ طُرق کی جہ سے صحیح یا حسن کہہ دیتے ہیں۔ فلا اشکال

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کرتے ہیں کہ جن محدثین نے اس کی توثیق کی ہے وہ اس کی ذات کے اعتبار سے ہے، اور جنہوں نے اس کی تضعیف کی ہے وہ اس کے برے حافظہ اور کثرت اوہام کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ غیر مقلدین کے استاذ العلماء مولانا گوندلوی (م ۱۴۰۵ھ) ایک راوی محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ (م ۱۴۸ھ) کی بابت اقوالِ جرح و توثیق میں تطبیق دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> تطبیق ممکن ہے، ویسے تو سچا ہے، عمداً جھوٹ نہیں بولتا، خرابی حفظ کی وجہ سے غلطی ہو جاتی ہے، اور ہے بھی نیک آدمی۔[۱]

اور خود زبیر علی زئی اسی راوی کے بارے میں لکھتے ہیں:

> جن لوگوں نے اس کی توثیق کی ہے وہ اس کی ذات کے لحاظ سے ہے، مگر برے حافظے اور کثرت اوہام وخطا کیوجہ سے ضعیف ٹھہرا۔[۲]

کیا زبیر صاحب سے ہم یہاں بھی ایسے ہی فیصلے کی توقع رکھ سکتے ہیں؟ دیدہ باید!

ع نگاہ لطف کے امیدوار ہم بھی ہیں

(۳) زبیر صاحب کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ اس کی عبداللہ العمری کی روایت پر جرح ہے، کیونکہ آپ نے ملاحظہ کرلیا ہے کہ امام نسائیؒ (م ۳۰۳ھ) کے علاوہ دیگر محدثین نے اس پر مطلق جرح کی ہے۔ اور امام نسائیؒ سے بھی اس پر دو قسم کی جرح منقول ہے، ایک مطلق جرح اور ایک عبداللہ عمری کی روایت کی وجہ سے۔ اب زبیر صاحب کا ان جارحین کی جروحات کو امام نسائی کی ایک جرح پر محمول کرنا بلا دلیل اور محض ہوائی قلعہ فتح کرنا ہے۔

نیز کئی ایسے راوی ہیں، جن پر محدثین نے اُن کے کسی خاص شیخ سے روایت کردہ

---

[۱] التحقیق الراسخ (ص ۱۲۴)

[۲] نور العینین (ص ۸۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

احادیث کی وجہ سے جرح کی ہے، لیکن خود علی زئی صاحب بھی اُن کو مطلق ضعیف قرار دیتے ہیں۔ مثلاً امام بخاریؒ (م۲۵۶ھ) ابراہیم بن ابی حیہؒ کے بارے میں فرماتے ہیں:

”اِبْرَاهِيْمُ بْنُ اَبِيْ حَيَّةَ الْمَكِّيُّ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ مُنْكَرُ الْحَدِيْثِ۔“[۱]

”ابراہیم بن ابی حیہ، ہشام بن عروہؒ سے روایت کرنے میں منکر الحدیث ہے“

حالانکہ علی زئی صاحب اس کو مطلق ضعیف قرار دیتے ہیں۔[۲]

الحاصل، زبیر علی زئی کی ذکر کردہ تمام شقیں باطل ہیں، اور عبدالعزیز دراوردیؒ کا ضعیف ہونا ہی راجح ہے۔

غیر مقلدین کی دلیل نمبر ۷

حضرت سائب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں گیارہ رکعت تراویح پڑھتے تھے۔[۳]

جواب:

اس حدیث کے ماخذ ”احادیث اسماعیل بن جعفر“ کے مطبوعہ نسخہ کے راوی محمد بن الفضل حفید ابن خزیمۃؒ (م۳۸۷ھ) کا اپنی وفات سے تقریباً تین سال پہلے حافظہ بری طرح خراب ہو گیا تھا، اور وہ حالتِ اختلاط میں مبتلا ہو گئے تھے۔ اور اس حالتِ اختلاط میں بھی وہ احادیث بیان کرتے رہے، جیسا کہ شیخ حمدی عبدالمجید سلفی غیر مقلد

---

[۱] الکامل فی الضعفاء (۱:۲۳۸)

[۲] تعداد رکعات قیام رمضان (ص ۸۰)

[۳] احادیث اسماعیل بن جعفر (ح ۴۴۰)، فضائل القرآن (۱:۲۰۶) للمستغفریؒ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

(م ۴۳۳ھ) نے بحوالہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) لکھا ہے۔[۱]

غیر مقلدین اس روایت سے استدلال کرنے سے پہلے یہ ثابت کریں کہ ان کے شاگرد ابوالحسن عبید اللہ بن المعتز بن منصور نیشاپوریؒ (م ۴۴۷ھ) نے یہ روایت ان سے اختلاط سے قبل سنی تھی، جب کہ "فضائل القرآن" کی سند میں احمد بن محمد عنزی مجہول (نامعلوم التوثیق) ہے۔اس لیے یہ روایت ناقابل احتجاج ہے۔

ثانیاً: یہ روایت بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے خالی ہے، اس میں صرف لوگوں کا عمل مذکور ہے، اور ایسی روایت کو غیر مقلدین کچھ وقعت نہیں دیتے۔

غیر مقلدین کی دلیل نمبر ۸:

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے رمضان میں لوگوں کو اُبی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہما کے ساتھ تراویح پڑھنے کے لیے جمع کر دیا تو یہ دونوں گیارہ رکعات پڑھاتے تھے۔[۲]

جواب:

اس روایت کا راوی اسامہ بن زید لیثیؒ (م ۱۵۳ھ) بھی عبدالعزیز دراوردیؒ کی طرح خرابی حافظہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) اس کو سَیِّئُ الحفظ (برے حافظے والا) قرار دیتے ہیں۔[۳]

امام ابن رجب حنبلیؒ (م ۷۹۵ھ) لکھتے ہیں:

"أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ هُوَ اللَّيْثِيُّ، وَلَيْسَ بِذَاكَ الْحَافِظِ۔"[۴]

"اسامہ بن زید لیثیؒ حافظ الحدیث نہیں ہے۔"

---

[۱] الکواکب النیرات (ص ۹۳) مع حاشیہ حمدی سلفی۔طبع عالم الکتب بیروت، نیز دیکھئے الاغتباط بمن رمی بالاختلاط مع نہایۃ الاغتباط (ص ۳۴۰، ۳۴۱) طبع دارالحدیث قاہرہ، لسان المیزان (۵:۳۳۹)

[۲] فوائد ابی ابکر النیسابوری (ق ۱۳۵ / ب)

[۳] فتح الباری (۴:۲۷۰ تحت حدیث ۱۳۴۴) لابن حجرؒ

[۴] فتح الباری (۳:۵۹۹، تحت ح ۶۴۰) لابن رجب

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

امام یحییٰ بن معینؒ (م ۲۳۳ھ) فرماتے ہیں:

"صَالِحٌ، لَيْسَ بِذَاكَ"[۱]

"نیک ہے، لیکن روایت حدیث میں ضعیف ہے۔"

امام احمد بن حنبلؒ (م ۲۴۱ھ) بھی اس کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔[۲]

امام نسائیؒ (م ۳۰۳ھ) اس کو کتاب الضعفاء میں ذکر کرکے اس کے متعلق فرماتے ہیں:

"لَيْسَ بِثِقَةٍ"[۳]

"یہ ثقہ نہیں ہے"

اور ابن جاریہ کے تعارف میں مولانا ارشاد الحق اثری کا بیان گزرا ہے کہ لَيْسَ بثقة کے الفاظ شدید جرح میں شمار ہوتے ہیں، اور ایسے الفاظ کے حامل راوی کی روایت (قابل حجت ہونا تو کجا) قابل اعتبار و استشہاد بھی نہیں ہوتی۔

امام ابو الحسن ابن القطان فاسیؒ (م ۶۲۸ھ) ایک حدیث کی تحقیق میں لکھتے ہیں:

"وَعِلَّتُهُ ضَعْفُ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ"[۴]

"اس حدیث کی علت (خرابی) اسامہ بن زید لیثیؒ کا ضعیف ہونا ہے"

امام عُقیلیؒ (م ۳۲۲ھ)، امام ابن شاہینؒ (م ۳۸۵ھ)، امام ابن الجوزیؒ (م ۵۹۷ھ) اور امام ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) نے اس کو ضعفاء میں ذکر کیا ہے۔[۵]

---

[۱] سؤالات ابن الجنید لابن معین (ص ۱۷۰)

[۲] سؤالات الاثرم للامام احمد بن حنبل (ص ۱۰۱)، بحر الدم فیمن تکلم فیہ الامام احمد، بمدح او ذم (ص ۱۹)

[۳] کتاب الضعفاء والمتروکین (ص ۵۴) للنسائی۔

[۴] التعلیق المغنی (۴: ۲۳۶)

[۵] الضعفاء الکبیر (۱: ۱۷۔۲۱)، تاریخ اسماء الضعفاء والکذابین (ص ۵۴)، الضعفاء والمتروکین (۱: ۹۶)، المغنی فی الضعفاء (۱: ۱۰۳)۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

علامہ ابن حزم ظاہریؒ (م ۴۵۶ھ) نے بھی اس کو انتہائی درجہ کا ضعیف قرار دیا ہے۔[۱]

شیخ ناصر الدین البانی (م ۱۴۲۰ھ) اس کی حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اُسَامَةُ بْنُ زَیْدٍ فِیْ حِفْظِهٖ ضَعْفٌ۔''[۲]

''اسامہ بن زید کے حافظے میں کمزوری ہے''

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری (م ۱۳۵۳ھ) نے بھی تسلیم کیا ہے کہ اسامہ بن زیدؒ سییٔ الحفظ ہے۔[۳]

اور پہلے بحوالہ مولانا مبارکپوری وغیرہ علمائے غیر مقلدین گزرا ہے کہ ''سییٔ الحفظ'' وغیرہ الفاظ کا شمار جرح مفسر میں ہوتا ہے، اور جرح مفسر ہر حال میں توثیق پر مقدم ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ روایت بھی اسامہ لیثیؒ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

دلیل نمبر ۹:

یحییٰ بن سعید قطانؒ، محمد بن یوسفؒ سے، اور وہ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی امامت پر جمع کیا ہے، پس وہ دونوں گیارہ رکعات پڑھاتے تھے (مصنف ابن ابی شیبہ)

جواب اول:

یہ روایت بھی سابقہ روایات کی طرح تعدادِ رکعات کے سلسلہ میں حضرت عمر رضی

[۱] المحلی (۸:۱۳،۱۵۷،۱۰:۴۶)

[۲] سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ (۱:۱۳۷ح ۴۹۸)

[۳] تحفۃ الاحوذی (۴:۱۳۶)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اللہ عنہ کے حکم یا عمل سے خالی ہے۔ کیونکہ اس روایت میں صرف یہی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت اُبی اور حضرت تمیم رضی اللہ عنہما کی اقتداء میں جمع کیا، لیکن اس میں یہ تعین نہیں ہے کہ انہوں ہی گیارہ رکعات کی تعداد مقرر فرمائی، یا حضرت اُبی اور حضرت تمیم رضی اللہ عنہما خود اپنی مرضی سے گیارہ رکعات پڑھاتے تھے۔ جب تک روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عمل یا ان کے حکم کی تصریح نہ ہو وہ غیر مقلدین کے نزدیک حجت نہیں ہے۔[۱]

جواب ثانی:

یہ "مصنف ابن ابی شیبۃ" کی روایت ہے، اور خود غیر مقلدین کے نزدیک یہ کتاب

---

[۱] مولانا عبدالمنان نور پوری صاحب (م ۱۴۳۲ھ) اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ درست ہے کہ یحییٰ بن سعید کے بیان میں حضرت عمرؓ کے حکم کا ذکر نہیں، مگر اس کے بیان میں حضرت عمرؓ کے حکم کی نفی بھی تو نہیں۔ تعداد تراویح (ص ۱۴۴) لیکن نور پوری صاحب کا یہ جواب محض دفع وقتی اور راہِ فرار اختیار کرنے کا ایک بہانہ ہے، کیونکہ اگر اس روایت میں حضرت عمرؓ کے حکم کی نفی نہیں تو بیس رکعات والی روایات میں بھی حضرت عمرؓ کے حکم کی نفی نہیں ہے۔ پھر غیر مقلدین (بشمول نور پوری صاحب) ان روایات پر یہ اعتراض کیوں کرتے ہیں کہ ان روایات میں حضرت عمرؓ کے حکم کی تصریح نہ ہونے کی وجہ سے یہ ناقابل حجت ہیں۔ غیر مقلدین کے اس دوغلہ پن کو تجاہل عارفانہ کہا جائے یا پھر تعصب مذہبی کا شاخسانہ قرار دیا جائے، اس کا فیصلہ کرنا غیر مقلدین کے ذمے ہے، نیز اگر غیر مقلدین کی طرف سے یہ کہا جائے کہ اس روایت میں حضرت عمرؓ کے حکم کی اگرچہ تصریح نہیں لیکن موطا کی روایت میں ان کے حکم کی تصریح موجود ہے، اس کے جواب میں عرض ہے کہ جناب! بالکل: لیکن یزید بن رومانؒ وغیرہ کی روایات میں بھی اگرچہ حضرت عمرؓ کے حکم کی تصریح نہیں ہے لیکن بیس والی دیگر کئی روایات میں تو حضرت عمرؓ کے حکم کی تصریح موجود ہے۔ پھر بھی وہ روایات آپ کے نزدیک کیوں ناقابل حجت ہیں؟

ٹھوکریں مت کھائیے چلئے سنبھل کر
چال سب چلتے ہیں مگر بندہ پرور دیکھ کر

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اُن کتبِ حدیث میں سے ہے کہ جن کی روایات سے احتجاج و استدلال نہیں کیا جاسکتا، صرف متابعت میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ مولانا بدیع الدین راشدی (م ۱۴۱۶ھ) ایک روایت پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مسند بزار، بیہقی، ابن ابی شیبہ طبقہ ثالثہ کی کتابیں ہیں، اور بقول شاہ ولی اللہ الدھلوی اس طبقہ کی کتابوں سے استدلال نہیں کر سکتے، فقط استشہاد کا حق ہے۔[۱]

جواب ثالث:

غیر مقلدین عہدِ عمر رضی اللہ عنہ سے متعلق جتنی روایات سے استدلال کرتے ہیں، وہ سب روایات دراصل ایک ہی حدیث کی شاخیں ہیں، اور اس حدیث کے متن میں اضطراب ہے، اور اضطراب کی تفصیل یہ ہے کہ اس حدیث کو حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہما سے نقل کرنے والے محمد بن یوسف مدنیؒ (م بعد ۱۳۰ھ) ہیں، جن سے اس حدیث کو ان کے کم از کم نو شاگردوں نے (بشرط ثبوت) روایت کیا ہے:

(۱) امام مالک بن انسؒ (م ۱۷۹ھ)

(۲) عبدالعزیز بن محمد دراوردیؒ (م ۱۸۷ھ)

(۳) اسماعیل بن جعفر انصاریؒ (م ۱۸۰ھ)

(۴) یحییٰ بن سعید قطانؒ (م ۱۹۸ھ)

(۵) اسماعیل بن امیہ (م ۱۴۴ھ)

(۶) اسامہ بن زید لیثیؒ (م ۱۵۳ھ)

(۷) محمد بن اسحاقؒ (م ۱۵۰ھ)

(۸،۹) داؤد بن قیسؒ (م بعد ۱۳۶ھ) وغیرہ۔

---

[۱] مقالاتِ راشدیہ (۳:۲۱۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اوران نو تلامذہ کی بیان کردہ روایات ذیل میں ملاحظہ ہو:

① امام مالک بن انسؒ:

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت اُبی بن کعب و تمیم داری رضی اللہ عنہما کو حکم فرمایا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعت پڑھائیں۔ حضرت سائبؓ فرماتے ہیں کہ قاری (ایک رکعت میں) سینکڑوں آیات پڑھتا تھا۔[۱]

② یحییٰ بن سعید قطانؒ:

حضرت سائب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت اُبی و تمیم رضی اللہ عنہما پر جمع فرمایا، چنانچہ وہ گیارہ رکعات پڑھاتے تھے، اور (ایک رکعت) میں کئی سو آیات پڑھتے تھے۔[۲]

③ اسامہ بن زید لیثیؒ:

حضرت سائب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو قیام رمضان کے لیے حضرت اُبی اور تمیم داری رضی اللہ عنہما پر جمع فرمایا، وہ گیارہ رکعات پڑھاتے تھے، اور ایک رکعت میں دو سو آیات پڑھتے تھے۔[۳]

---

[۱] موطأ الامام مالک (۲۵۳)

[۲] مصنف ابن ابی شیبۃ (۲:۲۸۴)

[۳] فوائد ابی بکر النیسابوری (ق ۱۳۵/ب)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

④ اسماعیل بن امیہؒ:

حضرت سائب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت اُبی اور تمیم داری رضی اللہ عنہما پر جمع فرمایا، وہ گیارہ رکعات پڑھاتے تھے، اور ایک رکعت میں سو آیات پڑھتے تھے۔[1]

⑤ اسماعیل بن جعفر انصاری مدنی:

حضرت سائب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

لوگ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں گیارہ رکعات پڑھتے تھے، اور ایک رکعت میں دوسو آیات پڑھتے تھے۔[2]

⑥ عبدالعزیز بن محمد دراوردیؒ:

حضرت سائب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ہم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں گیارہ رکعات پڑھتے تھے، جن میں کئی سو آیات پڑھتے تھے۔[3]

⑦ محمد بن اسحاقؒ:

حضرت سائب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ہم عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تیرہ رکعات پڑھتے تھے... اور قاری ایک رکعت میں پچاس یا ساٹھ آیات پڑھتا تھا۔[4]

---

[1] ایضاً (ق ۱۳۵/ب)

[2] حدیث علی بن حجر السعدی عن اسماعیل بن جعفر المدنی (ص ۴۹۹ ح ۴۴۰) طبع مکتبۃ الرشد ریاض

[3] الحاوی للفتاوی (۱: ۳۴۷)

[4] فوائد ابی بکر النیسابوری (ق ۱۳۶ / أ)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

(۸) (۹) داؤد بن قیسؒ وغیرہ:

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت اُبی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہما پر جمع کیا، اور (ان کو حکم دیا کہ وہ) لوگوں کو اکیس رکعات پڑھائیں۔ اور یہ دونوں حضرات ایک رکعت میں کئی سو آیات پڑھا کرتے تھے۔ [۱]

یہ نو حضرات ایک ہی شخص محمد بن یوسفؒ سے یہ حدیث روایت کر رہے ہیں، لیکن ان کے بیانات باہم کس قدر متعارض ہیں، ہر ایک کا بیان دوسرے سے کمیت اور کیفیت دونوں میں مختلف ہے، کمیت (عدد) کے لحاظ سے اختلاف یہ ہے کہ ہر رکعت میں پڑھی جانے والی آیات کی تعداد میں بھی تفاوت ہے، اور عددِ رکعات تراویح میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ چنانچہ امام مالکؒ، قطانؒ اور دراوردیؒ وغیرہ کی روایات میں ایک رکعت میں کئی سو آیات پڑھنے کا ذکر ہے، لیثیؒ اور انصاریؒ کی روایات میں دو سو آیات، ابن امیہؒ کی روایت میں ایک سو آیات، اور ابن اسحاقؒ کی روایت میں پچاس، ساٹھ آیات پڑھنا مذکور ہے۔

عدد رکعات تراویح کے اعتبار سے اختلاف یوں ہے کہ امام مالکؒ وغیرہ تو گیارہ رکعات نقل کرتے ہیں، اور محمد اسحاقؒ (جو غیر مقلدین کے نزدیک نہایت ثقہ راوی ہیں) تیرہ رکعت نقل کر رہے ہیں۔ [۲]

---

[۱] مصنف عبدالرزاق (۴:۲۰۰)

[۲] بعض غیر مقلدین نے علامہ نیمویؒ (م ۱۳۲۲ھ) کے حوالہ سے ابن اسحاقؒ کی روایت کی یہ توجیہ ذکر کی ہے کہ ان تیرہ رکعتوں میں عشاء کے بعد کی دو رکعات سنت شامل ہیں، لیکن یہ توجیہ بلا دلیل اور محض احتمال عقلی پر مبنی ہے، اور خود غیر مقلدین حضرات گیارہ اور بیس رکعات والی روایات کے درمیان محدثین کرام (امام بیہقی، علامہ نیمویؒ وغیرہ) کی کی گئی توجیہ کو احتمالی

(بقیہ اگلے صفحے پر)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

(بقیہ گزشتہ صفحہ)

اور بلا دلیل کہہ کر رد کر چکے ہیں ۔ چنانچہ حافظ عبد المنان نور پوری صاحب لکھتے ہیں: حافظ بیہقی، حافظ ابن حجر، علامہ زرقانی، علامہ شوکانی، علامہ عینی، علامہ شوق صاحب نیموی، علامہ باجی اور دیگر مشاہیر علماء کرام رحمہم اللہ کی تحریرات میں بندہ نے اپنی ناقص یاداشت کے مطابق گیارہ کا حکم پہلے ہونے اور بعد میں اکیس کر دینے کی آج تک کوئی دلیل نہ پڑھی ہے اور نہ کسی سے سنی ہے....

نیز لکھتے ہیں: مذکورہ (علماء کی) تطبیق احتمال پر مبنی ہے ۔تعداد تراویح (ص ۱۶۵،۱۶۶) ۔

مولانا عبد اللہ غازیپوری صاحب (م ۱۳۳۷ھ) لکھتے ہیں: اس کا کیا ثبوت ہے کہ گیارہ کا حکم پہلے ہے اور بیس کا پیچھے ۔رکعات تراویح (ص ۲۲) ۔

قارئین! اندازہ لگائیں کہ ان سب بڑے بڑے محدثین کی بیان کردہ تطبیق اور توجیہ تو غیر مقلدین کی نظروں میں بلا دلیل اور احتمالی ہونے کی وجہ سے مردود ہے، لیکن علامہ نیموی ؒ کی گیارہ اور تیرہ رکعات کے درمیان بیان کی گئی توجیہ مقبول ہوگئی، حالانکہ علامہ نیموی ؒ نے بھی تو اپنی اس توجیہ پر کوئی دلیل ذکر نہیں کی، اور نہ ہی آج تک کوئی غیر مقلد اس کی دلیل پیش کرسکا ہے اور نہ کرسکتا ہے ۔

ثانیا: اس روایت کے راوی محمد بن اسحاق ؒ نے باقرار غیر مقلدین خود تیرہ رکعتوں کو اختیار کیا ہے اور اسی عدد کو ترجیح دی ہے ۔انوار المصابیح (ص ۲۵۲) بحوالہ فتح الباری (۴:۲۰۵)، تعداد تراویح (ص ۱۲۸) بحوالہ عمدۃ القاری (۵:۳۶۵) اب خود اس روایت کا راوی ان تمام تیرہ رکعتوں کو تراویح کی رکعات سمجھ رہا ہے، اور اس نے ان تیرہ رکعتوں میں عشاء کی دو سنتوں کو شمار نہیں کیا۔ اور مولانا مبارکپوری صاحب نے لکھا ہے کہ: راوی اپنی مروی روایت کا مطلب دوسروں سے بہتر جانتا ہے ۔تحفۃ الاحوذی (۲:۲۴۱)، ابکار المنن (ص ۴۷،۱۴۷) ۔لہٰذا یہ تاویل کرنا خود بخود باطل ہوگیا کہ ان تیرہ رکعتوں میں عشاء کے بعد کی دو رکعت سنت شامل ہیں ۔

ثالثاً: یہ تیرہ رکعتیں جماعت کے ساتھ پڑھی جاتی تھیں ۔کیونکہ راوی سائب بن یزید رضی اللہ عنہما تصریح کر رہے ہیں کہ: ہم (سب مل کر) تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے، اور فجر کے قریب اکٹھے سب مسجد سے نکلتے تھے، اور قاری (امام) ہر رکعت میں پچاس ساٹھ آیات پڑھتا تھا۔ جب کہ اس حدیث کے دیگر طُرق میں ایک رکعت میں پڑھی جانے والی آیات کی تعداد سینکڑوں میں بیان کی گئی ہے ۔حالانکہ عشاء کے بعد کی دو رکعات نہ تو جماعت کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں، اور نہ ہی ان میں اتنی لمبی قرأت کی جاتی ہیں ۔تو پھر ان تیرہ رکعات میں عشاء کے بعد کی دو سنتوں کو کیسے شامل مان لیا جائے؟

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

(بقیہ گزشتہ صفحہ)

اور یہ بھی واضح ہو کہ محمد بن اسحاق کی روایت میں ان دو زائد رکعت سے متعلق خود غیر مقلدین میں اختلاف ہے، چنانچہ سنابلی صاحب وغیرہ کے نزدیک یہ عشاء کے بعد کی دو رکعتیں ہیں۔ انوار التوضیح (ص ۲۳۵) مولانا بدیع الدین راشدی کی رائے میں یہ فجر کی دو سنتیں ہیں۔ مقالات راشدیہ (۱۳۱:۳) جب کہ مولانا عبد اللہ روپڑیؒ تصریح کرتے ہیں کہ: تراویح تو ان میں سے آٹھ ہی ہیں، وتر پانچ پڑھتے ہوں گے تو تیرہ ہو گئیں۔ اہلحدیث کے امتیازی مسائل (ص ۹۹)۔

کس کا یقین کیجیے کس کا یقین نہ کیجیے

لائے ہیں اس کی بزم سے یار خبر الگ الگ

بعض غیر مقلدین نے ابن اسحاقؒ کی بیان کردہ ان تیرہ رکعات میں عشاء کے بعد کی دو رکعات سنت کو ثابت کرنے کے لیے اس کو رسول اللہ ﷺ کے قیام اللیل پر قیاس کیا ہے کہ جیسے وہاں حضرت عائشہؓ کی روایت (گیارہ رکعت) اور حضرت زید بن خالد جہنیؓ کی روایت (تیرہ رکعت) میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ حضرت جہنیؓ نے عشاء کے بعد کی دو رکعات بھی شمار کر لی ہیں۔ ایسے ہی یہاں ابن اسحاق کی روایت میں عشاء کے بعد کی دو رکعات شمار کی گئی ہیں۔ انوار التوضیح (ص ۲۳۵، ۲۳۶)

حالانکہ اس قیاس کی بنیاد ہی غلط ہے، کیونکہ اکابر علمائے غیر مقلدین (مولانا عبد اللہ غازیپوری، مولانا مبارکپوری وغیرہ) کے نزدیک بھی حضرت زید جہنیؓ کی بیان کردہ تیرہ رکعت میں عشاء کے بعد کی دو رکعتیں شامل نہیں ہیں، بلکہ ان تیرہ رکعت میں تین رکعت وتر کی، اور باقی دس رکعت قیام اللیل کی ہیں، اور اسی کو انہوں نے حق بات قرار دیا ہے۔ مجموعہ رسائل غازیپوری (ص ۳۳۵) تحفۃ الاحوذی (۵۲۴:۲) فتاویٰ علمائے حدیث (۳۰۶:۶)

لہٰذا اس قیاس کا ناحق اور باطل ہونا خود اکابر علمائے غیر مقلدین سے ثابت ہو گیا۔ وللہ الحمد

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

جب کہ داؤد بن قیسؒ وغیرہ کی روایت میں اکیس رکعات پڑھنا مذکور ہے۔

مصنف عبدالرزاق کی روایت پر غیر مقلدین کے اعتراضات کی حقیقت:

پہلا اعتراض: غیر مقلدین نے اس روایت سے جان چھڑانے کے لیے یہ تدبیر اختیار کی کہ اس روایت کو ہی ضعیف قرار دے دیا۔ چنانچہ زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں: یہ روایت متعدد وجوہ سے مردود ہے:

نمبر ۱۔ یہ ثقات کے خلاف ہے لہٰذا شاذ ہے۔ نمبر ۲۔ مصنف کے اصل نسخہ میں اختلاف ہے، امام سیوطی نے "مصنف عبدالرزاق" سے گیارہ کا عدد نقل کیا ہے۔ نمبر ۳۔ اس روایت پر حنفیہ و دیوبندیہ کا عمل نہیں ہے۔ نمبر ۴۔ مصنف کا راوی الدبری ضعیف و مصحف ہے[۱]۔

لیکن زبیر صاحب کی یہ سب تحریر محض رام کہانی ہے۔ ان کی ہر ہر شق کا جواب نمبر وار ملاحظہ ہو:

(۱) داؤد بن قیسؒ وغیرہ کی روایت شاذ نہیں ہے، کیونکہ شاذ روایت بقول مولانا گوندلوی (م ۱۴۰۵ھ) وہ ہوتی ہے: جس میں ثقہ راوی اوثق کی مخالفت کرے۔[۲] اور داؤد بن قیس وغیرہ کی روایت دیگر راویوں (امام مالک وغیرہ) کی روایتوں کے منافی نہیں، بلکہ اس میں زیادتی ہے جو ان کی روایات میں نہیں ہے، یعنی باقی راوی تو گیارہ یا تیرہ رکعتیں نقل کرتے ہیں، جب کہ داؤد بن قیسؒ وغیرہ ان سے زیادہ یعنی اکیس رکعتیں نقل کر رہے ہیں، اور ایسی زیادت خود علمائے غیر مقلدین کے نزدیک بھی معتبر ہے۔ جیسا کہ حصہ اول میں بحوالہ گزرا ہے۔ نیز داؤدؒ بالاتفاق ثقہ راوی

---

[۱] تعداد رکعات قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ (ص ۶۸)

[۲] التحقیق الراسخ (ص ۱۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ہیں۔ اور کم از کم ایک دیگر راوی نے اس میں ان کی متابعت کی ہے۔ اور کسی محدث نے ان کی روایت پر وہم کا حکم نہیں لگایا۔ اور ایسی حالت میں تو داؤد بن قیس ؒ کی زیادت اکیلے بھی مقبول ہے، چہ جائیکہ ان کی اس زیادت میں ایک اور راوی نے بھی ان کی متابعت کر رکھی ہے۔ چنانچہ مولانا گوندلوی ؒ (م ۱۴۰۵ھ) اور مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری (م ۱۴۱۴ھ) لکھتے ہیں: زیادتی ثقہ اس وقت مقبول ہوتی ہے جب اس پر کسی محدث نے وہم کا حکم نہ لگایا ہو۔ [۱]

اب جس روایت پر علامہ ابن عبد البر ؒ (م ۴۶۳ھ) جیسے مُسلَّمہ محدث نے وہم کا حکم لگایا ہے، وہ روایت تو غیر مقلدین کے نزدیک شاذ نہیں لیکن جس روایت پر ہندستان میں انگریز کے آنے سے پہلے کسی نے بھی تنقید نہیں کی، وہ روایت غیر مقلدین کی نظروں میں شاذ ہے۔ عجیب انصاف ہے۔

اور "مصنف عبد الرزاق" کی اس روایت کے موطا وغیرہ کی روایات پر راجح ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ "موطا" کی روایت میں صرف حضرت عمرؓ کے حکم کا ذکر ہے، لیکن اس میں یہ ذکر نہیں کہ اس پر عمل ہوا بھی یا نہیں، اور دیگر کی روایات میں عمل کا ذکر تو ہے، لیکن امر عمرؓ مذکور نہیں۔ جب کہ "مصنف" کی روایت امر اور عمل دونوں کی جامع ہے۔ کیونکہ اس میں مذکور ہے کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اکیس رکعات پڑھنے کے لیے حضرت اُبیؓ اور حضرت تمیم رضی اللہ عنہما کی امامت پر جمع کیا۔ یعنی حضرت عمرؓ نے اس کا حکم بھی دیا، اور اس پر عمل درآمد بھی کروایا۔

(۲) مصنف عبد الرزاق کے کسی نسخہ میں گیارہ کا عدد مذکور نہیں ہے، اور زبیر صاحب نے امام سیوطی ؒ کی کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا کہ انہوں نے کہاں گیارہ کا عدد نقل کیا ہے۔ زبیر صاحب کے ممدوح مولانا نذیر رحمانی صاحب (م ۱۳۸۵ھ) لکھتے ہیں:

---

[۱] ایضاً (ص ۱۱۱)، فتاویٰ عبید اللہ مبارکپوری (۱:۳۵۵)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ایسی بے حوالہ بات قابل التفات ہی نہیں ہے۔[۱]

ثانیاً: اگر بالفرض مان ہی لیا جائے کہ امام سیوطیؒ نے "مصنف عبدالرزاق" سے گیارہ کا عدد نقل کیا ہے، تو کیا زبیر صاحب اوران کی تمام پارٹی مصنف کے کسی اصل نسخہ سے یہ روایت گیارہ کے عدد کے ساتھ نکال کر دکھا سکتے ہیں، اور اگر نہ دکھا سکیں تو پھر (زبیر صاحب کی اپنی زبان میں) ہم پر امام سیوطی کے نام کا رعب ڈالنے کی کوشش نہ کریں۔[۲]

ع ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

ثالثاً: بالفرض اگر سیوطیؒ نے مصنف کے حوالہ سے گیارہ کا عدد ذکر کیا ہے تو انہوں نے موطأ کے حوالہ سے حضرت سائب بن یزیدؓ کی بیس رکعات والی روایت بھی نقل کی ہے۔[۳] اب غیر مقلدین کو چاہیے کہ وہ موطأ میں "عشرون" والا نسخہ بھی تسلیم کرلیں، ورنہ وہ مصنف عبدالرزاق کے گیارہ رکعات والے نسخہ سے بھی دستبردار ہو جائیں۔

دیدہ باید۔

(۳) زبیر صاحب کا یہ کہنا کہ "اس روایت پر حنفیہ دیوبندیہ کا عمل نہیں ہے" نہایت عجیب اور حیرت انگیز ہے۔ کیونکہ احناف کے پاس تو الحمدللہ اپنے موقف کے اثبات میں روایات کثیرہ صحیحہ موجود ہیں۔ پھر احناف کو اس روایت سے استدلال کرنے کی ضرورت کیا ہے؟ البتہ غیر مقلدین کے مذہب کا سارادارومدار چونکہ مضطرب اور ضعیف روایتوں پر ہے۔ اس لیے ان کو احناف کی بجائے اپنی فکر کرنی چاہیے۔

---

[۱] انوار المصابیح (ص ۲۱۲)

[۲] دیکھئے زبیر صاحب کی کتاب تعداد رکعات قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ (ص ۷۰، ۷۳)

[۳] الحاوی للفتاوی (۱: ۳۴۶) مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

(۴) زبیر صاحب کا "مصنف عبدالرزاق" پر اعتراض بھی باطل ہے کیونکہ "مصنف عبدالرزاق" کتب حدیث میں سے ایک معتبر اور مستند کتاب ہے، اور شروع سے لیکر آج تک علمائے امت "مصنف عبدالرزاق" کی احادیث سے استدلال کرتے آئے ہیں، اور کبھی کسی نے اس کو غیر معتبر نہیں ٹھہرایا، بلکہ غیر مقلدین بھی اس کی احادیث کو اپنے مستدلات میں پیش کرتے ہیں اور ان کو درست مانتے ہیں۔
صرف چند ایسی مثالیں بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

مولانا ارشاد الحق اثری صاحب مصنف عبدالرزاق (۱۳۹:۲) سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر کو استدلال میں پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ اثر سند کے اعتبار سے صحیح ہے۔ [۱]

مولانا عبدالرؤف سندھو ایک روایت کے متعلق لکھتے ہیں: امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں سفیان ثوری سے حضرت ابو ہریرہؓ پر موقوف روایت کیا ہے، اور ترجیح بھی اسی موقف کو ہوگی، کیونکہ عبدالرزاق ثقہ اور حافظ ہیں۔ [۲]

خود معترض زبیر علی زئی نے بھی "مصنف عبدالرزاق" کی کئی احادیث سے استدلال کیا ہے، اور ان کو صحیح قرار دیا ہے۔ مثلاً مصنف (۶۹:۲) کی ایک روایت (طاؤس) سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وِاِسْنَادُهٗ صحیح [۳] کہ اس کی سند صحیح ہے۔

اور (۳:۲۶۷) سے حضرت نافعؒ کی روایت سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں: واسنادہ صحیح۔ کہ اس کی سند صحیح ہے۔ [۴]۔

---

[۱] توضیح الکلام (۵۲۶:۱)
[۲] القول المقبول (ص ۴۷۳)
[۳] نور العینین (ص ۱۴۶) طبع سوم
[۴] ایضاً (ص ۱۰۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اسی طرح (۶۹:۲) سے حضرت وہب بن منبہؒ کے اثر سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ واسنادہٗ صحیح داوٗد ثقۃ[۱]۔کہ اس کی سند صحیح ہے، اور داوٗدؒ ثقہ ہے۔

اب ہم زبیر صاحب کو انصاف و دیانت (بشرطیکہ ایسی کوئی شے ان میں موجود ہو) کا واسطہ دے کر پوچھتے ہیں کہ اگر "مصنف عبدالرزاق" کا بنیادی راوی ہی ضعیف و مصحف ہے تو پھر مصنف کی وہ روایات جن سے آپ نے یا آپ کے بڑوں نے استدلال کیا ہے، اور صراحتاً ان کو صحیح کہا ہے، وہ کس کھاتے میں جائیں گی!

ع بریں عقل و دانش بباید گریست

دوسرا اعتراض: مولانا مبارکپوری صاحب اس اکیس رکعات والی روایت کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ غیر محفوظ ہے، کیونکہ ان الفاظ (اکیس رکعات) کو روایت کرنے میں امام عبدالرزاق منفرد ہیں، اور وہ اگرچہ ثقہ اور حافظ ہیں مگر وہ آخر عمر میں جب نابینا ہو گئے تھے تو ان کا حافظہ متغیر ہو گیا تھا....الخ۔[۲]

لیکن مبارکپوری صاحب کا یہ نرا وہم یا تجاہل عارفانہ ہے، کیونکہ امام عبدالرزاقؒ نے اپنی یہ کتاب نابینا ہونے سے پہلے لکھی ہے، اور ان کی کتاب کی روایات خود غیر مقلدین کے نزدیک بھی درست ہیں۔ لہٰذا اگر کتاب لکھنے کے بعد ان کا حافظہ متغیر ہو گیا تھا تو اس سے ان کی کتاب والی روایات پر کیا فرق پڑتا ہے؟ البتہ انہوں نے نابینا ہونے کے بعد جو روایات زبانی بیان کی ہیں ان میں کلام کرنے کی گنجائش ہے، لیکن مذکورہ روایت تو ان کی کتاب والی روایات میں سے ہے۔ اس لیے مبارکپوری صاحب وغیرہ غیر مقلدین کا اس روایت پر اعتراض کرنا چہ معنیٰ دارد؟ اس کی تفصیل حصہ اول میں گزر چکی ہے۔

---

[۱] ایضاً (ص ۱۶۲)

[۲] تحفۃ الاحوذی (۵۲۷:۳)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

تیسرا اعتراض: کفایت اللہ سنابلی نے اس روایت کو ضعیف ثابت کرنے کے لیے ایک اور رام کہانی گھڑی ہے، اور وہ یہ کہ: امام عبدالرزاقؒ نے اپنے دو اساتذہ: داؤد بن قیسؒ اور غیرہٖ (نامعلوم) کے نقل کردہ دو مختلف متون کو ایک متن بنا کر روایت کیا ہے، اور جس متن میں حضرت عمرؓ کا لوگوں کو اکیس رکعت کے لیے حضرت اُبیؓ اور حضرت تمیمؓ پر جمع کرنے کا ذکر ہے، وہ اس نامعلوم شخص کا روایت کردہ ہے، اور داؤد بن قیسؒ کا روایت کردہ متن مختصر ہے، اس میں ان مذکورہ چیزوں کا ذکر نہیں ہے، اور اس کے ثبوت میں انہوں نے امام فریابیؒ (م ۳۰۱ھ) کی کتاب الصیام (ص ۱۳۱) سے داؤد بن قیسؒ کا روایت کردہ ایک متن پیش کیا ہے کہ: نَرْبِطُ الْحِبَالَ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ بَيْنَ السَّوَارِيْ ثُمَّ نَتَعَلَّقُ بِهَا حَتّٰى نَرَى فُرُوْعَ الْفجر۔ (ہم ماہِ رمضان میں ستونوں کے ساتھ رسیاں باندھتے تھے، پھر ہم فجر کے ظہور تک اس کا سہارا لیتے تھے)۔

اس سے انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کی ہے کہ چونکہ یہاں داؤدؒ کی روایت میں یہ اضافی چیزیں ذکر نہیں ہیں، بلکہ فجر تک رسیوں کا سہارا لینے کی بات ہے۔یعنی کب تک نماز پڑھتے تھے؟ اس کا بیان ہے۔ظاہر ہے کہ یہ اضافی باتیں اس نامعلوم شخص کے متن کا حصہ ہے، لہٰذا اس نامعلوم شخص کے سبب یہ روایت ضعیف ہے۔[۱]

لیکن پہلی بات تو یہ ہے کہ سنابلی صاحب اپنی اس رام کہانی کی بنیاد کتاب الصیام کی جس روایت پر رکھ رہے ہیں، اور اس کو نماز تراویح سے متعلق قرار دے کر اس کے ذریعے مصنف عبدالرزاق کی روایت کو غلط ثابت کر رہے ہیں، اس کے متعلق وہ پہلے یہ لکھ آئے ہیں کہ اس روایت کا سرے سے نمازِ تراویح سے کچھ تعلق ہی نہیں ہے۔

---

[۱] ملخص انوار التوضیح (ص ۲۲۲۔۲۲۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

چنانچہ آں موصوف ایک اعتراض کہ محمد بن یوسفؒ سے گیارہ رکعات تراویح کو روایت کرنے والوں نے کبھی تعداد کا ذکر کیا ہے، اور کبھی ذکر نہیں کیا، کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

محمد بن یوسف سے داؤد بن قیس کی ایک روایت میں بھی تعداد کا ذکر نہیں، لیکن یہ حد درجہ مختصر ہے، اس میں سرے سے نماز یعنی تراویح پڑھنے کا ہی ذکر نہیں، اس لیے تعداد ذکر ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا[۱]

ع دروغ گورا حافظہ نباشد

ثانیاً: سنابلی صاحب نے یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ:

جب کوئی محدث اپنے دو طریق سے ایک متن کے ساتھ روایت بیان کرے تو عام اصول یہی ہے کہ وہ متن دونوں طُرق کا مانا جائے گا، اِلاّ یہ کہ تفریق کی کوئی صریح دلیل مل جائے۔[۲]

اب سوال یہ ہے کہ سنابلی صاحب کے پاس وہ کون سی صریح دلیل ہے، جس کے بل بوتے وہ داؤد بن قیسؒ اور نامعلوم شخص کے متون کے درمیان تفریق کا دعویٰ کر رہے ہیں، کتاب الصیام کی جو روایت انہوں نے دونوں متون کے درمیان تفریق کے لیے پیش کی ہے، اس کے بارے میں تو وہ خود تسلیم کر چکے ہیں کہ اس میں نمازِ تراویح کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں ہے، لہٰذا یہ روایت خارج از موضوع ہونے کی وجہ سے دلیل بننے کے قابل ہی نہیں ہے۔

ثالثاً: سنابلی صاحب یہ بھی لکھ چکے ہیں کہ:

دو طُرق سے مختلف الفاظ کو یکجا کر کے ایک ہی سیاق میں بیان کرنا اہل فن کے یہاں نہ

---

[۱] ایضاً (۱۷۴)

[۲] ایضاً (ص ۲۲۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

صرف معیوب بات ہے، بلکہ بکثرت ایسا کرنا باعثِ جرح بھی ہے، جیسا کہ ماقبل میں بتلایا گیا ہے کہ واقدی پر اس وجہ سے بھی جرح کی گئی ہے۔[۱]

نیز سنابلی صاحب اسی طرح کی اپنی ایک مستدل روایت پر اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

حماد بن سلمہ نے صراحت نہیں کی کہ الفاظ کس کے ہیں تو امام حماد کی عدمِ صراحت ہی اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں الفاظ یکساں ہیں، یا کم از کم دونوں میں معنوی فرق نہیں ہے، کیونکہ حماد بن سلمہ کا ایسا کوئی طرزِ عمل محدثین نے نہیں بتلایا ہے کہ یہ مختلف الفاظ کے ساتھ مختلف طُرق کو یکجا سند ومتن کے ساتھ ذکر کر دیتے ہیں۔ اگر حماد بن سلمہ کی کوئی ایسی عادت ہوتی تو خود حماد بن سلمہ ہی مجروح قرار پاتے، جیسا کہ محمد بن عمر واقدی پر محدثین نے اس وجہ سے جرح کی ہے کہ یہ مختلف الفاظ کے ساتھ مختلف طُرق میں تمام الفاظ کو اکٹھا کر کے اجتماعی سند کے ساتھ ذکر کر دیتے ہیں۔ اگر حماد بن سلمہ کا بھی ایسا کوئی طرزِ عمل ہوتا تو محدثین ان پر ضرور گرفت کرتے، لیکن محدثین نے ان کے بارے میں ایسی کوئی صراحت نہیں کی ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ حماد بن سلمہ کا ایسا کوئی طرزِ عمل نہیں تھا۔[۲]

لیکن کیا کسی محدث نے امام عبدالرزاقؒ پر اس قسم کی گرفت کی ہے، حالانکہ مصنف عبدالرزاق شروع سے محدثین کے ہاں متداول رہی ہے، لہٰذا جب محدثین میں سے کوئی بھی ان پر اس قسم کی جرح نہیں کرتا، تو پھر سنابلی جیسے اناڑی کا اس جبالِ علم پر محض اپنے ظن وتخمین کی بنا پر یہ بیہودہ و لچر قسم کا اعتراض صرف اور صرف ''چھوٹا منہ بڑی بات'' کا مصداق ہے۔

---

[۱] ایضاً (ص ۲۲۳،۲۲۴)

[۲] یزید بن معاویہؓ (ص ۴۷۳)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اور پھر سنابلی صاحب کی یہ منطق بھی بڑی عجیب وغریب ہے کہ ایک طرف تو وہ امام عبدالرزاقؒ پر یہ بیہودہ الزام بھی لگا رہے ہیں، اور دوسری طرف وہ ان کی صفائی بھی پیش کررہے ہیں (کیونکہ خود بھی ان کو مصنف عبدالرزاق کی ضرورت پڑتی رہتی ہے) کہ: چونکہ امام عبدالرزاق سے یہ عمل بکثرت ثابت نہیں ہے، لہٰذا اس طرح کی ایک دو غلطی معاف ہے۔[1]

سبحان اللہ! کیا عقل و دانش ہے؟ سنابلی صاحب کیا یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ایک دو دفعہ جھوٹ بولنا اور دھوکہ دینا جائز ہے؟

ع بریں عقل و دانش بباید گریست

باقی رہا ان پر تلقین کا الزام تو اس کا جواب پہلے گزر چکا ہے کہ وہ اختلاط کے بعد بھی اپنی لکھی ہوئی کتاب (مصنف) سے روایت کرتے وقت تلقین قبول نہیں کرتے تھے، لہٰذا یہ اعتراض فضول ہے۔

رابعاً: ''کتاب الصیام والے متن کو داوٗد بن قیسؒ سے وکیع بن جراحؒ نے روایت کیا ہے، اور مصنف والا متن ان سے امام عبدالرزاقؒ روایت کررہے ہیں، اور ان دونوں متون میں عہد عمر اور رمضان کے ذکر کے سوا کوئی شے مشترک نہیں ہے، اب سنابلی صاحب کو کیسے پتہ چلا ہے کہ داوٗدؒ نے جو متن وکیعؒ سے بیان کیا ہے، وہی متن انہوں نے امام عبدالرزاقؒ سے بھی بیان کیا ہوگا، کیا یہ ممکن نہیں کہ انہوں نے ایک کے سامنے ایک متن اور دوسرے کے سامنے دوسرا متن بیان کیا ہو، کیونکہ یہ دونوں متون مختلف ہونے کے باوجود باہم معارض نہیں ہیں۔ اور مولانا محمد گوندلوی (م ۱۴۰۵ھ) لکھتے ہیں: راوی کا دونوں جگہوں پر ایک ہونا دونوں حدیثوں کے ایک ہونے کو مستلزم نہیں، کیونکہ ایک ہی راوی کا اپنے ایک

[۱] انوار التوضیح (ص ۲۲۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ہی شیخ سے کئی ایک احادیث سننا واقعی چیز ہے، لہذا عینیت محدثین کا دعویٰ بالکل بے بنیاد اور غلط ہے [۱]۔

نیز لکھتے ہیں:

اگر ایک جگہ کسی شے کا ذکر ہو، اور دوسری جگہ سکوت، تو سکوت امر ثابت کی نفی کو مستلزم نہیں۔ [۲]

نیز لکھتے ہیں:

سکوت کو ذکر کے متعارض قرار دینا فنِ حدیث سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ [۳]

اور خود سنابلی صاحب نے ایک روایت کے متعلق لکھا ہے:

اس روایت میں اختصار ہے، اور سرے سے ہاتھ باندھنے ہی کا ذکر نہیں ہے، لہذا یہ مختصر روایت دیگر روایت میں ذکر کردہ باتوں کے خلاف حجت نہیں بن سکتی۔ [۴]

اس کے باوجود وہ داوٗد بن قیسؒ کی مختصر روایت کی وجہ سے داوٗدؒ کی مفسر روایت کو غلط ثابت کر کے اپنے ہی طے شدہ اصولوں کو روندر ہے ہیں۔ واعجبا۔

الغرض غیر مقلدین کے اس روایت پر جتنے اعتراضات ہیں وہ سب باطل ہیں، اور یہ روایت محمد بن یوسفؒ کے دیگر شاگردوں کی روایات سے صحت میں کسی طرح بھی کم نہیں۔

یہ اختلاف تو محمد بن یوسفؒ کے شاگردوں کی روایتوں میں کمیت (تعدادِ آیات ورکعات) کے اعتبار سے تھا۔ اب اس میں کیفیت کے لحاظ سے جو اختلاف ہے وہ ملاحظہ کریں:

---

[۱] مقالات (۱:۴۹۵)

[۲] التحقیق الراسخ (ص ۴۷)

[۳] ایضاً (ص ۸۹)

[۴] انوار البدر (ص ۱۵۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

امام مالکؒ کی روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کا ذکر ہے کہ انہوں نے حضرت اُبی اور حضرت تمیم رضی اللہ عنہما کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم فرمایا تھا، لیکن عمل کیا ہوا؟ اس کا روایت میں کوئی تذکرہ نہیں ہے، اور علامہ امیر یمانی صاحب (م ۱۱۸۲ھ) وغیرہ علمائے غیر مقلدین کے بیانات پہلے ذکر ہو چکے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کئی مسائل میں حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے حکم کی خلاف ورزی کی ہے۔

اس لیے ممکن ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گیارہ سے زائد رکعات پڑھتے ہوں جیسا کہ دیگر روایات سے پتہ چلتا ہے.... بلکہ مولانا نذیر رحمانی صاحب (م ۱۳۸۵ھ) نے یہاں تک لکھا ہے کہ: حضرت عمرؓ نے جو گیارہ رکعات کا حکم دیا تھا، وہ وجوبی نہیں تھا، اور اختلاف کی گنجائش خود خلیفہ ہی کی طرف سے موجود تھی۔ اس لیے (جو لوگ بیس وغیرہ رکعات پڑھتے تھے) ان کے حکم کی خلاف ورزی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔[۱]

مولانا عبداللہ روپڑی (م ۱۳۸۴ھ) لکھتے ہیں:

اور ظاہر ہے کہ یہ مسئلہ تراویح شرعیات کی قسم سے ہے، پس اس میں اولی الامر (خلفائے راشدین) کی اطاعت ضروری نہ ہوئی۔[۲]

بنابریں اس روایت میں صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم مذکور ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے اس حکم پر عمل بھی ہوا ہے۔

دیگر راویوں حضرت یحیٰ قطانؒ وغیرہ کی روایات امام مالکؒ کی روایت سے بالکل مختلف ہیں۔ کیونکہ امام مالکؒ کی روایت میں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ابی

---

[۱] انوار المصابیح (ص ۲۳۲)
[۲] تحقیق التراویح (ص ۹۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہما کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم مذکور ہے، جبکہ یحییٰ قطان ؒ وغیرہ کی روایات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کا کوئی ذکر نہیں، بلکہ اس میں حضرت اُبی اور حضرت تمیم رضی اللہ عنہما کا اپنا عمل مذکور ہے کہ وہ گیارہ رکعات پڑھاتے تھے۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ غیر مقلدین ان دونوں باتوں میں فرق کرتے ہیں، کہ جس روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کی تصریح ہو اس کو حجت مانتے ہیں، اور جس روایت میں ان کا حکم مذکور نہ ہو اس کو حجت نہیں مانتے۔ اب امام مالک ؒ اور حضرت یحییٰ قطان ؒ دونوں ایک ہی استاد سے روایت بیان کر رہے ہیں، لیکن دونوں کے بیان کی تعبیر میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

یہ تو امام مالک ؒ اور قطان ؒ وغیرہ کی روایتوں کا آپس میں اختلاف تھا، جب کہ ان کے ساتھی عبدالعزیز دراوردی ؒ کی روایت ان دونوں سے مختلف ہے، کیونکہ ان کی روایت میں نہ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کا ذکر ہے اور نہ ہی حضرت اُبی اور حضرت تمیم رضی اللہ عنہما کی امامت کا کوئی تذکرہ ہے، بلکہ اس میں حضرت سائب رضی اللہ عنہ کا اپنا بیان مذکور ہے کہ ہم گیارہ رکعات پڑھتے تھے۔ اور پہلے بحوالہ علمائے غیر مقلدین گزر چکا ہے کہ ایسی روایت میں اور اس روایت میں کہ جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم مذکور ہو، فرق ہے۔

اب اندازہ لگائیں کہ محمد بن یوسف ؒ کے یہ شاگرد گیارہ رکعات کے عدد پر متفق ہونے کے باوجود اپنے بیانات کی تعبیر میں باہم کتنے مختلف ہیں، جب کہ ان کے ساتھیوں میں سے محمد بن اسحاق ؒ اور داؤد بن قیس ؒ وغیرہ کی روایتیں تو امام مالک ؒ وغیرہ کی روایتوں سے عدد اور کیفیت دونوں اعتبار سے مختلف ہیں۔ محمد بن اسحاق ؒ کی روایت میں ہے کہ ہم تیرہ رکعات پڑھتے تھے، جب کہ داؤد ؒ وغیرہ کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت ابی اور تمیم رضی اللہ عنہما کی اقتداء میں اکیس رکعت پر جمع کیا تھا۔ اور روایت میں ایسے ہی اختلاف کو اضطراب کہا

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

جاتا ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالمنان نور پوری صاحب (م ۱۴۳۳ھ)، حافظ ابن الصلاحؒ (م ۶۴۳ھ) کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

مضطرب حدیث وہ ہے جس میں روایت مختلف ہو جائے، چنانچہ کوئی اسے ایک طرح سے روایت کرے اور کوئی دوسرے طریقہ سے جو پہلے کے مخالف ہو۔[۱]

اور مضطرب روایت قابل احتجاج نہیں ہے۔[۲]

اب محمد بن یوسفؒ کے شاگردوں کے بیانات میں اس قدر اختلافات کے باوجود اگر محمد بن یوسفؒ کی روایت کو مضطرب نہ قرار دیا جائے، جیسا کہ غیر مقلدین حضرات کی رائے ہے، تو پھر اس روایت پر عمل کرنے کے لیے دو ہی صورتیں ممکن ہیں۔ یا تو ان سب طُرق میں سے کسی ایک طریق کو ترجیح دی جائے، یا پھر ان سب میں تطبیق کا کوئی طریقہ اختیار کیا جائے، اور یہ دونوں صورتیں غیر مقلدین کے مُدّعا کے خلاف ہیں۔ چنانچہ مشہور محدث علامہ ابن عبدالبر مالکیؒ (م ۴۶۳ھ) نے یہ دونوں صورتیں اختیار کی ہیں۔ انہوں نے گیارہ، تیرہ اور اکیس والی روایات میں اکیس کے عدد کو ترجیح دی ہے، اور گیارہ رکعت والی روایت کو وہم قرار دیا ہے، اور ساتھ یہ بھی تطبیق بتلائی ہے کہ ممکن ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلے گیارہ رکعات کا حکم دیا ہو، اور پھر گیارہ کی بجائے اکیس رکعات کر دی گئی ہوں۔[۳]

علامہ تقی الدین سبکی شافعیؒ (م ۷۵۶ھ) اور علامہ زرقانی مالکیؒ (م ۱۱۲۲ھ) نے بھی اُن کی اس تطبیق کو پسند کیا ہے۔[۴]

ان ائمۂ حدیث اور ماہرین فن کی تطبیق کے مقابلہ میں بعض علمائے غیر مقلدین

---

[۱] تعداد تراویح (ص ۱۴۹) بحوالہ علوم الحدیث (۸۴)

[۲] تحقیق الکلام (۲:۷)

[۳] الاستذکار (۲:۶۸)

[۴] ضوء المصابیح (ص ۳۴۷) شرح الزرقانی علی الموطأ (۱:۳۳۵)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

(مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری، مولانا عبداللہ غازی پوری، حافظ عبدالمنان وغیرہ) نے ان روایات میں تطبیق کی یہ صورت ذکر کی ہے کہ پہلے اکیس پر عمل ہوتا رہا، اور پھر آخر میں گیارہ رکعتیں کر دی گئیں۔ [۱]

لیکن محدثین کرام اور ماہرین فن کے مقابلہ میں مبارکپوری صاحب وغیرہ غیر مقلدین کی رائے کی کوئی حیثیت نہیں ہے، کیونکہ ان لوگوں کی حیثیت محدثین کے مقابلہ میں محض اناڑی کی ہے، اور اناڑی کے مقابلہ میں ماہر فن کی بات کو ہمیشہ ترجیح ہوتی ہے۔ چنانچہ مولانا نذیر رحمانی صاحب (م ۱۳۸۵ھ) لکھتے ہیں:

ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ماہر فن کی بات مانی جائے، اناڑی کی کون سنتا ہے۔ [۲]

لہٰذا محدثین کرام کی تطبیق یا ترجیح کے مقابلے میں غیر مقلدین کی بات کو کچھ بھی وقعت نہیں دی جا سکتی۔

نیز بیس تراویح پر امت کا توارث ایک زبردست دلیل ہے کہ گیارہ رکعات والی روایات (بشرطِ ثبوت) منسوخ ہیں۔

الحاصل! محمد بن یوسفؒ کی روایت کے ان سب طرق کو مضطرب قرار دیا جائے، یا ان میں تطبیق یا ترجیح دی جائے، جو بھی طریقہ محدثین کرام کے اصولوں کی روشنی میں اختیار کیا جائے، اس سے غیر مقلدین اپنا (گیارہ رکعات کی مسنونیت کا) دعویٰ ہرگز ثابت نہیں کر سکتے۔ لہٰذا یہ روایت غیر مقلدین کے لیے حجت نہیں ہے۔

یہ ساری تفصیل تو "محمد بن یوسف عن السائب بن یزیدؓ" کی روایت کے طرق کے متعلق تھی، لیکن اگر اس کے ساتھ یزید بن خصیفہؒ جو حضرت سائب رضی اللہ عنہ کے دوسرے شاگرد

---

[۱] دیکھئے تحفۃ الاحوذی (۲:۵۳۱)، رکعات تراویح (ص ۲۳)، تعداد تراویح (ص ۱۶۸)

[۲] انوار المصابیح (ص ۱۳۶)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اور محمد بن یوسفؒ کے ہم استاذ ساتھی ہیں، کی روایت کو سامنے رکھا جائے تو پھر لامحالہ محمد بن یوسفؒ کی روایت کے مقابلہ میں یزید بن خصیفہؒ کی روایت کو ترجیح ہوگی، کیونکہ محمد بن یوسفؒ کی روایت میں ان کے شاگردوں کے بیانات میں شدید اختلاف ہے، جس کی تفصیل آپ ملاحظہ کر چکے ہیں، جب کہ یزید بن خصیفہؒ کی روایت میں ایسا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت یزید بن خصیفہؒ سے ان کے تینوں شاگرد (ابن ابی ذہبؒ، محمد بن جعفرؒ اور امام مالکؒ) متفق اللفظ ہو کر نقل کرتے ہیں کہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بیس رکعتیں پڑھتے تھے۔

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کے تیسرے شاگرد اور محمد بن یوسفؒ اور یزید بن خصیفہؒ کے ساتھی حارث بن عبدالرحمٰن بن ابی ذبابؒ (م ۱۴۶ھ) کی روایت [۱] بھی یزید بن خصیفہؒ کی روایت کی مؤید ہے۔ کیونکہ اس میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر کے پڑھے جانے کا ذکر ہے۔

لہٰذا غیر مقلدین کا یزید بن خصیفہؒ اور حارث بن عبدالرحمٰنؒ کی بے عیب اور غیر مضطرب روایات کے مقابلے میں محمد بن یوسفؒ کی مضطرب روایت کو ترجیح دینا صریح زیادتی اور انصاف و دیانت سے کوسوں دور ہے۔ بالخصوص جب کہ یزید بن خصیفہؒ اور حارثؒ کی روایات کی تائید حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد سے متعلق دیگر آثار سے بھی ہوتی ہے جب کہ محمد بن یوسفؒ کی روایت کی تائید میں ایک روایت بھی ایسی نہیں ہے جو ان کی روایت کی تقویت کا سبب بن سکے۔ نیز لوگوں کا نسل بعد النسل بیس تراویح پر عمل پیرا ہونا بھی یزیدؒ اور حارثؒ کی روایات کی تقویت کا باعث ہے۔ چنانچہ امام تقی الدین سبکی شافعیؒ (م ۷۵۶ھ)، یزیدؒ اور حارثؒ کی بیس رکعات والی روایات، اور محمد بن یوسفؒ کی گیارہ رکعات والی روایت میں موازانہ کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

---

[۱] حارثؒ کی روایت پر غیر مقلدین کے اعتراض کا جواب حصہ اول میں ملاحظہ ہو۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

"فَإِنْ سَلَكْنَا التَّرْجِيحَ فَهُوَ لِلْعِشْرِينَ وَالْوِتْرِ. لِمَا سَنَذْكُرُهُ مِنَ الْآثَارِ الْكَثِيرَةِ. وَلِعَمَلِ النَّاسِ خَلَفًا عَنْ سَلَفٍ۔"[1]

"سو اگر ہم دونوں قسم کی روایات میں ترجیح کا راستہ اپنائیں تو بھی بیس تراویح اور (تین) وتر والی روایات راجح ہیں، کیونکہ ان کی تائید میں بہت سے آثار ہیں، جیسا کو ہم عنقریب ذکر کریں گے، نیز سلف سے خلف تک سب لوگوں کا عمل بھی اس کے مؤید ہے۔"

نیز امام سُبکیؒ بیس تراویح کے اثبات میں آثار ذکر کرنے کے بعد ارقام فرماتے ہیں:

"فَانْظُرْ هٰذِهِ الْآثَارَ الْعَظِيمَةَ كُلَّهَا عَلَى عِشْرِينَ مَعَ الرِّوَايَةِ الصَّحِيحَةِ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ، فَالرِّوَايَةُ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ، إِذَا صَحَّتْ۔ إِمَّا مَرْجُوحَةٌ لِكَثْرَةِ الرُّوَاةِ بِخِلَافِهَا۔ وَإِمَّا مَحْمُولَةٌ عَلَى مَا قَالَهُ ابْنُ حَبِيبٍ أَنَّهَا كَانَتْ فِي أَوَّلِ الْأَمْرِ، ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى ثَلَاثٍ وَعِشْرِينَ، فَهٰذَا الَّذِي هُوَ اسْتَقَرَّ عَلَيْهِ الْأَمْرُ۔"[2]

"یہ بکثرت آثار ملاحظہ ہو، یہ سب کے سب بیس تراویح پر دال ہیں، ان کے ساتھ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہما کی بیس تراویح والی صحیح روایت بھی موجود ہے رہی حضرت سائب رضی اللہ عنہ سے مروی (گیارہ رکعات والی) روایت، تو اگر یہ روایت صحیح ہے تو پھر یہ:"

یا تو مرجوح ہے، کیونکہ اس کے برخلاف بکثرت راویوں کی روایات موجود ہیں۔
اور یا پھر جیسا کہ علامہ ابن حبیبؒ نے فرمایا ہے کہ یہ محمول ہے (حضرت عمرؓ کے) پہلے

---

[۱] ضوء المصابیح فی صلوۃ التراویح (ص ۳۲۹)

[۲] ایضاً (ص ۳۴۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

دور پر، اور پھر معاملہ تیئس (بیس تراویح اور تین وتر) کی طرف لوٹ گیا، اور یہی وہ عدد ہے کہ جس پر عمل ہمیشہ کے لیے قرار پایا ہے۔

اور اس پر طُرہ یہ کہ محمد بن یوسف ؒ اپنی روایت (گیارہ رکعت) سے رجوع کر چکے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بحوالہ گزرا ہے۔

اشکال: بعض غیر مقلدین لکھتے ہیں کہ: اگر محمد بن یوسف ؒ کی روایت ان کے شاگردوں کے مختلف بیانات ہونے کی وجہ سے مضطرب ہے، تو پھر یزید بن خصیفہ ؒ کی روایت بھی مضطرب ہے، کیونکہ ان کے شاگردوں کے بیانات میں بھی اختلاف ہے، چنانچہ یزید ؒ کے پہلے شاگرد ابن ابی ذہب ؒ کا بیان ہے کہ: حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بیس رکعات پڑھتے تھے۔ دوسرے شاگرد محمد بن جعفر ؒ کی روایت میں ہے کہ: حضرت سائب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بیس رکعات اور وتر پڑھتے تھے۔

اب پہلی کی روایت میں حضرت سائب رضی اللہ عنہ اپنے عمل کی بجائے دوسرے لوگوں کا عمل نقل کر رہے ہیں، جب کہ یزید ؒ کے دوسرے شاگرد محمد بن جعفر ؒ کی روایت میں حضرت سائب رضی اللہ عنہ اپنا عمل ذکر کر رہے ہیں۔ اسی طرح ابن ابی ذہب ؒ کی روایت وتر کے ذکر سے ساکت ہے، جب کہ محمد بن جعفر ؒ کی روایت میں وتر کا بھی ذکر ہے (اسی طرح یزید بن خصیفہ ؒ کے ساتھی حارث بن عبدالرحمٰن ؒ کی روایت میں بھی تین رکعت وتر کا ذکر ہے)۔ نیز ابن ابی ذہب ؒ کی روایت میں ایک زائد جملہ ہے کہ: لوگ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد میں شدت قیام کی وجہ سے لاٹھیوں پر ٹیک لگاتے تھے''، لیکن یزید ؒ کے دوسرے شاگرد محمد بن جعفر ؒ اور یزید بن خصیفہ ؒ کے ہم استاذ حارث بن عبدالرحمٰن ؒ کی روایتوں میں نہ تو عہد عثمان ؓ کا ذکر ہے،

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اور نہ ہی کیفیت ادا کا۔ لہٰذا بیس رکعت والی روایت بھی مضطرب ٹھہری۔[۱]

لیکن غیر مقلدین کا یہ اشکال بالکل بے اصل، اور محض گیارہ رکعات والی مضطرب روایت کو بچانے کا ایک غیر مقلدانہ حیلہ ہے۔ کیونکہ محمد بن یوسفؒ کی گیارہ رکعات والی روایت میں جو اختلاف ہے، اور یزید بن خصیفہؒ کی بیس والی روایت میں جو (ظاہری) اختلاف ہے۔ ان دونوں میں زمین اور آسمان کا فرق ہے، اس لیے کہ محمد بن یوسفؒ کے شاگردوں کے بیانات میں جو اختلاف ہے، وہ اختلاف معارضہ اور منافات کے قبیل سے ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا بیان دوسرے سے بالکل مختلف اور دوسرے کے بیان کے منافی ہے، حتیٰ کہ ان کے شاگرد رکعات تراویح کے عدد پر بھی باہم متفق نہیں ہیں، کوئی ان میں سے گیارہ رکعات نقل کرتا ہے، کوئی تیرہ رکعات، اور کوئی اکیس رکعات نقل کر رہا ہے۔ اسی طرح ان میں کوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم نقل کر رہا ہے، کوئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کی بجائے حضرت اُبی اور حضرت تمیم رضی اللہ عنہما کی امامت کا تذکرہ کر رہا ہے۔ اور کوئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں گیارہ یا تیرہ رکعات پڑھنے کا ذکر کر رہا ہے، نیز حضرت اُبی و تمیم رضی اللہ عنہما کی ایک رکعت میں آیات پڑھنے کی تعداد کوئی کئی سو بتلا رہا ہے، کوئی دو سو بتلا رہا ہے، کوئی ایک سو بتلا رہا ہے، اور کوئی پچاس ساٹھ بتلا رہا ہے۔ روایات میں ایسے ہی اختلاف کو اصولِ حدیث کی رُو سے اضطراب کہا جاتا ہے۔

اس کے بالمقابل یزید بن خصیفہؒ کے شاگردوں کی روایات میں اختلاف کی یہ نوعیت نہیں، بلکہ ان کے سب شاگرد بیس رکعات کے عدد پر باہم متفق ہیں۔ باقی ان کے بیانات کی تعبیر میں جو معمولی سا اختلاف ہے تو وہ اختلاف حقیقی نہیں بلکہ ظاہری ہے،

---

[۱] انوار المصابیح (ص ۲۴۵، ۲۴۶)، تعداد تراویح (ص ۱۵۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

جس کو اضطراب نہیں کہا جاتا۔ مثلاً یزیدؒ کے شاگرد ابن ابی ذہبؒ کی روایت کے الفاظ ہیں:
كَانُوْا يَقُوْمُوْنَ عَلٰى عَهْدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً....
اور محمد بن جعفرؒ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: كُنَّا نَقُوْمُ فِيْ زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً.... ان دونوں کی روایتوں کا مفہوم ایک ہے، کیونکہ "كَانُوْا يَقُوْمُوْنَ" کا مصداق بھی صحابہ کرامؓ اور کبار تابعین ہیں اور "كُنَّا تَقُوْمُ" کا مصداق بھی صحابہ کرامؓ اور کبار تابعینؒ ہیں۔ اب ان دونوں کے بیانوں میں کیا فرق ہے؟

نیز اگر محمد بن جعفرؒ کے بیان میں وتر کا ذکر زائد ہے، جس سے ابن ابی ذئبؒ کی روایت ساکت ہے۔ اسی طرح ابن ابی ذئبؒ کی روایت میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں تراویح پڑھے جانے کی کیفیت مذکور ہے، جس کا محمد بن جعفرؒ کی روایت میں کوئی ذکر نہیں ہے، تو یہ ان دونوں کی روایتیں محمد بن یوسفؒ کے شاگردوں کی روایات کی طرح باہم ایک دوسرے سے معارض اور منافی نہیں کہ ان کو مضطرب قرار دیا جائے، بلکہ ان دونوں میں جو معمولی فرق ہے وہ صرف "بیان" اور "سکوت" کا ہے کہ ایک کی روایت میں ایک چیز کا ذکر ہے جس سے دوسرے کی روایت میں سکوت ہے۔ مولانا نذیر احمد رحمانی صاحب (م ۱۳۸۵ھ) لکھتے ہیں:

سکوت اور بیان میں کوئی منافات اور معارضہ نہیں ہے۔ [۱]

غیر مقلدین کے استاذ العلماء حافظ گوندلوی صاحبؒ (م ۱۴۰۵ھ) کا بیان پہلے گزر چکا ہے کہ سکوت کو ذکر کے متعارض قرار دینا فن حدیث سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

نیز مولانا گوندلوی لکھتے ہیں:

ایسا ہو ہی جاتا ہے کہ ایک چیز کا بعض طرق میں ذکر ہوتا ہے، اور بعض میں نہیں تو ایسے راوی کے ثقہ ہونے کی صورت میں روایت کا ضعف لازم نہیں آتا۔ [۲]

---

[۱] انوار المصابیح (ص ۲۳۷)
[۲] التحقیق الراسخ (ص ۸۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

نیز لکھتے ہیں: محدثین کے ہاں مسلمہ ہے کہ ایک روایت میں ایک چیز کا عدم ذکر اس کی نفی کو مستلزم نہیں، اگر اس کا ذکر اس سے دوسرے طریق میں آجائے تو معمول بہ ہوگی۔[1]

لہٰذا غیر مقلدین کا یزید بن خصیفہؒ کے شاگردوں کے بیانات میں اپنی طرف سے فرضی اختلافات بنا کر اس کو مضطرب کہنا باطل ہے، اور ان کا محمد بن یوسفؒ کی مضطرب روایت پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

یہ تفصیل تو یزید بن خصیفہؒ کے شاگردوں کی روایات کے متعلق تھی۔ اس کے ساتھ یزید بن خصیفہؒ کے ہم استاذ حارث بن عبد الرحمٰن کی روایت ملاحظہ کریں۔ چنانچہ حارثؒ اپنے استاذ حضرت سائب رضی اللہ عنہ کا بیان یوں نقل کرتے ہیں کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں قیام تیئیس رکعات تھا۔

علامہ ابن عبد البر (م ۴۶۳ھ) فرماتے ہیں کہ: ان تیئیس رکعات میں تین رکعات وتر کی ہوتی تھیں[2]۔

اب حارثؒ کی روایت بالکل یزید بن خصیفہؒ کے شاگردوں کی روایات کی طرح ہے، بس اتنا فرق ہے کہ وہاں صرف وتر کا ذکر تھا، اور یہاں حارثؒ کی روایت میں وضاحت سے تین رکعات وتر کا ذکر ہے۔ اور مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری (م ۱۳۵۳ھ) لکھتے ہیں:

اور یہ تو مسلم ہی ہے کہ بعض روایات بعض کی مفسر ہوا کرتی ہے۔[3]

مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں:

---

[1] ایضاً (ص ۸۴)

[2] الاستذکار (۶۹:۲)

[3] مقالاتِ مبارکپوری (ص ۴۴۹)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

"اَلْحَدِیْثُ یُفَسِّرُ بَعْضُہٗ بَعْضًا"

"کہ ایک حدیث دوسری کی وضاحت کرتی ہے۔"[۱]

الغرض حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہما سے ان کے دونوں شاگرد: یزید بن خصیفہؒ اور حارث بن عبدالرحمنؒ، اور پھر ان سے ان کے سب شاگرد متفق ہو کر روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیس رکعات پڑھا کرتے تھے، اور ان کے بیانات میں باہم کوئی اختلاف نہیں۔ اس کے بالمقابل حضرت سائب رضی اللہ عنہ کے تیسرے شاگرد محمد بن یوسف مدنیؒ کی روایت میں شدید اختلافات ہونے کی وجہ سے وہ روایت مضطرب اور ضعیف ہے۔

❁❁❁❁❁

[۱] توضیح الکلام (۱:۴۸۹، ۵۴۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

غیر مقلدین کے چند شبہات

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

غیر مقلدین کے چند شبہات

قارئین کرام: غیر مقلدین کی طرف سے آٹھ تراویح کے اثبات میں پیش کردہ دلائل کا جائزہ تو آپ نے بخوبی لے لیا ہے، اور آپ پر یہ واضح ہوگیا ہوگا کہ غیر مقلدین کے پاس ایک بھی ایسی ٹھوس دلیل نہیں ہے کہ جس سے صرف آٹھ رکعات کا رسول اللہ ﷺ یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت ہونا ثابت ہوسکے۔

اب ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اختتامِ کتاب سے قبل ان کے عوام میں پھیلائے گئے چند اہم شبہات کی بھی وضاحت کرتے جائیں تاکہ سطحی الذہن عوام ان کے مکروفریب میں نہ آسکیں۔ وَمَا تَوْفِيْقِيْ إِلَّا بِاللهِ۔

شبہ اُولیٰ:

علامہ ابن الہمامؒ (م ۸۶۱ھ) جو فقہ حنفی کے مشہور محقق اور مجتہد ہیں، وہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ صرف آٹھ رکعات ہی سنت ہیں، اور باقی بارہ رکعات مستحب ہیں۔ [۱]

اسی طرح علام ابن نجیمؒ (م ۹۷۰ھ) نے "البحر الرائق" میں، اور علامہ طحطاویؒ نے "شرح الدر المختار" میں شیخ ابن الہمامؒ کی بات کو بلا رد و انکار نقل کیا ہے۔ [۲]

جواب:

علامہ ابن الہمامؒ (م ۸۶۱ھ) بیس رکعات تراویح کا انکار نہیں کرتے۔ البتہ وہ ان

---

[۱] صلوٰۃ الرسول ﷺ (ص ۳۸۴)، انوار المصابیح (ص ۳۱) و دیگر کتب غیر مقلدین بحوالہ فتح القدیر (۱: ۳۳۴) لابن الہمامؒ۔

[۲] انوار المصابیح (ص ۳۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بیس میں سے صرف آٹھ رکعات کو سنت اور باقی بارہ رکعات کو مستحب کہتے ہیں۔ ان کا یہ قول ان کے تفردات میں شمار ہوتا ہے۔ چنانچہ علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ (م ۱۳۵۲ھ) اور علامہ عبدالحی صاحب لکھنویؒ (م ۱۳۰۴ھ) وغیرہ علمائے کرام نے تصریح کی ہے کہ یہ ان کا تفرد ہے، اور ان کے علاوہ امت مسلمہ میں کوئی بھی جلیل القدر ہستی اس نظریہ کی قائل نہیں ہے۔[۱]

اس مسئلہ کے علاوہ اور بھی کئی مسائل میں انہوں نے جمہور اُمت سے تفرد اختیار کیا ہے، اور ان کے ایسے تفردات غیر معتبر اور ناقابل عمل سمجھے جاتے ہیں، خود غیر مقلدین کو بھی اس کا اقرار ہے۔

علامہ ابن الہمامؒ کے تفردات غیر مقلدین کی نظر میں

غیر مقلدین کے مشہور عالم مولانا ارشاد الحق اثری صاحب لکھتے ہیں:

علامہ ابن الہمامؒ کو فقہ حنفی میں اجتہادی مقام حاصل تھا۔ انہوں نے کئی مسائل میں اپنے ہم فکر علماء سے اختلاف کیا ہے، لیکن ان کے اختلاف کو خود علمائے احناف نے بنظر استحسان نہیں دیکھا۔ چنانچہ انہی کے شاگرد علامہ قاسم قطلو بغا اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں:

شیخ ابن ہمامؒ کے وہ مباحث جو مذہب کے مخالف ہیں، ان پر عمل نہ کیا جائے۔ (البحر الرائق ۵:۱۲۵)

علامہ قاسمؒ کا یہ قول علامہ کشمیریؒ نے العرف الشذی (ص ۵۰) میں بھی نقل کیا ہے۔ لہٰذا حنفی مذہب کے خلاف ان کا جو بھی قول ہوگا، وہ مقبول نہیں ہوگا، چہ جائیکہ اسے حنفی مذہب باور کر لیا جائے۔[۲]

---

[۱] دیکھئے العرف الشذی (۲:۲۰۹)، حاشیہ ھدایہ (۱:۱۵۱) وغیرہ۔

[۲] توضیح الکلام (۲:۵۴۵)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بزرگ غیر مقلد عالم مولانا محمد گوندلوی صاحبؒ (م ۱۴۰۵ھ) ایک مسئلہ کی تحقیق میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن الھمام حنفی باوجود فقیہ ہونے کے اس سوادِ اعظم سے شذوذ فرماتے ہیں۔[۱]

اب غیر مقلدین خود ہی بتلائیں کہ اس سے اور زیادہ ہم ان کی کیا تسلی کرا سکتے ہیں۔ ؎

کیا لطف جو غیر پردہ کھولے
جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے

باقی رہا مولانا نذیر رحمانی صاحب کا یہ کہنا کہ علامہ ابن نجیمؒ (م ۹۷۰ھ) اور علامہ طحطاویؒ (م ۱۲۳۱ھ) نے بھی شیخ ابن الھمامؒ کے اس قول کو بلا ردو انکار نقل کیا ہے۔ لہٰذا ان کا بھی یہی نظریہ ہے، تو رحمانی صاحب کی یہ غلط فہمی ہے، کیونکہ یہ دونوں بزرگ دیگر علمائے اہل سنت کی طرح بیس تراویح کے مسنون ہونے کے قائل ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن نجیمؒ (م ۹۷۰ھ) نے امام عبداللہ نسفیؒ (م ۷۱۰ھ) صاحب کنز الدقائق کے قول: وَسُنَّ فِيْ رَمَضَانَ عِشْرُوْنَ رَكْعَةً (رمضان المبارک میں بیس رکعات تراویح پڑھنا سنت ہے) کی شرح میں حضرت عمر اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل بیس تراویح نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”وَكَيْفَ لَا وَقَدْ ثَبَتَ عَنْهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ۔“ [۲]

”بیس تراویح سنت کیسے نہیں ہے؟ حالانکہ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ثابت ہے کہ: تم میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو، اور اس کو داڑھوں کے

[۱] التحقیق الراسخ (ص ۲۲)

[۲] البحر الرائق شرح کنز الدقائق (۲: ۱۱۷) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ساتھ مضبوطی سے تھام لو۔"[1]

اسی طرح علامہ طحطاویؒ (م ۱۲۳۱ھ) بھی بیس رکعات کو سنت کہتے ہیں۔ چنانچہ علامہ موصوف ، امام قدوریؒ (م ۴۲۸ھ) کے قول: التَّرَاوِیحُ سُنَّةٌ ...وَهِيَ عِشْرُوْنَ رَكْعَةً (نماز تراویح سنت ہے... اور اس کی بیس رکعتیں ہیں) کی شرح میں لکھتے ہیں:

" اَلْحِكْمَةُ فِيْ تَقْدِيْرِهَا بِهٰذَا الْعَدَدِ مُسَاوَاتُ الْمُكْمِلِ وَهِيَ

---

[1] سنابلی صاحب نے علامہ ابن نجیمؒ کو گیارہ رکعات مسنون کے قائلین میں سے قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

علامہ زین الدین المعروف بابن نجیم المصری لکھتے ہیں:

وَقَدْ ثَبَتَ اَنَّ ذٰلِكَ كَانَ اِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً ....انوار التوضیح (ص ۲۹۳)

حالانکہ سنابلی صاحب نے یہ سراسر دھوکہ دیا ہے (یا کھایا ہے) کیونکہ یہ علامہ موصوف کا اپنا قول نہیں ، بلکہ یہ انہوں نے علامہ ابن الہمامؒ کا قول نقل کیا ہے۔ چنانچہ آں موصوف بیس تراویح کو مسنون قرار دینے کے بعد لکھتے ہیں:

لٰكِنْ ذَكَرَ الْمُحَقِّقُ فِيْ فَتْحِ الْقَدِيْرِ مَا حَاصِلُهٗ اَنَّ الدَّلِيْلَ يَقْتَضِيْ اَنْ تَكُوْنَ السُّنَّةُ مِنَ الْعِشْرِيْنَ مَا فَعَلَهٗ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهَا ثُمَّ تَرَكَهٗ خَشْيَةَ اَنْ تُكْتَبَ عَلَيْنَا وَالْبَاقِيْ مُسْتَحَبٌّ. وَقَدْ ثَبَتَ اَنَّ ذٰلِكَ كَانَ اِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً بِالْوِتْرِ كَمَا ثَبَتَ فِي الصَّحِيْحَيْنِ مِنْ حَدِيْثِ عَائِشَةَ. فَاِنْ يَكُوْنَ الْمَسْنُوْنُ عَلٰى اُصُوْلِ مَشَايِخِنَا ثَمَانِيَةً مِنْهَا وَالْمُسْتَحَبُّ اثْنَا عَشَرَ انْتَهٰى۔

اس کے بعد انہوں نے علامہ حلبیؒ کے حوالہ سے بیس رکعات کے مسنون ہونے کی حکمت بیان کی۔ البحر الرائق (۲: ۱۱۷) اسی طرح سنابلی صاحب نے ملا علی قاریؒ کو بھی گیارہ رکعات کے قائلین میں شمار کیا ہے۔ انوار التوضیح (ص ۲۹۴) اور اس پر انہوں نے ان کی طرف جو عبارت منسوب کی ہے، وہ بھی علامہ ابن الہمامؒ کی عبارت ہے۔ دیکھئے مرقاۃ المفاتیح (۳: ۳۴۵) جب کہ ملا علی قاریؒ خود بیس رکعات کو ہی مسنون کہتے ہیں، اور گیارہ رکعات والی حدیث کو وہ تہجد پر محمول کرتے ہیں، جیسا کہ حصہ اول میں بحوالہ گزرا ہے۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

السُّنَنُ لِلْمُكَمِّلِ وَهِيَ الْفَرَائِضُ الْاِعْتِقَادِيَّةُ وَالْعَمَلِيَّةُ ۔"[۱]

"تراویح کی بیس رکعات ہونے میں حکمت یہ ہے کہ مُکمِل جو (بیس تراویح) سُنن ہیں وہ مُکمَّل جو فرائض اعتقادیہ و عملیہ (سترہ رکعت فرض اعتقادی و تین رکعت وتر فرض عملی یعنی واجب) ہیں، کے برابر ہو جائے۔

اب یہ دونوں حضرات علامہ ابن الھمام ؒ کے نظریہ کے برخلاف بیس تراویح کو مسنون کہہ رہے ہیں۔ لہٰذا یہ کہنا غلط ہے کہ ان دونوں حضرات کا نظریہ بھی علامہ ابن الھمام ؒ کی طرح ہے۔

رہا ان دونوں حضرات کا علامہ ابن الھمام ؒ کا یہ قول نقل کرنا، تو وہ محض ان کا تفرد بتلانے کے لیے ہے، نہ یہ کہ یہ دونوں حضرات بھی علامہ ابن الھمام ؒ کی طرح آٹھ رکعات کے سنّت اور بارہ رکعات کے مستحب ہونے کے قائل ہیں، بلکہ ان دونوں نے تو بیس رکعات کو سنت کہہ کر شیخ ابن الھمام ؒ کے قول کی تردید کر دی ہے۔

بعض غیر مقلدین نے علامہ طحطاوی ؒ اور دیگر اہل علم (علامہ شرنبلالی ؒ، شاہ ولی اللہ ؒ، نواب قطب الدین دہلوی ؒ) کی عبارات نقل کی ہیں، جن میں انہوں نے گیارہ رکعات کے بارے میں کہا ہے کہ: وَقَدْ ثَبَتَ ذٰلِكَ... (یہ ثابت ہیں) اس سے وہ یہ تاثر دے رہے ہیں کہ یہ حضرات گیارہ رکعات کو احادیث کی رو سے صحیح تسلیم کرتے ہیں۔[۲]

حالانکہ یہ تاثر غلط ہے۔ کیونکہ نامور غیر مقلد عالم مولانا ارشاد الحق اثری نے علامہ ابن عبد البر ؒ (م ۴۶۳ھ) کے قول کہ: یہ قول حضرت زید بن ثابت، حضرت علی اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم سے سند کے لحاظ سے ثابت ہے، کے جواب میں لکھا ہے:

---

[۱] حاشیۃ الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح (ص ۴۱۴) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

[۲] انوار التوضیح (ص ۲۹۴، ۲۹۵)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

سند سے ثابت ہونا اور صحیح سند سے ثابت ہونا دونوں میں فرق بین ہے۔[۱]

شبہ ثانیہ:

بعض غیر مقلدین نے گیارہ رکعات تراویح کے اثبات میں امام ابو العباس احمد بن عمر قرطبیؒ (م ۶۵۶ھ) کی مندرجہ ذیل عبارت پیش کی ہے:

"وَقَالَ كَثِيْرٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً، أَخْذًا بِحَدِيْثِ عَائِشَةَ الْمُتَقَدِّمِ۔" [المفہم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم: ۲:۳۹۰]

"اور بہت سے اہل علم نے عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیث کی بنا پر کہا ہے کہ (تراویح کی) گیارہ رکعات ہیں۔"[۲]

جواب: اس عبارت میں یہ وضاحت نہیں ہے کہ بہت سے اہلِ علم حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے تراویح کی گیارہ رکعات کے قائل ہیں، یا تہجد کی؟ اور بالفرض اگر اس سے مراد تراویح کی گیارہ رکعات ہیں، تو پھر غیر مقلدین ہمت پکڑیں اور صرف چند ایسے اہل علم کے نام ہی گنوا دیں جو حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے تراویح کی صرف گیارہ رکعات مسنون ہونے کے قائل ہیں۔ دیدہ باید۔

ثانیاً: امام قرطبیؒ نے ہی حدیثِ عائشہؓ کے بارے میں ان ہی الفاظ (کثیر من اھل العلم) میں لکھا ہے:

"وَقَدْ اَشْكَلَتْ هٰذِهِ الْأَحَادِيْثُ عَلٰى كَثِيْرٍ مِنَ الْعُلَمَاءِ، حَتّٰى أَنَّ بَعْضَهُمْ نَسَبُوْا حَدِيْثَ عَائِشَةَ فِيْ صَلٰوةِ اللَّيْلِ إِلَى

---

[۱] تنقیح الکلام (ص ۳۱)

[۲] انوار التوضیح (ص ۲۹۲)، امین اوکاڑوی کا تعاقب (ص ۳۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

الْاِضْطِرَابِ۔" [۱]

سنابلی صاحب اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ اضطراب والی جرح امام ابوالعباس قرطبیؒ کی اپنی بات نہیں، بلکہ کسی مجہول شخص کی بات ہے، جسے امام قرطبی نے محض نقل کیا ہے، اس لیے بعض احناف کا اسے امام قرطبی کی جرح قرار دینا محض غلط بیانی ہے۔ لہٰذا اس مجہول وگم نام شخص کی غیر اصولی اور بے دلیل بات کا کوئی اعتبار ہی نہیں۔ [۲]

بنابریں سنابلی صاحب وغیرہ غیر مقلدین نے امام قرطبیؒ کا جو بیان اپنے حق میں پیش کیا ہے، اس میں بھی یہ ان کی اپنی بات نہیں، بلکہ انہوں نے مجہول وگمنام لوگوں کا عمل ذکر کیا ہے، لہٰذا اس کا کوئی اعتبار ہی نہیں۔

شبہ ثالثہ:

مولانا نذیر احمد رحمانی (م ۱۳۸۵ھ) لکھتے ہیں:

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب "مَاثَبَتَ بِالسُّنَّةِ" میں لکھا ہے کہ: بعض سلف حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے عہد میں گیارہ رکعت پڑھتے تھے، تاکہ ان کا عمل رسول اللہ ﷺ کے عمل کے مطابق اور مشابہ ہو۔ یُصَلُّوْنَ جمع کا صیغہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایسا کرنے والے متعدد حضرات تھے۔ نیز اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس عمل کا داعی اور محرک کوئی اجتہادی عمل نہ تھا، بلکہ محض رسول اللہ ﷺ کی سنت کے اتباع کا جذبہ ہی اس کا محرک اور داعی تھا۔ [۳]

الجواب:

شیخ عبدالحق دہلویؒ (م ۱۰۵۲ھ) کے اقوال پہلے ذکر ہو چکے ہیں کہ وہ بیس رکعات

---

[۱] المفہم (۲:۳۶۷)

[۲] انوار التوضیح (ص ۵۲)

[۳] انوار المصابیح (ص ۳۸۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

تراویح کو مسنون قرار دیتے ہیں، اور اس پر امت کا تواتر و توارث نقل کرتے ہیں۔

نیز وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گیارہ رکعات والی حدیث کو تہجد پر محمول کرتے ہیں۔[۱]

رہا ان کا حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ کے عہد سے متعلق ذکر کردہ مذکورہ اثر تو اس اثر سے استدلال کئی وجوہ سے باطل ہے۔

اولاً: شیخ عبدالحقؒ نے اس کی کوئی سند ذکر نہیں کی، اور مولانا ارشاد الحق اثری صاحب ایک اثر کے بارے میں لکھتے ہیں:

امام ابن قدامہؒ نے اس اثر کی کوئی سند ذکر نہیں کی۔ لہٰذا بلاسند کوئی بات مقبول نہیں۔[۲]

پس جب امام ابن قدامہؒ (م ۶۲۰) جیسے محدث کی بات غیر مقلدین کے نزدیک مقبول نہیں تو پھر شیخ عبدالحقؒ جن کا درجہ ابن قدامہؒ سے یقیناً کم ہے، ان کی بات بلاسند کیسے مقبول ہوگی! فیالِلعجب۔ بلکہ خود شیخ عبدالحقؒ نے اپنے اس قول کو "رُوِیَ" صیغہ

---

[۱] نیز شیخ عبدالحقؒ فرماتے ہیں: اب رہا رمضان المبارک میں قیامِ شب جسے تراویح کہتے ہیں، تو اس کا بیان ان شاء اللہ روزے کے باب میں آئے گا، اور تحقیق یہ ہے کہ رمضان المبارک میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز آپ کی عادتِ شریفہ ہی کے مطابق تھی، اور وہ گیارہ رکعتیں تھیں، جسے تہجد میں پڑھا کرتے تھے۔ جیسا کہ معلوم ہوا۔ مدارج النبوۃ مترجم (۱:۴۸۰) ناشر شبیر برادز لاہور۔
اس بیان میں شیخ موصوف نمازِ تراویح کی تعداد نہیں بیان کر رہے، کیونکہ اس کا وعدہ تو وہ روزے کے باب میں بیان کرنے کا کر رہے ہیں۔ بلکہ وہ یہاں یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تہجد پڑھنے کا معمول رمضان المبارک اور غیر رمضان المبارک میں یکساں تھا، یعنی یہ نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں تراویح کی وجہ سے تہجد پڑھنا چھوڑ دیتے تھے، یا اس میں کچھ رد و بدل کر دیتے تھے۔ سنابلی صاحب کا شیخ موصوف کی اس عبارت کو تراویح پر محمول کرنا (دیکھئے انوار التوضیح ص ۲۹۴) انتہائی گمراہ کن، اور شیخ موصوف کی اس عبارت اور ان کی دیگر عبارات میں تناقض پیدا کرنے کے مترادف ہے۔

[۲] توضیح الکلام (۱:۱۱۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

تمریض سے ذکر کیا ہے جو کہ باقرار غیر مقلدین اس قول کے ضعیف اور غیر معتبر ہونے کی دلیل ہے۔ چنانچہ مولانا محب اللہ راشدی (م ۱۴۱۵ھ)، امام ترمذیؒ (م ۲۷۹ھ) کے بیس تراویح سے متعلق قول: وَاَكْثَرُ اَهْلُ الْعِلْمِ عَلَى مَارُوِیَ عَنْ عَلِیٍّ وَعُمَرَ.... کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> اول تو امام ترمذی نے اس جگہ لفظ رُوِیَ کا استعمال کیا ہے، جو فعل ماضی مجہول ہے، اور اس لفظ سے ہی اس کا ضعیف و کمزور ہونا نمایاں ہے۔ [۱]

مولانا بدیع الدین راشدی (م ۱۴۱۶ھ) لکھتے ہیں:

> یہ صیغہ تمریض ہے جو دلالت کرتا ہے کہ امام ترمذی اس نقل کو صحیح نہیں سمجھتے۔ [۲]

حافظ زبیر علی زئی، حافظ ہیثمیؒ (م ۸۰۷ھ) کی ایک راوی کے متعلق صیغہ تمریض سے بیان کردہ توثیق پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> یعنی یہ توثیق مردود ہے، اس لیے حافظ ہیثمی نے اس کے لیے صیغہ تمریض استعمال کیا۔ [۳]

نیز خود مولانا نذیر رحمانی صاحب، امام ترمذیؒ کے مذکورہ بالا قول پر نقد کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

> رہا امام ترمذی کا عَلَى مَارُوِیَ عَنْ عَلِیٍّ وَعُمَرَ الخ فرمانا تو یہ صرف ان حضرات سے بیس رکعت کی بابت کسی قول یا عمل کے "مروی ہونے" کی شہادت ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ محض "مروی" ہونے سے اس کا صحیح اور ثابت ہونا لازم نہیں آتا۔ [۴]

پس جب امام ترمذیؒ جیسے محدث کبیر کے کسی قول کو رُوِیَ سے ذکر کرنے سے اس کا

---

[۱] مقالاتِ راشدیہ (۱:۱۹۴)

[۲] ایضاً (۷:۱۷۹)

[۳] نور العینین (ص ۱۳۹)

[۴] انوار المصابیح (ص ۳۲۳)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

صحیح اور ثابت ہونا لازم نہیں آتا، تو پھر شیخ عبدالحق جیسے متاخر عالم کا کسی قول کو رُوِیَ سے ذکر کرنا اُس کے صحیح اور ثابت ہونے کی دلیل کیونکر ہو سکتی ہے؟

ثانیا: حضرت عمر بن عبدالعزیز (م ۱۰۱ھ) کے عہد سے متعلق اس اثر کی کوئی سند موجود نہیں۔ اس کے بالمقابل صحیح السند اثر سے ثابت ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور میں لوگ چھتیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر پڑھتے تھے۔ [۱]

اسی طرح ان سے یہ بھی منقول ہے کہ انہوں نے قاریوں کو چھتیس رکعات تراویح پڑھانے کا حکم دیا تھا۔ [۲]

بلکہ خود غیر مقلدین کے محدث اعظم حافظ عبداللہ روپڑی (م ۱۳۸۴ھ) نے بھی تسلیم کیا ہے کہ: حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں چھتیس رکعات پڑھی جاتی تھیں۔ [۳]

ان صحیح السند آثار کو چھوڑ کر شیخ عبدالحق دہلوی کے ذکر کردہ بلا سند قول کو گلے لگانا یہ غیر مقلدین کا محض تجاہل عارفانہ ہے۔

ثالثاً: اس میں بعض سلف کا ذکر ہے، اور بعض سلف نامعلوم ہیں کہ وہ کون لوگ تھے؟ حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: نامعلوم لوگوں کا عمل کوئی شرعی حجت نہیں۔ [۴]

رابعاً: اس اثر سے یہ بھی ظاہر نہیں کہ وہ بعض نامعلوم لوگ گیارہ رکعات تراویح کی پڑھتے تھے، یا تہجد کی پڑھتے تھے؟ فَإِذَا جَاءَ الْإِحْتِمَالُ بَطَلَ الْإِسْتِدْلَال۔

شبہ رابعہ:

سنابلی صاحب نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (م ۱۳۲۲ھ) کو گیارہ رکعات کے

---

[۱] مصنف ابن ابی شیبہ (۲: ۲۸۵)، قیام اللیل (ص ۲۲۱)

[۲] قیام اللیل (ص ۲۲۴)

[۳] اہلحدیث کے امتیازی مسائل (ص ۱۰۱)

[۴] تعداد رکعات قیام رمضان (ص ۳۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

قائلین میں شمار کرنے کے لیے ان کی درج ذیل عبارت سے استدلال کیا ہے:

از اں جملہ ایک دفعہ گیارہ رکعات پڑھنا ہے۔ چنانچہ جابرؓ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شب گیارہ تراویح بجماعت پڑھی۔[۱]

جواب: حضرت گنگوہیؒ نے نہ تو اس حدیث کو صحیح کہا ہے، اور نہ ہی اس کو صرف گیارہ رکعات مسنون ہونے کی دلیل گردانا ہے، بلکہ انہوں نے اس کی سند پر بحث کیے بغیر امام طحاویؒ کے طرز پر اس کا جواب دیا ہے۔ چنانچہ اس کو نقل کر کے لکھتے ہیں:

مگر یہ آٹھ رکعت پڑھنا تراویح کا بجماعت مستلزم نفی زیادت کو نہیں، اس واسطے کہ ممکن ہے، بلکہ مظنون ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اول آخر اس نماز کے منفرداً زیادہ پڑھی ہو۔ اس واسطے کہ رمضان میں آپ اِحیاءِ تمام لیل کا کرتے تھے۔

اور پھر آپ نے اس پر طویل بحث کی، اور یہ ثابت کیا کہ اس حدیث سے صرف گیارہ رکعات مسنون ہونے پر استدلال کرنا غلط ہے۔[۲]

شبہ خامسہ:

سنابلی صاحب بحوالہ مولانا محمد احسن نانوتویؒ (م ۱۳۱۲ھ) لکھتے ہیں:

”لِاَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يُصَلِّهَا عِشْرِيْنَ بَلْ ثَمَانِيًا“۔[حاشیہ کنز الدقائق ۱:۱۱۲]

کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس رکعات نہیں پڑھیں بلکہ آٹھ رکعات پڑھیں۔[۳]

جواب: مولانا نانوتویؒ دراصل یہاں یہ بحث کر رہے ہیں کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ تراویح

---

[۱] انوار التوضیح (ص ۲۹۶) بحوالہ الرأی النجیح (ص ۱۳)

[۲] الرأی النجیح (ص ۱۱)

[۳] انوار التوضیح (ص ۲۹۶)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

حضرت عمرؓ کی سنت ہے، جب کہ ہمارے نزدیک یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، اور پھر آگے لکھتے ہیں: وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يُقَالَ: اَنَّ التَّرَاوِيْحَ سُنَّةُ عُمَرَ رضی اللہ عنہ، لِاَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يُصَلِّهَا عِشْرِيْنَ....

اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ اگر یہ کہا جائے کہ تراویح حضرت عمرؓ کی سنت ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس تراویح نہیں، بلکہ آٹھ تراویح پڑھی ہیں، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس تراویح پڑھی ہیں، اور سب صحابہؓ نے اس پر ان کی موافقت کی ہے۔

یعنی اگر کوئی شخص ہمارے مؤقف (بیس تراویح سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے) کے برخلاف یہ کہے کہ بیس میں سے آٹھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہیں، اور باقی بارہ رکعات حضرت عمرؓ کی سنت ہیں، تو بھی کوئی حرج نہیں، کیونکہ یہ شخص کم ازکم بیس رکعات کو تو مسنون کہہ رہا ہے، برخلاف غیر مقلدین کے جو صرف آٹھ رکعات کو مسنون کہتے ہیں، اور ان میں سے بعض تو باقی بارہ رکعات کو بدعت تک کہہ دیتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

شبہ سادسہ:

مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ (م ۱۳۴۶ھ) لکھتے ہیں:

اور سنت مؤکدہ ہونا تراویح کا آٹھ رکعات تو بالاتفاق ہے۔ [۱]

جواب: مولانا سہارنپوریؒ اپنے زمانے کی حالت بیان فرمارہے ہیں، کیونکہ ان کے زمانے میں تراویح کے مسئلہ میں اختلاف پیدا ہو چکا تھا، اور غیر مقلدین نے آٹھ سے زائد تراویح کو سنت مؤکدہ ماننے سے انکار کر دیا تھا، اس لیے آپ کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ آج کے زمانہ میں کوئی شخص ایسا نہیں جو کم ازکم آٹھ تراویح کو سنت مؤکدہ نہ مانتا ہو، رہیں آٹھ سے زائد رکعات تو آپ ان کو سنت مؤکدہ سمجھتے ہیں۔ [۲]

---

[۱] ایضاً (ص ۲۹۶) بحوالہ براہین قاطعہ (ص ۱۹۵)

[۲] بذل المجھود شرح سنن ابی داؤد (۱۹:۶، ۲۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اور آٹھ سے زائد تراویح کو بدعت کہنے کو قول سفہاء قرار دیتے ہیں[۱]۔ اس لیے مولانا سہارنپوری ؒ کے قول کو غیر مقلدین کا اپنے حق میں پیش کرنا عجیب وغریب ہے۔

شبہ سابعہ:

مولانا عبدالشکور لکھنوی ؒ (م ۱۳۸۱ھ) لکھتے ہیں: اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آٹھ رکعت تراویح مسنون ہے۔[۲]

جواب: مولانا لکھنوی ؒ نے آٹھ رکعت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نہیں کہا، بلکہ یہ کہا ہے کہ آٹھ رکعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مسنون ہے، یعنی اس کا سنت ہونا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے، اور پہلے بحوالہ علمائے غیر مقلدین گزرا ہے کہ ہر منقول روایت کا صحیح ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ مولانا ارشاد الحق اثری کا حوالہ گزر چکا ہے کہ محدثین کے قول: یہ حدیث ثابت ہے، سے بھی اس حدیث کا صحیح ہونا ثابت نہیں ہوتا جب تک کہ یہ نہ کہا جائے کہ یہ حدیث صحیح سند سے ثابت ہے۔

نیز مولانا لکھنوی ؒ اسی پیراگراف میں آگے جا کر لکھتے ہیں:

پس برحقیقت اب اگر کوئی آٹھ رکعت تراویح پڑھے تو وہ مخالف سنت کہا جائے گا نہ (کہ) موافق سنت۔[۳]

باقی سنابلی صاحب نے جو مولانا عبدالحی لکھنوی ؒ اور مولانا یوسف بنوری ؒ کے حوالے پیش کیے ہیں کہ ان دونوں حضرات نے حضرت جابر ؓ کی آٹھ رکعات والی حدیث کو ذکر کیا ہے[۴]۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی حدیث کو صرف ذکر کرنے سے اس کا صحیح ہونا کیسے لازم آگیا؟ آپ کے علماء کی کتب میں جو احادیث مذکور ہیں، ان سب کو کیا آپ صحیح سمجھتے ہیں؟ اذلیس فلیس۔

---

[۱] براہین قاطعہ (ص ۸)

[۲] انوار التوضیح بحوالہ علم الفقہ (ص ۱۹۸)

[۳] علم الفقہ (ص ۱۹۸)

[۴] انوار التوضیح (ص ۲۹۶، ۲۹۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

شبہ ثامنہ:

مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ (م ۱۳۵۲ھ) نے بھی تسلیم کیا ہے کہ: نبی ﷺ سے تراویح کی آٹھ ہی رکعتیں صحیح طور پر ثابت ہیں۔ بیس رکعات والی روایت کی سند ضعیف ہے، اور اس کے ضعف پر سب کا اتفاق ہے۔[۱]

جواب: علامہ کشمیریؒ کی تحقیق بابت رکعاتِ تراویح

علامہ کشمیریؒ موجودہ غیر مقلدین کی طرح صرف آٹھ رکعات کے قائل نہیں ہیں، بلکہ وہ بھی دیگر علمائے اہل سنت کی طرح بیس رکعات کو مسنون سمجھتے ہیں، انہوں نے اگرچہ بیس رکعات والی مرفوع حدیث کو ضعیف کہا ہے، لیکن اس کے باوجود وہ اس کو باعتبار عمل صحیح کہتے ہیں۔ چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) کے قول: مَا كَانَ عُمَرُ رضی اللہ عنہ مُبْتَدِعًا" کی شرح میں فرماتے ہیں:

"لَا بُدَّ مِنْ اَنْ يَّكُوْنَ لَهَا اَصْلٌ مِنْهُ ﷺ وَاِنْ لَّمْ يَبْلُغْنَا بِالْاِسْنَادِ الْقَوِيِّ۔"[۲]

"ضروری ہے کہ ان بیس رکعات کی کوئی اصل نبی ﷺ سے ہو، اگرچہ وہ ہم تک قوی سند کے ساتھ نہیں پہنچی"

حضرت شاہ صاحبؒ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ بیس رکعات تراویح پر تمام امت کا اجماع ہے، اور بیس سے کم رکعات کا کوئی بھی قائل نہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"لَمْ يَقُلْ اَحَدٌ مِّنَ الْاَئِمَّةِ بِاَقَلِّ مِنْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً فِي التَّرَاوِيْحِ

---

[۱] انوار المصابیح (ص ۱۷۲)، تعداد رکعات قیام رمضان (ص ۲۳) بحوالہ العرف الشذی (۱:۱۶۶)

[۲] العرف الشذی (۲:۲۰۹) طبع دار احیاء التراث العربی بیروت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

وَإِلَيْهِ ذَهَبَ جُمْهُوْرُ الصَّحَابَةِ رضوان الله عنهم "[۱]

"ائمہ میں سے کوئی بھی امام بیس تراویح سے کم کا قائل نہیں، اور بیس تراویح ہی جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کا مذہب ہے۔"

نیز شاہ صاحبؒ علامہ ابن الہمامؒ (م ۸۶۱ھ) کے قول کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وَقَالَ ابْنُ الْهُمَامِ: اَنَّ ثَمَانِيَةَ رَكْعَاتٍ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ وَثِنْتَيْ عَشَرَ رَكْعَةً مُسْتَحَبَّةٌ. وَمَا قَالَ بِهٰذَا اَحَدٌ۔"[۲]

"علامہ ابن الہمامؒ فرماتے ہیں کہ آٹھ رکعات سنت مؤکدہ ہیں، اور بارہ رکعات مستحب ہیں، لیکن اس طرح کی بات (ان کے علاوہ) کسی نے بھی نہیں کہی ہے۔"

نیز شاہ صاحب، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیس رکعات مقرر فرمانے کے بارے میں فرماتے ہیں:

"فَقَدْ تَلَقَّاهُ الْاُمَّةُ بِالْقُبُوْلِ۔"[۳]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس عمل کو امت کی طرف سے تَلَقِّيْ بِالْقُبُوْل حاصل ہے۔

حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحبؒ (م ۱۳۵۲ھ) کے مذکورہ بالا اقتباسات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ وہ بیس رکعات کو ہی سنت کہتے ہیں، اور وہ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ بیس رکعات والی روایت ضعیف ہونے کے باوجود حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور پوری

---

[۱] ایضاً (۲:۲۰۸)

[۲] ایضاً (۲:۲۰۹)

[۳] ایضاً

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

امت کے عمل سے مؤید ہے، اور حضرت شاہ صاحبؒ کے نزدیک اگر کوئی حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف بھی ہو، لیکن تَلَقِّيْ بِالْقُبُوْل کی وجہ سے وہ روایت قابل عمل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"وَذَهَبَ بَعْضُهُمْ اِلٰى اَنَّ الْحَدِيْثَ اِذَا تَأَيَّدَ بِالْعَمَلِ ارْتَقٰى مِنْ حَالِ الضَّعْفِ اِلٰى مَرْتَبَةِ الْقُبُوْلِ۔ قُلْتُ: وَهُوَ الْاَوْجَهُ عِنْدِيْ۔"[۱]

"بعض محدثین کا مذہب یہ ہے کہ ضعیف حدیث جب امت کے عمل سے مؤید ہو جائے تو وہ ضعف کی حالت سے نکل کر درجہ قبول تک پہنچ جاتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک بھی یہی بات زیادہ درست ہے۔"

بنابریں غیر مقلدین کا حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ کے بارے میں یہ تأثر دینا کہ وہ صرف آٹھ رکعات کو سنت اور بیس رکعات کو ضعیف کہتے ہیں، بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ ہرگز صرف آٹھ رکعات کے سنت ہونے کے قائل نہیں ہیں، بلکہ وہ تو ان لوگوں کے بارے میں جو صرف آٹھ رکعات کے قائل ہیں، یہاں تک فرماتے ہیں کہ:

" وَاَمَّا مَنِ اكْتَفٰى بِالرَّكَعَاتِ الثَّمَانِيَةِ وَشَذَّ عَنِ السَّوَادِ الْاَعْظَمِ وَجَعَلَ يَرْمِيْهِمْ بِالْبِدْعَةِ فَلْيَرَ عَاقِبَتَهٗ "[۲]

"جو شخص صرف آٹھ رکعات پر اکتفا کر کے سوادِ اعظم سے کٹ گیا، اور وہ سوادِ اعظم پر بدعت کا الزام لگاتا ہے وہ اپنا انجام سوچ لے"

اللہ تبارک وتعالیٰ تمام مسلمانوں کو حق وصداقت پر قائم ودائم رکھے، اور ہمیشہ سوادِ اعظم کی معیت واتباع نصیب فرمائے، اور اہل حق کے ساتھ تعصب وعناد اور ہٹ دھرمی سے جملہ

---

[۱] فیض الباری (۴:۱۳۰) طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

[۲] فیض الباری (۳:۳۷۵)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اہل اسلام کو مامون و محفوظ رکھے۔

اٰمین بجاہ النبی الکریم و سید الانبیاء والمرسلین و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ و علیٰ من اتبع ھم باحسان الیٰ یوم الدین۔

احقر العباد ظہور احمد الحسینی

۲۵ شوال المکرم ۱۴۲۱ھ مطابق ۲۴ جنوری ۲۰۰۱ بوقت المغرب شب الجمعہ

فراغت از طبع ثانی ۶ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ، ۱۴ مارچ ۲۰۰۸ء۔ شب الجمعۃ المبارک

فراغت از طبع ثالث: ۱۷ ربیع الثانی ۱۴۴۵ھ، ۲ نومبر ۲۰۲۳ء شب الجمعۃ المبارک

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

گیارہ رکعات تراویح کے راوی

عیسیٰ بن جاریہ رحمہ اللہ کا تعارف

اور

زبیر علی زئی غیر مقلد کی قلابازیاں

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ:

اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا کے حصول کے لیے بندوں کو عبادت کی جن صورتوں کی تعلیم اپنے رسول ﷺ کے ذریعے دی، ان میں ''نماز تراویح'' بھی ایک اہم عبادت ہے۔ نماز پنجگانہ، جمعہ اور عیدین کی طرح ''نماز تراویح'' کا اجتماع بھی رمضان المبارک میں مسلمانانِ عالم کے اتحاد و اتفاق اور اخوت و محبت کا مظہر ہوتا ہے، مسلمانانِ عالم کے باہمی مؤدت و اخوت کے رشتہ کو کمزور کرنے کے لیے یہود و نصاریٰ نے جن سازشوں کا جال پھیلایا، اُن میں غیر مقلدین کا گروہ بھی ہے، جو ان باطل عزائم کی تکمیل کے لیے مسلمانانِ عالم کی اس اہم عبادت نماز میں فتنہ بازی پھیلانے میں مصروف رہتا ہے۔ رمضان المبارک کی سعید ساعتوں کی آمد ہوتی ہے، مسجدوں میں نمازیوں کی تعداد زیادہ ہونا شروع ہو جاتی ہے تو یہ گروہ سرگرم عمل ہو جاتا ہے کہ فلاں مسجد میں نماز نہیں پڑھنی، فلاں امام مشرک ہے، تراویح بیس نہیں آٹھ ہیں، وغیرہ۔

تراویح جیسی اہم نماز میں فتنہ ڈالنے کے لیے یہ گروہ جن دلائل کو سہارا بناتا ہے ان میں ایک عیسیٰ بن جاریہ کی روایت بھی ہے۔ بیس رکعات تراویح کے لیے احقر کی کتاب ''رکعات تراویح ایک تحقیقی جائزہ'' دیکھی جائے۔ اس مضمون میں آٹھ رکعات تراویح کی روایت کے مرکزی راوی عیسیٰ بن جاریہ کا تعارف اور مشہور غیر مقلد زبیر علی زئی (م ۱۴۳۵ھ) کے دلائل کی حقیقت آشکارا کی جاتی ہے تاکہ مسلمانانِ عالم کے اتحاد و اتفاق میں رخنہ انداز غیر مقلدین کے گروہ کے مزموم عزائم کا سدباب کیا جا سکے۔

حضرت جابر عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت مروی ہے کہ:

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

”صَلَّى بِنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ ثَمَانَ رَكَعَاتٍ وَأَوْتَرَ۔“

”ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہِ رمضان میں نماز پڑھائی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعتیں اور وتر پڑھے۔“

اس حدیث کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے میں ایک راوی عیسیٰ بن جاریہ متفرد ہے، اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا راوی اس حدیث کو روایت نہیں کرتا۔ چنانچہ امام طبرانی رحمہ اللہ (م ۳۶۰ھ) اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

”لَا يُرْوَى عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رضی اللہ عنہ إِلَّا بِهٰذَا الْإِسْنَادِ۔“[۱]

”یہ حدیث حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے صرف اسی (ابن جاریہ کی) سند سے مروی ہے۔“

عیسیٰ بن جاریہ چونکہ ضعیف اور متروک الحدیث راوی ہے، لہٰذا اس کی یہ منفرد روایت ناقابل احتجاج ہے۔ ہم نے اپنی کتاب ”رکعات تراویح ایک تحقیقی جائزہ“ میں تفصیل سے اس کا ضعف بیان کیا ہے، اور جن غیر مقلدین خصوصاً زبیر علی زئی نے اس راوی کا دفاع کرنے کی کوشش کی ہے، ان کی اس کوشش کو ائمہ جرح وتعدیل اور خود علمائے غیر مقلدین کے معتبر حوالجات سے باطل کر دکھایا ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ۔

زبیر علی زئی کو ہمارے ان ٹھوس دلائل کا رد کرنے کی جرأت تو نہ ہو سکی، البتہ انہوں نے محض اپنے حواریوں کو تسلی دینے کے لیے اپنے زیر ادارت مجلّہ ”الحدیث (جلد ۵، شمارہ ۴)“ میں عیسیٰ بن جاریہ کے دفاع میں ایک مضمون لکھا ہے، جس میں انہوں نے زیادہ تر انہی باتوں کو دُہرایا ہے جن کا مدلل جواب ہم اپنی کتاب ”رکعات تراویح ایک تحقیقی جائزہ“ میں دے

[۱] المعجم الصغیر (۱:۱۹۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

چکے ہیں۔قارئین کے فائدے کے لیے ہم یہاں عیسیٰ بن جاریہ کا تفصیلی تعارف بحوالہ محدثین پیش کرتے ہیں،اور اس سلسلے میں زبیر علی زئی کے تمام قدیم وجدید شبہات کا تسلی بخش جواب بھی ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔سب سے پہلے ابن جاریہ کے متعلق محدثین کے اقوالِ جرح پیش کیے جائیں گے،اور ساتھ ساتھ زبیر علی زئی کے شبہات کا جواب بھی عرض کر دیا جائے گا،اور آخر میں زبیر علی زئی نے عیسیٰ بن جاریہ کے حق میں محدثین سے جو توثیق نقل کی ہے اس کی حقیقت بھی واضح کی جائے گی۔ان شاءاللہ تعالیٰ

عیسیٰ بن جاریہ پر محدثین کے اقوالِ جرح

(۱) امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن معین رحمہ اللہ (م ۲۳۳ھ) فرماتے ہیں: لَیْسَ بِذَاكَ [۱]۔
زبیر علی زئی نے لَمْ یَکُنْ بِذَاكَ کا ترجمہ کیا ہے: وہ حدیث میں قوی نہیں ہے[۲]۔
نیز امام ابن معینؒ،ابن جاریہ کے متعلق فرماتے ہیں: عِنْدَہٗ مَنَاکِیْرُ [۳]۔اس کے پاس منکر حدیثیں ہیں۔
زبیر صاحب نے اس کلمہ کو بھی جرح قرار دیا ہے۔[۴]

(۲) امام ابوداوٗد سجستانی رحمہ اللہ (م ۲۷۵ھ) صاحب السنن سے ان کے شاگرد ابوعبید آجری رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ انہوں نے عیسیٰ بن جاریہ کے بارے میں فرمایا: مُنْکَرُ الحدیث۔[۵] یہ منکر حدیث والا ہے۔

مولانا نذیر احمد رحمانیؒ (جن کو زبیر علی زئی: المحقق،الفقیہ[۶] اور امام[۷] قرار دیتے

---

[۱] تھذیب التھذیب(۴:۴۴۸)
[۲] الحدیث(۲۶:۲۳،۱۸:۹۳)
[۳] تھذیب التھذیب(۴:۴۴۸)
[۴] الحدیث(۲۷:۱۳،۳۹)
[۵] تھذیب التھذیب(۴:۴۴۸)
[۶] تعداد رکعات قیام رمضان(ص ۷)
[۷] الحدیث(۶:۱۸)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ہیں، نے تسلیم کیا ہے کہ: امام ابوداؤد نے بے شک عیسیٰ بن جاریہ کو منکر الحدیث کہا ہے۔ یہی جرح امام نسائی نے بھی کی ہے۔[۱]

علاوہ ازیں امام ابوداؤدؒ نے اس کے بارے میں یہ بھی فرمایا ہے: رَوَی مَنَا کِیْرَ[۲]۔"اس نے منکر حدیثیں روایت کی ہیں"۔

امام ابوداؤد رحمہ اللہ کی جرح پر زبیر علی زئی کے اعتراض کا جواب

زبیر علی زئی نے لکھا تھا کہ امام داؤد کی جرح (منکر الحدیث) ثابت نہیں ہے۔[۳]

اس کے جواب میں ہم نے اپنی کتاب "رکعات تراویح ایک تحقیقی جائزہ"[۴] میں زبیر علی زئی کے مسلمہ امام اور محقق (مولانا رحمانیؒ) کا مذکورہ بالا قول پیش کیا تھا، جس میں انہوں نے بڑے زور دار الفاظ میں اس جرح کو ثابت مانا ہے۔ زبیر علی زئی نے اس حوالے کا کوئی جواب نہیں دیا، اور اس سے راہِ فرار اختیار کرتے ہوئے یہ شوشہ چھوڑ دیا کہ: یہ جرح دو وجہ سے ثابت نہیں ہے:

(۱) آجری تک سند نامعلوم ہے۔

(۲) آجری مذکور کا خود ثقہ وصدوق ہونا ثابت نہیں ہے۔[۵]

جواب:

زبیر علی زئی کے اعتراض کی دونوں شقیں باطل ہیں۔

(۱) ابوعبید آجریؒ تک سند معلوم ہے، اور محدثین ان کے امام ابوداؤدؒ سے نقل

---

[۱] انوار المصابیح (ص ۱۱۲)

[۲] تھذیب التھذیب (۴:۴۴۸)

[۳] تعداد رکعات قیام رمضان، ص ۶۴

[۴] (ص ۲۱۰) طبع اول، (ص ۳۰۶) طبع ثانی

[۵] الحدیث (۴۷:۱۶)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کردہ اقوال کو باسند ذکر کرتے ہیں، مثلاً علامہ خطیب بغدادیؒ (م ۴۶۳ھ) نے اپنی تاریخ میں جابجا ان کے اقوال کو اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔[۱]

اسی طرح آجریؒ کی یہ کتاب حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) کی مرویات میں سے بھی ہے، اور انہوں نے آجریؒ تک اپنی اسناد بھی ذکر کر دی ہے۔[۲]

(۲) ابوعبید محمد بن علی بن عثمان آجریؒ کو حفاظِ ثلاثہ: ابوالحجاج مزیؒ (م ۷۴۲ھ)، ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) اور ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) نے امام ابوداؤد سجستانیؒ (م ۲۷۵ھ) کے خصوصی تلامذہ میں شمار کرتے ہوئے ان کو "مسائل ابی داؤد" کا راوی اور الحافظ (حافظ الحدیث) قرار دیا ہے۔[۳]

اور حافظ الحدیث کن صفات کا حامل ہوتا ہے، اس کے متعلق علمائے غیر مقلدین کی تصریحات ہم اپنی کتاب میں ذکر کر چکے ہیں۔[۴]

نیز حافظ ذہبیؒ امام اسحاق بن راہویہؒ (م ۲۳۸ھ) کے ترجمہ میں ابوعبید آجریؒ کی روایت ذکر کرتے ہوئے ان کے متعلق لکھتے ہیں:

"وَمَا عَلِمْتُ اَحَدًا لَیَّنَهٗ۔"[۵]

"مجھے معلوم نہیں ہے کہ ان کی کسی نے تضعیف کی ہو"

مولانا ارشاد الحق اثری عنوان "ثبوت عدالت کا اصول" قائم کر کے لکھتے ہیں:

یہاں یہ بات بجائے خود بحث طلب ہے کہ کسی راوی کی عدالت کیونکر متحقق ہوگی۔ علامہ ابن عبدالبرؒ نے فرمایا ہے کہ جو راوی معروف العنایہ ہو، یعنی محدثین کے ہاں وہ

---

[۱] مثلاً دیکھئے تاریخ بغداد (۱۲: ۱۶۴)

[۲] المعجم المفہرس، (ص: ۱۷۳)

[۳] تھذیب الکمال (۱۱: ۳۹۰)، سیر اعلام النبلاء (۱۳: ۲۰۶)، تھذیب التھذیب (۲: ۳۹۰)

[۴] دیکھئے رکعاتِ تراویح ایک تحقیقی جائزہ (ص ۷۳، ۷۴) طبع ثانی

[۵] سیر اعلام النبلاء (۱۱: ۳۷۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

معروف راویانِ حدیث میں شمار ہوتا ہو، جب تک جرح ثابت نہ ہو اسے عادل قرار دیا جائے گا۔ یہی رائے امام اسماعیل بن اسحاق المتوفی ۲۸۲ھ، علامہ ابن المواقؒ، علامہ المزیؒ، علامہ ابن سید الناس، علامہ ذہبیؒ، علامہ ابن الجزریؒ وغیرہ کی ہے۔ جیسا کہ علامہ سخاویؒ نے فتح المغیث کی النوع الثالث والعشرون میں ذکر کیا ہے۔[۱]

اور پھر یہ تینوں محدثین (مزیؒ، ذہبیؒ اور ابن حجرؒ) ان کی کتاب میں ان کے اور امام ابو داوُدؒ کے درمیان سؤالات و جوابات کی نسبت امام ابو داوُدؒ کی طرف کر رہے ہیں۔

نیز حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) دیگر کئی مقامات پر بھی اس کتاب میں مذکور اقوال کی نسبت بالجزم امام ابو داوُدؒ کی طرف کرتے ہیں۔ مثلاً وہ ایک راوی کے بارے میں امام نوویؒ (م ۶۷۶ھ) کے قول کہ امام ابو داوُدؒ نے اس کو ضعیف نہیں کہا، کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

”لَمْ يُضَعِّفْهُ أَبُوْ دَاوُدَ. يُرِيْدُ فِي السُّنَنِ، وَإِلَّا فَقَدْ ضَعَّفَ رَاوِيَهُ فِيْ أَسْئِلَةِ الْآجُرِيِّ۔“[۲]

”امام نوویؒ کی مراد یہ ہے کہ امام ابو داوُدؒ نے اپنی سُنن میں اس کی تضعیف نہیں کی، ورنہ انہوں نے ”اسئلۃ الآجری“ میں یقیناً اس کی تضعیف کی ہے۔“

اور خود زبیر علی زئی نے امام ابن کثیرؒ (م ۷۷۴ھ) سے نقل کیا ہے کہ:

ابو عبید الآجری نے ایک مفید کتاب لکھی ہے، جس میں اس نے جرح و تعدیل اور تصحیح و تضعیف میں ابو داوُد سے سوالات کیے ہیں۔[۳]

اور زبیر علی زئی نے خود ہی یہ اصول بیان کیا ہے کہ: ائمہ کا کسی کتاب کو بطور جزم اس کے مصنف کی طرف منسوب کرنا اس کے راویوں کی توثیق کی دلیل ہے۔[۴]

---

[۱] تنقیح الکلام (ص ۱۲۷)

[۲] نتائج الافکار (۱:۲۷۱)

[۳] ماہنامہ الحدیث (۵۱:۴) بحوالہ اختصار علوم الحدیث

[۴] نور العینین (ص ۵۳، توثیق محمود بن اسحٰق)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

نیز زبیر علی زئی اور ان کے شیخ بدیع الدین راشدی (م ۱۴۱۶ھ) نے امام اعظم ابوحنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) کے خلاف امام ابن معینؒ (م ۲۳۳ھ) سے منسوب ایک قول کو صحیح ثابت کرنے کے لیے یہ دلیل پیش کی ہے کہ:

اس قول کو حافظ ذہبی نے اپنی کتاب ''دیوان الضعفاء'' میں بطور جزم بیان کیا ہے۔ [۱]

اس علی زئی و راشدی اصول کی روشنی میں امام ابن کثیرؒ (م ۷۷۴ھ) کا مذکورہ کتاب کو بالجزم آجریؒ کی تصنیف قرار دینا، اور اس میں مذکورہ اقوال کو حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) وغیرہ محدثین کا امام ابوداودؒ (م ۲۷۵ھ) کے اقوال قرار دینا بھی جس طرح آجری تک سند کے صحیح اور اس کے ہر ہر راوی کے ثقہ ہونے کی دلیل ہے، اسی طرح اس سے خود آجریؒ کا ثقہ ہونا بھی ثابت ہو رہا ہے، کیونکہ اگر وہ امام ابن کثیرؒ اور حافظ ابن حجرؒ وغیرہ محدثین کے نزدیک ثقہ نہیں ہیں تو پھر انہوں نے امام ابوداودؒ سے جرح و تعدیل کی بابت جو سوالات کیے ہیں، اور ان سے ان کے جو جوابات نقل کیے ہیں، ان کا مفید ہونا اور ان کی نسبت امام ابوداودؒ کی طرف ہونا کیسے ثابت ہوگیا؟ کیا زبیر صاحب کسی مجہول راوی کی روایت کو مفید یا ثابت ماننے کے لیے تیار ہیں؟ دیدہ باید۔

نیز علامہ صفی الدین خزرجیؒ (م ۹۲۳ھ) جن کو مولانا بشیر سہسوانی: امام حافظ صفی الدین... جیسے القاب سے ذکر کرتے ہیں [۲]۔ وغیرہ محدثین نے بڑے جزم کے ساتھ اس جرح (منکر الحدیث) کو امام ابوداودؒ کا قول قرار دیا ہے۔ [۳]

لہٰذا یہ بھی باصول زبیر علی زئی: اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ محدثین عظام کے نزدیک اس کی نسبت امام ابوداودؒ کی طرف صحیح ہے، اور اس قول کا ناقل ثقہ اور اس کی یہ کتاب ثابت ہے۔

---

[۱] الحدیث (۲۳: ۱۴)، نقض قواعد فی علوم الحدیث (ص ۳۹۰)

[۲] اظہار حق (ص ۸۰)

[۳] دیکھئے خلاصۃ تذھیب تھذیب الکمال (۲: ۳۹۸)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اسی طرح امام نور الدین ہیثمیؒ (م ۸۰۷ھ) بھی امام ابوداودؒ سے اس جرح کو ثابت مانتے ہیں، جیسا کہ آگے بحوالہ آرہا ہے۔[۱]

---

[۱] زبیر علی زئی اِن مذکورہ بالا دلائل (جو خود ان کے، اور ان کے ہم فکر علماء کے مسلمات کی روشنی میں لکھے گئے ہیں) کا رد تو نہیں کر سکے، البتہ اپنی شرمندگی پر پردہ ڈالنے کے لیے یہ شوشہ چھوڑ دیا کہ سؤالات الآجری میں امام ابوحنیفہؒ کے خلاف محدث احمد بن یونسؒ سے منقول ایک روایت لکھی ہوئی ہے کہ: رَأَیْتُ اَبَاحَنِیْفَةَ رَجُلًا قَبِیْحَ الْوَجْهِ۔ میں نے ابوحنیفہ کو دیکھا وہ بدصورت چہرے والا انسان تھا۔ ہمارے نزدیک تو یہ روایت آجری (مجہول) کی وجہ سے ضعیف ہے، لیکن ظہور احمد کے اصول پر یہ روایت بالکل صحیح ہے۔ الحدیث (۹۹: ۲۳)

لیکن علی زئی نے اپنی روایتی خباثت وضلالت کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہاں بھی ڈنڈی ماری ہے، اور اس سے پہلے جو عبارت مذکور ہے، اس کو چھپالیا ہے۔ چنانچہ سؤالات الآجری (ص ۵۲، ت ۱۵۳) میں پوری عبارت یوں مذکور ہے: مَاتَ الْاَعْمَشُ وَاَنَا ابْنُ اَرْبَعَ عَشْرَةَ سَنَةً۔ وَرَأَیْتُ اَبَا حَنِیْفَةَ رَجُلًا قَبِیْحَ الْوَجْهِ۔ "یعنی اعمشؒ جب فوت ہوئے تو اس وقت میں چودہ سال کا تھا۔ اور (اس موقع پر) میں نے امام ابوحنیفہؒ کو دیکھا کہ ان کے چہرے کی رنگت بدلی ہوئی تھی۔"

احمد بن یونسؒ یہاں اعمشؒ (جو امام ابوحنیفہؒ کے استاذ ہیں) کی وفات کے وقت امام صاحبؒ کے چہرے کی کیفیت بیان کر رہے ہیں کہ آپ اپنے استاذ کے فراق میں اس قدر غم والم میں مبتلا تھے کہ اس کا اثر آپ کے چہرے سے بھی ظاہر ہو رہا تھا، لیکن علی زئی جیسا کور باطن شخص، احمد بن یونسؒ کی عبارت میں قطع و برید کر کے اس کو غلط رنگ میں پیش کر رہا ہے۔

ع بے حیا باش ہر آنچہ خواہی کن

ثانیاً: حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) نے احمد بن یونسؒ کا جو بیان سؤالات الآجری سے نقل کیا ہے وہ سؤالات الآجری کے مطبوعہ نسخے سے مختلف ہے۔ چنانچہ حافظ موصوف احمد بن بن یونسؒ کے ترجمہ میں ارقام فرماتے ہیں:

وَقَالَ اَبُوْ عُبَیْدٍ الْاٰجُرِیُّ عَنْ اَبِیْ دَاوٗدَ سَمِعْتُهٗ یَقُوْلُ: مَاتَ الْاَعْمَشُ ۱۴ سَنَةً وَ رَأَیْتُ اَبَا حَنِیْفَةَ وَ مِسْعَرَبْنَ کِدَامٍ وَابْنَ اَبِیْ لَیْلٰی یَقْضِیْ خَارِجَ الْمَسْجِدِ مِنْ اَجْلِ الْحَیْضِ۔ تھذیب التھذیب (۱: ۳۶)

اس میں: رأیت اباحنیفۃ رجلاً قبیح الوجہ، نہیں ہے، بلکہ صرف امام ابوحنیفہؒ وغیرہ کا مسجد سے باہر فیصلے کرنے کا ذکر ہے۔

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اور پھر زبیر علی زئی کا دوغلہ پن ملاحظہ ہو کہ وہ یہاں تو بڑے شد و مد سے آجری کی روایت کو غیر ثابت قرار دے رہے ہیں، لیکن جب ان کو اپنے کسی پسندیدہ راوی کو ثقہ ثابت کرنے کی ضرورت پڑے تو پھر وہ بڑے مزے سے آجری کی روایت سے استدلال کرتے ہیں، مثلاً ایک راوی (اسامہ بن زید) کو ثقہ ثابت کرتے ہوئے انہوں نے اس کی توثیق میں دیگر ائمہ کے اقوال کے ساتھ آجریؒ کے روایت کردہ قول سے بھی استدلال کیا ہے۔ چنانچہ موصوف لکھتے ہیں:

آجری کی روایت کے مطابق ابوداؤد نے اسے صالح قرار دیا۔ [۱]

یہ ہے ان لوگوں کا انصاف!

(۲) امام نسائی رحمہ اللہ (م ۳۰۳ھ) صاحب السُّنن عیسیٰ بن جاریہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

"یَرْوِیْ عَنْهُ یَعْقُوْبُ الْقُمِّیُّ مُنْكَرٌ۔" [۲]

"اس سے یعقوب قمی نے روایت کی ہے، اور یہ منکر ہے۔"

مُنکَر سے یہاں ان کی مراد عیسیٰ بن جاریہ کا منکر الحدیث (منکر حدیثیں روایت کرنے والا) ہونا ہے، جیسا کہ کتب جرح و تعدیل میں لفظ "متروک" سے "متروک الحدیث" مراد لیا جاتا ہے۔ چنانچہ امام ابن عدی رحمہ اللہ (م ۳۶۵ھ) اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ (م ۷۴۸ھ) وغیرہ محدثین نے اس کا یہی مطلب سمجھا ہے۔ [۳]

حافظ زبیر کے مسلمہ محقق و امام مولانا نذیر احمد رحمانی رحمہ اللہ (م ۱۳۸۵ھ) بھی تسلیم

---

[۱] القول المتین (ص ۳۴)

[۲] کتاب الضعفاء والمتروکین (ص ۱۷۶)

[۳] الکامل (۵: ۱۸۸۸)، میزان الاعتدال (۳: ۳۱۰) الفوائد المجموعۃ (ص ۷۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کرتے ہیں کہ امام نسائی رحمہ اللہ نے عیسیٰ بن جاریہ کو منکر الحدیث ہی قرار دیا ہے۔ جیسا کہ امام ابو داؤد رحمہ اللہ کی جرح کے ذیل میں ان کا بیان گزرا ہے۔

نیز حافظ ذہبی رحمہ اللہ (م ۷۴۸ھ) اور حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ (م ۵۹۷ھ) وغیرہ محدثین نے امام نسائی رحمہ اللہ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ انہوں نے عیسیٰ بن جاریہ کو "متروک الحدیث" بھی کہا ہے۔[۱]

امام نسائی رحمہ اللہ کی جرح پر زبیر علی زئی کے اعتراض کا جواب

زبیر علی زئی لکھتے ہیں: امام نسائی سے صحیح سند کے ساتھ منکر الحدیث یا متروک کی جرح ثابت نہیں ہے۔[۲]

جواب:

امام نسائیؒ (م ۳۰۳ھ) نے اپنی کتاب "الضعفاء والمتروکین" (ص ۱۷۶) میں عیسیٰ بن جاریہ کو "منکر" کہا ہے، جس کا مطلب امام ابن عدیؒ (م ۳۶۵ھ) اور حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) جیسے محدثین اور زبیر علی زئی کے مسلمہ محقق مولانا نذیر رحمانیؒ نے منکر الحدیث بیان کیا ہے۔

نیز شیخ عبد الرحمٰن معلمی (م ۱۳۸۶ھ) جن کو علی زئی نے ذہبی العصر قرار دیا ہے[۳] قاضی محمد شوکانیؒ (م ۱۲۵۰ھ) کے قول: فِيهِ مُنكَرٌ (اس سند میں ایک راوی منکر ہے) کی وضاحت میں لکھتے ہیں: یعنی منکر الحدیث۔[۴] کہ قاضی شوکانیؒ کی مراد یہ ہے کہ وہ راوی منکر الحدیث ہے۔ اب ان اہلِ علم کے مقابلے میں زبیر علی زئی جیسے اناڑی کی بات کی کیا وقعت رہ جاتی ہے، کیونکہ زبیر صاحب نے یہ خود لکھا ہے کہ:

---

[۱] دیوان الضعفاء والمتروکین (۲:۲۱۸)، کتاب الضعفاء والمتروکین (۲:۲۳۸)

[۲] الحدیث (۴۷:۱۶)

[۳] نور العینین (ص ۱۱۹)

[۴] حاشیہ الفوائد المجموعۃ (ص ۷۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

جس طرح جوہر کے بارے میں جوہری، طب کے بارے میں طبیب، انجن کے بارے میں انجینئر وغیرہ کی بات تسلیم کی جاتی ہے، اسی طرح حدیث کے بارے میں بھی اہل الحدیث (محدثین) کی بات ہی حجت ہے۔ فن میں فن والے کی ہی بات مانی جا سکتی ہے، دوسرے کی نہیں۔ [۱]

اور اگر زبیر علی زئی اسی پر مصر ہیں کہ امام نسائیؒ کے قول "منکر" سے مراد منکر الحدیث نہیں ہے، تو پھر کیا ان کے نزدیک اس سے مراد "منکر قرآن" یا "منکر اسلام" ہے۔ دیدہ باید۔

رہا "متروک الحدیث" والی جرح، تو عرض ہے کہ حافظ ابن الجوزیؒ اور حافظ ذہبیؒ وغیرہ محدثین نے بالجزم اس کو امام نسائیؒ کا قول قرار دیا ہے، لہٰذا خود زبیر صاحب کے اپنے اصول سے بھی امام نسائیؒ کی طرف اس قول کی نسبت صحیح ثابت ہو رہی ہے۔

اور پھر زبیر علی زئی کا یہ بھی ایک عجیب انصاف ہے کہ کسی امام کا کوئی قول جب ان کے مفاد کے خلاف ہو تو وہ اس کی سند کا مطالبہ کر دیتے تھے، یا پھر وہ اس قول کو یہ کہہ کر رد کر دیتے ہیں کہ یہ قول اس امام کی مطبوعہ کتاب میں موجود نہیں ہے۔ لیکن خود ان کو اس طرح کا کوئی قول اگر اپنے مفاد میں مل جائے تو پھر وہ اس قول کو مختلف تاویلوں سے قابل استدلال بنا لیتے ہیں۔

مثلاً علی زئی بحوالہ حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) تاریخ عباس الدوری سے ایک روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

> یہ روایت عباس الدوری کی تاریخ میں نہیں ملی، لیکن بغیر قوی دلیل کے حافظ ابن حجر کی نقل کو رد کرنا محل نظر ہے۔ [۲]

---

[۱] الحدیث (۸:۲)

[۲] ایضاً (۱۹:۱۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اسی طرح زبیر علی زئی کے نے مؤمل بن اسماعیل (م ۲۰۶ھ) کے بارے میں حافظ عثمان بن سعید دارمی (م ۲۸۰ھ) کا ایک قول بحوالہ حافظ ابن رجبؒ (م ۷۹۵ھ) نقل کیا ہے، اور چونکہ یہ قول حافظ دارمیؒ کی کتاب 'سؤالات عثمان بن سعید الدارمی' کے مطبوعہ نسخے میں نہیں ہے، اس لیے زبیر صاحب نے اس کی یہ تاویل کی ہے:

سؤالات عثمان بن سعید الدارمی کا مطبوعہ نسخہ مکمل نہیں ہے۔[۱]

نیز علی زئی نے امام ابو سعد سمعانیؒ (م ۵۶۲ھ) کا ایک قول بحوالہ حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) نقل کر کے لکھا ہے:

تنبیہ: یہ عبارت ''الانساب للسمعانی'' کے پانچ جلدوں والے مطبوعہ نسخے سے گرگئی ہے۔[۲]

حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) کی ایک عبارت بحوالہ حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) معرضِ استدلال میں پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ عبارت اس سیاق کے ساتھ میزان الاعتدال کے مطبوعہ نسخوں سے گرگئی ہے۔[۳]

سبحان اللہ! کیا خوب انصاف ہے کہ جب اپنی مرضی کے خلاف کوئی قول منقول ہو تو پھر سند اور اصل کتاب دکھانے کا مطالبہ کیا جاتا ہے، اور جب اپنی مرضی کا قول مل جائے تو پھر نہ سند کی ضرورت رہتی ہے، اور نہ ہی اصل کتاب کی، بلکہ اپنی شرمندگی پر پردہ ڈالنے کے لیے بلا ثبوت یہ دعویٰ کر دیا جاتا ہے کہ یہ قول مطبوعہ کتاب سے گرگیا ہے۔

ع جو چاہے ان کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

---

[۱] ایضاً (۲۱:۲۰)

[۲] ایضاً (۴۳:۷)

[۳] ایضاً (۹۳:۴۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

④ شیخ الاسلام علامہ تقی الدین سبکیؒ (م ۷۵٦ھ) نے عیسیٰ بن جاریہ اور اس کے شاگرد یعقوب قمی کی وجہ سے ان کی مذکورہ حدیث کو انتہائی درجہ کی ضعیف قرار دیا ہے۔[۱]

⑤ امام محمد بن طاہر مقدسی المعروف بہ "ابن القیسرانی" (م ۵۰۷ھ) لکھتے ہیں:

"وَعِيسَى لَيْسَ بِذَاكَ....وَالْحَدِيثُ غَيْرُ مَحْفُوظٍ۔"[۲]

"عیسیٰ بن جاریہ کچھ نہیں ہے.... اور اس کی حدیث غیر محفوظ ہے۔"

⑥ امام ابن عدی رحمہ اللہ (م ۳٦۵ھ) نے عیسیٰ بن جاریہ کی احادیث کے بارے میں فرمایا: كُلُّهَا غَيْرُ مَحْفُوظَةٍ۔[۳]

زبیر علی زئی نے امام ابن عدی رحمہ اللہ کے اس قول کا معنی اور مطلب یہ بیان کیا ہے:

اور (عیسیٰ بن جاریہ کی) تمام حدیثیں (بشمول آٹھ رکعات تراویح والی حدیث) غیر محفوظ (شاذ) ہے۔[۴]

زبیر علی زئی نے یہاں یہ تسلیم کرلیا ہے کہ ابن جاریہ کی تمام احادیث بشمول آٹھ رکعات تراویح والی حدیث غیر محفوظ اور شاذ ہیں۔

اور زبیر علی زئی کو یہ بھی تسلیم ہے کہ: شاذ مردود (حدیث) کی ایک قسم ہے۔[۵]
لہٰذا زبیر علی زئی نے اس حدیث کا مردود اور ضعیف ہونا خود ہی تسلیم کرلیا ہے۔

ع لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

زبیر علی زئی کا شاذ حدیث کی تعریف سے غلط مطلب کشید کرنے کی کوشش

---

[۱] ضوء المصابیح (ص ۲۰۴)

[۲] ذخیرۃ الحفاظ (ص ۱۱۴۹)

[۳] الکامل (۵:۱۸۸۹)

[۴] الحدیث (۴۷:۱٦)

[۵] نور العینین (۱٦۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

البتہ زبیر علی زئی نے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ عیسیٰ بن جاریہ کی احادیث ہیں تو شاذ اور مردود، لیکن وہ بذاتِ خود ثقہ ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

حدیث شاذ کے بالمقابل حدیث کو محفوظ کہا جاتا ہے، لہٰذا غیر محفوظ کا مطلب شاذ ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شاذ اس روایت کو کہتے ہیں جو ثقہ راوی ثقہ لوگوں کے خلاف بیان کرے۔[۱]

جواب:

زبیر علی زئی کے محقق اور امام مولانا نذیر رحمانیؒ (م ۱۳۸۵ھ) بحوالہ امام ابن الصلاح شافعیؒ (م ۶۴۳ھ) شاذ کی تعریف میں ارقام فرماتے ہیں:

اگر ضبط و اتقان کے اعتبار سے یہ متفرد راوی قابل وثوق ہے تو اس کی روایت مقبول ہے، اور یہ تفرد اس کے لیے کچھ مضر نہیں، اور اگر اس کا حفظ وضبط (پوری) طرح قابل وثوق نہیں ہے تو بے شک اس کی روایت صحیح نہیں کہی جائے گی، مگر پھر بھی یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ ضعیف ہی ہو۔ اگر حفظ کے اعتبار سے بہت گرا ہوا راوی نہ ہو تو اس کی حدیث حسن ہوگی، اور اگر اس کے خلاف ہو (یعنی وہ حفظ کے اعتبار سے بہت گرا ہوا راوی ہو۔ ناقل) تو البتہ وہ روایت شاذ و منکر کہی جائے گی۔[۲]

اس اقتباس سے امام شافعیؒ کے قول کی وضاحت بھی ہوگئی، اور یہ بھی واضح ہوگیا کہ اگر زبیر علی زئی کی بات مان بھی لی جائے کہ غیر محفوظ کا مطلب صرف شاذ ہے، تو پھر شاذ کی اس تعریف کی رو سے بھی عیسیٰ بن جاریہ حفظ و اتقان کے لحاظ سے نہایت گرا ہوا راوی ہے۔ ہم نے یہ حوالہ اپنی کتاب "رکعات تراویح ایک تحقیقی جائزہ" (ص ۲۱۵) طبع اول، میں بھی درج کیا تھا، جس کا جواب ابھی تک زبیر صاحب پر قرض ہے۔ (اور وہ اس قرض سے

---

[۱] الحدیث (۷ ۴:۱۶) بحوالہ آداب الشافعی وغیرہ

[۲] انوار المصابیح (ص ۱۲۳)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

سبکدوش ہوئے بغیر دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں۔

نیز خود زبیر علی زئی نے بھی ضعیف راوی کی منفرد روایت کو شاذ کہا ہے، چنانچہ انہوں نے ابو بکر بن عیاشؒ (م ۱۹۳ھ) کو خرابیٔ حافظہ کی وجہ سے ضعیف بھی کہا ہے، اور اس کی منفرد روایت پر شاذ کا اطلاق بھی کیا ہے۔[۱]

ع دروغ گورا حافظہ نباشد

ثانیاً: اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ شاذ حدیث وہ ہے جس میں ثقہ راوی دیگر ثقات کی مخالفت کرتا ہے، تو پھر بھی زبیر علی زئی کا یہ دعویٰ کرنا کہ صرف شاذ کے بالمقابل حدیث کو محفوظ کہا جاتا ہے، بالکل غلط ہے۔ کیونکہ محدثین بسا اوقات منکر اور ضعیف راوی کی حدیث کے بالمقابل حدیث پر بھی محفوظ کا اطلاق کرتے ہیں، مثلاً حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) ایک روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ذَكَرَهُ الْعُقَيْلِيُّ فِي الضُّعَفَاءِ فِيْ تَرْجَمَةِ مُحَمَّدِ بْنِ الْأَشْعَثِ أَحَدِ الْمَجْهُوْلِيْنَ فَذَكَرَ مِنْ طَرِيْقِهٖ ...لَا يُعْرَفُ إِلَّا بِهٰذَا الْإِسْنَادِ وَهُوَ غَيْرُ مَحْفُوْظٍ۔"[۲]

"اس روایت کو امام عقیلیؒ نے "کتاب الضعفاء" میں محمد بن اشعث جو مجہول راویوں میں سے ایک ہے، کے ترجمہ میں ذکر کیا ہے... اور یہ صرف اسی ایک سند سے پہچانی جاتی ہے، اور یہ روایت محفوظ نہیں ہے۔

غیر مقلد عالم مولانا عبد الرؤف سندھو ایک حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث قوی نہیں ہے، اس کو حافظ ابن حجرؒ نے بھی "فتح الباری" (۴:۲۵۲) میں

---

[۱] نور العینین (ص ۱۶)

[۲] الاصابۃ (۷:۶۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ضعیف کہا ہے، اور کہا ہے کہ محفوظ یہ ہے کہ عمر بن خطاب نے اُبی بن کعب کو نماز تراویح کے لیے لوگوں کا امام متعین کیا تھا۔[۱]

ان دونوں مثالوں میں حافظ ابن حجرؒ مجہول اور ضعیف راویوں کی احادیث کے مقابلے میں صحیح احادیث کو محفوظ قرار دے رہے ہیں۔

شیخ عبدالرحمٰن معلمی (م ۱۳۸۶) عبداللہ بن مطلب کوفی کے متعلق بحوالہ امام عُقیلیؒ (م ۳۲۲ھ) لکھتے ہیں:

"مَجْهُوْلٌ، وَحَدِيْثُهُ مُنْكَرٌ غَيْرُ مَحْفُوْظٍ۔"[۲]

"یہ راوی مجہول ہے، اور اس کی حدیث منکر اور غیر محفوظ ہے"

مولانا ارشاد الحق اثری بحوالہ علامہ خطیب بغدادیؒ (م ۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:

ہشام پر امام مالک کی یہ جرح محفوظ نہیں، اور اس کا راوی مجہول ہے۔[۳]

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری (م ۱۳۵۳ھ) ایک روایت کے متعلق لکھتے ہیں:

"تَفَرَّدَ بِهَا ابْنُ لَهِيْعَةَ وَهُوَ ضَعِيْفٌ، وَخَالَفَ فِيْهَا عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ وَهُوَ ثِقَةٌ حَافِظٌ، فَهٰذِهِ الرِّوَايَةُ غَيْرُ مَحْفُوْظَةٍ۔"[۴]

"اس حدیث کو روایت کرنے میں ابن لہیعہؒ متفرد ہے، اور وہ ضعیف ہے، اور اس نے عمرو بن حارثؒ جو کہ ثقہ اور حافظ ہے، کی اس میں مخالفت کی ہے، لہٰذا (ابن لہیعہؒ کی) یہ روایت غیر محفوظ ہے۔"

---

[۱] القول المقبول (ص ۶۱۱)

[۲] حاشیہ الفوائد المجموعۃ (ص ۲۲۳)

[۳] تنقیح الکلام (ص ۲۴۹، ۲۵۰)

[۴] تحفۃ الاحوذی (۱:۱۴۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

مبارکپوری صاحب کے استاذ مولانا عبداللہ غازیپوری (م ۱۳۳۷ھ) ایک روایت کو ناقابل استدلال قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس کو ابوداؤد نے منکر اور نسائی نے غیر محفوظ کہا ہے، اور حدیث منکر اور غیر محفوظ مقبول حدیثوں میں نہیں۔[۱]

نیز خود امام ابن عدیؒ (جن کے قول کی علی زئی یہ تاویل کر رہے ہیں) نے بھی منکر (ضعیف) پر غیر محفوظ کا اطلاق کیا ہے، چنانچہ وہ شبل بن عبدالرحمان بن العلاء کے بارے میں لکھتے ہیں:

"أَحَادِيثُ شِبْلٍ مَنَاكِيرُ غَيْرُ مَحْفُوظَةٍ"[۲]

"شبل کی احادیث منکر اور غیر محفوظ ہیں"

اسی طرح انہوں نے دیگر کئی رُوات کی احادیث کو بھی منکر وضعیف قرار دینے کے ساتھ ساتھ غیر محفوظ بھی قرار دیا ہے۔[۳]

لہٰذا زبیر علی زئی کا یہ دعویٰ کہ صرف شاذ حدیث کے مقابلے میں محفوظ کا لفظ بولا جاتا ہے، امام ابن عدیؒ وغیرہ محدثین اور علمائے غیر مقلدین کی تصریحات سے باطل ہوگیا۔

اور پھر دلچسپ بات یہ ہے کہ زبیر صاحب خود کچھ عرصہ بعد ہی اپنا بیان کردہ یہ مؤقف بھول گئے، اور بحوالہ امام ابن عدیؒ ایک ضعیف (منکر) حدیث کو غیر محفوظ قرار دے دیا۔ چنانچہ موصوف لکھتے ہیں:

---

[۱] مجموعہ فتاوی غازیپوری (ص ۶۸۹)

[۲] الکامل (۴:۱۳۶۷)، نتائج الافکار (۴:۶۶)

[۳] مثلاً دیکھئے الکامل (۳:۱۶۸۲، ۴:۱۶۰۱، ۵:۱۸۹۶، ۱۸۹۷، ۲۰۰۹، ۲۰۱۰، ۶:۲۱۱۲، ۲۱۱۳، ۲۳۶۹) طبع دارالفکر بیروت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

امام بیہقی نے اس روایت کو ضعف کے بیان کے ساتھ ذکر کیا، اور امام ابو احمد بن عدی رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ اسے شعبی سے محمد بن سالم کے سوا کسی نے بیان نہیں کیا، اور یہ محفوظ نہیں۔ [۱]

نیز علی زئی اس سے پہلے ایک حدیث کو ضعیف، منکر اور موضوع قرار دے کر اس پر غیر محفوظ کا اطلاق کر چکے ہیں، چنانچہ موصوف ایک حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

یہ حدیث موضوع ہے۔ اسے کسی امام نے بھی صحیح نہیں کہا، بلکہ بے شمار ائمہ نے اسے صاف طور پر ضعیف و موضوع قرار دیا ہے۔ اور پھر بحوالہ امام احمدؒ لکھا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے، اور بحوالہ امام حاکمؒ لکھا ہے کہ یہ سند ضعیف، مقلوب و غیر محفوظ ہے۔ [۲]

ع دروغ گو را حافظہ نباشد

بلکہ علی زئی خود یہ تصریح کر چکے ہیں کہ ثقہ راوی کی روایت پر غیر محفوظ کا اطلاق ہو ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ موصوف ایک حدیث کے دفاع میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کے تمام راوی امام بخاری، امام ابو حاتم اور امام بیہقی کے نزدیک ثقہ ہیں تو اسے کس دلیل کی بنیاد پر غیر محفوظ قرار دیا جا سکتا ہے۔ [۳]

اندازہ لگائیں کہ ایسے مخبوط الحواس شخص کو بھی غیر مقلدین ''ذہبی عصر'' اور نہ جانے کتنے بڑے بڑے القاب سے ملقب کرتے ہیں۔ انا اللہ....

اور اگر بالفرض ہم زبیر علی زئی کی یہ ساری باتیں بھی تسلیم کر لیں کہ صرف شاذ حدیث کے بالمقابل محفوظ بولا جاتا ہے، اور یہ کہ شاذ حدیث کا راوی ثقہ ہوتا ہے تو اس سے عیسیٰ بن

---

[۱] الحدیث (۳۸:۷۴)۔ نیز دیکھئے الحدیث (۲۶:۷۵،۵۷،۳۵،۴۳)

[۲] نور العینین (ص ۱۳۶،۱۳۷)

[۳] الکواکب الدریۃ (ص ۲۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

جاریہ کو کیا فائدہ پہنچے گا، جب کہ امام ابن عدیؒ اس کی ساری احادیث کو غیر محفوظ (جو کہ بقول زبیر علیزئی: شاذ کے معنی میں ہیں) قرار دے رہے ہیں؟ زبیر علی زئی کی مذکورہ تاویل کا فائدہ اس کو تو تب ہی پہنچتا جب اس کی کسی صحیح حدیث سے استدلال ممکن ہوتا، حالانکہ زبیر علی زئی تسلیم کر رہے ہیں کہ شاذ حدیث مردود ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں علی زئی نے ایک روایت کے متعلق لکھا ہے کہ: یہ روایت شاذ بمعنی منکر ہے۔[۱]

اس علی زئی اصول کی روشنی میں ابن جاریہ کی یہ روایت اگر شاذ ہے بھی تو بمعنی منکر ہے۔ وھو المقصود۔

⑦ امام ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ (م ۷۹۵ھ) نے ابن جاریہ کی ایک روایت ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے: وَعِيْسَى بْنُ جَارِيَةَ، تُكُلِّمَ فِيْهِ۔[۲] عیسیٰ بن جاریہ متکلم فیہ ہے۔

⑧ امام ابن الجوزی رحمہ اللہ (م ۵۹۷ھ) نے عیسیٰ بن جاریہ کو اپنی کتاب "الضعفاء والمتروکین" میں ذکر کر کے اس کے خلاف جرح نقل کی ہے۔[۳]

⑨ امام ساجی رحمہ اللہ (م ۳۰۷ھ) نے بھی اس کو اپنی کتاب "الضعفاء" میں ذکر کیا ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) نے نقل کیا ہے۔[۴]

امام ساجیؒ کی جرح پر اعتراض:

امام ساجیؒ کی اس جرح پر اعتراض کرتے ہوئے زبیر علی زئی لکھتے ہیں: یہ جرح باسند

---

[۱] الحدیث (۹۴:۶۶)

[۲] فتح الباری شرح صحیح البخاری لابن رجبؒ، (۳۸۸:۲، باب الصلوۃ فی البیوت)

[۳] کتاب الضعفاء والمتروکین (۲۳۸:۲)

[۴] تھذیب التھذیب (۴۴۸:۳)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ثابت نہیں۔[۱] حالانکہ متعدد جگہ انہوں نے ساجیؒ کے اقوال جرح وتعدیل کو محض حافظ ابن حجرؒ وغیرہ کے حوالجات پر اعتماد کر کے تسلیم کیا ہے۔[۲]

ع میٹھا میٹھا ہپ کڑوا کڑوا تھو

⑩ امام عقیلی رحمہ اللہ (م ۳۲۲ھ) نے بھی عیسیٰ بن جاریہ کو ''ضعفاء'' میں ذکر کیا ہے۔[۳]

اور خود علی زئی نے یہ اصول جا بجا بیان کیا ہے کہ اگر امام عقیلیؒ کسی راوی کو ''کتاب الضعفاء'' میں ذکر کر کے اس کا دفاع نہ کریں تو وہ راوی ان کے نزدیک ضعیف ہوتا ہے۔[۴]

⑪ امام ذہبی رحمہ اللہ (م ۷۴۸ھ) نے ''ضعفاء'' پر مشتمل اپنی تینوں کتب میں اس کو ذکر کیا ہے۔[۵]

⑫ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (م ۸۵۲ھ) عیسیٰ بن جاریہ کے بارے میں رقمطراز ہیں:

فِيهِ لِينٌ۔[۶] اس میں کمزوری ہے۔یعنی یہ ضعیف راوی ہیں۔

زبیر صاحب کے شیخ مولانا بدیع الدین راشدی (م ۱۴۱۶ھ) ایک راوی، محبوب بن الحسن کے متعلق لکھتے ہیں: اس کے متعلق تقریب التھذیب: ۴۲۱ میں لکھا ہوا ہے کہ ''صدوق فیہ لین'' اس وجہ سے (اس کی) روایت شہادت (متابعت) کے علاوہ معتبر نہیں ہوگی۔[۷]

---

[۱] ماہنامہ الحدیث (۱۹:۹۸)

[۲] مثلاً دیکھئے الحدیث (۲:۱۳،۱۳:۷۸)، نور العینین (ص ۷۸، ۱۵۷، ۱۷۳)

[۳] کتاب الضعفاء الکبیر (۳:۳۸۳)

[۴] مثلاً دیکھئے ماہنامہ الحدیث (۱۶:۳۵، ۳۶:۵۴، ۱۹:۵۵، ۵:۹۲، ۲۹:۹۲)

[۵] دیکھئے میزان الاعتدال (۳:۳۱۰) دیوان الضعفاء والمتروکین ۲ (۲۱۹:۱۹)، المغنی فی الضعفاء (۲:۱۶۴)

[۶] تقریب التھذیب (۱:۷۷۹)

[۷] مقالات راشدیہ (۳:۳۱۳)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اب جس راوی کو حافظ ابن حجرؒ "فیہ لین" کے ساتھ صدوق بھی کہہ رہے ہیں، اس کی روایت بقول مولانا راشدی: قابل حجت نہیں ہوسکتی، صرف متابعت میں پیش کی جاسکتی ہے، تو پھر ابن جاریہؒ کی روایت کیسے قابل حجت ہوگی، جس کو حافظ صاحبؒ نے صرف "فیہ لین" کہا ہے۔ یعنی وہ تو پھر متابعت کے لیے بھی کارآمد نہیں ہے۔

اور مولانا بدیع الدین، ایک راوی کے متعلق حافظ ابن حجرؒ سے "لین الحدیث" (جو بقول مولانا نذیر رحمانی اور مولانا عبداللہ روپڑی: "فیہ لین" کے ہم درجہ ہے[۱]) نقل کر کے لکھتے ہیں:

ثابت ہوا کہ یہ بھی ضعیف ہے۔[۲]

علی زئی کے دوسرے شیخ مولانا محب اللہ راشدی (م ۱۴۱۵ھ) ایک حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

اس کی سند بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس کی سند میں مصعب بن شیبہ نامی ایک راوی ہے، وہ لین الحدیث ہے۔[۳]

مولانا شمس الحق عظیم آبادی (م ۱۳۲۹ھ) لکھتے ہیں:

الولید بن بکیر بھی کچھ ایسا قوی راوی نہیں ہے، تقریب میں ہے:

الولید بن بکیر التمیمی ابو جناب الکوفی لین الحدیث۔ ولید بن بکیر تمیمی ابو جناب کوفی ضعیف الحدیث ہیں۔[۴]

---

[۱] انوار المصابیح (ص ۱۱۶)، تحقیق التراویح (ص ۶۷)

[۲] مقالاتِ راشدیہ (۳: ۴۵۳) نیز دیکھئے (۷: ۲۰۴)

[۳] فتاویٰ راشدیہ (ص ۳۸۹، ۳۹۰) نیز دیکھئے (ص ۲۷۵)

[۴] مجموعہ مقالات وفتاویٰ عظیم آبادی (ص ۴۵۹)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

نواب صدیق حسن خان (م ۱۳۰۷ھ) ایک راوی کی روایت کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اور یہ نصر بن عاصم ضعیف ہے (لین الحدیث) اور ایسے راوی سے حجت قائم نہیں ہو سکتی۔[۱]

مولانا عبداللہ غازی پوری (م ۱۳۳۷ھ) ابوشیبہؒ کے متعلق لکھتے ہیں:

ابن عدی نے کامل میں اس کو لین یعنی ضعیف کہا ہے۔[۲]

مولانا بشیر سہسوانی (م ۱۳۱۶ھ) ایک راوی کے بارے میں لکھتے ہیں:

راجح قول یہی ہے کہ یہ ضعیف ہے، حافظ ابن حجر ''التقریب'' میں لکھتے ہیں: لین الحدیث۔[۳]

اب یہ سب حضرات (جو غیر مقلدین کے چوٹی کے علماء ہیں) لین الحدیث کو ضعیف الحدیث کے معنی میں لے کر اس کے حامل راویوں کی روایات کو ضعیف کہہ رہے ہیں۔

اور خود زبیر علی زئی نے بھی اپنے مضامین میں جا بجا ''لین الحدیث'' اور ''لین'' کا مطلب ''ضعیف الحدیث'' سے کر کے اس کے حاملین کی روایات کو رد کیا ہے۔[۴]

اس کے باوجود علی زئی نے راقم الحروف پر یہ بیہودہ اعتراض کیا ہے کہ میں نے ''فیہ لین'' کا مطلب ضعیف الحدیث ہونا کیوں بیان کیا ہے۔[۵]

---

[۱] فتاوی نواب صدیق حسن خان (۳:۵۳۳)، فتاوی علمائے حدیث (۳:۲۲۸)

[۲] مجموعہ رسائل (ص ۳۴۳)

[۳] اظہار حق (ص ۱۴۰) نیز دیکھئے کتاب مذکور (ص ۲۴۲، ۲۴۳، ۳۲۹، ۳۷۹، ۴۱۴)

[۴] مثلاً دیکھئے ماہنامہ الحدیث (۴:۱۱، ۶:۲۰۱۶، ۲۸:۱۴، ۳۶:۴۸، ۶۹:۹، ۷۳:۹، ۷۶:۴)

[۵] الحدیث (۹۸:۲۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ع دروغ گورا حافظہ نبا شد

نیز علی زئی ایک راوی کے متعلق امام بخاریؒ سے منکر الحدیث (جو بقول علی زئی انتہائی سخت جرح ہے[۱]) نقل کر کے لکھتے ہیں:

اور اسی لیے حافظ (ابن حجرؒ) نے تقریب التھذیب (۷۵۶۵) میں اسے لَیّن الحدیث لکھا ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہ روایت یحیٰ بن ابی سلیمان کی وجہ سے ضعیف ہے۔[۲]

گویا علی زئی یہ اقرار کر رہے ہیں کہ حافظ ابن حجرؒ کی جرح "لَیّن الحدیث" (جو بتصریح مولانا رحمانی و مولانا روپڑی: فیہ لین کے ہم درجہ ہے) امام بخاریؒ کی جرح منکر الحدیث کی طرح انتہائی سخت ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی جرح پر زبیر علی زئی کی تاویل کا جواب:

زبیر علی زئی نے حافظ ابن حجرؒ کی مذکور جرح کو ٹالنے کے لیے یہ عذر پیش کیا ہے کہ ان کی یہ جرح ان کی تعدیل سے متعارض ہے، اس پر انہوں نے یہ دلیل ذکر کی ہے کہ حافظ ابن حجرؒ نے "الاصابہ" میں اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے، اور "فتح الباری" میں اس کی سند کو حسن کہا ہے۔

نیز زبیر علی زئی لکھتے ہیں: اگر ایک ہی عالم کی جرح و تعدیل باہم متعارض ہوں، اور تطبیق و نسخ نہ ہو سکے تو اس کی جرح و تعدیل دونوں ساقط ہو جاتی ہیں۔[۳]

جواب:

یہاں تطبیق ممکن ہے، وہ اس طرح کہ "تقریب التھذیب" والی جرح کو راجح قرار دے

[۱] نور العینین (ص ۲۱۰)

[۲] نصر الباری (ص ۲۶۲)

[۳] الحدیث (۴۷:۷ ۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

دیا جائے، جیسا کہ خود زبیر علی زئی نے تصریح کی ہے کہ: "تقریب التھذیب" میں "اَعْدَلُ الْاَقْوَال" (سب سے زیادہ انصاف والا قول) ذکر کیا جاتا ہے۔[1]

لہٰذا اس "اَعْدَلُ الْاَقْوَال" قول کے مقابلے میں "الاصابہ" اور "فتح الباری" کے "غیر اعدل الاقوال" مرجوح اور کالعدم ہیں۔

نیز علی زئی، تقریب کے مقابلے میں حافظ ابن حجرؒ کے دوسرے ایک قول کو مرجوح قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس روایت کو حافظ ابن حجر نے وَاِسْنَادُهٗ صَالِحٌ وَقَدْ قَوَّاهُ الضِّيَاءُ فِيْ اَحْكَامِهٖ (اس کی سند صالح ہے، اور حافظ ضیاء الدین مقدسیؒ نے "الاحکام" میں اس کو قوی قرار دیا ہے) لکھا ہے۔ (التلخیص الحبیر ۲:۱۳۵۔۱۳۶ ح ۷۹۶)

حالانکہ اس کی سند میں محمد بن ابراہیم بن العلاء الحمصی بھی ہے، جس کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ نے خود لکھا ہے: منکر الحدیث (تقریب التھذیب: ۵۶۹۸)[2]

ثانیاً: حافظ ابن حجرؒ نے "الاصابہ (۳۹۸۴) میں بحوالہ علامہ ابن السکنؒ، عیسیٰ بن جاریہؒ کی روایت کردہ حدیث کی سند (جس کے راویوں کو انہوں نے ثقہ کہا ہے) کے متعلق لکھا ہے: فِيْ اِسْنَادِهٖ نَظَرٌ۔ اس حدیث کی سند میں نظر ہے۔

لہٰذا باصول زبیر علی زئی: حافظ صاحبؒ کے الاصابہ میں مذکور یہ دونوں قول باہم معارض ہو کر ساقط ہو گئے ہیں۔

ثالثاً: زبیر علی زئی کے ذہبی العصر شیخ عبدالرحمٰن معلمی (م ۱۳۸۶ھ) کی تصریح کے مطابق: محدثین بسا اوقات ثقہ کا لفظ کسی نیک صالح فاضل شخص کے لیے بھی استعمال کر

[1] الحدیث (۴:۱۰)

[2] ماہنامہ الحدیث (۹۷:۱۱۔۱۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

لیتے ہیں، اس سے اُن کی مراد اصطلاحی ثقہ نہیں ہوتا۔[۱]

زبیر علی زئی کے دوسرے ممدوح مولانا محمد گوندلوی (م ۱۴۰۵ھ) لکھتے ہیں:

امام دارقطنی نے جو بعض رواۃ کو ثقہ اور ضعیف کہا ہے، تو مختلف لحاظ سے کہا ہے۔ یعنی صداقت کی بنا پر وہ ثقہ ہے، اور حافظہ کی بنا پر وہ ضعیف ہے۔[۲]

بنابریں حافظ ابن حجرؒ نے عیسیٰ بن جاریہ کو جو ثقہ کہا ہے، وہ اس کے صالح یا سچا ہونے کے اعتبار سے ہے، اور اس کو ''فیہ لین'' جو کہا ہے تو وہ اس کے حافظے کے اعتبار سے ہے۔ فلا منافاۃ

رہا حافظ ابن حجرؒ کا ابن جاریہ کی سند کو حسن کہنا تو مولانا ارشاد الحق اثری، امام بیہقیؒ (م ۴۵۸ھ) کے بعض ضعیف اور کذاب راویوں کی اسانید کو صحیح کہنے پر اُن کے دفاع میں لکھتے ہیں:

کبھی حدیث پر حکم روایت کے مجموعی طرق کی بنا پر بھی ہوتا ہے۔[۳]

نیز خود علی زئی نے تسلیم کیا ہے کہ حافظ ابن حجرؒ ''فتح الباری'' میں کسی ضعیف رواۃ کو اس کے شواہد (اگرچہ وہ بھی ضعیف ہی کیوں نہ ہوں) کی جہ سے بھی قوی (حسن یا صحیح[۴]) کہہ دے دیتے ہیں۔ چنانچہ علی زئی ایک حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

سنن ابن ماجہ (۲۳۹) وغیرہ میں اس حدیث کے ضعیف شواہد بھی ہیں، جن کے ساتھ یہ روایت ضعیف ہی رہتی ہے، اگرچہ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے: لٰكِنَّ لَهٗ شَوَاهِدُ يَتَقَوّٰى بِهَا۔ لیکن اس کے شواہد ہیں، جس سے یہ قوی ہو جاتی ہے۔ (فتح الباری ۱:۱۶۰

---

[۱] حاشیہ الفوائد المجموعۃ (ص ۲۴۵)

[۲] خیر الکلام (ص ۱۷۴)

[۳] تنقیح الکلام (ص ۲۹۵)

[۴] خود علی زئی نے قوی کا مطلب بیان کیا ہے: قوی (یعنی حسن وصحیح) ہے۔ الحدیث (۷۰:۳۶)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

قبل حدیث ۶۸)[۱]

لہٰذا اگر حافظ ابن حجرؒ نے ابن جاریہؒ کی بھی اس حدیث (جو دیگر طُرق سے مروی ہونے کے ساتھ ساتھ شواہد سے بھی مؤید ہے) کی سند کو حسن کہا ہے، تو اس سے اس کی اس مذکورہ تراویح والی منفرد روایت کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔

علمائے غیر مقلدین کی عیسیٰ بن جاریہ پر جرح

خود علمائے غیر مقلدین میں سے بھی کئی حضرات نے عیسیٰ بن جاریہ اور اس کی روایت کردہ حدیث کو ضعیف اور ناقابل احتجاج قرار دیا ہے۔ مثلاً مولانا عبد الرؤف سندھو (جن کو زبیر علی زئی نے محققین میں شمار کیا ہے[۲]) عیسیٰ بن جاریہ کی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی آٹھ رکعات والی حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

اس کی سند عیسیٰ بن جاریہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔[۳]

نیز سندھو صاحب، ابن جاریہ کی آٹھ رکعات والی دوسری روایت جو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کے متعلق لکھتے ہیں:

اس کی سند بھی عیسیٰ بن جاریہ کیوجہ سے ضعیف ہے۔[۴]

مولانا عبد المنان نور پوری (جن کو زبیر علی زئی اپنا استاذ و شیخ قرار دیتے ہیں[۵]) ابن جاریہ کی حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

---

[۱] الحدیث (۷۰:۹)

[۲] الحدیث (۱۲:۱۷)

[۳] القول المقبول (ص ۶۰۷)

[۴] ایضاً (ص ۶۱۰)

[۵] نور العینین (ص ۵۵، وغیرہ)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

حضرت جابر کی حدیث (رسول اللہ ﷺ نے ہمیں رمضان میں نماز پڑھائی اور وتر پڑھا) کو حافظ ابن حبان اور حافظ ابن خزیمہ نے اپنی اپنی صحیح میں بیان کیا ہے، جو اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ یہ حدیث ان دونوں جلیل القدر، وسیع العلم حضرات کے نزدیک صحیح ہے۔ مگر تصحیح میں ان کا تساہل (سستی) مشہور ہے، اور اس کی سند میں عیسیٰ بن جاریہ ہے جس پر کلام کتب رجال میں مذکور ہے۔[۱]

نیز لکھتے ہیں: یاد رہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز تراویح کی تعدادِ رکعات کے اثبات کا مدار حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث نہیں۔[۲]

حافظ محمد ایوب صابر (یہ بھی زبیر علی زئی کے ممدوح ہیں[۳]) نے ابن جاریہ کی روایت کردہ ان دونوں حدیثوں کے متعلق لکھا ہے کہ:

مذکورہ بالا دونوں حدیثیں ہم نے بطور شواہد پیش کی ہیں۔[۴]

مزید برآں زبیر علی زئی کے شیخ مولانا بدیع الدین راشدی (م ۱۴۱۶ھ) نے بھی لکھا ہے کہ عیسیٰ بن جاریہ کی یہ تراویح والی روایت صرف شہادت (متابعت) میں ہی پیش کرنے کے قابل ہے۔[۵]

یعنی اس کی روایات احتجاج میں پیش کرنے کے قابل ہی نہیں ہیں۔

زبیر علی زئی کی عیسیٰ بن جاریہ کو ثقہ ثابت کرنے کی کوشش کا جواب

اپنے پیش رو غیر مقلدین کی طرح زبیر علی زئی کے ہاں بھی حدیثِ رسول ﷺ کے

---

[۱] تعداد تراویح (ص ۳۶۔۳۷)

[۲] ایضاً

[۳] نور العینین (ص ۱۸۷)

[۴] تحقیق تراویح (ص ۲۲)

[۵] مقالاتِ راشدیہ (۲:۲۰۶)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اخذ و قبول کے خود ساختہ اصول ہیں۔ان اصولوں میں بطور قدر مشترک یہ بات ہمیشہ رہی ہے کہ جس بات سے استدلال کرنا ہو اس کے ہر ضعیف کو صحیح ثابت کرو، اور اپنے خود ساختہ مذہب کی تردید اگر صحیح روایت سے بھی ہو رہی ہو تو اسے خواہ مخواہ ضعیف ثابت کرو۔ آٹھ رکعات تراویح پر زبیر علی زئی وغیرہ غیر مقلدین کی مستدل حدیث کے راوی عیسیٰ بن جاریہ کی حیثیت آپ محدثین اور ائمہ فن کے حوالوں سے ملاحظہ فرما چکے ہیں۔اب اس کی ضعیف روایت کو صحیح ثابت کرنے کے لیے زبیر علی زئی نے جو ہاتھ پاؤں مارے ہیں، اور محدثین کے حوالے سے اس کو جو ثقہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، اس کی حقیقت ذیل میں ملاحظہ ہو۔

(۱) امام ابوزرعہؒ کی توثیق کا جواب

زبیر علی زئی لکھتے ہیں: ابوزرعہ الرازی نے فرمایا: "لَا بَأْسَ بِهٖ" اس کے ساتھ کوئی حرج نہیں ہے۔ (الجرح والتعدیل:۶:۷ ۲۳، وسندہٗ صحیح)

یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے فرمایا:

"اِذَا قُلْتُ لَكَ لَيْسَ بِهٖ بَأْسٌ فَهُوَ ثِقَةٌ" [الکفایۃ للخطیب: ص ۲۲، وسندہٗ صحیح]

"جب میں تمہارے سامنے کہوں کہ اس کے ساتھ کوئی حرج نہیں تو وہ ثقہ ہے۔"

معلوم ہوا کہ "لَا بَأْسَ بِهٖ" کلماتِ توثیق میں سے ہے۔اسی لیے حافظ نورالدین الہیثمی نے لکھا کہ "وَثَّقَهٗ اَبُوْزَرْعَة" اور ابوزرعہ نے اسے ثقہ کہا ہے۔ مجمع الزوائد(۲:۲ ۷)[۱]

جواب:

زبیر علی زئی نے اس سے پہلے بھی اپنی کتاب "تعداد رکعات قیام رمضان" میں امام ابوزرعہؒ (م ۲۶۴ھ) کا یہ قول نقل کیا تھا، جس کے جواب میں ہم نے لکھا تھا

---

[۱] الحدیث(۷ ۴:۷ ۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کہ: جس راوی کو سات (بلکہ کم از کم بارہ) بڑے بڑے ائمۂ رجال نے ضعیف، منکر الحدیث اور متروک وغیرہ قرار دیا ہو، ان کے مقابلے میں صرف امام ابوزرعہؒ کے" لَابَأسَ بِہٖ " کہنے سے کیا فرق پڑتا ہے؟ عنقریب ان شاء اللہ علمائے غیر مقلدین کے حوالے سے یہ بحث آرہی ہے کہ جرح تعدیل پر مقدم ہوتی ہے، بالخصوص جب جرح مفسر ہو۔

نیز" لَابَأسَ بِہٖ" کا لفظ خود علمائے غیر مقلدین کے نزدیک بھی الفاظِ تعدیل میں نہایت ہلکا اور کمزور ہے، اس سے اس راوی کی روایت کا قابلِ احتجاج ہونا لازم نہیں آتا۔ چنانچہ زبیر علی زئی کے ممدوح اور مشہور غیر مقلد عالم مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں:

"اَرْجُوْ اَنَّهٗ لَا بَأسَ بِهٖ، يُكْتَبُ حَدِيْثُهٗ، يُعْتَبَرُ بِهٖ" "ایسے الفاظ ہیں کہ ان کے حاملین کی روایت قابلِ احتجاج نہیں ہو سکتی۔"[۱]

نیز لکھتے ہیں: ایسے راوی کی روایات صرف متابعات میں قبول ہوتی ہیں۔[۲]

بنابریں غیر مقلدین کا عیسیٰ بن جاریہ کی روایت سے احتجاج کرنا باطل ہوگیا۔[۳]

اب یہاں دو باتیں کہی گئی تھیں، ایک یہ کہ: ابن جاریہؒ پر باقرار غیر مقلدین سخت اور مفسر جرح کی گئی ہے، اور خود علمائے مقلدین کے نزدیک بھی جرح خصوصاً مفسر تعدیل پر مقدم ہوتی ہے، لہٰذا امام ابوزرعہؒ کی یہ توثیق اس کو کچھ مفید نہیں ہے۔

دوسری یہ کہ: غیر مقلدین کے اپنے اصول میں بھی: "لَابَأسَ بِہٖ" وغیرہ جیسے اقوال سے ان کے حاملین کی روایت قابلِ احتجاج نہیں ہے، بلکہ اس کو صرف متابعت میں

---

[۱] توضیح الکلام (۱:۱۳۲)

[۲] ایضاً

[۳] رکعات تراویح ایک تحقیقی جائزہ (ص ۲۱۸ طبع اول)، (ص ۳۱۶ طبع ثانی)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

پیش کیا جا سکتا ہے، جب کہ غیر مقلدین اس سے احتجاج کرتے ہیں۔

زبیر علی زئی نے ان دونوں اصولی باتوں کا جواب دینے کی بجائے یہ فضول بحث چھیڑ دی کہ: "لَا بَأْسَ بِهٖ" الفاظ توثیق میں سے ہے یا نہیں؟

ع   بریں عقل و دانش باید گریست

علاوہ ازیں مولانا محب اللہ راشدیؒ (م ۱۴۱۵ھ) کلمہ "لَا بَأْسَ بِهٖ" کے متعلق لکھتے ہیں:

یہ اگرچہ توثیق کے ضعف (قسم) میں سے ہے، لیکن توثیق کے آخری مراتب میں سے ہے۔[۱]

نیز مولانا محب اللہ کے بھائی مولانا بدیع الدین (م ۱۴۱۶ھ) ایک مولوی صاحب کے امام احمدؒ کے قول "لا بأس بہ" سے استدلال کرنے پر ان کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

پانچویں مرتبے والے لفظ جن میں "لا بأس بہ" بھی ہے، ایسے راوی کی روایت سے حجت نہیں لی جاتی، بلکہ شاہد کے طور پر استعمال کی جا سکتی ہے، یہ امام ابن معین کے لیے خاص ہے جو جس کے لیے "لا بأس بہ" کہے تو وہ راوی ثقہ ہے، اور حجت ہے... لہٰذا مولوی صاحب کو اس پر خوش نہیں ہونا چاہیے۔[۲]

بنابریں زبیر صاحب کو بھی امام ابوزرعہؒ کے اس قول کو امام ابن معینؒ کے قول پر قیاس کر کے خوش نہیں ہونا چاہیے۔

اور یہ بھی واضح ہو کہ علی زئی ان دونوں راشدی برادران کو اپنے شیوخ میں سے قرار دیتے ہیں، اور ان دونوں کے بارے میں یہاں تک لکھتے ہیں کہ:

اگر مجھے رکن و مقام کے درمیان کھڑا کر کے قسم دی جائے تو یہی کہوں گا کہ میں نے شیخنا

---

[۱] مقالاتِ راشدیہ (۱:۳۵۲)

[۲] ایضاً (۶:۳۸۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

محب اللہ شاہ سے زیادہ نیک، زاہد اور افضل، اور شیخ بدیع الدین شاہ سے زیادہ عالم وفقیہ انسان کوئی نہیں دیکھا۔[۱]

اب علی زئی کے یہ دونوں انتہائی ممدوح شیخین ''لا بأس بہ'' کے حامل شخص کو نا قابل احتجاج قرار دے رہے ہیں، تو پھر اس کے بعد علی زئی کے موقف کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے؟ ؎

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

(۲) زبیر علی زئی اپنے مفاد کے لیے یہاں تو بڑے شد و مد کے ساتھ امام یحییٰؒ کے قول ''لَا بَأْسَ بِهٖ'' کو الفاظ توثیق میں سے ثابت کر رہے ہیں، لیکن دوسری جگہ جب ان کے مفاد پر زد پڑی تو انہوں نے اس لفظ کو الفاظ توثیق سے ہی خارج کر دیا۔ چنانچہ امام یحییٰ بن معینؒ (م ۲۳۳ھ) نے ایک راوی'' ابراہیم بن ہارون صنعانی'' کے بارے میں ''لَيْسَ بِهٖ بَأْسٌ'' اور ''يُكْتَبُ حَدِيْثُهٗ'' کہا ہے۔ زبیر علی زئی اس راوی کو ضعیف قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

حافظ ابن عدی فرماتے ہیں:

''وَقَوْلُ يَحْيَى بْنِ مَعِيْنٍ: يُكْتَبُ حَدِيْثُهٗ، مَعْنَاهُ أَنَّهٗ فِيْ جُمْلَةِ الضُّعَفَاءِ الَّذِيْنَ يُكْتَبُ حَدِيْثُهُمْ'' [الکامل: ۱: ۲۹۴]

''اور یحییٰ بن معین کے قول ''يُكْتَبُ حَدِيْثُهٗ'' کا مطلب یہ ہے کہ یہ راوی ان ضعیف راویوں میں شامل ہے جن کی حدیث لکھی جاتی ہے۔''

یعنی ضعیف تو ہے اور متروک نہیں ہے۔ یاد رہے کہ اگر ''يُكْتَبُ حَدِيْثُهٗ'' سے پہلے یا

---

[۱] ماہنامہ الحدیث (۲: ۴۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بعد توثیق لکھی ہوئی ہو تو وہ مستثنیٰ ہے۔ یعنی وہاں توثیق سمجھی جائے گی۔[۱]

اب یہاں زبیر علی زئی مذکورہ راوی کو امام یحییٰؒ کے قول ''یُکْتَبُ حَدِیْثُہ'' کی وجہ سے ضعیف کہا ہے، باوجود اس کے کہ امام یحییٰؒ نے اس کو ''یُکْتَبُ حَدِیْثُہ'' کے ساتھ ''لَیْسَ بِہٖ بَأْسٌ'' بھی کہا ہے، اور خود زبیر علی زئی یہ اصول بیان کر رہے ہیں کہ اگر ''یُکْتَبُ حَدِیْثُہٗ'' سے پہلے یا بعد میں توثیق لکھی ہوئی ہو تو پھر وہاں ''یُکْتَبُ حَدِیْثُہ'' سے توثیق سمجھی جائے گی، لیکن وہ ''لَیْسَ بِہٖ بَأْسٌ'' کے باوجود اس کو ضعیف کہہ رہے ہیں تو اس کا مطلب صاف یہ بنتا ہے کہ یہ کلمہ ان کے نزدیک الفاظِ توثیق میں سے نہیں ہے۔

زبیر علی زئی کے انصاف کو داد دیجئے کہ وہ ابراہیم صنعانیؒ کی بابت امام یحییٰؒ کے قول ''لَیْسَ بِہٖ بَأْسٌ'' کو الفاظِ توثیق سے خارج قرار دے رہے ہیں، اور عیسیٰ بن جاریہؒ کے حق میں ان ہی کے قول کے سہارے اس لفظ کو بڑے طمطراق سے توثیق میں شامل کر رہے ہیں۔ ؎

یہ لوگ بھی غضب ہیں دل پر یہ اختیار

شب موم کر لیا سحر آہن بنا لیا

(۳) علامہ ہیثمیؒ (م ۸۰۷ھ) کا جو حوالہ زبیر علی زئی نے دیا ہے، اس میں بھی انہوں نے خیانت سے کام لیتے ہوئے علامہؒ کی کلام کو کانٹ چھانٹ کر اس سے صرف وہی الفاظ نقل کیے جو ان کے لیے مفید مطلب تھے۔ اس لیے یہاں علامہ موصوف کی پوری عبارت پیش کی جاتی ہے۔ چنانچہ علامہ موصوف لکھتے ہیں:

''وَفِیْہِ عِیْسَی بْنُ جَارِیَۃَ ضَعَّفَہُ ابْنُ مَعِیْنٍ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ وَثَّقَہٗ

[۱] الحدیث (۱۹:۵۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اَبُوْ زُرْعَةَ وَابْنُ حِبَّانَ۔"[1]

"اس حدیث کی سند میں عیسیٰ بن جاریہؒ ہے، جس کو امام ابن معینؒ اور امام ابوداؤدؒ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ جب کہ امام ابوزرعہؒ اور امام ابن حبانؒ نے اس کی توثیق کی ہے۔"

علامہ ہیثمی رحمہ اللہ کی مذکورہ بالا رائے کو ملاحظہ کرنے کے بعد اب زبیر علی زئی کا حوالہ نقل کرنے کا انداز ملاحظہ ہو۔ موصوف لکھتے ہیں:

"حافظ نورالدین ہیثمی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: "وَوَثَّقَهُ اَبُوْ زُرْعَةَ" اور ابوزرعہ نے اسے ثقہ کہا ہے۔" (مجمع الزوائد ۲:۷۲)

موصوف کا علامہ ہیثمیؒ کی رائے سے اپنے مطلب کا ٹکڑا لے لینا اور باقی چھوڑ دینا خیانت اور دھوکہ نہیں تو اور کیا ہے؟

زبیر علی زئی نے علامہ ہیثمیؒ کا پورا کلام اس لیے نقل نہیں کیا، کیونکہ اس میں تصریح ہے کہ امام ابوداؤدؒ نے بھی ابن جاریہ کو ضعیف قرار دیا ہے، جب کہ زبیر علی زئی اس جرح کو ثابت نہیں مانتے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، اب علامہ ہیثمیؒ کی آدھی بات کو قبول کرنا اور ان کی آدھی بات کو رد کر دینا کہاں کا انصاف ہے؟ اس کو کہتے ہیں:

ع میٹھا میٹھا ہپ کڑوا کڑوا تھو

(۲) امام ابن حبانؒ کی توثیق کا جواب

زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

امام ابن حبانؒ نے اس کو "کتاب الثقات" (۵:۲۱۴) میں ذکر کیا ہے، اور اپنی صحیح میں اس سے حدیث روایت کی ہے۔[2]

---

[1] مجمع الزوائد (۲:۷۲)

[2] الحدیث (۴۷:۱۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

جواب: امام ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ) کے بارے میں زبیر علی زئی کے مزعومہ استاذ مولانا عبدالمنان نور پوری (م ۱۴۳۳ھ) کا بیان گزرا ہے کہ امام ابن حبانؒ کا بھی تصحیح میں تساہل (کمزوری) مشہور ہے، ان کے علاوہ مولانا مبارکپوریؒ، مولانا گوندلویؒ، مولانا ارشاد الحق اثری، شیخ البانیؒ، مولانا رفیق اثری اور دیگر علمائے غیر مقلدین نے بھی تصریح کی ہے کہ: امام ابن حبان توثیق اور تصحیح میں متساہل اور ناقابل اعتبار ہے۔[۱]

بالخصوص جب کہ ان کی یہ توثیق ائمۂ حدیث کی (باقرار غیر مقلدین) شدید جرح "منکر الحدیث" وغیرہ سے متصادم ہے۔ اور خود زبیر صاحب امام ابن حبانؒ کی توثیق کو محض اس لیے رد کر چکے ہیں کہ ان کی یہ توثیق ایک شدید جرح "منکر الحدیث" سے متصادم ہے۔ چنانچہ موصوف لکھتے ہیں:

بشر البجلی کے بارے میں حافظ ابو حاتم الرازی نے کہا: "هُوَ مُنْكَرُ الْحَدِيث" (الجرح والتعدیل: ۲:۳۵۸) اس شدید جرح کے مقابلے میں حافظ ابن حبان کا اس راوی کو "کتاب الثقات" (۸: ۱۴۳، ۱۴۴) میں ذکر کرنا مردود ہے۔[۲]

بنابریں امام نسائیؒ، امام ابو داودؒ کے عیسیٰ بن جاریہ کو منکر الحدیث اور امام ابن معینؒ کے اس کو "عندہ مناکیر" کہنے کے مقابلے میں امام ابن حبانؒ کا اس کو "کتاب الثقات" میں ذکر کرنا، اور اپنی "صحیح" میں اس سے روایت لینا بھی مردود ہے، لہٰذا امام ابن حبانؒ کی توثیق کا مردود ہونا خود زبیر صاحب کے اپنے قول سے بھی ثابت ہوگیا۔

---

[۱] تفصیل کے لیے دیکھئے رکعات تراویح ایک تحقیقی جائزہ (ص ۲۱۹۔۲۲۰) طبع اول (ص ۳۱۷، ۳۱۹) طبع ثانی

[۲] الحدیث (۲۱:۱۵)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

دم گیسو میں پھنسا دل پاؤں میں زنجیر ہے
وہ تمہارا خواب تھا یہ خواب کی تعبیر ہے

② امام ابن خزیمہؒ کی توثیق کا جواب

عیسیٰ بن جاریہ کی توثیق کے لیے زبیر علی زئی نے امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (م ۳۱۱ھ) کا حوالہ بھی پیش کیا ہے۔ چنانچہ علی زئی لکھتے ہیں: امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اپنی "صحیح" میں اس سے روایت لی ہے، اور اس پر کوئی کلام نہیں کیا۔

امام ابن خزیمہؒ اپنی صحیح میں جس راوی سے روایت بیان کریں اور جرح نہ کریں، وہ ان کے نزدیک ثقہ و صدوق ہوتا ہے، اور وہ روایت بھی ان کے نزدیک صحیح ہوتی ہے۔(البدر المنیر لابن الملقن ۱: ۵۵۴، ۶۱۹)

امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح (۱: ۵۹) میں ایک حدیث ذکر کی ہے، اور اس کی سند کو صحیح نہیں کہا، لیکن اس کے باوجود حافظ ابن حجر اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا ہے۔(بلوغ المرام ح ۱)

نیموی تقلیدی نے بھی ابن خزیمہ کی ایسی ایک حدیث کے بارہ میں ابن خزیمہ سے تصحیح نقل کی ہے۔(آثار السنن ح ۴۸)

معلوم ہوا کہ ابن خزیمہ کا اپنی صحیح میں مجرد روایت بیان کر دینا (بشرطیکہ وہ جرح نہ کریں) اس روایت کی ان کے نزدیک تصحیح ہوتی ہے۔ حافظ ابن حجر ایک راوی کے بارے میں فرماتے ہیں: ابن خزیمہ نے ان کی حدیث کو صحیح کہا ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ راوی ان کے نزدیک ثقہ ہے۔(تعجیل المنفعۃ ص ۲۴۸....)

امام ابن خزیمہ نے اپنی کتاب کا نام بھی "مختصر المختصر من المسند الصحیح" رکھا ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام ابن خزیمہ کے نزدیک عیسیٰ بن جاریہ عادل وغیر مجروح

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

(ثقہ وصدوق) ہیں۔

تنبیہ بلیغ: امام ابن خزیمہ کے نزدیک کسی راوی کا ثقہ وصدوق ہونا یا کسی حدیث کا صحیح ہونا صرف اسی حالت میں قابل قبول ہے جب جمہور محدثین کے خلاف نہ ہو، لہٰذا بعض الناس کا جمہور کے خلاف صحیح ابن خزیمہ کی بعض روایتوں یا بعض راویوں پر جرح کرنا ہمیں چنداں مضر نہیں۔ [۱]

جواب: زبیر علی زئی نے اپنی کتاب "تعداد رکعات قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ" (ص ۱۷۔۱۸) میں مطلق یہ دعویٰ کیا تھا کہ: امام ابن خزیمہؒ نے اپنی صحیح میں ابن جاریہ کی حدیث کو صحیح کہا ہے، اس کے جواب میں ہم نے لکھا تھا کہ امام ابن خزیمہؒ نے اس حدیث کو صحیح نہیں کہا، بلکہ صرف اس حدیث کو اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے۔ اور پھر ہم نے خود غیر مقلدین کے مستند علماء مولانا ارشاد الحق اثری، مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری اور مولانا عبدالرؤف سندھو وغیرہ کے حوالجات پیش کیے تھے کہ "صحیح ابن خزیمۃ" کی ساری احادیث صحیح نہیں ہیں، اس کتاب پر صحیح کا اطلاق ایسا ہی ہے جیسا کہ بعض اہل علم نے "سنن نسائی" اور "جامع ترمذی" پر صحیح کا اطلاق کیا ہے، حالانکہ ان دونوں کی بھی ساری روایات صحیح نہیں ہیں۔ نیز کئی نامور علمائے غیر مقلدین نے امام ابن خزیمہؒ سے بعض احادیث کی تصحیح نقل کرنے کے باوجود ان کی صحت میں توقف ظاہر کیا ہے، لہٰذا ابن خزیمہؒ یا ابن حبانؒ کا اپنی صحیح میں کسی حدیث کو لانا اس کے صحیح ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ [۲]

زبیر علی زئی کی پسپائی اور اپنے مؤقف میں تبدیلی

زبیر علی زئی نے اپنے اس تازہ مضمون میں دبے لفظوں میں ہمارے اس مؤقف کو

---

[۱] ملخصاً الحدیث (۴۷:۱۷۔۱۸)

[۲] دیکھئے رکعات تراویح ایک تحقیقی جائزہ، (ص ۲۲۰) طبع اول، (ص ۳۱۹، ۳۲۰) طبع دوم

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

تسلیم کرلیا ہے، اوران کا جو دعویٰ تھا کہ ابن خزیمہ کا اپنی صحیح میں کسی روایت کو صرف لانا ہی اس کے صحیح ہونے کی دلیل ہے، اس سے انہوں نے پسپائی اختیار کرلی ہے۔ الحمدللہ! اب انہوں نے اپنے اس دعویٰ مطلق کو دو شرطوں کے ساتھ مشروط کردیا ہے۔

① اس حدیث کے راویوں پر خود امام ابن خزیمہؒ نے جرح نہ کی ہو۔

② وہ حدیث اور اس کے راوی جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف نہ ہوں۔

لیکن اس سے وہ ایک اور مصیبت میں مبتلا ہو گئے ہیں، وہ یہ کہ انہوں نے کافی کوشش و بسیار کے بعد حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) وغیرہ کے جو حوالے جمع کیے تھے کہ جن سے وہ یہ ثابت کرسکیں کہ امام ابن خزیمہؒ کا کسی حدیث کو محض اپنی صحیح میں ذکر کرنا ہی اس حدیث کے صحیح اور اس کے راویوں کے ثقہ ہونے کی دلیل ہے، یہ دو زائد شرائط لگا کر ان حوالوں کی وقعت خود ہی انہوں نے ختم کردی ہے، کیونکہ ان حوالوں سے تو بقول ان کے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ: ''صحیح ابن خزیمہ'' میں کسی حدیث کا اخراج ہی اس حدیث کے صحیح اور اس کے راویوں کے ثقہ ہونے کے لیے کافی ہے، جب کہ زبیر علی زئی کی مقرر کردہ یہ زائد شراط سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظ ابن حجرؒ وغیرہ کے بیانات غلط ہیں، اور ''صحیح ابن خزیمہ'' میں کسی حدیث کا محض ہونا اس کے صحیح ہونے کے لیے کافی نہیں ہے جب تک کہ اس میں یہ دو زائد شرائط نہ پائی جاتی ہوں۔ اس کو کہتے ہیں:

ع آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا

ثانیاً: زبیر علی زئی نے ''صحیح ابن خزیمہ'' کی احادیث کے صحیح ہونے کے لیے یہ دو شرائط کس لیے لگائی ہیں؟ کیا یہ صرف ''صحیح ابن خزیمۃ'' کے ساتھ خاص ہیں؟ اور کیا زبیر علی زئی کے نزدیک یہ شرائط دیگر کتب حدیث کے لیے نہیں ہیں؟ مثلاً ''سنن ابن ماجہ'' میں کسی ایسے راوی کی حدیث موجود ہو کہ جس پر امام ابن ماجہؒ نے کوئی جرح نہیں کی۔ اور وہ دیگر جمہور

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

محدثین کے نزدیک بھی ثقہ ہے، تو کیا زبیر علی زئی اس کی حدیث کو صحیح نہیں کہیں گے؟ اگر اس کا جواب اثبات میں ہے، تو پھر زبیر علی زئی کیوں ایک طرف یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ "صحیح ابن خزیمۃ" میں کسی حدیث کا ہونا ہی اس حدیث کے صحیح ہونے کی دلیل ہے، اور دوسری طرف وہ اس دعوے کو اپنی خود ساختہ شرطوں کے ساتھ مشروط بھی کر رہے ہیں؟

ثالثاً: زبیر علی زئی نے امام ابن خزیمہؒ کا حوالہ ذکر کیا ہے کہ امام موصوف نے اپنی اس کتاب کا نام "صحیح" رکھا ہے، اور تصریح کی ہے کہ اس میں جتنی احادیث رسول اللہ ﷺ سے مروی ہیں وہ سب عادل اور غیر مجروح راویوں سے منقول ہیں۔[۱] لیکن اس کے بعد زبیر علی زئی نے جو شرط لگائی ہے کہ امام ابن خزیمہؒ کے نزدیک کسی راوی کا ثقہ وصدوق ہونا، یا کسی حدیث کا صحیح ہونا صرف اسی حالت میں قابل قبول ہے جب جمہور محدثین کے خلاف نہ ہو۔ یہ شرط کیا انہوں نے امام ابن خزیمہؒ سے پوچھ کر لگائی ہے، یا مرزا قادیانی کی طرح ان پر کوئی جھوٹی وحی آئی ہے؟

نیز امام موصوف تو بقول علی زئی: یہ فرما رہے ہیں کہ میری ساری احادیث صحیح اور ثقہ وغیر مجروح راویوں سے منقول ہیں، جب کہ زبیر علی زئی فرما رہے ہیں کہ نہیں جناب! آپ کی صرف وہی احادیث صحیح ہیں جو جمہور محدثین کے خلاف نہیں ہیں۔ یہ امام موصوف سے موافقت ہے یا بغاوت؟

ع بریں عقل و دانش بباید گریست

نیز زبیر علی زئی نے اپنے ایک مضمون میں "صحیح ابن خزیمہ" کے متعلق یہ انکشاف بھی کیا ہے کہ:

اس کی بعض روایات ہماری تحقیق میں ضعیف ہیں۔[۲]

---

[۱] الحدیث (۴۷:۱۸) بحوالہ صحیح ابن خزیمہ (۱:۳)

[۲] الحدیث (۶۷:۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اب ایک طرف زبیر علی زئی اپنے دعویٰ کے اثبات میں امام ابن خزیمہؒ سے یہ نقل کر رہے ہیں کہ "صحیح ابن خزیمہ" کی سب روایات صحیح ہیں، اور اس کے سب راوی عادل اور غیر مجروح ہیں، جب کہ دوسری طرف یہ بھی دعویٰ کر رہے ہیں کہ اس میں غیر عادل اور مجروح راویوں کی بھی روایات موجود ہیں۔ اب یہ تضاد بیانی نہیں تو اور کیا ہے؟

رابعاً: اگر زبیر علی زئی کی جمہور والی شرط مان بھی لی جائے تو پھر بھی عیسیٰ بن جاریہ کا امام ابن خزیمہؒ کے نزدیک ثقہ ہونا لازم نہیں آتا، کیونکہ ہم نے دس (اور اب بارہ) محدثین سے اس کے خلاف جرح نقل کی ہے، جب کہ زبیر علی زئی نے امام ابن خزیمہؒ کے علاوہ سات محدثین سے اس کی توثیق نقل کی ہے۔ اب بارہ (۱۲) جمہور ہوتے ہیں یا سات؟ بالخصوص جب کہ ان میں سے اکثر (ہیثمیؒ، ذہبیؒ، منذریؒ، بوصیریؒ اور خلیلیؒ) امام ابن خزیمہؒ سے بہت متأخر ہیں، امام ابن خزیمہؒ نے جب اپنی کتاب میں ابن جاریہؒ کی حدیث لکھی تھی تو اس وقت ان محدثین کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ پھر کس طرح انہوں نے ان کی موافقت حاصل کی ہوگی؟

خامساً: امام ابن خزیمہؒ نے اپنی کتاب میں کئی ایسے راویوں کی احادیث نقل کی ہیں کہ جن کے بارے میں خود انہوں نے تصریح کی ہے کہ یہ مجہول ہیں۔ مثلاً حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (جن کے حوالے سے علی زئی نے صحیح ابن خزیمہ کے راویوں کو ثقہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے) نے ابو قرۃ اسدی کے ترجمہ بھی لکھا ہے:

"وَاَخْرَجَ ابْنُ خُزَيْمَةَ حَدِيْثَهُ فِيْ صَحِيْحِهِ، وَقَالَ: لَا اَعْرِفُهُ بِعَدَالَةٍ وَلَاجَرْحٍ۔"[۱]

"امام ابن خزیمہؒ نے اس کی حدیث کی اپنی صحیح میں تخریج کی ہے، اور اس کے بارے میں کہا ہے کہ: میں اس کی عدالت یا جرح کی بابت کچھ نہیں جانتا"۔

---

[۱] تھذیب التھذیب (۴۳۷:۵)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

حافظ موصوف نے ہی ایک اور راوی ابوسویہ کے متعلق لکھا ہے:

"وَقَدْ اَخْرَجَ حَدِیْثَهٗ هٰذَا ابْنُ خُزَیْمَةَ فِیْ صَحِیْحِهٖ...وَقَالَ: لَا اَعْرِفُ اَبَاسَوِیَّةَ بِعَدَالَةٍ وَلَا جَرْحٍ۔"[۱]

"امام ابن خزیمہؒ نے اس کی حدیث کی اپنی صحیح میں تخریج کی ہے... اور کہا ہے کہ میں ابوسویہؒ کے بارے میں نہیں جانتا کہ یہ عادل ہے یا مجروح ہے۔

اسی طرح حافظ ابن حجرؒ نے ابولبابہ مروان کی بابت بھی تصریح کی ہے کہ امام ابن خزیمہؒ نے اپنی صحیح میں اس کی حدیث کی تخریج کرنے کے بعد اس کی عدالت یا جرح سے لاعلمی کا اظہار کیا ہے۔[۲]

حافظ ابن حجرؒ کے شاگرد حافظ احمد بوصیریؒ (م ۸۴۰ھ) ایک حدیث کی تحقیق میں رقمطراز ہیں:

"وَرَوَاهُ ابْنُ خُزَیْمَةَ فِیْ صَحِیْحِهٖ....وَقَالَ ابْنُ خُزَیْمَةَ: لَا اَعْرِفُ السَّائِبَ مَوْلٰی اُمِّ سَلَمَةَ بِعَدَالَةٍ وَلَا جَرْحٍ۔" [۳]

"اس حدیث کو امام ابن خزیمہؒ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے.... اور فرمایا ہے کہ: اس کے راوی سائب مولیٰ اُم سلمہؓ کی عدالت یا جرح سے متعلق مجھے کچھ معلوم نہیں ہے۔"

اب جب کہ امام ابن خزیمہؒ نے اپنی صحیح میں ایسے راویوں کی بھی احادیث کی تخریج کی ہیں کہ جن کی عدالت کے متعلق خود انہوں نے اپنی لاعلمی ظاہر کر دی ہے، تو پھر یہ دعویٰ کیسے درست مانا جا سکتا ہے کہ امام ابن خزیمہؒ کا محض اپنی صحیح میں کسی حدیث کی تخریج کرنا اس

---

[۱] نتائج الافکار فی تخریج احادیث الاذکار (۳: ۲۵۳، ۲۵۴)

[۲] نتائج الافکار (۳: ۶۶)

[۳] اتحاف الخیرۃ المھرۃ (۲: ۱۰۶ ح ۱۵۲۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

حدیث کے صحیح اور اس کے راویوں کے ثقہ ہونے کی دلیل ہے۔

نیز اس کتاب میں بعض احادیث ایسی بھی ہیں جو خود امام ابن خزیمہؒ کے نزدیک صحیح نہیں ہیں۔ چنانچہ زبیر صاحب کے شیخ مولانا بدیع الدین راشدی (م ۱۴۱۶ھ) لکھتے ہیں:

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح جلد ۳ ص ۴۵ میں اس حدیث کو لائے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام ابن خزیمہؒ خود رکوع میں ملنے والے کی رکعت کو صحیح نہیں مانتے۔ جیسا کہ آگے ذکر ہوگا۔ ان شاء اللہ

جس سے معلوم ہوا کہ خود امام موصوف کے ہاں یہ حدیث صحیح نہیں ہے، ورنہ اس کے خلاف اپنا مذہب کبھی اختیار نہ کرتے۔[۱]

باقی جو حوالہ علی زئی نے حافظ ابن حجرؒ کا ذکر کیا ہے کہ انہوں نے ابن خزیمہؒ کی ایک حدیث، جس کی انہوں نے صراحتاً تصحیح نہیں کی، اس کے باوجود ان سے اس کی تصحیح نقل کی ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ:

حافظ ابن حجرؒ نے مذکورہ حدیث کے متعلق جیسے امام ابن خزیمہؒ کی تصحیح ذکر کی ہے، ایسے ہی انہوں نے اس حدیث سے متعلق امام بخاریؒ کی تصحیح کی بھی تصریح کی ہے۔ چنانچہ آں موصوف ارقام فرماتے ہیں:

"وَصَحَّحَهُ الْبُخَارِيُّ فِيْمَا حَكَاهُ التِّرْمِذِيُّ"[۲]

"اس حدیث کو امام بخاریؒ نے بھی صحیح قرار دیا ہے، جیسا کہ امام ترمذیؒ نے ان سے نقل کیا ہے۔"

نیز حافظ موصوف، سعید بن سلمہ (مذکورہ حدیث کے راوی) کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

---

[۱] مقالاتِ راشدیہ (۲:۱۷۰)

[۲] تلخیص الحبیر (۱:۸)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

"صَحَّحَ الْبُخَارِيُّ فِيمَا حَكَاهُ عَنْهُ التِّرْمِذِيُّ فِي الْعِلَلِ الْمُفْرَدِ حَدِيثَهُ، وَكَذَا صَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ....[۱]

''امام بخاریؒ نے اس کی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، جیسا کہ امام ترمذیؒ نے ان سے ''العلل المفرد'' میں نقل کیا ہے، اسی طرح امام ابن خزیمہؒ نے بھی اس کی تصحیح کی ہے۔''

جب کہ زبیر علی زئی العلل المفرد (العلل الکبیر) کو امام ترمذیؒ سے ثابت نہیں مانتے، اور نہ ہی اس کتاب میں امام ترمذیؒ کے امام بخاریؒ سے نقل کردہ اقوال کو امام بخاریؒ سے ثابت تسلیم کرتے ہیں۔[۲]

اب ابن حجرؒ کی آدھی بات (تصحیح ابن خزیمہؒ) کو ماننا، اور ان کی آدھی بات (تصحیح بخاریؒ) کو نہ ماننا ''میٹھا میٹھا ہپ کڑوا کڑوا تھو'' کا مصداق ہے۔

حافظ ابن حجرؒ کا جو حوالہ علی زئی نے ذکر کیا ہے کہ: ابن خزیمہ نے ان کی حدیث کو صحیح کہا، جس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ راوی ان کے نزدیک ثقہ ہے۔[۳] تو عرض ہے کہ حافظ ابن حجرؒ یہ تصریح کرنے کے باوجود ایسے راویوں کو ثقہ تسلیم نہیں کرتے۔ چنانچہ انہوں نے عبد اللہ بن عبد الرحمن بن ثابت انصاری کے بارے میں بھی یہی تصریح کی ہے، اور ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ ابن حبانؒ نے بھی اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے[۴] لیکن اس سب کے باوجود اس راوی کو انہوں نے مقبول کہا ہے۔[۵]

---

[۱] تھذیب التھذیب (۲:۳۱۱)

[۲] الحدیث (۲۸،۲۷:۱۰۲)

[۳] ایضاً (۱۸:۴۷)

[۴] تھذیب التھذیب (۳:۱۹۰)

[۵] تقریب التھذیب (۱:۵۰۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اور حافظ صاحبؒ کے قول "مقبول" کا مطلب علی زئی نے مجہول الحال بیان کیا ہے۔[۱]

نیز علی زئی تصریح کرتے ہیں کہ: حافظ ابن حجر ایسے راویوں کو مقبول کہتے ہیں جن کو صرف ابن حبان نے ثقہ کہا ہوتا ہے۔[۲]

اب اس راوی کو حافظ صاحبؒ نے ابن حبانؒ کی توثیق کی بنیاد پر مقبول (مجہول الحال) تو کہہ دیا ہے، لیکن اس کے متعلق ابن خزیمہؒ کی تصحیح حدیث کو انہوں نے بالکل درخورِ اعتنا نہیں سمجھا۔

نیز انہوں نے کئی احادیث کے متعلق تصریح کی ہے کہ ابن خزیمہؒ نے ان کی تصحیح کی ہے، لیکن اس کے باوجود انہوں نے ان کے راویوں کو مجہول قرار دیا ہے، جیسا کہ آگے بحوالہ آرہا ہے۔ لہٰذا علی زئی کا اپنے حق میں حافظ صاحبؒ کا ذکر کردہ یہ قول ان کے لیے کچھ بھی مفید نہیں ہے، بلکہ اس سے تو ان کا موقف اور کمزور ہو رہا ہے۔

نیز حافظ موصوف نے بعینہٖ یہ بات "المستدرک للحاکم" کے راویوں سے متعلق بھی کی ہے چنانچہ وہ نجدہ بن نفیع کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

"وَقَدْ اَخْرَجَ حَدِيْثَهُ الْمَذْكُوْرَ الْحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ، وَ مُقْتَضَاهُ اَنَّهٗ عِنْدَهٗ ثِقَةٌ۔"[۳]

"امام حاکمؒ نے اس راوی کی مذکورہ حدیث کی "مستدرک" میں تخریج کی ہے، جو اس بات کو مقتضی ہے کہ یہ راوی ان کے نزدیک ثقہ ہے"

نیز حافظ صاحبؒ نے جا بجا "مستدرک حاکم" کو "صحیح حاکم" سے موسوم کیا ہے۔[۴]

---

[۱] الحدیث (۴۷: ۱۴)

[۲] ایضاً (۴۴: ۳۲)

[۳] لسان المیزان (۸: ۲۵۳) طبع مکتب المطبوعات الاسلامیۃ حلب

[۴] مثلاً دیکھئے التھذیب (۱: ۶۵، ۲۵۳، ۳۲۸) طبع دار احیاء التراث العربی بیروت

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

لیکن علی زئی حافظ موصوف کی یہ بات امام حاکمؒ کے حق میں تسلیم نہیں کرتے ۔[۱]

ع میٹھا میٹھا ہپ کڑوا کڑوا تھو

اسی طرح علی زئی نے "البدر المنیر لابن الملقن" کا جو حوالہ دیا ہے، وہ بھی ان کو کچھ مفید نہیں ہے، کیونکہ علامہ ابن الملقنؒ (م ۸۰۴ھ) نے بھی "البدر المنیر" میں جا بجا "صحیح ابن خزیمہ" کی احادیث پر نقد کیا ہے، اور ان کے رُوات کو ثقہ ماننے سے انکار کیا ہے۔ مثلاً اس کی ایک حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

"وَفِيْ صِحَّتِهٖ عِنْدِيْ وَقْفَةٌ، لِاَنَّ فِيْ سَنَدِهٖ شُرَحْبِيْلُ بْنُ سَعْدٍ الرَّاوِيُّ عَنْ عُوَيْمٍ. قَالَ ابْنُ اَبِيْ ذِئْبٍ، كَانَ مُتَّهَمًا، وَقَالَ مَالِكٌ: لَيْسَ بِثِقَةٍ"...[۲]

مجھے اس کی صحت میں توقف ہے، کیونکہ اس کی سند میں شرحبیل بن سعد[۳] ہے جو عویم سے روایت کر رہا ہے، امام ابن ابی ذئبؒ اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ جھوٹ بولنے کے ساتھ متہم ہے، امام مالکؒ فرماتے ہیں: یہ ثقہ نہیں ہے....

علامہ موصوف ایک اور حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

"وَخَالَفَ ابْنُ خُزَيْمَةَ فَاَوْرَدَهٗ فِيْ صَحِيْحِهٖ مِنْ جِهَةِ خَارِجَةَ، وَهُوَ عَجِيْبٌ مِنْهُ، فَكُلُّهُمْ ضَعَّفَ خَارِجَةَ وَنَسَبَهٗ اِلَى الْكَذِبِ يَحْيَى، وَهٰذَا مِنْ اَفْرَادِهٖ"[۴]

"امام ابن خزیمہؒ نے تمام محدثین کے برخلاف اس حدیث کو اپنی صحیح میں خارجہ کے

---

[۱] الحدیث (۱۶:۳۵)

[۲] البدر المنیر (۲:۲۷۹) طبع دار العاصمۃ ریاض

[۳] خود علی زئی اور مولانا مبارکپوری وغیرہ علمائے غیر مقلدین نے بھی اس راوی کو ضعیف قرار دیا ہے۔ ماہنامہ الحدیث (۹۹:۳)، ابکار المنن (ص ۱۵۴)

[۴] البدر المنیر (۲:۶۰۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

طریق سے ذکر کیا ہے، اور یہ انہوں نے عجیب کام کیا ہے، کیونکہ اس راوی خارجہ کو تمام محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے، اور امام یحییٰ قطانؒ نے اس کو جھوٹ کی طرف منسوب کیا ہے، اور یہ حدیث ہے بھی اس کے تفردات میں سے۔

ان دو مثالوں سے ہی آپ اندازہ لگالیں کہ علامہ موصوف کی نظر میں "صحیح ابن خزیمہ" کا کیا مقام ہے؟

علامہ نیمویؒ (م ۱۳۲۲ھ) کا جو حوالہ علی زئی نے نقل کیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ علامہ موصوف کے پاس صحیح ابن خزیمہ موجود نہیں تھی، کیونکہ یہ کتاب اس وقت تک طبع نہیں ہوئی تھی۔ جیسا کہ خود انہوں نے اس کی ایک حدیث کے ذیل میں لکھا ہے:

"لَمْ أَظْفَرْ بِصَحِيحِهِ"[1]

"مجھے "صحیح ابن خزیمہ" دستیاب نہیں ہو سکی"

اس لیے انہوں نے محض دیگر اہلِ علم کی نقل پر اعتماد کر کے اس کی بعض احادیث کے متعلق لکھ دیا ہے کہ: وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ لیکن اگر وہ اس کی کسی حدیث کی سند پر مطلع ہوئے اور اس میں کوئی سقم دیکھا تو پھر انہوں نے امام ابن خزیمہؒ کی تصحیح پر اعتماد نہیں کیا، بلکہ اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ مثلاً اس کی حدیث وضع الیدین علی الصدر کے بارے میں تصریح کی ہے کہ اگر اس کی سند میں واقعی مؤمل بن اسماعیل ہے، جیسا کہ علامہ ابن القیمؒ نے نقل کیا ہے تو پھر یہ حدیث غیر محفوظ اور ضعیف جدا ہے۔[2]

اسی طرح اس کی بعض دیگر احادیث کو بھی انہوں نے ضعیف قرار دیا ہے۔[3]

لہٰذا علامہ موصوف کے متعلق بھی یہ تاثر غلط ہے کہ وہ "صحیح ابن خزیمہ" میں کسی حدیث

---

[1] التعلیق الحسن علی آثار السنن (ص ۱۴۰، ۱۴۱، ح ۳۲۵)

[2] ایضاً

[3] مثلاً دیکھئے کتاب مذکور (ص ۴۳ ح ۶۱، ص ۲۲۷ ح ۴۳۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کے موجود ہونے کو ہی اس حدیث کی صحت کی دلیل سمجھتے ہیں۔

رہی علی زئی کی یہ دلیل کہ: امام ابن خزیمہؒ نے اپنی کتاب کا نام درج ذیل رکھا ہے: مختصر المختصر مِنَ الْمُسْنَدِ الصحیح عَنِ النّبی صلی اللہ علیہ وسلم بِنَقْلِ الْعَدلِ .... وَلَا جَرحٍ فِي نَاقِلِي الأخبار .. تو عرض ہے کہ علی زئی کے ممدوح مولانا محمد گوندلویؒ (م ۱۴۰۵ھ) نے تصریح کی ہے کہ محدثین نے ابن خزیمہؒ وغیرہ مصنفین صحاح کے اس دعوے کو کلی طور پر تسلیم نہیں کیا ہے۔ [۱]

بلند پایہ محدث امام ابن رجب حنبلیؒ (م ۷۹۵ھ) ان محدثین میں سے ایک ہیں، جو کسی حدیث کے محض صحیح ابن خزیمہ میں ہونے کو اس کی صحت کی دلیل تسلیم نہیں کرتے، بلکہ انہوں نے ان لوگوں کی سختی سے تردید کی ہے جو کسی حدیث کو محض اس وجہ سے صحیح کہہ دیتے ہیں کہ امام ابن خزیمہؒ نے اس حدیث کی اپنی صحیح میں تخریج کی ہے۔ چنانچہ امام موصوف ''صحیح ابن خزیمہ'' کی ایک حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وَمَنْ زَعَمَ انَّهٗ صَحِيْحٌ لِتَخْرِيْجِ ابْنِ خُزَيْمَةَ لَهٗ فَقَدْ وَهَمَ۔''[۲]

''جس شخص کا یہ گمان ہو کہ یہ حدیث امام ابن خزیمہؒ کی (اپنی صحیح میں) محض تخریج کی وجہ سے صحیح ہے، وہ شخص وہم میں مبتلا ہے۔''

حافظ الدنیا امام ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) بھی امام ابن خزیمہؒ کے دعویٰ صحت کو قبول نہیں کرتے، جیسا کہ عنقریب ان کا حوالہ گزرا ہے۔ نیز انہوں نے ''صحیح ابن خزیمہؒ'' کے کئی راویوں کو مجہول قرار دیا ہے۔ مثلاً ''صحیح ابن خزیمہ'' کی ایک حدیث جس کی انہوں نے

---

[۱] دوام حدیث (۴۹۱)

[۲] فتح الباری (۴: ۳۶۰)، لابن رجبؒ

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

امام ابن خزیمہؒ سے تصحیح بھی نقل کی ہے[۱] کے متعلق لکھتے ہیں:

''وَفِيْ اِسْنَادِهٖ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ خَلَادٍ، وَفِيْهِ جِهَالَةٌ''[۲]

''اس حدیث کی سند میں ایک راوی عبد الرحمٰن بن خلاد ہے، جو کہ مجہول ہے''

نیز حافظ صاحبؒ ایک اور راوی ابو عطیہ مولی بنی عقیل کے مجہول و غیر معروف ہونے پر محدثین کی تصریحات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''وَصَحَّحَ ابْنُ خُزَيْمَةَ حَدِيْثَهٗ''[۳]

''ابن خزیمہؒ نے اس کی حدیث کی تصحیح کی ہے''

نیز انہوں نے اس راوی کو مقبول کہا ہے[۴]۔ جو کہ مجہول الحال کے معنی میں ہے، جیسا کہ خود علی زئی کے حوالہ میں گزرا ہے۔

اب ابن حجرؒ ان احادیث کے متعلق تصحیح ابن خزیمہ کی تصریح نقل کرنے کے باوجود ان کے راویوں کو مجہول کہہ رہے ہیں۔ حالانکہ زبیر علی زئی اور دیگر علمائے غیر مقلدین کی تصریحات ہماری کتاب میں گزر چکی ہیں کہ جب کوئی محدث کسی حدیث کو صحیح کہتا ہے تو اس کے ضمن میں اس کے راویوں کی توثیق بھی ثابت ہو جاتی ہے۔ لیکن پھر بھی حافظ صاحبؒ ان کے راویوں کو مجہول کہہ رہے ہیں تو کا مطلب ہے کہ ان کے نزدیک اس تصحیح کی کچھ وقعت نہیں ہے، شیخ ناصر الدین البانی (م ۱۴۲۰ھ) ایک راوی مہدی ہجری کی روایت کو ضعیف قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[۱] بلوغ المرام (۴۰۰)

[۲] تلخیص الحبیر (۲:۵۶)

[۳] تھذیب التھذیب (۶:۴۱۱)

[۴] تقریب التھذیب (۲:۴۳۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

”وَتَوْثِيْقُ ابْنُ حِبَّانَ (٧: ٥٠١) إِيَّاهُ مِمَّا لَا يُعْتَدُّ بِهٖ كَمَا نَبَّهْتُ عَلَيْهِ مِرَارًا۔ وَكَذَا تَصْحِيْحُ ابْنِ خُزَيْمَةَ لِحَدِيْثِهٖ لَا يُعْتَدُّ بِهٖ لِاَنَّهٗ مُتَسَاهِلٌ فِيْهِ، وَلِذٰلِكَ لَمْ يَعْتَمِدِ الْحَافِظُ عَلٰى تَوْثِيْقِهِمَا اِيَّاهُ، فَقَالَ فِيْ تَرْجَمَةِ الْهِجْرِيِّ هٰذَا: مَقْبُوْلٌ۔“[۱]

”امام ابن حبانؒ کے اس راوی کو ثقہ کہنے کا کوئی اعتبار نہیں ہے، جیسا کہ کئی بار میں تنبیہ کر چکا ہوں، اسی طرح امام ابن خزیمہؒ کا اس کی حدیث کی تصحیح کرنا بھی قابل اعتبار نہیں ہے، کیونکہ وہ اس میں متساہل ہیں، اور اسی وجہ سے حافظ (ابن حجرؒ) نے بھی ان دونوں کی توثیق پر اعتماد نہیں کیا، اور اس ہجری کے ترجمہ میں فرمایا ہے کہ: یہ مقبول (بقول علی زئی: مجہول) ہے۔

اس تفصیل سے علی زئی کا یہ دعویٰ بھی باطل ہو جاتا ہے کہ: ابن خزیمہؒ کا متساہل ہونا ثابت نہیں ہے۔[۲]

نیز خود غیر مقلدین کے نزدیک بھی امام ابن خزیمہؒ تصحیح وتوثیق میں امام ابن حبانؒ کی طرح متساہل ہیں جیسا کہ ابھی شیخ البانی کا حوالہ گزرا ہے، اور عنقریب زبیر علی زئی کے استاذ مولانا عبد المنان نور پوری کا حوالہ بھی اس بابت گزر چکا ہے۔

نیز زبیر علی زئی نے امام ابن خزیمہؒ کا اپنی کتاب کے متعلق جو دعویٰ نقل کیا ہے کہ: مختصر المختصر من المسند الصحیح ...بنقل العدل...ولا جرح فی ناقلی الاخبار ...اس کا مفہوم تو یہ ہے کہ ان کی کتاب میں سب احادیث صحیح اور ان کے سارے راوی ثقہ اور غیر مجروح ہیں، لیکن علی زئی خود ان کے اس دعویٰ کو نہیں مانتے، اور اپنے مضامین میں جا بجا یہ تصریح کرتے ہیں کہ ”صحیح ابن خزیمہ“ کی یہ

---

[۱] سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ (۱: ۵۸۱ ح ۴۰۴)

[۲] ماہنامہ الحدیث (۱۷: ۲۲، ۶۷: ۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

احادیث ضعیف ہیں، اور ان کے راوی جمہور محدثین کے ہاں نہایت ضعیف ہیں۔ [۱]

معلوم ہوا کہ خود علی زئی کے نزدیک بھی ابن خزیمہؒ کا یہ دعویٰ درست نہیں ہے۔ نیز علی زئی نے "صحیح ابن خزیمہ" کی متعدد احادیث کو اس لیے ضعیف قرار دیا ہے کہ ان میں بعض مدلسین راوی عَن سے حدیث روایت کر رہے ہیں۔ [۲]

حالانکہ زبیر علی زئی نے یہ بار بار لکھا ہے کہ:

عام طالب علموں کو بھی یہ معلوم ہے کہ (غیر صحیحین میں) مدلس کی عَن والی روایت ضعیف ہوتی ہے۔ [۳]

اب جو بات عام طالب علموں کو بھی معلوم ہے، امام ابن خزیمہؒ (بقول علی زئی) اس سے بھی نابلد ہیں، تو پھر ان کی تصحیح پر اعتماد کیسے کیا جا سکتا ہے؟

④ امام ہیثمیؒ کی توثیق کا جواب

زبیر علی زئی لکھتے ہیں: ہیثمی نے کہا ہے:

"وَرِجَالُ اَبِیْ یَعْلیٰ ثِقَاتٌ" (مجمع الزوائد: ۲:۱۸۵)

"اور ابو یعلیٰ کے راوی ثقہ ہیں"

مسند ابی یعلی (۳:۳۳۵، ح ۱۷۹۹) والی اس روایت میں عیسیٰ بن جاریہ کا نام صاف طور پر موجود ہے، لہٰذا وہ ہیثمی کے نزدیک ثقہ ہیں۔ [۴]

جواب:

زبیر علی زئی کو علامہ ہیثمیؒ (م ۸۰۷ھ) کا یہ حوالہ پیش کرنے سے پہلے اپنے اکابرین،

---

[۱] مثلاً دیکھئے الحدیث (۶:۶۷، ۴۹، ۸۰:۴)، نصر الباری (ص ۲۳۷)

[۲] مثلاً دیکھئے الحدیث (۵۳:۱۴، ۶۸:۱۰)، عبادات میں بدعات (ص ۲۸۳)

[۳] مثلاً دیکھئے الحدیث (۱۵:۳۲)

[۴] الحدیث (۱۹:۴۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری ؒ، مولانا محمد گوندلوی ؒ اور مولانا ارشاد الحق اثری وغیرہ کے ان اقوال کا جواب دینا چاہیے تھا جن میں انہوں نے علامہ ہیثمی ؒ کو فن حدیث و اسماء الرجال میں کثیر الوھم اور نا قابل اعتماد قرار دیا ہے۔[۱]

نیز خود زبیر علی زئی بھی ان کی توثیق کو نا قابل اعتماد قرار دے چکے ہیں۔ مثلاً علامہ ہیثمی ؒ ایک حدیث کے متعلق لکھتے ہیں: رِجَالُهٗ ثِقَاتٌ[۲]۔ اس حدیث کے سارے راوی ثقہ ہیں۔

دیگر کئی محدثین بھی ہیثمی ؒ کی اس توثیق کی تائید کرتے ہیں۔

چنانچہ حافظ سیوطی ؒ (م ۹۱۱ھ) نے بھی اس کے راویوں کو ثقہ کہا ہے۔[۳]

حافظ ابن حجر ؒ (م ۸۵۲ھ) اس حدیث کو ''حسن'' قرار دیتے ہیں[۴]۔ اس سب کے باوجود زبیر علی زئی علامہ ہیثمی ؒ کی توثیق پر عدمِ اعتماد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حافظ ہیثمی ؒ نے اس کے راویوں کو ثقہ کہا ہے، مگر ہمیں اس کی سند نہیں ملی تاکہ حافظ صاحب کے بیان کی تحقیق کی جا سکے۔[۵]

یعنی علامہ موصوف کی توثیق علی زئی جیسے اناڑیوں کی تحقیق کی محتاج ہے۔

اور پھر اس کے چند سطروں بعد لکھتے ہیں: مجمع الزوائد والی روایت طبرانی کی سند امام ابن کثیر کی ''جامع المسانید'' جلد ۷، ص ۵۲۶ میں موجود ہے، اس کے راوی سلیمان بن

---

[۱] تفصیل کے لیے دیکھئے: رکعات تراویح ایک تحقیقی جائزہ، (ص ۲۲۱۔ ۲۲۲)، طبع اول (۳۲۱۔ ۳۲۳) طبع ثانی۔

[۲] مجمع الزوائد (۱۰: ۱۶۹)

[۳] فض الوعاء فی احادیث رفع الیدین فی الدعاء (ص ۸۶)

[۴] نتائج الافکار (۲: ۳۱۰)، نیز دیکھئے چہل حدیث مسائل نماز، (ص ۱۴۳) از راقم الحروف

[۵] ہدیۃ المسلمین: (ص ۶)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

الحسن العطار کے حالات مطلوب ہیں۔[۱]

اب اندازہ کریں! حافظ ہیثمیؒ ایک راوی کو صراحتاً ثقہ قرار دے رہے ہیں، اور ان کی یہ توثیق (زبیر علی زئی کے خود ساختہ) نظریہ جمہور کے خلاف بھی نہیں ہے، بلکہ حافظ سیوطیؒ اور حافظ ابن حجرؒ وغیرہ محدثین بھی ان کی موافقت کر رہے ہیں۔ لیکن پھر بھی زبیر علی زئی ان کی توثیق کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ جب کہ دوسری طرف وہ عیسیٰ بن جاریہ کے حق میں بڑے طمطراق سے حافظ ہیثمیؒ کی توثیق کو گلے سے لگا رہے ہیں، حالانکہ جمہور محدثین نے اس پر جرح کر رکھی ہے۔

یہ ہے ان لوگوں کا انصاف! اور نام ہے اہلحدیث: ؎

یہ ٹھہرے دین کے رہنما اب
لقب ان کا ہے وارث انبیاء اب

نیز زبیر علی زئی نے علامہ نیمویؒ (م ۱۳۲۲ھ) کی تردید میں لکھا ہے:

اس روایت کے بارے میں نیموی صاحب نے حافظ ہیثمی سے نقل کیا ہے:

اِسْنَادُہٗ حَسَنٌ (آثار السنن ۱۲۵) حالانکہ اس کی سند میں ابراہیم بن محمد البصری نامعلوم و مجہول ہے۔[۲]

اب یہاں حافظ ہیثمیؒ کے اس روایت کو حسن قرار دینے کے باوجود علی زئی اس کے راوی کو نامعلوم و مجہول قرار دے رہے ہیں، حالانکہ وہ یہ اصول بیان کر چکے ہیں کہ:

محدثین کا کسی حدیث کو حسن یا صحیح قرار دینا، ان کی طرف سے اس حدیث کے ہر ہر

---

[۱] ایضاً

[۲] الحدیث (۲۸:۵۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

راوی کی توثیق ہوتی ہے۔[۱]

اس سے معلوم ہوا کہ علی زئی کے نزدیک حافظ ہیثمیؒ محدثین میں سے ہی نہیں ہیں، اور نہ ہی ان کے کسی قول کا اعتبار ہے۔ لیکن اس سب کے باوجود علی زئی کا ان کو عیسیٰ بن جاریہ کے موثقین میں شمار کرنا ان کے لیے انتہائی باعثِ شرم ہے۔

ع آہ! شرم تجھ کو مگر نہیں آتی

⑤ حافظ ذہبیؒ کی توثیق کا جواب

زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

ذہبیؒ نے عیسیٰ بن جاریہ کی بیان کردہ ایک روایت کے بارے میں فرمایا: إِسْنَادُهُ وَسَطٌ۔ اس کی سند درمیانی ہے۔[۲]

جواب:

کسی سند کے "وسط (درمیانہ) ہونے سے اس کے راویوں کا ثقہ ہونا کس دلیل پر مبنی ہے؟ اس کا زبیر علی زئی نے کوئی حوالہ نہیں دیا، لہٰذا ان کا حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) کے اس قول کو ابن جاریہ کی توثیق میں پیش کرنا فضول ہے۔ ہم نے پہلے بھی زبیر علی زئی کو حافظ ذہبیؒ کے اس قول کا جواب دیا تھا کہ: اگر ذہبیؒ کا ابن جاریہ کی سند کو "وسط" کہنا اس کی حدیث کے صحیح یا حسن، اور اس کے راویوں کے ثقہ ہونے کی دلیل ہے تو پھر ذہبیؒ نے ہی امام ابو یوسفؒ کی امام ابوحنیفہؒ سے روایت کردہ سند کو عالی (جو وسط سے برتر ہے) قرار دیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود غیر مقلدین اس سند کو صحیح تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ چنانچہ مولانا ارشاد

---

[۱] نصر الباری (ص ۱۸)

[۲] الحدیث (۴۷: ۱۹) بحوالہ میزان الاعتدال (۲: ۳۱۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

الحق اثری لکھتے ہیں:

علامہ ذہبیؒ "انا ابو یوسف، انا ابو حنیفہ" کی سند کو عالی کہتے ہیں، مگر ہر عالی سند صحیح نہیں ہوتی۔[۱]

نیز لکھتے ہیں: مؤلف احسن الکلام کا یہاں ایک دوسری سند کو عالی ثابت کر دینا اس طریق کے صحت کی قطعاً دلیل نہیں۔[۲]

قارئین! غیر مقلدین کی ستم ظریفی ملاحظہ کریں کہ علامہ ذہبیؒ کے امام اعظم ابو حنیفہؒ کی سند کو عالی کہنے کے باوجود یہ لوگ اس کو صحیح ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں، لیکن حافظ ذہبیؒ نے جب عیسیٰ بن جاریہ کی سند کو "وسط" (جو عالی سے کم تر ہے) کہا تو یہ لوگ اس کو ثقہ اور اس کی حدیث کے صحیح ماننے کا ہم سے مطالبہ کر رہے ہیں۔[۳]

زبیر علی زئی ابھی تک ہمارے اس جواب کو رَد کرنے کی جرأت نہیں کر سکے، اور نہ ہی ان شاء اللہ ان میں اس کے لیے ہمت ہے۔ (اب تو وہ یہ قرض سر پر لے کر ہی دنیا سے جا چکے ہیں) وہ تو محض اپنے پیش رووں کے چبائے ہوئے نوالے نگل رہے ہیں۔

ثانیاً: اگر بالفرض مان ہی لیا جائے کہ حافظ ذہبیؒ کا عیسیٰ بن جاریہ کی سند کو وسط کہنا اس کی توثیق کو مستلزم ہے، تو پھر بھی خود زبیر علی زئی کے اصول کی روشنی میں یہ (فرضی) توثیق اس کے لیے کارآمد نہیں ہے۔ چنانچہ ابن جاریہ کے متعلق اقوالِ جرح میں گزرا ہے کہ حافظ ذہبیؒ نے اس کو اپنی کتاب "دیوان الضعفاء والمتروکین" (۲:۲۱۹) میں ذکر کر کے اس کے خلاف جرح نقل کی ہے، اور اس کو کوئی دفاع نہیں کیا۔ جب کہ زبیر صاحب نے امام ابو یوسفؒ کے خلاف لکھا ہے کہ: ذہبی نے "دیوان الضعفاء"

---

[۱] توضیح الکلام (۲:۶۶۷)

[۲] ایضاً (۲:۶۶۸)

[۳] دیکھئے رکعات تراویح ایک تحقیقی جائزہ (ص ۲۲۴۔ ۲۲۵)، (ص ۳۲۶، ۳۲۷) طبع ثانی

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

میں ابو یوسف کا کوئی دفاع نہیں کیا، جب کہ "تلخیص المستدرک" میں اسے "حسن الحدیث" کہا ہے۔ یہ دونوں تحقیقات باہم متعارض ہو کر ساقط ہو گئیں۔[1]

لہٰذا اس "علی زئی غیر مقلدانہ اصول" کی روشنی میں عیسیٰ بن جاریہ کی یہ "فرضی توثیق" بھی جرح سے متصادم ہو کر ساقط ہو گئی ہے، اور زبیر صاحب نے جو تیر امام ابو یوسف ؒ کی طرف چلایا تھا اس سے ان کا تو کچھ نہیں بگڑا، مگر خود زبیر علی زئی کے پسندیدہ راوی کو چیرتا ہوا نکل گیا۔

ع چلی تھی برچھی کسی پر کسی کے آن لگی

⑥ امام منذری ؒ کی توثیق کا جواب

زبیر علی زئی نے لکھا ہے:

انہوں (منذری ؒ) نے عیسیٰ بن جاریہ کی ایک حدیث کے بارے میں "باسناد جید" (اچھی سند کے ساتھ) فرمایا ہے۔[2]

جواب:

ہم زبیر علی زئی کو امام منذری ؒ (م ۶۵۶ھ) کی توثیق کا جواب بھی دے چکے ہیں کہ خود زبیر علی زئی کے ممدوح شیخ البانی (جن کو زبیر صاحب نے: محدث العصر، امام المحدثین اور محقق امام قرار دیا ہے۔[3] نے امام منذری ؒ کو ائمہ جرح و تعدیل کی صف سے خارج کر دیا ہے، اور ان کی توثیق کو کالعدم کہا ہے۔[4]

اب جب کہ امام منذری ؒ آپ کے محدث العصر، امام المحدثین اور محقق امام،

---

[1] الحدیث (۱۹:۵۲)

[2] الحدیث (۴۷:۱۹) بحوالہ الترغیب والترہیب (۱:۵۰۷، ح ۱۰۶۹)

[3] حاشیہ عبادات میں بدعات (ص ۱۲۸)، الحدیث (۲:۳۵)

[4] دیکھئے: رکعات تراویح ایک تحقیقی جائزہ: (ص ۲۲۵) طبع اول (ص ۳۲۵) طبع ثانی

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کے بقول: اہل جرح و تعدیل میں سے ہی نہیں ہیں تو پھر آپ بار بار ان کے اس قول کو کیوں پیش کر رہے ہیں؟

نیز خود علی زئی بھی امام منذریؒ کو ائمہ جرح و تعدیل میں سے نہیں سمجھتے، چنانچہ امام ترمذیؒ اور امام منذریؒ نے ایک حدیث کی تصحیح کی ہے، جو کہ علی زئی کے مؤقف کے خلاف ہے، اس لیے علی زئی نے ان دونوں جبالِ علم کی اس تصحیح کا مذاق اڑاتے ہوئے لکھا ہے:

> ابن جریج مدلس کی یہ روایت عن سے ہے، اور عام طالب علموں کو بھی معلوم ہے کہ (غیر صحیحین میں) مدلس کی عَن والی روایت ضعیف ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔ ابن جریج کی تدلیس کے باوجود امام ترمذی کا اسے "حسن صحیح غریب" کہنا عجیب وغریب ہے۔ حافظ منذری کا "رُوَاتُهٗ اَثْبَاتٌ" کی وجہ سے اسے صحیح کہنا بھی ناقابل فہم ہے۔ مدلس کے عن اور عدم تصریح سماع کے باوجود اس کی تصحیح کیونکر صحیح ہو سکتی ہے؟[۱]

علی زئی کے اس اقتباس سے معلوم ہو رہا ہے کہ ان کی نظر میں امام ترمذیؒ اور امام منذریؒ دونوں علمِ حدیث میں اس قدر گئے گزرے ہیں کہ عام طالب علموں کی صف میں بھی شامل ہونے کے قابل نہیں ہیں، کیونکہ ان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ مدلس کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے، حالانکہ یہ بات زبیر علی زئی جیسے کپڑا فروش اور علم سے تہی دامن شخص کو بھی معلوم ہے۔ اب جب کہ علی زئی کی نظر میں امام منذریؒ کا یہ مقام ہے تو پھر وہ ان کو یہاں بطور امام الجرح والتعدیل پیش کرتے ہوئے شرما کیوں نہیں رہے؟

ع آہ! شرم تجھ کو مگر نہیں آتی

نیز علی زئی ایک روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:

> اس روایت کے راوی طریف بن عیسیٰ العنبری کی توثیق صرف ابن حبان (الثقات

---

[۱] الحدیث (۳۲:۱۵)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

۳۲۷:۸)، منذری (الترغیب والترھیب ۳:۱۵۱) اور ہیثمی (مجمع الزوائد ۹:۱۷۳) سے ثابت ہے، لیکن اس توثیق میں نظر ہے۔ [۱]

⑦ امام بوصیریؒ کی توثیق کا جواب

زبیر علی زئی صاحب نے لکھا ہے:

انہوں (امام بوصیریؒ) نے عیسیٰ بن جاریہ کی بیان کردہ ایک حدیث کے بارے میں فرمایا:

"هٰذَا اِسْنَادٌ حَسَنٌ، يَعْقُوْبُ مُخْتَلَفٌ فِيْهِ وَالْبَاقِيْ ثِقَاتٌ۔"

[زوائد ابن ماجہ: ۱۲۴۱]

"معلوم ہوا کہ بوصیری کے نزدیک عیسیٰ بن جاریہ ثقہ ہیں۔" [۲]

جواب: علامہ بوصیریؒ (م ۸۴۰ھ) کی تحقیقات کو بھی زبیر علی زئی کے ممدوح شیخ البانی نے ناقابل اعتماد قرار دیا ہے۔ [۳]

نیز علی زئی کے ایک اور ممدوح مولانا ارشاد الحق اثری نے بھی علامہ بوصیریؒ کو ناقابل اعتماد قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

علامہ بوصیری اگرچہ حفاظ حدیث میں شمار ہوتے ہیں، مگر علامہ سخاوی فرماتے ہیں:

"لَا خِبْرَةَ بِالْفَنِّ كَمَا يَنْبَغِيْ" کہ انہیں فن حدیث سے کماحقہ لگاؤ نہ تھا [۴]۔

اور خود زبیر علی زئی کے نزدیک بھی یہ ناقابل اعتماد ہیں، چنانچہ انہوں نے ایک حدیث

---

[۱] ایضاً (۹۵:۹۵)

[۲] الحدیث (۴۷:۱۹)

[۳] تحقیق مشکوٰۃ المصابیح (۱:۸۷)

[۴] توضیح الکلام (ص ۸۵۲) طبع ثانی

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کی سند کو حسن قرار دیا ہے، اور اس میں حافظ سیوطیؒ نے بھی ان کی موافقت کی ہے، لیکن علی زئی ان دونوں کی تحسین کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس سند کو بوصیری وسیوطی کا حسن قرار دینا غلط ہے۔[۱]

بلکہ علی زئی نے ان کو نقلِ حدیث میں بھی ناقابلِ اعتماد قرار دیا ہے۔ چنانچہ علامہ موصوف نے اپنی کتاب "اتحاف الخیرۃ المھرۃ" (۲۱۶:۲) میں امام احمد بن منیعؒ (م ۲۴۴ھ) کی مُسند سے ایک حدیث بہ سند نقل کی ہے، زبیر علی زئی ان کی اس نقل کو ناقابل اعتماد قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

احمد بن منیع کی اصل کتاب کہیں بھی نہیں ملی، اور بوصیری اس کی وفات کے صدیوں بعد پیدا ہوا تھا۔[۲]

اب جب کہ زبیر علی زئی کے نزدیک علامہ بوصیریؒ اپنی نقل میں بھی ناقابل اعتماد ہیں تو پھر وہ جرح وتعدیل جیسے اہم مسئلہ میں کیسے قابل اعتماد ہو سکتے ہیں؟ بالخصوص جب وہ عیسیٰ بن جاریہ کی وفات کے صدیوں بعد پیدا ہوئے ہیں۔

ثانیاً: علامہ بوصیریؒ نے ابن جاریہؒ کی تراویح سے متعلق روایت کردہ حدیث کو اس کے شاگرد یعقوب اشعری قُمی کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"وَمَدَارُ اِسْنَادِ جَابِرٍ هٰذَا عَلَى يَعْقُوْبَ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْاَشْعَرِيِّ

---

[۱] الحدیث (۶:۲۳)

[۲] نصر الباری (ص ۷۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

وَهُوَ ضَعِيْفٌ۔"[۱]

"حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا مدار یعقوب بن عبداللہ اشعری پر ہے، اور وہ ضعیف ہے۔"

بنابریں علامہ بوصیری ؒ نے ابن جاریہ کی جو توثیق کی ہے، اس سے اس کی تراویح والی مذکورہ حدیث کو تو کچھ فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ لہٰذا ابن جاریہ کے متعلق ان کی توثیق نقل کرنا فضول ہے۔

⑧ امام ابویعلیٰ خلیلی ؒ کی توثیق کا جواب

زبیر علی زئی نے لکھا ہے:

ابویعلیٰ الخلیلی ؒ نے کہا: وَرَوَى عَنْهُ الْعُلَمَاءُ مَحَلُّهُ الصِّدْقُ۔ الارشاد (۲: ۸۶۷ ت ۶۷۵) ان سے علماء نے روایت کی، اور وہ سچائی کے مقام پر (یعنی سچے) ہیں۔

تنبیہ: الارشاد کے مطبوعہ نسخے میں کچھ گڑبڑ بھی ہے۔ کسی دوسرے راوی کے بارے میں لکھے ہوئے الفاظ اس تذکرے میں بھی آگئے ہیں جن کی محشی نے صراحت کر دی ہے۔[۲]

جواب:

"کتاب الارشاد" کے مطبوعہ نسخے میں عیسیٰ بن جاریہ کا ترجمہ یوں مذکور ہے:

" تَابِعِيٌّ، وَقَعَ إِلَى قُمَّ يَرْوِي عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيِّ، سَكَنَ قُمَّ رَجُلٌ مِّنَ الْفُقَهَاءِ عَلَى مَذْهَبِ الْكُوفِيِّيْنَ، اسْتُقْضِيَ

---

[۱] اتحاف الخیرۃ المہرۃ (۲: ۴۲۳، ح ۲۳۸۳)

[۲] الحدیث (۴۷: ۱۹)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بِهَا وَكَانَ عَارِفًا بِالْحَدِيْثِ، وَلَهُ تَصَانِيْفُ فِيْ ذٰلِكَ، سَمِعَ اَبَا سَعِيْدٍ الْاَشَجَّ، وَعَلِيَّ بْنَ الْمُنْذِرِ وَغَيْرَهُمَا. حَدَّثَنِيْ عَنْهُ عَلِيُّ بْنُ اَحْمَدَ بْنِ عَلِيِّ بْنِ يُوْسُفَ الْوَرَامِيْنِيُّ، قَدِمَ عَلَيْنَا وَرَوَى عَنْهُ الْعُلَمَاءُ، مَحَلُّهُ الصِّدْقُ۔"[1]

"اس ترجمہ میں یہ بھی تصریح ہے کہ عیسیٰ بن جاریہ کوفیوں کے مذہب پر فقیہ ہے، اور وہ ابوسعید اشج ؒ اور علی بن منذر ؒ وغیرہ سے روایت کرتا ہے۔ جب کہ یہ دونوں باتیں زبیر علی زئی کو مفید نہیں ہیں۔"

اول، اس لیے کہ ان غیر مقلدین کو "کوفی فقہ" سے جو الرجی ہے وہ سب کو معلوم ہے۔

ثانی، اس لیے کہ عیسیٰ بن جاریہ ؒ طبقہ رابعہ کا راوی ہے۔[2] اور طبقہ رابعہ والے طبقہ ثالثہ والوں کے ہم عصر ہیں کہ جن کی وفات ایک سو ہجری سے پہلے ہوئی ہے۔[3]

اب ایک شخص جو کہ ۱۰۰ ہجری سے پہلے یا اس کے تھوڑے عرصہ بعد فوت ہو چکا ہو، اس کے لیے یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اپنی وفات کے تقریباً ساٹھ سال بعد پیدا ہونے والے ابوسعید اشج ؒ (جن کی ولادت تقریباً ۱۶۷ھ میں ہوئی۔[4]) سے حدیث کا سماع کرے۔

یہ دونوں باتیں چونکہ زبیر علی زئی کے لیے پریشانی کا باعث تھیں اس لیے انہوں نے ان دونوں باتوں سے جان چھڑانے کے لیے، ان کو گڑبڑ قرار دے کر اور یہ کہہ کر کہ: یہ باتیں کسی دوسرے راوی کی عیسیٰ بن جاریہ کے ترجمہ میں آگئی ہیں، رد کر دیا، جب کہ ان دونوں

---

[1] کتاب الارشاد فی معرفۃ علماء الحدیث: (ت ۸۴۱، ص ۳۵۵) طبع الفاروق الحدیثیۃ قاہرہ

[2] تقریب التھذیب (۱:۶۹)

[3] ایضاً (۱:۲۵)

[4] تذکرۃ الحفاظ (۲:۶۶)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

باتوں کے بعد جو تیسری بات (مَحَلُّهُ الصِّدْقُ) مذکور ہے، اس سے چونکہ ان کا اپنا مفاد وابستہ تھا، اس لیے اس کو گلے لگالیا ہے۔ انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ یا تو ان تینوں باتوں کو قبول کرتے، یا پھر ان تینوں کو رد کر دیتے، لیکن انہوں نے یہاں بھی حسبِ عادت ڈنڈی مارتے ہوئے اپنی مفید مطلب بات کو لے لیا، اور جو اپنی مفید مطلب باتیں نہیں تھیں ان کو چھوڑ دیا۔ گویا:

ع میٹھا میٹھا ہپ کڑوا کڑوا تھو

نیز زبیر علی زئی نے یہاں یہ تو کہہ دیا ہے کہ کسی دوسرے راوی کے بارے میں لکھے ہوئے الفاظ ابن جاریہ کے تذکرے میں آگئے ہیں، لیکن انہوں نے اس پر کوئی دلیل نہیں دی کہ ابن جاریہ کے تذکرے میں "مَحَلُّهُ الصِّدْقُ" کے جو الفاظ ہیں یہ واقعی اس کے بارے میں ہیں، یا یہ بھی کسی دوسرے راوی کے بارے میں تھے اور گڑبڑ ہو کر اس کے تذکرے میں آگئے ہیں؟

ثانیاً: اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ "مَحَلُّهُ الصِّدْقُ" کے الفاظ عیسیٰ بن جاریہ کے بارے میں ہی ہیں، تو پھر بھی باقرار علی زئی وغیرہ غیر مقلدین یہ اس کی توثیق کے لیے کافی نہیں ہیں، اس لیے کہ "مَحَلُّهُ الصِّدْقُ" کا مطلب صرف اتنا ہے کہ یہ سچا ہے، اور جھوٹ نہیں بولتا، (جیسا کہ خود علی زئی نے اس کا مفہوم: سچے ہیں' بیان کیا ہے) جب کہ زبیر علی زئی کے استاذ مولانا عبدالمنان نور پوری (م ۱۴۳۳ھ) لکھتے ہیں:

راوی کے ثقہ ہونے کے لیے اس کے سچا ہونے کے علاوہ اور صفات بھی درکار ہیں۔ [۱]

خود زبیر علی زئی نے ایک راوی سے متعلق وارد اسی قسم کے الفاظ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

---

[۱] مکالمات نور پوری (ص ۶۵۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

یہ بات اس کے ضعیف ہونے کے منافی نہیں ہے۔ کتنے ہی سچے اشخاص حافظے کی وجہ سے ضعیف تھے۔ [۱]

کیا زبیر علی زئی سے یہاں بھی ایسے ہی فیصلے کی توقع کی جا سکتی ہے۔ دیدہ باید۔

قارئین! یہ ہے ابن جاریہؒ کے بارے میں زبیر علی زئی کے ذکر کردہ توثیقی اقوال کی کل کائنات، آپ نے اچھی طرح ملاحظہ کر لیا ہے کہ خود زبیر علی زئی کے اصولوں کی روشنی میں بھی یہ سب اقوال کالعدم ہیں، اور ان میں سے کسی ایک قول سے بھی ابن جاریہ کا ثقہ ہونا ثابت نہیں ہو سکتا، لیکن اس کے باوجود زبیر علی زئی یہی راگ الاپ رہے ہیں کہ وہ جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

زبیر علی زئی کا دھوکہ

ہم اس سے پہلے اپنی کتاب "رکعات تراویح ایک تحقیقی جائزہ" میں بھی اکابرین غیر مقلدین کے اقوال سے ان اقوال کا غیر معتبر اور ابن جاریہ کے لیے غیر مفید ہونا ثابت کر چکے ہیں۔ الحمدللہ!

زبیر علی زئی کو ان ٹھوس حوالجات کا مدلل رد کرنے کی جرأت تو نہ ہو سکی، البتہ انہوں نے اپنی شرمندگی پر پردہ ڈالنے کے لیے یہ کہہ دیا ہے کہ:

یہ صرف اہل تقلید کی شعبدہ بازیاں ہیں۔ [۲]

نیز لکھتے ہیں:

بعض تقلیدی حضرات جب دیکھتے ہیں کہ فریق مخالف کی حدیث میں جو راوی ہے، اسے ابوزرعہ، ابن خزیمہ، ابن حبان، ذہبی اور ہیثمی وغیرہم ثقہ وصدوق سمجھتے ہیں تو وہ ان

---

[۱] نور العینین (ص ۱۶۱)

[۲] الحدیث (۷۴: ۱۲)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ائمہ کے بعض دیگر اقوال وتحقیقات پیش کر کے یہ راگ الاپنا شروع کر دیتے ہیں کہ (۱) لاباس بہ..... کچھ مفید نہیں ہے۔ (۲) ابن حبان.... غیر معتبر ہے۔ (۳) ابن خزیمہ نے حدیث ابن جاریہ کی تصحیح نہیں فرمائی۔ (۴) علامہ ہیثمی کی تصحیح وتحسین بھی غیر مقلدین کے ہاں معتبر نہیں.... وغیرہ، جیسا کہ حافظ ظہور احمد الحسینی دیوبندی تقلیدی نے اپنی کتاب ''رکعات تراویح ایک تحقیقی جائزہ'' (۲۱۷۔۲۲۹) میں لکھ رکھا ہے۔[۱]

اس بیان میں زبیر علی زئی غیر مقلد یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ راقم الحروف (ظہور احمد الحسینی) نے اپنی طرف سے ان ائمہ کے دیگر اقوال پیش کر کے ان ائمہ کی توثیق کو غیر معتبر کہا ہے۔ حالانکہ یہ زبیر علی زئی کا سراسر دھوکہ اور جھوٹ ہے، میں نے اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا، بلکہ ان ائمہ کے بارہ میں خود علمائے غیر مقلدین کے اقوال پیش کیے ہیں جن میں انہوں نے تصریح کی ہے کہ ان ائمہ کی توثیق معتبر نہیں ہے۔ چنانچہ خود علمائے غیر مقلدین نے کہا ہے کہ: ''لاباس بہ'' سے راوی کا قابل حجت ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

(۲) ابن حبان کی توثیق ان کے تساہل کی وجہ سے غیر معتبر ہے۔

(۳) ابن خزیمہ کی ساری حدیثیں صحیح نہیں ہیں، لہٰذا اس میں کسی حدیث کا ہونا اس کی تصحیح کی دلیل نہیں ہے۔

(۴) ہیثمی کے اوہام ہیں، لہٰذا اس کی توثیق بھی معتبر نہیں ہے.... وغیرہ۔

زبیر علی زئی کی ایمانداری کو داد دیجئے کہ اپنے اکابرین کے اس کچرے کو ہمارے سر ڈال رہے ہیں۔

ثانیاً: اب تو ہم نے اپنے اس مضمون میں خود زبیر علی زئی سے ثابت کر دکھا دیا ہے کہ ان سب ائمہ کی توثیق کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ الحمد للہ! اب تو زبیر صاحب کو

---

[۱] ایضاً (۷۴:۲۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

مان ہی لینا چاہیے۔ ؎

ضد چھوڑیئے برسر انصاف آئیے
انکار ہی رہے گا میری جان کب تلک

جمہوریت کی دنیا میں ایک بدترین دھاندلی

زبیر علی زئی عیسیٰ بن جاریہ کے متعلق محدثین کی توثیق اور جرح نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جمہور محدثین کے نزدیک عیسیٰ بن جاریہ ثقہ وصدوق ہیں، لہٰذا حسن الحدیث ہیں۔ پانچ کے مقابلے میں سات یا آٹھ ہی جمہور ہوتے ہیں۔ الخ۔ [۱]

لیکن زبیر علی زئی کا یہ فیصلہ جمہوریت کی دنیا میں ایک بدترین دھاندلی ہے، کیونکہ ابن جاریہ پر کم ازکم بارہ محدثین (یحییٰ بن معین ؒ، نسائی ؒ ابوداود، ابن عدی ؒ، ابن القیسرانی ؒ، عقیلی ؒ، ساجی ؒ، ابن رجب ؒ، ابن الجوزی ؒ، ذہبی ؒ اور ابن حجر ؒ) نے جرح کی ہے، اور ان میں سے جن کے اقوالِ جرح پر علی زئی نے جو اعتراضات اٹھائے تھے ان کے جوابات ہم خود ان کے اپنے مسلّمات کی روشنی میں دے چکے ہیں، اس کے برعکس انہوں نے جن آٹھ محدثین سے ابن جاریہ کی توثیق نقل کی ہے، ان میں سے ہر ایک کی توثیق بھی ہم خود زبیر علی زئی کے اپنے بیان کردہ اصولوں سے باطل وکالعدم ثابت کر چکے ہیں۔ اس کے باوجود زبیر علی زئی کا اپنی اس جعلی جمہوریت کا واویلا کر کے ابن جاریہ کو ثقہ ثابت کرنا محض دھوکہ اور بدترین دھاندلی ہے۔

اور اگر بالفرض مان لیا جائے کہ جمہور محدثین نے ابن جاریہ کی توثیق کی ہے، لیکن یہ جمہوریت اس کو کیا فائدہ دے گی جب اس پر جو جرح کی گئی ہے وہ باقرار علمائے

---

[۱] الحدیث (۴۷: ۱۹۔ ۲۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

غیر مقلدین مفسر اور نہایت سنگین ہے۔[1]

اور چوٹی کے علمائے غیر مقلدین (مولانا محمد گوندلویؒ اور مولانا ارشاد الحق اثری وغیرہ) اور خود زبیر علی زئی یہ تسلیم کر چکے ہیں کہ جرح مفسر تعدیل پر مقدم ہوتی ہے، اگرچہ تعدیل کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔ ان کے بیانات آگے آ رہے ہیں۔

لہٰذا عیسیٰ بن جاریہ ہر حال میں ضعیف ٹھہرتا ہے، لیکن زبیر علی زئی غیر مقلد!

ع تیرا جی نہ چاہے تو بہانے ہیں ہزار

زبیر علی زئی کے الزامی دلائل کی وضاحت

زبیر علی زئی نے عیسیٰ بن جاریہ کی توثیق میں بطور الزام بھی تین دلائل ذکر کیے ہیں۔

(۱) امام بخاریؒ نے "التاریخ الکبیر" (۶:۳۸۵) میں اس کو ذکر کیا ہے، اور اس پر کوئی طعن نہیں کیا۔ ظفر احمد تھانوی دیوبندی فرماتے ہیں کہ بخاری نے اپنی تاریخوں میں جس کسی کو بھی ذکر کیا ہے، اور اس پر طعن نہیں کیا وہ ثقہ ہے۔ قواعد فی علوم الحدیث، (ص ۲۲۳)

(۲) حافظ ابن ابی حاتم الرازی نے عیسیٰ بن جاریہ کو اپنی کتاب "الجرح والتعدیل" (۶:۲۷۳) میں ذکر کیا، اور ابو حاتم الرازی سے ان پر کوئی جرح نقل نہیں کی۔ ظفر احمد تھانوی صاحب نے ایک اصول بتایا ہے کہ ابو زرعہ یا ابو حاتم کا جرح سے سکوت کرنا راوی کی توثیق ہوتی ہے۔ قواعد فی علوم الحدیث (ص ۲۴۸)

(۳) نیموی تقلیدی نے عیسیٰ بن جاریہ کی بیان کردہ ایک روایت ذکر کر کے کہا: وَاِسْنَادُہٗ صَحِیْحٌ۔ آثار السنن (۹۲۱)[2]

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھئے: رکعات تراویح ایک تحقیقی جائزہ (ص :۲۱۰، ۲۱۷) طبع اول، (ص ۳۰۵۔۳۱۵) طبع ثانی

[2] الحدیث (۴۷:۲۰)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

زبیر علی زئی یہاں بھی دھوکہ دے رہے ہیں کہ امام بخاریؒ (م ۲۵۶ھ) اور امام ابو حاتمؒ (م ۲۷۷ھ) کے سکوت کا توثیق کی دلیل ہونا یہ مولانا ظفر احمد تھانویؒ (م ۱۳۹۴ھ) کا اپنا بنایا ہوا اصول ہے، حالانکہ مولانا نے امام بخاریؒ کے سکوت والا قول قاضی شوکانی ؒ غیر مقلد (م ۱۲۵۰ھ) سے نقل کیا ہے، جنہوں نے یہ قول امام مجد الدین ابن تیمیہؒ (م ۶۵۲ھ) کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔[۱]

اسی طرح امام ابو حاتم (م ۲۷۷ھ) کے سکوت کا توثیق ہونا انہوں نے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) سے نقل کیا ہے۔[۲]

اور پھر زبیر علی زئی نے امام ابو حاتمؒ کے قول کی بابت ڈبل دھوکہ دیا ہے، ایک تو یہ کہ حافظ ابن حجرؒ کے قول کو ناقل (مولانا ظفر احمد تھانویؒ) کا قول بنا کر پیش کیا، دوسرا یہاں کتابت کی بات ہو رہی ہے کہ: وَ كِتَابَةُ أَبِي زُرْعَةَ أَوْ أَبِي حَاتِمٍ عَنْ أَحَدٍ مَعَ سُكُوْتِهٖ عَنِ الْجَرْحِ فِيْهِ تَوْثِيْقٌ لَهٗ۔ "امام ابو زرعہؒ اور امام ابو حاتمؒ کا کسی راوی سے حدیث لکھنا اور اس کے بارے میں جرح نہ کرنا یہ اس راوی کی توثیق ہے" لیکن زبیر صاحب اس کو یوں بنا کر پیش کر رہے ہیں کہ: ابو حاتم اور ابو زرعہ کا صرف کسی راوی پر جرح کرنے سے سکوت کرنا ہی اس کی توثیق ہے۔ کتابت والی بات انہوں نے جان بوجھ کر چھپالی ہے، کیونکہ امام ابو حاتمؒ نے ابن جاریہ سے کوئی حدیث نہیں لکھی، بلکہ وہ تو اس کے زمانے میں پیدا بھی نہیں ہوئے ہوں گے۔

الحاصل! ان دونوں اقوال میں سے پہلا قول قاضی شوکانی ؒ غیر مقلد کا ہے، جنہوں نے اس کو بحوالہ علامہ مجد الدین ابن تیمیہؒ ذکر کیا ہے، اور دوسرا قول حافظ ابن حجرؒ کا ہے، مولانا ظفر

---

[۱] قواعد فی علوم الحدیث (ص ۲۲۳)

[۲] ایضاً (ص ۴۰۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

احمد صاحبؒ تو محض ناقل ہیں۔

ہم نے ان دونوں اقوال کا غلط اور خلافِ تحقیق ہونا خود علمائے غیر مقلدین کے اقوال سے ثابت کر چکے ہیں۔[۱]

اور خود زبیر علی بھی ان دونوں قولوں کو مرجوح بلکہ باطل قرار دے چکے ہیں۔[۲]

پھر وہ کس منہ سے امام بخاریؒ (م ۲۵۶ھ) اور امام ابو حاتمؒ (م ۲۷۷ھ) کے سکوت کو ہمارے خلاف بطور الزام پیش کر رہے ہیں۔

ع آہ! شرم تجھ کو مگر نہیں آتی

اور پھر ان کا دوغلہ پن ملاحظہ ہو کہ ایک طرف وہ امام بخاریؒ اور امام ابو حاتمؒ کے سکوت والے قول کو مرجوح اور باطل قرار دیتے ہیں، اور دوسری طرف اپنے پسندیدہ راویوں کو ثقہ ثابت کرنے کے لیے اس قول سے استدلال بھی کرتے ہیں۔[۳]

نیز عیسیٰ بن جاریہ کے بارے میں بھی انہوں نے پہلے اس قول سے استدلال کیا تھا۔[۴] اور اب اس کو بطور الزام پیش کر رہے ہیں۔

حالانکہ علی زئی نے یہ بقلم خود لکھا ہے کہ:

الزامی جواب دو شرطوں کے ساتھ مقید ہوتا ہے:

① فریق مخالف اسے تسلیم کرے۔

---

[۱] دیکھئے رکعات تراویح ایک تحقیقی جائزہ، (ص ۲۲۵،۲۲۶،۲۲۸،۲۲۹) طبع اول، (ص ۳۲۷۔ ۳۲۹،۳۳۳۔۳۳۴) طبع ثانی

[۲] نور العینین، (ص ۱۸۹)، الحدیث (۲۱:۳۷)۔

[۳] مثلاً دیکھئے نور العینین (ص ۱۹۴،۲۴۶)

[۴] تعداد رکعات قیام رمضان، (ص ۱۸۔۱۹)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

② کوئی حقیقی جواب بھی موجود ہو۔[۱]

جب کہ یہاں یہ دونوں شرطیں مفقود ہیں۔

جہاں تک علامہ نیمویؒ (م ۱۳۲۲ھ) کے حوالے کا تعلق ہے تو علامہ موصوف عیسیٰ بن جاریہ کو ضعیف قرار دیتے ہیں[۲] باقی انہوں نے اس کی "مسند ابی یعلیٰ" والی روایت کی سند کو جو صحیح کہا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ "مسند ابی یعلیٰ" ان کے زیر نظر نہیں تھی کیونکہ یہ ان کی وفات کے بعد ابھی چند سال پہلے طبع ہوئی ہے، علامہ موصوف نے اس حدیث کو غالباً "مجمع الزوائد للہیثمی" سے نقل کیا ہے، اور علامہ ہیثمیؒ (م ۸۰۷ھ) نے چونکہ اس کے راویوں کو ثقہ کہا ہے، اس لیے علامہ موصوف نے بھی ان پر اعتماد کر کے اس کی سند کو صحیح کہہ دیا ہے۔ فلا اشکال۔

دوسرا اس کی تائید دیگر کئی احادیث (جن میں خطبۂ جمعہ کے دوران کلام کرنے کی ممانعت ہے) سے بھی ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ حدیث اپنے مؤیدات کی وجہ سے صحیح ہے، بخلاف گیارہ رکعات والی روایت کہ اس میں ابن جاریہ متفرد ہے۔

غرض، زبیر علی زئی کا ان تینوں اقوال کو بطور الزام پیش کرنا بھی باطل ہے۔

زبیر علی زئی کا نظریہ جمہور اور اس کی حقیقت

آج کل یورپ اور امریکہ والے جمہوریت کا بڑا نعرہ لگاتے ہیں، لیکن سب کو معلوم ہے کہ ان کا یہ نعرہ محض دکھلاوا اور "ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور کھانے کے اور" کا مصداق ہے، یہی حال ہمارے کرم فرما زبیر علی زئی غیر مقلد کا بھی ہے کہ وہ بھی جمہوریت کا

---

[۱] الحدیث (۹۸:۳۰)

[۲] التعلیق الحسن مع آثار السنن (ص ۳۹۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

بہت ڈھنڈورا پیٹتے ہیں، اور ہر وقت یہی باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم تو ہر حدیث اور اس کے راویوں کی تحقیق میں جمہور محدثین کو ہی ترجیح دیتے ہیں، جب کہ ہمارے مخالفین ایسا نہیں کرتے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے اس تازہ مضمون میں بھی چند راویوں کے نام گنانے کے بعد لکھا ہے کہ:

حالانکہ جمہور محدثین کے مقابلے میں بعض محدثین کی جرح وتعدیل مرجوح ومردود ہوتی ہے۔ سرفراز خان صفدر دیوبندی تقلیدی نے اعلان کر رکھا ہے کہ ہم نے توثیق وتضعیف میں جمہور ائمہ جرح وتعدیل اور اکثر ائمہ حدیث کا ساتھ اور دامن نہیں چھوڑا۔ مثل مشہور ہے کہ:

ع زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو

احسن الکلام (۱: ۴۰) طبع دوم

حالانکہ ابوشیبہ... وغیرہم کے بارے میں ان لوگوں نے جمہور کا دامن چھوڑ کر اقلیت کے جھنڈے تلے پناہ لے رکھی ہے۔ لینے اور دینے کے پیمانے ایک جیسے ہونے چاہئیں، ورنہ ایک دن عدالت انصاف میں جواب دینا پڑے گا۔ [۱]

زبیر علی زئی کے اس واویلا پر پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ علم سے یتیم اور تہی دامن انسان جمہور محدثین کا ساتھ اور دامن کا مطلب یہ سمجھ رہا ہے کہ جیسے مغربی جمہوریت میں ووٹنگ (انتخاب) کا نظام ہے، ایسے ہی کسی راوی کے بارے میں محدثین سے ووٹ (رائے) لیے جائیں، اور جس طرف (جرح وتعدیل میں) زیادہ ووٹ پڑیں، اس راوی کے بارے میں وہی فیصلہ کرلیا جائے۔ اناللہ....

حضرت امام اہلسنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ (م ۱۴۳۰ھ) کا حوالہ نقل

---

[۱] الحدیث (۲۰: ۲۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

کرنے میں بھی زبیر علی زئی نے اپنی سابقہ روش کے مطابق ڈنڈی ماری ہے، حضرت امام اہلسنت رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ہم نے بعض مقامات پر ائمہ جرح وتعدیل اور جمہور محدثین کرام کے مسلمہ اور طے شدہ اصول وضوابط کے عین مطابق ثقہ راویوں سے متعلق ثقاہت اور عدالت کے اقوال تو نقل کر دیے ہیں، لیکن اگر بعض ائمہ کا کوئی جرحی کلمہ ملا ہے تو وہ نظر انداز کر دیا ہے۔ اسی طرح اگر کسی ضعیف اور کمزور راوی کے بارے میں کسی امام کا کوئی توثیق کا جملہ ملا ہے تو اس کو بھی درخور اعتنا نہیں سمجھا... [۱]

اب یہاں حضرت امام اہلسنت رحمہ اللہ ایک اصول بیان فرما رہے ہیں کہ ایک راوی جو ائمہ جرح وتعدیل اور جمہور محدثین کے مسلمہ اور طے شدہ اصولوں کی روشنی میں ثقہ ہے، اس کے بارے میں توثیق ہی معتبر ہے اور جرح کا کوئی اعتبار نہیں، اسی طرح جو راوی ان اصولوں سے ضعیف ٹھہرتا ہے اس کے بارے میں جرح تو ذکر کی جائے گی لیکن اس کے متعلق کسی توثیقی جملہ کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھا جائے گا۔

یہ ہے حضرت امام اہلسنت کی عبارت کا صحیح مطلب، جس کو زبیر علی زئی نے غلط رنگ دینے کی ناکام کوشش کی ہے۔ اب جمہور محدثین کا توثیق وتضعیف کے متعلق یہ مسلمہ اور طے شدہ اصول کیا ہے؟

اس کا جواب مولانا محمد گوندلوی صاحبؒ (جن کو زبیر علی زئی "شیخ الاسلام، شیخ القرآن والحدیث، الامام الثقہ، المتقن الحجۃ، المحدث الفقیہ الاصولی" قرار دیتے ہیں۔ [۲] سے ملاحظہ ہو، موصوف لکھتے ہیں:

---

[۱] احسن الکلام (۲:۶۱) طبع چہارم

[۲] الکواکب الدریہ (ص ۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اگر جرح وتعدیل میں تعارض ہو تو کیا کیا جائے۔

(۱) جرح مقدم ہوگی۔

(۲) اگر تعدیل کرنے والے زیادہ ہوں تو ان کا اعتبار ہوگا۔ علامہ خطیب فرماتے ہیں: یہ صحیح نہیں ہے۔

(۳) یہ دونوں قول متعارض ہوں گے، کسی خارجی دلیل سے ایک کو دوسرے پر ترجیح ہوگی۔

پہلا قول: (جرح مقدم ہوگی) صحیح ہے مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ جرح مفسر ہو تو تعدیل پر مقدم ہوگی ورنہ نہیں۔[۱]

نیز لکھتے ہیں: جرح تعدیل پر مقدم ہوتی ہے، خصوصاً جب مفسر ہو۔[۲]

مزید لکھتے ہیں: راجح اور صحیح نقادانِ فن کی نظر میں یہی ہے کہ جرح مفسر اور تعدیل کا تعارض ہو تو جرح کو ترجیح ہے، عام اس سے کہ معدلین (توثیق کرنے والے) زائد ہوں یا کم۔[۳]

مولانا گوندلوی کے شاگرد مولانا ارشاد الحق اثری، جن کو زبیر علی: محقق جلیل القدر کہتے ہیں۔[۴] فرماتے ہیں: جب کہ جرح مفسر کی موجودگی میں توثیق معتبر نہیں۔[۵]

خود زبیر علی زئی نے لکھا ہے کہ: اگر جرح مفسر اور تعدیل مفسر باہم برابر ہو تو جرح مقدم

---

[۱] خیر الکلام (ص ۴۵)

[۲] التحقیق الراسخ (ص ۱۱۴)

[۳] ایضاً (۱۷۲)

[۴] الحدیث (۴:۱۲)

[۵] توضیح الکلام (۲:۲۷۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

ہوگی۔[۱]

نیز وہ اپنے شیخ الاسلام حافظ محمد گوندلوی ؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں: وَالْجَرْحُ مُقَدَّمٌ عَلَى التَّعْدِيْلِ، "جرح تعدیل پر مقدم ہے" تعدیل مبہم مقلد کا مایہ ناز ہو سکتی ہے، ایک تشنۂ تحقیق کی سیرابی کے لیے ناکافی ہے۔[۲]

ان بیانات کی روشنی میں زبیر علی زئی عیسیٰ بن جاریہ (جس کے بارے میں جرح مفسر ہونے کا اقرار خود علمائے غیر مقلدین کو بھی ہے۔[۳]) کے متعلق خود ہی فیصلہ کرلیں۔

ع بندہ پرور منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر

تصویر کا دوسرا رخ:

ایک طرف تو زبیر علی زئی اپنے اکابرین اور خود اپنی تصریحات سے ہٹ کر جمہور محدثین کا موقف بیان کر رہے ہیں، جب کہ دوسری طرف وہ اپنے اس بیان کردہ موقف پر بھی پورے نہیں اترتے، اور جب بھی یہ موقف ان کے موقف کے ساتھ ٹکرائے تو پھر یہ جمہور محدثین کا دامن چھوڑ کر اقلیت کے پرچم کے نیچے پناہ لے لیتے ہیں۔ چنانچہ امام یحییٰ بن معین ؒ (م ۲۳۳ھ) کے شاگرد محمد بن سعد عوفی ؒ (م ۲۷۶ھ) نے ان سے امام ابوحنیفہ ؒ (م ۱۵۰ھ) کی توثیق نقل کی ہے، جو کہ زبیر علی زئی جیسے متعصب غیر مقلد کے لیے کیسے برداشت ہو سکتی تھی، اس لیے انہوں نے محمد بن سعد عوفی ؒ کو ہی ناقابل استدلال قرار دے دیا، اور ان کے بارے میں لکھا کہ:

محمد بن سعد العوفی کو خطیب البغدادی اور ابن الجوزی دونوں نے لَیِّن یعنی ضعیف کہا،

---

[۱] نور العینین (ص ۴۲)

[۲] ایضاً (ص ۱۵۵)

[۳] دیکھئے رکعاتِ تراویح ایک تحقیقی جائزہ (ص ۲۱۰۔۲۱۶) طبع اول، (ص ۳۰۵۔۳۱۴) طبع ثانی

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اور دارقطنی نے "لا بأس به" قرار دیا ہے۔ جمہور کی ترجیح کی وجہ سے جرح مقدم ہے۔ [۱]

اب یہاں علی زئی نے اپنے مطلب کے لیے دارقطنیؒ کے مقابلے میں خطیب بغدادیؒ اور ابن الجوزیؒ کو جمہور قرار دے کر ان کی بات کو ترجیح دے دی، لیکن دوسری طرف جب علامہ خطیب بغدادیؒ (م ۴۶۳ھ) نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے امام ابو حنیفہؒ کی ملاقات کا ذکر کیا، اور امام ابن الجوزیؒ (م ۵۹۷ھ) سمیت بیسوں محدثین نے علامہ خطیبؒ کے اس مؤقف کی تائید کی [۲] لیکن یہاں علی زئی کو امام ابو حنیفہؒ کی دشمنی میں یہ ساری جمہوریت بھول گئی، اور علامہ خطیبؒ کے مقابلے میں امام دارقطنیؒ (م ۳۸۵ھ) سے منسوب قول کہ جس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے امام ابو حنیفہؒ کی ملاقات کی نفی ہے، کو ترجیح دے دی، اور اس کے لیے ایک نیا اصول اختراع کر لیا کہ:

ان دونوں (دارقطنیؒ وخطیبؒ) کے اقوال میں متقدم واوثق ہونے کی وجہ سے دارقطنی کے قول کو ہی ترجیح حاصل ہے۔ [۳]

اندازہ لگائیں کہ زبیر علی زئی اپنے مفاد کے لیے کس طرح قلا بازیاں کھا رہے ہیں کہ کہیں دارقطنیؒ کے قول کو جمہور کے مقابلے میں کہہ کر رد کر رہے ہیں، اور کہیں جمہور کے مقابلے میں ان کو متقدم واوثق کہہ کر ان کی بات کو قبول کر رہے ہیں۔

علاوہ ازیں رُواتِ حدیث کے متعلق بھی علی زئی جمہور محدثین کے فیصلوں کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں، چنانچہ متعدد ایسے راوی ہیں جو کہ جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ بھی ہیں، اور محدثین نے ان کے جمہور محدثین کے ہاں ثقہ ہونے کی تصریحات بھی کی ہیں،

---

[۱] الحدیث (۲۳:۹)

[۲] دیکھئے ہماری کتاب "امام اعظم ابو حنیفہؒ کا شرفِ تابعیت" (ص ۸۲۔۹۰)

[۳] الحدیث (۱۷:۱۹)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

لیکن اس کے باوجود زبیر صاحب نے ان کا ثقہ ہونا تسلیم نہیں کیا، کیونکہ اس سے ان کے مؤقف پر زد پڑتی تھی۔ اسی طرح کتنے ہی راوی ہیں، جن کے متعلق محدثین نے تصریح کی ہے کہ یہ جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں، لیکن زبیر علی ان کو ثقہ کہتے ہیں، کیونکہ ان کی روایات زبیر صاحب کے حق میں ہیں۔ ذیل میں ایسے چند راویوں کا تعارف ملاحظہ ہو۔

(۱) امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ

حضرت امام صاحبؒ (م ۱۵۰ھ) کی جمہور محدثین نے توثیق کی ہے، چنانچہ شیخ الاسلام حافظ المغرب علامہ ابن عبد البر مالکیؒ (م ۴۶۳ھ) آپ کے بارے میں تصریح کرتے ہیں:

"اَلَّذِيْنَ رَوَوْا عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَوَ ثَّقُوْهُ وَاثْنَوْا عَلَيْهِ اَكْثَرُ مِنَ الَّذِيْنَ تَكَلَّمُوْا فِيْهِ۔"[۱]

"جن محدثین نے امام ابو حنیفہؒ سے روایت کی ہے، اور آپ کی توثیق و تعریف کی ہے، یہ ان لوگوں سے زیادہ ہیں جنہوں نے آپ پر تنقید کی ہے۔"

مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ غیر مقلد (م ۱۳۲۹ھ) نے بھی اپنی کتاب "رَفْعُ الْاِلْتِبَاس عَنْ بَعْضِ النَّاس" میں یہ تسلیم کیا ہے کہ:

ایک خلق کثیر نے امام صاحبؒ کے فضائل و کمال اور محامد و محاسن کا اعتراف کیا ہے، حتیٰ کہ مادحین کی تعداد مذمت کرنے والوں سے، تحسین کرنے والوں کی تعداد تنقیص کرنے والوں سے، تزکیہ کرنے والوں کا شمار متہم کرنے والوں سے، تعدیل کرنے والوں کا عدد جرح کرنے والوں سے زیادہ ہے۔[۲]

---

[۱] جامع بیان العلم وفضلہ (۲:۱۴۹)

[۲] ہفت روزہ الاعتصام (۲۷ ستمبر ۲۰۰۲ء، ص ۲۹)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

لیکن اس کے بالمقابل زبیر علی زئی، امام صاحبؒ کے خلاف اپنی خباثت اور بدبختی کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ امام صاحب کی توثیق کسی محدث سے ثابت ہی نہیں ہے۔[1]

"لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الْكَاذِبِيْن"

(۲) نعیم بن حماد:

یہ وہ شخص ہے کہ جس بدبخت نے امام اعظمؒ کے خلاف جھوٹی روایتیں وضع کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا، علامہ خطیب بغدادیؒ (م ۴۶۳ھ) نے حافظ عبدالغنیؒ (م ۴۰۹ھ) سے نقل کیا ہے کہ: سَقَطَ نُعَيْمٌ عِنْدَ كَثِيْرٍ مِّنَ الْحُفَّاظِ[2] نعیم بن حماد بکثرت حفاظ حدیث کے نزدیک ساقط ہے۔

حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) فرماتے ہیں: لَا يَجُوْزُ لِأَحَدٍ أَنْ يَحْتَجَّ بِهِ[3] کسی شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ اس شخص سے حجت پکڑے۔

اب چونکہ یہ شخص زبیر علی زئی کی طرح امام اعظمؒ کی دشمنی میں ملوث رہا ہے، اس لیے زبیر علی زئی نے جمہور محدثین سے بغاوت کرتے ہوئے اس کو ثقہ قرار دیا ہے، اور یہاں تک جھوٹ بولا ہے کہ یہ جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ ہے۔[4]

"لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الْكَاذِبِيْن"

(۳) امام ابو یوسف رحمہ اللہ

امام اعظم رحمہ اللہ کے سب سے بڑے شاگرد امام ابو یوسف رحمہ اللہ (م ۱۸۲ھ) بھی

---

[1] تحفۃ الاقویاء (ص ۱۱۱)

[2] سیر اعلام النبلاء (ت ۱۷۴۹)

[3] ایضاً

[4] تحفۃ الاقویاء (ص ۱۱۱)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں، چنانچہ علامہ ابن خلکانؒ (م ۶۸۱ھ) اور علامہ ابن الاھدلؒ (م ۸۵۵ھ) آپ کے بارے میں فرماتے ہیں:

"وَاَکْثَرُ النَّاسِ مِنَ الْعُلَمَاءِ عَلٰی تَفْضِيْلِهٖ وَتَعْظِيْمِهٖ۔"[۱]

"اکثر اہل علم امام ابو یوسفؒ کی فضیلت اور عظمت شان کو تسلیم کرتے ہیں۔"

بزرگ غیر مقلد عالم مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹیؒ (م ۱۳۷۵ھ) ارقام فرماتے ہیں:

امام ابو یوسفؒ محدثین کے نزدیک ثقہ اور معتبر ہیں۔[۲]

لیکن زبیر علی زئی جمہور علماء کے اس فیصلے کے خلاف یہ راگ الاپتے ہیں کہ:

قاضی ابو یوسف روایت حدیث میں ضعیف ہیں، کیونکہ جمہور محدثین نے انہیں ضعیف و مجروح قرار دیا ہے۔[۳]

"لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ"

(۴) عبید اللہ بن موسیٰ (م ۲۱۳ھ)

یہ کٹر شیعہ اور عند الجمہور متکلم فیہ ہے، چنانچہ امام ابن سعدؒ (م ۲۳۰ھ) اس کے متعلق لکھتے ہیں:

"وَكَانَ يَتَشَيَّعُ، وَيَرْوِىْ اَحَادِيْثَ فِى التَّشَيُّعِ مُنْكَرَةً وَ ضُعِّفَ بِذٰلِكَ عِنْدَ كَثِيْرٍ مِّنَ النَّاسِ۔"[۴]

"یہ شیعہ ہے، اور اس نے شیعہ مذہب کی تائید میں منکر حدیثیں روایت کی ہیں، اور

---

[۱] وفیات الاعیان (۳:۳۹۳)، شذرات الذھب (۱:۲۹۹)

[۲] واضح البیان فی تفسیر ام القرآن (ص ۱۰۵)

[۳] الحدیث (۱۹:۵۳)

[۴] تھذیب التھذیب (۴:۳۶)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اسی وجہ سے یہ بکثرت لوگوں کے نزدیک ضعیف ہے۔"

اس شیعہ اور ضعیف عندالجمہور نے جب امام ابو یوسف ؒ کے خلاف ایک روایت نقل کی تو زبیر علی زئی نے تمام شرم وحیا کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اس کی سند کو صحیح کہہ ڈالا۔[۱]

یہ ہے ان کا انصاف! کہ جس راوی کو جمہور محدثین ثقہ کہہ رہے ہیں، یہ اس کو ضعیف کہتے ہیں، اور جو راوی جمہور کے ہاں ضعیف ہے ان کے نزدیک وہ ثقہ ہے۔ ۔

خرد کا نام جنوں، جنوں کا نام خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

نیز کئی ایسے رُوات بھی ہیں کہ جن کے بارے میں خود علی زئی نے محدثین سے نقل کیا ہے کہ یہ عندالجمہور ثقہ یا ضعیف ہیں، لیکن پھر بھی علی زئی نے محدثین کے فیصلوں کو تسلیم نہیں کیا، بلکہ محدثین کے مقابلے میں اپنا نیا جمہور کھڑا کر لیا۔ مثلاً امام ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) نے محمد بن عثمان بن ابی شیبہ (م ۲۹۷ھ) کے بارے میں تصریح کی ہے کہ صالح جزرہ (م ۲۹۳ھ) نے اس کو ثقہ کہا ہے، اور جمہور محدثین نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔[۲]

لیکن زبیر علی زئی نے امام ذہبیؒ کے اس قول کو نقل کرنے کے بعد ان کے اس فیصلے سے بغاوت کرتے ہوئے لکھا ہے:

عرض ہے کہ نہ تو صالح جزرہ کی توثیق ثابت ہے، اور نہ جمہور نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔[۳]

---

[۱] الحدیث (۱۹:۵۰)

[۲] العبر (۱:۳۴)

[۳] الحدیث (۴۴:۲۶)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اس طرح امام ہیثمیؒ (م ۸۰۷ھ) نے قاسم ابوعبدالرحمان کے بارے میں کہا ہے کہ وہ اکثر (جمہور) کے نزدیک ضعیف ہے۔[۱] لیکن علی زئی نے امام ہیثمیؒ کا یہ قول نقل کرنے کے بعد بڑی ڈھٹائی سے یہ دعویٰ کر دیا کہ:

تحقیق کر کے یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ قاسم مذکور جمہور کے نزدیک موثق ہے۔[۲]

بلکہ کئی ایسے راوی بھی ہیں کہ جن کے بارے میں خود زبیر علی زئی نے یہ اقرار بھی کیا ہے کہ یہ جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں، لیکن پھر بھی یہ ان کو ثقہ ماننے کے لیے تیار نہیں۔ مثلاً

امام سحنون مالکیؒ (م ۲۴۰): زبیر علی زئی نے تسلیم کیا ہے کہ یہ جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں، لیکن پھر بھی ان کو ثقہ نہیں مانا۔

چنانچہ لکھتے ہیں: سحنون کی اگرچہ بہت سے اماموں نے تعریف و توثیق کی ہے. لیکن امام ابویعلی الخلیلی فرماتے ہیں: لَمْ يَرْضَ أَهْلُ الْحَدِيثِ حِفْظَهُ۔ یعنی محدثین کرام اس کے حافظے پر خوش نہیں ہوئے۔[۳]

اندازہ کریں کہ یہ خود تسلیم کر رہے ہیں کہ سحنونؒ عندالجمہور ثقہ ہیں، لیکن اس کے باوجود محض نامعلوم محدثین کے قول کی بنا پر اس کو ثقہ ماننے کے تیار نہیں ہیں۔ حالانکہ زبیر صاحب یہ خود تصریح کر چکے ہیں کہ:

ایسی جرح (۱) غیر مفسر، (۲) جارح کے نامعلوم۔ اور (۳) جمہور کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہوتی ہے۔[۴]

---

[۱] مجمع الزوائد (۱:۹۶)

[۲] الحدیث (۲۲:۵)

[۳] نورالعینین (ص ۲۲۸۔۲۲۹)

[۴] نورالعینین (ص ۱۰۷)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

اسی طرح ایک راوی "شہر بن حوشب" (م ۱۰۰ھ) کے بارے میں زبیر صاحب نے یہ تسلیم کیا ہے کہ: میری تحقیق میں جمہور محدثین نے اسے ثقہ وصدوق قرار دیا ہے، لہٰذا وہ حسن الحدیث ہے۔ [۱]

لیکن جب اس کی روایت اپنے مسلک کے خلاف آئی تو اس کی روایت کو رَد کرکے جھٹ یہ کہہ دیا کہ: اس روایت کے ایک راوی شہر بن حوشب پر کافی کلام ہے۔ [۲]

اور پھر ان کی دلچسپ بات یہ ہے کہ جب یہ کسی راوی کو ثقہ یا ضعیف (حسبِ مفاد) ثابت کرنا چاہیں تو جمہور کی اوٹ لیتے ہیں کہ یہ راوی عند الجمہور ثقہ ہے، یا عند الجمہور ضعیف ہے، اور پھر اپنی اس تحقیق کو حرفِ آخر باور کراتے ہیں۔ لیکن جب اس راوی کے بارے میں ان کا مفاد بدلتا ہے تو پھر وہ اپنی تحقیق کو بھی بدل لیتے ہیں، اور جمہور بے چارے کو بھی ادھر ہی گھسیٹ لیتے ہیں۔ مثلاً ایک راوی ابو بکرؒ بن عیاشؒ، (م ۱۹۳ھ) جس نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ترکِ رفع یدین کی حدیث روایت کی ہے، زبیر علی زئی نے اس کو عند الجمہور ضعیف ثابت کرنے کے لیے خوب ایڑی چوٹی کا زور لگایا، اور بڑے شد و مد کے ساتھ یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ میری یہ تحقیق بس حرفِ آخر ہے، چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

ابو بکر بن عیاش کو جمہور محدثین نے حافظے کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔ [۳]

نیز لکھتے ہیں:

حدیث میں آپ جمہور محدثین کے نزدیک کمزور قرار پائے۔ [۴]

---

[۱] الحدیث (۵:۲۲)

[۲] نور العینین (ص ۲۱۱)

[۳] حاشیہ جزء رفع الیدین (ص ۴۶)

[۴] نور العینین (ص ۱۷۶)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

زبیر علی زئی نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ:

دلائل قطعیہ اور راجح دلائل سے ثابت ہے کہ ابو بکر بن عیاش وغیرہ راوی ضعیف و مجروح ہیں۔ [۱]

نیز لکھتے ہیں:

ابو بکر بن عیاش حافظے کی وجہ سے عند الجمہور ضعیف اور کثیر الغلط تھے، جیسا کہ میں نے اپنی کتاب "نور العینین فی مسئلہ رفع الیدین جدید" ص ۱۶۵، ۱۶۱، ۱۸۱ میں ناقابل تردید دلائل سے واضح کر دیا ہے۔ [۲]

ابو بکر بن عیاش کے بارے میں زبیر علی زئی کا پہلے یہ مؤقف تھا، لیکن جب ان کو یہ احساس ہوا کہ اس کو ضعیف کہنے سے تو اس کی ان روایات سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا جن سے ہمارے مسلک کی تائید ہوتی ہے، تو انہوں نے فوراً پینترا بدلا، اور اس کے بارے میں اپنے مؤقف کو تبدیل کر دیا، اور کل تک جس راوی کو جمہور کے ہاں ضعیف باور کرا رہے تھے، اب اسی کو جمہور کے ہاں ثقہ ثابت کر رہے ہیں، اور جن دلائل کو وہ کل تک قطعی، راجح اور ناقابل تردید کہہ رہے تھے، خود ہی اب ان کی تردید کر کے اپنے جھوٹے اور کذاب ہونے پر مہر ثبت کر دی۔

چنانچہ لکھتے ہیں:

راقم الحروف کی تحقیق جدید میں ابو بکر بن عیاش ؒ جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ و صدوق راوی ہیں، لہٰذا وہ حسن الحدیث ہیں [۳]

اسی طرح محدث احمد بن کامل القاضی ؒ (م ۳۵۰ھ) نے جب امام ابو یوسف ؒ (م

---

[۱] الحدیث ۲۳:۲۱

[۲] القول المتین (ص ۳۰)

[۳] الحدیث (۵۸، ۵۴)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1

۱۸۲ھ) کی توثیق کی تو زبیر غیر مقلد نے ان پر تنقید کر ڈالی، اور ان کے بارے میں یہ دعویٰ کر دیا کہ ان کی کسی قابل اعتماد محدث سے توثیق ثابت نہیں ہے۔[۱] لیکن کچھ عرصہ کے بعد زبیر علی زئی کو جب امام محمد بن حسنؒ (م ۱۸۹ھ) کے خلاف احمد بن کاملؒ کی ایک روایت مل گئی تو انہوں نے حسب عادت فوراً پینترا بدل دیا، اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ:

احمد بن کامل القاضی جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں، اور ان کے بارے میں جرح منسوخ ہے۔[۲]

اب جو لوگ خود جھوٹ اور دوغلی پالیسی میں سرتاپا غرق ہوں، اور آئے روز جمہور محدثین پر نئے نئے جھوٹ باندھ رہے ہوں کیا ان کو بھی یہ زیب دیتا ہے کہ وہ دوسروں کو دوغلاپن اور جمہور سے ہٹنے کے طعنے دیں؟ ؎

دوسروں پر طعن کرتے ہو اپنے گھر کی خبر نہیں
تم سا احمق تو دنیا میں کوئی بشر نہیں!

وصلّی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہٖ محمد و علی آلہ واصحابہ واتباعہٖ اجمعین۔

۱۳ ذوالحجۃ ۱۴۲۹ھ، ۱۱ دسمبر ۲۰۰۸ء جمعرات

[۱] ایضاً (۴۶:۱۹)
[۲] ایضاً (۳۰:۵۵)

For more geat books please visit our TELEGRAM CHANNEL... https://t.me/pasbanehaq1